آفتابِ عالم

صادق حسین سردھنوی



ناشر: مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات۔ جامع مسجد دہلی

صلے اللہ علیہ وسلم
نبی کریم کی حیات طیبہ پر مکمل اور مستند کتاب

یعنی

آفتابِ عالم

جس نے دنیائے اسلام میں ہل چل ڈال دی ہے

مصنفہ

مولٰنا محمد صادق حسین صاحب صدیقی (مرحوم)

مصنف

ہاشمی دوشیزہ، حمیرا، محمد قاسم، طارق، شہزادی عباسہ، معرکہ روم، یونان وغیرہ

ناشر

مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات
جامع مسجد دہلی

کتاب ———— آفتاب عالم

مصنف ———— مولٰنا محمد صادق مرحوم

بار ———— اوّل

باہتمام : ———— شکیل انجم، جمیل انجم

ناشر : مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات جامع مسجد دہلی

تعداد : ———— گیارہ سو

قیمت : ———— 12/- [redacted] روپے [redacted]

سول ایجنٹ :

انجم بک ڈپو جامع مسجد دہلی

اظہار ما فی الضمیر

یہ حقیقت عالم آشکارا ہو چکی ہے ۔ کہ کسی قوم کو زندہ کرنے یا زندہ رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے ۔ کہ اس قوم کی تاریخ اس کے سامنے پیش کی جائے ۔ مشاہیر عہد گذشتہ کے حالات اور واقعات بیان کر کے نوجوانانِ قوم کے دلوں میں جوش وامنگ کی لہریں پیدا کی جائیں اور یہ بتایا جائے کہ کس طرح قومیں بنتی ہیں اور کس طرح معراج ترقی پہ پہنچتی ہیں ۔ اور کیسے حکمرانی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ۔ اور کس طرح نکبت و پستی میں غرق ہو کر مٹ جاتی ہیں ۔

یہ امر واقعہ ہے کہ وہ اقوام بھی جنکی کوئی باعظمت تاریخ نہیں ہے جھوٹے قصّے اور فرضی افسانے تصنیف و تالیف کر رہی ہیں ۔ اور ان جھوٹے افسانوں کو تاریخی جامہ پہنا کر نوجوانان قوم کے سامنے پیش کر رہی ہیں ۔ جن سے ان کی صداقت کا یقین ہو جائے

دروغ کو فروغ دینے کی یہ قابل شرم کوشش اس لیئے کی جا رہی ہے کہ قوم کے ہونہار فرزندوں کو مسابقت اقوام کے میدان میں تیز گام بنایا جائے ۔ یہ بات بھی حقیقت الامر ہے ۔ کہ جو قوم کسی قوم سے رقابت یا عداوت رکھتی ہے وہ اس کی تاریخ کو مسخ کر کے اس کے افراد کو اس کی تاریخ سے غافل اور ناواقف رکھنے کی کوشش میں شب و روز مصروف رہتی ہے ۔

شاندار تاریخ اسلام

دنیا جانتی ہے کہ اقوامِ عالم میں صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے۔ جو سب سے زیادہ شاندار تاریخ رکھتی ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے بزرگوں کے محیر العقول اور نادرہ زمانہ کارناموں کی نسبت ایسا یقینی علم حاصل کر سکتی ہے۔ جو ہر قسم کے ریب و شک سے پاک وصاف ہے اور جس میں کسی قسم کا غلو نہیں ہے۔ لیکن دَورِ زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ مسلم نوجوان اپنی شاندار تاریخ سے اسی طرح غافل اور ناواقف ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جس طرح آجکل کے مسلمان قرآن اور تعلیم قرآن سے ناآشنا ہو گئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں۔ کہ ان کے بزرگوں نے کیا کیا کارہائے نمایاں کیئے ہیں۔ کسطرح قیصر کسریٰ کی زبردست سلطنتوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

شاندار اسلامی تاریخی ناول

مسلمانوں کو تاریخ اسلام سے واقف وآشنا کرنے کے لیے میں نے شاندار تاریخی ناولوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان ناولوں کو قوم کے فرزندان نوجوان نے استحسان کی نظروں سے دیکھا ہے۔ اس سلسلہ میں آستانہ کی حُور۔ محبوبہ حلب رومی شہزادی۔ بسعید فلپا۔ فتح یرموک۔ فتح انطاکیہ۔ جنگ صلیب وہلال کابل کی دوشیزہ۔ معشوقہ ہند۔ مشرق کی حُور۔ عرب کا چاند۔ ایران کی حسینہ آرمینیہ کا چاند۔ اب تک شائع ہو چکے ہیں۔

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا

بعض ناعاقبت اندیش یا تاریخی حقائق سے ناآشنا یا متعصب لوگ الزام لگا رہے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا خیال اس

وجہ سے ہوا ہو کہ اسلام دنیا بھر میں چھایا ہوا ہے۔ ان کی دماغی بضاعتی نے انہیں یہ یقین کرنے پر مجبور کیا ہو کہ بغیر تلوار کے چاردانگ عالم میں اسلام نہیں پھیل سکتا تھا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اپنے بے نظیر تاثیر عالمگیر اخوت۔ اور عدیم المثال زریں اصول اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے پھیلا اور پھیل رہا ہے۔ موجودہ ناول کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جائے گی۔ کہ تلوار کے زور سے اسلام پھیلنے کا رکیک وسفیہانہ الزام حق و صداقت سے اتنا ہی دور ہے۔ جتنا کہ زمین سے آسمان۔"

ایک عجیب خواب

میرا یہ کبھی خیال نہیں ہوا تھا کہ سیرۃ النبی پر کوئی ناول لکھوں۔ اس کی زیادہ تر وجہ اپنی کم بضاعتی اور بے مرمائیگی تھی۔ لیکن ایک وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ کہ شہنشاہ عرب و عجم۔ فخر بنی آدم۔ حبیب خدا حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات بطرز ناول لکھتے ہوئے بوجہ سوئے ادبی طبیعت ہچکچاتی تھی۔ دل دکھتا تھا لیکن یہ رکاوٹ ایک عجیب طریقہ سے دور ہو گئی یا دور کر دی گئی۔

ایک شب کو ــــــ میں سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ اور نوجوان صورت پیر مرد آئے ان کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ براق جیسے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ انہوں نے مجھے جگایا۔ میں حیران وار اس کی صورت تکنے لگا۔ انہوں نے نہایت نرم لہجہ میں دریافت کیا، کیا تم بیدار ہو گئے۔

میں نے کہا۔ ہاں میں جاگ رہا تھا۔ حالانکہ میں سو رہا تھا اور یہ سب کچھ خواب میں ہو رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا۔ حضور کیسے تشریف لائے؟ پیر مرد نے سنجیدگی اور متاثر کن لہجہ میں کہا۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ تم نے اسلامی تاریخی ناول لکھ

کر دنیائے تاریخ میں ہلچل ڈال دی ہے۔ فرزندانِ توحید کے دلوں میں حریت و جوش کی رُوح پھونکدی ہے۔ تمہارے اس فعل نے ان ہستیوں کو جو اہل جہاں کی نظروں سے مستور ہو گئے ہیں مسرور کر دیا۔ لیکن تم نے حضرت محمدؐ کے زمانہ کا ناول نہیں لکھا۔ حالانکہ ضرورت اس کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ میں سوئے ادبی کی وجہ سے لکھ سکا۔ پیر مرد نے کہا۔ کیسی سوئے ادبی؟ میں نے کہا میرے دل میں حضورؐ کا احترام اس قدر ہے کہ میں آپ کے اسم گرامی کو بار بار لکھنا سوئے ادبی پر محمول کرتا ہوں۔

پیر مرد نے فرمایا۔ نام لکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ دوسری قومیں لکھتی ہیں بلکہ خود مسلمان لکھتے ہیں۔ اگر تم احتیاط چاہتے ہو تو آنحضور صلعم لکھ دیا کرو۔ میں نے کہا۔ انشاء اللہ اب میں ناول لکھوں گا۔ اور اس کا نام آفتاب عالم رکھوں گا۔ پیر مرد نے مسکرا کر کہا۔ نہایت مناسب نام ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور میں پھر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

شہزادی عباسیہ

ابھی میری آنکھ جھپکنے بھی نہ پائی تھی۔ کہ دروازہ پر پڑے ہوئے پردہ کو حرکت ہوئی اور ایک سیاہ پوش عورت نسائیت کی سبک خرامی سے چل کر میرے قریب آ کھڑی ہوئی (یہ تمام واقعہ خواب کا ہے) میں نے اُس عورت کے لبادہ پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ سیاہ رنگ کا بہترین ریشم ہے۔ جس کے حاشیوں پر زردوزی کا کام ہو رہا تھا۔ سچے موتی اور ہیروں کے ٹکڑے ٹکے ہوئے ہونیکی وجہ سے جھلمل جھلمل کر رہا ہے۔ ابھی میں حیرت سے اُسے دیکھ ہی رہا تھا۔ کہ عورت نے اپنا نقاب الٹ دیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے سیاہ بادلوں کو پھاڑ کر اچانک مہتاب نکل آیا ہے اور اسکی ٹھنڈی اور دلفریب روشنی نے تمام مکان کو بھر دیا ہو۔

عورت نوجوان اور اس قدر خوبصورت تھی۔ کہ میں نے نہ صرف بلکہ موجودہ دنیا والوں نے ایسی حسین اور ناز آفرین عورت نہ دیکھی ہوگی۔ جس کی رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی شباب کی شادابیوں میں غرق تھی۔ اس نے ترنم خیز لہجہ میں کہا۔ صادق صاحب مجھے جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ میں نے کہا میں ... نہیں جانتا۔ نہ میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ نہ میری نظروں سے آپ کی تصویر گزری ہے۔

اس حسینہ نے کہا۔ میں خود بتاتی ہوں کہ میرا نام عباسیہ ہے۔ خلیفہ ہارون رشید کی بہن ہوں۔

مجھے تعجب ہوا کہ شہزادی میرے پاس کس لیئے آئی ہے۔ میں نے دریافت کیا آپ میرے پاس کس لیئے تشریف لائی ہیں۔

عباسیہ نے کہا۔ اس لیے کہ مجھ پر ناواقف لوگوں نے غلط اور غیر معتبر الزامات لگا کر میرے دامنِ عصمت پر بدنما داغ لگا دیا ہے۔ تم ایک ناول لکھ کر ان غلط اور بے بنیاد واقعات وبہتان کی تردید کردو۔

میں نے دریافت کیا۔ مگر .... وہ الزامات کیا ہیں۔

عباسیہ نے کہا۔ تم تاریخ سے واقفیت رکھتے ہو۔ کیا یہ سچ ہے کہ جعفر سے میری شادی ہوئی۔ میں نے کہا۔ بالکل غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔ خدا جانے کہاں سے ابن خلدون نے یہ غلط واقعہ اپنی تاریخ میں لکھ دیا ناواقف لوگوں نے اس افسانوی واقعہ کو حقیقت سمجھ لیا۔ عباسیہ نے کہا۔ یہی بات ہے۔ میں اسی واقعہ کی تردید چاہتی ہوں۔ میں نے کہا میں اسکی تردید کی کوشش کروں گا

حسین عباسیہ کی سحر آمیز آنکھوں سے تشکر وامتنان کی دلفریب جھلک نمودار ہوئی۔ اور وہ چلی گئی۔

پیر مرد کی دوبارہ آمد

اب میں پھر بستر پر دراز ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ پیر مرد پھر نمودار ہوئے۔ انھیں دیکھ کر بیٹھا رہ گیا۔ انھوں نے میرے قریب آ کر کہا۔ صادق،، تم سب سے پہلے آنحضور صلعم کی سوانح حیات لکھنا،،

میں نے کہا۔ میں یہ ارادہ کر چکا ہوں۔ کہ سب سے پہلے ناول آفتاب عالم ہی لکھوں گا۔

یہ سن کر پیر مرد چلے گئے اور میں نے پہلی فرصت میں موجودہ ناول لکھنا شروع کر دیا۔ جو تبائید ایزدی پورا ہو کر شائع ہو رہا ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ میں نے اس ناول کو خدمت اور حج و عبادت سمجھ کر لکھا ہے۔ اور اس وجہ سے میں خدا سے اجر و ثواب کی توقع رکھتا ہوں۔

اب خدا سے دعا ہے۔ کہ ناول شہزادی عباسیہ بھی لکھوا دے انشاء اللہ میں اس ناول کو عنقریب شروع کر دوں گا۔

منشی محمد صادق حسین

صدیقی سردھنوی

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۳۴

آفتابِ عالم

پہلا باب

(عجیب روشنی)

رات گذر چکی تھی۔ ستارے جھلملا کر آسمان میں ڈوب رہے تھے۔ ضیا بار روشنی بڑھنے لگی تھی۔ کائنات انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی تھی۔ پُر کیف اور فرحت بخش ہوا کے تاثر سے کائنات کا ذرہ ذرہ۔ پتہ۔ پتہ۔ تر و تازہ ہو کر چمک اٹھا تھا ریگ زار کا شبنم سے بھیگا ہوا۔ سفید ریت نہایت پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ تمام حجاز۔ سلرا عرب ریگ زار ہے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسا کہ ریت کا سمندر لہریں لے رہا ہو۔ ریگستانی ہونے کی وجہ سے عرب کی آب و ہوا خشک ہے۔ گرم ملک ہونیکی وجہ گرمی بھی زیادہ پڑتی ہے۔

بادِ سموم یعنی زہریلی ہوا۔ ملک عرب ہی میں چلتی ہے۔ جو انسانوں کو چشم زدن میں مسموم کر کے مار ڈالتی ہے۔ سارے ملک میں . . . . ریت کے اس قدر ریگ نما تودے ہیں۔ کہ میلوں سبزہ کا نشان نظر نہیں آتا۔ ایک بھی دریا نہیں۔

ریت مسافروں کو اپنے دامنوں میں ایسا چھپا لیتی ہیں۔ کہ پھر اُن کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اگر عرصہ کے بعد پتہ بھی چلتا ہے۔ تو ان کی ان ہڈیوں کا جو ریت کے نیچے دبی ہوئی اس وقت نمودار ہوتی ہیں۔ جب بادِ صر ریت کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینک دیتی

ہے یہی وجہ ہے کہ سیاحانِ عالم کو اندرونِ عرب میں جانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن یہی ریگ زار جو دن میں دوزخ کا نمونہ بنا ہوتا ہے۔ رات کو اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور صبح کیوقت اسکی دلفریبی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

ہمارے ناول کا آغاز سنہ ۶۱۱ء یا سنہ ۱ نبوت سے ہے۔ اس وقت تمام حجاز سارے عرب میں بتوں اور ستاروں کی پوجا کی جاتی تھی۔ تمام عرب۔ عرب کا ہر قبیلہ اور قبیلہ کا ہر فرد بتوں اور ستاروں کا پرستار تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بتوں اور ستاروں کو پوجتے ہوئے بھی حشر نشر اور یوم جزا کے قائل تھے۔

مردوں کو دفن کرتے تھے۔ قبروں پر اونٹوں کو اس لیے ذبح کرتے تھے کہ ان کا عقیدہ تھا۔ . . .

. . .

کہ مردہ یوم محشر اس اونٹ پر سوار ہو کر چلے گا۔ وہ توحید کے قائل تھے۔ کائنات کا پیدا کرنے والا مانتے تھے۔ بتوں کو بارگاہ رب العزت میں شفیع سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ صبح ہو چکی تھی۔ نسیم سحری چل رہی تھی۔ آسمان تبسم ریز ہو کر ایسا روشن ہو گیا تھا۔ جیسے کسی حسین مہ پارہ مسکرانے سے اس کے چاند سے چہرہ پر حسن کی لہریں دوڑ کر اس کے چہرہ کو اس قدر منور کر دیں۔ کہ وہ تنویر حسین بن جائے! اس وقت مکہ کے ایک گوشہ سے نہایت ہلکی سُریلی آواز پیدا ہوئی جو تبدریج بڑھنے لگی۔ اور بڑھتی گئی۔ اور بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھی کہ شہر مکہ کے گلی گلی کوچہ کوچہ گھر میں اس کی آواز سنی گئی۔ آج عربوں کا یوم عید تھا۔ وہ بہت سویرے بیدار ہو چکے تھے آواز کو سن کر مرد اور بچے بیت الحرام کی طرف دوڑنے لگے۔ مکہ کے گلی کوچوں میں چہل پہل شروع ہو گئی۔ اور لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ تیزی سے جاتے نظر آنے لگے سُریلی آواز ابھی تک بلند ہو رہی تھی۔ نہایت دل کش آواز تھی۔ ایسا معلوم ہوتا

تھا۔ جیسے کوئی سُریلا باجہ رہا تھا۔

لوگ اطراف شہر سے تیزی کے ساتھ بیت الحرام کی طرف دوڑ رہے تھے زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ زرتار ٹپکے باندھے تھے۔ پورے عربی لباس میں ملبوس تھے۔ بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ ناف شہر میں واقعہ تھا۔ یہی وہ حرم شریف ہے کہ جسکی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ مدتوں تک توحید پرستوں خدا کے پوجنے والوں کا ملجا و ماوےٰ رہا تھا۔ اب بت پرستوں کے قبضہ میں تھا۔

عرب نہایت سرعت سے دوڑ دوڑ کر آ رہے تھے۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف کھڑے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ خانہ کعبہ کی عمارت پتھر اور چونے سے بنا گئی تھی۔ نہایت مستحکم اور بڑی شاندار تھی۔ ہر چہار طرف متعدد بڑے بڑے اونچے اونچے عالیشان دروازے تھے۔ خانہ کعبہ کے نیچے ہی ایک کنواں تھا۔ کنوئیں کی من پتھر اور دہن کسی قدر چھوٹا تھا یہی کنواں دنیا میں زمزم[1] کے نام سے مشہور ہے۔ کنوئیں کی من کے قریب اُدہر اُدھر بڑے بڑے دو بت تھے۔ ان میں سے ایک بُت کسی حسین عورت کا مجسمہ تھا۔

ایسا معلوم ہوتا۔ جیسے کوئی پری پیکر کھڑی مسکرا رہی ہے۔ اس بت کا نام نائیلہ تھا۔ دوسرا بُت ایک قوی الجثہ انسان کی شکل کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے کوئی پہلوان اپنے حریف کو زیر کر کے کھڑا خوش ہو رہا ہو۔ اس بُت کا نام اساف تھا۔

---

[1] حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دو بیویاں ایک سارہ اور دوسری ہاجرہ تھیں۔ سارہ کے اولاد نہ تھی۔ ہاجرہ کے ایک فرزند حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے سارہ کو خدشہ ہوا کہیں حضرت ابراہیم ہاجرہ سے ان کے بیٹے کیوجہ سے زیادہ محبت نہ کرنے لگیں۔ اس لیئے انہوں نے حضرت ابراہیم کو مجبور کیا۔ کہ وہ ہاجرہ اور اسمٰعیل کو عرلستان میں چھوڑ آویں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم انھیں مکہ کے قریب چھوڑ آئے۔ اس وقت وہاں آبادی نہ تھی حضرت اسمٰعیل کو پیاس معلوم ہوئی۔ وہاں پانی نہ تھا۔ وہ پیاس سے بلکنے لگے۔ اور ایڑیاں رگڑنے لگے۔ قدرت نے ایڑیوں کے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا۔

تمام عرب ان ہر دو بتوں کا احترام کرتے تھے۔ ان کے سامنے آتے ہی سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ چنانچہ جو لوگ اس طرف آئے یا آتے رہے۔ وہ ان کے سامنے آتے ہی سجدہ میں گر پڑتے تھے ....

باجا ابھی تک نہایت سریلے انداز سے بج رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ حرم شریف کے اندر بج رہا ہو۔ خانہ کعبہ کے تمام دروازے ابھی تک بند تھے وجہ یہ ہے کہ ملک عرب میں عموماً اور مکہ میں خصوصاً قریش کا قبیلہ سر برآوردہ تھا۔ ہر قبیلہ قریش سے دبتا اور ان کی فرمانبرداری کو باعثِ افتخار سمجھتا تھا۔ قبیلہ قریش کے سردار عبدالمطلب تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ عبدالمطلب کے دس بیٹے حارث زبیر۔ جحل۔ ضرار۔ معصوم۔ حمزہ۔ ابولہب۔ ابوطالب۔ عبداللہ اور عباس تھے۔ ان میں سے صرف حمزہ۔ ابوطالب۔ ابولہب اور عباس زندہ تھے۔ باقی مر چکے تھے قبیلہ قریش نے ابوطالب کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ عربی قبائل میں یہ دستور تھا۔ کہ ان کا سردار وہی شخص ہو سکتا تھا۔ جو بہترین شاعر۔ بہترین مدبر۔ بہترین سیاست دان اور سب سے زیادہ بہادر ہو۔ ابوطالب میں یہ تمام اوصاف موجود تھے۔ تمام قبائل ان کی بہادری شاعری برتری اور سیاست دانی کا لوہا مانتے تھے۔ ان کا اس قدر رعب تھا۔ کہ کسی کو ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ابوطالب بیت الحرام کے کلید بردار تھے۔ جب تک وہ آ کر دروازہ نہ کھولتے تھے۔ کوئی اندر نہ داخل ہو سکتا تھا۔

لے۔ حضرت سارہ نے اُسے کنوئیں کی شکل میں بنا دیا۔ وہی چاہ زمزم ہے۔ ع۔

ستے میں عمرو بن لحی بن حارث بن امرالقیس حجاز کا بادشاہ تھا۔ اس نے اساف اور نائلہ بت بنوا کر چاہ زمزم کے قریب نصب کر کے لوگوں کو ان کی پرستش کی ترغیب دی تھی۔ اس وقت سے یہ بت پوجے جا رہے تھے۔ (صادق)

کوئی شخص بیت الحرام میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ جب حرب کے تمام قبائل آچکے تو ابو طالب مع اپنے بھائیوں ابولہب۔ حمزہ اور عباس کے آئے۔ چونکہ وہ مکہ کے والی یا بادشاہ تھے۔ اس لئے ان کے ساتھ قبیلہ قریش کے زیادہ آدمی تھے۔ ابو طالب نے آتے ہی دروازہ کھولا۔ پہلے خود خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی۔ بھائیوں کے بعد قریش کا قبیلہ اندر گیا۔ اب ابو طالب نے حکم دیا حرم پاک کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں۔ یہ حکم ہوتے ہی چاروں طرف سے سب دروازے کھول دیئے گئے۔

اور تمام قبائل جوق در جوق خانہ کعبہ میں داخل ہونے لگے۔ بیت الحرام کی عمارت اندر کی جانب سے بھی نہایت شاندار تھی۔ سہ دری نما سینکڑوں کمرے بنے ہوئے تھے۔ تمام عمارت ایک بھورے رنگ کے پتھر کی تھی۔ سہ دریوں کے ستون چھ چھ سات گز اونچے اور تناور درختوں کی طرح موٹے تھے۔

بیت الحرام کے عین بیچ میں بیت اللہ تھا۔ بیت اللہ کے چاروں طرف سیاہ پردے لٹک رہے تھے۔ اور چھت پر ایک بہت بڑا بت رکھا تھا۔ نہایت ڈراونا اور ہیبتناک تھا۔ سیاہ پتھر کا تھا۔ شہر مکہ کے باہر کئی میل کے فاصلہ سے نظر آتا تھا۔ اس بُت کا نام ہبل تھا۔ ہر قبیلہ اُس کی پرستش کرنا لازمی اور ضروری سمجھتا تھا۔

بیت الحرام میں لوگوں کا اس قدر اژدہام ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی ہر قبیلہ مختلف بتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بت بھی سینکڑوں تھے۔ کم از کم تین سو ساٹھ تھے۔ مختلف اطراف میں مختلف جگہ نصب تھے۔ عجب عجب شکل کے تھے۔ ایک بُت سفید پتھر کا نہایت خوبصورت عورت کی شکل کا تھا۔ جسکے بال اسطرح اس کے دوش پر بکھرے ہوئے تھے جیسے کوئی پری پیکر حسینہ ابھی نہا کر اٹھی ہو اور اس نے سر کے بال سکھانے کیلئے کمر اور کندھوں پر بکھیر دیئے ہوں۔

اس بُت کا نام سورع تھا۔ قبیلہ ہذیل اسکی پرستش کرتا تھا۔ چنانچہ اس قبیلہ کے لوگ اس کے سامنے آتے ہی سجدہ میں گر پڑے۔

ایک اور بُت سرخ پتھر کا تھا۔ اسکی صورت شیر کی تھی۔ ایک اونچے اور بڑے چبوترہ پر اس شان سے کھڑا تھا۔ جیسے کہ وہ شکار پر جست کرنے والا ہے اس بت کا نام یغوث تھا۔ یمن کے تمام قبائل اس کی پرستش کرتے تھے ایک بُت بھورے رنگ کے پتھر کا تھا۔ بالکل گھوڑے کی شکل کا تھا۔ اور ایک وسیع سیاہ چبوترے پر کھڑا تھا۔ بڑا ہیبتناک تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ پویہ دوڑنے والا ہے۔ اس کا نام یعوق تھا۔ اسکی پرستش قبیلہ ہمدان کرتا تھا۔ ایک اور بت تھا۔ جو سیاہ پتھر تراش کر بنایا گیا تھا۔ اس کی صورت بالکل گدھ کی سی تھی۔ بڑا خوف ناک تھا۔ سفید پتھر پر نصب تھا۔ لمبی چونچ کھولے۔ پروں کو تولے پرواز کرنے پر آمادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس بُت کا نام نسر تھا۔ ذی الکلاع اس بت کی پرستش کرتے تھے ان کے علاوہ۔ وُد۔ لات۔ منات۔ عزیٰ۔ جبار۔ اوال۔ محترمہ۔ سعد سعیر۔ عبائس۔ رضا۔ ذوالکفین۔ جریش۔ شارق۔ عائم۔ مدان۔ عوف۔ مناف وغیرہ بہت سے بت اور عجیب عجیب شکلوں صورتوں کے تھے۔

باجہ ابھی تک بج رہا تھا۔ اب گھنٹے۔ گھڑیال اور جھانج بھی بجنے لگے تھے۔ ہر بُت پتھر کے چبوترہ پر نصب تھا۔ اور ہر بت کے سامنے اس کا پجاری بیٹھا تھا۔ تمام بتوں کے سامنے بت پرست سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ ابوطالب حمزہ اور عباس خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ہبل کے سجدے میں جا پڑے تھے۔ تمام لوگ خاموشی سے بتوں کو پوج رہے تھے۔ بت پرستی کا ایسا منظر مشکل سے کسی کی نظروں سے گزرا ہوگا۔ ابھی یہ لوگ سجدہ میں ہی پڑے ہوئے تھے کہ بادِ صرصر کے تیز جھونکے چلنے لگے ہوا۔ ریت کے ذروں کو اٹھا اٹھا کر لانے لگی۔

اب آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ چہار طرف پھیل گئی تھی۔ مگر آج دھوپ میں چمک وہ تیزی وہ تپش نہ تھی۔ جو روزانہ ہوتی تھی۔ بلکہ خلاف معمول دھوپ پھیکی ماند اور قدرے سرخی مائل تھی۔ لوگ سجدہ سے سر اٹھا اٹھا کر نہایت ادب سے کھڑے ہوئے اور ہاتھ باندھ باندھ کر۔ نظریں جھکا جھکا کر خاموش کھڑے ہو گئے وہ بتوں کا اس قدر احترام کرتے تھے۔ اس قدر اُن سے ڈرتے تھے کہ آنکھ بھر کر انہیں نہ دیکھتے تھے۔ اُن کی عظمت و جلال سے خائف رہتے تھے۔ بتوں سے ڈرنے کی وجہ سے توہم پرست بھی ہو گئے تھے۔ پجاریوں نے انھیں اور بھی ڈرا ڈرا کر اوہام پرست بنا دیا تھا۔ ابھی یہ لوگ کھڑے ہی ہوئے تھے۔ کہ تیز و تند ہوا کے جھونکے چلنے لگے سب نے گھبرا گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا سرخ جیسے اس میں آگ لگ گئی ہو۔ اور آگ کے شعلوں نے اُسے سرخ بنا دیا ہو۔

لوگ حیرت اور خوفزدہ نظروں سے آسمان کو دیکھنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے آسمان کا سرخ رنگ سیاہی میں تبدیل ہونے لگا۔ بالکل اسی طرح آگ کے بعد دھوئیں کے غُٹ کے غُٹ ماحول کو تیرہ و تار کر دیا کرتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر عربوں کے حواس جاتے رہے۔ وہ ایک دفعہ اور اپنے معبودوں کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ تمام بت پرست سارے پجاری نہایت خائف اور لرزاں تھے۔ سب کے سب گھبرا رہے تھے پجاریوں نے قدرے بلند آواز سے کہا۔ گریہ زاری کرو۔ بتوں کے پجاریوں خوب روؤ۔ بتوں سے اس بلا کو دُور کرنے کے لئے۔ دعا مانگو ایک عام گریہ زاری کی آواز بلند ہوئی لوگ چیخنے اور چلانے لگے۔ رو رو کر بتوں سے اس بلا سے محفوظ رہنے کی التجائیں کرنے لگے۔ ہوا اس قدر تیز ہو گئی تھی۔ کہ سرد ریوں کے وہ پیکر ستونوں کو ہلائے ڈالتی تھی۔ جو لوگ کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں جھٹکا دے کر گرا دیتی تھی۔ آفتاب گویا چھپ گیا تھا۔ دن رات سے تبدیل ہو چکا تھا۔ کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ہوا کے

تیز جھونکے ریت کے انبار لالاکر الٹ رہے تھے۔ ابوطالب اور اُن کے بھائی جو خانہ کعبہ کی چھت پر تھے۔ چبوترہ کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ ابولہب کسی نہ کسی طرح اُن سے الگ ہوگیا۔ ہوا نے اُسے اٹھایا اور چھت سے نیچے گرادیا۔ اُس نے خوفناک چیخ ماری۔ مگر اس کی آواز چیخوں کی آواز میں مدغم ہو کر رہ گئی۔ اس وقت مکہ پر قہر الٰہی کا نزول ہو رہا تھا۔ ملائکہ نے خدا کے حکم سے ہوا کے تمام دروازے کھول دیئے تھے۔ اور ہوا اپنی پوری طاقت سے مکہ والوں پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ تاریکی بحر ظلمات سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ بچے اور بوڑھے سب کے سب چیخ چلا رہے تھے۔ رو رو کر اپنے معبودوں سے التجائیں کر رہے تھے۔ مگر ان کے معبود پتھر کے تھے۔ وہ کچھ سنتے ہی نہ تھے۔ ان کے پرستاروں پر قہر الٰہی کا نزول ہو رہا تھا۔ اور وہ خاموش کھڑے دیکھ رہے تھے۔ لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ قیامت آج ہی واقع ہو گی کائنات کا ذرہ ذرہ آج ہی مٹ جائے گا۔ اربعہ عناصر ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ کر ان کے اوپر گر پڑے گا۔ اس خیال سے ان کے دل ہل گئے سب کانپ گئے۔ وہ بھی چیخ چیخ کر رونے لگے۔ خدا کو ان کی آہ و زاری پر رحم آیا ہوائے تند کے جھونکے کم ہونے لگے۔ اندھیرا چھٹتے چھٹتے اجالا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ہوا تھم گئی۔ گرد و غبار چھٹ گیا۔ آفتاب چمکنے لگا۔ عربوں کی جان میں جان آئی۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے۔

آسمان گرد میں نہایا ہوا تھا۔ گرد و غبار میں اٹ رہا تھا۔ ابھی یہ لوگ کھڑے ہوئے تھے کہ انہوں نے مغرب کی طرف ایک عجیب قسم کی روشنی اور چمک دیکھی۔ عوام الناس میں اس روشنی کو دیکھ کر حیرانگی چھا گئی۔ اس سے پہلے انھوں نے نہ ایسی روشنی دیکھی تھی۔ اور نہ ایسی چمک۔

ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے۔ کہ ایک بڑے آدمی نے بلند آواز سے کہا

شریف عرب۔ تم نے اس روشنی اور چمک کو دیکھا۔ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ کیا بات ہے۔ سب لوگ اسکی طرف دوڑے۔ بڈھا ایک اونچے چبوترہ پر چڑھ کر کہنے لگا۔ سب خاموش ہو جاؤ۔ ایسے خاموش کہ میری کمزور آواز تم میں سے ہر شخص سن سکے۔ سب لوگ نہایت خاموشی سے کھڑے ہو کر اس بڈھے کو دیکھنے لگے۔ اس عرصہ میں ابو طالب اور اُن کے بھائی بھی خانہ کعبہ کی چھت سے نیچے اتر کر بڈھے کے قریب آکھڑے ہوئے۔ اس وقت بیت الحرام میں سکوت مرگ طاری تھا۔ ہر شخص چپ چاپ کھڑا بڈھے کو دیکھ رہا تھا۔ ابولہب جو خانہ کعبہ کی چھت سے نیچے لڑھک گیا تھا۔ اُس کے پاؤں پر ضرب آگئی تھی۔ وہ بھی لنگڑاتا ہوا چل کر ابو طالب کے پاس آکھڑا ہوا اور بڈھے کو غور بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

دوسرا باب (۲)

"کاہن ابر شن"

بڈھا عجیب شکل و صورت کا انسان تھا۔ اس کا چہرہ لمبوترا گال پچکے ہوئے رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں۔ پیشانی تنگ آنکھیں چھوٹی۔ گول حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ سر کے بال سفید اور لمبے تھے۔ جو عورتوں کی لٹوں کی طرح کھجور کے ریشوں سے بندھے۔ دونوں طرف سینے پر پڑے تھے۔ داڑھی ناف تک لمبی تھی۔ مونچھیں واڑی سے مل گئی تھیں لبیں اس قدر بڑھی ہوئی تھیں۔ کہ منہ کو ڈھک کر داڑھی سے جا ملی تھیں۔ بڈھا اس ہیئت کذائی میں اچھا خاصا بن مانس معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں انسان کی کھوپڑی اور داہنے میں کشتی نما

کے ہاتھ کی ہڈی تھی۔ گلے میں ہڈیوں کی مالا تھی۔ پوشاک بھی عجیب تھی۔ ایک لمبا جبہ تھا۔ جس کا نیچے کا حصہ اونٹ کی کھال کا اور کمر کے اوپر کا حصہ اونٹ کی اُون کا تھا سر سے کمبل لپیٹے ہوئے تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی چنگاریوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

اس بڈھے کا نام ابرش تھا۔ یہ کاہنؔ بھی تھا۔ اور اعرافؔ بھی اُسے غیب دانی کا دعوٰے تھا۔ تمام عرب میں اسکی شہرت تھی۔ اہل عرب اسے مافوق الفطرت انسان سمجھتے تھے۔ اس کے عظمت وجلال سے ڈرتے تھے۔ اسکی کہانت اور غیب دانی پر یقین واعتماد رکھتے تھے۔ کسی عرب کی یہ مجال نہ تھی۔ کہ وہ اسکی بات نہ سُنے۔ یا اس کی بات پر یقین نہ کرے۔ ابرش نے شعلہ باز نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ سب خاموش کھڑے اسے تک رہے تھے۔ ابرش نے کہا۔ . . . . اے لات و ہبل پوجنے والو! شاید تم کو یاد ہوگا۔ کہ آج سے پورے چالیس سال قبل اسی طرح کی روشنی اور اسی طرح کی چمک ایک مرتبہ پہلے سے بھی دیکھی جاچکی ہے جس طرح آج ہم تم سب حیران ہیں۔ اس طرح اس روز بھی حیران ہوئے تھے۔ مجھ سے اس روز پوچھا گیا تھا۔ کہ یہ چمک اور روشنی کیسی ہے۔ میں اس روز خاموش ہو گیا تھا۔ اس لیئے کہ میرے علم نے جو بات اس روز مجھے بتائی تھی۔ وہ میں بیان نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور آج میں بغیر دریافت کیئے خود بیان کرتا ہوں۔ لوگ زیادہ توجہ سے اس کی باتیں سُننے اور اُسے غور سے دیکھنے لگے۔

لہ کاہن اس کو کہتے ہیں۔ جو گذشتہ حالات بیان کرے

لہ۔ عراف۔ آئندہ واقعات بیان کرنے والے کو کہتے ہیں۔

ابرشس نے کہا۔ دیکھو! میرے ہاتھ میں یہ انسان کی کھوپری ہے۔ اور یہ ہاتھ کی ہڈی ہے میں نے انھیں اس میدان میں پایا تھا۔ جہاں بنو بکر اور بنو ثعلب جیسے زبردست قبائل کی لڑائی پورے چالیس سال تک جاری رہی تھی۔ ممکن ہے دنیا اس لڑائی کو جہالت کا کرشمہ بتائے۔ لیکن عرب جانتے ہیں۔ اور اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ یہ لڑائی جہالت کی لڑائی نہ تھی۔ بلکہ خودداری اور عزت و ناموس کے تحفظ کے لیئے لڑی گئی تھی۔ کیا کوئی ایسا خوددار عرب ہے جو اپنی اہانت برداشت کرے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس شخص میں خودداری نہیں اور جسے پاس عزت نہیں وہ انسان ہی نہیں۔ ہمارا شیرازہ منتشر ہے طوائف الملوکی ہے۔ ہر قریہ۔ ہر قبضہ ہر شہر کا حکمران الگ ہے۔ مگر ہماری شیرازہ بندی بھی مناسب نہیں ہے۔ جب ہم متفق و متحد ہو جائیں گے۔ ہمیں ایک دوسرے سے دبنا پڑے گا۔ اس سے ہماری خودداری کو دھکا لگے گا۔ اور یہ بات ہماری قومی روایات کے منافی ہے۔ ابرشس تقریر کر رہا تھا۔ لوگ سن رہے تھے۔ ہمیں اسکی تقریر کی وضاحت کے لیئے اس زمانہ میں جو حجاز و عرب کی کیفیت تھی اُسے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ قارئین کرام عرب اور عربوں کی حالت کا اندازہ لگالیں۔ عرب: جیسا کہ ابرشس نے بیان کیا نہایت مغرور متکبر اور سرکش لوگ تھے ہمیشہ آزاد رہے تھے۔ اور آزاد ہی رہنا چاہتے تمام قبائل متفرق تھے۔ ہر قبیلہ کا سردار۔ والی یا بادشاہ جدا تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی

لے۔ یہ مشہور لڑائی ۴۹۲ء سے شروع ہو کر ۵۳۲ء تک جاری رہی بنائے فساد یہ تھی کہ عرب کا اونٹ ایک کھیت میں چلا گیا۔ اس کھیت کی مالک ایک عورت تھی۔ اس نے عورت کو مارا۔ اونٹ نے طیش میں آکر عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی اس بناء پر بنو بکر اور بنو ثعلب قبائل میں جنگ چھڑ گئی۔ اول اول تو دو ہی قبائل لڑتے رہے۔ مگر رفتہ رفتہ تمام قبیلے اس میں شریک ہو گئے۔ اس جنگ میں ستر ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ اور یہ جنگ چالیس سال برابر جاری تھی۔ (صادق حسین صدیقی)

اطاعت کسی حالت میں بھی کرنے کو تیار نہ تھا۔ غرض جہالت کا یہ عالم تھا۔ کہ ذرا ذرا سی بات میں قبائل ٹکرا جاتے تھے۔ مہینوں اور برسوں لڑائی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ سینکڑوں ایسی لڑائیاں ہوئیں۔ جو بلاوجہ مول لی گئیں۔ چونکہ ہر قبیلہ خود کو دوسروں سے برتر۔ افضل بہتر اور ذی عزت سمجھتا تھا۔ اس لیئے بات بات پر جنگ چھڑ جاتی تھی۔ اور ایسی چھڑتی تھی کہ جب تک ہزاروں آدمی نہ مارے جاتے تھے۔ بند نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ گھوڑ دوڑ ہو رہی تھی۔ کئی قبائل کے سوار گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ ایک گھوڑا داحس نامی بھی دوڑ میں شریک تھا وہ اور گھوڑوں سے کسی قدر آگے بڑھا ہوا آ رہا تھا۔ ایک شخص نے اُس کے منہ پر چابک مار دیا وہ جھجک کر پیچھے رہ گیا۔ بس غضب ہو گیا۔ اسی وقت تلواریں میانوں سے کھینچ لی گئیں۔ گھوڑ دوڑ بند ہو کر لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر یہ نہیں کہ اُسی وقت لڑائی کا خاتمہ ہو گیا ہو یا ایک دو روز کے بعد ٹھنڈک پڑ گئی ہو نہیں ۵۶۴ سے یہ جنگ ۶۳۱ تک جاری رہی پورے انہتر سال تک خون ریز معرکے ہوتے رہے۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ عرب قوم جنگ جو تھی۔ تو بے جا نہ ہوگا ذرا ذرا سی اور معمولی معمولی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تو کئی کئی پشتوں تک جاری رہتی اور اس وقت تک جاری رہتی۔ جب تک کہ خاطر خواہ انتقام نہ لے لیا جاتا۔ اکثر و بیشتر باپ اور دادا کا انتقام بیٹے اور پوتوں سے لیا جاتا تھا۔ جو انتقام نہ لے سکتا تھا۔ وہ نہایت حقیر سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر شخص بہادر ہوتا تھا۔ یا اُسے مجبوراً بہادر بننا پڑتا تھا۔ شمشیر زنی۔ نیزہ بازی۔ تیر اندازی، شہسواری میں ہر شخص کو کمال حاصل کرنا پڑتا تھا۔ جو ان باتوں میں کمال حاصل کر لیتا تھا۔ اسکی تمام عرب میں شہرت ہو جاتی تھی۔ سال میں چند مہینے ایسے بھی مقرر کر لیئے گئے تھے۔ جن میں جنگ بند کر دی جاتی تھی۔ ان ایام میں میلے منعقد ہوتے تھے۔ بازار لگتے تھے۔ نمائشیں ہوتی تھیں دُور دُور سے لوگ تیر اندازی شہسواری نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے کرتب دکھانے آتے تھے۔ چونکہ ہر قبیلہ آزاد رہنا چاہتا تھا۔

اس لیے اکثر قبائل خانہ بدوشی کے عالم میں ڈیرے، خیمے لادے پھرتے رہتے تھے خیمے اُونی کمبلوں یا اونٹ کی کھالوں کے ہوتے تھے۔ جہاں چاہتے خیمے نصب کر لیتے اور جب تک چاہتے رہتے۔ مگر خیمے نہایت خوبصورت ہوتے تھے۔

اس دوامی سفر نے انہیں ہمیشہ جفاکش اور مستعد رکھا چونکہ ضروریات زندگی کی کمی تھی۔ اس لیے ان کا تمدن ترقی نہ کر سکا۔ سچ پوچھیے تو تمدن اس وقت ترقی کر سکتا ہے جبکہ انھیں لڑائی جھگڑوں سے فرصت ملتی۔ خانہ جنگی بھی تمدن اور معاشرت کی ترقی میں حائل رہی۔ چونکہ ضروریات زندگی محدود تھیں۔ مشاغل کی کمی تھی۔ اس لیے اوقاتِ جنگ سے بچے ہوئے لمحات فرصت طویل تھے۔ بے کاری نے انھیں شاعری کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ عربوں کو اپنی زبان دانی۔ فصیح البیانی اور قادر الکلامی پر بڑا غرور تھا۔ عبارت مقفی اور مسجع بولتے تھے۔ شہری عرب ہوں یا بادیہ نشیں۔ بدوؤں[1] یا خانہ بدوش سب قادر الکلام شاعر اور فصیح البیان مقرر تھے۔ ایک چرواہا اونٹوں کو چراتے ہوئے شعر کہہ لیتا تھا اور بہترین شعر کہتا تھا۔ ہر میلے اور نمائش کے موقعہ پر مشاعرہ بھی لازمی ہوتا تھا۔ جس کا قصیدہ سب سے بہتر ہوتا اُسے چمڑہ پر لکھ کر بیت الحرام کے دروازے پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ سال بھر لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر اسکی تعریف کرتے رہتے تھے۔

دوسرے سال پھر جس کا قصیدہ سب سے اچھا ہوتا لٹکا دیا جاتا۔ اب قارئین کرام کو معلوم ہو گا۔ کہ زمانہ جاہلیت[2] میں عرب صرف جنگ جو ہی نہ تھے۔ بلکہ عربی زبان کے ماہر معجز بیان مقرر اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ تمام حجاز سارا عرب ان خصوصیتوں میں غرق تھا۔ مگر ایک وصف تمام اوصاف سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ اور وہ مہمان نوازی تھی۔ جب

---

[1] بدو گنوار کو کہتے ہیں۔

[2] مبعوثہ نبوی سے قبل کا زمانہ۔ ایام جاہلیت کہلاتا ہے۔

کسی قبیلہ میں کوئی مہمان آتا۔ . . . اور اُس کا تعلق خواہ . . . دشمن کے قبیلہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کرتے اور نہایت خوشی سے مہماندار ی کے فرائض بجالاتے۔ اس کا خیال بھی نہ کرتے۔ کہ وہ دوست ہے یا دشمن۔ یہ خوبی ان میں تمام اوصاف سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ ابرشس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اے عرب کے مایہ ناز فرزندو! اس کھوپری کی طرف دیکھو۔ اس کھوپری نے مجھے آئندہ واقعات بتا دیئے ہیں دنیا کو پلٹ دینے والی ایک انقلاب رُونما ہونے والا ہے۔

غیور عزلو! کیا تم اپنے خداؤں کی تذلیل گوارا کرو گے۔ ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔ زندگی کے آخری دم تک نہیں! ابولہب کے پیر میں ضرب آگئی تھی۔ اُسے تکلیف تھی۔ وہ اچھی طرح کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس نے چلا کر کہا۔ ہم اپنے معبودوں کی تذلیل کرنے والے کا سر توڑ دینگے۔ مرجائینگے۔ مگر اپنے خداؤں کی تذلیل گوارا نہ کریں گے۔

ابرشس نے کہا۔ یہی ہونا چاہیئے۔ جن معبودوں کو ہم۔ ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں۔ کیا ہم ایسے ہی بےحس ایسے ذلیل ایسے کمینے ہو جائیں گے۔ کہ ان کی تذلیل گوارا کرلیں گے۔ لات و عزیٰ کی قسم ہرگز نہیں۔ معبودان حقیقی کے پجاریو۔ سنو! آج سے ۲۰ برس پہلے رات کو ایسی ہی چمک اور روشنی دیکھی گئی تھی۔ جیسی آج دیکھی ہے۔ وہ رات نہایت ہولناک تھی۔ اس رات کو ہمارا بڑا معبود ہبل[۱] منہ کے بل گر پڑا تھا۔ جب ہم سب نے اٹھا کر اُسے قائم کیا

---

[۱] ہبل عرب کا بڑا معبود تھا۔ یہ بت ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو دوشنبہ کے روز تین مرتبہ گر پڑا تھا۔ وہ روز سعید فخر زماں باعث تخلیق کون و مکاں حضرت محمد صلعم کی پیدائش کا دن تھا۔ اس رات کو شہاب ثاقب آسمان پر نمودار ہوئے تھے۔ جس سے عجیب روشنی اور عجیب چمک پیدا ہوئی تھی۔ دنیا حیران رہ گئی تھی۔ ابرشس نے اسی واقعہ کا تذکرہ کیا تھا۔ (از تاریخ جہاں) (صادق حسین)

تو وہ کھڑا نہ رہ سکا۔ اور پھر گر پڑا۔ ہم نے پھر اُسے اٹھا کھڑا کیا۔ لیکن وہ پھر بھی کھڑا نہ ہوا اور تیسری مرتبہ بھی گر پڑا یہ واقعہ آپ سب اصحاب کو اچھی طرح یاد ہوگا۔ ابولہب نے کہا یاد ہے۔ اچھی طرح یاد ہے۔ تمام حجاز اور سارے عرب پر اس روز ہیبت چھا گئی تھی اُس رات کو آسمان پر بڑی کثرت سے غیر معمولی طور پر ستارے ٹوٹتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ آسمان میں عجیب قسم کی روشنی اور چمک بھی دیکھی گئی تھی۔ اس رات کو صبح صادق کے وقت ہمارا سب سے بڑا خدا خود بخود منہ کے بل گر گیا تھا۔ جب ہم نے اُسے اٹھا کر کھڑا کیا تو وہ کانپ کر پھر گر پڑا۔ ایک دو دفعہ نہیں پورے تین مرتبہ گرا تھا۔ ابرشں نے کہا۔ میرا مقصد اسی واقعہ کو یاد دلانا تھا۔

سُنو۔ اس رات کو صبح صادق کے وقت وہ ہستی عالم وجود میں آئی۔ جو ہمارے معبودوں کی تذلیل واہانت کی علمبردار ہوگی۔ صرف ایک انسان نہایت مستقل مزاج اور حلیم الانسان اس روز پیدا ہوا۔ آج اس کی عمر پورے چالیس سال کی ہو گئی ہے۔ اس کھوپری نے مجھے یہ بتایا ہے کہ اب تک وہ انسان گمنام تھا۔ اب ظاہر ہوگا۔ بتوں کے خلاف کھلا تقریریں کرے گا۔ بت پرستی سے منع کرے گا۔ خدا پرستی کی تعلیم دے گا۔ آؤ رؤو خوب دل کر رؤو۔ ہمارے یہ معبود بھی ہم سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ دنیا ان دیکھے خدا کے سامنے جھک جائیگی۔ تمام عرب اس دباؤ سے متاثر ہوگا۔ کیسا ناقص زمانہ ہوگا۔ ابرشن کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ مجمع میں سے اکثر لوگ رونے لگے۔ ابولہب نے کہا۔ مقدس ہبل کی قسم میں ہر اس شخص کو قتل کر ڈالوں گا۔ جو ان دیکھے خدا کو سجدہ کرے گا۔ ابرشں نے کہا۔ کاش! تم ایسا کر سکتے۔ مگر یہ کھوپری کہتی ہے۔ کہ ایسا نہ کر سکو گے۔ دیکھو گے اپنی آنکھوں سے اپنے معبودوں کی تذلیل دیکھو گے۔ حمزہ نے دریافت کیا۔ کیا کوئی تدبیر اس بلا سے بچنے کی بھی ہے۔ یا نہیں؟

ابرشں نے جواب دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپس کی دیرینہ مخالفتیں چھوڑ دو۔ تمام

قبیلے متفق و متحد ہو جاؤ۔ شیر و شکر کیطرح مل جاؤ۔ اور عہد کرو کہ خدا کو ماننے والے کی مل کر پُر زور مخالفت کریں گے۔ وہ کوئی شخص ہو۔ کسی قبیلہ کا ہو اسکی ایذا رسانی میں کوتاہی نہ کرو گے اور کوشش کر کے اُسے قتل کر ڈالو گے۔ اس زمانہ میں عرب میں چند قبائل بہت زیادہ معزز و متفخر سمجھے جاتے تھے۔ جیسے ایاز ربیعہ۔ مضر۔ قبیلہ مضر کو قریش بھی کہتے تھے۔ قریش کے بھی کئی قبیلے تھے۔ ان قبائل میں بنی سہم۔ بنی مخزوم۔ بنی زہرہ بنی عدی بنی ہاشم زیادہ مشہور تھے۔ یہ تمام وہ قبائل تھے۔ جنکی تمام عرب میں دھاک تھی۔ خصوصیت کے ساتھ قبیلہ بنی ہاشم سب سے زیادہ ذی عزت سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ خانہ کعبہ کا حج تمام قبائل کرتے تھے۔ ہر قبیلہ کا معبود بیت الحرام میں موجود تھا۔ کعبہ مکہ میں تھا۔ مکہ میں بنی ہاشم کی حکومت تھی۔ اس لئے بھی یہ قبیلہ اور قبیلوں سے ممتاز مانا جاتا تھا۔ ابرش کو یہ خیال ہوا تھا کہ ان کے معبودوں کی تذلیل کرنے والا اگر بنی ہاشم میں سے ہوا تو بنی ہاشم کے دبدبہ اور اعزاز کی وجہ سے کوئی اس کی طرف دیکھ نہ سکے گا۔ اس لئے اُس نے یہ چال چلی کہ بیت الحرام میں سب سے اقرار لینا چاہا۔ عربوں کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ جو عہد و اقرار وہ کر لیتے تھے۔ اس سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ خواہ اس میں کتنا ہی مالی اور جانی نقصان کیوں نہ ہو۔

تمام عربوں نے جھک کر اپنے معبودوں کا نام لے لیکر عہد و اقرار کیا۔ کہ وہ اپنے معبودوں کو برا کہنے والے کو قتل کیئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ خواہ وہ کسی قبیلہ سے ہو۔

سب کے بعد ابولہب نے کہا معزز کاہن تم شاید قبیلہ بنی ہاشم کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر ایسا شخص ہمارے قبیلہ میں ہو گا۔ تو سب سے پہلے میری تلوار اس کے سر پر بلند ہو گی۔ ~~یہ خیال کہ~~ خیال نہیں بلکہ مجھے یہ کھوپری بتا رہی ہے کہ معبودوں کو باطل قرار دینے والا بنی ہاشم ہی میں سے ہو گا۔ دیکھو سب دیکھو اس کا نام بھی اس کھوپری۔ مجمع کی طرف کی تھوڑے تھوڑے وقفہ سے چاروں طرف گھمائی۔ سب نے دیکھا۔ کھوپری پر جلی قلم سے نام نامی اور اسم گرامی ''محمدؐ'' لکھا ہوا تھا۔ سب اس

منسرہ نام کو اس معزز متفخر اسم کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضرت محمد عبداللہ کے فرزند ارجمند۔ عبدالمطلب کے پوتے۔ ابولہب کے حمزہ عباس اور ابوطالب کے بھتیجے تھے آنحضور صلعم ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل دوشنبہ بعد از صبح آفتاب قبل از طلوع تولد ہوئے تھے آپ کا سن مبارک پورے ۴۰ برس کا تھا۔ لوگ جانتے تھے۔ اور اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ خاموش۔ متین۔ متحمل مستقل مزاج۔ راستگو امین دیانت دار تھے۔ بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ اکثر خانہ نشین رہتے تھے۔ کبھی کبھی پہاڑوں پر چلے جاتے۔ کئی کئی روز وہاں رہتے۔ لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی۔ جس سے یہ گمان کیا جا سکتا۔ کہ بتوں کے خلاف آواز اٹھانے والے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ جب آپ کا سن مبارک چھ سال کو پہنچا۔ تو آپ کی والدہ آمنہ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس طرح صغر سنی ہی میں والد کی آغوش محبت اور والدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

والدین کی وفات کے بعد آپ اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس رہے۔ لیکن خدائے قدوس کو یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ لاوارث یتیم دلیر نونہال صرف آغوش رحمت میں پرورش پا کر بام عروج پر آفتاب بن کر چمکے۔ اس لئے جب آپ کی عمر آٹھ برس دو مہینے دس دن کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب بھی رحلت فرما گئے۔

نے حبشہ میں ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ اس نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابرہہ الاشرم کو یمن کا گورنر بنا دیا تھا۔ ابرہہ نے یمن میں ایک عالیشان مندر بنا کر عربوں کی ترغیب دی کہ وہ خانہ کعبہ کا حج چھوڑ کر اس مندر کا حج کیا کریں۔ عرب حضرت اسمٰعیل کے زمانہ سے خانہ کعبہ کا حج کرتے چلے آئے تھے۔ انہوں نے یمن میں جا ۔۔ مندر کا حج کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ابرہہ کو بہت غصہ آیا۔ اس نے لشکر جرار اور ہاتھیوں کی کثیر التعداد لیکر خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے مکہ پر چڑھائی کی۔ قریش کو اس لشکر کے آنیکی خبر سنکر خوفزدہ ہو گئے۔ ان میں مقابلہ کی قوت تھی نہ مقابلہ کیا۔ لیکن جب ابرہہ نے اپنے لشکر کیساتھ مکہ پر حملہ کرنا چاہا تو خدا نے ابابیل دجڑیوں کو بھیجا۔ چڑیوں نے چونچوں پر کنکر سے اٹھا اٹھا کر ابرہہ کے لشکر پر پھینکے نتیجہ ہوا کہ ابرہہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ عرب میں یہ واقعہ مشہور ہو چکا تھا۔ اسی سے عام الفیل کے نام سے ایک سن شروع ہو گیا تھا۔

از تاریخ اسلام

اب آپ کے چچا ابو طالب آپ کے والی ہوئے۔ آپ اُن کے پاس رہ کر ۲۵ سال کی عمر کو پہنچے۔ یوں تو تمام حجاز اور سارا عرب آپ کی خوش اخلاقی۔ خوش معاملگی و دیانت و امانت کا قائل تھا۔ لیکن سب سے زیادہ ابو طالب آپ کو مانتے تھے۔

ابو طالب نے کہا۔ ابرش! کیا تم میرے پیارے بھتیجے پر الزام لگا کر کوئی فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو۔ کبھی ایسا نہ کرو۔ میں اُسے برداشت نہیں کر سکتا۔

ابرش نے کہا۔ حضورؐ میں مقدس ہبل کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں اپنی طرف سے نہ کچھ کہہ رہا ہوں نہ کر رہا ہوں۔ میرا علم اس کھوپڑی کے ذریعہ سے جو مجھے بتا رہا ہے میں وہی کہہ رہا ہوں۔

ابو طالب نے جوش میں آکر کہا۔ تم جھوٹے ہو۔ تم کو ہمارے خاندان سے کوئی بغض و کینہ ہے۔ اس دشمنی کو غیب دانی کے پردہ میں نکال رہے ہو!

ابرش نے عاجزانہ انداز سے کہا۔ اے خداوند کہ میری یہ مجال نہیں ہے کہ میں حضورؐ کے خاندان پر کوئی الزام لگاؤں۔ میں حضورؐ کے خاندان کا پروردہ ہوں۔ نمک خوار ہوں میرے دل و دماغ میں دشمنی کا خیال بھی آ نہیں سکتا۔ ایک عرب کبھی نمک حرام اور غدار نہیں بن سکتا۔ ذرا تحمل کیجئے اور دیکھئے کھوپری کیا کہتی ہے۔

ابو طالب خاموش ہو گئے۔ ابرش نے کھوپری کو چرخ دیا۔ اس قدر گھمایا کہ وہ گول دائرہ سے صرف ایک نقطہ بن کر رہ گئی۔ ابرش نے کہا۔ دیکھئے کھوپری ایک نقطہ بن کر رہ گئی ہے۔ مگر دیکھئے اور غور سے دیکھئے۔ یہ نقطہ خداؤں کی تذلیل کرنیوالے کا نام بن کر چمکے گا۔ سب نے نقطہ کو غور سے دیکھا۔ نقطہ پھیلنے لگا۔ پھیلتے پھیلتے نام بنا اور نہایت آب و تاب سے چمکنے لگا۔ سب نے دیکھا۔ غور سے دیکھا۔ حیرت سے دیکھا صاف اور موٹے حروف میں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا تھا۔ ابرش نے کہا۔ دیکھو تو غور سے دیکھو اپنے معبودوں کی تذلیل کرنے والے کا نام دیکھ لو۔ کوئی جادو نہ تھا۔ کوئی نظر

بندی نہ تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام صاف اور واضح طور پر چمک رہا تھا۔ اب ابوطالب کو بھی کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی۔

ابرشس نے کہا۔ تم نے دیکھ لیا۔ اب سنو اگر تم اپنے معبودوں کو خوش کر لو تو جو فتنہ پیدا ہونے والا ہے۔ وہ دب جائے۔

ابولہب نے دریافت کیا۔ معبودوں کو خوش کرنے کا طریقہ کونسا ہے۔

ابرش نے کہا۔ یہ کھوپری جواب دے گی۔

کھوپری ابھی تک گردش کر رہی تھی۔ اب نام غائب ہو گیا تھا۔ اور صرف نقطہ ہی باقی رہ گیا تھا۔ لوگ اس نقطہ کو غور بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نقطہ پھر پھیلنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک لفظ بن گیا۔ سب نے پڑھا۔ چمکدار الفاظ میں تحریر تھا قربانی

ابرشس نے کہا۔ قربانی دے کر اپنے معبودوں کو راضی کر لو۔ اس وقت تمام عربوں کے چہروں سے خوف و ہراس ظاہر ہو رہا تھا۔ سب خوفزدہ نظروں سے ابرشن کو دیکھنے لگے ابرشن نے کہا۔ تمہارے معبود قربانی چاہتے ہیں۔ قربانی دے کر آنے والے فتنہ سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ عمر ابرشن کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا۔ کس چیز کی قربانی دیں۔ ہم ابرشن۔ ابرشن نے کہا۔ اس کا جواب بھی کھوپری ہی دے گی۔ لوگوں کی نگاہیں پھر کھوپری کی طرف اٹھ گئیں انہوں نے دیکھا کہ قربانی کا لفظ سمٹ کر پھر نقطہ بن گیا۔ کھوپری برابر گردش کر رہی تھی۔ اور وہ صرف نقطہ معلوم کر رہی تھی۔ نقطہ پھر بڑھنے لگا۔ اور بڑھ کر دور تک پھیل گیا لوگوں کی خوفزدہ نگاہیں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ دفعتاً موٹے الفاظ کی عبارت نظر آئی۔ لکھا تھا کہ ایک دس سالہ خوبرو لڑکی۔ سب یہ دیکھ کر کمال متعجب ہوئے۔ ابرش نے کہا۔ آپ نے دیکھ لیا۔ اب کھوپری اپنی گردش ختم کرتی ہے۔ ابرشس کے دیکھتے ہی لفظ سمٹ کر غائب ہو گیا اور کھوپری ابرش کے ہاتھ آ پڑی۔ ابرش نے کھوپری کو بوسہ دیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے علم نے مجھے یہ بتایا ہے کہ وہ شخص اپنی لڑکی کو قربان

کرے جو پہلے اپنی نو لڑکیوں کو زندہ درگور کر چکا رہو۔

عربوں میں دختر کشی کی مذموم اور وحشیانہ رسم جاری تھی۔ سنگدل اور بدبرد باپ اپنی گوشہ جگر معصوم بچیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔ اور اس پر بڑا فخر کرتے تھے۔ اکثر لڑکیاں تو پیدا ہوتے ہی قتل کر ڈالی جاتیں یا زندہ دفن کردی جاتیں۔ مگر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ جب لڑکی بڑی ہو جاتی۔ میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگتی تو بدبرد باپ پہلے گڑھا کھود آتا۔ اور پھر لڑکی کو اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر بستی سے باہر لے جاتا۔ اس کو گڑھے کے کنارہ پر کھڑا کر کے دھکا دے دیتا لڑکی چیختی منت و خوشامد کرتی مگر ظالم باپ اس کی آہ وزاری پر ذرا توجہ نہ کرتا اوپر سے ڈھیلے مار مار کر مٹی ڈال دیتا اور اسطرح سے اپنے لخت جگر کو زندہ درگور کر کے واپس لوٹ جاتا اور اس سنگدلانہ رسم پر بڑا فخر کرتا۔ ابرش کی بات سن کر ایک ادھیڑ عمر کا شخص بولا۔ آج میں فخریہ طور پر کہتا ہوں کہ میں اپنی نو لڑکیوں کو زندہ درگور کر چکا ہوں۔ خوش قسمتی سے میرے دسویں لڑکی موجود ہے۔ اسکی عمر پرسوں پورے دس برس کی ہو جائے گی۔ میں نے منت مان رکھی تھی۔ کہ جب اسکی عمر دس سال کی ہو جائے۔ تب اُسے دفن کروں گا۔ . . . . .

ابرش! کیا وہ لڑکی قربانی کے لیئے مناسب ہے۔

ابرش نے اس اعرابی کو دیکھ کر کہا۔ قیس! تم واقعی خوش قسمت ہو۔ کس قدر قابل فخر بات ہے۔ کہ تم اپنی دس سالہ لڑکی کو زندہ دفن کر کے اپنے معبودوں کو خوش کرو گے اور تمہاری اس بخت رسانی پر ایک دنیا رشک کرے گی۔

قیس بن عاصم قبیلہ بنی ہاشم سے تھا۔ وہ ایسا سنگدل تھا کہ اُس نے اپنی نو لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا تھا۔ اور کبھی اسکی پیشانی پر بل تک نہ آیا تھا۔ اُس نے کہا۔ میں نہایت خوشی سے اعلان کرتا ہوں کہ پرسوں میں اپنی دس سالہ لڑکی زندہ دفن کرونگا۔

ابرش نے کہا۔ تمام اعرابی اس عظیم الشان قربانی کا نظارہ دیکھنے کے لیئے پرسوں بستی

سے باہر جمع ہوں۔ اس قربانی کے بعد کوئی اندیشہ باقی نہ رہیگا۔

یہ سن کر لوگوں کو تسلی ہوئی سب کے سب اپنے معبودوں کے سامنے ایک مرتبہ پھر سجدہ میں گرے اور سجدہ کر کے اٹھے اور بیت الحرام سے نکل نکل کر اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔ ابولہب بھی لنگڑاتا ہوا چلا۔ قیس بن عاصم بھی روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر میں بیت الحرام لوگوں سے خالی ہو گیا۔

تیسرا باب (۳)

سنگدل باپ

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں عرب کا گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ بت پرستی سے خالی نہ تھا۔ خانہ بدوش یا صحرا نشین عرب جہاں ڈیرے خیمے اور ضروریات کی چیزیں لادے پھرتے تھے۔ وہاں بتوں کو بھی اٹھائے پھرتے تھے۔ ہر قریہ۔ ہر قصبہ۔ ہر شہر میں بت خانے تھے۔ بتوں کی پرستش نہایت شد و مد سے ہوتی تھی۔ تمام عرب ستان پر کفر و شرک کی سیاہ گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ انسان تو انسان ریگ زار کا ذرہ ذرہ مشرک و ملحد تھا۔ صحرا نشیں عربوں نے اونٹ کی کھالوں کے بت خانے بنا رکھے تھے جہاں جاتے ان بت خانوں کو ساتھ لے جاتے بتوں کو بڑی حفاظت اور احترام سے رکھتے۔ معینہ اوقات پر خلوص دل سے ان کی عبادت کرتے۔ عربوں میں قربانی کا رواج بھی تھا۔ زیادہ تر اونٹوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی بھیڑوں اور مختلف چوپایوں کی بھی قربانی کر ڈالتے تھے۔ بعض قبائل انسانوں کی قربانی بھی کرتے تھے اور قربانی کا

ع۔ تاریخ اسلام۔

گوشت خود کھا لیتے تھے۔ اور خون بتوں پر چھڑک دیتے تھے۔ چونکہ بت پرستی کا لازمی نتیجہ ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی ہے۔ اس لیئے وہ جنوں۔ کلبوتوں۔ دیوؤں اور پریوں کے قائل تھے۔ جنوں کو غیر مرئی مخلوق سمجھتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا۔ کہ جو شخص قتل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا انتقام نہیں لیا جاتا۔ وہ بھوت بن جاتا ہے۔ اور اس وقت تک لوگوں کو ستاتا رہتا تھا۔ جب تک کہ اس کا انتقام نہیں لے لیا جاتا۔ اس عقیدہ کی وجہ سے ان میں انتقام کا جذبہ بڑھا ہوا تھا۔

شراب خوری۔ قمار بازی زناکاری۔ چوری۔ ڈکیتی رہزنی عام تھی۔ دختر کشی کے باعث عزت اور قابل فخر سمجھتے تھے۔ غرضیکہ عربوں میں دنیا بھر کے عیوب موجود تھے نہایت ذلت و پستی کی حالت میں تھے۔

جب کہ عربستان کا یہ حال تھا۔ تو اس عہد میں ممالک عالم کی حالت بھی اچھی نہ تھی۔ تمام دنیا پر کفر و شرک کی گھنگھور گھٹائیں چھائے ہوئے تھیں۔ ایران کا قدیم مہ آبادی مذہب مٹ چکا تھا۔ آتش پرستی کا زور ہو گیا تھا۔ دو خداؤں کو مانتے تھے۔ ایک یزدان خالق خیر کو دوسرا اہرمن خالق شر کو۔ زناکاری کو برا نہ سمجھتے تھے۔ شراب عام طور پر پیتے تھے۔ جوا کھیلتے تھے۔ ہر چھوٹا آدمی ہر بڑے آدمی کو سجدہ کرتا تھا۔ چوری اور رہزنی کا ملک میں زور تھا

روم و یونان میں عیسائی مذہب رائج تھا۔ لیکن گرجوں میں حضرت عیسٰے اور حضرت مریم کی تصاویر رکھی ہوئی تھیں اور ان تصویروں کے سامنے سر جھکائے جاتے تھے شراب خوری زور شور سے رائج تھی۔ ضعیف الاعتقادی زوروں پر تھی۔ خانقاہوں میں راہب اور ننیں رہتی تھیں۔ ان خدا پرست مردوں اور عورتوں کی یکجائی حیا سوز اور قلیل شرم حرکات کی مرتکب ہوئی تھی۔ چوری زنا اور دھوکہ بازی عام تھی۔

مصر میں اگرچہ عیسائیت پھیل گئی تھی۔ تاہم زیادہ تر مصری بت پرست ہی تھے ان میں

وہ تمام عیوب موجود تھے۔ جو ایک ذلیل بت پرست قوم میں ہو سکتے تھے۔ زنا کاری اور غارت گری عام تھی۔ جس سال دریائے نیل میں طغیانی نہ آتی۔ اس سال ایک چودہ سالہ حسین دوشیزہ کو اچھے کپڑے اور بیش قیمت زیورات پہنا کر دریا میں غرق کر دیا جاتا ان کا اعتقاد تھا۔ کہ دریائے نیل اپنی بھینٹ کے لیئے رک جاتا ہے۔ اور جب ایک خوبصورت لڑکی بھینٹ دے دی جاتی ہے۔ تو اس میں طغیانی آجاتی ہے۔

ہندوستان سے بدھ مذہب خارج ہو رہا تھا۔ اور برہمنی مذہب تبدریج زور پکڑتا جاتا تھا۔ تمام ملک میں بت پرستی کا زور تھا۔ ایک چینی سیاح لکھتا ہے کہ ہندوستان کا ایک گھر بھی بتوں سے خالی نہ تھا۔ صرف بتوں ہی کی پوجا نہ ہوتی تھی۔ بلکہ سیاروں۔ پہاڑوں، دریاؤں اور درختوں، حیوانوں۔ سانپوں۔ پتھروں اور شرمگاہوں تک پرستش کی جاتی تھی۔ بام مارگیوں کے پلید اور حیاسوز مسلک نے ملک کے ہر حصہ میں قبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ زنا کاری کے اصول و قواعد مقرر کر کے اُسے داخل مذہب کر لیا تھا۔ حقیقی بہنوں سے شادی کرنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ سندھ کے راجہ داہر نے اپنی حقیقی ہمشیرہ سے اپنی شادی کی تھی۔ اس زمانہ کی بعض تصانیف جو آج پورانوں اور مذہبی کتابوں کی صورت میں دستیاب ہوتی ہیں۔ ہندوستانیوں کے اخلاق کو نہایت پست اور ان کی معاشرت کو بے حد قابل شرم ظاہر کرتی ہیں۔

لے۔ از الفاروق ۱۲۔

لے۔ از تاریخ اسلام ۲۔

سے۔ بام مارگی ایسا ناپاک فرقہ تھا۔ جسکی حیاسوز باتیں بیان کرنے میں شرم آتی ہے۔ دنیا بھر کی ذلیل اور بے حیا باتیں ان میں رائج تھیں بول و براز اور منی کے قطرے وہ بے تکلف کھاتے پیتے تھے۔ ۲۔ از تاریخ ہند۔ صادق حسین

چینیوں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ کنفیوشس اور بدھ مذاہب کے کیمیاوی امتزاج نے چین کی تہذیب اور اخلاقی حالت میں وہ کیفیت پیدا کر رکھی تھی جو سوڈا اور ٹارٹارک ایسڈ کے ملانے سے پیدا ہوتی ہے!

غرضیکہ دنیا کا کوئی خطہ بت پرستی سے خالی نہ تھا۔ ہر خطہ میں کسی نہ کسی طریقہ سے بُت پرستی ضرور رائج تھی۔ دنیا جہاں میں کفر و شرک کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ مخلوق اپنے خالق کو چھوڑ کر بت پرستی میں غرق تھی۔

قیس بن عاصم بڑا خوش تھا۔ خوشی کی وجہ یہ تھی کہ بیت الحرام کے عظیم الشان مجمع میں ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا۔ جس نے اپنی نو لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ہو اس نے سمجھ لیا کہ اب وہ تمام قبائل کی نظروں میں مخرور متفخر ہو گیا ہے۔ ہر شخص اُسے عزت کی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہے عام مجلس میں اسکی عزت دوبالا ہو گئی ہے۔ وہ فخر و تکبر اور مسرت و انبساط کے دریا میں غوطے کھاتا مکان پر پہنچا۔ اس کے مکان پر پہنچتے ہی ایک دس سالہ خوبصورت لڑکی آغوش کشادہ اس سے ملنے کے لیئے دوڑی اُس نے اپنے چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ اچھے ابا تم آ گئے۔ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ قیس نے فطری محبت سے مغلوب ہو کر لڑکی کو اٹھایا بے اختیار گلے سے لگایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ لڑکی نے پیار سے اُس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ لڑکی نہایت خوبصورت تھی۔ اس کا چہرہ گول۔ آنکھیں غزال چین کی طرح بڑی بڑی اور سرمہ آلود تھیں۔ پیشانی کشادہ اور پر نور تھی۔ عارض بھرے بھرے سیب کی طرح سرخ و سفید اور چمکیلے تھے۔ ٹھوڑی اس قدر مختصر تھی گویا نہ تھی۔ اس کے سر کے بالوں کی سیاہ لٹیں گندھی ہوئی دونوں طرف سینہ پر پڑی تھیں۔ لب نہایت دلفریب اور دانت موتیوں کی لڑی کے مانند سفید تھے۔ قیس نے الفت پدری سے مغلوب ہو کر اسے اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ مگر فوراً ہی وہ چونکا۔ سنبھلا اور اُس نے جلدی سے لڑکی کو گود سے اتار دیا۔ نہیں پھینک دیا۔ اس طرح پھینک دیا۔ جیسے انسان کسی چیز کے دھوکہ میں سانپ کو اٹھا لے اور اُسے پہچان کر فوراً

پھینک دے معصوم حسین لڑکی گرتے گرتے سنبھلی۔ اس نے اپنے باپ کو دیکھا۔ بھولی اور غم آلود نظروں سے دیکھا۔ اور پیارے لہجہ میں کہا۔ پیارے باپ کیا تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو۔ خفا نہ ہو۔ سوائے آپ کے اور امی جان کے دنیا میں میرا کون ہے۔

قیس کی آنکھوں سے رحم و مروت کے جذبات مفقود ہو گئے تھے۔ وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے کڑک کر کہا جمیلہ...... کیا تو بھولی بھالی باتوں سے میرے دل کو موم بنانا چاہتی ہے؟ نہیں میں موم نہیں بن سکتا۔ چلی جا۔ میرے سامنے سے دور ہو جا۔

معصوم لڑکی باپ کے کڑے تیور۔ خشمناک نظریں۔ پر غضب چہرہ دیکھ کر سہم گئی۔ اکثر بچوں کا قاعدہ ہوتا ہے۔ کہ جب انہیں گھورا دھمکایا جاتا ہے۔ تو وہ لاڈ اور محبت سے ماں باپ سے لپٹ جاتے ہیں۔ جمیلہ! بھولی جمیلہ بھی باپ سے لپٹ گئی۔ اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ اچھے ابا تم کیوں مجھ سے خفا ہو گئے

مجھ سے کیا قصور ہو گیا۔ قیس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا اور اسے تیز و غصہ آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ جمیلہ نے آج تک ایسی نظریں نہ دیکھی تھیں۔ وہ لرز گئی۔ کانپ کر الگ کھڑی ہو گئی اس سراسیمگی نے معصومیت میں اور اضافہ کر دیا۔ قیس بڑھا جمیلہ اس کے پیچھے چلی۔ قیس نے اسے اپنے پیچھے آتے دیکھ لیا۔ لہذا اس نے ڈپٹ کر کہا۔ میرے پیچھے مت آ۔ جمیلہ! جمیلہ وہیں کھڑے ہو کر منہ بسورنے لگی۔ قیس چل کر برآمدہ میں پہنچا۔ یہاں اس کی بیوی سلمےٰ کھڑی تھی۔ سلمیٰ بھی ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ لیکن صحت اچھی تھی۔ وہ اپنی عمر سے بہت چھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے خندہ پیشانی سے اپنے شوہر کا استقبال کیا اور کہا۔ آج کیا بات ہے۔ میرے سرتاج۔ تیور پر بل کیوں پڑے ہوئے ہیں۔

قیس نے اپنی طبیعت کو بشاش کرتے ہوئے کہا۔ کوئی خاص بات نہیں سلمیٰ تمہاری جمیلہ آتے ہی لپٹ گئی۔ کیا یہ اچھی عادت ہے۔ ابھی ہے؟ سلمیٰ نے اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے کہا نہیں! میری قسمت کے درخشاں تارے..... مگر جمیلہ کو تم سے کچھ ایسی محبت ہے کہ جب

تک تم باہر رہتے ہو تم کو ہی یاد کرتی رہتی ہے۔ جب تم کو دیکھتی ہے۔ تو دوڑ کر لپٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ معصوم بچی کو تم سے بہت زیادہ محبت ہے۔

قیس۔ لسلمیٰ جمیلہ اپنی بھولی باتوں اور بے پایاں محبت سے میرے دل کو تسخیر کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟۔

سلمیٰ نے کچھ شبہ آمیز نظروں سے قیس کو دیکھ کر کہا۔ تم جمیلہ کے باپ ہو وہ سوائے تمہارے اور کس سے محبت کر سکتی ہے۔

قیس نے قدرے درست لہجہ میں کہا۔ مگر اس محبت سے کیا فائدہ؟

سلمیٰ۔ بھولی لڑکی فائدہ اور نقصان کو کیا جانے۔

قیس۔ آج جو ہوا کا طوفان آیا۔ طوفان کے بعد جو روشنی اور چمک ہوئی تم نے دیکھی

سلمیٰ۔ ہاں! دیکھی بڑا سخت طوفان تھا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ مکانات کی چھتیں اڑ جائیں گی۔ دیواریں گر پڑیں۔ لیکن ہمارے معبودوں نے ہم پر مہربانی کی۔ طوفان نکل گیا۔ مگر روشنی اور چمک میں نے اپنی ہوش میں نہ ایسی روشنی دیکھی اور نہ ایسی چمک۔ قیس بے شک نہ دیکھی ہوگی۔ کچھ خبر ہے کہ ہم پر کیا بلا نازل ہونے والی ہے۔ سلمیٰ نے گھبرا کر قیس کو دیکھتے ہوئے کہا نہیں! کیا دنیا میں کوئی انقلاب ہونے والا ہے؟ قیس نے غور سے سلمیٰ کو دیکھ کر کہا کرتے تھے۔ ٹھیک سمجھا۔ سلمے کوئی شخص ہمارے معبودوں کیخلاف ..... کیا اس کا کوئی اور معبود ہے۔ قیس۔ ضرور ہوگا۔

سلمیٰ۔ عجیب بات ہے تو۔

قیس۔ نہایت عجیب! بابر شن کاہن بھی ہے۔ اور اعراف بھی اس نے بتایا ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نامی کوئی شخص ہمارے معبودوں کیخلاف آواز اٹھانے والا ہے۔

سلمیٰ۔ میں حضرت محمدؐ کو جانتی ہوں اور میں ہی کیا کون انہیں نہیں جانتا وہ والئی مکہ کے بھتیجے ہیں۔ بڑے نیک بڑے رحمدل۔ بڑے بہادر ہیں۔ بڑے نیستی بڑے شہرہ آفاق ہیں۔ وہ ایسا

نہ کریں گے۔ ان کے آبا و اجداد بھی تو ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے چلے آتے ہیں۔

قیس یہ سچ ہے مگر آج تک کسی نے انہیں بتوں کو سجدہ کرتے بھی نہیں دیکھا۔

سلمیٰ ! بے شک یہ درست ہے میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے۔ جب وہ چھوٹے تھے وہ بتوں کے سامنے نہ جھکتے تھے۔ لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہ ہمارے معبودوں کے خلاف آواز اٹھانے والے ہیں۔

قیس۔ ابرش کہتا ہے۔ اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا اسے اس کی محکوم روحوں نے بتایا ہے۔

سلمیٰ۔ مگر وہ تو آبادی میں رہتے بھی نہیں سنتی ہوں کہ غارِ حرا[1] میں خلوت گزیں رہتے ہیں۔ قیس ہاں وہ چار چار پانچ پانچ روز نظر نہیں آتے۔ اسی غار میں مقیم رہتے ہیں۔ محض جَو کا ستو کھاتے ہیں۔ جوانی میں ترک لذات کیئے ہوئے ہیں۔ ان کی طرف سے اندیشہ ضرور ہے۔ خیر یہ تو ہے مگر..... سلمیٰ آج مجھے بڑی خوشی بیت الحرام میں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں میرا سر اونچا رہا سلمیٰ نے مسرت بھری نظروں سے قیس کو دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا بات ہوئی میرے سرتاج۔ قیس نے کہا۔ ابرش نے آنے والے فتنہ کو دفع کرنے کے لیئے ایک تدبیر بتائی ہے اُس نے کہا کہ جو شخص اپنی نو لڑکیوں کو زندہ دفن کر دے۔ اور اس کے دسویں لڑکی اور ہو اگر وہ اس لڑکی کو زندہ کر دے تو آنے والے فتنہ سے نجات مل سکتی ہے۔ اس وقت سلمیٰ اس تمام مجمع میں ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا۔ جس نے اپنی نو لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ہو۔ سب سر جھکائے خاموش اور شرمندہ تھے۔ تب میں نے کہا کہ میں ایسا ہوں۔ تمام مجمع نے حیرت اور عزت کی نظروں سے مجھے دیکھا کیا یہ قابل فخر بات نہیں ہے۔ سلمیٰ۔

---

[1] ۔ غارِ حرا جبل نور پر ایک غار تھا ۔ یہ پہاڑ اور پہاڑ پر یہ غار مکہ سے تین میل کے فاصلے پر منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں سمت واقع ہے۔ اس غار کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ (صادق صدیقی)

سلمےٰ کا چہرہ فق پڑ گیا تھا۔ اُسے بدنصیب جمیلہ سے بیحد محبت تھی۔ قیس کی گفتگو سے وہ سمجھ گئی تھی۔ کہ جس جمیلہ کو اُس نے سینہ سے لگایا۔ ہزاروں مصائب اٹھا کر بڑے نازونعم وغیرہ سے پرورش کیا ہے۔ اب اسکی قربانی کا وقت آگیا ہے۔ اس خیال سے اس کا دل ہل گیا۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ الفت مادری کا جوش سینہ سے اٹھ کر آنکھوں سے بہہ نکلے۔ مگر گال پر آ کر رک گئے قیس کے خوف کی وجہ سے رخساروں پر نہ گر سکے۔

قیس نے پھر کہا۔ بولو سلمیٰ! کیا یہ بات میرے تمہارے اور ہم دونوں کے خاندانوں کے لیے باعث افتخار نہیں ہے؟ سلمیٰ نے ایسی آواز سے جو غم آلودہ تھی حسرت تاسف آمیز لہجہ میں کہا قابل فخر تو ضرور ہے۔ مگر......... قیس نے مضروب سانپ کی طرح پلٹ کر سلمیٰ کو دیکھا۔ اس غریب کی آنکھوں میں آنسو۔ چہرے پر حسرت۔ حسرت میں غم کی جھلک دیکھ کر اُس نے پُرغضب ہو کر کہا۔ یہ بات کیا ہے۔ سلمیٰ! کیا جمیلہ کی محبت نے تم کو مرغوب کر لیا ہے۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ یہ تمہاری آنکھوں میں یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ یا ازراہِ محبت چھلک آنے والے قابلِ نذر دو قطرے ہیں۔

سلمیٰ: قیس کی پُرغضب صورت دیکھ کر سہم گئی اُس نے آنسو پی لیے اور حسرت بھری نظروں سے قیس کو دیکھا۔ قیس اسکی نظروں کو دیکھ نہایت برہم ہوا۔ اِس نے کڑک کر کہا ہوشیار ہو سلمےٰ! تمہارا حسرت بھرا چہرہ غم آلودہ نگاہیں پُرنم آنکھیں میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ اگر غلطی سے تم نے جمیلہ کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے کر اس قدر بڑھا لیا ہے۔ کہ اس کی قربانی خبر نے اس محبت کو ٹھیس لگائی ہے۔ تو تم اسکی محبت کو اپنے دل سے نکال دو۔

سلمےٰ اب تک تو ضبط کرتی رہی۔ لیکن اب دامن صبر و قرار چھوٹ گیا۔ وہ اپنے شوہر کی طرف ایک قدم بڑھی بڑھ کر اس کے سامنے دوزانو کھڑی ہوئی۔ التجا آمیز نظروں سے اُسے دیکھ کر بولی میرے سرتاج! اس صبر آزما امتحان سے مجھے معاف رکھو۔ مجھ بدنصیب کے دل میں جمیلہ کی پیاری صورت نے بھولی بھالی باتوں نے جگہ کر لی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ میری زندگی اس کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لیئے اے میرے شوہر جمیلہ کو میرے اور صرف میرے لیئے باقی رکھو۔۔۔۔۔۔

قیس کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے اس نے غضب ناک لہجہ میں کہا کم عقل عورت لڑکی کی محبت میں سرشار رہنے والی احمق! کیا تو یہ چاہتی ہے کہ جمیلہ کو زندہ رکھ کر اس کی شادی کروں کسی کو اپنا داماد بناؤں۔ میرا سر جواب تک داماد کی لعنت اور ذلت سے مبرہ رہ کر اونچا رہا ہے۔ اب ذلت و ندامت سے جھک جائے۔ قسم ہے لات عزیٰ کی یہ کبھی نہ ہوگا۔

سلمیٰ۔ نے عاجزی کے لہجہ میں کہا آپ جمیلہ کی شادی نہ کریں۔ وہ تمام عمر کنواری بسر کرے گی۔ قیس جوش غضب سے کانپنے لگا۔ اس نے کہا۔ ذلیل ہستی یہ تو اور بھی ذلت کی بات ہوگی۔ دنیا کہے گی۔ کہ قیس کی بیٹی کو کسی نے نہ قبولا۔ میں اس ذلت آمیز تمسخر کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

سلمیٰ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا مقدس معبودوں کے لیئے جمیلہ پر۔ بھولی جمیلہ پر معصوم جمیلہ پر کمسن اور کم سخن جمیلہ پر رحم کرو۔ اسے بچالو آہ کسی طرح بچالو۔

قیس نے کڑک کر کہا۔ کبھی نہیں سلمیٰ! ہرگز نہیں۔ یہ وایات چھوڑ دو۔ اٹھو دیکھو جمیلہ سامنے کھڑی سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ پرسوں وہ زندہ دفن کی جائیگی۔ آج ہی اُسے آراستہ کرنا شروع کر دو۔

یہ کہتے ہی قیس وہاں سے چلا گیا۔ سلمیٰ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس وقت اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھیں غم و حسرت میں غرق تھیں وہ حسرت کا مجسمہ۔ پیکرِ غم اور تصویرِ درد بنی ہوئی تھی۔ غم کی وجہ معقول تھی۔ اس کے دس بچے ہوئے تھے۔ بدقسمتی سے دسوں لڑکیاں ہوئیں نو لڑکیاں ہوئیں۔ نو لڑکیاں انتہائی سنگدلی اور کمالِ بیدردی سے زندہ درگور کی جا چکی تھیں۔ ایک لڑکی رہ گئی تھی۔ اُس نے اس پر صبر کیا تھا۔ مگر اب وہ بھی اسکی آغوش شفقت سے نکال کر موت کی گود میں دی جانے والی تھی۔ اس دل شکن اور جانگسل خبر کو سن کر وہ جس قدر

بھی غمگین ہوتی حق بجانب تھا۔

جب قیس چلا گیا تو جمیلہ سلمیٰ کے پاس آئی۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ امی جان تم خاموش کیوں ہو ابا کے سامنے ہاتھ کیوں جوڑ رہی تھیں۔ آج میرے ابا کو کیا ہو گیا ہے۔ جمیلہ کو اپنی چھاتی سے لگا کر بھینچا۔ خوب پیار کیا۔ پیار کرتے وقت وہ روتی رہی جمیلہ نے حیران ہو کر پوچھا امی جان! تم کیوں رو رہی ہو۔ آج تم کو کیا ہو گیا ہے۔

غم زدہ سلمیٰ نے بھری ہوئی آواز سے کہا۔ میری بیٹی! میرے دل کے ٹکڑے کاش تم عرب میں پیدا نہ ہوئی ہوتیں۔ اس عرب میں جو وحشیانہ بربریت کا مرکز ہے۔ جہاں لڑکیاں زندہ دفن ہونے کے لیئے پیدا ہوتی ہیں۔ آہ میرے چاند! تو فنا کے ابر میں چھپنے والا ہے یہ کہتے کہتے سلمےٰ بے چین ہو گئی۔ بے اختیار اُس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اُسے اس طرح روتے ہوئے دیکھ کر جمیلہ تڑپ گئی۔ اُس نے کہا۔ آہ امی جان نہ رؤو دیکھو پھر میں بھی رونے لگوں گی۔ جمیلہ ناسمجھ تھی۔ اگرچہ سلمےٰ نے اس کے سامنے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ مگر وہ کچھ نہ سمجھی تھی بچے کی شان میں اُس نے وہی بات کہی جو اکثر بچے کہا کرتے ہیں۔ سلمیٰ جمیلہ کی بات سن کر چونک پڑی۔ اُس نے سوچا کہ اس کے رونے سے واقعی جمیلہ بھی رونے لگی گی۔ اُسے اس قدر محبت تھی کہ وہ اُسے روتا ہوا دیکھنا بھی گوارا نہ کر سکتی تھی۔ اُس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور آہ سرد بھر کر کہا۔ میری قرۃ العین اب میں نہ رؤونگی۔ تو اپنا دل آزردہ نہ کر۔ اگرچہ سلمےٰ نے رونا بند کر دیا تھا۔ مگر اس کا دل اب بھی رو رہا تھا۔ اُس نے ایک دفعہ اور معصوم جمیلہ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا۔ خوب پیار کیا۔ اسکی منور پیشانی پر بوسہ بازی کا تار بندھ گیا۔

کچھ دیر کے بعد سلمےٰ گھر کے کام کاج میں لگ گئی اور جمیلہ کھیلنے لگی۔ قیس باہر چلا گیا آج سلمےٰ کا دل کسی کام میں نہ لگتا تھا۔ جب وہ جمیلہ کو دیکھتی یا جب اُسے یہ خیال آتا کہ جمیلہ صرف دو ہی دن کی مہمان ہے۔ تو کلیجہ میں ہوک اٹھتی۔ سینہ پر گھونسا سا لگتا۔ آنسو جاری ہونے لگتے مگر وہ ضبط کرتی اور جمیلہ کی طرف سے منہ پھیر لیتی۔ آہ سرد بھرتی اور کسی نہ کسی کام میں مصروف ہو جاتی

بڑے کرب و بے چینی اور غم و فکر سے وہ دن اور اس سے دوسرا دن گزر گیا تیسرے دن دوپہر کے وقت جمیلہ کو نہلایا گیا۔ نہلا کر بال سکھائے سر میں تیل ڈالا۔ اور کنگھی کر کے چوٹی گوندھنے لگی۔ معصوم جمیلہ خوش ہو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر معصوم تبسم کھیل رہا تھا۔ غریب لڑکی کو معلوم نہ تھا۔ کہ اُسے موت کی آغوش میں دینے کے لئے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اس وقت بہت سی عورتیں گھر میں جمع ہو گئی تھیں اور سب ثواب سمجھ کر جمیلہ کی آرائش میں مصروف تھیں۔ تمام عورتیں خوش ہو رہی تھیں۔ اگر غمزدہ تھی تو وہ سلمےٰ تھی وہ کیسے خوش ہوتی۔ جس بچی کو اُس نے پالا تھا۔ بڑی حفاظت سے پرورش کیا تھا۔ کہ آج وہ زندہ درگور کی جانے والی تھی۔ اس کا دل ہل رہا تھا کلیجہ دھڑک رہا تھا۔ جسم کا بند بند لرز رہا تھا۔ چہرہ پر حسرت برس رہی تھی۔ غم نے تمام بدن سے خون کا قطرہ قطرہ تک چوس لیا تھا۔ جمیلہ کی چوٹی گوندھ کر یمنی ریشم کے کپڑے پہنائے گئے۔ وہ خوبصورت بچی تھی۔ بننے سنورنے نے اُسے اور بھی زیادہ خوبصورت بنا دیا

جب آفتاب ڈھل گیا۔ تو قیس اور اسکے پیچھے بہت سے آدمی اُسکے مکان پر آئے اس زمانہ میں عربوں میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ عورتیں مردوں میں اور مرد عورتوں میں ملے جلے رہتے تھے قیس کے ساتھ جو لوگ آئے تھے۔ وہ سب کے سب معزز صاحب اثر اور متمول عرب تھے ابو لہب[1]۔ ولید بن مغیرہ[2]۔ عاص بن وائل سہمی[3]۔ عتبہ بن ربیعہ[4]۔ ابو جہل[5]۔ ابو سفیان بن حرب[6] اور بہت سے ایسے ہی لوگ تھے یہ سب رؤسائے عرب تھے۔ ان کے ساتھ ابرش بھی تھا۔

یہ سیدھے جمیلہ کے پاس پہنچے۔ جمیلہ کے گرد عورتوں کا مجمع تھا۔ سب عورتیں ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ ابرش نے آگے بڑھ کر جمیلہ کو دیکھا۔ جمیلہ حسن و جمال کی تصویر ایک نوخیز

۱؎ ابو لہب عبد المطلب کا بیٹا خاندان ہاشم سے تھا۔ رئیس تھا۔ بڑا با اثر تھا۔ ۲؎ ولید بن مغیرہ حضرت خالد کا باپ تھا۔ قریش کا رئیس اعظم تھا۔ بڑا بہادر۔ ذی اثر اور دولت مند تھا۔ اور تمام عرب میں مشہور تھا۔ ۳؎ عاص بن وائل قبیلہ سہم کا سردار تھا۔ دولت مند اور صاحب اثر تھا۔ عمرو فاتح مصر کا باپ تھا۔ ۴؎ عتبہ بن ربیعہ امیر معاویہ کا نانا تھا۔ تمام قبائل میں اس کا اثر تھا۔ ۵؎ ابو جہل ولید کا بھتیجا۔ حضرت خالد کا چچیرا بھائی تھا۔ بڑا رئیس اور با اثر تھا۔ ۶؎ ابوسفیان حرب امیر معاویہ کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا

کلی۔ ملکوتی صفات معصوم بچی تھی۔ بڈھا کاہن اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کچھ دیر اُسے ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ جمیلہ نے شرما کر سر جھکایا۔ ابرشن نے قیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ قیس ایسی ہی بچی کی قربانی کی ضرورت تھی۔ پاک ہبل تم پر اپنی برکتیں نازل کریں گے۔

اب ابرشن نے اپنا کانپتا ہوا درخشک جھریوں پڑا ہاتھ جمیلہ کے سر پر رکھا اُس نے کہا۔ بیٹا۔ تیسری قربانی ہمارے مصائب کا خاتمہ کر دے گی۔ جمیلہ کمسن اور نادان تھی۔ وہ ابرشن کا مطلب نہ سمجھی بھولا چہرہ اور معصوم آنکھیں اٹھا کر اُسے دیکھنے لگی۔ ابرشن نے قیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ قیس کو لے چلو۔

قیس نے کہا۔ جمیلہ چلو۔

جمیلہ نے دریافت کیا۔ کہاں چلوں پیارے ابا؟

قیس نے کہا۔ ہمارے ساتھ۔

جمیلہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ چلی اس کے پیچھے تمام عورتیں۔ سارے مرد چلے۔ مگر نہ چلا گیا تو سلمٰے سے وہ گھر کے دروازہ تک ساتھ آئی۔ دروازہ پر کھڑی ہو گئی۔ جب سب باہر چلے گئے تو اُس نے ایک آہ کی اس کے جسم میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اُس نے سنبھلنا چاہا۔ مگر نہ سنبھل سکی غش کھا کر گری۔ مکان کے اندر کوئی بھی ایسا فرد نہ تھا۔ جو غم زدہ عورت کو سنبھالتا۔

چوتھا باب (۴)

وحشیانہ قربانی

قیس کے مکان کے سامنے سینکڑوں آدمی کھڑے تھے۔ بہت سی عورتیں دف لیے کھڑی تھیں۔ ان عورتوں اور مردوں میں ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ جس وقت جمیلہ کو انھوں نے دیکھا۔ فوراً ہبل کی جے لات کی جے کے نعرہ بلند کرنے لگے۔ عورتوں نے دف بجا بجا کر گیت گانا شروع کیے ان گیتوں میں بتوں کی تعریف تھی۔ عرب اور عرب کے تمام قبائل کی تعریف تھی۔ اب اس مجمع نے جلوس کی صورت اختیار کرلی۔ سب سے آگے ابرشن ایک ہاتھ میں کھوپڑی اور ایک ہاتھ میں لمبی ہڈی لیے۔ ہڈیوں کی مالا پہنے سینہ اور کندھوں پر بال بکھرے ہوئے چل رہا تھا۔ اس کے پیچھے کاہنوں اور عراف کی جماعت تھی۔ یہ سب لوگ لمبے اونی جبہ پہنے ہوئے تھے جو اس قدر لمبے تھے کہ زمین پر گھسیٹ رہے تھے۔ ہاتھوں میں مختلف اعضائے انسان کی ہڈیاں تھیں۔ سب نہایت بکردہ اور خوفناک صورت تھے۔ ان کے پیچھے پجاریوں کا گروہ تھا جو گھڑیال اور تالیاں بجا رہے تھے۔ پجاریوں کے پیچھے عورتیں تھیں۔ سب حسب حثیت اچھے کپڑے اور اچھے زیورات پہنے تھیں۔ اکثر نوجوان عورتیں دف بجا بجا کر گیت گا رہی تھیں ان عورتوں کے حلقہ میں معصوم جمیلہ تھی۔ نادان لڑکی اس جلوس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی عورتوں کے پیچھے معزز باثر اور دولت مند اعرابی تھے۔ یہ سب لوگ بالکل خاموش تھے قیس بن عاصم بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان کے پیچھے عوام الناس تھے۔ جو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مختلف بتوں کے نام لے کر ان کی جے پکارتے تھے۔ اسطرح یہ جلوس مرتب ہو کر چاہ زمزم

کے سامنے پہنچا۔ زمزم کے دونوں طرف نائلہ اور اساف دو بُت تھے۔ تمام مجمع ان بتوں کے سامنے سجدہ میں گر پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب انھوں نے سر اٹھایا۔ تو سب کی پیشانیاں خاک آلود تھیں۔ اب یہ لوگ شہر سے باہر کی جانب چلے۔ اسی ترتیب سے چلے جس ترتیب سے یہاں تک آئے تھے۔ یہاں آکر مجمع بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ اب اس مجمع میں بہت سے ایسے لوگ شامل ہو گئے تھے۔ جن کی گودوں میں دودھ پیتی بچیاں تھیں۔ بت پرستوں کا یہ گروہ مکہ سے باہر نکل کر ایک کھلے میدان میں پہنچا۔ یہ تمام میدان ریگ زار تھا۔ سفید سفید ریت چمک رہا تھا حدِ نگاہ تک ریت کا سفید سمندر لہریں لیتا نظر آرہا تھا۔ اگرچہ عرصہ ہوا کہ آفتاب ڈھل چکا تھا۔ لیکن اس کی تپش اس وقت تمام اوقات سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ترچھی شعاعیں برچھی کی انی کی طرح جسموں میں پیوست ہوتی چلی جارہی تھیں۔ ریت اس قدر گرم ہو گئی تھی۔ کہ اس کی گرمی بدن کو جھلسائے دیتی تھی۔ ابھی یہ لوگ مکہ سے تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ سامنے سے ایک چالیس سالہ خوبصورت اعرابی آتے ہوئے نظر آئے۔ یہ عرب نہایت خوبصورت۔ بڑے وجیہ کمال شاندار تھے۔ چہرہ سے اس قدر رعب و جلال ظاہر تھا۔ کہ آنکھ بھر کر نہ دیکھا جاتا تھا۔ اس وقت ان کا تمام چہرہ۔ سارا جسم پسینہ میں شرابور تھا۔ لیکن عظمت و جلال اس قدر ظاہر تھا۔ کہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ جب وہ اس مجمع کے قریب آئے تو ابرہٹ نے انھیں دیکھا۔ مگر جلالت کے رعب کی وجہ سے نہ دیکھ سکا۔ اور نظریں جھک گئیں وہ اعرابی بڑھتے رہے۔ جب وہ ابوطالب کے قریب پہنچے تو ابوطالب نے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

قرۃ العین! تم اس تیز دھوپ میں ایسی گرمی کیوقت کہاں سے آرہے ہو۔ اعرابی رک گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ یا عم! میں غارِ حرا سے آرہا ہوں

ابوطالب نے کہا۔ پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جانِ عم تم نے کیوں اپنی جان پر اس قدر مشقت برداشت کر رکھی ہے۔ کیا تمہیں اپنی صحت کا بھی خیال نہیں ہے۔ جاؤ کسی سایہ

دار جگہ جاکر آرام کریں۔

یہ اعرابی حضرت محمد صلعم تھے وہ اپنے چچا ابوطالب کو سلام کر کے چلے گئے انہوں نے مجمع کی طرف نظر کی نہ یہ معلوم کیا کہ یہ مجمع کہاں اور کیا کرنے جارہا ہے۔ جب آپ دور نکل گئے تو ابرش نے کہا۔ کس قدر شاندار۔ کس قدر وجیہہ۔ خوبصورت شریف اور باعظمت انسان ہے۔ ہبل کی قسم میں نے پہلے کبھی ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ لیکن ۔۔۔۔۔۔ انہی کی طرف سے خداؤں کی تذلیل کا اندیشہ ہے۔

ایک ضعیف العمر شخص ابرش کے پیچھے تھا۔ اس کا نام ورقہ بن نوفل تھا۔ ورقہ عربی زبان کے ماہر تھے۔ عربی بھی خوب جانتے تھے۔ بولے۔ توریت زبور انجیل والے ان کو کو سزا دے سکیں تو وہ خود سزا دے لیں گے۔ ہم فکر کیوں کریں۔ ابرش نے کہا۔ تم سچ کہتے ہو ورقہ، مگر مجھے خوف ہے کہ شاید وہ سزا نہ دے سکیں۔

ورقہ نے کسی قدر جوش میں آکر اگر وہ سزا نہیں دے سکتے۔ تو پھر خدا کیسے

ابرش نے حیران ہو کر ورقہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ تم کہتے ہو ورقہ کیا تم بھی مرتد ہو گئے۔ ورقہ۔ میں مرتد نہیں ہوں تم سب مکہ والے سارے عرب کے باشندے اچھی طرح جانتے ہو کہ میں عربی جانتا ہوں۔ توریت۔ اور انجیل کا ماہر ہوں۔ مگر اپنے مذہب پر قائم ہوں مگر میرا یہ اعتقاد ہے کہ خداؤں میں اتنی طاقت ضرور ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے منکروں کو سزا دے سکیں اور اپنے پرستاروں پر نوازشیں کر سکیں۔

ابرش۔ تم سچ کہتے ہو ورقہ۔

یہ تمام مجمع ابھی تک بڑھا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مکہ سے ایک میل کے فاصلہ پر نکل آیا۔ چونکہ آہستہ آہستہ چلتا رہا تھا۔ اس لیے بڑی دیر میں اس جگہ پہنچا۔ اس وقت

ا۔ توریت وہ مقدس کتاب ہے۔ جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔

۲۔ انجیل وہ مقدس کتاب ہے جو حضرت عیسےٰ پر نازل ہوئی تھی۔

آفتاب تین چوتھائی منزلیں طے کر چکا تھا۔ دھوپ میں اب وہ چمک ایسی تیز نہ رہی تھی جو اب سے چند گھنٹے پہلے تھی۔ یہ تمام مجمع ریت کے ایک بڑے تودہ کے پاس جاکر رُکا پجاریوں نے یہاں پہنچ کر گھنٹے اور ناقوس زور زور سے بجانا شروع کیے کچھ دیر کے بعد ایک شخص بڑھا اُس نے کہا اے عیور عربو! میں اپنی خاندانی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیئے اپنی اس بیٹی کو زندہ دفن کرتا ہوں۔ اس شخص کی گود میں ایک تین برس کی معصوم بچی تھی۔ اُس نے لڑکی کو زمین پر بٹھا دیا اور دونوں ہاتھوں سے ریت ہٹا کر گڑھا کھودنے لگا ریت تپ رہی تھی۔ ننھی لڑکی ریت کی تپش برداشت نہ کر سکی رونے لگی۔ بیدرد سنگدل باپ نے گھورا مگر چھوٹی اور ناسمجھ لڑکی پر گھورنے کا کیا اثر ہوتا

وہ برابر روتی رہی۔ اسکی نازک پنڈلیوں میں ابلے پڑ گئے۔ اور وہ بلکنے لگی۔ باپ نے چپ رہنے کی فہمائش کرتے ہوئے دھمکایا۔ مگر وہ کیسے چپ ہوتی اسکی رانوں اور پنڈلیوں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ آبلوں میں سوزش پیدا ہو گئی تھی معصوم لڑکی گرم ریت سے بچنے کے لیئے باپ کے گھٹنہ سے لپٹ گئی۔ ظالم باپ نے دھکا دے کر گرا دیا۔ لڑکی ریت پر گر کر تڑپنے لگی۔ وہ پھر اٹھی۔ پھر باپ سے لپٹی باپ نے پھر گرا دیا۔ قصاوت قلبی کا یہ منظر انسانوں کے دلوں کو ہلانے کے لیئے کافی تھا۔ مگر وہ مجمع کہنے کو انسانوں کا تھا۔ مگر انسان ان میں ایک بھی نہ تھا۔ سب سنگدل اور خونخوار بھیڑیئے تھے۔ تھوڑی دیر میں اس قدر گہرا گڑھا کھد گیا۔ جس میں ایک ننھی لاش دفنائی جا سکے۔ اب باپ نے لڑکی کو اٹھا کر گڑھے میں اوندھے منہ کے بل ڈال دیا اور جلدی جلدی اس پر ریت ڈالنے لگا۔ لڑکی چیخنے چلانے لگی۔ اس کی دلدوز چیخوں سے ریگ زار کا ذرہ ذرہ لرز گیا۔ نہ لرزے تو ان انسانوں کے دل۔ وہ نہایت اطمینان سے ایک معمولی تماشا سمجھ کر اس وحشیانہ بربریت کے ہولناک منظر کو دیکھتے رہے۔

لڑکی نے اٹھنا چاہا۔ مگر ظالم اور شقی باپ بائیں ہاتھ سے اُسے دبا کر داہنے ہاتھ سے اس پر ریت ڈالتا رہا۔ یہاں تک ریت ڈالا کہ لڑکی بالکل دب گئی اور چیخوں کی آواز

کم ہوتے ہوتے بند ہو گئی۔ بے رحم و بے درد باپ برابر ریت ڈالتا رہا جب گڑھا بھر گیا تو گڑھے کے اوپر ریت کا انبار لگا کر اُسے قبر بنا دیا۔ اسی طرح وحشی۔ ظالم اور سنگدل باپ نے اپنی زندہ بیٹی کو دفن کر دیا۔ اس کے بعد جو لوگ لڑکیاں لے کر آئے تھے۔ سب نے معصوم لڑکیوں کو گڑھے کھود کھود کر دفن کر دیا۔ اب کئی آدمیوں نے مل کر ایک بڑا اور گہرا گڑھا کھودا جب گڑھا تیار ہو گیا۔ تو قیس جمیلہ کو لے کر بڑھا اور گڑھے کے کنارے پر جا کھڑا ہوا۔ جمیلہ دیکھ چکی تھی کہ گڑھوں میں لڑکیاں دفن کی گئی ہیں۔

وہ سمجھ گئی کہ جس گڑھے کے کنارے وہ کھڑی ہے۔ اس میں وہ دفن کی جائے گی۔ اُس نے حسرت بھری نظروں سے اپنے باپ قیس کی طرف دیکھ کر کہا۔ پیارے ابا۔ کیا تم مجھے اس گڑھے میں دفن کرنے کے لیئے لائے ہو۔ قیس نے کہا! ہاں جمیلہ! تم نے ٹھیک سمجھا۔ عرب میں لڑکیوں کے رہنے۔ جینے پرورش پانے کی گنجائش نہیں ہے۔

جمیلہ پر ہراس طاری ہوا۔ اُس نے کہا۔ لیکن میرا قصور کیا ہے۔ ابا تم کیوں مجھے دفن کرنا چاہتے ہو؟ قیس نے کہا۔ ہماری خاندانی عظمت ذاتی غیرت ہم کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے جمیلہ رونے لگی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ابا! پیارے ابا۔ اگر تم مجھے کھانا اور کپڑے نہیں دے سکتے۔ مت دو۔ میں ننگی اور بھوکی رہ لوں گی۔

آہ! ابا ابھی مجھے دفن نہ کرو۔ یہ کہتے ہی جمیلہ قیس سے لپٹ گئی۔ اسکی نرگس آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہنے لگی۔ قیس کے چہرہ سے خشونت اور درشتی کے آثار ظاہر ہوئے اُس نے کڑک کر کہا۔ ابھی دفن نہ کروں تو کیا تجھے اس لیئے زندہ رکھوں کہ تو بڑی ہو کر بیاہی جائے کوئی شخص میرا داماد بنے۔ تمام عربوں کے سامنے میرا سر ذلت سے جھک جائے۔ کبھی نہیں ہمارے خاندان میں کبھی کوئی لڑکی زندہ نہیں رکھی گئی۔

جمیلہ کا خوبصورت چہرہ فق ہو گیا۔ شوت غم سے آنکھیں آنسو بہانا بھول گئیں۔ موت کی بھیانک صورت سامنے آ گئی۔ وہ جلدی سے اپنے باپ کے پیروں میں گر پڑی اس نے کہا پیارے ابا

مجھے بچالو آہ۔ میں تمہاری کنیز بن کر رہوں گی۔

بے درد باپ نے جمیلہ کو اٹھا کر گڑھے میں پھینک دیا۔ گڑھا گہرا مگر تنگ تھا۔ جمیلہ منہ کے بل گڑھے میں جا کر پڑی۔ قیس نے جلدی جلدی ریت گرانا شروع کیا۔ جمیلہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن ریت اس تیزی سے اُسکے اوپر ڈال رہا تھا۔ کہ اُسے اٹھ کر کھڑا ہونے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ بے گناہ لڑکی چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ ظالم باپ کی خوشامدیں کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی پیارے ابا رحم کرو۔ مجھے بچالو۔ ہائے ابھی میرے مرنے کے دن نہیں ہیں۔ لیکن قیس پر اُس کے رونے عاجزی کرنے کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ برابر ریت ڈالنے میں مشغول تھا۔ جمیلہ نے ایک دفعہ کوشش کی۔ پوری طاقت سے کوشش کی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے سر میں تمام جسم میں ریت بھر ا پڑا تھا۔ آنکھیں نہ کھلتی تھیں۔ اُس نے روتے ہوئے کہا۔ ابا میں ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے بچالو۔ بجائے اُس کے قیس کو اس پر رحم آتا اسے اور غصہ آگیا۔ اُس نے جھٹکا دے کر اُسے گرایا اور اس پر تیزی سے ریت اُلٹنے لگا۔

جمیلہ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ چیخنے اور چلانے لگی۔ مگر ان وحشی درندہ انسانوں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا۔ جسکے دل میں رحم و کرم کا مشابہ ہوتا۔ اور اس معصوم لڑکی کو بچانے کی کوشش کرتا۔

رفتہ رفتہ اس کی آواز کم ہونے لگی۔ اور اس کے اوپر ریت کا انبار لگتا چلا گیا۔ یہ جب گڑھا پر ہو گیا۔ تو آواز بند ہو گئی۔ گھنٹے اور ناقوس اب پہلے سے بھی زور کے ساتھ بجنے لگے تھے قیس اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس نے گڑھے پر ریت کا انبار نہ لگایا۔ اس وقت وہ خوش تھا بڑا خوش گویا کوئی نہایت ہی اچھا کام انجام دے کر فارغ ہوا ہے اُس وقت آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ رات کی سیاہ چادر نے اٹھ کر انسانی سنگدل اور انتہائی قساوت قلبی کے اس ہولناک منظر کو اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔ جب رات ہو گئی تو سب لوگ گھر کی طرف واپس لوٹے۔

پانچواں باب (۵)

آفتابِ عرب

آفتابِ عرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطالب سے رخصت ہو کر مکہ میں آئے آپ کے منور اور پر عظمت چہرہ سے جلالِ الٰہی کا تاثر ظاہر تھا۔ آپ کا جسمِ اطہر پسینہ میں شرابور ہو رہا تھا۔ آپ مکہ کی گلیوں کو طے کر کے اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ مکان کیا تھا۔ کچھ کچا کچھ پتھر کا بنا ہوا ایک احاطہ تھا۔ اندر چند کمرے بنے ہوئے تھے۔ جنکی چھت اس قدر نیچی تھی کہ کھڑا ہونے سے چھوئی جاسکتی تھی۔ جس وقت آپ مکان کے احاطہ کے اندر داخل ہوئے۔ تو حضرت خدیجہ آپ کی محرم راز۔ شریک حیات۔ پیاری بیوی دوڑ کر استقبال کے لیئے آئیں۔ وہ آپ کا چہرہ پر عظمت و جلال دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ آپ کچھ نہ بولے۔ سیدھے ایک کمرہ میں چلے گئے حضرت خدیجہ بھی پیچھے پیچھے پہنچیں۔ انھوں نے دریافت کیا۔ میرے سرتاج! آج کیا بات ہے اور طبع اقدس پر کیوں گرانی ہے۔ آپ نے کھجور کی چٹائی پر لیٹ کر فرمایا۔ زملونی زملونی (یعنی مجھے کمبل اڑھاؤ۔ حضرت خدیجہ نے فوراً کمبل اڑھایا۔ اور ان کے قریب بیٹھ کر غم و فکر میں غرق ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ کو آنحضرت سے بے حد محبت تھی۔ انھیں آپ کی یہ حالت دیکھ کر کمال غم و خدشہ ہوا کہ کسی طرح صورتِ حال معلوم کریں۔ لیکن حضورؐ کمبل اوڑھے خاموش لیٹے ہوئے تھے۔ انہیں آپ سے حالاتِ معلوم کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضورؐ نے کمبل اتارا۔ اٹھکر بیٹھے۔ حضرت خدیجہ کی جان میں جان آئی۔

انھوں نے دریافت کیا۔ اب آپ کی طبع مبارک کیسی ہے؟

حضورؐ نے فرمایا۔ اچھی ہے۔

حضرت خدیجہ نے پھر دریافت کیا۔

اب تک رُخِ منور تمتما رہا ہے۔ میرے حضورؐ! کیا بات ہے؟ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدیجہ ایک عجیب بات ہوئی ہے۔ خدیجہ نے حضور کے روئے مبارک کو غور سے دیکھ کر دریافت کیا۔ میرے سرتاج کیا واقعہ ہوا؟ آپ نے فرمایا میں غارِ حرا میں بیٹھا تھا۔ کہ ایک خوبصورت شخص نہایت پاکیزہ کپڑے پہنے نمودار ہوا۔ میں بے اختیار اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرہ پر گویا بجلیاں کوند رہی تھیں۔ نہایت تاب ناک تھا۔ اُس نے میرے پاس آکر کہا۔ اقرأ، یعنی پڑھ میں نے کہا انا بقاریٍ۔ یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس شخص نے مجھے پکڑ کر بھینچا اور چھوڑ کر کہا۔ اقرأ یعنی پڑھ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ ما انا بقاریٍ۔ یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا اس نے تیسری مرتبہ مجھے پکڑ کر زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا۔

اقرا باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق ہ اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

ترجمہ۔

یعنی پڑھ خدا کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے۔ وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو باتیں سکھائیں۔ جو اُسے معلوم نہ تھیں۔

لے۔ چونکہ آنحضرت صلعم کے والدین اور دادا کی وفات عہد طفولیت ہی میں ہو گئی تھی اور آپ اپنے چچا کی سرپرستی میں تھے۔ چچا نے آپ کو تجارت کے [illegible] میں ڈال دیا تھا اس لیے آپ کچھ [illegible] تعلیم حاصل نہ کر سکے تھے۔ [illegible] بالکل ان پڑھ رہے تھے

مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ وہ شخص چلا گیا۔ خدیجہ! کہا۔ یہ عجیب بات نہیں ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔ بے شک عجیب بات ہے۔ مگر حضور اس سے پریشان کیوں ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ اس لئے کہ لقد خشیت علی النفسی۔ یعنی مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا ہے۔ حضرت خدیجہ نے دل دہی کے طور پر کہا۔ کلا ابشر فو اللہ لا یخزیک اللہ ابدًا انک لتصل الرحم وتصدق الحدیث وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔

یعنی نہیں نہیں آپ کو خوش ہونا چاہیئے۔ واللہ۔ خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ ہمیشہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ ناداروں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ آپ وہ تمام اوصاف رکھتے ہیں۔ جو اوروں میں نہیں پائے جاتے۔ آپ مہماں نواز ہیں اور حق باتوں اور نیک کاموں کی وجہ سے اگر کسی پر کوئی مصیبت آئے تو آپ اسکی امداد فرماتے ہیں آپ خاموش ہو گئے۔ اور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ آنحضور سے حضرت خدیجہ کو بے حد محبت تھی۔ آپ کی خاموشی سے اُن کا دل سخت متاثر ہوا۔ انہوں نے کہا کیا حضور میرے ساتھ ورقہ کے مکان تک چل سکتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کس لیے حضرت خدیجہ نے کہا۔ آپ جانتے ہیں کہ ورقہ توریت وانجیل کا ماہر ہے۔ عربی زبان جانتا ہے۔ بڑا عالم اور ذی عقل ہے وہ بتا دے گا۔ یہ کیا بات ہوئی اور آپ کے لئے کسی قسم کا کوئی اندیشہ تو نہیں ہے۔

ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ توریت وانجیل پر عبور رکھتے تھے عربی اور ایرانی زبانوں کے ماہر تھے۔ بڑے عقلمند اور دور اندیش تھے۔ عیسائی مذہب کی طرف مائل تھے۔ جب مکہ میں کبھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو ان سے ہی مشورہ لیا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا ابھی چلنے کا قصد ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔ حضور میں آپ کو متفکر دیکھ کر پریشان ہو گئی ہوں۔ مناسب تو یہی ہے کہ اسی وقت تشریف لے چلیئے۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا چلو! حضرت خدیجہ نے چادر اوڑھ لی۔ اس زمانہ میں پردہ نہ تھا۔ عورتیں بے حجاب گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ بھی خود

ہی خرید و فروخت کیا کرتی تھیں۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکان سے باہر آئیں ورقہ بن نوفل کے مکان کی طرف روانہ ہوئیں۔ ورقہ کا مکان کسی قدر فاصلہ پر تھا کئی گلیاں طے کرنا پڑیں۔ جب وہ اس کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ورقہ موجود نہیں ہے۔ مکہ سے باہر دختر کشی کی مذموم رسم میں شرکت کے لیئے گئے ہیں۔

چونکہ ورقہ حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ اس لیئے انہیں ان کے مکان پر ٹھہرنے کا حق تھا۔ وہ ٹھہریں آنحضور بھی ان کے ساتھ رک گئے۔ دن چھپنے کے بعد ورقہ آئے۔ مکان میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ نہ روشنی کا کوئی نظام تھا۔ نہ ہی روشنی کی جاتی تھی۔ ایک گوشہ میں ایک عورت ورقہ کے لیئے کھانا تیار کر رہی تھی۔ مگر وہ اس قدر کمزور نظر تھے۔ کہ کسی کو پہچان نہ سکتے تھے۔ حضرت خدیجہ نے ورقہ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے بڑھ کر کہا۔ یا ابن عم! میں تو تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ ورقہ نے آواز سے حضرت خدیجہ کو پہچانا۔ انہوں نے کہا۔ کس لیئے خدیجہ کیا کوئی نئی بات واقع ہوئی ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔ ہاں ایک نئی بات ہوئی ہے۔ آپ کہیں اطمینان سے بیٹھیں۔ تو عرض کروں۔

ورقہ مکان کے صحن میں کھجوروں کی چٹائی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا بیٹھو! خدیجہ کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ خدیجہ نے آنحضور صلعم کو بھی بلایا۔ دونوں ورقہ کے پاس بیٹھ گئے ورقہ ضعیف العمر تھے۔ داڑھی رکھتے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے ورقہ نے حضرت محمدؐ کو دیکھ کر کہا۔ کون محمدؐ ہیں۔ مرحبا! یا محمدؐ! خدیجہ تمہیں کیا کہنا ہے۔ حضرت خدیجہ نے وہ تمام واقعہ جو آنحضور نے اُن سے بیان کیا تھا۔ بیان کرنا شروع کیا۔ ورقہ نہایت غور اور توجہ سے سنتے رہے۔ جب حضرت خدیجہ سب کچھ سنا چکیں تو ورقہ نے کہا۔ یا محمدؐ میں آپ کو مبارک دیتا ہوں۔ یہ وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ آنحضور صلعم نے فرمایا۔ یا ابن عم ذرا تشریح کر دیجئے۔ ورقہ نے کہا، یا محمدؐ سنو۔ آپ کو خدا نے نبوت کے لیئے انتخاب فرمایا ہے۔ تم پیغمبر الزماں ہو۔ آپ وہ پیغمبر ہو جسکی بشارت

توریت وانجیل میں موجود ہے۔ جن کے مبعوث ہونے کی نوید حضرت موسٰے اور حضرت عیسٰی نے دی ہے۔ آپ کی امت اقصائے عالم میں پھیل جائے گی۔

آنحضور نے دریافت کیا۔ کیا خدا میرے ذریعہ سے کوئی نیا مذہب پھیلائے گا۔ ورقہ نے جواب دیا۔ آپ مذہب ابراہیمی کے علمبردار ہوں گے۔ . . . . اے کاش میں جواں ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا۔ جبکہ آپ تبلیغ اسلام کریں اور جب آپ کو آپ کی قوم آپ کے وطن سے نکالے،

آنحضور یہ سن کر بحث متعجب ہوئے آپ نے دریافت کیا او مخرجی ھم؟ یعنی میری قوم کیا مجھے نکال دیگی۔ ورقہ نے کہا۔ دنیا میں جو کوئی رسُول ہو کر آیا جس نے توحید کی تعلیم پیش کی اس کے ساتھ اسکی قوم نے دشمنی اور برتاؤ، عداوت کیا ہے۔ آپ کیساتھ بھی یہی ہو گا۔

آنحضور نے پھر دریافت کیا۔ مگر وہ کون شخص تھا۔ جس نے مجھے تین مرتبہ بھینچا ورقہ نے کہا۔ وہ فرشتہ تھا۔ خدا کا پیغام لانے والا جبرائیل امین ابنیاء علیہ السلام پر نازل ہوتا رہتا ہے۔ آنحضور نے پوچھا۔ لیکن اس سے مجھے جان کا اندیشہ تو نہیں ہے۔

ورقہ نے جواب دیا۔ بالکل نہیں اطمنیان رکھیئے۔ خدا آپ کا حامی و مددگار رہے گا۔ آنحضور کو ورقہ کی گفتگو سے اطمنیان ہوا۔ آپ نے کہا۔ اگر خدا میرا کارساز حامی ہے تو مجھے سناتے رہنا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر خدا نے چاہا تو میں ضرور سناتا رہوں گا۔

چونکہ اب حضورؐ کی طبعیت بشاش ہو گئی تھی۔ حضرت خدیجہ کو بھی اطمنیان ہو گیا تھا۔ اور اب کوئی بات دریافت طلب نہ رہی تھی۔ اس لئے حضورؐ اور حضرت خدیجہ دونوں اٹھے اور ورقہ کو سلام کر کے اس کے مکان سے باہر نکل کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

چھٹا باب (۶)

غم زدہ ماں

غم زدہ سلمٰے شدت غم سے بیحال ہو کر غش کھا کر گری تھی۔ اُسے تن بدن کا ہوش نہ رہا تھا۔ چہرہ سست ہو گیا تھا۔ سانس ایسا مدہم چل رہا تھا۔ کہ دیکھنے والے کو شبہ گذرتا تھا۔ کہ چل بھی رہا ہے۔ یا نہیں۔ وہ جس قدر غم کرتی حق بجانب تھا۔ جمیلہ کو اُس نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ چونکہ اس کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ اِس لیئے اسکی محبت جمیلہ کی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ وہی اسکی محبت کا درخشاں ستارہ منور چاند اور جگ مگاتا ہوا سورج تھا۔ آج اس کی مسرت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔

وہ جس قدر غم کر سکتی تھی۔ کرتی رہی۔ مگر جب غم حد سے گذر گیا۔ تو ضبط نہ کر سکی اور غش کھا کر گری۔ گھر میں کوئی بھی باقی نہ رہا تھا۔ کون اُسے اٹھاتا۔ کون دوڑ دھوپ کر کے ہوش میں لاتا۔ غمزدہ سلمٰے دھوپ میں پڑی تھی۔ مدہوش تھی۔ غافل پڑی تھی۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ دن بھر چلنے والی گرم ہوا قدرے ٹھنڈی پڑ گئی اور آسمان پر ستارے نکل کر چمکنے لگے۔ اس وقت سلمٰے کو ہوش آیا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا گھر میں سناٹا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ کہ وہ کہاں پڑی ہے۔ کیوں اور کس حالت میں پڑی ہے۔

رفتہ رفتہ اُسے تمام باتیں یاد آ گئیں۔ جو دوپہر کو پیش آئی تھیں۔ جمیلہ کو نہلا کر بنا سنوار کر دولہن بنانا۔ اُس کے باپ قیس کا اُسے زندہ دفن کرنے کے لیئے لے جانا اُس خیال کے آتے ہی۔ اس کا دل ہل گیا۔ کلیجہ کانپ گیا۔ سینہ میں ہوک اٹھی اور محبت کا دریا امنڈ آیا۔

وہ بے قرار ہو گئی۔ تڑپ گئی۔ کلیجہ تڑپ کر رہ گیا۔ بیٹھا نہ گیا اٹھی۔ ضعف کی وجہ سے چکر آ گیا دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ دیر تک کھڑی رہی۔ دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبائے کھڑی رہی۔ کچھ دیر کے بعد دل امنڈ آیا۔ آنسو جاری ہو گئے زار و قطار رونے لگی۔ اس قدر روئی کہ آنسوؤں سے دامن تر ہو گیا اور ہچکیاں آنے لگیں۔ معصوم اور خوبصورت جمیلہ کی تصویر اس کے سامنے کھنچ گئی۔ اس کی بھولی صورت نظر آنے لگی۔ مغموم اور بدنصیب عورت سمجھی کہ شاید باپ کو رحم آ گیا۔ اس نے چھوڑ دیا۔ جمیلہ آ گئی۔ وہ بڑھی آغوش کشادہ ہو کر بڑھی جمیلہ کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے بڑھی۔ اُس نے کہا جمیلہ تو آ گئی۔ میرے چاند آ میرے سینہ سے لگ جا۔ میرے دل کی بھڑکی ہوئی آگ کو فرو کر دے۔

جمیلہ وہاں کہاں تھی۔ وہ تو محض تخیل تھا۔ غمزدہ سلمیٰ کے بڑھتے ہی خیالی تصویر غائب ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پھیلے کے پھیلے رہ گئے۔ اس کے کلیجہ میں دھکا لگا۔ اس نے شدت غم سے بے چین ہو کر اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

بے کس عورت کے آنسو پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے بہنے لگے۔ اُس نے ہچکیاں کرتے ہوئے کہا۔ آہ میری آنکھوں کی روشنی۔ کیا تو مجھ سے خفا ہو گئی۔ کیا تیرے ظالم اور بے رحم باپ نے تجھے زندہ دفن کر دیا۔ آہ! ہنہیں میں اس غم کو برداشت نہ کر سکوں گی۔ دیوانی ہو جاؤں گی۔ میں تجھے خداؤں کا واسطہ دیتی ہوں۔ کہ تو مجھے بلکتا چھوڑ کر نہ جا۔ . . . . . ہاں جمیلہ! میں کسے بیٹی کہوں گی اور کون میری گود میں پڑ کر میری گود ٹھنڈی کرے۔ میری بچی تیری یاد آ آ کر مجھے خون کے آنسو رلائے گی۔

سلمیٰ رو رہی تھی۔ زار و قطار رو رہی تھی۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا۔ اُس نے گہرا ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ آہ عرب ستان میں عورتیں کس قدر بے بس اور بے کس ہیں۔ کس قدر ذلیل اور حقیر ہیں۔ کسی کام میں دخل دینے کا اختیار نہیں رکھتیں۔ کنیزوں کی طرح صرف کام کرنے کے لئے ہیں۔ ہائے معصوم بچیاں زندہ دفن کر دی جاتی ہیں۔

ماں مچھوتی ہے۔ تڑپتی ہیں۔ لیکن چھپ کر سب کے سامنے رونے کا بھی حکم نہیں۔ وحشی انسانو تم کس قدر ظالم ہو۔

بے رحم مردو! تم کس قدر سنگدل ہو۔ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کر آتے ہو۔ تم کو کب عقل آئے گی۔ تم نہیں جانتے کہ عورتوں کو اس سے کس قدر غم اور کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ سلمیٰ خاموش ہو گئی رونے سے اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تھی۔

طبیعت کو قدرے سکون ہو گیا تھا۔ ابھی تک وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی بے حال اور نڈھال سی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اسکی حالت میں تغیر واقع ہوا۔ وہ دیوار سے الگ ہوئی اس نے کہا۔ لعنت ہے اس مکان پر اور یہاں رہنے پر میں اب ایک دم نہ رہوں گی۔ وہاں جاؤں گی۔ جہاں میری جمیلہ ہے۔

مجھے جانا چاہیئے خاک چھاننے کے لیئے۔ بغیر جمیلہ کے زندگی کس کام کی محض بے لطف اور بے مزہ ہے۔

یہ کہتے ہی سلمیٰ گھر سے باہر نکل آئی۔ رات کا وقت تھا۔ اندھیری رات تھی۔ تارے آسمان پر بکھرے ہوئے چمک رہے تھے۔ مگر ان کی چمک دمک سے ساکنانِ ارض کو کوئی فائدہ نہ تھا۔ ان کی ضیا آسمان تک محدود تھی۔ بالکل اس طرح جیسے فاصلہ پر قندیل روشن ہو۔ اور ان کی روشنی قندیلوں کے ماحول تک ہی محدود تھی۔ مکہ کی گلیاں اور راستے سنسان اور تاریک تھے۔ راستے بھی ناہموار اور تنگ تھے۔ جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ سلمیٰ ٹھوکریں کھاتی جا رہی تھی۔ گڑھوں اور کوڑے کے ڈھیروں پر گرتی جا رہی تھی۔ اس وقت نہ اس کے حواس ٹھیک تھے۔ نہ عقل ٹھکانے تھی۔ اندھیرا کچھ دیکھنے نہ دیتا تھا۔ وہ گرتی پڑتی چلی جا رہی تھی۔ بہت دیر کے بعد وہ بیت الحرام کے سامنے پہنچی۔ جب چاہ زمزم کے قریب گئی تو اساف اور نائلہ دونوں بت اُسے نظر آئے وہ بے اختیار ان خداؤں کے سامنے گر گئی۔ اُس نے رو رو کر کہا۔ میرے معبود! میرے

خداوٗ مجھ پر رحم کرو۔ ایک دکھیا مصیبت زدہ عورت پر رحم کرو۔ مجھ سے میری جمیلہ کو چھین لیا ہے۔ آہ! جمیلہ! جمیلہ!

سلمےٰ پھر رونے لگی۔ غمزدہ عورت کے آنسو بات بات پر نکل آتے تھے۔ وہ فقرہ پورا نہ کر سکی۔ جمیلہ کی یاد نے اُسے بے چین کر دیا۔ دیر تک سجدہ میں پڑی روتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد اٹھی۔ دوپٹہ کے آنچل سے آنسو خشک کیئے کھڑی ہوئی اور چل پڑی۔ ٹھوکریں کھاتی۔ گرتی پڑتی مکہ سے باہر نکلی۔ اس وقت وہ لوگ جو لڑکیوں کو دفن کرنے کے لیئے مکہ سے باہر گئے تھے۔ واپس آ رہے تھے۔ ناقوس اور گھنٹے زور زور سے بجا رہے تھے۔ یہ مختلف آوازیں مکہ کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھیں۔

سلمےٰ دیوار کی آڑ میں چھپی کھڑی تھی۔ لوگ مکہ میں داخل ہو رہے تھے جب سب داخل ہو گئے تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکلی اور منےٰ کی طرف بڑھی۔ کھلا ہوا میدان تھا۔ ریگ زار تھا۔ سفید سفید ریت چمک رہا تھا۔ یہاں اس قدر اندھیرا نہ تھا جس قدر مکہ کے کوچوں اور راستوں میں تھا۔ سلمےٰ بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ اس جگہ پہنچی۔ جہاں لڑکیاں زندہ دفن کی جاتی تھیں۔ یہ مقام جبل نور کے دامن میں واقع تھا۔ رات کے اندھیرے میں پہاڑ کی چٹانیں سیاہ اور مہیب نظر آ رہی تھیں۔ سلمےٰ نے چلا کر کہا۔ جمیلہ . . .

اس کی دردبھری آواز صحرائے ریگ زار میں گونجی۔ جبل نور سے ٹکرائی آواز بازگشت پیدا ہوئی۔ سلمےٰ چونکی۔ اُس نے کہا۔ آہ کیا میرے سوائے اور کوئی بدنصیب بھی اپنی جمیلہ کو یاد کر رہا ہے۔ وہ بڑھتی رہی۔ تھوڑی دُور چلی تھی۔ کہ کسی نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ خبردار کون آ رہا ہے۔

سلمےٰ جمیلہ کی محبت میں سرشار ہو کر خوف سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ وہ مطلق نہ ڈری بلکہ برابر بڑھتی رہی۔ چند قدم چل کر اُس نے دیکھا کہ ایک اعرابی بیٹھا زمین کھود رہا تھا۔ اعرابی کے سر کے بال لمبے تھے۔ کمر اور کندھوں پر بکھرے پڑے تھے

چہرہ بھیانک اور آنکھیں خوفناک تھیں اس نے کہا کون ہے تو؟ سلمےٰ نے بغیر کسی جھجک اور خوف کے کہا ایک غم زدہ عورت! اعرابی جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا عورت! رات کو؟ اس خوفناک مقام پر آنیکی وجہ؟ سلمیٰ نے سسکتے ہوئے کہا ایک بیکس ماں کو ایک بیٹی کی ممتا کھینچکر لاتی ہے۔ اعرابی نے کہا۔ تو کون ہے بیکس عورت؟ سلمیٰ نے کہا۔ معصوم جمیلہ کی ماں۔

اعرابی نے غور سے سلمیٰ کو دیکھا۔ اُس نے کہا آہ سلمےٰ! تو کس قدر بدل گئی ہے معلوم ہوتا ہے۔ تیرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اس لئے سلمےٰ نے کہا جسکی دس سالہ بچی زندہ دفن کر دی گئی ہو۔ اُس کے جسم میں خون ڈھونڈتے ہو۔ اس بات پر تعجب کرو۔ کہ وہ زندہ کیسے ہے۔ آہ جمیلہ جمیلہ!

سلمےٰ نے اس درد سے جمیلہ کا نام لیا کہ اعرابی لرز گیا۔ اُس نے کہا سلمےٰ تیری دردناک آواز تو آسمان کے ٹکڑے کر دے گی۔ زمین کو پھاڑ ڈالے گی۔ میرا دل لرز گیا ہے۔ آؤ میں تم کو جمیلہ کے پاس لے چلوں۔ سلمیٰ بے اختیار اعرابی کے اوپر جھک گئی۔ اس نے کہا آپ کا احسان ہوگا بڑا

احسان .... تم بڑے مہربان ہو کون ہو تم۔

اعرابی کا دل سلمےٰ کی باتوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ اُس نے کہا میں ایک جفاکار انسان ہوں۔ بدید وحشی ہوں۔ سلمیٰ میں وہ بے رحم درندہ ہوں کہ جب لوگ لڑکیوں کو دفن کر کے چلے جاتے ہوں۔ تو میں رات کو انھیں نکال کر زیور اتار لیتا ہوں۔ اور جو لڑکی زندہ ہوتی ہے۔ اس کا گلا گھونٹ کر مار دیتا ہوں۔

سلمےٰ یا تو اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ یا چونک کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا تم .... اعرابی نے کہا۔ مجھے ملامت نہ کرو۔ اسوقت تمہاری حالت دیکھ کر تمہاری باتیں سنکر میرا دل لرز گیا .... اُف میں نے کسقدر

درندگی کی ہے۔

مگر سوچو ذرا غور سے کہ کیا یہ میری بے رحمی - یہ درندگی ان انسانوں سے زیادہ ہے یہ درندگی ان انسانوں سے زیادہ ہے جوان معصوم لڑکیوں کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کر دیتے ہیں۔ سلمیٰ میرا دل میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے۔ تم کیوں مجھے ملامت کرتی ہو اب میں انسان بنوں گا۔

آہ! جن ماؤں کی گودوں سے لڑکیاں چھین لائی جاتی ہیں۔ غم و قلق کے دفور سے اُن کی کیا حالت ہوتی ہو گی؟ تیری کیفیت دیکھ کر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ سلمیٰ نے کہا مجھے دیکھو! میری حالت کو دیکھو۔

آہ اعرابی نے کہا۔ سلمیٰ تم خوش قسمت ہو۔ جمیلہ زندہ ہے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو میں نے سب سے پہلے اس کے اوپر سے ریت ہٹا کر اُسے نکالا۔ اُس کا تنفس جاری تھا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے مار ڈالوں کہ معاً یہ خیال آیا کہ پہلے اور لڑکیوں کو نکال کر ان کے زیور اتار لوں۔ اس کا زیور بعد میں آتار کر اسے مار ڈالوں گا۔ اس لیے وہ بچ گئی خداؤں کی مہربانی سے بچ گئی۔ سلمیٰ نے جلدی سے دریافت کیا۔ وہ کہاں ہے؟

اعرابی اس کا ہاتھ پکڑ کر لے چلا۔ تھوڑی دور کر وہ چل کر وہ ایک گڑھے کے کنارے پر جا کھڑا ہوا۔ اُس نے کہا یہ ہے! سلمیٰ نے غور سے دیکھا۔ ایک ننھی سی لاش گڑھے کے کنارے پر پڑی ہوئی تھی۔ سلمیٰ بے اختیار اس کے اوپر جھک گئی۔ اُس نے اُسے اپنے آغوش میں لے کر کہا۔

جمیلہ! میری جمیلہ۔

کچھ اندھیرا تھا۔ کچھ لاش ریت سے اٹی ہوئی تھی۔ کچھ سلمیٰ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ پہچان نہ سکی۔ اس کے اوپر جھک گئی۔ خاک آلود سر و چہرہ کے بوسے لینے لگی۔ اور اعرابی ننھی سی لاش کی گرد جھاڑنے لگا۔

ساتواں باب (۷)

نزولِ وحی

آنحضور صلعم مع حضرت خدیجہ ؓ کے اپنے مکان پر تشریف لائے۔ چند خرمے کھاکر سو رہے صبح بیدار ہو کر ستو کچھ خرمے ایک چھاگل میں تھوڑا سا پانی لے کر گھر سے روانہ ہوئے۔ چونکہ ابرہش نے مکہ کے تمام باشندوں کو یہ بات بتادی تھی۔ کہ ان کے آبائی مذہب کیخلاف ان کے خداؤں کیخلاف اور ان کی مذمت کرنیوالے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ اس لیے ہر اعرابی کے دل میں حضور صلعم کی طرف سے اندیشہ اور کھٹک سی پیدا ہو گئی تھی۔

اور ہر شخص آپ کو کینہ اور غضب بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ نظریں جھکا کر چلتے تھے۔ نہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے تھے نہ کسی کی غیظ بھری نظروں کی پرواہ کرتے تھے۔ چنانچہ آج جب حضورؐ اس شان سے نکلے کہ دوش مبارک کے ایک طرف ستو کا تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ ایک طرف کھجوروں کا۔ بائیں کندھے پر سیاہ اونی کمبل پڑا تھا۔ ہاتھ میں پانی کی چھاگل تھی۔ آپ کی اس ہیبت سے واضح ہوتا تھا کہ آپ کہیں سفر پر جا رہے ہیں۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا۔ حسب عادت سر جھکائے چلتے رہے۔ جب بیت الحرام کے پاس گئے تو طواف کیا اور مکہ سے نکل کر جبل نور کی طرف روانہ ہوئے۔ پہاڑ سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہر چٹان۔ چٹان کا ہر پتھر آفتاب کی تپش سے جھلس گیا ہو۔ تمام پہاڑ پر کہیں سبزہ نہ تھا۔ نہ کوئی درخت تھا۔ ہر طرف سیاہی کا عالم تھا۔

آپ پہاڑ پر پہنچکر ایک غار میں اترے۔ یہ غار کچھ زیادہ وسیع نہ تھا۔ تقریباً چار گز

لمبا اور پونے دو گز چوڑا تھا۔ ایک اونچی چٹان غار کے اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ اس چٹان کی وجہ سے غار کے اندر تیز دھوپ اور بادِ صرصر کے گرم جھونکے نہ پہنچتے تھے اس غار کا نام غارِ حرا تھا اس غار میں حضور عرصہ سے گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ اب پھر اسی غار میں متمکن ہو گئے۔ حضور کا دل آبادی سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ کئی روز حضور مقیم غار رہے۔ جب ستو اور خرمے ختم ہو گئے۔ تو آپ مکان پر تشریف لے گئے اور دوسرے دن پھر ستو اور خرمے لے کر آ گئے۔ چند روز آپ گوشہ نشینی کی حالت میں رہے۔ جب ستو اور خرمے قریب الاختتام پہنچے تو آپ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی آپ کوہ صفا اور مروہ ہی تک پہنچے تھے۔ کہ وہی شخص آپ کو ملا جس نے پہلے آپ کو اپنی آغوش میں لے کر بھینچا تھا۔

یہ شخص نہایت خوش رو۔ بلند و بالا نوجوان تھا۔ سفید کپڑے پہنے تھے۔ وہ حضور کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ حضور اکرمؐ نے اس سے دریافت کیا تم کون ہو؟ اس شخص نے جواب دیا یا محمدؐ انت رسول اللہ وانا جبرائیل۔ یعنی اے محمدؐ تم خدا کے رسول ہو اور میں جبرائیل ہوں۔ حضورؐ نے حیرت بھری نظروں سے جبرائیل کو دیکھ کر کہا۔ کیا جبرائیل فرشتہ جبرائیل نے کہا ہاں جبرائیل فرشتہ۔ وہ فرشتہ جو تمام انبیاء اکرام پر نازل ہوتا رہا ہے اے رسولِ خدا۔ اب میں تمہارے پاس بھیجا۔

حضورؐ نے دریافت کیا۔ کیا میں خدا کا رسول ہوں؟ جبرائیل نے جواب دیا ہاں تم خدا کے رسول ہو۔ خدا نے آپ کو برگزیدہ پیغمبر کر لیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لیکن میں تو امی ہوں۔ لکھنا پڑھنا مطلق نہیں جانتا؟

جبرائیل نے کہا۔ خدا کی یہی مصلحت ہے۔

آنحضورؐ کے دیکھتے ہی دیکھتے جبرائیل امین غائب ہو گئے۔ حضورؐ پر ہیبت طاری ہوئی چہرہ اطہر عرق ہو گیا۔ آپ جلدی جلدی چل کر اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو دیکھا۔ آپ کی صورت اور کیفیت دیکھتے ہی وہ سمجھ گئیں۔ کہ آج پھر کوئی نیا واقعہ ظہور

پذیر ہوا ہے۔ آپ حجرہ میں جاکر چٹائی پر لیٹ گئے۔ اور حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو
حضرت خدیجہ نے فوراً کمبل اوڑھا دیا۔

آج گرمی اور دنوں سے زیادہ پڑ رہی تھی۔ دھوپ میں اس قدر تپش اور ہوا میں اس درجہ شدت تھی۔ کہ ہر چیز کو جھلسائے دیتی تھی۔ سایہ میں بیٹھنے والے بھی گرمی سے بوکھلائے جاتے تھے
مگر حضور کا جسم سرد تھا۔ آپ کمبل اوڑھ کر پڑ گئے۔

ابھی آپ کو لیٹے ہوئے تھوڑے دیر گذری تھی۔ کہ ایک پر جلال آواز آئی۔

یا ایہا المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطہر والرجز فاھجر

یعنی اے چادر میں لپٹے ہوئے اٹھ اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے رب کی بزرگی اور ربائی بیان کر پاک دامنی اختیار کر اور شرک و بدی کی نجاست سے بچ۔

آپ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ دیکھا تو جبرائیل سامنے کھڑے ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی دیکھتے جبرائیل غائب ہو گئے۔ آپ نے اپنی پیاری بیوی کی طرف دیکھا۔ حضرت خدیجہ پاس ہی بیٹھی تھیں۔ غمگین اور اندوہناک معلوم ہوتی تھیں۔

ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ حضرت خدیجہ کو آنحضور سے بیحد محبت تھی۔ چونکہ حضور پر وحی کا نزول شروع ہو گیا تھا۔ اور نزول وحی کیوقت حضور پر اس قدر زور پڑتا تھا۔ کہ روئے مبارک اور جسم اطہر عرق ہو جاتا تھا۔ اس لیئے حضرت خدیجہ کو ملال ہوتا تھا۔ ہر عورت اپنے شوہر کی خیر طلب ان کے دکھ درد کی شریک اور آرام و راحت کی خواہاں ہوتی ہے۔ اور ہونا بھی چاہیئے۔ عورت کا سہاگ عورت کا آرام۔ عورت کی فارغ البالی کی زندگی شوہر کی ذات تک ہے۔ یک جائی محبت پیدا کر کے ایک کو دوسرے کا ہمدرد و شریک بنا دیتی ہے۔ مگر حضرت خدیجہ کو جو محبت آنحضور صلعم سے تھی۔ وہ ناقابل بیان ہے۔ حضور کے اٹھتے ہی حضرت خدیجہ نے دریافت کیا۔

میرے سرتاج! آج کیا بات ہے۔ کیوں روئے مبارک عرق آگیں ہے۔ حضور نے حضرت

جبرائیل کو کوہ صفا اور مروہ پر ملے اور اس وقت تک حضرت جبرائیل کی تمام روئیداد کہہ سنائی
حضرت خدیجہ نے سب کچھ سن کر کہا۔ میرے حضورؐ! ورقہ نے سچ کہا تھا کہ حضورؐ پر خدا
کا پیغام نازل ہوگا۔ اور حضور خدا کے رسول ہونگے۔ آپ نے فرمایا۔ لیکن خدیجہ مجھے اپنی
قوم سے اندیشہ ہے مجھے جو خدا حکم دے گا۔ وہ کروں گا۔ مگر خوف ہے۔ شاید میری قوم
نہ مانے۔

حضرت خدیجہ نے کہا۔ یہ خدشہ ضرور ہے۔ لیکن کیا آپ قوم کے خوف سے خدا کے
احکام کی تعمیل میں درگزر کریں گے۔! آپ نے فرمایا۔ کبھی نہیں..... لیکن میں نہیں
جانتا کہ خدا کیا حکم دے گا۔ اور کس طرح سے میں اس کے حکم کی تعمیل کروں گا۔

حضرت خدیجہ۔ خدا نے تو فرما دیا کہ لوگوں کو اس کے عذاب سے ڈراؤ۔ اسکی بزرگی
اور عظمت بیان کرو۔

آنحضورؐ بے شک خدا نے بتایا۔ لیکن آج عرب کے ریگ زار کا ذرہ ذرہ محمود
مشرک ہے۔ بتوں کو پوجتا ہے۔ ہر قبیلہ۔ ہر خاندان۔ گویا ہر شخص کا خدا جدا ہے۔ میری
آواز کون سنے گا۔ یقیناً ہر شخص ہر قبیلہ۔ سارا حجاز اور تمام عرب میرا دشمن ہو جائے گا
میں تنہا کس کس کا اور کس طرح سے مقابلہ کر سکوں۔

حضرت خدیجہ۔ بے شک ایک شخص کا نہیں۔ ایک خاندان کا نہیں ایک قبیلہ
کا نہیں۔ سارے عرب کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

آنحضور۔ مگر کچھ ہو خدیجہ! میں مقابلہ کروں گا۔ خدا کی اعانت کے بھروسہ پر مقابلہ
کروں۔ کیا خدا میری امداد نہ کرے گا۔

حضرت خدیجہ ضرور کرے گا۔ لیکن۔ اہل عرب نہایت سخت۔ سرکش اور سنگدل
ہیں۔ جن بتوں کو وہ اور ان کے باپ دادا پوجتے رہے ہیں۔ وہ کیسے ان کو چھوڑ دیں
گے۔ کیسے ان کی برائیاں سن سکینگے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ابرہہ نے تمام مکہ والوں

کے دل میں حضورؐ کی طرف سے برائی پیدا کرکے ان کو حضورؐ کے خلاف برانگیختہ کر دیا ہے
آنحضور صلعم مجھے معلوم ہے۔ مگر خدا کا پیغام خدا کے بندوں تک ضرور پہنچاؤں گا۔ اس کے
بعد حضور خاموش ہو گئے۔ حضرت خدیجہ ملول آزردہ خاطر ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں اور خوب
اچھی طرح جانتی تھیں۔ کہ حضورؐ جو کہتے ہیں۔ وہی کرتے تھے۔

آپ صادق البیان ہیں اور صادق القول ہیں۔ صادق الوعدہ ہیں۔ قوم بت پرست
ہے۔ اور بتوں کو معبود مانتی۔ صدیوں سے بتوں کی پرستش کرتی چلی آ رہی ہے۔ جس وقت
حضور نے بتوں کیخلاف کچھ بھی کہا۔ اسی وقت حضور پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑینگے
زندگی وبال جان ہو جائے گی۔ گھر سے باہر نہ نکلنے دینگے۔ حضور نے ساری قوم کے
مقابلہ میں یکتا و تنہا کیا کریں گے۔ اس خیال نے حضرت خدیجہ کو مغموم کر دیا۔ وہ دیر تک
سر جھکائے کچھ غور کرتی رہیں۔ پھر اٹھیں چادر اوڑھی اور گھر سے باہر نکل آئیں سامنے کی
گلی میں گھسیں اور چلنے لگیں گلی ختم کر کے چوراہے پر پہنچیں داہنے ہاتھ مڑیں اور کچھ دور چل
کر ایک مکان کے دروازہ پر جا کھڑی ہوئیں۔ یہ مکان پتھر کا بنا ہوا تھا۔ آپ نے بلند آواز
سے کہا۔ کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔ اندر سے آواز آئی۔ آ جاؤ۔ تم کون ہو۔

حضرت خدیجہ مکان کے اندر داخل ہوئیں۔ مکان مختصر تھا۔ چونکہ دھوپ نہایت
تیز پڑ رہی تھی۔ باد سموم کے جھونکے چل رہے تھے۔ اس لیئے صحن میں کوئی نہ تھا۔

حضرت خدیجہ ایک حجرہ میں پہنچیں۔ یہاں ایک ضعیف العمر شخص چٹائی پر بیٹھا تھا۔ ٹخنوں
تک لمبا ڈھیلا جبہ پہنے تھا۔ سفید اور لمبی داڑھی تھی۔ یہ شخص عیسائی راہب تھا۔ اس کا نام
عداس تھا۔ ہر وقت انجیل کی تلاوت اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ وہ حضرت
خدیجہ کو جانتا تھا۔ اس وقت سے جانتا تھا۔ جبکہ وہ حضور کے نکاح میں نہ آئی تھی وہ
ان کی تعظیم کے لیئے اٹھا۔ اس نے کہا۔

مرحبا! خدیجہ مرحبا! آؤ بیٹھیں۔ حضرت خدیجہ اسکے سامنے چٹائی پر بیٹھ گئیں۔ عداس نے

عداس نے دریافت کیا۔

اس تیز دھوپ اور گرم ہوا میں کیوں تکلیف کی؟

حضرت خدیجہ نے کہا۔ میں کچھ باتیں دریافت کرنے آئی ہوں۔

عداس۔ کہو کیا دریافت کرنا چاہتی ہو؟

حضرت خدیجہ۔ یہ بتایئے کہ جبرائیل کون ہے۔

عداس نے حضرت جبرائیل کا نام سنتے ہی تعظیم کے لیئے سر جھکایا۔ پھر حیرت سے حضرت خدیجہ کو دیکھ کر کہا۔ تم نے حضرت جبرائیل کا نام کیسے اور کس سے سُنا۔ تم تو اس قوم کی دختر ہو۔ بت پرستی جن کا شعار ہے۔ جو نہ حضرت جبرائیل کو جانتے ہیں۔ نہ خدا کو۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔ میں سب کچھ بتا دونگی۔ پہلے جو میں دریافت کروں۔ اس کا جواب دیتے جایئے بتایئے جبرائیل کون ہے۔

عداس۔ جبرائیل وہ مقدس فرشتہ ہے جو خدا کا پیغام لے کر خدا کے رسولوں پر نازل ہوتا رہا ہے۔

حضرت خدیجہ۔ اس کا نزول خیر و برکت سے ہوتا ہے۔

عداس۔ جس بستی پر وہ نازل ہوتا ہے۔ وہ بستی خیر و برکت سے لبریز ہو جاتی ہے۔

حضرت خدیجہ! اگر میں کوئی بات آپ سے کہوں تو کیا آپ اسکی رازداری کریں گے چونکہ حضرت خدیجہ کو خوف تھا۔ کہ اگر یہ بات الم نشرح ہو گئی کہ حضرت محمدؐ عربوں کے معبودوں کیخلاف وعظ و پند کرنیوالے ہیں تو لوگ قبل از وقت شورش کر دیں گے اس لیئے انہوں نے عداس سے رازداری کا اقرار لینا ضروری سمجھا۔ عداس نے کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ تمہاری بات کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ حضرت خدیجہ سنبھل کر بیٹھ گیئں۔ انہوں نے کہا آپ میرے شوہر حضرت محمدؐ کو جانتے ہیں۔

عداس ۔ جانتا ہوں۔

حضرت خدیجہ ۔ آپ انہیں کیا سمجھتے ہیں۔

عداس ۔ خاندان بنی ہاشم تمام قبائل میں معزز اور راست گو ہے ۔ اور خاندان بنی ہاشم میں حضرت محمدؐ سب سے زیادہ راست گو ۔ امین ۔ نیک اور خلیق ہیں۔

حضرت خدیجہ ۔ اچھا تو سنیئے حضرت محمد صلعم کہتے ہیں ۔ کہ اُن پر جبرائیل کا نزول ہوتا ہے۔

عداس نے اپنی گھسی ہوئی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے حضرت خدیجہ کو بڑے غور سے دیکھا ۔ دیر تک پیکر حیرت بنا دیکھتا رہا ۔ کچھ دیر کے بعد بولا ۔ مجھے یہ بہت ہی عجیب اور پر اسرار معلوم ہوتا ہے اور اسرار جنہ بھی دکھائی دیتا ہے

اگرچہ یہ درست ہے ۔ کہ ایک نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے ۔ لیکن محمدؐ وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

حضرت خدیجہ ۔ مگر آج تک انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ۔

عداس ۔ اسرار جنہ ہی معلوم ہوتا ہے ۔ اندیشہ نہ کرو ۔ یہ انجیل لے جاؤ ۔ آسمانی کتاب ہے ۔ اگر اجنہ کا اسرار ہے ۔ تو اس کتاب کو دیکھ کر تیرا شوہر مضطرب ہو گا ۔ اور اگر واقعی اس پر جبرائیل کا نزول شروع ہو گیا ۔ تو اس پر کوئی اثر نہ ہو گا ۔ اور وہ یقیناً پیغمبر ہے۔

عداس نے حضرت خدیجہ کو انجیل دی ۔ حضرت خدیجہ نے عداس کا شکریہ ادا کیا اور انجیل چادر میں چھپا کر اٹھیں ۔ مکان سے نکلیں اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئیں ۔ جب وہ اپنے گھر پہنچیں تو پسینہ میں شرابور تھیں ۔ انہوں نے دیکھا ۔ آنحضورؐ چپ چاپ بیٹھے تھے حضرت خدیجہ نے چادر اتار کر ایک طرف رکھدی اور انجیل آنحضورؐ کے سامنے کی آنحضورؐ نے آہستہ آہستہ اٹھا کر انجیل کو دیکھا ۔ حضرت خدیجہ غور سے حضورؐ کے روئے مبارک کو دیکھتی تھیں

حضورؐ کا چہرہ بدستور بشاش تھا۔ کسی قسم کا اضطراب وغیرہ ظاہر نہ ہوا۔ حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کی طرف دیکھ کر کہا۔

یہ کون سی کتاب ہے۔ خدیجہ ؟۔

حضرت خدیجہ نے کہا۔ انجیل مقدس۔

اب بھی حضور کے چہرہ سے کسی قسم کا اضطراب یا گھبراہٹ ظاہر نہ ہوا۔ حضورؐ نے دریافت کیا۔

یہ تم کہاں سے اور کیوں لائی ہو۔

حضرت خدیجہ نے انجیل رکھدی اور تمام واقعہ عداس کے پاس جانے اور اُس کی گفتگو کا سنا دیا۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ کیا تجھے یہ شبہ ہے خدیجہ کہ مجھ پر اجنہ کا اسرار ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔

اب شک نہیں رہا۔

میرے حضورؐ مجھے یقین آگیا۔ کہ آپ پر حضرت جبرائیل نازل ہوتے ہیں۔

آں حضورؐ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

حضرت خدیجہ کام میں مصروف ہو گئیں۔

آٹھواں باب (۸)

جانِ مادر را

غم زدہ سلمیٰ نے جمیلہ کو اپنی گود میں لے لیا۔ سینہ سے لگایا۔ اُس نے خیال بھی نہ کیا۔ کہ جمیلہ ریت سے اٹی ہوئی ہے۔ تنفس ٹھیک نہیں ہے۔ سانس مشکل سے آرہا ہے۔ وہ برابر اُسے پیار کرتی اور اُس کے گرد آلود سر کے بوسے لیتی رہی۔ اعرابی البتہ جمیلہ کے اوپر سے ریت ہٹاتا رہا۔ سر اور چہرہ صاف کر کے جبہ کے دامن سے ہوا دیتا رہا۔ جب دیر ہو گئی اور سلمیٰ جمیلہ کو خوب پیار کر چکی۔ تو اُس نے کہا۔ بیٹی جمیلہ آنکھیں کھولو۔ دیکھو تمہاری بدنصیب ماں تمہارے پاس آئی ہے۔ جمیلہ پر غشی طاری تھی۔ وہ بے حس و حرکت سلمیٰ کی گود میں پڑی تھی۔ اعرابی نے کہا۔ سلمیٰ ابھی تک جمیلہ بے ہوش ہے۔ پہلے اُسے ہوش میں آنے دو۔

اب سلمیٰ نے بھی دوپٹہ کے آنچل سے ہوا دینا شروع کی۔ دیر تک اعرابی اور وہ ہوا دیتے رہے۔ لیکن جمیلہ کو ہوش نہ آیا۔ اب سلمیٰ کو فکر ہوا۔ اُس نے اعرابی سے مخاطب ہو کر کہا۔ ما ابن عم[1]۔ کیا جمیلہ مجھے داغ مفارقت دے جائے گی۔ اعرابی خود حیران تھا۔ اُس نے کہا اپنے خداؤں سے مہربانی کی التجا کرو۔ غریب سلمیٰ نے سمجھ لیا کہ جمیلہ کے بچنے کی اُمید نہیں اُسے کمال رنج ہوا۔ اگرچہ وہ اعرابی کو نہ جانتی تھی۔ اُس کے نام سے بھی واقف نہ تھی۔ وہ ایک غیر شخص تھا۔ مگر اُس نے سلمیٰ سے اظہار ہمدردی کیا تھا۔ جو شخص کسی عورت کے ساتھ

لے عرب میں قاعدہ ہے کہ ہر شخص کو ابن عم (یعنی چچا کا بیٹا) اور ہر بزرگ کو عم یعنی چچا کہتے ہیں۔

ہمدردی کرتا ہے۔ عورت کے دل میں اس کی عزت اور اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ سلمیٰ کے دل میں بھی اعرابی کی عزت اور محبت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اُسے اپنا بھائی سمجھنے لگی تھی۔ وہ اس کے کندھے پر جھک گئی۔ اور روتے ہوئے بولی۔ آہ بچاؤ۔ میری جمیلہ کو بچاؤ۔ میری نور دیدہ کو بچاؤ۔ اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اعرابی سلمیٰ کی اس گفتگو سے سخت متاثر ہوا اُس نے دلدہی کے طور پر کہا۔ سلمیٰ استقلال سے کام لو۔ مایوس نہ ہو جاؤ۔ جمیلہ دیر تک ریت میں دبی رہی ہے۔ اس لئے بے ہوش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکے اوپر اس قدر ریت نہیں پڑا جو ہوا کی آمدورفت روک دیتا۔ اگر ہوا اس تک نہ پہنچتی تو یہ فوراً ہی مرجاتی۔ اب اُس کے مرنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اگر کہیں سے پانی مل جاتا۔ تو اس کے چہرہ پر چھینٹے دینے سے اسے جلد ہوش آجاتا سلمیٰ نے کہا۔ آہ! یہاں پانی کہاں ہے۔ پانی تو مکہ میں ہی مل سکتا ہے۔

اعرابی نے کہا۔ مشکل یہ ہے۔ کہ مکہ میں میں جا نہیں سکتا۔ کیوں کہ وہاں اکثر لوگ میرے دشمن ہیں۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو فوراً مار ڈالیں گے۔ سلمیٰ نے قطع کلام کر کے کہا۔ اچھا تم یہاں جمیلہ کے پاس رہو۔ میں مکہ میں جا کر پانی لاتی ہوں۔

اعرابی نے کہا۔ نہ تمہارے حواس درست ہیں۔ اور نہ تم اپنے قابو میں ہو۔ مکہ یہاں سے دور ہے۔ اندھیری رات ہے۔ ممکن ہے کہ تم بھٹک جاؤ۔ اور میں تمام رات بیٹھا۔ تمہارا انتظار کرتا رہوں۔

سلمیٰ۔ پھر کیا ہو؟

اعرابی۔ اگر تم کہو تو میں جمیلہ کو گود میں اٹھا کے چلوں اور مکہ سے باہر چھوڑ دوں۔ وہاں سے تم اپنے ساتھ لے جانا۔ سلمیٰ۔ کیا میں مکہ جا سکتی ہوں۔ کیا جمیلہ کو اس کا بیدرد باپ گھر میں گھسنے دیگا۔

اعرابی۔ مشکل ہے۔

سلمیٰ۔ مشکل نہیں غیر ممکن ہے۔

اعرابی - پھر کیا ہو -

سلمٰی - تم مجھے اور جمیلہ کو یہیں چھوڑ دو - میں اس ریگ زار میں اپنی بچی کو لے کر زندگی بسر کر لوں گی -

اعرابی - جانتی ہو دن میں دھوپ کس قدر تیز پڑتی ہے - اس ریگ زار کا ذرہ ذرہ بھاڑ کے ریت کی طرح تیز گرم ہو جاتا ہے - اس گلخن نما تودہ ریگ میں کسطرح رہو گی

سلمٰی - نہ رہ سکوں گی - تو میں اور میری بچی جمیلہ دونوں جل بھن کر ساتھ ہی مر جائیں گی -

اعرابی - گویا تم ارادہ کر چکی ہو کہ اپنے گھر واپس نہ جاؤ گی -

سلمٰی - کس طرح جا سکتی ہوں - کیا اگر میری بچی کو ہوش آگیا - اور میں اسے لے کر مکان پر پہنچی تو قیس مجھے اور جمیلہ کو گھر میں گھسنے دے گا -

اعرابی - نہیں -

سلمٰی - پھر میں کیسے گھر واپس جا سکتی ہوں -

اعرابی - اچھا تم میرے ساتھ چلو -

سلمٰی - آپ کی مہربانی کا شکریہ میں تم پر کس حق سے اس قدر بوجھ ڈال سکتی ہوں

اعرابی - انسانی ہمدردی کے حق سے سلمٰی میں درندہ صفت انسان تھا - میرے دل میں رحم و کرم کا نام بھی نہ تھا - میں نے سینکڑوں معصوم بچیوں کو گلا گھونٹ گھونٹ کر مار ڈالا ہے - تم نے مجھے مہربانی کرنے کا سبق سکھایا ہے - میں تم کو اپنی بہن اور جمیلہ کو بہن کی لڑکی سمجھ کر پالوں گا -

سلمٰی - جب تو مجھے تمہاری رفاقت منظور ہے - مگر تم کیا کرتے اور کہاں رہتے ہو

اعرابی - طائف[1] کے راستہ پر نخلہ[2] سے اسطرف ایک نخلستان[3] ہے اس میں ہمارا

---

[1]. طائف مکہ کے برابر ایک بڑا شہر ہے - مکہ سے تین منزل یعنی ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے [2]. نخلہ ایک مقام کا نام ہے - طائف اور مکہ کے درمیان واقع ہے [3]. نخلستان اسجگہ کو کہتے ہیں - جہاں کھجور کے درخت ہوں - کنواں ہو اور درختوں کے نیچے بسنوا لگا ہوا ہے -

قبیلہ خیمہ زن ہے۔

سلمیٰ۔ کتنی دُور ہے یہاں سے؟

اعرابی۔ شاید۔ آٹھ دس میل ہے۔

سلمےٰ۔ اتنی دور جمیلہ کو کون لے جائے گا۔

اعرابی۔ میں لے جاؤں گا۔ جمیلہ کا بوجھ ہی کیا ہے؟

سلمےٰ۔ میرے محسن تمہارا نام کیا ہے۔

اعرابی۔ میرا نام اسد ہے۔ یا یہ سمجھو کہ اسد نام مشہور ہو گیا ہے۔ اصلی نام حارثہ ہے۔

سلمےٰ۔ اسد نام کیسے مشہور ہوا۔

حارثہ۔ اس لیے کہ ہمارے قبیلہ میں مجھ سے زیادہ بہادر کوئی نہیں ہے۔ ہمارا قبیلہ بنی بکر کی ایک شاخ ہے۔ قبیلہ قعطان ہمارا مخالف ہے۔ ایک مرتبہ اس قبیلہ نے ہم پر تاخت کی تھی۔ تنہا میں نے ان کے بیس آدمی قتل کر دیئے تھے۔ اس وقت سے میرا نام اسد مشہور ہو گیا۔

سلمےٰ۔ مگر بنی بکر تو خانہ بدوش قبیلہ ہے۔

حارثہ۔ ہاں ہم لوگ کبھی ایک جگہ جم کر نہیں رہتے۔ اگر خانہ بدوشی کی زندگی پسند ہو تو میرے ساتھ چلو۔

سلمیٰ۔ ضرور چلوں گی۔ اچھا تم جمیلہ کو اٹھا لو۔

حارثہ نے بے ہوش جمیلہ کو اٹھا کر گود میں لیا۔ سلمیٰ اُٹھی اور دونوں طائف کی طرف روانہ ہوئے۔

حارثہ نہایت تنومند شخص تھا۔ اُسے جمیلہ کا بوجھ پھولوں کا۔ گل دستہ معلوم ہوا۔ وہ اُسے گود میں لے کر بے تکلف چلنے لگا۔ سلمیٰ اُس کے پیچھے روانہ ہوئی۔ رات کمال اندھیری

تھی۔ ستاروں کی چمک ریگ زار کے ذروں پر پڑ کر اس قدر اجالا کیے ہوئے تھی۔ کہ صرف راستہ نظر آرہا تھا۔ ریت کا سفید سمندر ایک طرف کوہ نور اور غار حرا پر جا کر ختم ہوگیا تھا۔ مگر دوسری طرف حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ ریت کے سفید تودے چمکتے نظر آرہے تھے۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ دن بھر تپنے والا ریت اس وقت ٹھنڈا ہو کر فرحت بخش بن گیا تھا۔ یہ دونوں چار پانچ میل ہی چلے تھے۔ کہ باہ! باہ! کی آوازیں آئیں۔ حارثہ نے کہا۔ سلمے! شاید کوئی قافلہ آرہا ہے۔ سلمے نے کہا بے شک یہ حد خوانوں کی آوازیں ہیں۔ شاید یہ قافلہ مکہ جارہا ہے۔

حارثہ۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے۔ شام سے کوئی تجارتی قافلہ واپس آیا ہو۔

سلمے۔ آپ نے ٹھیک سمجھا۔ مکہ میں اس قافلہ کی آمد کی خبر کئی روز سے گرم تھی یہ قریشی والوں کا قافلہ ہے۔

حارثہ۔ آؤ ہم راستہ سے ایک طرف ہٹ جائیں۔ اگر قافلہ والوں کی ہم پر نظر پڑ گئی تو وہ لوٹ لیں گے۔

سلمے۔ نہ صرف لوٹ لیں گے۔ بلکہ واپس مکہ لے جانے کی کوشش کریں گے۔

حادثہ۔ آؤ تو اس سامنے والے بلند تودے کے پیچھے چھپ جائیں۔ جب قافلہ نکل جائے گا۔ تب چلیں گے۔ دونوں تیز قدمی سے چل کر ریت کے پہاڑ نما۔ تودہ کے پیچھے جا چھپے۔ حارثہ نے جمیلہ کو ریت پر لٹا دیا۔ جمیلہ اب تک بے ہوش تھی تھوڑی دیر میں اونٹوں کی آمد شروع ہوئی۔ اونٹوں پر سامان بار تھا۔ ایک لمبی قطار میں اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے اپنی مخصوص رفتار سے آہستہ آہستہ جگالی کرتے چلے آرہے تھے کچھ ساربان پیدل چل رہے تھے۔ اور کچھ اونٹوں پر بیٹھے تھے۔

کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے۔ قافلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ بڑی دیر میں سب سے آخری اُونٹ آیا جب قافلہ دور نکل گیا۔ تو حارثہ نے جمیلہ کو اٹھایا۔ اور چلا سلمیٰ بھی چلی۔ دونوں ساری رات چلتے رہے۔ صبح صادق کیوقت ایک نخلستان کے سامنے پہنچے۔ یہ نخلستان کمبی تسلسل وسیع تھا۔ دور تک کھجور کے درخت کھڑے تھے۔ نسیم سحران درختوں کے ساتھ اٹھکلیاں کر رہی تھی۔ نخلستان کے اندر بہت سے خیمے نصب تھے۔ چونکہ اب صبح ہوگئی تھی۔ اس لیئے ہر چیز صاف نظر آنے لگی تھی۔ سلمےٰ نے خیموں کو دیکھا تمام خیمے کھالوں کے تھے۔ لوگ خیموں کے سامنے کمبل بچھائے سو رہے تھے۔

یہ دونوں نہایت آہستگی سے ایک خیمہ پر پہنچے۔ حارثہ نے جمیلہ کو سبزہ پر لٹا دیا اور خیمہ کے اندر گھس کر ایک کمبل نکال لایا۔ کمبل بچھا کر جمیلہ کو لٹایا اور لکڑی کا پیالہ پانی سے لبریز کر کے لے آیا۔ اُس نے جمیلہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینا شروع کیئے تھوڑی دیر میں جمیلہ نے آنکھیں کھولدیں۔ اُس نے کہا۔ آہ ابا ......

سلمےٰ اُس کے اوپر جھک گئی۔ اُس نے کہا۔ بے رحم ابا کا نام نہ لے جمیلہ کو ہوش آ چکا تھا۔ اور وہ غور سے سلمےٰ کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد جب اُس نے پہچان لیا۔ تو اپنے ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر اسکی گردن میں حائل کرتے ہوئے کہا۔ آہ! امی جان۔ سلمےٰ نے کہا۔ ہاں بیٹی جان مادر! یہ کہتے ہی سلمےٰ نے جمیلہ کو سینہ سے لگا لیا۔ جمیلہ بھی لپٹ گئی۔ حارثہ ماں بیٹی کو چھوڑ کر ایک طرف چلا۔

(۹)
نواں باب

(تبلیغ خصوصی)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک عرصہ سے گوشہ نشین رہنے لگے تھے۔ زیادہ تر غار حرا میں رہتے تھے۔ ہفتوں پہاڑ پر غار میں تنہا رہتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا حضور کو دنیا سے نفرت ہو گئی ہے۔ اور آپ دنیا سے کنارہ کش ہو کر اعتکاف میں بیٹھ گئے ہیں۔ حضور عہد طفولیت میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام میں تجارت کے لیے تشریف لے جاتے رہے تھے۔ عہد جوانی میں حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے جاتے تھے۔ آپ راست گو صادق الوعدہ۔ خوش معاملہ تھے۔ کاروبار تجارت میں معاملہ اس قدر صاف رکھتے آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ صرف مکہ ہی میں نہیں۔ بلکہ یمن۔ بصریٰ۔ شام کے ملک میں بھی جہاں جہاں حضور تشریف لے گئے اور جن لوگوں نے آپ سے معاملہ کیا۔ سب آپ کے مداح تھے۔

اکثر لوگ آپ کے ساتھ مال تجارت کر دیتے۔ آپ نہایت دیانت داری سے مال فروخت کرتے اور زر قیمت بجنسہ مالکان کو دے دیتے۔ اس سے آپ کے حسن معاملہ راست بازی۔ صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کی عام شہرت ہو گئی۔ یہ شہرت اس قدر بڑی کہ زبان خلق نے آپ کو مکہ کا امین تاجر کا لقب دے دیا۔ ہر جگہ آپ ہی نام سے مشہور ہو گئے۔ صادق الوعد اس قدر تھے کہ جو وعدہ کر لیتے۔ ہزاروں مصائب اٹھانے پر بھی پورا کرتے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی الحمس نے تجارت کے

متعلق کچھ معاملہ کیا۔ ابھی معاملہ پورے طور پر طے نہ ہوا تھا۔ کہ عبداللہ کو کسی ضرورت سے کہیں اور جانا پڑ گیا۔ اس نے کہا۔ میں ابھی آتا ہوں۔ آپ ٹھہرے رہیں۔ آپ نے ٹھہرنے کا وعدہ کر لیا۔ اتفاق سے عبداللہ اپنے وعدہ کو بھول گیا۔ اور تین روز تک نہ آسکا آپ برابر اسی جگہ ٹھہرے رہے۔ تیسرے روز عبداللہ کو اپنا اقرار یاد آیا۔ چونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ حضور صادق الوعدہ ہیں۔ اسی جگہ موجود ہونگے۔ اس لئے وہیں آیا اُسے خوف تھا۔ کہ حضور اسکی تغافل کشی پر اُسے سرزنش کریں گے۔ وہ ترساں و لرزاں اس جگہ آیا۔ دیکھا تو حضور موجود تھے۔ اس نے آتے ہی عذر تغافل کیا۔ مگر آپ کی پیشانی پر شکن تک نہ تھا۔ خشم و غصہ تو کیا چیز ہے۔ صرف آپ نے اس قدر فرمایا کہ عبداللہ۔ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں تین روز سے اسی مقام پر موجود ہوں۔ اس کے بعد معاملہ طے ہو گیا۔ آپ کی دیانت داری پر لوگوں کو اس قدر بھروسہ تھا۔ کہ زر نقد کے علاوہ بیش قیمت چیزیں بھی آپ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے اور جب ضرورت پڑتی لے جاتے۔ ہر چیز بجنسہ ملتی۔ آپ کی اس دیانت و امانت کی شہرت عام ہو گئی۔ حضرت خدیجہ نے بھی سنا۔ کاروبار تجارت میں امتحان بھی لیا۔ آپ کی خوش اخلاقی۔ پاک بازی۔ دیانت امانت اور شرافت و نجابت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ خود نفیسہ[1] نام ایک عورت کے ذریعہ سے شادی کا پیغام دے دیا۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد معزز اور متمول خاتون تھی۔ ان کا سلسلہ نسب۔ پانچویں میں آنحضور صلعم کے خاندان سے ملتا ہے۔ وہ بیوہ تھیں۔ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے۔

---

[1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ عاتکہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ سے شادی کا پیغام دیا گیا۔ مگر زیادہ مورخ نفیسہ کے ذریعہ سے پیغام دینے پر متفق ہیں۔ (صادق صدیقی)

دولت مند اس قدر تھیں کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کے لیئے روانہ ہوتا تو اکیلا ان کا سامان تمام قافلہ کے سامان کے برابر ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں ان سے بڑا تاجر مکہ میں کوئی نہ تھا۔ جب انہوں نے نکاح کا پیغام دیا۔ تو آنحضور نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کر کے منظور کر لیا۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ نکاح کا خطبہ ابو طالب نے پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ چونکہ حضرت خدیجہ مالدار تھیں۔ خوبرو اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ قریش کے معزز خاندان سے تھیں اس لیئے اکثر لوگوں نے آپ سے نکاح کی درخواست کی تھی۔ مگر انہوں نے تمام درخواستیں مسترد کر دی تھیں۔ شاید آن کا ارادہ نکاح کرنے کا تھا۔ یہی نہیں بلکہ حضور کی امانت و دیانت راست بازی و خوش اخلاقی کا شہرہ سن کر ایسی گرویدہ ہوئیں کہ خود نکاح کا پیغام دے کر نکاح کر لیا۔ نکاح کے وقت حضور کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ حضرت سے آپ کے دو لڑکے قاسم اور طاہر ہوئے اور صغر سنی ہی میں انتقال کر گئے۔ قاسم اس حد تک بڑے ہو گئے تھے کہ سواری وغیرہ پر سوار ہو سکتے تھے۔ قاسم کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو القاسم مشہور ہو گئی۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کی چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ رض حضرت زینب۔ حضرت رقیہ۔ حضرت ام کلثوم ہوئیں۔ ان میں حضرت رقیہ سب سے بڑی تھیں۔ حضرت زینب کا نکاح ابو العاص بن الربیع سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت عثمان غنی سے ہوا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت رقیہ حضرت عثمان سے بیاہی گئی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان کا ذوالنورین ہوا تھا۔ حضرت فاطمہ سب سے چھوٹی تھیں۔ آپ کے چچا ابو طالب کے تین بیٹے عقیل جعفر اور حضرت علی تھے۔ عیال دار مفلسی اور تنگی کے ساتھ گذر اوقات ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ جب قحط پڑا اور ابو طالب نہایت تنگی میں گرفتار ہو گئے۔ تو حضور اپنے چچا عباس سے فرمانے لگے کہ چچا ابو طالب پر عسرت کی وجہ سے تنگی ہے۔ مناسب ہے کہ اس وقت ان کی امداد کریں ایک لڑکے کو آپ لے آئیں اور ایک کو میں لے آؤں۔ حضرت عباس نے منظور کر لیا۔ دونوں ابو طالب

(۱ے۔ سیرت النبی ۔ مولفہ علامہ شبلی نعمانی)

کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ابو طالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس رہنے دو۔ جعفر کو عباس لے جائیں اور علی کو تم لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت جعفر کو عباس لے گئے اور حضرت علی کو آں حضور صلعم لے آئے اور ان کی پرورش کرنے لگے۔ حضرت خدیجہ کے ایک بھتیجے حکیم بن حزام تھے متمول آدمی تھے۔ وہ ایک عیسائی غلام زید بن حارث کو خرید لائے تھے انہوں نے زید کو حضرت خدیجہ کی نذر کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے آں حضور صلعم کی نذر کر دیا۔ آپ نے اُسے اپنے عزیز کی طرح پاس رکھ لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد زید کے باپ حارث اور چچا کعب اُسے لینے کے لئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ زید کو یا تو آزاد کر کے اُن کے ساتھ کر دیا جائے۔ یا اُن کی مناسب قیمت لیکر آزادی بخشی جائے آپ نے فرمایا کہ اگر زید آپ کے ساتھ جانے پر رضامند ہو تو میں اُسے آزاد کر دوں گا۔ چنانچہ زید کو بلوایا گیا۔ اُن کے باپ حارث نے ان سے دریافت کیا۔ زید کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو۔ زید نے جواب دیا نہیں۔ حارث کو بڑا تعجب ہوا۔ اُس نے پوچھا۔ کس وجہ سے؟ زید نے کہا۔ اگرچہ میں غلام ہوں۔ مگر ایک ایسے مجسم اخلاق و مہربان کی خدمت میں ہوں جسکی عنایات نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے۔ اور اب میں ان سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔

حارث کو غصہ آیا۔ اُس نے کہا۔ بدبخت! کیا تو آزادی کو غلامی پر ترجیح دیتا ہے۔ زید نے کہا۔ حضرت محمدؐ کی غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ میں نے ان میں ایسی باتیں دیکھی ہیں۔ کہ میں ساری دنیا پر ان کی ترجیح دیتا ہوں۔

حارث اور ان کے چچا کعب نے ہر چند سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح وہاں سے جانے پر راضی نہ ہوئے۔ مجبوراً دونوں خاموش ہو گئے۔ آنحضور صلعم اٹھے زید اور ان کے باپ و چچا کو ہمراہ لے کر خانہ کعبہ میں گئے۔ اور اعلان کیا کہ لوگوں! گواہ رہو کہ آج میں نے زید کو آزاد کر دیا ہے۔ اور زید کو آپ کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کا رسوخ ہر طبقہ کے افراد سے تھا رئیس۔ امیر۔ غریب۔ فقیر۔ سپہ سالار۔ سپاہی غرضیکہ سب سے آپ ملتے اور آپ سے سب

ملتے تھے ۔ لیکن آپ کے مراسم خاص خاص لوگوں سے تھے ۔ خاص طور پر اور زیادہ تر ابوبکر بن قحافہ سے تعلقات تھے ۔ ابوبکر نہایت خوبصورت تھے ۔ خوبصورتی کی وجہ سے آپ کا لقب عتیق پڑگیا تھا ۔ آپ قبیلہ بنو تیم سے تھے ۔ جو جھگڑا ہوتا وہاں کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ حاکم بنائے جایا کرتے تھے ۔ آپ کا فیصلہ تمام قبائل کو بے چون وچراں ماننا پڑتا تھا ۔ نہایت متمول تھے ۔ تاجر تھے ۔ بصرہ و شام میں بغرض تجارت جایا کرتے تھے ۔ تمام قبائل میں آپ کا رسوخ تھا ۔ چھٹی پشت سے آپ کا نسب آنحضور صلعم کے نسب سے مل جاتا ہے ۔ عثمان بن عفان آپ کے داماد تھے حضرت عثمان کی نانی آنحضرت صلعم کے والد حضرت عبداللہ حقیقی بہن تھی ۔ جو حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں ۔ اس طرح حضرت عثمان آنحضور صلعم کے پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے ۔ نہایت مالدار تھے ۔ بڑے سخی بڑے شرمیلے تھے ۔ آپ سے بھی حضور صلعم کے خاص تعلقات تھے ۔ ان کے علاوہ ابوسفیان ۔ خالد ۔ ابوجہل ۔ سبیب وغیرہ سب سے ہی تعلقات تھے ۔ ہر قبیلہ ۔ ہر قبیلہ کا فرد ۔ آپ کو عزت کی نظروں سے دیکھتا تھا ۔ اکثر لوگ باہمی نزاع کے وقت آپ کو حاکم قرار دیتے تھے ۔ آپ کے فیصلہ کو مانتے تھے ۔ لیکن جب سے آپ غار حرا میں معتکف ہوگئے تھے ۔ اسوقت سے آپ نے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا تھا ۔ اور جب سے آپ پر نزول وحی شروع ہوا تو آپ چپ چاپ رہنے لگے تھے ۔ حضرت خدیجہ کو آپ کی خاموشی سے بڑا فکر پیدا ہوگیا تھا ۔ عداس کے پاس اگر کام میں مشغول ہوگئی تھی مگر دل کسی کام میں نہ لگتا تھا ۔ آنحضور خاموش بیٹھے تھے کہ حضرت علیؓ آگئے ۔ حضرت علیؓ آپ ہی کے پاس رہتے تھے ۔ صغیر سن تھے ۔ حضور کو خاموش دیکھ کر انہیں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ شام تک حضور بیٹھے رہے ۔ رات کو کھانا کھا کر آرام کیا ۔ اسکے بعد برابر نزول وحی ہوتا رہا ۔

ایک روز آپ دامن کوہ میں بیٹھے تھے ۔ کہ حضرت جبرائیل تشریف لائے ۔ انہوں نے وضو کیا ۔ حضور نے بھی اس طرح وضو کیا ۔ جسطرح حضرت جبرائیل نے کیا تھا پھر حضرت جبرائیل نے

نماز پڑھائی۔ اس روز سے حضور نماز پڑھنے لگے۔ آپ تنہا نماز پڑھتے تھے۔ نہ کوئی اور اس وقت تک مسلمان ہوا تھا۔ نہ نماز پڑھتا تھا۔ پہلے تو آپ پہاڑ پر ہی نماز پڑھ لیتے تھے مگر رفتہ رفتہ مکان پر بھی پڑھنے لگے۔

حضرت خدیجہؓ۔ حضرت زیدؓ آپ کو نماز پڑھتے حیرت سے دیکھا کرتے تھے وحی کا نزول برابر جاری رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک روز آپ پر وحی نازل ہوا۔ یعنی دیکھو جو حکم دے دیا گیا ہے۔ واشگاف کہہ دے۔

آپ اس حکم ربانی کو سن کر متذبذب ہوئے۔ آپ کا تذبذب حق بجانب تھا۔ اس زمانہ میں لوگ گمراہی اور ضلالت میں مبتلا تھی۔ خصوصاً عرب کا ہر خاندان۔ ہر قبیلہ اور شخص مرگ ملحد تھا۔ بت پرستی عام تھی۔ خدا کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ پھر ایسے سخت اور سرکش لوگ تھے۔ کہ بتوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ حضورؐ سوچنے لگے کہ تبلیغ کس طرح اور کون سے لوگوں سے شروع کی جائے۔ حکم باری تعالیٰ نازل ہوا۔ وانذر عشیرتک الاقربین۔ یعنی اپنے قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈراؤ۔

وحی نے تبلیغ کا راستہ بتایا۔ آپ نے فوراً تبلیغ شروع کر دی۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہ کے سامنے خدا کی تعریف بیان کی۔ حضرت خدیجہ بتوں کی پرستار تھیں مگر وہ ورقہ عداس سے سن چکی تھیں۔ کہ حضور پیغمبر ہو جائیں تو عجب نہیں وہ آپ کے اخلاق و عادات حرکات و سکنات گفتار و کردار کا تجربہ رکھتی ہیں۔ فوراً ایمان لے آئیں کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئیں۔ حضور کو ان کے مسلمان ہونے سے مسرت ہوئی۔ پہلے آنحضورؐ صلعم تنہا نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب حضرت خدیجہ کے ساتھ گھر پڑھنے لگے۔ ایک روز آنحضور صلعم اور حضرت خدیجہ نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ حضرت علیؓ آ گئے۔ اس وقت آپکی عمر دس سال کی تھی۔ آپ کو سخت تعجب ہوا۔ اگرچہ آپ کو پہلے بھی نماز پڑھتے دیکھ چکے تھے۔ لیکن حضرت خدیجہ کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ تو آپ نے آں حضور صلعم سے

دریافت کیا۔ آپ دونوں کیا کرتے تھے۔ حضورؐ صلعم نے فرمایا۔ ہم نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے حیران ہو کر نماز میں سجدہ کس کو کیا جاتا ہے۔ اور آپ کے سامنے کوئی بت نہ تھا۔ حضورؐ نے فرمایا ہم بتوں کو نہیں پوجتے۔ بلکہ اس خدا کو پوجتے ہیں۔ جو خالقِ کائنات ہے۔ جس کا کوئی شریک اور سہیم ہے۔ جو اکیلا ہے۔ جس بزمِ جہاں بنائی ہے۔ جو رب العالمین ہے جسکے حکم سے۔ آفتاب و مہتاب نکلتے اور غروب ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ یہ سن کر کمال متحیر ہوئے آپ نے کہا۔ یہ تو عجب بات ہے۔ میں نے پہلے نہیں سُنی۔ آپ نے فرمایا۔ علیؓ! میں خدا کا رسول ہوں۔ خدا کا پیغام مجھ پر نازل ہوتا ہے۔ اُو تم بھی دینِ حق میں داخل ہو جاؤ! حضرت علیؓ نے کہا۔ مجھے سوچنے دو۔ حضورؐ نے کہا۔ علی ان لم تسلم فاکتم علی ما اکتبی تلک الیل فالقی اللہ فی قلبک الاسلام۔ یعنی اے علیؓ۔ اگر تو اسے قبول نہ کرے تو رات تک اسے چھپانا تاکہ خدا تیرے دل میں اسلام ڈال دے۔ حضرت علیؓ نے اس بات کا اقرار کر لیا۔ جب رات گزر کر دن ہونا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فوراً کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اور یہ ہدایت کی کہ ابھی اپنے اسلام کو کسی پر ظاہر نہ کریں! حضورؐ چاہتے تھے کہ رفتہ رفتہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تب اعلانیہ تبلیغ کریں اور حکم بھی یہی آیا تھا۔ کہ پہلے گھر والوں کو خدا سے ڈرو۔ ایک روز آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ آ گئے۔ جب وہ بیٹھ چکے تو حضورؐ نے فرمایا ابو بکرؓ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ نہایت نیک اور خلیق۔ آنحضورؐ۔ اور سچا بھی؟

حضرت ابو بکرؓ! ہاں سچا بھی۔ میں نے کبھی آپ کو کوئی غلط بات کہتے نہیں سنا۔ آنحضورؐ اگر میں یہ کہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ تو تم یقین کر لوگے

حضرت ابو بکرؓ بے شک یقین کروں گا۔

آنحضورؐ۔ اچھا تو سُنو مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کا حکم ہے۔ کہ غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دو۔ اسی کو پوجو۔ جس نے سب کو پیدا کیا ہے اور

جس کے ہاتھ میں فنا و بقا ہے۔

حضرتِ ابوبکرؓ۔ آمنت باللہ۔ یعنی میں اللہ پر ایمان لے آیا۔

آنحضورؐ صلعم۔ حضرت ابوبکرؓ سے یہ سن کر کمال مسرور ہوئے آپ کے لے سینہ لگا لیا مسلمان کر کے ارکان اسلام کی تعلیم دی۔ چونکہ حضورؐ جانتے تھے۔ کہ ابوبکرؓ بڑے با اثر اور بارسوخ ہیں۔ اس لیئے آپ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ! کیا تم خدا کے دین کی تبلیغ میں میری اعانت کرو گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ کیوں نہ کروں گا۔ جسطرح میں آبائی مذہب میں پیش پیش رہتا تھا۔ اسی طرح دین حق میں بھی سب سے آگے رہوں گا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے لیئے دعائے خیر کی۔ تھوڑی دیر کے بعد ابوبکرؓ رخصت ہو کر چلے گئے۔ آپ اس روز نہایت بشاش اور مسرور رہے۔ حضرت خدیجہؓ آپ کو شاداں کام دیکھ دیکھ کر نہایت خوش ہوتی رہیں۔ چند روز کے بعد آپ نے زید سے کہا۔ زید! میں خدا کا رسول ہوں۔ خدا کے مذہب کی تبلیغ کرتا ہوں۔ تم بھی خدا کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ زید نے کہا۔ میرے حضورؐ! میں آپ کے خصائل سے خوب واقف ہو۔ لہٰذا مجھے آپ کے رسول ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ آپ مجھے مسلمان کریں۔ حضورؐ نے زید کو بھی مسلمان کر لیا۔ اب تین آدمی مسلمان ہوئے اور یہ تینوں وہ تھے جو آنحضورؐ کے اخلاق و خصائل سے بخوبی واقف تھے۔ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہو چکے تھے۔ آپ کی زندگی کا کوئی پہلو ان لوگوں سے پوشیدہ نہ تھا۔ چونکہ یہ خطرہ تھا۔ کہ اہل عرب اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کریں گے۔ اس لیئے تبلیغ و عبادت کا کام۔ رازداری۔ خاموشی اور انتہائی پردہ پوشی سے کیا جا رہا تھا۔ اب حضورؐ نے یہ معمول کر لیا تھا۔ کہ جو آپ کے پاس آتا۔

آپ اُسے دین حق کی تلقین کرتے۔ لوگ سنتے۔ کلام الٰہی سن کر مرغوب ہو جاتے اور اُن کے قلوب حق و صداقت کی طرف کھینچنے لگتے۔ لیکن دفعتاً آبائی مذہب کو چھوڑنا ہنسی کھیل نہ تھا۔ اس لیے سوچنے اور غور کرنے کی مہلت لیکر رخصت ہو جاتے۔ لیکن اسی طرح

جو بات چھپائی جاتی تھی۔ جسکی رازداری کی جاتی تھی۔ وہ راز نہ رہ سکی۔ بلکہ سب پر ظاہر ہو گئی۔ سارے مکہ میں چرچا ہونے لگا۔ کفارِ مکہ میں جوش و غضب کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے علی الاعلان کہہ دیا۔ کہ جو کوئی ہمارے معبودوں کی برائی کرے گا۔ ہم اُسے سخت سے سخت سزا دیں گے۔ حضورؐ نے ان کے اس اعلان کو سُنا۔ اگرچہ آپ جانتے تھے۔ کہ ہم تنہا ہیں۔ کمزور ہیں۔ اہل مکہ کا مقابلہ کسی طرح بھی نہ کر سکینگے۔ مگر آپ نہ ڈرے۔ نہ گھبرائے۔ بلکہ بدستور تبلیغ کرتے رہے۔ یہ ایسی جسارت۔ ایسی دلیری۔ ایسی جرأت تھی۔ جسکی مثال تاریخ دنیا میں نہیں ملتی۔ ایک تنہا شخص کا ساری قوم تمام ملک کے مقابلہ میں کھڑے ہو جانا۔ بڑے دل گردہ کی بات تھی۔ پھر کسی حالت میں کہ نہ آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور نہ تلواریں اب یہ قوت تھی۔ کہ آپ لوگوں کو ڈرا دھمکا سکیں۔ نہ اس قدر جمعیت تھی کہ قوم کی جمعیت سے مرعوب ہو جائے۔ نہ حکومت تھی۔ جس سے لوگ دب جاتے نہ زر تھا۔ جس سے کوئی کوئی لالچ میں آ جائے۔ الغرض کچھ بھی نہ تھا۔ ہاں اگر کچھ تھا۔ تو خدا پر اعتماد تھا۔ اسی اعتماد کی بدولت بے نظیر عزم و استقلال تھا۔ بے مثال جرأت و ہمت تھی۔ چنانچہ آپ خدا کے بھروسہ پر برابر تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ مگر اعلانیہ نہیں۔ مخفی طور پر جو آپ کے پاس آتا۔ خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہوتا۔ یا مکہ سے باہر کا آپ اسکے سامنے کلام اللہ کی آیات پڑھتے احکام خداوندی بیان کرتے۔ ابتدا میں آپ کی تبلیغ کا یہی طریقہ رہا۔ اس سے اسلام اور مسلمانوں کا ذکر مکہ میں گھر گھر ہونے لگا۔

دسواں باب (۱۰)

پری جمال لڑکیاں

اب جمیلہ کو اچھی طرح ہوش آگیا تھا۔ کچھ دیر تو وہ اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈالے۔ اس سے لپٹی رہی سلمیٰ بھی اُسے سینہ سے لگائے رہی اگرچہ اب جمیلہ اس کے پاس تھی۔ اور وہ جمیلہ کے پاس۔ لیکن اُسے خیال آگیا۔ کہ اسکی مسرت کی دنیا تاراج کر دی گئی تھی۔ اس کا چاند فنا کے ابر میں چھپا دیا گیا تھا۔ اسکی نور دیدہ جمیلہ ذرہ ذرہ گود کر دی گئی تھی۔ اس خیال سے اُس کے دل کو ٹھیس لگی بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے جاری ہوئے کہ رخساروں کو تر کر کے جمیلہ کے عارض گلگلو پر ٹپکنے لگے جمیلہ نے بانہیں نکال کر سلمیٰ کی طرف دیکھا۔ اُس نے کہا۔ امی جان تم رو رہی ہو۔ نہیں کیا ہو گیا ہے سلمیٰ نے اُسے زور سے بھینچتے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں لخت جگر مجھے کچھ نہیں ہوا۔ تیرا دل تھوڑا ہوتا ہے۔ تو اب میں نہ روؤں گی۔ یہ کہتے ہی سلمیٰ نے جمیلہ کو چھوڑ دیا اور دوپٹہ کے آنچل سے اپنے آنسو خشک کیے۔ اب جمیلہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے کپڑوں۔ سر کے بالوں اور تمام جسم پر ریت کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ سلمیٰ نے اس کے کپڑوں کو جھٹکایا بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ بحر ریت کپڑوں سے تو اتر گیا۔ مگر بالوں اور گورے گورے گالوں پر جما رہ گیا اس کے سر کے بال۔ بھوئیں اور پلکیں ریت آلودہ تھیں۔ جمیلہ نے سلمیٰ سے دریافت کیا۔ میرے ابا جان کہاں ہیں۔ سلمیٰ نے کہا! تو اُن وحشی اور درندہ انسان کو کیوں پوچھتی ہے جمیلہ۔ جمیلہ نے کہا۔ اس لیے کہ وہ میرے ابا ہیں۔

سلمیٰ ۔ ہاں وہ تیرا بے رحم باپ ہے۔ تجھے زندہ دفن کر گیا تھا۔

جمیلہ ۔ مجھے کیوں انہوں نے گڑھے میں دھکا دے دیا تھا۔ امی جان کیا انھیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔

سلمیٰ ۔ بیٹی! عرب بڑا ملک ہے۔ یہاں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا ہے۔ بہت کم خوش نصیب لڑکیاں زندہ رکھی جاتی ہیں۔ نہ معلوم کب یہ دختر کشی کی رسم عرب سے دور ہوگی۔ آہ..... کتنی خوبصورت اور صغیرسن بچیاں زندہ دفن کر دی گئیں ہیں۔

جمیلہ ۔ مگر میں تو ابا کے پاس جاؤں گی۔

قدرتی طور پر لڑکیاں کو باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ وہ اپنے آرام پر باپ کی راحت کو ترجیح دیتی ہیں۔ شریف بچیاں اپنے باپ کی اطاعت گذار اور فرماں بردار ہوتی ہیں۔ باپ خواہ کتنا ہی لڑکیوں کو ستائے۔ کتنا بھی ان پر سختیاں کرے کتنا بھی تنگ رکھے۔ پھر بھی وہ زبان جانور کی طرح اسکو دیکھتی ہیں۔ اس سے محبت کرتی ہیں۔ اس کے آرام و راحت کا خیال رکھتی ہیں۔ سلمیٰ نے کہا۔ جمیلہ کیا تجھے اب بھی اپنے باپ سے محبت ہے۔

جمیلہ! ہاں امی جان آؤ۔ ان کے پاس چلیں۔ جب وہ مجھے دیکھیں گے تو خوش ہونگے سلمیٰ نے دل میں کہا۔ خوش ہونگے یا مجھے اور تجھے دونوں کو قتل کر ڈالیں گے نا سمجھ بچی۔ تو اس بات کو نہیں سمجھی۔ سلمیٰ جانتی تھی۔ کہ جمیلہ بچی ہے۔ اس میں بچوں کی سی ضد ہے۔ وہ ضرور اپنے باپ کے پاس جانے کی ضد کرے گی۔ اس لیئے طفل تسلی کے لیئے کہا۔ چلیں گے جمیلہ۔ مگر ابھی نہیں۔

جمیلہ نے بھولے پن سے سلمیٰ کو دیکھ کر دریافت کیا۔ اور کب؟ سلمٰے نے جواب دیا جب تیرے ابا ہمیں لینے آوینگے۔ جمیلہ نے حیرت سے چاروں طرف دیکھ کر استفسار

کیا ہم کہاں آگئے۔ امی جان؟ یہ ہمارا شہر تو نہیں ہے یہ تو باغ ہے۔

سلمیٰ نے کہا۔ ہاں باغ ہے۔ میری بچی! جب تیرا باپ تجھے گڑھے میں دھکا دے کر اور تیرے اوپر ریت ڈال کر چلا گیا۔ تو میں رات کو تیری قبر پر گئی۔ ایک شریف انسان نے تجھے گڑھے سے نکالا۔ اور مجھے اور تجھے یہاں لایا۔ اب ہم اس کے مہمان ہیں۔ جمیلہ اگرچہ دس سالہ بچی تھی۔ مگر کچھ نہ کچھ سمجھ کا مادہ تھا۔ اس نے پوچھا۔ وہ شریف انسان کہاں ہے۔ سلمیٰ کچھ جواب دینے ہی والی تھی۔ کہ سامنے سے حارثہ آگیا۔ اُس نے حارثہ کی طرف اشارہ کر کے کہا جمیلہ وہ شریف انسان یہ ہے۔

حارثہ ان دونوں کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ اُس نے جمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ میں شریف انسان نہ تھا۔ بیٹی! میں وحشی درندہ تھا۔ خود غرض بدمعاش تھا۔ بے رحم ڈاکو تھا۔ مگر تیری شریف ماں نے مجھے چند لمحوں میں شریف بنادیا۔ میں اسکا مشکور ہوں۔

سلمیٰ نے کچھ کہنا چاہا۔ حارثہ نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ مجھے کہہ لینے دو سلمیٰ اعتراف جرم کرنے سے طبیعت کو سکون ہوجاتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم میری تعریف کرنا چاہتی ہو۔ لیکن کیا حقیقت میں میں تعریف کے قابل ہوں۔ آہ نہیں میں وہ ہوں۔ جسے معبودوں کی طرف سے حضرت ہبل[1] کی سرکار سے مقدس لات کے دربار سے سخت سزا ملنا چاہئیے ان بے رحم ہاتھوں نے نہ معلوم کتنے خون کیئے ہیں۔ کتنی معصوم لڑکیوں کے گلے گھونٹے ہیں ایک ایسا شخص جو بے رحم ہو۔ جلاد ہو۔ شریف کہلانے کا مستحق ہے۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔ ..... شریف تو ہے۔ نیک تو ہے۔ تو نے مجھے شریف اور نیک بننے کی تلقین کی۔ اب میں ضرور شریف اور نیک بننے کی کوشش کروں گا۔ سلمیٰ اٹھو جمیلہ کے کپڑے اتار کر اسے غسل کراؤ۔ آج سے جمیلہ میری بیٹی ہے۔ منہ بولی بیٹی۔ میں اپنی اس بیٹی کے آرام و راحت کے لیئے اپنی جان تک نثار کردوں گا۔ سلمیٰ اُس کے ان خیالات کو سن کر کمال

---

[1] ہبل و لات بتوں کے نام جنکی عرب پوجا کرتے تھے۔

خوش ہوئی۔ اُس نے انتہائی مشکورانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا۔ مگر شریف انسان کے سوائے اور کوئی لفظ اسکی زبان سے نکلا۔ وہ لہجۂ تشکر و امتنان میں غرق ہو کر رہ گئی۔

حارثہ پانی لینے چلا گیا۔ سلمیٰ نے جمیلہ کی چوٹی کھولی۔ حارثہ پانی لایا۔ اور مشکیزہ رکھ کر چلا گیا۔ سلمیٰ نے جمیلہ کے کپڑے اتارے اور کھجوروں کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے جھنڈ میں لے جاکر اسے غسل کرایا۔ اور اُسکے بعد کپڑے پہنائے۔

اب آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ دھوپ ریگ زار پھیلنے لگی تھی۔ جو لوگ خیموں کے سامنے یا خیموں کے اندر گھسے ہوئے سو رہے تھے۔ اٹھ اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہونے کے لیئے چلے گئے تھے۔ ان لوگوں میں عورتیں بھی تھیں بچے بھی مرد بھی لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔

یہ سب ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے۔ یہ قبیلہ کبھی ایک جگہ جم کر نہ رہتا تھا۔ شہر میں رہنا تو بہت ہی برا سمجھتا تھا۔ خانہ بدوش تھا۔ جب تک جہاں جی چاہتا رہتا اور جب طبعیت اس جگہ سے سیر ہو جاتی۔ تو کسی اور طرف نکل جاتا۔

عرب میں اکثر قبائل اس قسم کی زندگی گزارتے تھے۔ اس طرح رہنے سے وہ جفاکش اور دلیر بن گئے تھے۔ اس قبیلہ کی عورتیں تک کمال دلیر اور نڈر تھیں۔ جب مرد ضروریات کی چیزیں خریدنے کسی آبادی میں چلے جاتے تو صرف عورتیں خیموں پر جاتیں۔ لق و دق میدان میں۔ ریگ زار کے تودوں میں جنگل بیابان میں نہایت اطمینان اور بے فکری سے رہتی۔ کسی قسم کا خوف خدشہ نہ کرتیں۔

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ ضروریات سے فارغ ہو کر آگئے۔ سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ جمع ہو کر ایک خیمہ پر پہنچے۔ خیمہ کے اندر ایک بڑا بت رکھا تھا۔ سب نے بت کو سجدہ کیا۔ اور واپس لوٹ آئے۔

یہ سب ایک بڈھے شخص کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اگرچہ بڈھے کے سر اور داڑھی

کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ مگر قوی اور مضبوط تھے۔ اس کا نام عدی تھا۔ یہ اُس قبیلہ کا سردار تھا۔ حارثہ نے عدی کے پاس جاکر جمیلہ اور سلمٰی کی تمام داستان کہہ سنائی۔ عدی کے ساتھ تمام لوگوں نے سنا۔ عدی نے کہا تم نے اچھا نہ کیا۔

حارثہ! اگر مکہ والوں کو یہ حال معلوم ہو گیا۔ تو وہ ہم پر چڑھ کر دوڑیں گے۔ اور پھر ہم کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔ حارثہ نے کہا۔ یہ سچ ہے مگر میں ان دونوں کو اپنی پناہ میں لے چکا ہوں۔

عدی جب تو آپ کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ جب تم نے ان دونوں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ زبان دے دی ہے۔ تو ہم سب نے بھی پناہ میں لے لیا۔ اب ہمارا۔ ہمارے لوگوں کا۔ ہمارے قبیلہ کا کچھ حشر ہو ہم زندگی کے آخری سانس تک ان کی حفاظت کریں گے۔

عدی نے سب سے مخاطب ہو کر کہا۔

بولو! میرے بچو! کیا تم سب سلمٰی اور اسکی بیٹی جمیلہ کی حفاظت کرو گے۔ سب نے کہا۔ کریں گے۔ ہمارے ایک بھائی نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ ہم سب ان کی حفاظت کریں گے۔ اور زندگی کے آخری دم تک حفاظت کریں گے۔

عدی نے کہا۔ جاؤ حارثہ! سلمٰی کو یہ خوشخبری سنا دو۔ اُس کے اخراجات کا کفیل میں رہوں گا۔

حارثہ نے مشکورانہ نظروں سے عدی کو دیکھ کر تعظیم کے لیئے اس کے سامنے سر جھکا کر کہا۔ میرے حضور ان دونوں کی کفالت کا بار میں اپنے ذمہ لینا چاہتا ہوں

عدی نے کہا۔ یہ تو بڑی خفت کی بات ہے۔ میرے لیئے حارثہ۔ دوسرے قبائل سن کر کیا کہیں گے۔ حارثہ نے کہا۔ وہ تو حضور کی تعریف کریں گے۔ کہیں گے ایک ادنے آدمی کی درخواست قبیلہ کے سردار نے منظور کر لی۔

عدی - اچھا! مجھے یہ منظور ہے۔

حارثہ وہاں سے چلا آیا۔ اُس نے تمام روئیداد سلمیٰ سے کہہ دی۔ سلمیٰ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ وہ جب کسی شخص کو اپنی پناہ میں لے لیتے تھے تو اس کی حفاظت فرض سمجھتے تھے۔ زندگی کے آخری دم تک اسکی حفاظت کرتے تھے کیسا بھی زبردست ان پر حملہ آور ہو کر اسے واپس لینا کیوں نہ چاہیے۔ وہ اس وقت تک اسے واپس نہ کرتے۔ جب تک کہ اس قبیلہ کا ایک آدمی بھی زندہ رہتا۔ اسی طرح سلمیٰ معہ جمیلہ کے عدی کی حفاظت میں حارثہ کے پاس رہنے لگی۔

حارثہ کی بیوی موجود تھیں۔ اسکی بیوی نے سلمیٰ اور جمیلہ کو بڑی مسرت سے خوش آمدید کہا۔ نہایت محبت اور ہمدردی سے پیش آئیں اور دونوں ماں بیٹی حارثہ کے پاس رہنے لگیں

حارثہ اُون کی تجارت بھی کرتا تھا۔ اس کے پاس بھیڑوں اور بکریوں کے گلے تھے اس کی بیوی ان گلوں کو چرایا کرتی اور اُون کاتا کرتی تھی۔ سلمیٰ نے یہ بُرا سمجھا کہ وہ خالی بیٹھی رہے اور اس کی میزبانہ کلام کرے۔ اُس نے دوسرے ہی دن سے اُون کاتنا شروع کر دیا ہر چند حارثہ اور اس کی بیوی نے منع کیا۔ لیکن اُس نے نہ ماننا تھا نہ مانا۔ اب اُس کا کام صرف گلوں کو چرانا رہ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد سلمیٰ نے جمیلہ کو سعدی کے ساتھ گلے کو چرانے کو بھیجنا شروع کیا۔ جب وہ اس کام سے واقف ہو گئی۔ تو تنہا جمیلہ ہی جانے لگی اور سعدی کھانا پکانے کا کام کرنے لگی۔ جمیلہ کو حارثہ نے نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی تعلیم دے کر اُسے خوب ماہر کر دیا۔ اس قبیلہ کی تمام عورتیں اور قبیلہ ہی کی کیا تمام قبائل اور سارے عرب کی عورتیں نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی تعلیم باقاعدہ حاصل کرتی تھیں۔

جمیلہ علی الصباح نیزہ ہاتھ میں لے کر بھیڑوں اور بکریوں کو ہانک لے جاتی اور تمام دن ریگ زار میں انھیں لیئے پھرتی اس نواح میں ہر طرف یا تو ریت کے پہاڑ تھے یا حد نگاہ تک ریگ زار کا سمندر تھا۔

سبزہ کا نشان بھی نہ تھا۔ بھیڑ اور بکریاں ریت میں پڑے ہوئے شگر یزے کھاتی تھیں پانی شام کو نخلستان میں آکر پیتی تھیں۔ آفتاب کی تمازت سے بچنے کے لئے جمیلہ ریت کے پہاڑوں کے دامن میں خود بھی بیٹھ جاتی اور بھیڑوں بکریوں کو بٹھا دیتی۔

کچھ حارثہ ہی کے پاس بھیڑیں اور بکریاں نہ تھیں۔ بلکہ قریب قریب تمام قبیلے والوں کے پاس تھیں۔ سب سے زیادہ محدی کے پاس تھیں۔ اسکی بیٹی رقیہ بھی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ لیکن سب الگ الگ جایا کرتی تھیں۔ اور شام کو واپس آجایا کرتی تھیں رقیہ اور جمیلہ میں کچھ تھوڑی ہی سی چھوٹ بڑائی تھی۔ اب وہ دونوں ساتھ جانے لگی تھیں۔

عرصہ اسی طرح گذر گیا۔ تقریباً تین سال کوئی نیا واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ ایک روز تمام مرد ضروریات کی چیزیں خریدنے صبح سویرے ہی چلے گئے۔ خیموں میں صرف عورتیں اور بچے ہی رہ گئے۔ لڑکیاں گلوں کو چرانے چلی گئیں۔

جمیلہ اور رقیہ شرقی جانب روانہ ہوئیں۔ تقریباً ایک میل چل کر وہ ایک نہایت اونچے ریت کے پہاڑ پر چڑھ گئیں۔ ریت پر چڑھنا آسان نہیں ہوتا۔ قدم پھیلا کرتے ہیں مگر دونوں کو عادت تھی۔ بے تکلف اوپر چڑھ گئیں۔

بھیڑیں اور بکریاں ان سے ایسی مانوس ہو گئی تھیں۔ کہ جسطرف وہ جاتیں ادہر ہی وہ بھی چلنے لگتیں۔ ان کے پیچھے ہی پیچھے وہ بھی پہنچ گئیں۔

ابھی آفتاب اچھی طرح بلند نہ ہوا تھا۔ اور ریت کے تمام تودوں پر دھوپ پھیل رہی تھی۔ مگر شعاعیں تیز اور ترچھی ہونے کی وجہ سے دھوپ میں گرمی نہ آئی تھی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے یا بھی وہ بھی گرم نہ تھے۔ بلکہ خوش گوار تھے۔

دونوں کمبل بچھا کر بیٹھ گئیں۔ نیزے اپنے پاس رکھ لئے۔ اب جمیلہ بچی نہ رہی تھی۔

اس کا شباب انگڑیاں لینے لگا تھا۔ دل میں جذبات جوانی کی لہریں۔

اٹھنے لگی تھی۔ وہ خوبصورت تھی۔ شباب نے اُس کے حسن و جمال کو نکھار کر اُسے پری جمال بنا دیا تھا۔ آنکھیں جن میں معصومیت لوٹ رہی تھی۔ تیر برسانے لگی تھیں۔ رخسارے شعلہ جوالہ بن گئے تھے۔ وہ پیکر حسن یا خوبصورتی کی تصویر بن گئی تھی۔

بچپنے کی شوخی دور ہو چلی تھی۔ شباب کی سنجیدگی آچکی تھی۔ رقیہ بھی خوبصورت تھی مگر جمیلہ جیسی نہ تھی۔ جمیلہ اگر چاند تھی۔ تو وہ چاند کا ٹکڑا۔

دونوں تماشہ دیکھتی رہیں۔ ان کے سامنے چھوٹے ریت کے سینکڑوں ٹیلے تھے ٹیلوں کے اس طرف ریت کا میدان تھا۔ دھوپ ٹیلوں اور میدان کے ریت کو جگمگا رہی تھی۔

جب شعاعیں سیدھی ہو گئیں اور دھوپ میں تمازت آگئی۔ تو دونوں اٹھیں۔ دونوں نے ادھر ادھر دیکھا۔

مغرب کی جانب غبار اٹھتا ہوا نظر آیا۔ دونوں حیرت سے غبار کی طرف دیکھنے لگیں غبار بڑھتا آرہا تھا۔ رقیہ نے کہا۔ جمیلہ چلو! جلدی چلو۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی قبیلہ ہمارے قبیلہ پر تاخت کرنا چاہتا ہے۔ جمیلہ نے کہا

ٹھہرو! رقیہ پریشان نہ ہو۔ ممکن ہے کوئی قافلہ ہی ہو

رقیہ نے جلدی سے کہا۔ قافلہ غیر ممکن ہے۔ قافلہ اس تیزی سے نہیں آیا کرتا۔ دیکھتی ہو غبار کس تیزی سے بڑھتا آرہا ہے۔

غبار نہایت تیزی سے بڑھتا آرہا تھا۔ پہلے وہ افق میں اٹھتا نظر آیا تھا۔ اب بڑھ کر بہت قریب آگیا تھا۔ جمیلہ نے کہا۔ تم نے سچ کہا۔ آؤ۔ جلدی چلیں اور اپنے قبیلہ کی امداد کریں۔

دونوں نے ٹیلہ سے جلد جلد اترنا شروع کیا۔ یہ ٹیلہ نہایت بلند تھا۔ جس طرح اس پر چڑھنا مشکل تھا۔ اسی طرح اترنا دشوار تھا۔ چونکہ ریت پھیلا کرتی ہے اس لیے ذرا سی غلطی سے یہ دونوں پھسل کر نیچے گر سکتی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ اتر رہی تھیں۔ ابھی انہوں نے نصف فاصلہ ہی طے کیا تھا۔ کہ غبار کا دامن چاک ہوگیا۔ کچھ عرب سوار گھوڑے دوڑائے نخلستان کی طرف جھپٹتے نظر آئے رقیہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

جلدی چلو۔ جمیلہ جلدی چلو!

یہ کہتے ہوئے رقیہ تیزی سے اترنے لگی۔ جمیلہ نے منع بھی کیا۔ مگر یا تو اُس نے سنا نہیں۔ اور یا پرواہ نہیں کی۔ اس کے پھول سے گلابی رخسار زرد سے ہو رہے تھے۔ وہ تیزی سے اتر رہی تھی۔ لیکن چند قدم ہی تیز چلی تھی۔ کہ پھسل گئی۔ جمیلہ نے جھک کر اُسے پکڑنا چاہا۔ لیکن نہ پکڑ سکی۔

رقیہ گر پڑی۔ چونکہ ڈھال نہ تھی۔ ٹیلہ سیدھا تھا۔ اس لئے گرتے ہی لڑھکنے لگی۔ جمیلہ کو اُس کے گرنے سے افسوس ہوا۔ وہ افسوس بھری نظروں سے اُ. سے لڑھکتا ہوا دیکھتے آہستہ آہستہ اترنے لگی۔

گیارہواں باب[11]

تبلیغِ عام

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے چپکے تبلیغ شروع کی تھی۔ لیکن چونکہ حضور اکرمؐ ہر شخص کے سامنے جو آپ کے پاس آتا احکامِ خداوندی بیان فرماتے۔ خدا کو کائنات کا واحد خالق بتاتے۔ لوگ سنتے جواب دینے کی جرات نہ ہوتی۔ البتہ اپنے گھروں اور مجلسوں میں جا جاکر اس نئے مذہب کا تذکرہ کرتے۔ حضورؐ کا، نئے مذہب کا تمسخر اڑاتے اس طرح اسلام اور مسلمانوں کا ذکر گھر گھر ہونے لگا۔

لوگ اسلام کا چرچا سن کر حیران بھی ہوتے۔ غضبناک ہو کر دانت بھی پیستے۔ لیکن یہ پتہ نہ چلتا تھا۔ کہ کون کون مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس لیئے چپ رہ جاتے۔ حضورؐ نے ابھی تک اعلانیہ تبلیغ شروع نہ کی تھی۔ اس لیئے کسی کو ان پر سختی کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کا اثر در سوخ تمام قبائل میں تھا۔ آپ نے مسلمان ہو کر تمام کام چھوڑ دیئے تھے۔ صرف تبلیغِ اسلام کا کام کرنے لگے تھے۔ جو شخص آپ کے پاس آتا۔ آپ جس شخص کے پاس جاتے اس کے سامنے اسلام کی خوبیاں خدا کی حمد۔ معبودِ حقیقی کی صفت و ثنا بیان کرتے۔ لوگ سنتے اسلام کی طرف جھکتے۔ بعض مسلمان بھی ہو جاتے

چنانچہ آپ کی سعیِ جمیلہ سے حضرت عثمان بن عفان۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ حضرت سعد وقاص (حضرت محمدؐ کے ماموں، فاتحِ ایران[1]) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت زبیر

---

[1] ۔ ایران جیسی عظیم الشان سلطنت کی فتح کا مفصل حال ہمارے شہرۂ آفاق ایران کی حسینہ میں ملاحظہ کریں۔

بن العوام ایمان لائے۔ ان ہستیوں میں صرف حضرت عثمان متمول اور ذی جاہ تھے۔ وہ اس قدر مالدار تھے۔ کہ عوام انہیں غنی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ یعنی حضرت عثمان غنی کے نام سے مشہور تھے۔ باقی لوگ معمولی حیثیت کے تھے۔ البتہ ایک جوہر سب میں تھا۔ اور وہ بے نظیر دلیری اور بے مثال جرات و ہمت تھی۔ لیکن یہ دلیری اور یہ جرات و ہمت عربستان کے تمام عربوں میں تھی۔ ہر شخص جری اور پرلے درجے کا شجاع تھا۔

اب ان سب لوگوں نے بھی مل کر تبلیغ کا کام شروع کیا۔ لیکن چونکہ اہل مکہ کی طرف سے خدشہ تھا۔ اس لیئے تبلیغ اب بھی خموشی اور رازداری کے ساتھ کی جا رہی تھی۔ ان تمام لوگوں کی مساعی جمیلہ اور آنحضور کی ان تھک کوششوں سے اسلام آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔

چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح۔ حضرت ابوسلمہ۔ عبداللہ اسد بن ہلال۔ حضرت عثمان ابن مظعون۔ حضرت قدامہ بن مظعون۔ حضرت سعید بن زید و حضرت عمر (بہنوئی) حضرت فاطمہ رضؓ ہمشیرہ۔ حضرت عمر بن الخطاب حضرت سعید بن زید کی بیوی مسلمان ہو گئے رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ لیکن یہ سب لوگ اہل مکہ سے ڈرتے تھے۔ ساری قوم کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار نہ تھے۔

اس لیئے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ نماز چھپ کر پڑھتے تھے۔ یا تو اپنے گھروں کے حجروں میں گھس کر نماز ادا کرتے تھے۔ یا پہاڑوں کے دروں اور غاروں میں جاکر نماز پڑھتے تھے۔

چونکہ ہر شخص اپنے مسلمان ہونے کو چھپاتا تھا۔ اس لیئے مسلمانوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ کون کون سے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمر رضؓ۔ حضرت سعد بن وقاص کے بھائی حضرت

لہ۔ حضرت ابوعبیدہ نہایت تجربہ کار تھے۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں وہ ملک شام میں سپہ سالار بنا دیئے گئے تھے۔ تمام ملک شام پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا (صادق)

عبداللہ بن مسعود۔ حضرت عمار۔ حضرت سمیہ۔ حضرت عمار کی والدہ حضرت یاسر حضرت صہیب رومی۔ حضرت بلال رض (جو موذن کے لقب سے مشہور ہیں۔ حضرت خباب بن لارث حضرت ابوفکیہ رض۔ حضرت لبنتہ۔ حضرت زنیرہ۔ حضرت نہدیہ۔ حضرت نہدیہ۔ حضرت ام عبیس بھی مسلمان ہو گئے۔

جو لوگ اب تک مسلمان ہوئے۔ وہ از روئے شرافت تو بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن مال دار بالکل نہ تھے۔ بلکہ اکثر تو غلام اور کنیزیں تھیں۔

چنانچہ حضرت خباب ام انمار کے غلام تھے۔ حضرت بلال اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ حضرت صہیب عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے۔ حضرت یاسر حضرت عمار ابوحذیفہ کے پروردہ تھے۔ حضرت ابوفکیہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ حضرت لُبنیہ حضرت عمر کی کنیز تھیں۔ حضرت زنیرہ بھی حضرت عمر رض کے گھرانے کی کنیز تھیں حضرت نہدیہ اور حضرت ام عبیس بھی کنیزیں تھیں۔

یہ سب لوگ ایسے تھے کہ انہیں اہل مکہ کے مقابلہ میں آنے یا اپنا اسلام ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ قسمت نے یا قدرت نے انہیں مفلس یا غلام بنا کر رکھا تھا۔ تلوار اٹھانے کی قدرت تو بجا ہے۔ خود ہی اُف تک بھی نہ کر سکتے تھے۔

مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ نماز چھپ کر پڑھتے تھے چونکہ اس وقت تک نماز جماعت سے نہ پڑی تھی۔ اس لیے جس شخص کو جب اور جہاں موقعہ ملتا نماز پڑھ لیتا۔

آنحضور صلعم اکثر پہاڑی دروں میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی حضرت علی کو بھی ہمراہ لے جاتے تھے۔ اور اپنے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔

ایک دن حضور حضرت علی رض کو ساتھ لے کر ایک درہ میں پہنچے۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ دونوں نماز پڑھنے لگے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب ادھر آنکلے۔ ابوطالب رض کے ساتھ

حضرت جعفرؓ بھی حضرت علیؓ کے بھائی تھے۔ دونوں قریب کھڑے ہو کر حیرت بھری نظروں سے آنحضور صلعم اور حضرت علی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ابو طالب رضؓ نے حضرت جعفر رضؓ سے کہا۔ ہبل کی قسم جس طریقہ پر محمدؐ نماز پڑھ رہا ہے۔ بڑا ہی دلفریب طریقہ ہے۔ جعفر تو بھی اپنے چچازاد بھائی محمدؐ کے بازو پر کھڑا ہو جا۔

فوراً حضرت جعفر دوسری طرف کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ وہ نماز پڑھنا نہ جانتے تھے۔ لیکن آنحضورؐ کی اقتدار کرنے لگے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو جعفر کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ جعفر تو مسلمان ہو جا۔ حضرت جعفر نے بلا چون چرا اسلام قبول کر لیا۔ حضور نے دعا دی کہ جعفر تجھے اللہ تعالےٰ جنت میں دوبارہ بلائے۔ جنت فردوس میں روح پرواز کرے۔ اسی روز سے آپ کا نام جعفر طیار مشہور ہو گیا۔

جب آپ نماز پڑھ کر اٹھتے۔ تو آپ نے ابو طالب کو کھڑے دیکھا۔ آپ نے اپنے چچا کو سلام کیا۔ ابو طالب نے دریافت کیا۔ قرۃ العین! یہ تم کیا کر رہے تھے۔ آں حضور نے جواب دیا۔ یا عم میں نماز پڑھ رہا تھا۔

ابو طالب نے حیران ہو کر کہا۔ نماز پڑھ رہے تھے۔ لیکن تمہارے سامنے کوئی خدا (بت) تو تھا ہی نہیں۔

آنحضور صلعم۔ میں بتوں کو دور ہی سے رکھ کر نماز نہیں پڑھتا۔

ابو طالب رضؓ۔ پھر کس کی نماز پڑھ رہے تھے۔

آنحضور صلعم۔ اس خدا کی جو خالق جز وکل ہے۔ جسکی نگاہ کے سامنے کائنات کا ذرہ ذرہ ہے۔ جس سے انسان کا کوئی فعل پوشیدہ نہیں ہے۔ جسکے سامنے دنیا کا جبار وقہار بادشاہ بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

ابو طالب: نماز کا یہ طریقہ تم نے کس سے سیکھا ہے؟

آنحضور صلعم۔ جبرائیل فرشتہ سے یا عم آپ کو بحیرہ راہب کا واقعہ یاد ہے۔

ابوطالبؓ۔ نماز کا یہ طریقہ ۔ یاد ہے۔
آنحضور صلعم۔ مجھ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا ہے۔ خدا نے مجھے محمد الرسول اللہ یعنی خدا کا رسول کا خطاب دیا ہے۔ میں خدا کا پیغامبر ہوں۔
ابوطالبؓ۔ تم پر کیا پیغام نازل ہوا۔
آنحضور صلعم نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کی۔ الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنورۃ ثم الذین کفروا بربھم یعدلون الخ)
یعنی قابل تعریف وہی خدا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اندھیرے اور اجالے کو پیدا کیا ہے۔ پھر کافر کس کو برابر کہتے ہیں؟ کیا خدا کو جو پروردگار عالم ہے۔ وہی جس نے تمہیں غلیظ قطرہ سے پیدا کیا۔ اس نے ہی موت کا وقت ٹھہرایا اور موت اسکی مقرر کی ہوئی ہے۔ اس پر بھی تم شک کرتے ہو اور اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کے وہ آہستہ بولنے اور پکار کر بولنے کو جانتا ہے اور جانتا ہے جو

لہ۔ حضرت محمد صلعم کی عمر جب بارہ برس کی تھی۔ تو ابوطالب ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ کچھ تجارت مال لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ حضورؐ ابوطالب کی کفالت میں رہتے تھے۔ اس لئے آپ بھی ان کے ساتھ گئے۔ ملک شام کی جنوبی حصہ میں ایک مقام بصریٰ ہے۔ جب قافلہ وہاں پہنچا تو ایک عیسائی راہب سے جو بڈھا تھا۔ اور عرصہ سے وہاں رہتا تھا۔ اور جس کا نام بحیرا تھا۔ آپ کو دیکھا۔ نہایت غور سے دیکھا۔ وہ ابوطالب کے پاس گیا اور کہا۔ شاید یہ آپ کے صاحبزادہ ہیں۔ ابوطالب نے کہا نہیں بھتیجہ ہے۔ بحیرا نے کہا خیر کچھ ہوں۔ سنو تمہارا یہ بھتیجہ نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس میں وہ تمام علامات موجود ہیں جو نبی آخرالزماں کے متعلق توریت اور انجیل میں لکھی ہیں۔ انہیں توریت اور انجیل میں لکھی ہیں انھیں توریت اور انجیل میں لکھی ہیں۔ انہیں یہودیوں اور مشرکوں سے اندیشہ ہے تم انھیں واپس مکہ لے جاؤ۔ ابوطالب نے بصریٰ ہی میں اپنا مال فروخت کر دیا۔ جو بڑے منافع سے بکا اور وہیں سے واپس لوٹ کر مکہ چلے آئے۔

کچھ تم کرتے ہو۔

ابوطالب سُن رہے تھے۔ ان کا دل مرعوب ہوتا چلا رہا تھا۔ بدن میں لرزہ پڑ گیا تھا۔ جب آنحضور صلعم خاموش ہوئے تو ابوطالب نے دریافت کیا۔ یہ مذہب کونسا ہے آنحضور صلعم نے جواب دیا۔ یہ ملت ابراہیم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ملت ابیکم ذابراہیم ھو سمکم المسلمین۔ یعنی (یہ مذہب) تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

ابوطالب رضؓ۔ فرزند! یہ مذہب خوب مذہب ہے۔ عبادت الٰہی کا طریقہ بھی بہت اچھا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارے خاندان میں نبی ہوا۔ پیارے فرزند تمہارے دادا کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ پیشین گوئی کیا تھی۔

آنحضور صلعم۔ نہیں یا عم۔

ابوطالب۔ میں بتاتا ہوں کہ جب تم تولد ہوئے تھے۔ تو تمہارے دادا عبدالمطلب نے تمہارا نام محمد رکھا تھا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے پوتہ کا نام نیا اور نرالا کیوں رکھا۔ تو آپ نے کہا تھا۔ اس لیئے کہ میرا یہ پوتہ دنیا میں آفتاب بن کر چمکے گا۔ فرزند! جب تجھ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا ہے۔ خدا نے تجھے اپنا رسول بنا لیا ہے۔ تو یقیناً تم آفتاب حجاز نہیں آفتاب عرب غلط آفتاب عالم بن کر رہو گے۔

ابوطالب رضؓ آپ کے چچا تھے۔ سرپرست تھے۔ بزرگ تھے۔ آپ کو ان کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب آپ نے ابوطالب کی گفتگو سنی تو تبلیغ کی ہمت ہوئی۔ آپ نے فرمایا یا عم۔ آپ بھی مسلمان ہو جائیں

ابوطالب نے کہا۔ میرا جی چاہتا ہے۔ کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ تیرے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھوں۔ آن دیکھے خدا کو پوجوں۔ مگر آبائی مذہب چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے جب لوگ کہیں گے کہ اپنے بھتیجے کا مذہب قبول کر لیا۔ تو کیا جواب دوں گا۔ شرم و غیرت

سے کٹ کٹ کر رہ جاؤں گا۔ البتہ میں تمہاری اعانت کا وعدہ کرتا ہوں۔ میرے جیتے جی کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ میری تلوار اس کے سر پر بلند ہوگی۔ جو تم کو تکلیف پہنچانے کا قصد کرے گا۔ ہاں علی اور جعفر کو میں نے اجازت دی۔ یہ دونوں تمہارے مذہب میں رہیں گے۔

ابوطالب نے حضرت علی کرمؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔ بیٹا علی کرمؓ۔ تم محمدؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ جو مذہب تم نے اختیار کر لیا ہے زندگی کے آخری سانس تک اس پر قائم رہنا۔ آنحضور صلعم نے ابوطالب کا شکریہ ادا کیا۔ ابوطالب اپنے گھر چلے گئے۔ آں حضرت علیؓ اور جعفر کو ساتھ لے کر اپنے مکان پر آ گئے۔

اب تک حضورؐ صلعم کا کوئی شخص ایسا ممد و معاون نہ تھا۔ جو آپ کی حمایت پر تیار ہو جاتا۔ آج ابوطالب نے اعانت کا وعدہ کیا۔ آپ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ چند روز کے بعد حضورؐ کوہ صفا پر چڑھ گئے۔ اور بلند آواز سے ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر پکارنا شروع کیا۔

حضورؐ کی آواز سنتے ہی تمام قبائل کے سردار۔ رئیس۔ امیر۔ غریب تمام آ آ کر جمع ہونے لگے۔ ابولہب۔ ابوجہل۔ ولید۔ عباس۔ حمزہ سب آ گئے۔

عرب میں یہ دستور تھا۔ کہ جب کسی شخص کو کچھ کہنا ہوتا۔ تو کسی بلند جگہ پر چڑھ کر لوگوں کو بلاتا۔ جب سب آ جاتے تو جو کچھ اُسے کہنا ہوتا کہہ دیتا۔

حضور نے بھی کوہ صفا پر چڑھ کر اہل مکہ کو بلایا۔ جب قریب قریب سب لوگ آ گئے۔ تو آپ نے دریافت کیا۔ لوگو! تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ آپ امین ہیں۔ کبھی آپ نے خیانت نہیں کی۔ تمہارے صادق ہیں اور کبھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا۔

آپ نے فرمایا۔ اجزکعبان العذ ہمعجکم ا و منکم اماکنتم۔

ر ت ۔ ۔ ۔ سلام

یعنی (اے قریش) اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ صبح کو یا شام کو تم پر دشمن حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا مجھ کو تم لوگ سچا جانو گے۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ بے شک سچا جانے گے۔ کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ صادق القول پایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا تو سنو! عذاب الٰہی نزدیک آ گیا ہے۔ تم خدا پر ایمان لاؤ بتوں کی پرستش چھوڑ دو۔ تاکہ عذاب الٰہی سے بچ جاؤ۔

یہ سنتے ہی تمام مجمع میں شور و شغب شروع ہو گیا۔ اپنے معبودوں کے خلاف سنتے ہی کفار جھلا اٹھے۔ بگڑ گئے۔ ابولہب ہنس پڑا۔ اس نے کہا۔ تجھ پر ہلاکت ہو کیا تو نے اس لیئے ہمیں جمع کیا تھا۔

لوگ اس قدر برافروختہ ہوئے کہ آپ حملہ کرنے کا ارادہ کرنے لگے۔ لیکن ارادہ کرتے کرتے ہی رہ گئے اور حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

جرات اس وجہ سے نہ ہوئی۔ کہ حضورؐ خاندان ہاشم سے تھے۔ خاندانِ ہاشم قریش کا سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے فرد کو قتل کرنا آسان نہ تھا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں خاندان ہاشم انتقام لینے کے لیئے آمادہ نہ ہو جائیں۔ انتقام اسی شخص یا اسی شخص کے قبیلہ سے لیا جاتا۔ جو حملہ کرتا۔ اسی لیئے کسی کو جرات نہ ہوئی اور سب پیچ و تاب کھا کھا کر رہ گئے۔

ابولہب نے بلند آواز سے کہا۔

لوگو! کچھ خیال نہ کرو۔ میرا بھتیجا (حضرت محمدؐ) دیوانہ ہو گیا ہے۔ دیوانہ کی بات قابل اعتنا یا لائق سرزنش نہیں ہوتی۔

یہ سن کر لوگ منتشر ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک شخص بھی وہاں نہ رہا آپ بھی کوہ صفا سے اترے اور آہستہ آہستہ اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے

راستہ ہی میں وحی نازل ہوئی۔

بارہواں باب (۱۲)

(غارت گر)

رقیہ ٹیلے پر سے پھسل گئی تھی۔ اُس نے رکنے سنبھلنے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ڈھلوان نہ تھا سیدھا تھا۔ جوں جوں وہ رکتے اور سنبھلنے کی کوشش کرتی ریت اُسکے نیچے سے پھسل کر اُسے رکنے اور سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دیتا تھا۔ وہ لڑھکتی ہوئی نیچے کی طرف چلی جا رہی تھی۔

جمیلا افسوس بھری خوبصورت نگاہوں سے اُسے دیکھتی آہستہ آہستہ اتر رہی تھی اُس کے پیچھے اسکی اور رقیہ کی بھیڑیں اور بکریاں اتر رہی تھیں۔ رقیہ کی بکریوں نے اُسے نیچے گرتے دیکھ لیا۔ چند بکریاں زقند بھرتیں تیزی سے چلیں۔ اُن کے چلنے کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ رقیہ کو گرتے دیکھ کر وہ بے چین ہو گئی ہیں اور اُسے سہارا دینے کے لئے لپک رہی ہیں۔

ایک موٹی بکری رقیہ کے قریب پہنچی۔ رقیہ نے جلدی سے اُس کے کان پکڑ لیے۔ بکری ریت میں پاؤں گاڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اتفاق سے یہاں ریت کی تہہ سے بالشت بھر آگے نکلی ہوئی تھی۔ ادہر رقیہ کے پاؤں اس تہہ پر رک گئے

اور ہر بکری کا سہارا ملا وہ رک کر سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔

چونکہ وہ ریت میں پھسلتی چلی آئی تھی۔ اس لیے تمام کپڑے سارا بدن۔ چاند سا چہرہ ریت سے بھر گیا تھا۔ مشکبو زلفاں کی لمبی لمبی لٹیں بھی ریت میں اٹ کر سفیدی مائل ہو گئی تھیں وہ خوبصورت تھی حسین تھی۔ حسین ہر حالت میں پیارے معلوم ہوا کرتے ہیں۔ رقیہ بھی ریت میں بھری ہوئی پیاری معلوم ہو رہی تھی۔ اس کا چاند سا چہرہ ریت کی جمی ہوئی ہلکی تہہ میں بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودہویں رات کا چاند زیر غبار پیارا معلوم ہوا کرتا ہے۔

رقیہ نے کھڑی ہوتے ہی بکری کو نہایت پیار اور محبت سے تھپ تھپایا۔ بکری بڑی دل سوز۔ بڑی ہمدرد نگاہوں سے منہ اٹھا کر رقیہ کو دیکھ رہی تھی۔ جمیلہ بھی آہستہ آہستہ اتر کر رقیہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے نازک لبوں پر دلفریب تبسم کھیل رہا تھا۔ اس نے کہا۔ جلد بازی کا نتیجہ دیکھا۔ رقیہ۔

رقیہ بھی مسکرائی۔ اس نے کہا۔ جمیلہ خیریت ہو گئی۔ میری پیاری بکری نے مجھے بچا لیا

جمیلہ نے کہا۔ ہاں بکری نے بڑی وفاداری کی۔ لیکن اگر بکری نہ بھی آتی تب بھی کیا ہوتا۔ یہی کہ تم اور تھوڑی دور پھسلتی چلی جاتیں۔

رقیہ۔ ہاں اور کیا۔ لیکن میں ڈر گئی تھی۔ جمیلہ ذرا اوپر نظر اٹھا کر تو دیکھو کتنا اونچا ریت کا پہاڑ سا ہے۔ معبودوں نے بڑی خیر کی۔

جمیلہ نے اپنا نازک سر اٹھا کر دیکھا۔ جس جگہ یہ دونوں کھڑی تھیں۔ یہاں سے ریت کے پہاڑ کی چوٹی بہت اونچی تھی۔ جمیلہ نے کہا۔ بے شک مقدس ہبل نے مہربانی کی کہ اتنے فاصلے اور بلندی سے گرنے والا مشکل سے زندہ رہ سکتا ہے۔

جمیلہ نے رقیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر رقیہ! تم ریت میں اٹی ہوئی بھی کیسی خوبصورت معلوم ہو رہی ہو۔

رقیہ نے مسکرا کر کہا۔ اچھا جمیلہ! اب تم مجھے بنانے لگی ہو۔

جمیلہ نے ہنس کر کہا۔ میں کیا بناتی۔ تم کو تو مقدس خداؤں نے ہی خوبصورت بنایا ہے لیکن یہ بات کیا ہے رقیہ اب تک کسی شاعر[1] نے تم پر نظر عنایت نہیں کی ہے۔

رقیہ نے کہا۔ نہ میں خوبصورت ہوں۔ نہ کسی شاعر نے میری تعریف کی ہے۔ البتہ تو خوبصورت ہے جمیلہ۔ ایسی خوبصورت کہ صحرائے عرب میں چاند صرف تیرے روئے منور کی زیارت کرنے کے لیئے نکلتا ہے۔

جمیلہ رقیہ کی طرف بڑی اور اس کے کپڑوں سے ریت جھٹکتے ہوئے بولی۔ رقیہ ہم باتوں میں لگ گئیں۔ ان لوگوں کو بھول گئیں۔ جو ہمارے خیموں کی طرف جھپٹے آرہے ہیں۔ ذرا جلدی جلدی کپڑے جھٹک لو اور چلو۔

رقیہ نے کہا۔ بے شک ہم نے فضول باتوں میں وقت کھو دیا۔

یہ کہتے ہی رقیہ نے جلد جلد کپڑے جھٹکے۔ جمیلہ نے اس کی دراز سیاہ مشکبو زلفوں کو جھٹکا۔ چونکہ جمیلہ کی طبیعت میں قدرے شوخی تھی۔ اس لیئے اس نے گیسوؤں کی اُن لٹوں کو۔ جو رقیہ کے گداز سینہ پر دونوں طرف بل کھائے ہوئے پڑی تھیں۔ جھٹکتے جھٹکتے اس کے پہلو میں چٹکی لی۔

---

[1] عرب میں زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل از طلوع اسلام یہ قاعدہ تھا۔ کہ ہر حسین دوشیزہ کی تعریف شاعر کیا کرتے تھے اور جسکی کوئی شاعر تعریف کر دیتا ہے۔ اس کی سارے عرب میں شہرت ہو جاتی تھی۔ چونکہ ہر شخص شاعر تھا۔ یا شاعری سے شدید شغف رکھتا تھا۔ اس لیئے انہیں اپنی زبان پر بڑا غرہ تھا۔ سالانہ میلوں تقریبوں اور حج کے موقعوں پر جس شخص کا قصیدہ سب سے بہتر ہوتا۔ اسکی سب سے زیادہ تعریف۔ عزت و وقعت ہونے لگتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ کے شاعروں کے نزدیک قبیلوں کو لڑا دینا اور نوجوانوں میں شجاعت و مردانگی کی روح پھونک دینا معمولی باتیں تھیں۔ اگر کوئی شاعر کسی کی شان میں دو چار شعر کہہ دیتا تو فوراً اسکی شہرت ہو جاتی۔ الغرض اس زمانہ میں شاعر شہرت کا ذریعہ تھے۔

رقیہ اچھل پڑی - اس نے مسکراتے ہوئے کہا - بڑی شوخ ہو جمیلہ۔

جمیلہ ایسی سنجیدہ بن گئی - گویا اُس نے قصداً چٹکی نہیں لی۔ اس نے بھولی صورت بنا کر کہا - کیا ہو گیا رقیہ۔

ساتھ ہی ایک اور چٹکی لی - رقیہ نے آہستہ سے سسکی بھرتے ہوئے کہا - اچھا یہ شرارت! ٹھہرو میں تم کو ٹھیک کرتی ہوں

جمیلہ نے انتہائی بھولی صورت بنا کر کہا - میں تو ٹھیک ہوں رقیہ! آخر تم کیوں سسکیاں بھرنے لگی ہو۔

رقیہ نے کہا - کس قدر شوخ ہے تو جمیلہ - چٹکیاں بھرتی ہے - اور صورت ایسی بھولی بنا لیتی ہو - جیسے کہ کچھ جانتی ہی نہیں ہو - اور دیکھے تو کوئی یہی سمجھے کہ بڑی بھولی لڑکی ہے اس نے کچھ نہیں کیا۔

جمیلہ نے بھولے پن سے کہا - اب میں تمہاری طرح شریر ہوں - نہیں - رقیہ - بالکل نہیں - تم نے صحرائے ریگ زار میں - رہ کر یہ باتیں کس سے سیکھی ہیں جمیلہ۔

جمیلہ - تم سے رقیہ! تم شوخ ہو - شوخی مجھے تم نے ہی سکھائی ہے -

اتفاق سے رقیہ کی نظر سامنے اٹھ گئی - اب عرب سوار بہت قریب آ گئے تھے -

وہ پچاس ساٹھ کے قریب تھے - ان کی سیاہ ڈھالیں چمک رہی تھیں - نیزے ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے - نیزوں کی انیاں جگمگا رہی تھیں - عربوں کی لمبی داڑھیاں ہوا میں لہرا رہی تھیں - گھوڑے فراٹے بھرتے ہوئے چلے آ رہے تھے - چونکہ ریت تھا - ریت پر دوڑ رہے تھے - اس لیے ان کے ٹاپوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

رقیہ نے انھیں دیکھتے ہی کہا - آؤ جمیلہ جلدی چلیں - دیکھو وہ غارت گر لوگ نخلستان کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں۔

جمیلہ نے بھی اپنی خوبصورت نظریں اٹھا کر دیکھا - اس نے کہا - سچ کہتی ہو - رقیہ!

آہ! اب کیا ہوگا۔ مردوں میں سے تو ایک بھی اس وقت موجود نہیں ہے۔ رقیہ نے کہا۔ نہیں ہے تو کیا ہے۔ کیا ہم عورتیں آسانی سے قابو میں آجائیں گی۔ جمیلہ نے اپنے نازک ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نہیں لیکن ہمارے نیزے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رقیہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا!

بڑی غلطی ہوئی۔ نیزے تو اس ٹیلے پر ہی رہ گئے۔

جمیلہ نے کہا۔ تم ٹھہرو! میں نیزے لے کر آتی ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ اوپر چڑھنے لگی۔ رقیہ نے کہا۔ میں بھی چلتی ہوں جمیلہ!

رقیہ بھی جمیلہ کے پیچھے چلی۔ دونوں کسی قدر تیزی سے مگر سنبھل کر چڑھنے لگیں۔ بھیڑوں اور بکریوں کے گلّے بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ دونوں تیزی سے چل کر ٹیلہ کی چوٹی پر پہنچیں نیزے اٹھائے۔ جمیلہ نے کمبل طے کر کے اپنے کندھے پر اس طرح ڈال لیا۔ کہ اس کا کچھ حصہ پشت کی جانب لٹک گیا۔ اور کچھ گزار سینہ کو ڈھک کر آگے کی طرف آلٹکا۔

اب دونوں چلیں۔ جب وہ ٹیلے سے نیچے اترنے لگیں۔ تو انھوں نے غارت گر عربوں کو نخلستان کے اندر گھستے ہوئے دیکھا۔ دونوں تیزی سے مگر سنبھل سنبھل کر اترنے لگیں بھیڑ اور بکریاں دُور تک پھیل گئیں۔ ان کے پیچھے ہی پیچھے وہ بھی اترنے لگیں۔

جب وہ ٹیلہ سے نصف سے زیادہ اتر آئیں۔ تو انھوں نے نخلستان میں تلواریں چمکتی ہوئی دیکھیں۔ جمیلہ نے تاسف انگیز لہجہ میں کہا۔ آہ غارت گروں نے شمشیر زنی شروع کر دی ہے۔

رقیہ! کیا تم تلواریں چمکتی ہوئی نہیں دیکھ رہی ہو۔

رقیہ نے غم بھرے لہجہ میں کہا۔ دیکھ رہی ہوں۔ کاش۔ آج ہمارے مرد یہاں ہوتے ان کی موجودگی میں ان غارت گروں کو غارت گری کی جسارت نہ ہوتی۔

دونوں تیزی سے اتر رہی تھیں۔ جب وہ اتر آئیں۔ تو انھوں نے تیز قدمی سے نخلستان

کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ جس تیزی سے وہ چل رہی تھی۔ اسی تیزی سے اُن کی بھیڑیں اور بکریاں بھی چل رہی تھیں۔

جب وہ نخلستان کے قریب پہنچیں۔ تو انھوں نے بچوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں سُنیں۔ دونوں کے سینے غم و فکر سے اچھلنے لگے۔ دونوں نے اور بھی تیزی سے چلنا شروع کر دیں۔ دونوں اپنے اپنے نرم و نازک ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے نیزے لیے نخلستان کی طرف جھپٹ پڑیں۔

اس وقت آفتاب اس قدر اونچا ہو گیا تھا۔ کہ اس کی شعاعیں ریگ زار پر سیدھی پڑنے لگی تھیں۔ نماز بڑھ چکی تھی۔ ریت کے ذرات چمک کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگے تھے۔ دونوں سیم تن لڑکیاں تیز جا رہی تھیں۔ کچھ تیزی سے چلنے کی وجہ سے کچھ آفتاب کی حرارت کے دونوں کے پھول سے رخسارے عرق آگیں ہو کر نکھر گئے تھے۔ بلکہ خون کی تیزی سے روانی کے باعث گل نار بن گئے تھے۔ جبین ناز پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے قطرے بڑے نہایت ہی دلفریب ہو رہے تھے۔ جب وہ نخلستان میں داخل ہوئیں تو انھوں نے دیکھا کہ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ کچھ عورتیں لڑ کر ماری گئی تھیں۔ کچھ زخمی ہو کر گری پڑی تھیں۔ کچھ بے بس کر کے باندھ لی گئی تھیں۔ بچے رو رہے تھے۔ کچھ مرنے والی عورتوں سے لپٹے ہوئے تھے۔ کچھ کھڑے آنسو بہا رہے ہیں۔ بے رحم غارت گر معصوم بچوں کو گرفتار کرنے میں مشغول تھے۔

یہ منظر دیکھ کر دونوں لڑکیوں کو جوش آگیا۔ جوش اور غصہ عقل و خرد کو مغلوب کر دیتے ہیں۔ ان دونوں کی بھی یہی حالت ہوئی۔ انہیں جوش و غضب نے یہ سوچنے کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ دونوں کم سن ماہ جبیں لڑکیاں ہیں۔

یہ پچاس ساٹھ مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اگرچہ یہ سوچیں تو ضرور کسی ریت کے تودے کے پیچھے چھپ کر بچ جاتیں۔ مگر ان کو جوش آگیا تھا۔

انھوں نے اس بات کو سوچا ہی نہ تھا۔ جوش و غضب میں بھر کر بے دھڑک ہو کر اقدام

کرتے ہوئے لیٹروں کو سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

دونوں لڑکیوں کے خوبصورت چہرہ سے معصومیت کا جلال پاک دامنی کی ہیبت کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیٹرے عربوں پر اُن کا رعب و جلال طاری ہو گیا وہ حیرت اور مرعوب نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

لڑکیوں نے نیزے تان لیے تھے۔ آسمانی دیویوں کی شان سے سرو قد کھڑی تھیں موہنی آنکھیں بجلیاں گرا رہی تھیں۔ جمیلہ نے موسیقی نواز لہجہ میں کہا۔

بدبخت لیٹرو۔ ان بے گناہ عورتوں اور بچوں کو فوراً چھوڑ دو۔

اسیر ہونے والی عورتوں میں سلمےٰ بھی تھی۔ اُس نے جمیلہ کو دیکھا۔ ٹھنڈا سانس بھر اور پرسوز لہجہ میں کہا۔

جمیلہ آہ! تو گئی۔ میری بیٹی کاش تو نہ آئی۔

جمیلہ کی ڈپٹ کچھ دیر کے لیئے عربوں کو مبہوت کر دیا۔ لیکن وہ سنبھلے اُن میں سب سے ضعیف العمر عرب نے کہا۔

لڑکیو! نیزے پھینک دو۔ ہم تمہارا احترام کرتے۔

رقیہ نے کہا۔ احترام . . . . بے رحم ڈاکوؤ تم کس کا احترام کرتے! چھوڑ دو ان معصوم عورتوں اور بے گناہ بچوں کو چھوڑ دو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

ایک عرب نے کہا۔ اے بنی بکر کی حسین لڑکیو۔ تم بنی قحطان کے مردوں کو ڈراتی ہو۔ تم سے ڈر جائیں۔

قسم ہے عزیٰ کی ہرگز نہ ڈریں گے۔ نادانی نہ کرو۔ نیزہ پھینک دو ہم تمہیں عزت کے ساتھ گرفتار کر کے لے جائیں گے۔

جمیلہ نے غضب آلود ہوتے ہوئے کہا۔ قبیلہ قحطان کے بھیڑیو۔ ہوش کی دوا کرو۔

کیا ہمیں بزدل سمجھتے ہو۔ کیا قبیلہ بنی بکر کی بیٹیاں تم سے ڈر کر نیزے پھینک دیں گے۔ ہبل کی قسم ہرگز نہ ہوگا۔

ایک لڑکی کی طرف تلوار سونت کر بڑھا۔ رقیہ نے حیرت انگیز پھرتی سے جھپٹ کر نیزہ مارا۔ عرب کی تلوار اٹھی۔ لیکن نیزہ اس کے پہلو میں لگا۔ تلوار جھک گیا۔ ایک لمبی آہ بھر کر گرا۔ اور بڑھا منہ بنا کر کھجور کے چھوٹے درخت کی شاخوں کو پکڑ کر کھینچنے لگا۔

تمام ڈاکوؤں کو رقیہ کی یہ عادت دیکھ کر غصہ آگیا۔ وہ غضبناک ہو گئے۔ فوراً دو آدمی تلوار کھینچ کر بڑھے ایک جمیلہ پر اور دوسرا رقیہ پر ٹوٹ پڑا۔ جمیلہ نے جمیلہ نے ایک اڑتے دلربا باز کی شان کے ساتھ بڑھ کر نیزہ مارا۔ نیزہ حملہ آور عرب کے سینہ پر پڑا عرب نے خون تھوکا اور گر پڑا۔

دوسرے عرب نے رقیہ کے نیزہ پر تلوار ماری۔ نیزہ کی انی کٹ کر دور جا گری اس نے دونوں ہاتھوں میں دستہ لے کر عرب کے سر پر مارا۔ لیکن عرب بھی غافل نہ تھا۔ وہ پینترا بدل کر اچھلا۔

جس وقت وہ اچھلا۔ فوراً ہی جمیلہ نے اس پر نیزہ مارا۔ چونکہ وہ رقیہ کی طرف متوجہ تھا۔ اس لیئے جمیلہ کی طرف سے غافل ہو گیا۔ نیزہ اس کی داہنی پسلی کو توڑ کر نکل گیا وہ ایک دل دوز چیخ مار کر گر پڑا۔

اب وحشی عربوں میں درندگی اور بربریت جوش زن ہوئی۔ وہ جھپٹ کر چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ معصوم لڑکیاں کس کس سے لڑتیں اور کب تک لڑتیں بالآخر مغلوب ہو گئیں بے درد بھیڑیوں نے ان دونوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ اب حملہ آور درندوں نے خیمے اکھاڑے۔ جو اونٹ نخلستان میں موجود تھے ان پر خیمے مال غنیمت لادا۔ بچوں اور عورتوں کو سوار کر دیا۔ بھیڑوں اور بکریوں کے گلوں کو ساتھ لیا۔ اور جس طرف سے آئے تھے۔ اسی طرف جس قدر تیزی سے چل سکتے تھے۔ روانہ ہوئے۔

تیرہواں باب (۱۳)

قریش کی مخالفت

آنحضور صلعم نے کوہ صفا پر تشریف لے جا کر مکہ کے تمام قبائل کو بلا کر باری تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ یہ آواز بلند صاف صاف کہہ دیا کہ عذاب الٰہی قریب آ گیا ہے۔ خدا پر ایمان لاؤ۔ اس خدا پر جو کائنات کا خالق ہے۔ جو پتھر کے اندر رہنے والے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے جو آگ میں بھی سمندر رکھ سکتا ہے رہنے والے جانور کو بھی رکھ سکتا۔ عبادت کے لائق وہی ہے جس نے سب کچھ بنایا ہے جو مالک جز و کل ہے۔ بتوں کی پرستش چھوڑ دو۔ ان بتوں کی جنہیں نادانی سے تم اور تمہارے باپ دادا پوجتے رہے ہو۔ نہ بت خدا ہیں۔ نہ خدا کے دربار میں اُن کی رسائی ہے۔ انہیں تو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ جنہیں تم نے خود بنایا ہے وہ خالق کیسے ہو سکتے ہیں۔

پھر یہ باتیں کب کہیں! اس وقت جبکہ تمام مکہ۔ سارا عرب اور عرب کا گوشہ گوشہ بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا۔ ہر قبیلہ کا۔ قبیلہ کے ہر فرد کا شعار بت پرستی تھا۔ صدیوں سے لوگ بتوں کو خدا مان کر پرستش کرتے رہے تھے۔ کبھی کسی نے بت پرستی کے خلاف آواز نہ اٹھائی تھی۔ لہٰذا کوئی شخص بتوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھا۔ بت پرستی کی مذمت کرنے والے کی زندگی خطرہ میں تھی۔ غیور عرب اس کا خاتمہ کرنے پر ہر وقت مستعد نظر آتے تھے۔

آپ نے مگر کسی قسم کے خطرہ کی پرواہ نہ کی۔ جب آپ نے کوہ صفا چڑھ کر

لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ بتوں کی مذمت کی۔ خدائے وحدہ لاشریک کی تعریف کی اس وقت آپ کے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کی حفاظت کے لیئے لشکر نہ تھا۔

آپ بادشاہ نہ تھے۔ آپ کو حکومت کا زعم نہ تھا۔

بلکہ برعکس اس کے آپ تنہا تھے اور نہتے تھے۔ بت پرست مسلح تھے۔ کثیر التعداد تھے۔

کیا بات تھی جس نے آپ کو اعلائے کلمۃ الحق پر آمادہ کیا۔ صرف خدا پر اعتماد نے آپ کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ حوصلہ نے جرأت پیدا کی۔ جرأت سے ہمت بندھی۔ ہمت نے قوی دل کر دیا۔ دل نے نعرہ حق بلند کرنے پر اکسایا۔ آپ نے کفرستان میں۔ بت پرستوں کے مجمع میں بتوں کی مذمت کی اور توحید کی اشاعت و تبلیغ فرمائی۔

اگرچہ آپ کو تبلیغ میں اس وقت کامیابی نہ ہوئی اور کسی نے بھی توحید کا اقرار نہ کیا۔ ایک شخص بھی بت پرستی سے تائب نہ ہوا۔ لیکن آپ نے پیغام خدا اس کے بندوں تک پہنچا دیا۔ توحید کی آواز سے بت پرستوں کے کان آشنا کر دیئے۔

آپ کوہ صفا سے واپس لوٹ آئے۔ آپ کو ایک گونہ مسرت تھی۔ کہ آپ نے بت پرستوں کے مجمع میں خدا کا نام لے دیا۔

چونکہ اب مسلمان کی تعداد بڑھ گئی تھی یعنی ۴۰ تک حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اس لیئے آپ نے انہیں بھی تبلیغ اسلام پر مامور فرماتے ہوئے تاکید کر دی کہ دین حق کی اشاعت کریں۔ اس کے بعد سب کے سب اس کار خیر میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

ایک روز آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ ضیافت کا سامان کرو اور تمام قریبی رشتہ داروں کو دعوت دے آؤ۔

حضرت علی کرم نے ضیافت کا اہتمام کیا۔ اور تمام رشتہ داروں کو دعوت

دے آئے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں لوگوں کی آمد آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ۔ ولیدؓ۔ ابولہبؓ۔ ابوجہل۔ ابوطالبؓ اور بہت سے لوگ آئے۔ سب کے سامنے کھانا چنا گیا۔ سب نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو آنحضور صلعم کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا۔

میرے بزرگو! اور عزیزو جو کچھ میں کہوں اُسے ٹھنڈے دل سے سُنو اور اس پر غور کرو۔ یہ خیال نہ کرو۔ کہ اس مذہب کے خلاف میں کچھ کہہ رہا ہوں۔ جو تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مذہب ہے۔ غور اس پر کرو۔ کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے یا غلط

دیکھو تم بتوں کو پوجتے ہو۔ بتوں کو انسانوں نے بنایا ہے۔ زیادہ تر بت پتھر کے تراش کر بنائے گئے ہیں۔ کوئی بت انسانوں کا ہم شکل ہے۔ کوئی حیوانوں کا اور کوئی جانوروں کی صورت کا ہے۔ سوچو کیا اتنے بھی خدا ہو سکتے ہیں۔ جتنے کہ تم نے بنا رکھے ہیں

اگر دنیا میں اتنے خدا ہوتے تو نظام عالم قائم نہ رہ سکتا۔ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں۔ کہ جتنے بتوں کو تم پوجتے ہو اتنے خدا ہوں۔ یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ یہ پتھر کے بت خدا کے دربار میں شفیع ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ بت بولتے ہوتے تمہاری سنتے اپنی کہتے تب بھی یہ دھوکا ہو سکتا کہ وہ خدا کے دربار میں ہماری شفاعت یا سفارش کریں گے۔ لیکن تم دیکھتے ہو اور خوب جانتے ہو کہ بت نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ پھر وہ سفارش کر سکیں گے۔ لیکن تم دیکھتے ہو اور خوب جانتے ہو کہ بت نہ دیکھتے ہیں۔ نہ سنتے ہی۔ نہ بولتے ہیں۔ پھر وہ سفارش ہی کیا کر سکتے ہیں۔ خدا تو وہ ہے۔ جس نے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ پیدا کیا ہے۔ جو خالق عالم اور رزاق مطلق ہے۔ جسکے ہاتھ میں عزت و ذات و فنا و بقا ہے۔

انا اقول ان الہی ہو اللہ الذی لا الہ الا ھو اب السموات والارض یحیی ویمیت ویفعل ما یرید۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ اللہ میرا معبود ہے۔ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے وہ آسمان وزمین کا رب ہے۔ جسے چاہے زندہ رکھے اور جسے چاہے مار دے لوگو! بہت دنوں گمراہی میں پڑے رہے۔ غفلت کی نیند سوتے رہے اب اٹھو۔ گمراہی سے نکلو۔ خدا کی پرستش کرو۔

تمام لوگ توجہ اور غور سے حضور کی باتیں سن رہے تھے۔ ابولہب پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ کہ کہیں لوگ حضور کی باتوں سے متاثر ہو کر آبائی مذہب چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام نہ ہو جائیں۔ اس لیے اس نے لایعنی گفتگو سلسلہ شروع کر دیا۔ بلاوجہ لوگوں کو مخاطب کر کے زور زور سے باتیں کرنے لگا۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ دھیان دے کر حضورؐ کی باتیں نہ سنیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔ کوئی بھی یکسوئی سے حضور کی باتیں نہ سن سکا۔

صرف یہی نہیں کہ ابولہب نے لوگوں کی توجہ ہٹائی۔ بلکہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔ اس کے کھڑا ہونے کی دیر سے سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایک دو دو کر کے چل دیئے ابولہب سب کے بعد گیا۔

اگرچہ اس دعوت سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لیکن حضورؐ نے خیال نہ کیا اور چند روز کے بعد پھر سب کی دعوت کی گئی۔ آج یورپ کی تعریف ہے۔ کہ اس نے تہذیب وتمدن میں بڑا ہی کمال دکھایا ہے۔ یورپ کے بیشتر حصہ میں تبلیغ کا یہی طریقہ ہے۔ کہ لوگوں کی دعوت کی جاتی ہے اور کھانا کھانے کے بعد تقریریں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ خوشہ چینی کہاں سے کی گئی۔ سب سے پہلے کس نے اس مہذب طریقہ کو ایجاد کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضور صلعم نے یہ طریقہ نکالا پھر کس ملک میں عرب جیسے غیر مہذب ناشائستہ ملک میں۔ جس کا تمدن انتہائے پستی میں تھا

حضور کی دعوت پر سب لوگ پھر جمع ہوئے۔ پھر حضورؐ نے وہی تقریر فرمائی۔ اس بار ابولہب کو گڑبڑ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ بلکہ خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ باقی بھی خاموش

رہ کر سنتے رہے۔ حمد و ثناء قدوس کے بعد حضورؐ نے فرمایا۔

تو! میں خدا کا رسول ہوں۔ پیغمبر ہوں۔ تمہارے پاس خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں سُنو اور مانو۔ اس خدا کے سامنے جھک جاؤ۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ جو تمہیں موت دے گا۔ اور قیامت کے روز پھر زندہ کرے گا۔ ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔ مگر خدا سے ڈرو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ جوا بری چیز ہے۔ زنا بے حیائی ہے۔ چوری اور ڈکیتی شریفوں کا شیوہ نہیں تمام بری باتوں کو چھوڑ دو۔ پاکیزگی اختیار کرو۔ میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس وہ بات لے کر آیا ہوں۔ جس سے اچھی بات کوئی شخص اپنی قوم کی طرف نہیں لایا۔ بتاؤ اس نیک کام میں میرا مددگار ہو گا۔

آج سب نے حضورؐ کی تقریر توجہ سے سُنی۔ جب آپ نے پوچھا کہ کون نیک کام میں مددگار ہو گا۔ تو سب چپ رہے کوئی بھی نہ بولا۔ حضرت علیؓ کرم کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا حضورؐ اگرچہ میں سب سے چھوٹا ہوں۔ کمزور ہوں۔ کسی قسم کی قدرت اور قوت نہیں رکھتا مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ اپنی زندگی کے آخری سانس تک ساتھ دوں گا۔ ابولہب حضرت علی کرم کی گفتگو سن کر ہنس پڑا۔ اس نے بطور استہزاء کہا محمدؐ (علی کرم اللہ وجہہ تیرا) ہاتھ دے گا اب تجھے کیا خوف ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ تم مذاق اڑاتے ہو۔ چند روز مذاق اڑا لو۔ مگر وہ وقت عنقریب ہے۔ جب رو دو گے۔ پچھتاؤ گے۔ آپ نے جوش میں آکر کہا۔ سنو! اور کان کھول کر سنو ایک نہ ایک دن تمام عربستان بتوں کی پوجا چھوڑ کر رہے گا۔ نیز اسلام چمکے گا اور خوب چمکے گا۔ اقصائے عالم میں اس کی منور شعاعیں پرتو فگن ہوں گی۔ دنیا بھر میں خدا کے پوجنے والے چھا جائیں گے

ابولہب ہنستا ہوا اٹھا۔ اُس نے کہا اس وقت ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے آنحضور صلعم بحالتِ جوش تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ابولہب تو کبھی مسلمان نہ ہو گا۔ تیری قسمت میں دولت اسلام نہیں ہے۔ تو میرا چچا ہے۔ میں چاہتا تھا۔ کہ تو مسلمان ہو کر عذاب الٰہی سے بچ جائے لیکن

لیکن افسوس تو دوزخ کا ایندھن رہے گا۔

ابولہب نے کہا۔ تم میرا افسوس نہ کرو۔ اپنی خبر لو۔ یہ کہہ کر ابولہب چلا گیا اس کے ساتھ ہی تمام لوگ بھی چلے گئے۔ آج کی دعوت کا بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔

اب آپ کا یہ معمولی تھا۔ کہ جب نماز کا وقت ہوتا۔ خانہ کعبہ میں جاتے اور نماز پڑھتے نماز پڑھنے کے بعد بت پرستی کے خلاف زور و شور سے وعظ فرماتے۔ اس کفار میں بڑا جوش پھیلا۔ تمام قبائل سخت برافروختہ ہو گئے۔ ہر بت پرست آپ کا جانی دشمن ہو گیا ہر بت کا فدائی آپ کو کینہ طور نظروں سے دیکھنے لگا۔

تمام قبائل نے مل کر ایک مجلس شوریٰ قائم کی سب نے بالاتفاق یہ اقرار داد منظور کی کہ آنحضور صلعم کو اور ان لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ جس قدر بھی تکالیف دی جا سکیں۔

چنانچہ سب سے پہلے آنحضور صلعم پر سختیوں کا آغاز ہوا۔ شروع شروع میں اشرار اور بدقماش۔ کفار۔ گوکھرو۔ کانٹے اور جھاڑ و غیرہ لاتے اور رات کو اس راستہ پر بچھا دیتے۔ جس راستہ سے علی الصباح آں حضور صلعم گزرنے والے ہوتے۔

چونکہ آپ چپل پہنتے تھے۔ اس لیے اکثر گوکھرو اور کانٹے آپ کو تکلیف دیتے۔ جھاڑ دامن مبارک سے الجھ جاتے۔ مگر آپ ایسے حلیم و صابر تھے کہ گوکھرو سمیٹ کر کانٹے اٹھا کر پھینک دیتے۔ اور کبھی کسی سے شکوہ نہ کرتے۔

عربوں کا خیال تھا کہ آنحضور صلعم ان رند سختیوں سے تنگ آ کر بت پرستی کے خلاف جدوجہد بند کر دیں گے۔ لیکن حضور کیسے بند کر سکتے تھے۔ خدا کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ کہ اعلانیہ تبلیغ کرو۔ آپ برابر تبلیغ کر رہے تھے۔

شریر شیطانوں کو اس پر بڑا غصہ آیا۔ اب انھوں نے نہایت گندہ اور گھناؤ طریقہ اختیار کیا رات کو جب حضورؐ اور حضورؐ کے متعلقین ہوتے ہوئے تو گندگی حضورؐ کے بستر پر کھانا پکانے کے برتنوں پر۔ پانی پینے کی چھاگلوں پر پھینک جاتے۔ اس سے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔

ہر روز خود برتنوں کو صاف کرتے۔ کپڑے دہوتے۔ غسل کرتے۔ لیکن صبر و تحمل کا یہ عالم تھا۔ کہ زبان سے کچھ نہ کہتے تھے۔

جب عرصہ اسی طرح سے گذر گیا۔ تو صرف ایک دن اتنا کہا کہ اے بنو عبد المناف یہ اچھا ہمسائیگی کا حق ادا کر رہے ہو۔

بھلا اس بات کا ان پر کیا اثر ہوتا۔ وہ بدستور گندگی پھینکتے رہے اور آنحضور صلعم کو حیران و پریشان کرتے رہے۔

اب شریر اور بدمعاش اور اوباش لوگ کسی قدر اور زیادہ گستاخ ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضور کے سامنے حضور کو برا بھلا کہنا۔ شاعر۔ مجنون عراف کاہن وغیرہ کا خطاب دینا شروع کر دیا۔ آنحضور صلعم جہاں جاتے۔ جس مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر کرتے شریر لوگ وہیں پہنچکر آوازے کسنے شروع کر دیتے اور کسی کو حضور کی باتیں نہ سننے دیتے۔ مگر حضور تھے۔ کہ ان کی کسی بات پر کان نہ دہرتے تھے۔ برابر مجمع میں وعظ و تلقین فرماتے رہتے۔

ایک روز آنحضور خانہ خدا میں نماز گزار رہے تھے۔ عقبہ بن ابی لعیط آ گیا۔ اس نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اس قدر اینٹھا۔ کہ آپ کا دم رکنے لگا۔ آنکھیں ابل آئیں اور روئے مبارک سرخ ہو گیا۔

اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق ادہر آ نکلے۔ آپ عقبہ پر جھپٹے اور اسے دھکیل کر ایک طرف ہٹایا۔ اس عرصہ میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بلند آواز سے کہا

اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ۔

کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے۔ کہ میرا رب اللہ ہے۔

یہ سنتے ہی تمام قریش حضرت ابوبکر صدیق پر جھپٹ پڑے اور ہر چہار جانب سے انھیں زدو کوب کرنے لگے۔ جوش و غصہ سے دیوانے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر میں جواب دینے کی تو کہاں طاقت تھی۔ وہ سینکڑوں تھے۔ یہ تنہا۔ صرف ان کے وار روکنے لگے۔

جب شور وغل زیادہ ہوا۔ تو چند نیک دل لوگ آگئے۔ اور انہوں نے کہہ سن کر حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کو بچایا۔

اسی طرح ایک روز آنحضور صلعم حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے بہت سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔

حضرت حارث بن ابی ہالہ قریب ہی تھے۔ وہ آگئے۔ انھوں نے شریر شیطانوں کو گستاخی سے باز رکھنا چاہا۔ لوگ ان کے اوپر ٹوٹ پڑے اور انھیں اسی جگہ شہید کر دیا۔ آنحضور کو اس کی شہادت کا نہایت افسوس ہوا۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا۔ جس سے زمین رنگیں ہوئی چونکہ حضور تنہا تھے۔ کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ تمام اہل مکہ اس بات کو خوب جانتے تھے اس لیئے اشرار کی گستاخیاں دن بدن بڑھتی جاتی تھیں۔

ایک دن آپ بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ رہے۔ قریش بھی بیٹھے تھے۔ ابوجہل بھی موجود تھا۔ ابوجہل نے کہا۔

باہر ابھی ایک اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اسکی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے۔ کوئی اُسے اٹھا کر لاؤ۔ اور محمدؐ کے اوپر ڈال دو۔

عقبہ بن ابی معیط نے کہا۔ میں لاتا ہوں۔

چنانچہ وہ گیا اور دو آدمیوں کو ہمراہ لیکر اوجھڑی اٹھوا لایا۔ جب آنحضور صلعم سجدہ میں گئے۔ تو اُس نے اوجھڑی حضور کی پشت پر رکھ دی۔

کفار اپنی اس شیطانی حرکت پر کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ اس مجمع میں حضرت عبداللہ بن مسعود بھی موجود تھے۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ دل میں اشرار کی اس حرکت پر لعن و طعن کر رہے تھے۔ مگر کسی کچھ کہنے یا اوجھڑی اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ چپ چاپ کھڑے رہے۔

اتفاقاً حضرت فاطمہ رضؓ حضور کی سب سے چھوٹی لڑکی ادہر آ نکلیں۔ آپ بچہ ہی تھیں اپنے ابا کی یہ کیفیت دیکھ کر بہت خشمگیں ہوئیں۔ انھوں نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اوجھڑی

کو سر کایا اور کھڑے ہو کر تمام کفار کو برا بھلا کہا۔ کسی کو انھیں کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب چاپ چاپ بیٹھے حضرت فاطمہؓ کا پر جلال چہرہ دیکھتے رہے۔ جب سرور کائنات نماز سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی پیشانی چوم کر کہا۔ لخت جگر و جان پدر۔ کیوں انہیں برا کہہ رہی ہو۔ ان کی آنکھیں نہیں ہیں۔ اگر یہ مجھے پہچان لیتے۔ تو ایسی مضحکہ خیز باتیں نہ کرتے۔ تم ان کو برا بھلا نہ کہو۔ بلکہ دعا کرو۔ کہ خدا انہیں دیکھنے اور سمجھنے کی قوت عطا فرماوے۔

اس کے بعد آپ حضرت فاطمہ کو اپنے ہمراہ لے کر گھر واپس چلے آئے۔ شدائد و مصائب صرف یہیں ختم نہ ہو گئے۔ بلکہ دن بدن بڑھتے گئے۔

رفتہ رفتہ کفار کو معلوم ہو گیا۔ کہ کون کون لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ بنا بریں انہوں نے ایک بڑی مجلس شوریٰ منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام قبائل کو مطلع کر دیا گیا۔ دن تاریخ اور وقت مقرر کر دیا۔ اور اس کے بعد نہایت شان و شکوہ سے انعقادِ مجلس کی تیاریاں ہونے لگیں۔

چودھواںؔ باب

"مجلسِ شوریٰ"

جب تک سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہے۔ اس وقت تک تو کفار مکہ کو نہ کوئی فکر ہوا۔ نہ تشویش۔ بلکہ وہ حضور صلعم کی باتوں پر مسخر اڑاتے رہے۔ مذاق کرتے رہے۔ سمجھتے رہے۔ کہ دو چار روز تک تلقین کر کے آخر خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔ لیکن جب سنا کہ آپ کی تبلیغ سے بہت عرب مسلمان ہو چکے ہیں۔ تو خدشہ ہوا۔ کہ تشویش بڑھنے لگی۔ اور حضور صلعم کے خلاف ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔

اس عرصہ میں حضورؐ پر وحی نازل ہوئی۔ انتم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم۔

(یعنی کہہ دو اے محمد صلعم، کہ تم جن چیزوں کو پوجتے ہو۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہوگے
حضورؐ نے پکار کر یہ آیت شریف سب کو سنائی۔ اس سے کفار اور اشرار کا جوش و غضب اور بڑھ گیا۔ اور وہ نہایت گستاخ و سرکش ہو گئے۔ حضور صلعم پر ناروا تختیوں اور بے جا گستاخیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اس قدر تنگ کیا۔ کہ حضورؐ کو گھر سے نکلنا دشوار ہو گیا۔ مگر حضورؐ نے ان کی گستاخیوں اور تشدد کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ بلکہ بیش از بیش تبلیغ اور تلقین کرتے رہے۔

چونکہ مسلمانوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لئے حضورؐ کو ضرورت لاحق ہوئی کہ کوئی مکان ایسا تجویز کیا جائے۔ جس میں دو گھڑی کے لئے تمام مسلمان روزانہ جمع ہو کر قرآن مجید پڑھا اور یاد کیا کریں۔

چنانچہ ارقم کا مکان جو آبادی سے ایک طرف کوہِ صفا کی تلی میں واقعہ تھا۔ تجویز کیا گیا۔ حضورؐ اس مکان پر تشریف لے جاتے۔ حضورؐ کرم کے ارشادات سنتے۔ نمازیں پڑھتے۔ قرآن مجید یاد کرتے۔ اور خاموشی سے منتشر ہو جاتے۔

اگرچہ مسلمان انتہائی اخفا سے کام لے رہے تھے۔ اہلِ مکہ کے خوف کی وجہ سے نہ کوئی اپنا اسلام ظاہر کرتا۔ نہ ہی علے الاعلان نماز پڑھتا۔ نہ ارقم کے مکان میں کسی کے سامنے جاتا۔ لیکن قریش والوں نے جاسوس مقرر کر دیئے تھے۔ جاسوسوں نے پتہ لگا لیا۔ کہ کون کون مسلمان ہو گیا ہے کہاں مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ انہوں نے سرداران قریش سے سب کچھ بتا دیا۔ جب انہیں مسلمانوں کی تعداد ان کے نام۔ ان کے کوائف معلوم ہوئے۔ تو نہایت غضبناک ہوئے۔ بہت بگڑے۔

اس غیض و غضب کی وجہ یہ تھی۔ کہ جو لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر ان کے غلام تھے۔ یا ان کے مفلس رشتہ دار تھے۔ مگر انہوں نے اپنے غیظ و غضب اور جوش و اشتعال کو اس لئے قابو میں رکھا۔ کہ ابھی تک مجلس شوریٰ منعقد نہ ہوئی تھی۔

وہ چاہتے تھے۔ کہ تمام قبائل کے سرکردہ مل کر جو تجویز کریں۔ اس پر عمل درآمد ہو۔ دن پر دن گزرتے رہے۔ آخر الامر مقررہ دن بھی آ گیا۔ ابولہب کے مکان میں ایک عظیم الشان اجتماع ہوا

سارے قبائل کے معزز لوگ۔ تمام خاندانوں کے سربرآوردہ۔ افراد۔ شرفائے مکہ۔ کاہن عراف وغیرہ سب لوگ جمع ہوئے۔ ان لوگوں میں قابلِ ذکر۔ ابولہب۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ عاص بن وائل اسہمی۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان۔ عقبہ بن ابی معیط۔ عمر بن الخطاب۔ خالد بن ولید۔ حمزہ۔ عباس۔ شیبہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب وہ لوگ تھے۔ جن کا اثر و اقتدار نہ صرف مکہ میں ہی تھا۔ بلکہ مکہ سے باہر سارے حجاز اور تمام عرب میں معزز متفخر سمجھے جاتے تھے۔

جب سب لوگ آ گئے تو باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔ ابوجہل کو سب نے صدر منتخب کیا۔ ابولہب نے کھڑے ہو کر کہا۔

بزرگو اور عزیزو دوستو آج ہم سب اس لیئے جمع ہوئے ہیں۔ کہ ہمارے مذہب کو جو ٹھیس لگائی جا رہی۔ معبودوں کو جو برُا بھلا کہا جا رہا ہے۔ جن بتوں کو ہم اور ہمارے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں۔ اب اُن کی تذلیل کی جا رہی ہے۔ ان کے انسداد کی تدابیر سوچیں قبل اس کے کہ ہم کوئی تجویز پاس کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام واقعات روشنی میں لائے جائیں۔ اب تمام احباب کو معلوم ہے۔ کہ حضرت محمدؐ نے یہ فتنہ اٹھایا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ ہمیشہ سچ بولتا رہا ہے۔ پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتا ہے اور مدت بعید غار حرا میں رہا ہے۔

اُس نے کبھی کسی کو نہیں ستایا۔ اسکی دیانت سے خوش ہو کر قوم نے اُسے امین کا خطاب دے دیا ہے۔ دور اندیش اور سمجھ دار بھی ہے۔ لیکن لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتا۔ میں تمام باتیں اس لیئے بیان کر رہا ہوں۔ کہ ممکن ہے۔ کچھ لوگ اس مجمع میں ایسے بھی ہوں۔ جو ان باتوں کی وجہ سے حضرت محمدؐ کے بہی خواہ ہوں۔ اس لیئے یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم کو ان کی ان تمام باتوں کا اعتراف ہے۔ مگر اب جب کہ حضرت محمدؐ نے بتوں کیخلاف آواز اٹھائی ہے۔ ہمارے مذہب کو برا بنایا گیا ہے۔ ہمارے معبودوں کی تذلیل و توہین

کرتا ہے۔

اس کائنات کا خالق ایسے خدا کو بتاتا ہے۔ جو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ان دیکھے خدا کی پرستش کرے تو کہتا ہے۔ خود کو خدا کا رسول بتاتا ہے۔ متقی اور مجسمہ عبارت پڑھ کر لوگوں کو بہکاتا ہے۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ یا کہنے پر مجبور ہیں کہ اس کے دماغ میں فتور آگیا ہے۔ ہم اُسے عقل مند کہہ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ میرا بھتیجہ ہے لیکن اب میں سمجھتا ہوں۔ کہ میری اس سے کوئی قرابت نہیں رہی۔ یہ مذہب کا معاملہ ہے مجھے اس قدر رنج و قلق ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں اپنے معبودوں کی برائی کرنیوالے کا اپنے ہاتھ سے خاتمہ کر دوں۔

میرے بزرگو! یہ عجیب بات ہے کہ اس نئے مذہب کو بہت سے لوگوں نے اختیار کر لیا ہے۔ مجھے حیرت ہے۔ کہ کسطرح لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی مرتد ہو گئے ہیں۔ اپنے پرانے معبودوں کو چھوڑ کر نئے خدا کے پرستار ہو گئے ہیں۔ تو احتمال ہے کہ کہیں زیادہ لوگ نئے مذہب کو اختیار نہ کریں۔ خوش قسمتی سے اس وقت تمام اکابر قوم موجود ہیں مجھے یقین ہے۔ کوئی کوئی ایسی بات سوچیں گے۔ جس سے آئندہ کا خطرہ مٹ جائے۔

ابولہب اس قدر طویل تقریر کر کے بیٹھ گیا۔ اب ابوسفیان کھڑا ہوا اور اُس نے کہا ہمارے لئے کس قدر غیرت و شرم کی بات ہے کہ ہمارے سامنے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا جائے اور ہم چپ چاپ بیٹھے دیکھا کریں۔ کیا ہم اس قدر نامرد و بزدل اور بے حس ہو گئے ہیں۔ کہ ہمارے معبودوں کی اہانت سے بھی ہمارے دلوں میں حرارت و طبائع ہیں۔ جوش دماغوں میں جذبہ انتقام پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہماری بے حسی کی حد ہو گئی۔ تو ہم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے یا تو جوش و حمیت سے اٹھو۔ اپنے معبودوں کی برائی کرنے والے کا خاتمہ کر دو یا اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے کاٹ کر مر جاؤ۔ ابوسفیان خاندان بنو اُمیہ میں سے تھا۔ بنو اُمیہ

خاندان بنو ہاشم کا حریف تھا۔ ایک آدمی یہ کیسے دیکھ سکتا تھا۔ کہ ایک ہاشمی کا اثر و اقتدار ہے۔ آنحضور صلعم ہاشمی تھے۔ اس لیئے ابوسفیان نے اشتعال آمیز تقریر کر کے لوگوں کے دلوں کو گرما دیا۔

ابوسفیان کی تقریر نے تمام لوگوں میں جوش و اشتعال پیدا کر دیا۔ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ ہم کیوں مریں اپنے معبودوں کی اہانت کرنے والے کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔

حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا۔ ٹھہرو۔ سوچ سمجھ کر باتیں کرو۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہمارے معبودوں کو باطل قرار دینے والا۔ بت پرستی کی مذمت کرنے والا محمدؐ ہے۔ جو قبیلہ بنی ہاشم سے ہے۔ قبیلہ بنی ہاشم قریش کا سب سے زیادہ متفخر قبیلہ ہے۔ تمام قبائل اس قبیلہ کا احترام کرتے ہیں۔ سارے عرب میں یہ قبیلہ معزز سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے۔ تو خاندان ہاشم ان کا انتقام لینے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ہاشمیوں نے اُن کا ساتھ دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ایک مرتبہ پھر تمام عرب میں جنگ و پیکار کی چنگاریاں روشن ہو کر بھڑک اٹھیں گی۔ اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنگ و جدول کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کس قدر خاندان برباد ہو جائیں گے اور کس قدر قبائل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کہ آپ فجارؔ کی یاد پھر تازہ کرنا چاہتے ہیں

لہ حرب فجار ۵۸۵ء میں ہوئی اس کا نام معرکہ فجار کیوجہ سے رکھا گیا ہے۔ کہ جنگ محرم الحرام میں لڑی گئی تھی۔ عربوں میں مہینہ قابل احترام تھا۔ اس مہینہ میں لڑنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ مشہور جنگ اس طرح شروع ہوئی کہ اس مہینہ یعنی محرم مقام عکاظ میں ہر سال میلہ لگتا تھا۔ قبیلے عرب کے لوگ اس میلہ میں آ کر شریک ہوتے تھے۔ مشاعرے منعقد ہوئے گھوڑ دوڑ ہوتی۔ پہلوانوں کی کشتیاں اور فن سپاہگری کے دنگل ہوتے۔ تاجر آتے تو بڑا شاندار میلہ ہوتا۔ اس میلہ میں کسی معمولی جھگڑے پر قبیلہ قریش کے مابین چھیڑ چھاڑ ہو گئی۔ چونکہ ہر دو قبائل جنگجوئی میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ معرکہ کا اندازہ گر گیا بڑی خون ریز لڑائی ہوئی۔ پھر بھی یہی لڑائی اسوقت پر یہ لڑائی ختم ہو گئی ہو۔ بلکہ مدتوں جاری رہی۔ یہ جنگ آگے چل کر چار بڑی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ بن گئی۔ چنانچہ قبائل میں دھڑا بندی ہو گئی۔ قبیلہ ہوازن کیساتھ قیس اور عیلان کے قبائل مل گئے۔ قریش کیساتھ کفار کے تمام قبائل شامل ہو گئے۔ اب خون ریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسوقت حضور کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ اپنے چچا زبیر عبدالمطلب کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔ اس لڑائی میں بعض سرداروں نے اپنے پاؤں میں زنجیریں اس لیئے ڈال رکھی تھیں سالار اعظم آنحضور صلعم کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ مدتوں اسکی یاد تازہ رہی تمام عربی قبائل کا اس جنگ میں نقصان ہوا گیا تھا۔ مگر عربوں کی جنگجو فطرت میں اس جنگ سے بھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ (از تاریخ اسلام)

یہ دانشمندی نہیں ہے ابوجہل نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا۔ تو کیا ہم محمدؐ سے کوئی تعرض نہ کریں۔ اور انھیں اپنے معبودوں کی توہین اسی سرگرمی کے ساتھ کرنے دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ کم سے کم میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ قتل کر دیئے جائیں۔ اس سے بڑے فتنہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ انھیں سمجھاؤ۔ ان پر سختیاں کرو۔ لیکن قتل نہ کرو۔

ابوجہل۔ اور جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

حضرت عمرؓ۔ وہ جن لوگوں کے رشتہ دار یا غلام ہیں۔ وہی لوگ ان پر اس قدر سختیاں کریں۔ کہ وہ نئے مذہب سے سدگرداں ہو کر پھر اپنے معبودوں کی طرف جھک آئیں۔

ولید بن مغیرہ نے کہا۔ مشورہ تو مناسب ہے۔ میں اس تجویز میں اس قدر اضافہ اور اور کرتا ہوں اور جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ ان پر عوام کے سامنے سختیاں کی جائیں۔ تاکہ دوسروں کے لیئے عبرت ہو اور پھر کوئی مسلمان ہونے کی جرأت کر سکے۔

عیاص بن وائل سہمی نے کہا۔ میرے خیال میں یہ تجویز نہایت مناسب ہے۔ میں اس تجویز میں اس قدر اضافہ اور کرتا ہوں۔ اس وقت تک جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر غلام اور مفلس لوگوں کی ہے۔ جب ان پر سختیاں ہوں گی۔ تو وہ اپنے آبائی مذہب کی طرف راغب ہو جائیں گے۔ اور چونکہ لوگوں کو ان کی حالت دیکھ کر عبرت ہو گی۔ اس لیئے پھر کوئی نئے مذہب کو اختیار نہ کرے گا۔

سب نے اس تجویز کی پسند و تائید کی اور بالاتفاق یہ طے پا گیا کہ مسلمانوں پر عوام کے سامنے اس قدر سختیاں کی جائیں کہ وہ مجبور ہو کر اسلام کو چھوڑ دیں اور اپنا آبائی مذہب اختیار کریں۔

اس قرارداد کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے کہا۔ اب ان لوگوں کے نام بتا دیئے جائیں جو مسلمان ہو چکے ہیں۔ ابوجہل نے کہا۔ میں نے جب تک ہو سکا مسلمانوں کی فہرست تیار کر لی ہے

ان میں صرف ایک دو ہی ایسے معزز لوگ ہیں جن کا ہم کچھ نہیں بگاڑ سکتے ورنہ سب کے سب ہمارے قابو کے ہیں۔ اور ہم اُن پر خاطر خواہ سختیاں کر سکتے ہیں۔ جو نام مجھے اس وقت تک معلوم ہو سکے۔ میں بتاتا ہوں۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق۔ حضرت علی کرمؓ۔ حضرت عثمان۔ یہ لوگ تو شرفائے قریش سے ہیں۔ اور ان لوگوں پر سختیاں کرنا دشوار ہے۔

ایک ضعیف العمر شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ ان میں سے ایک عثمان ہے جو میرا بھتیجہ ہے اگر اُس نے اسلام نہ چھوڑا۔ تو میں اُسے مارتے مارتے مار ڈالوں گا۔

یہ ضعیف العمر حضرت عثمان بن عفان کا چچا تھا۔ لوگوں نے اُس کے جوش کی تعریف کر کے اُسے حضرت عثمان پر سختیاں کرنے کے لیے اُکسایا۔

جب وہ خوب جوش و غضب سے بھر گیا۔ تو ابوجہل نے کہا۔ اب اُن لوگوں کے نام سنو جن پر ہم میں سے کسی نہ کسی کا اثر و حق ہے۔

لوگ پھر اِس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اُس نے کہا۔ خباب بن الارت ام انمار کا زر خرید غلام (حضرت بلالؓ) امیہ بن خلف کا غلام۔ حضرت عمار اس کے باپ حضرت یاسر اسکی ماں سمیتہ ابو حدیفہ کے پروردہ۔ صہیب عبداللہ بن جدعان کا غلام۔ حضرت ابوفکیہہ صفوان بن اُمیہ کا غلام (حضرت لبنیہ (حضرت) عمرؓ کی کنیز (حضرت زبیرہ) حضرت عمرؓ کے خاندان کی کنیز (حضرت لبنیہ (حضرت عمرؓ کی کنیز (حضرت زبیرہ) حضرت عمرؓ کے خاندان کی کنیز (حضرت نہدیہ اور حضرت ام عبیس خاندان ہاشم کی کنیزیں۔ حضرت زبیر بن العوام

اب تک جن لوگوں کے نام معلوم ہو سکے۔ وہ یہی ہیں۔ میں نے مسلمانوں کے پیچھے جاسوس لگا رکھے ہیں۔ وہ مزید لوگوں کے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے اور جب مزید نام معلوم ہوں گے تو آپ کے سامنے پیش کر دیئے جائینگے اب یہ طے کیجئے۔ کہ ان لوگوں پر سختیاں کب سے شروع کب سے شروع کی جائیں :۔

ابوسفیان نے کہا۔ تعویق و دیر کی ضرورت نہیں۔ کل سے سب لوگ اپنے متعلقین اور

اور متوسلین پر سختیاں شروع کر دیں ۔ اس بڑھتے ہوئے فتنہ کو جس قدر جلد ممکن ہو دبا دینا چاہیے ۔

سب نے اس تجویز کی تائید کی ۔ اس قرار داد کے بعد مجلس شوریٰ ختم ہو گئی ۔ لوگ اٹھے اور اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے ۔ مگر جو لوگ اس مجلس میں شریک تھے ۔ سب کے چہرے غیظ و غضب سے سرخ ہو رہے تھے ۔ ان کے دلوں میں جوش اور طبیعتوں میں اشتعال تھا ۔ انہیں اس قدر غصہ آ رہا تھا ۔ کہ اگر مسلمان اس وقت ان کے سامنے آ جاتا ۔ تو وہ بے دریغ اسے قتل کر ڈالتے ۔ یہ وہ مجلس شوریٰ تھا ۔ جس نے تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت اور جوش و غضب کی لہر دوڑا دی ۔

مسلمان بے چارے چھپتے پھرتے تھے ۔ الغرض اس مجلس! ور مجلس کی وضع کردہ تجاویز کا کچھ بھی علم نہ ہوا ۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا ۔ تو شاید وہ ان لرزہ بر اندام شدائید و مصائب سے بچ جاتے ۔ جو ان پر نازل ہونے والے تھے ۔ مگر خدائے قدوس کو مسلمانوں کی آزمائش مقصود تھی ۔ اس لیے وہ ناواقف رہے ۔

(۱۵)
پندرہواں باب

روح فرسا مظالم

چونکہ تمام قریش ۔ قریش کے سارے قبیلے ۔ دوسرے تمام قبائل دیکھ رہے تھے ۔ کہ ان کے معبودوں کی ۔ جن کی وہ اور اُن کے باپ دادا پرستش کرتے چلے آئے تھے ۔ عظمت دعزت مٹ رہی ہے ۔ اور ملت پرستی خطرہ میں پڑگئی تھی ۔ اس لئے سب کو جوش تھا غصہ تھا ۔ اس جوش اور غصہ نے ان کا دماغی توازن صحیح نہ رہنے دیا تھا ۔ اور عقل و خرد سے بیگانہ کردیا تھا کہ جسطرح سے ممکن ہو ۔ مسلمانوں کو ستا کر دبا کر جادۂ مستقیم سے پھیر دیں ۔ اسلام ترک کرنے پر مجبور کریں ۔ اور پھر انہیں اپنے آبائی مذہب میں داخل کریں ۔ اس خیال نے انھیں ظلم وستم کی طرف مائل کردیا ۔ زبیر رضؓ کا چچا جس وقت اپنے گھر پہنچا تو سخت غضبناک تھا ۔ جب اُس نے حضرت زبیر کو دیکھا ۔ تو لپک کر اس کے سر کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دریافت کیا ۔ بدبخت زبیر ! کیا تم بھی مسلمان ہوگئے ہو ۔

حضرت زبیر رضؓ نے ملائمت سے جواب دیا ! یا عم ہاں میں مسلمان ہوگیا ہوں ۔ اُن کے چچا کو بڑا غصہ آیا ۔ انھوں نے ان کے سر کے بال اس زور سے کھینچے کہ حضرت زبیر کے آنسو نکل آئے ۔ بڈھے چچا نے کہا او ننگ خاندان تم مسلمان کیوں ہوگئے ہو ۔

اگرچہ حضرت زبیر جوان تھے ۔ طاقت ور تھے چاہتے تو چچا کو اٹھا کر پھینک دیتے لیکن وہ اپنے چچا کا احترام کرتے تھے ۔ اپنے بزرگ کی شان میں گستاخی کی ہمت نہ ہوئی آہستہ سے بولے ! یا عم اسلام توحید کی تعلیم دیتا ہے ۔ میں اپنے ہاتھوں سے تراشے ہے

پتھر کے خداؤں کو چھوڑ کر اس خدا کا پرستار بن گیا ہوں۔ جو خالقِ کائنات ہے اور جس کے حکم کے بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ ان کے چچا کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے کہا

سُن! کان کھول کر سن!! یا تو تو اسلام چھوڑ دے۔ ورنہ میں تجھے ایسی سخت سزا دوں گا۔ کہ لوگ تیری حالتِ زار پر افسوس کریں گے۔

حضرت زبیر کہا یا عم! اور جو آپ فرما دیں۔ بسر و چشم قبول کرنے کو تیار ہوں مگر اسلام کو چھوڑوں یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔

یہ سن کر اُن کے چچا کو طیش آیا۔ اُس نے کہا۔ تیری اس قدر جرأت...... اچھا دیکھوں تو کیسے اسلام کو نہ چھوڑے گا۔

یہ کہتے ہی بڈھے نے حضرت زبیر کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ دیا اور اونی کپڑے کی مشعل بنا کر اُسے جلایا اور حضرت زبیر کی ناک میں دھواں دینا شروع کیا۔ جب تک ممکن ہوا حضرت زبیر نے سانس روکے رکھا۔ لیکن کب تک روکتے۔ آخر نہ روک سکے اور دھواں دماغ میں پہنچا۔ اس لیئے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اگر آپ دھوئیں کی طرف سے منہ پھیرنا چاہیئے تو ظالم چچا ان کے سر بال پکڑ کر پھیر دھوئیں کی طرف کر دیتا۔

دھوئیں سے آپ کو اس قدر تکلیف پہنچی کہ آپ پر غشی کی حالت طاری ہو گئی اُن کے چچا نے اُن کی یہ حالت دیکھ کر کہا۔ بدبخت زبیر رضؓ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ توبہ کر لے اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔

بڑھے کو ان کے اس جواب سے تعجب بھی ہوا اور غصہ بھی اس قدر آیا کہ اپنے ہاتھ اپنے ہی دانتوں سے کاٹنے لگا۔ اس نے کہا۔ دیکھوں گا۔ کہ تو کب تک اسلام کو نہیں چھوڑے گا۔

یہ کہہ کر اُس نے دھواں اور ناک کے قریب کر دیا۔ اُس دھوئیں سے حضرت زبیر رضؓ کو اس قدر تکلیف ہوئی کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے ظالم چچا کو بے ہوش پڑے تھے۔ نہ کسی نے انہیں اٹھایا۔ نہ ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

جس وقت حضرت زبیر پر یہ سختی گزر رہی تھی۔ اسی وقت عثمان بن عفان کو ان کے چچا نے بلا کر دریافت کیا۔ لخت جگر کیا یہ سچ ہے۔ کہ تو مسلمان ہو گیا ہے؟ حضرت عثمان نے جواب دیا۔

یا عم! یہ صحیح ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں۔ کہ اس خبر سے آپ کے دل کو تکلیف پہنچی ہوگی۔ لیکن آپ جہاں دیدہ ہیں۔ سوچیے ہم آج تک کس گمراہی میں مبتلا رہے ہیں۔ ہم! اور ہمارے آباؤ اجداد پتھر کے ان بتوں کو پوجتے رہے ہیں۔ جو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تک کو نہیں اڑا سکتے۔ کیا خدا ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہم جہاں انھیں اٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔ پڑے رہتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو ہم ان کے مالک ہیں۔ ہم نے ان کو پتھر تراش کر بنایا ہے۔ وہ خدا ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یا عم خدا تو وہ ہے جس نے دنیا جہاں کو پیدا کیا ہے۔ جو دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ زندگی اور موت پر قادر ہے واللہ علیٰ کل شیً قدیر۔ یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ سن کر ان کے چچا کو بے حد غصہ آیا اور اس نے کہا۔

اللہ قادر ہے۔ ہر چیز پر! کم بخت تو ان دیکھے خدا کو پوجتا ہے۔ بیوقوف اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ کر نئے مذہب کا پرستار بن گیا ہے۔ یا تو اس مذہب کو چھوڑ دے اور نئے مذہب کا پرستار بن گیا ہے۔ یا تو اس مذہب کو چھوڑ دے۔ ورنہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

حضرت عثمان نے کہا! چچا! کیا تم جانتے ہو کہ جس شخص نے تمام عمر اندھیرے میں گزاری ہو اور اب اسے روشنی مل گئی ہو۔ وہ روشنی کو چھوڑ کر پھر اندھیرے میں جا پڑے ایک عقل مند آدمی کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔

ان کے چچا کو یہ سن کر طیش آیا۔ اور اس نے کہا اچھا تو اندھیرے سے روشنی میں آگیا ہے۔ دیکھ! یہ روشنی ہی تیری موت کا پیغام ثابت ہوگی۔

یہ کہہ کر اس نے حضرت عثمان کو کھجور کی رسیوں سے جکڑ کر دُرّے سے بے دریغ پیٹنا شروع

کردیا۔ اور اس قدر پیٹا کہ آپ کا تمام بدن لہو لہان ہوگیا۔ حضرت عثمانؓ بڑے متمول تھے ذی عزت تھے۔ آپ کے بہت سے ملازم اور غلام تھے۔ آپکو ملازمین اور خدام کے سامنے زدو کوب کیا گیا تھا۔

مطلب اس سے صرف یہ تھا۔ کہ کسی طرح غیرت آئے اور اسلام کو چھوڑ دیں۔ مگر آپ پٹتے رہے۔ تمام بدن مجروح ہوگیا۔ سخت تکلیف ہوئی۔ آپ نے تکلیف برداشت کرنے کے لئے ہونٹوں کو دانتوں میں دبالیا۔

آہ تو آہ! اُف تک بھی نہ کی اور اسلام کو چھوڑنے کا وسوسہ تک پیدا نہ ہوا۔ آپ اگر کچھ کہا تو صرف یہ کہ "میرے جسم کے ٹکڑے کرڈالو۔ چاہے جس قدر اذیتیں دو۔ لیکن یہ نہ ہوگا۔ اور ہرگز نہ ہوگا۔ کہ میں اسلام کو چھوڑ دوں۔ میں زندگی کے آخری سانس تک مسلمان ہی رہوں گا۔

ان کے چچا آپ کی اس بات پر اور بھی برہم ہوئے اور اُس نے پوری طاقت سے عثمان کو مارنا شروع کردیا۔

چمڑے کا درہ تھا۔ بدن کے جس حصہ پر پڑتا تھا کھال ادھیڑ دیتا تھا۔ تمام بدن زخموں سے چور تھا۔ اور تمام جسم سے فوارہ کی طرح ابل رہا تھا۔ سنگ دل سے سنگ دل کو بھی ان کی حالتِ زار پر رحم آنے لگا تھا۔ اگر رحم نہ آیا۔ تو ان کے ظالم اور وحشی چچا کو وہ برابر آپ کو مارتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ اب بے رحم چچا نے کہا۔ اسے لے جاکر ایک کوٹھڑی میں بند کردو۔ کل پھر اس کو سزا دی جائیگی۔

غلاموں نے حضرت عثمان کو لے جاکر ایک تاریک و تار کوٹھڑی میں ڈال دیا۔ دوسرے دِن پھر انہیں نکالا۔ اور پھر زدوکوب کرنا شروع کیا۔ آپ کو اس وقت تک مارا جب تک اس کے بدن میں طاقت رہی۔ جب وہ تھک گیا۔ تب چھوڑا۔"

آج تمام مکہ میں پرجوش کفار کے گروہ گلی گلی پھر رہے تھے آج کا دِن مسلمانوں پر

سختیاں کرنے کے لئے مقرر تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے ملازموں کی تاک جھانک میں گھر سے نکلا تھا۔
مسلمان کمزور تھے۔ بے کس تھے۔ بے بس تھے۔ مکہ کا بچہ بچہ ان کا دشمن تھا۔ انہیں خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ کہ ان پر مکہ کے وحشی باشندے صبر آزما سختیاں کرینگے۔ وہ درندگی اور بربریت کا نشانہ بنیں گے۔ اور ان پر انتہائی ظلم و ستم کئے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ بڑے بہادر اور نہایت سخت تھے۔ آپ کی بہادری ضرب المثل تھی۔ تمام قبائل آپ کی شجاعت و بسالت کے قائل اور مداح تھے۔ آپ کو معلوم ہو چکا تھا۔ کہ آپ کی کنیز لبنیہ مسلمان ہو گئی ہے۔ آپ اس مسلمہ کے بال پکڑ کر باہر کھینچتے ہوئے لائے۔

آپ نے غیظ و غضب میں بھر کر دریافت کیا۔ بدبخت کنیز کون سے لالچ نے تجھے مسلمان ہونے پر آمادہ کیا۔

لبنیہ پہلے تو ڈری۔ عورت ذات تھی۔ کمزور تھی۔ کنیز تھی۔ گھبرا گئی۔ مگر جب حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا۔ کہ کون سے لالچ سے وہ مسلمان ہوئی ہے۔ تو اُسے جوش آ گیا۔ اس نے جواب دیا۔ یا عمر! کسی حرص و آز نے مجھے مسلمان ہونے پر نہیں اُکسایا۔ حضرت محمدؐ کوئی مالدار نہیں ہیں۔ حاکم نہیں ہیں۔ ان کے پاس کیا رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ پھر تو مسلمان کیوں ہوئی۔ لبنیہ نے جواب دیا۔ اس لئے کہ اسلام صرف ایک خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہے۔ بتوں کی پوجا سے منع فرماتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے غضبناک ہو کر کہا۔ بے وقوف عورت! خیالی خدا کو پوجتی ہے۔ کم بخت! کمینی اسلام کو چھوڑ دے۔

لبنیہ نے عاجزی سے کہا۔ میرے آقا یہ نا ممکن ہے!

حضرت عمرؓ کو غصہ آیا۔ انہوں نے اُسے مارنا شروع کیا۔ ایک کمزور عورت ایک طاقتور مرد کی کیسے مار برداشت کرتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک گئے۔

آپ ایک طرف بیٹھ گئے۔ اور کنیز سے بولے۔ لبنیہ! میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ اس لئے چھوڑ دیا ہے۔ کہ میں تھک گیا ہوں۔ زندگی چاہتی ہے تو اسلام کو چھوڑ دے

لبنیہ نے استقلال بھرے لہجہ میں جواب دیا۔ یا عمرؓ اگر تم میری بوٹی بوٹی تک اڑا دو۔

ہڈیاں توڑ دو۔ تو بھی یہ غیر ممکن ہے۔ کہ میں اسلام کو چھوڑ دوں۔ میں تم سے عاجزی کے ساتھ کہتی ہوں۔ کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔

حضرت عمرؓ کو اس کے اس جواب پر بڑا طیش آیا۔ اگرچہ وہ کنیز کو مارتے مارتے تھک گئے تھے۔ لیکن اسکے جواب پر بڑا طیش آیا۔ اگرچہ وہ کنیز کو مارتے مارتے تھک گئے تھے۔ لیکن اسکی گفتگو سے انھیں اس قدر اشتعال آیا کہ انھوں نے پھر اُسے مارنا شروع کر دیا۔

جب لبنیہ پیٹی جا رہی تھی۔ بہت سے لوگ اس کے گرد آ آ کر جمع ہو گئے تھے اور ہر شخص اُسے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ گالیاں دے رہا تھا۔ لیکن نہ اُسے کسی کی گالیوں کی پرواہ تھی نہ مار کی۔

وہ بے زبان جانور کی طرح پیٹی جا رہی۔ یہاں تک کہ وہ بے دم ہو کر گری اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئی۔

اس جگہ کافی مجمع ہو گیا تھا۔ لوگ بڑے جوش اور غصہ میں بھرے ہوئے کھڑے کنیز کے پٹنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک طرف سے ایک عظیم شور و غل کی آواز آئی۔ لوگ اس طرف دیکھنے لگے ادھر سے سینکڑوں آدمی ایک سیاہ رنگ کے شخص کو رسی میں جکڑے ہوئے لاتے نظر آئے اس مجمع نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ حضرت بلال تھے ان کے ساتھ اشرار کفار کا انبوہ کثیر تھا۔ سب کے سب جوش و غضب سے دیوانے بنے ہوئے تھے۔ حضرت بلال کو گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ لات۔ مکے۔ گھونسے۔ کھجوروں کی

تھیلیاں. چمڑے کے سانٹے مارتے آرہے تھے۔ بعض بعض لوگ کنکر اور پتھر بھی مار رہے تھے ایک جلیل القدر شخص اُن کے ساتھ تھا۔ یہ امیہ بن خلف تھا۔ حضرت بلال اُس کے غلام تھے وہ آواز دے کر کہہ رہا تھا۔ مارو اس بدبخت کو خوب مارو۔ یہ مسلمان ہو گیا ہے۔ باغی اور غدار ہے۔

جب وہ مارنے کے لیے کہتا۔ تو لوگ زور زور سے ان کو مارتے حضرت بلال پِٹ رہے تھے۔ آپ کا تمام بدن زخمی ہو گیا تھا۔ زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر آپ تھے کہ زخموں کی پرواہ نہ تھی۔ اور نہ خون نکلنے کا وسواس تھا۔ نہ آپ کے لبوں پر آہ تھی۔ نہ کسی کا شکوہ اور نہ چہرہ سے کسی قسم کا حزن و ملال ظاہر تھا۔ جب آپ کے کوئی پتھر آکر لگتا۔ یا کوئی گھونسہ یا لات مارتا۔ تو آپ نعرہ لگاتے۔ احدٌ احد اللہ حد اللہ الصمد یعنی اللہ ایک ہے اللہ پاک ہے۔

جب آپ احد کا نعرہ لگاتے اللہ احد کہہ کر پکارتے تو کفار سخت غضبناک ہو کر ان پر پہلے سے زیادہ تیروں اور پتھروں کی بارش کرتے۔ آپ کہتے مارو۔ مجھے خوب مارو میں مسلمان ہوں۔ ایک خدا کا پرستار ہوں۔ خدا نے مجھے اس لیئے پیدا کیا ہے۔ کہ میں اس کا نام لوں اور پٹوں۔ خدا کی قسم اس پٹنے میں بھی لذت ہے۔ مارو مجھے مارتے مارتے مار ڈالو

اِنسے وحشی۔ سنگدل۔ درندہ صفت انسانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا۔ جو اُن پر رحم کھاتا۔ بے رحم بھیڑیوں سے انہیں بچاتا۔ سب وحشی درندے تھے۔ وحشیانہ طریقہ پر پتھر مار رہے تھے۔ اس وقت آفتاب نصف النہار پہنچ گیا تھا۔ اس کی شعاعیں سیدھی ہو کر تیر کی طرح بدنوں میں پیوست ہوتی جاتی تھیں۔ اور در و دیوار تپنے لگے تھے۔ ریت اس قدر گرم ہو گیا تھا۔ کہ اس پر ننگے پیروں چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ یہ لوگ حضرت بلال کو گھسیٹتے ہوئے مکہ سے باہر لے گئے۔ انہیں تپتے ہوئے ریت پر کھڑا کیا۔ کپڑے اتار کر ننگے جسم کر دیئے گئے جس قدر جس سے مارا گیا مارا۔ پھر جلتے ہوئے ریت پر لٹا دیا گیا

ایک بڑا پتھر آپ کے سینہ پر رکھ دیا۔ تاکہ آپ کروٹ لے کر ریت کی سوزش اور تپش سے بچنے کے لیئے کوشش نہ کر سکیں۔

آپ چت پڑے ہوئے تھے۔ وزنی پتھر جسکو کئی آدمیوں نے اٹھا کر آپ کے سینہ پر رکھ دیا تھا۔ سینہ پر دھرا ہوا تھا۔ آپ حرکت تک نہ کر سکتے تھے۔ بدن جھلس رہا تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث زبان اور تالو میں کانٹے سے جم گئے تھے۔ مگر آپ صبر و شکر سے یہ تمام سختیاں برداشت کر رہے تھے۔ اُف بھی نہ کرتے تھے۔ اگر کبھی نعرہ لگاتے تھے تو وہی اَحَد کا لفظ پکارتے تھے۔ تو اُس خدا کو جسکی عظمت و جلال کے وہ قایل تھے۔ کفارِ مکہ کو اگر ضد تھی تو اَحَد کے نام سے

جب حضرت بلال اَحَد کا نعرہ لگاتے اللہ الصَّمَد کہتے۔ کافروں کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ برافروختہ ہو جاتے۔ پتھر مارتے سینہ پر رکھے ہوئے پتھر پر کھڑے ہو جاتے۔

اُمیہ بلند آواز سے کہتا۔ بلال چھوڑ دے۔ اس کلمہ کو چھوڑ دے اسلام کو چھوڑ دے تجھے آزاد کر دوں گا۔ تجھے دولت دوں گا۔ تو عزت کے ساتھ آرام کے ساتھ عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

حضرت بلالؓ کہتے ہیں اُمیہ! میں جب تک زندہ ہوں۔ اَحَد کا نعرہ لگاتا رہوں گا۔ اسلام میری رگ رگ میں بس گیا ہے۔ جب تک رگوں میں خون جاری ہے اسلام کا حلقہ بگوش رہوں گا۔ کوئی لالچ مجھے اسلام سے نہیں پھیر سکتا۔ اُمیہ غضبناک ہوتا۔ وہ کفار کو اشارہ کرتا۔ اور کافر حضرت بلالؓ کو گھیرتے۔

جسوقت حضرت بلالؓ پر یہ سختیاں اور صبر آزما ستم ہو رہے تھے۔ اسی وقت ان کے قریب ہی صہیب بھی رسیوں سے بندھے جکڑے پڑتے تھے۔ قریش ان کو مارتے تھے۔ انھیں چت لٹایا ہوا تھا۔ اور ان کے سینہ پر دو قوی ہیکل عرب کھڑے تھے اور وہ دونوں کہہ رہے تھے کہ صہیب خدا کا نام مت لے زندگی چاہتا ہے تو محمد کو

معبود مان۔ ان کی خدائی کا اقرار کر اور اہی کے آگے سر جھکا۔ حضرت صہیب سخت تکلیف میں تھے جلتے ہوئے ریت پر پڑے تھے۔ ننگا بدن تھا۔ گرم ریت نے تمام بدن میں سوزش پیدا کر دی تھی۔ انھیں مارا جا رہا تھا۔ ان کے سینہ پر دو آدمی کھڑے تھے۔ پسلیاں دبی جا رہی تھیں۔ موت اور زندگی کا سوال تھا۔ لیکن اسلام نے ان کے دل کو اس قدر سخت کر دیا کہ باوجود اس قدر تکالیف کے زبان سے یہی نکلتا تھا۔ کہ مرتے دم تک اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ تم مارو۔ یہاں تک مارو کہ میں مارتے مارتے مر جاؤں۔

قریش اس نعرہ حق کو سن کر مزید غضبناک ہوتے اور انھوں نے انکے سر کو پتھروں سے کچلنا شروع کر دیا۔ آپ کا سر پھٹ گیا۔ خون کا پرنالہ بہہ گیا اور حواس منتشر ہو گئے بے ہوش ہو گئے۔ آپ نے بے ہوشی کے عالم میں پانی مانگا۔ ان درندہ صفت انسانوں کے پاس بہائم صفت لوگوں میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا۔ جو ایک بیکس اور بے بس مسلمان کے گلہ خشک میں پانی کے چند قطرے ٹپکا دیتا۔

حضرت صہیب بے دم ہو گئے۔ ان کے چہرہ پر زردی چھا گئی۔ آنکھیں حلقوں میں دھنس گئیں۔ جسم بے حرکت ہو گیا۔ مگر سانس ابھی تک آ رہا تھا۔

کفار مکہ کو مسلمانوں سے کچھ ایسی کدسی ہو گئی تھی۔ کہ اُن کے بے ہوش ہو جانے پر بھی انہیں اُن پر رحم نہ آتا تھا۔ وہ انتہائی سنگدلی۔ انتہائی بربریت انتہائی شقی القلبی سے انھیں برابر تکالیف دیئے جا رہے تھے۔

مسلمان تختہ مشقِ جفا بنے ہوئے تھے۔ خدا کی وسیع زمین ان پر تنگ ہو رہی تھی۔ انتہائی سختیاں ان پر کی جا رہی تھیں۔ مگر ان پر اسلام کا ایسا گہرا رنگ چڑھ گیا تھا۔ جو شدائد و مصائب برداشت کرنے پر بھی نہ اترتا تھا۔ کوئی سختی بھی ان کو جادہ مستقیم سے متزلزل نہ کر سکی۔

جس جگہ مسلمانوں پر سختیاں کی جا رہی تھیں۔ وہاں کفار مکہ کا انبوہ کثیر جمع تھیں۔ عورتیں

مرد۔ بچے۔ ہزاروں کی تعداد میں کھڑے تھے۔ اگرچہ دوپہر کا وقت تھا۔ اور دھوپ اس قدر تیز تھی۔ کہ دماغ تک پگھل رہے تھے۔ ریت اس قدر گرم ہو گیا تھا۔ کہ ننگے پیر چلنے والوں کے تلوؤں میں اُبلے پڑ گئے تھے۔ اور گرم و تند ہوا کے جھونکے جسموں کو جھلسے دیتی تھی لیکن کفار مکہ تھے۔ کہ جنہیں مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے سے کچھ ایسا حظ حاصل ہو رہا تھا۔ کہ وہ گرم ریت پر کھڑے ہوئے ظلم و ستم کر رہے تھے تیز دھوپ اور گرم ہوا کی پرواہ نہ کرتے تھے

جب حضرت صہیب کو ہوش ہوا تو انہوں نے اس طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس طرف سے سو سوار کفار تین مسلمانوں اور ایک عورت کو گھسیٹ کر لاتے ہوئے نظر آئے۔ بہت سے اشرار و کفار آ رہے تھے۔ ان میں ایک حضرت ابو فکیہہ رضؓ تھے۔

حضرت ابو فکیہہ رضؓ کے پاؤں میں رسی بندی ہوئی تھی۔ چند آدمی اس رسی کو کھینچے ہوئے لئے آ رہے تھے۔ حضرت ابو فکیہہ رضؓ لمبے پڑے ہوئے گھسٹتے چلے آ رہے تھے۔ آپ برہنہ جسم کئے ہوئے تھے۔ تمام جسم اوچھل رہا تھا۔ زخموں پر گرم ریت چپک گیا تھا۔ جو انتہائی تکلیف دے رہا تھا۔ جب ان شیطانوں کا گروہ حضرت بلال رضؓ کے قریب آیا۔ تو ایک گُبریلا نکل آیا۔

اُمیہ اس جگہ کھڑا تھا۔ اُس نے آواز دے کر ازراہِ تمسخر کہا

ابو فکیہہ رضؓ! دیکھ! تیرا خدا یہ ہے۔

ابو فکیہہ نے سر اٹھا کر گبریلہ کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ اُمیہ تمسخر نہ اڑاؤ۔

میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ جس نے مجھے تجھے اور اس کائنات کو جس میں تو اور میں رہتے اور سانس لیتے ہیں پیدا کیا ہے۔ اُمیہ نے بگڑ کر کہا۔ بد بخت خدا ہمارے معبود ہیں وہ معبود جن کو ہم اور سارے آباؤ اجداد۔ سارا عرب پوجتے چلے آئے ہیں۔

حضرت ابو فکیہہ نے کہا۔ پتھر کے بُت! اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مجسمے۔ منادر

میں داشتہ ہو تیں خدا نہیں ہو سکتے ۔ خدا تو وہ ہے ۔ جس کے ہاتھ میں موت و زیست کا سوال ہے ۔ جو پانی برساتا ہے ۔ ہوا چلاتا ہے ۔ چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے وہ اکیلا اور وحدہ، لاشریک ہے ۔

یہ سن کر اُمیہ کو بڑا غصہ آیا ۔ وہ جھکا اور حضرت ابو فکیہہ کا گلا پکڑ کر اس زور سے گھونٹا کہ ان کی آنکھیں اُبل آئیں اور چہرہ تمتما گیا ۔ سانس رُک گیا ۔ سب نے سمجھ لیا کہ حضرت ابو فکیہہ کا دم نکل گیا ۔

اُمیہ کھڑا ہوا ۔ کھڑا ہو کر حضرت ابو فکیہہ رضؓ کو دیکھنے لگا ۔ اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا سانس چلنے لگا ۔ چڑھی ہوئی آنکھیں درست ہو گئیں ۔ تھوڑی دیر کے بعد اُنہوں نے آنکھیں کھولیں ۔ کفار انہیں زندہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے ۔ اُمیہ نے کہا ۔ فکیہہ رضؓ! بتا خدا کون ہے ۔

حضرت ابو فکیہہ نے جواب دیا ۔ وہ جس نے مجھے اور تجھے پیدا کیا ہے ۔ اُمیہ نے کہا زبان دراز بدبخت! سختیاں اٹھا رہا ہے ۔ اور خدا کے نام کی رٹ لگائے جاتا ہے ۔

حضرت ابو فکیہہ رضؓ نے جواب دیا ۔ جب تک زندہ رہوں گا ۔ جب تک میرے دم میں دم رہے گا ۔ خدا کا نام لوں گا ۔

اُمیہ نے کہا ۔ لوگو! ابھی اس کا دماغ درست نہیں ہوا ۔ ذرا یہ بھاری پتھر تو اس کے سینے پر رکھ دو ۔

ایک بڑا وزنی پتھر قریب ہی پڑا تھا ۔ پانچ چھ من کا تھا ۔ کئی آدمیوں نے مل کر پتھر اٹھایا اور حضرت ابو فکیہہ رضؓ کے سینہ پر رکھ دیا ۔ یہ پتھر گرم تھا ۔ وزنی تھا اور اس قدر بوجھل تھا ۔ کہ جب حضرت ابو فکیہہ کے سینے پر رکھا گیا ۔ تو اُن کی زبان نکل آئی تڑپ گئے ۔ ہل نہ سکے اور بے دم ہو کر رہ گئے ۔ اُمیہ نے پوچھا ۔ اب بتا ۔ کہ خدا کون ہے ۔

حضرت ابو فکیہہ بول نہ سکتے تھے ۔ سانس رُکا جا رہا تھا ۔ حرکت کرنے کی قدرت

تھی۔ انھوں نے اشارہ سے بتایا کہ خدا وہ ہے جو نیلی چھت پر ہے۔

امیہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کہ قریب سے ایک دل دوز چیخ کی آواز آئی سب نے گردنیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھا۔ پہلی ہی نگاہ میں نظر آیا کہ ابوجہل برچھی سے کھڑے اُس کے سامنے حضرت سمیتہ، حضرت یاسر کی بیوی اور حضرت عمار کی والدہ کھڑی ہیں۔ ان کے سینے سے خون کا فوارہ نکل رہا ہے۔ ابوجہل کہہ رہا تھا۔ کم بخت کنیز کیوں جان دیتی ہے اب بھی اقرار کر ہبل سب سے بڑا خدا ہے۔

اگرچہ۔ حضرت سمیتہ کے سینے سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ چہرہ پر زردی چھا رہی تھی۔ آنکھیں شدت تکلیف سے حلقوں میں مصروف گشت تھیں۔ لیکن اس پر بھی ان کی زبان پر خدا کی وحدانیت کا اقرار تھا۔ انہوں نے کہا۔

ہبل خدا نہیں بُت ہے۔ پتھر کا مجسمہ ہے۔ خدا وہ ہے۔ جو خالق کائنات ہے۔ ارض و سما کا مالک ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔

ابوجہل کا چہرہ شدت غیظ و غضب سے متغیر ہو گیا۔ اس نے چلا کر کہا اور خدا کی دیوانی! دیکھوں تیرا خدا تجھے میرے ہاتھوں سے کیسے بچاتا ہے۔ بُلا۔ آواز دے پکار کر آواز دے۔

حضرت سمیتہ نے کہا! خدا کو چلا کر آہستہ سے پکار دیا۔ وہ سنتا ہے۔ دیکھتا ہے اپنے نیک بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ ابوجہل! سوچو کیا پتھر کی تصویریں جنھیں تم نے یا تمہارے باپ دادا نے خود تراشا ہے۔ خود بنایا ہے۔ خدا ہو سکتے ہیں۔ بخدا نہیں خدا وہی ہے۔ جو تمام دنیا کا خالق و رازق ہے۔ عزت۔ ذلت۔ موت اور زندگی سب اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

ابوجہل غم و غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُس نے غضبناک ہو کر طیش میں اگر حضرت سمیتہ کے دل پر برچھی ماری۔ ان کی زبان سے اللہ کا پیارا نام نکلا۔ وہ

لڑکھڑا کر گریں۔ ان کے چہرہ پر مردنی چھا گئی۔ آنکھیں بند ہونے لگیں۔ جسم میں ارتعاش پیدا ہوا نازک لبوں پر سکوت مرگ کے وقت بھی ہلکا سا تبسم کھیلنے لگا۔ انھوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ان کی نظروں سے ظاہر تھا کہ وہ ایسی چیزیں دیکھ رہی ہیں۔ جن کو اور لوگ نہ دیکھ رہے تھے۔ وہ مسکرائیں۔ ان کا یہ تبسم آخری تھا۔ موت نے اُن کے لبوں پر مہر سکوت لگا دی ہمیشہ کے لیے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور موت نے ان کی تمام تکالیف کا خاتمہ کر دیا۔ درندگی اور بربریت کا یہ منظر نہایت دلشکن نہایت خوفناک۔ نہایت نفرت انگیز تھا۔ ایک شریف انسان۔ انسانی سرشت رکھنے والا انسان کو اس منظر کو دیکھ کر نرم ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن ان وحشی انسانوں میں شریف انسان ایک بھی نہ تھا۔

ان میں سے کسی کا دل بھی حضرت سمیہؓ کی موت سے متاثر نہ ہوا۔ بلکہ جس طرح سے بھیڑیے کو ایک خون کر کے مزید خون کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس طرح وہ بھی خون کرنے میں دلیر ہو گئے۔ تمام کفار یہ چاہتے تھے۔ کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان اسلام کو چھوڑ کر کافر بن جائیں۔ اس لیے وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ مگر مسلمان تھے۔ کہ سختیاں برداشت کر رہے تھے۔ ظلم سہہ رہے تھے جان دے رہے تھے۔ مگر اسلام کو نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت عمارؓ نے جب اپنی والدہ کو شہید ہوتے دیکھا تو محبت نے جوش مارا وہ لپک کر اپنی مردہ والدہ کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا اور ان کے غبار آلود بالوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ آہ امی جان ظالموں نے تجھے ہلاک کر دیا۔ آج میری مسرت کا آفتاب غروب ہو گیا۔

تم میرے آرام کا خیال رکھیں۔

بدبخت کہ تمہاری کوئی خدمت نہ کر سکا۔ آہ مجھے بھی تم اپنے ساتھ لے چلتیں۔ اٹھو پیاری امی اٹھو! ...... آہ خدا ....

خدا کا نام لینا کفار کو ظلم وستم کی دعوت دینا تھا۔ جب تک حضرت عمارؓ روتے رہے۔ بین کرتے رہے۔ کفار چپ چاپ کھڑے سنتے رہے۔ مگر جب انھوں نے خدا کا نام لیا۔ تمام کفار بگڑ گئے۔ سب ان پر برس پڑے انہیں لاتوں۔ گھونسلوں اور پتھروں سے مارنا شروع کیا۔ اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر اپنی والدہ کی لاش پر گر پڑے۔

حضرت یاسرؓ بھی قریب ہی کھڑے تھے۔ بیوی کی موت نے سخت مغموم کر دیا تھا بیٹے کے بے ہوش ہو جانے سے مزید بے قرار ہو گئے۔ انھوں نے کہا! بدبختو! تم میں ایک بھی خدا کا ایسا بندہ نہیں ہے۔ جو اس کی بے گناہ اور بے زبان مخلوق پر رحم کرے خدا کا نام سنتے ہی کفار کو طیش آگیا۔ انھوں نے اُسے بھی گھونسوں سے زدوکوب کرتے ہوئے کہا۔ بیوقوف بڈھے! خدا کا نام لیتا ہے۔ خیالی خدا کو چھوڑ اور ہمارے معبودوں کا اقرار کر۔ حضرت یاسر نے کہا۔ ناممکن ہے۔ مسلمان اس خدا کی پرستش کرتا ہے۔ جو خالق عالم اور قادر مطلق ہے۔ اس کا سر بتوں کے سامنے کبھی نہ جھک سکتا ابوجہل نے غیظ سے بھر کر کہا اور اجل رسیدہ! تجھے ہمارے معبودوں کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔ حضرت یاسر نے کہا۔ جبتک بدن میں طاقت جسم روح اور دماغ میں سوچنے کی قوت باقی ہے۔ تب تک تو غیر امکان ہے۔

کہ میرا سر۔ کیا کسی مسلمان کا سر بھی کسی بت کے سامنے جھک جائے ابوجہل نے کہا۔ اس قدر زعم اچھا دیکھوں کب تک تو اپنی ضد پر قائم رہے گا۔ یہ کہتے ہی اُس نے اپنے آدمیوں کو دو اونٹ لانے کا حکم دیا۔ لوگ دوڑتے ہوئے گئے۔

اور جلدی سے دو اونٹ لے آئے دونوں پر عماریاں کسی ہوئی تھیں۔ ابوجہل نے کہا یاسر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ ہمارے معبودوں کی ربوبیت کا اقرار کرلے بچ جائے گا۔ نہ صرف بچ جائے گا۔ بلکہ دولت سے مالا مال کر دوں گا۔ کم بخت زندہ رہ اور آرام و

راحت سے زندگی بسر کرو۔

حضرت یاسر رضؓ نے کہا۔ دنیا چند روزہ ہے۔ آخرت دائمی ہے۔ آخرت کا آرام بھی دائمی ہے۔ اور آخرت کی تکلیف بھی دائمی ہے۔ جسے آخرت میں آرام ملا۔ اس نے حقیقی آرام حاصل کیا۔ جسے آخرت میں تکلیف پہنچی۔ اس نے زندگی کا ماحصل کھو دیا۔ خدا نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جہنم۔

یعنی تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو۔ سب دوزخ کے ایندھن ہو گے

اس کھلی تہدید کے بعد معبود حقیقی کو چھوڑ کر بتوں کے سامنے سر جھکانا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ ابو جہل نے کہا۔ کچھ ڈر نہیں۔ اب تجھے زبردستی بتوں کو سجدہ کرایا جائے گا اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اسکے آدمیوں نے یاسر رضؓ کو دونوں اونٹوں سے اس طرح سے جکڑ دیا کہ ایک اونٹ کی عماری سے دونوں ہاتھ اور دوسرے اونٹ کی عماری سے دونوں پاؤں باندھ دیئے۔ اس طرح سے حضرت یاسر دونوں اونٹوں کے درمیان لٹکنے لگے۔ اب ابو جہل نے کہا۔ ہمارے معبودوں کو سجدہ کرو گے؟ حضرت یاسر نے کہا۔ آخری سانس تک نہیں ابو جہل نے ساربانوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے دونوں اونٹوں کو مخالف اطراف میں ہانکا اونٹ چلتا رکے۔ جھٹکا دے کر بھر چلے۔ حضرت یاسر کے دونوں ہاتھ بازوؤں سے اکھڑ گئے۔ اجل نے ان کو اپنی آغوش میں لے کر ان کی مصیبتوں کا خاتمہ کر دیا۔

شیطانی مظالم۔ یہ وحشیانہ درندگی۔ یہ ہولناک ستم بیکس و بے بس اور مجبور مسلمانوں پر کئے گئے۔ قرون اولیٰ میں جس قدر مظالم مسلمانوں پر ہوئے۔ ان کی نظیر تاریخی دنیا میں کم ملتی ہے۔ تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے۔ کہ قریش نے مسلمانوں کو اسطرح ستایا کہ جور و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی ستم کی تحقیر کرنا ہے۔ گویا

گویا جس قدر مظالم انسانی دماغ میں آسکتے تھے ۔ وہ سب مظلوم اور بے کس مسلمانوں پر کیے گئے ۔ مسلمان صبر و استقلال سے ان تمام مظالم کو برداشت کرتے رہے ہیں ۔ جو اُن پر کیے گئے ۔ بعض احمق یا ناواقف لوگ کہتے ہیں ۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ۔ ان لوگوں کو واقعات کا کچھ علم نہیں ۔ جو بات ان کے دماغوں میں آتی ہے ۔ کہہ دیتے ہیں ۔ اگر ایسے لوگ تاریخوں کا مطالعہ کر لیتے ۔ اگر پڑھ نہ سکتے تھے ۔ تو کسی سے سن لیتے پھر ایسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے ۔ مگر یہ بات نہیں ہے ۔ جانتے ہیں ۔ اور خوب جانتے ہیں ۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں ۔ بلکہ قدرتی مذہب ہونیکی وجہ سے انسانی فطرت کے عین مطابق ہونیکی وجہ سے اپنے تاثر کی وجہ سے پھیلا ہے ۔ اور پھیل رہا ہے ۔ قیامت تک پھیلتا رہے گا ۔ مگر وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے اسلام سے متنفر کرنے کے لیے غلط اور بالکل بے بنیاد کہہ دیتے ہیں ۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ۔ ہم نے کفار مکہ کے بہت کم مظالم بیان کیے ہیں ۔ تاریخیں ان نادر روزگار مظالم کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں ۔ اگر ہم تمام مظلوموں کی داستانیں شرح سے بیان کریں ۔ تو اس قدر ضخیم کتاب تیار ہو جائے کہ جسے خریدنا خرید کر پڑھنا دشوار ہو جائے ۔ ہم نے چند واقعات پر اکتفا کیا ہے ۔ یہ اور اس قسم کے بلکہ اس سے بھی بڑھکر مظالم مسلمانوں پر بے نعد ہوتے رہے ۔

سولھواں باب (۱۶)

صلح کی درخواست

مسلمانوں پر اس قدر سختیاں کی گئیں۔ جس قدر وہ کر سکتے تھے۔ کوئی ستم ایسا باقی نہ رہا۔ جو نہ کیا گیا ہو۔ اور یہ ستم یہ ظلم غریب بے بس و بیکس مفلس۔ غلام۔ خانہ زاد اور کنیزوں ہی پر نہیں کیے گئے۔ بلکہ امیروں اور رئیسوں۔ قبائل کے سربر آوردہ لوگوں پر بھی ایسے ہی مظالم کیے گئے۔ حضرت عثمان بن عفان۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت زبیر بن العوام۔ قریش کے مشہور اور طاقتور قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ بہادر تھے۔ متمول تھے۔ معزز تھے۔ لیکن مسلمان ہونے پر انھیں بھی نشانہ ستم بنایا گیا۔ مسلمانوں نے نہایت صبر و شکر سے سختیاں برداشت کیں۔ مظالم سہے۔ مگر ایک مسلمان بھی اسلام سے نہ پھرا۔ مسلمانوں کے اس استقلال نے کفار کو حیرت میں ڈال دیا۔ چونکہ تمام طبائع ایک ہی قسم کی نہیں ہوتیں۔ کچھ نرم اور کچھ سنگدل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کفار بھی تھے۔ سنگدل لوگوں پر تو کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن نرم دل والے مسلمانوں کا صبر و استقلال دیکھ کر دل نرم ہو گیا۔ انھوں نے سنگدل ظالموں کو سمجھانا شروع کر دیا۔ وہ بھی بے بس مسلموں پر انتہائی ظلم و ستم کر کے تھک چکے تھے کچھ نرم پڑے۔ اس سے مسلمانوں پر جو روزانہ سختیاں کی جا رہی تھیں۔ ان میں کچھ کمی ہو گئی۔ آنحضور

صلعم ان سختیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے مظلوم مسلمانوں کی بیکسی پر کڑ ہتے تھے۔ لیکن چپ تھے۔ نہ کسی کو بد دعا دیتے تھے۔ نہ کچھ کہتے تھے۔

اگرچہ کفار قریش نے سب پر ہی سختیاں کیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رض اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر سختیاں کرنے کی انھیں جرأت نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے جس صبر و استقلال سے کام لیا۔ چونکہ وہ اپنا آپ ہی نظیر تھا۔ اس لیئے وہ بے اثر نہ رہا۔ جب اکثر لوگوں نے دیکھا۔ کہ مسلمان پٹتے ہیں۔ دھوپ میں جلتے ریت پر لٹائے جاتے ہیں۔ وزنی اور بوجھل پتھر ان کے سینوں پر رکھے جاتے ہیں۔ سارا سارا دن بھوکے اور پیاسے رہتے تھے۔ اور پھر بھی اسلام کو نہیں چھوڑتے تو انھیں خیال ہوا کہ اتنے لوگ بیوقوف نہیں ہو سکتے۔ جاہل نہیں ہو سکتے۔ ضرور اسلام کی تعلیم ایسی اچھی ہے جسے یہ لوگ چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ اس خیال نے بہت سے لوگوں کو مسلمان ہونے پر اکسایا۔ چنانچہ وہ چھپ کر ارقم کے مکان میں پہنچے آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ کفار مکہ چاہتے تو یہ تھے کہ مسلمان پھر کافر ہو جائیں۔ مگر اثر الٹا ہو رہا تھا۔ بلکہ کافر آ آ کر مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ہر روز کفار سن لیتے تھے۔ کہ آج فلاں شخص مسلمان ہو گیا ہے۔ اور آج فلاں وہ سخت برہم ہوتے اور ہر نئے مسلمان پر زیادہ سختیاں کرتے۔ مگر مسلمان ہونے کا جو سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ نہ رکا بلکہ برابر جاری رہا۔ سعید روحیں۔ نیک لوگ۔ خدا کے فدائی از خود چلے آ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر کفار میں بڑی بے قراری اور اضطراب پیدا ہوا۔

خصوصاً ابوجہل۔ ابولہب۔ عتبہ۔ ولید۔ ابوسفیان۔ عاص بن وائل السہمی اور انھیں کی قسم کے اور لوگوں کو بڑا فکر ہوا۔ بات یہ تھی۔ کہ یہ لوگ نہ صرف معزز اور متمول ہی تھے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی منصب پر مامور تھا۔ مثلاً ابوسفیان قریش کا علمبردار تھا۔ حضرت عباس حجاج کو پانی پلاتے تھے۔ ولید سواروں کا افسر تھا۔ حرث بن قیس مہتمم خزانہ تھا۔ اور ابوجہل اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ قریش کی عنانِ حکومت انہی

لوگوں کے ساتھ بیں تھی۔ اسلام ان کے عظمت و اقتدار کو دھکا لگانے والا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی طبقہ اور کسی گروہ کا کیوں نہ ہو مساوی حقوق حاصل کر لیتا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رہتی۔ غلام اور آقا ایک ہی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ان کی معاشرت کیخلاف تھی۔ ان کا آئین یہ تھا۔ کہ غلام محض خدمت کرتے اور خدمت کرتے ہی کرتے مر جائیں گے۔ وہ اچھا کھا سکتا ہے نہ اچھا پہن سکتا ہے۔ نہ آقا کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے۔ وہ سمجھ رہے تھے۔ کہ اگر غلاموں کو آزادی مل گئی۔ انھیں مساوی حقوق مل گئے تو ان کا اعزاز و اقتدار خاک میں مل جائے گا اس لیے وہ اور بھی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کا برتاؤ کرتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے مسلمانوں کی تعداد بڑھتے دیکھی تو گھبرا گئے۔ سخت متفکر ہوئے۔ ابوجہل نے پھر مجلس شوریٰ منعقد فرمائی۔ تمام رؤساء اور معزز اصحاب کو طلب کیا۔ جب سب آ گئے۔ تو اُس نے کہا۔ بتوں کے پرستارو افسوس ہے۔ ہم نے ابتدا میں جس فتنہ کو معمولی سمجھا تھا۔ اور بڑھ کر ہمارے اقتدار و وقار کو صدمہ پہنچانے لگا ہے۔ اگر چندے ہم اور غافل رہے تو عجب نہیں کہ تمام مکہ اور سارا عرب مسلمان ہو جائے اور پھر ہمیں اور پھر ہم کو یا تو راہ فرار ڈھونڈنا پڑے یا جن لوگوں پر ہم حکومت کرتے رہے ہیں۔ ان کے محکوم بنکر رہیں۔ کیا یہ بات ہمارے لیے قابل شرم نہ ہوگی۔ کم از کم میں اس بات کو کسی طرح برداشت نہ کر سکوں گا۔ اس وقت تم لوگ موجود ہو یا محمد کے فتنہ کو دور کرنے کی تدبیر سوچو ورنہ میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ میں یہاں سے اور کہیں چلا جاؤں گا۔ ابوجہل نے عام لوگوں کو بھی بلا لیا تھا۔

عوام کا قاعدہ ہے کہ وہ بلا سوچے سمجھے بر بڑے آدمی کی رائے کی تائید کر دیتے تھے۔ چنانچہ سب نے ابوجہل کی تائید کرتے ہوئے۔

کہا۔ بے شک! اس فتنہ کو دور کرنا چاہیئے۔

حالانکہ اس مجمع میں ایک نے بھی یہ خیال نہ کیا۔ کہ ابوجہل نے جو رونا دیا ہے۔ وہ محض ابل

منصب کے جاہ و جلال کی بابت ہے۔ مگر ان میں اتنی سمجھ ہی کہاں تھی جو اس بات کو سمجھے ابولہب نے کہا۔ مجھے حیرت ہے کہ محمدؐ صلعم لوگوں پر کیا جادو کرتا ہے۔ کہ وہ ہزار ستم بننے پر بھی اسلام سے نہیں پھرتے۔ ولید نے کہا۔

دراصل وہ بڑا جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ جو شخص اس سے ایک مرتبہ بات کر لیتا ہے اسی کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ عتبہ نہایت ذی علم تھا مقفیٰ عبارت بولتا تھا۔ اسے اپنی زبان دانی پر ناز تھا۔ اور لوگ بھی اسکے علم و ادب کے معترف تھے۔ اس نے کہا وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ میرے خیال میں جاہ و منصب کا بھوکا ہے۔ اس لیئے اُس نے قوم میں فتنہ پیدا کر دیا ہے۔ ابولہب نے کہا۔ اگر وہ جاہ و منصب چاہتا ہے۔ یا دولت کا خواہش مند ہے۔ یا کسی عورت پر عاشق ہے۔ تو جو وہ چاہے اُسے دے دو۔ سردست اس فتنہ کو کسی نہ کسی طرح دبا دینا مناسب ہے۔ عاص نے مونچھوں پر تاؤ دے کر کہا۔ ہرگز نہیں اُسے کچھ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ اگر آج ہم اس سے مرعوب ہو کر جو وہ مانگے اُسے دے دیں گے تو کل کوئی اور اُٹھ کھڑا ہو گا۔ اور پرسوں کوئی اور سوچو! اس طرح سے ہم کس کس اور دیتے رہیں گے۔

ابوسفیان نے کہا۔ بے شک ہم کو اُسے کچھ بھی نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ ہم اسکی سیادت تسلیم کر سکتے ہیں۔ معبودوں کی قسم ہرگز نہیں مر جائیں گے۔ مگر اس کی حکومت تسلیم نہ کریں گے ولید نے کہا۔ جو فتنہ ہمارے سامنے ہے۔ وہ معمولی نہیں ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ دن بدن اس کے پیرؤوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ ہم نے اُسکے پیرؤوں پر سختیاں کر کے دیکھ لیا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ جو وہ مانگے اُسے دے دیا جائے۔

تھوڑی سی زدو کوب کے بعد یہ طے ہوا کہ عتبہ کو حضرت محمدؐ کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا جائے۔ اور اُسے اختیار دیا جائے کہ جسطرح سے ممکن ہو مصالحت کر کے آنحضور صلعم کو ہموار کرے۔ چنانچہ عتبہ روانہ ہوا اور آنحضور صلعم کی خدمت میں پہنچا۔ آنحضورؐ

صلعم نے اس کا استقبال کیا اُسے احترام سے اپنے پاس بٹھا
عتبہ نے کہا۔ یا محمدؐ! میں آج تمام قریش کی طرف سے سفیر بن کر حاضر ہوا ہوں۔ کہو
عتبہ! تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

عتبہ نے کہا۔ آپ نے اپنی قوم میں ایک ایسا فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ جو آج تک کسی نے نہیں کیا۔ کیا آپ اسے پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر شب و روز سختیاں کی جائیں۔ آپ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ تم نہیں جانتے مسلمانوں پر جو سختیاں کی جاتی ہیں۔ ان سے میرا دل کس قدر دکھتا ہے۔

عتبہ نے کہا۔ پھر آپ ایسی تدبیر کیوں نہیں کرتے۔ جس سے یہ سختیاں بند ہو جائیں
حضورؐ نے فرمایا۔ میں کیا تدبیر کر سکتا ہوں۔ خدا کی مصلحت میں کوئی دم نہیں مار سکتا۔ عتبہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ خدا کا نام نہ لوں۔ سارا فتنہ اس خدا کے نام ہی کا آپ کو تدبیر میں بتاتا ہوں۔ حضورؐ نے دریافت کیا۔ کیا تدبیر ہے۔ عتبہ نے کہا۔
آپ کو تمام قریش اپنا سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ آپ مکہ کے بادشاہ بن جائیں تمام خزانہ ساری فوج آپ کی ماتحتی میں دے دی جائیگی۔ جس عورت یا جس لڑکی سے آپ کہیں گے آپ کی شادی کر دی جائے گی۔ آپ اس منصب کو قبول کر لیجیے۔

آنحضور صلعم نے کہا۔ عتبہ اگر قریش اور قریش کے سرداروں نے یہ سمجھا ہے کہ میں جاہ و منصب کے لالچ سے حکومت کے خیال سے تبلیغ اسلام تو غلط سمجھا بخدا مجھے کوئی طمع دامن گیر نہیں ہے۔ میں تو مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیئے پیدا ہوا ہوں۔ لہذا خدمت ہی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے جاہ و منصب کی آرزو نہیں ہے۔ میں حکومت نہیں چاہتا صرف اگر تمنا ہے تو وہ یہ کہ تم سب مسلمان ہو جاؤ

پتھر کے بتوں کو پوجنا چھوڑ دو۔ عتبہ! میں خدا کا رسولؐ ہوں مجھ پر خدا کا پیغام نازل ہوتا ہے۔ سنو! اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما

الحکم اللہ واحدٌ فاستقیموا الیہ واستغفروہ۔
ترجمہ: یعنی اے محمدؐ صلعم! کہہ دو کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ پس سیدھے اس کی طرف جاؤ۔ اور اس سے معافی مانگو۔ یہ آیات سن کر عتبہ کا چہرہ فق پڑ گیا اور وہ حیران ہو کر آنحضور صلعم کو دیکھنے لگا۔ آں حضور صلعم نے فرمایا۔ عتبہ اور سنو اللہ تعالے فرمایا ہے۔ قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ انداداً ذالک رب العالمین۔
یعنی اے محمدؐ صلعم! کہہ دو کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو۔ جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو۔ وہی سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ عتبہ کے چہرہ کا رنگ یہ آیتیں سن کر اڑ گیا وہ کانپنے لگا۔ اس نے آنحضور صلعم کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بس ورنہ میرا دل الٹ جائے گا۔ اور کلیجہ شق ہو جائے گا۔
حضور صلعم خاموش ہو گئے۔ عتبہ اٹھ کر سیدھا قریش کی مجلس میں پہنچا۔ لوگوں نے اسے سر بہ گریباں آتے دیکھا۔ سب کو تعجب ہوا۔ جب وہ پاس آیا تو ابولہب نے کہا۔ عتبہ نے کہا کہ اگر میری بات مانو تو یہی بہتر ہے۔ کہ تم محمدؐ سے کچھ نہ کہو۔ ابوجہل نے ہنس کر کہا۔ کیا تجھ پر بھی اس نے جادو کر دیا ہے۔
عتبہ نے کہا۔ جو تم چاہو کہو مگر میری رائے تو یہی ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ تمام عرب پر غالب آ گئے تو یہ تمہاری عزت ہے۔ ورنہ عرب خود ان کو فنا کر دیں گے۔

ابولہب نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔
ابوسفیان نے جوش میں بھر کر کہا۔ ہم کو صرف ابوطالب کا پاس ہے۔ ورنہ ہم خود اس کا خاتمہ کر دیتے۔
ابوجہل نے کہا بہتر تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں جائے

اور ان سے صاف صاف کہدے کہ یا تو وہ اپنے بھتیجہ کو سمجھادیں۔ کہ وہ ہمارے معبودوں کی توہین نہ کرے۔ ورنہ ہم اُسے ضرور قتل کرڈالیں گے۔ سب نے اس بات کی تائید کی۔ یہ بات طے ہو گئی۔ کہ ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں باریاب ہو کر ان سے رفع اتمام حجت کرئے۔ وفد کے ممبر عتبہ۔ شیبہ ابوالبختری۔ اسود۔ ابوجہل۔ ابوسفیان اور ولید مقرر ہوئے۔ اس کارروائی کے بعد مجلس شوریٰ نے برخاست کردی گئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔

سترھواں باب (۱۷)

قریش کا وفد ابو طالب کی خدمت میں

ہمارے ناول کا آغاز سنہ نبوت سے ہوا ہے۔ ہم نے جو واقعات گذشتہ باب میں بیان کئے ہیں۔ یا جو اب بیان کریں گے۔ یہ ۴ سنہ نبوت یا ۶۱۵ سنہ ہجری میں واقع ہوئے اس سال سے مسلمانوں پر سختیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر سختیاں بھی کیسی جنکے سنتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کفار مکہ نے انسانیت سوز مظالم اور صبر آزما سختیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ سختیوں سے بھی کام نہیں چلتا۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر مستقل مزاج اور اس درجہ درد آشنا و خوگر ستم ہو گئے تھے کہ ہزاروں ایذا دینے پر بھی نعرہ احد سے باز نہ آئے تھے۔ بالآخر صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کیا۔

عتبہ کو حقیر بنا کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ بہت کچھ بہکایا۔ مگر لالچ حرص و آز کے بندوں پر اثر کرتا ہے۔ جاہ و منصب کے چاہنے والوں کو اپنے دام میں پھنساتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی طمع نہ تھا۔ جواب صاف ملا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ حضور کے اس جواب نے قریش کو صلح کیطرف سے بھی مایوس کر دیا۔ اب یہ تجویز کی کہ ابو طالب سے کہا جائے کہ وہ اپنے بھتیجہ حضرت محمد صلعم کو سمجھائیں۔ چونکہ حضورؐ اس وقت ابو طالب کی سرپرستی میں تھے۔ اگرچہ ابو طالب مفلس تھے۔ اس قدر غریب کہ اپنے اہل و

عیال کے لیئے بمشکل اذوقہ حاصل کر سکتے تھے۔ عسرت سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ چنانچہ اس تنگی کو مدِنظر رکھتے ہوئے حضور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خود لے لیا تھا۔ اور دوسرے صاجزادہ حضرت جعفرؓ کو عباسؓ کی کفالت میں دلایا۔ مگر وہ بہادر تھے۔ اہل مکہ پر ان کی دھاک تھی۔ اس کے علاوہ وہ خاندانِ ہاشم سے تھے۔

ہاشمیوں کا اعزاز خواہ وہ امیر ہوں یا غریب تمام قریش اور سارے عرب میں اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ ہر قبیلہ ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ اس لیئے ابوطالب کی غریب ہوتے ہوئے بھی بڑی عزت تھی۔

حسب قرارداد ابوطالب کی خدمت میں وفد حاضر ہوا۔ ابوطالبؓ نے بڑی عزت سے اس کا استقبال کیا۔ جب تمام لوگ بیٹھ گئے تو ابوطالب نے دریافت کیا کہئیے آج آپ صاحبان نے کیسے تکلیف فرمائی۔

ابوجہل نے کہا۔ محترم بزرگ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے۔ کہ آپ کے بھتیجے محمدؐ صلعم نے قوم میں ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ خدا ایک ہے۔ اتنی بڑی خدائی کا صرف ایک خدا بتاتا ہے۔ پھر ایسی ہستی کو خدا کہتا ہے۔ جسے آج تک کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لیئے حاضر ہوئے ہیں۔ کہ آپ سے درخواست کریں۔ تاکہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں۔ کہ وہ ہمارے معبودوں کی توہین نہ کرے۔ ہمارے آبائی مذہب کو برا نہ کہے۔ اور نئے مذہب کی تبلیغ نہ کرے آپ ہاشمی ہیں۔ بتوں کے پرستار ہیں آپ کا فرض ہے کہ آپ دل و جان سے کوشش کر کے اسے سمجھائیں

ابوطالب نے کہا۔ میں مشکور ہوں کہ آپ میرے پاس آئے مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ نے میرے بھتیجے محمدؐ پر جس قدر سختیاں کی ہیں ہاں اذیت دی ہے۔ اور اس کا گھر سے نکلنا بند کر دیا ہے۔ اس کے پیروؤں کو جس قدر ستایا ہے۔ سوچو کیا تمہارے لیئے یہ زیبا تھا معبودوں کی

قسم تم نے غلطی کی ہے۔ بڑی غلطی جو طریقہ تم نے اختیار کیا وہ غلط ہے۔ جب سختیاں ناقابل برداشت ہوجاتی ہیں۔ تو کمزور سے کمزور انسان بھی مقابلہ میں آجاتا ہے۔ ضد بری ہوتی ہے۔ تم کو یہ ضد ہے کہ محمدؐ تمہارے معبودوں کو برا نہ کہے اور اسے یہ ضد ہے کہ ایک خدا کی تبلیغ کرکے اس ضد نے کام بگاڑ رکھا ہے۔ تم نرمی کرو۔ وہ خود ہی باز آجائیگا۔

میری اس گفتگو سے یہ سمجھ لینا کہ میں بھی اپنا آبائی مذہب چھوڑ چکا ہوں نہیں میں مرتے دم تک اپنے مذہب پر قائم رہونگا۔ اپنے معبودوں کی توہین میں بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ لیکن میرا طریقہ کار الگ ہے۔ نہ میں کسی کو برا کہوں نہ برا سنوں۔ یہی طریقہ تم بھی اختیار کرلو۔

ولید نے کہا۔ تم سختیاں نہ کریں۔ اگر وہ تبلیغ بند کردیں۔

ابوطالب میں آج اپنے بھتیجے کو بلاکر سمجھاؤں گا یقین ہے کہ وہ مان جائے گا لیکن تم بھی سختیاں کرنا بند کردو۔

ابوالبختری نے کہا۔ بے شک یہ مشورہ قابل قبول ہے۔ اگر حضرت محمدؐ تبلیغ سے باز آجائیں۔ تو ہمیں بھی مسلمانوں پر سختیاں نہ کرنا چاہیئے۔

اس قرارداد کے بعد اراکین وفد اٹھے اور روانہ ہوگئے۔ مگر جب وہ اس جگہ پہنچے۔ جہاں ان کی واپسی کا انتظار کررہے تھے۔ انہوں نے بزرگ ابوطالب کی گفتگو کا ماحصل سب کے سامنے بیان کردیا۔

اکثر لوگوں نے کہا۔ کہ اس طرح کی مصالحت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور محمدؐ تبلیغ سے باز نہ آئے گا جس طرح چپکے ہی چپکے اس نے ستر اسی آدمیوں کو مسلمان کرلیا ہے۔ اسی طرح سینکڑوں کو کرلیں گے۔ اور پھر اسلام اور مسلمانوں کا خطرہ بڑھ کر ساری قوم کے زوال کا باعث ہوجائے گا۔ مناسب یہ ہے۔ کہ محمدؐ کو اپنے میں شامل کرلو۔ عتبہ نے دریافت کیا! اس کی کیا تدبیر کریں۔

ایک شخص نے کہا۔ محمدؐ کو ابوطالب کے سامنے بلاؤ۔ اور جس منصب کی وہ خواہش کریں

انھیں دے دو۔

سب نے اس رائے پر اتفاق کیا۔ پھر وفد کو حضرت ابوطالب کی خدمت میں جانے کے لیے آمادہ کیا۔

اراکین وفد جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر طے یہ ہوا کہ دوسرے روز روانہ ہونا چاہیے اس بات کو اس نے مان لیا۔

جب یہ بات طے ہو گئی۔ تو ابولہب نے کہا۔ کل ہم ابوطالب سے صاف طور پر کہہ دیں گے۔ کہ اگر محمدؐ ہمارے مذہب میں داخل نہ ہوئے۔ تو پھر ہم ان کو قتل کر ڈالیں گے۔

ابوسفیان کی دلی منشا یہی تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح آنحضور صلعم کو قتل کر دیا جائے اس نے کہا۔ ضرور یہ کہہ دینا چاہیے اور اگر ابوطالب کے سمجھانے سے بھی باز نہ آئیں اور ہمارے مذہب میں داخل نہ ہوں تو ہمیں پھر فوراً انھیں قتل کر ڈالنا چاہیے۔

ابولہب نے کہا۔ بے شک ایسا ہی ہو گا۔ ہم ابوطالب سے آخری اہتمام حجت کریں گے۔

اس قدر گفتگو کے بعد لوگ منتشر ہو گئے۔ لیکن تمام مکہ میں گھر گھر اس کا چرچا ضرور ہو گیا اور لوگ انتظار کرنے لگے۔ کہ کب دوسرا دن ہو۔ اور جائے اور کب جواب لائے۔

انھیں اذکار اور چرچوں میں دن بسر ہو گیا۔ رات تمام ہوئی اور دوسرے روز کا آفتاب بڑی آب و تاب سے جلوہ گر ہو گیا۔

وفد نے تیاری شروع کی۔ سب جمع ہوئے۔ مل کر چلے اور ابوطالب کی خدمت میں پہنچ گئے۔

ابوطالب نے حسب عادت ان کی آؤ بھگت کی۔ جب وہ اطمینان سے بیٹھ گئے تو ابوطالب نے دریافت کیا۔ آج کیسے تشریف آوری ہوئی۔ کیا کوئی بات پیش آئی۔

ابولہب نے کہا۔ نئی بات کوئی نہیں۔ آج ہم اس لیئے حاضر ہوئے ہیں۔ کہ آپ سے درخواست کریں۔ تاکہ آپ اپنے بھتیجہ کو ہمارے سامنے بلوائیں۔ آپ بھی سمجھائیں۔ ہم بھی سمجھائیں۔ اغلب ہے۔ کہ آپ کے سمجھانے اور ہمارے سمجھانے سے وہ سمجھ جائیں۔

ابوطالبؑ نے کہا۔ مناسب ہے۔ لیکن ان کے سامنے سختی سے گفتگو نہ کرنا۔ کیونکہ یہ میری ہتک ہوگی۔ اور میں اسے کسی طرح برداشت نہ کر سکوں گا۔

ابوجہل نے کہا۔ اطمینان رکھیئے ایسا نہ ہوگا۔ ہم سب آپ کا احترام کرتے ہیں۔

ابوطالب نے اپنے غلام کو آنحضور صلعم کی خدمت میں بھیجا زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آنحضور صلعم اس شان سے تشریف لائے۔ کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کاندھے پر سیاہ کمبلی پڑی تھی۔ ہاتھ میں عصا تھا۔ آپ کے رُخِ انور سے جاہ وجلال ہویدا تھا آپ نے آتے ہی اسلام وعلیکم کہا۔

عرب میں سلام کرنے کا یہ طریقہ نہ تھا۔ سب حیران ہوئے۔ ابوطالبؑ نے کہا میرے چشم وچراغ آؤ میرے پاس بیٹھو۔

حضورؐ اپنے محترم چچا ابوطالب کے پاس جا بیٹھے۔ ابوطالب نے کہا۔

میرے عزیز! آج ہم نے تجھے بلایا ہے۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم نے تم پر بے حد سختیاں کی ہیں۔ ستایا ہے تکالیف پہنچائی ہیں۔ ہم اعتراف قصور کر کے آپؐ سے معافی کے خواستگار ہیں۔

آنحضور صلعم کا رخ مبارک ہمیشہ بشاش رہتا تھا۔ آپ کی منور پیشانی میں شاذ ونادر ہی بل پڑتے تھے۔ آپ نے تبسم انداز سے ارشاد فرمایا۔

یا عم یا مجھے آپ کی سختیوں پر ذرہ بھر بھی ملال ورنج نہیں۔ ابتدائے آفرینش سے یہ قاعدہ رہا ہے۔ کہ ہر نبی کو اس قوم نے ستایا ہے۔ میں بھی خدا کا رسولؐ ہوں مجھ پر سختیاں ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ پھر ملال کیوں اور شکوہ کس بات کا۔

کفار مکہ کو خدا کے نام سے چڑھتی ۔ لہذا اراکین وفد خدا کا نام سن کر جبیں بہ جبیں ہوئے لیکن مصلحت وقت کو سمجھتے ہوئے خاموش رہنا لازمی تھا ۔

ابولہب نے کہا ۔ تم جانتے ہو ۔ ہم سب منصب و جاہ کے مالک ہیں ۔ قریش کے معزز لوگ ہیں ۔ جو بات ہم طے کر دیتے ہیں ۔ سارے عرب والے بغیر کسی چوں و چراں کے اُسے تسلیم کر لیتے ہیں ۔ کیا تم اس کے معترف ہو ۔ ،،

آنحضور صلعم نے فرمایا ۔ میں جانتا ہوں ۔ کہ آپ ایسے ہیں

ابولہب ۔ اب سنو ! ہمیں تمام قریش اور مکہ کے سربر آوردہ قبائل نے تمہارے پاس بھیجا ہے ۔ تاکہ ہم تم سے مصالحت کر لیں ۔

پیارے بھتیجے ! جو فتنہ تم نے اپنی قوم میں پیدا کیا ہے ۔ اس فتنہ سے تمام قوم مشکلات میں پھنس گئی ہے ۔ تم سمجھ دار ہو ۔ اور قوم کی مشکلات کو خوب سمجھتے ہو ۔ اپنی قوم پر احسان کرو ۔ اور اس کی مشکلات میں اضافہ نہ کرو ۔

آنحضور صلعم ۔ میں نے قوم کو کسی مشکل میں اسیر نہیں کیا ۔ بلکہ میری قوم نے خود میرے اوپر سختیاں کی ہیں ۔ مجھے سخت ترین مشکلات میں پھنسا دیا ہے ۔ مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ مجھ پر سختیاں کی جائیں ۔ البتہ ملال ہے ۔ تو اس کا افسوس بھی ۔ تو اس کا کہ جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں ۔ ان پر انسانیت سوز مظالم اور شدید ترین سختیاں کی جاتی ہیں ۔

ابولہب ۔ بے شک ! یہ ہم سے غلطی ہوئی ۔ لیکن اب ہم مصالحت کے لیئے آئے ہیں پیارے بھتیجے ۔ اگر آپ کو دولت کی ضرورت ہے ۔ تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اس قدر سیم وزر جمع کر دیں ۔ کہ کسی دوسرے کے پاس نہ نکلے ۔

آنحضور صلعم ۔ یا عم اگرچہ میں مفلس ہوں ۔ لیکن بخدا مجھے دولت کی ضرورت نہیں میں سیم و زر نہیں چاہتا ۔

ابولہب ۔ دولت نہیں چاہتے ۔ تو کیا کسی خوبرو عورت سے محبت ہو گئی ۔

بتاؤ۔ وہ کون حورِ طلعت ہے۔ جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ میں تم کو اطمینان دلاتا ہوں۔ کہ وہ خواہ کوئی عورت ہو۔ ہم اُس سے تمہاری شادی کر کے رہیں گے۔

آنحضور صلعم۔ یا عم! یہ بات بھی نہیں ہے۔ مجھے کسی حور طلعت عورت سے محبت نہیں ہے۔

ابولہب۔ اچھا تو کسی منصب وجاہ کی ضرورت ہے۔ اگر یہ بات ہے تو قریش تم کو اپنا سردار مقرر کر لیں گے۔

آنحضور صلعم۔ میں منصب وجاہ کا بھی خواہش مند نہیں۔

ابولہب۔ بس تو تم حکومت چاہتے ہو۔ اگر یہ بات ہے تو ہم تم کو تمام عرب کا بادشاہ بنائے دیتے ہیں۔ سارے عربستان میں آپ کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

آنحضور صلعم۔ نہیں چچا میں حکومت بھی نہیں چاہتا۔

ابولہب۔ بس تو تم کچھ بیمار ہو۔ اگر یہ بات ہے۔ تو ہم تمہارے علاج کے لیئے مشہور حکماء کو بلا کر علاج کراتے ہیں۔

آنحضور صلعم۔ بفضلِ تعالٰی میں بیمار بھی نہیں ہوں

ابولہب! تو کیا کسی جن یا آسیب کا اثر ہے۔ اس اثر کو کاہن دور کر سکتے ہیں۔ آنحضور صلعم۔ کسی جن یا آسیب کا بھی اثر نہیں۔

ابولہب۔ پھر آخر بات کیا ہے۔ تم کیا چاہتے ہو۔

آنحضور صلعم۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بتوں کی پرستش چھوڑ دو اور اس خدا کو پوجو! جو کائنات کا خالق ہے۔ اور جس نے انسانوں کو جنوں کو پیدا کیا ہے۔ جسکے ہاتھ میں عزت و ذلت ہے۔ موت و زندگی کا نظام ہے۔ اور جو ہر چیز پر قادر ہے جسکی عظمت و جلال کے شاہد فرشتے ہیں۔ جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ جس نے صرف کُنْ کہہ کر دنیا کو عالمِ وجود میں لایا ہے۔

اس کے بعد آپ نے قرآن شریف کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وھو العلی العظیم ۔

یعنی اللہ ہی کا ہے۔ جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے۔ اور جو زمین میں ہے اور وہ بڑے مرتبہ والا۔ ام اتخذ وا من دونہ اولیاء ج فاللہ ھو الولی وھو یحی الموتی وھو علی کل شیء قدیر ۔

یعنی کیا لوگوں نے سوائے خدا کے کارساز بنائے ہیں۔ بس اللہ کارساز اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

وفد کے تمام ممبران آیات کو سن کر حیران ہو کر رہ گئے۔ کچھ دیر کے بعد ابوجہل نے کہا لوگو یا تم صلح کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

آنحضور نے فرمایا۔ انکار میں نہیں کرتا۔ بلکہ تم کرتے ہو۔ کیوں نہیں تم خدا کے سامنے جھک جاتے۔ کیوں خدا کی وحدانیت کا اقرار نہیں کر لیتے۔ اور کیوں معبودان باطل کو نہیں چھوڑ دیتے ۔

ابولہب نے بگڑ کر کہا۔ اس لیئے کہ ہم اور ہمارے باپ دادا انہیں پوجتے رہے ہیں۔ ہم خیالی خدا کی پرستش مرتے دم تک نہ کریں گے۔ اب تم ہوشیار ہو جاؤ۔ ہم نے صرف کہا کہ ہمارا مکہ میں رہنا دشوار کریں۔ بلکہ تم کو قتل کر ڈالیں گے ۔

ابولہب کو جوش آگیا تھا۔ اس کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ اس نے کڑے تیوروں سے ابوطالب کو دیکھ کر کہا۔

سُنو ابوطالب! یا تم محمدؐ کی رفاقت چھوڑ دو۔ ورنہ مقابلہ میں آجاؤ۔ اب ہم تمہارا بھی لحاظ نہ کریں گے۔ یہ قوم کا معاملہ ہے۔ مذہب کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا پاس و ادب نہ کیا جائے گا۔ ہم آپ کو سوچنے اور غور کرنے کے لیئے مہلت دیتے ہیں اگر تم اپنے بھتیجہ کی رفاقت سے باز آگئے تو ہم تم کو اپنا سردار بدستور رکھیں گے ۔

اگر باز نہ آئے تو تم پر بھی سختیاں کریں گے۔ اگر تم نے کل تک یہ نہ کہلا بھیجا۔ کہ تم محمدؐ صلعم کی رفاقت سے دست بردار ہو گئے ہو۔ تو پھر ہم تمہارے خلاف بھی کارروائیاں شروع کر دیں گے۔

اب ابولہب اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا کہ اس نے اعلانِ جنگ دے دیا۔ دیگر ہمراہی سردار بھی اٹھ گئے اور بگڑتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد ابوطالب نے کہا۔

پیارے بھتیجے! تم نے دیکھ لیا کہ ساری قوم برافروختہ ہو گئی ہے۔ میں کمزور ہوں ساری قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تم ان کی باتیں مان لو۔ میں تنہا کس کس کا مقابلہ کر سکوں گا

آنحضور صلعم ابوطالب کی یہ گفتگو سن کر ازحد خاطر ہو گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ ابوطالب آپ کی سرپرستی سے دست بردار ہوتے ہیں۔ آپ نے چشم پرنم ہو کر کہا یاعم! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ یا تو خدا اس کام کو پورا کر دے گا۔ یا میں اس کام پر نثار ہو جاؤں گا۔

آپ کی پُراثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ اس نے آنحضور صلعم سے کہا۔ جانِ عم۔ بے فکر رہ۔ میری زندگی میں کوئی تیرا بال بیکا نہ کر سکے گا۔

چنانچہ حضور کی آزردگی دور ہو گئی۔ حضورؐ اٹھے اپنے چچا کو سلام کیا اور رخصت ہو کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

اٹھارہواں باب (۱۸)

حلفِ انتقام

جب درندہ خصلت لیٹرے بنی بجر کی معصوم لڑکیوں بے گناہ عورتوں ناکردہ کار بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان کے خیمہ و خرگاہ اکھاڑ کر مال و اسباب لوٹ کر چل دیئے تو نخلستان میں چند لاشیں یا زخمی عورتیں پڑی رہ گئیں۔ آفتاب کی تپش سے ریت جلنے لگی۔ ہوا گرم ہو گئی اور گرم ہوا سے بگولے اٹھنے لگے۔ نخلستان کو بھی گرم ہوا نے گرم بنا دیا تھا۔ کچھ عورتیں زخمی پڑی تھیں اور زخموں سے خون رس رہا تھا۔ گرم ہوا زخموں میں تیر کی طرح سے لگ رہی تھی۔ بدن جھلسے جا رہے تھے پیاس سے جان پر بنی تھی۔ مگر نہ ان میں اٹھنے کی طاقت تھی۔ نہ کوئی ایسا شخص ان کے پاس تھا۔ جو پانی پلاتا۔ زخموں پر پٹی باندھتا۔ وہ سخت تکلیف میں تھیں شدت پیاس اور تکلیف سے وہ بے ہوش ہو ہو جاتی تھیں۔ سارا دن اسی طرح پڑی رہیں کوئی خبر لینے والا نہ آیا۔ جب آفتاب اس قدر مغرب کی طرف جھک گیا کہ اس کی سیدھی شعاعیں ترچھی ہو گئیں تو اس کی تپش میں کمی واقع ہو گئی

بادِ حرحر کے گرم جھونکے ہلکے اور نسبتاً ٹھنڈے پڑ گئے اس سے بے کس عورتوں کو قدرے امن ملا۔ لیکن اس قدر نہیں کہ ان کی قوت عود کر آتی۔ کچھ دیر کے بعد ایک گوشہ سے غبار اٹھتا اور نخلستان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ مجروح عورتوں نے مجبوروں کے

درختوں سے جھانک کر دیکھا۔ انھیں خیال آیا۔ کہ ان کے قبیلہ کے لوگ واپس آرہے ہیں
اس خیال سے انھیں ایک گونہ تسلی اور مسرت ہوئی۔ غبار بڑھتا آرہا تھا۔ سفید ریت
کے جگمگاتے ذرات سہری دھوپ میں چمکتے دوش ہوا پر سوار ادھر اُدھر بکھرتے چلے
آرہے تھے۔ کچھ عرصہ میں عبا کا دامن چاک ہوا۔ اونٹوں کی قطار آہستہ آہستہ اس طرف
آتی نظر آئی۔ اونٹوں کے ساتھ گھوڑے اور آدمی بھی آرہے تھے۔ عورتوں نے پہچان لیا
یہ انھیں کے آدمی تھے۔ وہ بے صبری سے ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

آنیوالے نہایت اطمینان سے قدم قدم آرہے تھے۔ جب وہ نخلستان کے اس قدر قریب
آگئے کہ انھیں اس سبزہ زار کے اندر کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں تو خلاف معمول ان کی
رفتار میں تیزی آگئی۔ زخمی عورتوں نے اسکی تیز روی کو دیکھ لیا۔ وہ سمجھ گئیں کہ آنیوالے
نخلستان کو خالی دیکھ کر حادثہ سے واقف ہوگئے ہیں اور جلد از جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کر
رہے ہیں۔ اب زخمی عورتوں پر غشی طاری ہونے لگی۔ ان کا خیال صحیح تھا۔ آنے والوں
نے اپنی رفتار بہت تیز کردی تھی۔ اونٹ۔ گھوڑے اور آدمی بڑی تیزی سے آرہے تھے

جب وہ نخلستان کے بالکل قریب آگئے تو لوگ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر
گھوڑوں کو چھوڑ چھوڑ کر دوڑے اور نخلستان میں گھس کر حیرت اور افسوس بھری نظروں
سے تاراج نخلستان کو دیکھنے لگے۔ سب سے آگے حارثہ تھا۔ نہایت متفکر غمگین اور
پریشان معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے نخلستان میں گھستے ہی کہا۔ معبودوں کی قسم ہمارے
قبیلہ پر تاخت کی گئی ہے۔ آہ وہ کوئی بدمعاش تھے۔ جنھوں نے ہمارے گلستان کو تاراج
کیا۔۔۔۔۔

ارے خون۔۔۔۔ ہائے خون بہایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بنی بجر کی غیور
عورتیں اپنے قبیلہ کی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے لڑی ہیں۔ ضرور لڑی ہونگی۔ ورنہ
یہ خون کہاں سے آیا۔ ایک آواز آئی۔ افسوس ہمارا گلستان اجاڑ دیا گیا۔۔

بزدل کمینوں نے ہماری عدم موجودگی میں بچوں اور نازک عورتوں پر تاخت کی۔ اونٹ سامان اور خیمے وغیرہ سب کچھ لے گئے۔

حارثہ نے اس آواز دینے والے کو دیکھا۔ یہ عدی تھا۔ قبیلہ بنی بجر کا سردار تھا

حارثہ نے کہا۔ یا اخی! ہم برباد ہو گئے۔ آہ ہماری عورتیں اور بچے ہمارا سامان وغیرہ سب لٹ گیا۔ میری جمیلہ! میری .... میری نور دیدہ۔

عدی نے کہا۔ بے شک ہم تباہ ہو گئے۔ تمہاری جمیلہ رقیہ! ہمارے قبیلہ والوں کی بیٹیاں چرائی گئیں۔ ہم جس قدر غم کریں کم ہے۔ دیکھو حارثہ سامنے دیکھو وہ چند عورتیں نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی تھیں۔ انھوں نے جاکر عورتوں کو دیکھا۔ وہ زخمی تھیں اور زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ خون کے زیادہ نکلنے کی وجہ سے نڈھال ہو گئی تھیں۔ پیاس کے مارے زبان نکلی پڑی تھی۔ زبان پر کانٹے کھڑے تھے۔ سب لوگ عورتوں کے پاس بیٹھ گئے۔ عدی نے عورتوں کو دیکھا۔ اور اُس نے کہا۔ پانی لاؤ۔ جلدی کرو۔ یہ عورتیں زندہ ہیں۔ بے ہوش ہیں۔ ان کے ہوش میں آنے پر معلوم ہو گا۔ کہ کون سے بدمعاش قبیلہ نے کن اوباش لوگوں نے اور کن بزدل بھیڑیوں نے ہمارے قبیلہ پر تاخت کی ہے۔

فوراً کچھ لوگ پانی لانے کے لیئے دوڑ گئے۔ اب آفتاب اس قدر جھک گیا تھا کہ اس کی شعاعیں غائب ہونے لگی تھیں۔ دن بھر چلنے والی باد سموم کے گرم جھونکے بند ہونے لگے تھے۔ اس وقت اس قبیلہ کے تمام اونٹ۔ سارے گھوڑے اور کل آدمی نخلستان کی تاراجی دیکھ کر سخت مغموم اور متاسف ہوئے کھڑے ہو کر حسرت بھری نظروں سے عورتوں کو دیکھنے لگے۔ ان کے اونٹ اُن کے گھوڑے بھی ان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے ان جانوروں کی نگاہیں۔ زبان حال سے کہہ رہی تھیں۔ کہ اپنے مربیوں کے غم میں وہ بھی اس حادثہ سے اسی قدر متاثر ہوئے۔ جس قدر ان کے مالک تھے۔

جو لوگ پانی لینے گئے تھے۔ وہ پانی لے کر آگئے عدی اور حارثہ نے جلدی سے

چھاگلیں لیں اور نیم بے ہوش عورتوں پر پانی چھڑکا۔ ان کے منہ کھول کر پانی ٹپکایا۔

کچھ پانی اور کچھ ٹھنڈی ہوا نے اثر کیا۔ عورتوں نے آنکھیں کھولیں۔ ان کی حالت درست ہونے لگی۔ غشی دور ہو گئی۔ یہ سب چار عورتیں تھیں۔ ان میں ایک ضعیف العمر تھی۔ ایک ادھیڑ اور دو جوان تھیں۔ تھوڑی دیر میں عورتیں بالکل ہوش میں آگئیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں ان کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ جسم نحیف و لاغر تھے۔ ایسا معلوم تھا۔ جیسے کہ ان کی رگ رگ سے خون کا ایک ایک قطرہ نکل گیا ہے۔

عدی نے ان سے دریافت کیا۔ آہ اگر تم بول سکتی ہو۔ تو بولو۔ کن درندوں نے ہمارے قبیلہ پر تاخت کی اور کون سے بزدل لیٹروں نے ہمارے قبیلہ کو برباد کیا؟

ایک نوجوان عورت نے کہا۔ یا سیدی! بنی قحطان نے ہم پر چھاپہ مارا۔

عدی نے جوش غضب سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ افسوس انھوں نے ہماری عدم موجودگی میں ہمارے قبیلہ پر تاخت کی ہے۔ نامرد بزدل کمینے اگر ہمارے سامنے آتے تو ان کا ایک فرد بھی زندہ بچ کر نہ جاتا۔

اس عورت نے کہا یا سیدی! ہم ان کی تاخت سے بے خبر تھے۔ وہ اچانک ہم پر آپڑے۔ ہمیں ہتھیار لینے کی مہلت بھی نہ ملی۔ لیکن پھر بھی ہم لڑیں۔ ہنستے لڑیں ہماری اکثر بہنیں قتل کر دی گئیں۔

عدی نے جوش میں آکر کہا۔ معبودوں کی قسم ہم ان بدبختوں سے انتقام لیں گے مگر ہمارے لئے یہ بات بڑی شرم کی ہے۔ کہ ہماری عورتیں تو مر گئیں اور قحطان کا ایک مرد بھی نہ مرا۔ عورت نے کہا۔ معبودوں کی مہربانی سے ایسا نہیں ہوا۔ جمیلہ اور رقیہ نے بنی قحطان کے دو آدمیوں کو قتل کر کے ہمیں شرم و ذلت سے سرنگوں ہونے سے بچا لیا یہ سن کر قحطان عدی اور حارثہ کی آنکھیں چمکنے لگیں دونوں نے ساتھ ہی کہا۔ جب تو ہم ندامت خیز ذلت سے بچ گئے۔ کیا رقیہ اور جمیلہ بھی زخمی ہو گئی تھیں۔ عورت نے کہا میر

خیال میں ان دونوں میں سے ایک بھی زخمی نہیں ہوئی۔ نامرد۔ بزدل انھیں اور سب کو گرفتار کرکے لے گئے۔

عدی نے کہا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ آؤ حارثہ بنی قحطان کے بزدل کمینوں کو دیکھیں دونوں اٹھے۔ عورت نے کہا۔ نخلستان کے شرقی جانب ان دونوں کی لاشیں پڑی ہیں۔

عدی۔ حارثہ۔ چند اور لوگ اس طرف روانہ ہوئے۔ انھوں نے شرقی گوشہ پر پہنچ کر دو لاشیں پڑی ہوئی دیکھیں۔ ان لاشوں کو دیکھ کر ان سب کو بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے فوراً تلواریں نکالیں اور دونوں لاشوں کو کاٹ لیا۔ یعنی ان کی ناک کاٹ ڈالے آنکھیں نکال لیں۔ اور ہر عضو کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے

عربوں میں یہ دستور تھا۔ کہ جس سے جس قدر زیادہ ناخوش ہوتے اسکی لاش کو اسی قدر ٹکڑے کر دیتے۔ مثلہ کرنے اور لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلنے کا عام رواج تھا۔

عدی نے حکم دیا کہ دونوں کی لاشوں کے ٹکڑے نخلستان سے باہر پھینک دیئے جائیں۔ چنانچہ کئی آدمیوں نے ان کے ٹکڑے وہاں سے دور لے جاکر ایک ریت کے ٹیلہ پر پھینک دیئے۔

اب وہ اپنی مردہ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ نخلستان سے باہر گڑھے کھود کر لاشیں دفنا دی گئیں۔ جو عورتیں زخمی ہوئی تھیں۔ وہ اب اچھی طرح ہوش میں آگئی تھیں۔ بلکہ اٹھ کر چلنے پھرنے لگی تھیں۔ یہ چاروں ان عورتوں کی قبر پر پہنچیں۔ جنھیں دفن کر دیا گیا تھا۔

انھوں نے اپنے کپڑے چاک کیئے۔ سر کے بال کھول کر بکھیر لیئے اور سر و سینہ پیٹ پیٹ کر بین کرنے اور رونے لگیں۔

اس زمانہ میں عرب میں مردوں کا ماتم اس طرح سے کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس طرح سے ماتم کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔

رات کو عورتوں نے کھانا پکایا۔ اگرچہ یہ تمام لوگ پریشان اور مغموم تھے۔ کسی نے بھی اچھی طرح کھانا نہ کھایا۔ مگر چونکہ انسان اناج کا کیڑا ہے۔ لہٰذا قوت لا یموت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑتا ہے۔ انھوں نے بھی تھوڑا بہت کھایا اور رات کو سو رہے۔ صبح جب آفتاب عالمتاب اپنی تمام جلوہ آرائیوں کیساتھ افق مشرق سے سر نکال کر نمودار ہوا۔ تو عدی نے تمام لوگوں کو بلا کر کہا۔

بنی بکر کے جگر گوشو!

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ قبیلہ بنی قحطان کی طاقت آجکل اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر ہم نے اپنی مقتول عورتوں کا انتقام نہ لیا۔ تو وہ بھوت بن کر ہم سے لپٹیں گی۔ ستائیں گی۔ اس کے علاوہ تمام قبائل میں ہماری بدنامی اور بے عزتی ہو گی۔ اس لیئے انتقام لینا ضروری ہے۔ سوچو کس قبیلہ سے اعانت کی درخواست کی جائے۔

حارثہ نے کہا۔ طائف چلیئے اور خاندان عمیر سے اعانت کی درخواست کیجئے

عدی نے کہا۔

خاندان عمیر اگرچہ رئیس القبائل ہے۔ مگر اس قبیلہ کے سردار عبدیالیل مسعود اور حبیب ہیں۔ تینوں مکار اور اوباش ہیں کبھی ہماری امداد نہ کریں گے۔

حارثہ نے کہا۔

"پھر آپ کا گمان کون سے قبیلہ کی طرف ہے..؟

عدی نے کہا "

ہمیں حمرا چل کر قبیلہ عزاصتہ سے اعانت کی درخواست کرنا چاہیئے۔ یقین

کا مل ہے ۔ کہ وہ ہماری امداد کریں ،،

حارثہ ،،

مناسب ہے ۔ وہیں چلیے ،،

سب نے تیاری کی اور جب آفتاب کسی بلند ہوا تو یہ مصیبت زدہ لوگ حمرا کی طرف روانہ ہو گئے ۔

انیسواں باب ١٩

ہجرت حبش

کفار مکہ بگڑ کر چلے گئے تھے ۔ انھوں نے جاتے ہی تمام لوگوں کو جو ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہہ دیا کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم صلح پر تیار نہیں ۔ ہم نے ابوطالب رضؓ کی صحبت اختیار کرلی ۔ ابوطالب رضؓ سے کہہ آئے ہیں ۔ کہ محمدؐ کی رفاقت چھوڑ دیں ۔ ورنہ ان کے خلاف بھی کاروائیاں شروع کردی جائیں گی ۔ ہم انھیں غور کرنے کے لیئے کل تک کی مہلت دے آئے ہیں ۔ اگر انھوں غور کرنے کے لیئے کل تک کی مہلت دے آئے ہیں ۔ اگر انھوں نے اپنے بھتیجہ کو سمجھا دیا اور وہ ہمارے معبودوں کی مخالفت سے باز آگیا تو فابہا ورنہ محمدؐ صلعم پر ۔ تمام مسلمانوں پر ۔ محمدؐ صلعم اور معاونین پر اس قدر سختیاں کرو ۔ کہ ان پر عرصہ زندگی تنگ ہوجائے ۔ اعلان کردو کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں گھسنے پائے ۔ اوباش لوگوں سے کہہ دو ۔ کہ جس جگہ محمدؐ جائیں ۔ بازار میں ۔ گذرگاہ میں پہاڑ پر کسی مجمع میں الغرض جہاں وہ جائیں ۔ ان کے پیچھے جائیں ۔ کسی سے انھیں باتیں نہ کرنے دیں ۔ شور مچائیں ۔ مسلمانوں اور اسلام کو برا کہیں ۔ مسلمانوں کے خدا کو برا کہیں نعوذ باللہ ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہیں ۔ لڑکوں کو آمادہ کرو ۔ کہ وہ ہر مسلمان پر

محمدؐ پر مسلمانوں کے مددگاروں پر خاک پھینکیں اینٹیں ماریں۔ پتھر برسائیں اور انھیں اس قدر تنگ کریں کہ وہ نئے مذہب کو چھوڑ دیں اور ہمارے ہونے کا اقرار کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ مجلس برخاست ہوگئی۔ لوگ اٹھ اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ وہ دن اور اُس کی رات گذر کر جب دوسرا دن ہوا اور ابوطالب کا کوئی جواب نہ آیا تو سب نے سمجھ لیا کہ نہ حضورؐ ہی اسلام کی تبلیغ سے باز آئے نہ ابوطالبؓ کا کوئی جواب نہ آیا۔ تو سب نے سمجھ لیا کہ نہ محمدؐ صلعم اور چچا ابوطالبؓ کی رفاقت ایک ہے۔

اس خیال سے کفار مکہ کو بڑا جوش آیا۔ ابوجہل نے پھر لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہہ دیا کہ محمدؐ صلعم اسلام کی تبلیغ سے دست کش نہیں ہوئے اور ابوطالب نے ان کی رفاقت نہیں چھوڑی۔ اب تم طے شدہ قرارداد پر عمل کرو۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم۔ کسی ملک۔ کسی شہر کے معزز۔ متمول۔ بڑے آدمی کسی کام کے کرنے کی شہہ دے دیتے ہیں تو ادنیٰ طبقہ کے آدمی بڑی خوشی بڑی تندہی۔ بڑے شوق سے اس کام کے کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ مکہ کے اوباش۔ بدقماش۔ آوارہ اور ناکارہ لوگ مسلمانوں کے ستانے۔ آنحضور صلعم کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے پر بدول ہو گئے۔ انہوں نے بہت سی پارٹیاں بنالیں بہت سے آوارہ۔ منہ پھٹ۔ زبان دراز۔ لڑکوں کو اپنے ساتھ لے لیا اور اسی روز سے مسلمانوں کے در پئے آزاد ہو گئے۔

اتفاق سے زبیر بن العوام بازار میں چلے گئے۔ اوباش لوگ تو تاک میں ہی تھے فوراً اُن کے پیچھے لگ گئے۔ لڑکے بھی ساتھ ہو لیئے۔ تالیاں بجانے خاک اڑانے اور سنگریزے مارنے لگے۔ حضرت زبیر جوان تھے۔ آپ کو غصہ آگیا۔ آپ نے لڑکوں کو ڈانٹا۔ ڈانٹنے کی دیر تھی کہ جو مادہ پک رہا تھا وہ پھوٹ نکلا۔

اوارہ اور بدمعاش لوگوں کا جمگھٹا لگا۔ سب نے حضرت زبیر کو برا بھلا کہنا اور گالیاں دینا شروع کردیں۔

حضرت زبیرؓ مالدار تھے۔ معزز تھے۔ قریش میں ان کے خاندان کی قدر و منزلت تھی۔ انھیں بڑا ناگوار گزرا۔ لیکن باوجود نوجوان ہونے کے معاملہ فہم بھی بڑے درجہ کے تھے۔ فوراً تاڑ گئے کہ کفار نے مل کر مسلمانوں کو ستانے اور ذلیل کرنے کی تجویز کی ہے۔ آپ چپ چاپ واپس چلے آئے۔

لڑکے اور بدمعاش لوگ اُن کے گھر تک انھیں گالیاں دیتے اور اُن پر خاک ڈالتے۔ پتھر مارتے آئے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوگئے تب لوٹ گئے

اس روز کوئی اور مسلمان بازار یا عام گذرگاہ میں نہ دیکھا گیا۔ البتہ دوسرے روز مسلمان خرید و فروخت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلے۔ بدمعاشوں نے ان کا تعاقب کیا۔ انھیں گالیاں دیں ان پر خاک پھینکی ان کے سنگریزے مارے اور کپڑے وغیرہ کھینچ کھینچ کر پھاڑ ڈالے۔

مسلمانوں کو برا بھی محسوس ہوا۔ غصہ بھی آیا۔ لیکن وہ کمزور تھے بے یار و مددگار تھے۔ جانتے تھے کہ اگر ذرا بھی بولے تو مار کھائیں گے۔ قتل کر ڈالے جائیں گے۔ مجبوراً ضبط کرکے خاموش رہ کر واپس لوٹ آئے۔

بدمعاش اور آوارہ گرد لوگ انھیں ستاتے۔ انھیں گالیاں دیتے ان کے گھروں کے دروازوں تک آئے۔ دروازوں پر کھڑے ہوکر تالیاں بجانے برا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگے۔ صرف اسی پر کفایت نہ کی گئی تھی۔ بلکہ بڑے بڑے پتھر راستوں سے اٹھا اٹھا کر گھروں کے اندر پھینکنے لگے۔ غلاظت ڈالنے لگے۔ مسلمان سخت پریشان ہوئے ان کا گھروں سے باہر نکلنا بند ہوگیا۔

آنحضور صلعم حرم شریف میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ مکان سے نکل کر حرم

شریف کی طرف چلے۔ آوارہ لڑکیوں۔ بدمعاش نوجوانوں نے آپ کو دیکھ لیا۔ غول کے غول آپ کے پیچھے چلے۔ مگر حضورؐ رعب و جلالت کی سے کسی کو آپ کے ساتھ گستاخی کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

جب آپ در حرم شریف پر پہنچے۔ تو ابوجہل۔ ابولہب۔ ابوسفیان۔ عتبہ ولید اور چند دیگر برآوردہ لوگوں کو در حرم شریف پر کھڑے ہوئے پایا۔ جب آپ نے حرم شریف کے دروازہ میں داخل ہونا چاہا۔ تو ابوسفیان نے روک دیا۔ ابوجہل نے کہا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج سے در حرم شریف تمہارے لئے بند کر دیا گیا ہے تم اس قابل نہیں ہو کہ ہمارے معبودوں کی زیارت کرو۔

آنحضور صلعم نے فرمایا ابوجہل! تو دن بدن گمراہی اور شرک میں شدید ہوتا جاتا ہے۔ میں خانہ کعبہ میں تمہارے معبودان باطل کی زیارت کرنے نہیں جاتا۔ بلکہ اس لیے جاتا ہوں کہ وہ مقام محمود ہے۔ ہمارے اور تمہارے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا مکان ہے۔ خانہ خدا ہے۔ خدا کی نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکے۔

ابوجہل ہنسا۔ اُس نے کہا۔ اُن لوگوں کو دیکھو۔ یہ سب قریش اور مکہ کے معزز افراد ہیں۔ ان سب نے باتفاق رائے یہ طے کر دیا ہے۔ کہ کوئی مسلمان خانہ کعبہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے گا۔ حرم شریف کا دروازہ ہمیشہ کے لئے تمام مسلمانوں پر بند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب کوئی مسلمان اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ آنحضور صلعم نے فرمایا اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ کون خانہ کعبہ میں داخل ہو سکے گا۔ اور کون نہیں ابوجہل مسلمانوں پر تشدد کر کے خدا کے قہر کو بیدار نہ کرو۔

ابوسفیان قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اُس نے استہزاد کے طور پر کہا۔ جب خدا ہے ہی نہیں تو اس کا قہر کیا۔ جاؤ تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ ہم پر قہر نازل کرے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا

افسوس کہ تم خدا کا قہر مانگتے ہو۔ جلد کرتے ہو۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب خدا کا قہر نازل ہو گا تو ایک لمحہ کی مہلت نہ ملیگی اور پھر تم کو کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔

ابوجہل نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھو۔ اگر خدا کا قہر ہم پر نازل ہو گا تو ہم تمہارے پاس اعانت اور رحم کی درخواست لے کر نہ جائیں گے۔

آنحضور نے فرمایا۔ تو کیا تم مجھے خانہ کعبہ میں داخل نہ ہونے دوگے۔

ابوجہل نے ترشی کے انداز سے کہا۔ ہرگز نہیں اس وقت تک نہیں جب تک ایک بھی بتوں کا پرستار مکہ میں موجود ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اگر میں تمہارے روکنے سے نہ رکوں

ابوسفیان نے تلوار میان سے کھینچتے ہوئے کہا۔ معبودوں کی قسم یہ تلوار تمہارے ٹکڑے کر ڈالے گی۔

آنحضور صلعم نے دروازہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اچھا تم تلوار چلاؤ۔ خدا میری امداد و استعانت فرمائے گا۔

ابوجہل کو خدشہ کہ حضور صلعم ضرور خانہ کعبہ میں داخل ہو جائیں گے۔ اس نے اس مجمع کی طرف دیکھا۔ جو سامنے کھڑا تھا۔ اور کچھ اشارہ کیا۔

فوراً بدمعاش بڑھ آئے۔ انھوں نے آنحضورؐ کو برا بھلا کہنا اور پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ چار و ناچار آنحضور صلعم کو واپس لوٹنا پڑا۔ اس روز سے آپ کا آپ کے جاں نثار صحابیوں کا۔ خدا کے فرمانبردار بندوں کا خانہ کعبہ میں داخل ہونا بند کر دیا گیا

اب کفار مکہ نے تمام مسلمانوں پر اس قدر تشدد و جبر کرنا شروع کیا کہ ان کا اپنے گھروں سے باہر نکلنا۔ کاروبار کرنا۔ ضروریات زندگی کی اشیاء کی خرید و فروخت کرنا دشوار ہو گیا۔ جب کھانے وغیرہ کا سامان ہی نہ آتا۔ تو کھانا کہاں سے ملتا۔ لوگ بھوکے رہنے لگے۔ آپ کو اس سے سخت تشویش ہوئی۔ لہذا آنحضور نے غور و فکر کرنا

شروع کیا۔ کہ اب کیا کیا جائے

ادہر پرجوش مسلمان کفار کا مقابلہ کرنے کے لیئے آنحضور صلعم سے اجازت طلب کرنے لگے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا کہ میں جنگ کی اجازت بغیر خدا کے حکم کے نہیں دے سکتا۔ صبر و شکر کر کے سختیاں برداشت کرو۔ ابھی خدا ہماری آزمائش کر رہا ہے۔ ہم کو اسکی آزمائش میں پورا اترنا چاہیئے

لوگ خاموش ہوگئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیسے باخلوص اور خدا کے نام پر مر مٹنے والے لوگ تھے۔ سختیاں سہتے تھے۔ ظلم و ستم برداشت کرتے تھے۔ غصہ آتا تھا۔ غصہ کو ضبط کرتے تھے۔ جو خدا اور خدا کے رسول کا حکم ہوتا تھا۔ اسکی تعمیل کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ایک صحابی تھے۔ آپ نہایت جوشیلے تھے۔ آپ نے جب سنا کہ مسلمانوں کو حرم الحرام میں قرآن شریف کی تلاوت بہ آواز بلند کرنے اور نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ تو آپ کو جوش آگیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں حرم الحرام میں جا کر خدا کا کلام پڑھوں گا۔

مسلمانوں نے سمجھایا کہ کفار برسر عداوت ہیں۔ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کی فکر کر رہے ہیں۔ تمہارا حرم میں جا کر قرآن شریف بلند آواز سے پڑھنا وہ گوارا کر سکیں گے۔ یقیناً مار ڈالیں گے۔ اس لیئے ابھی برائے چندے خاموش رہو۔ جب خدا کا حکم ہوگا۔ تم ہی کیا ہم سب خانہ کعبہ میں جا کر بہ آواز بلند قرآن شریف پڑھیں گے۔

حضرت عبداللہ نے کہا۔ میرا دل نہیں مانتا کہ کفار مکہ خانہ کعبہ میں جا کر بتوں کی پرستش کریں اور ہم وہاں قرآن شریف بھی نہ پڑھ سکیں۔ پرواہ نہیں کہ اگر وہ مجھے مار ڈالیں میں ضرور آج ہی وہاں جا کر قرآن شریف پڑھوں گا۔

مسلمانوں کو بڑا فکر ہوا۔ جانتے تھے کہ جس وقت حضرت عبداللہ قرآن کریم کی تلاوت کریں گے۔ فوراً ہی کفار ان کو قتل کر ڈالیں گے۔

مسلمانوں میں اسلام نے محبت پیدا کر دی تھی۔ سب نے سمجھایا۔ عبداللہ چپ ہو گئے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے ہیں۔ اس لیئے کسی نے ان کی نگرانی نہ کی مگر عبداللہ موقعہ کی تاک میں رہے اور موقعہ پاتے ہی سیدھے حرم شریف پہنچے۔ کفار نے ان کو روکا۔ مگر باوجود اس رکاوٹ کے بھی مقام ابراہیم پر جا کھڑے ہوئے اور آپ نہایت خوش الحانی سے سورہ الرحمٰن کی تلاوت کرنے لگے آپ نے پڑھا! الرحمٰن لا علم القرآن ہ خلق الانسان علمہ البیان ہ الشمس والقمر بحسبان ہ النجم والشجر یسجدان ۔ ترجمہ۔

یعنی رحمان نے سکھایا۔ یہ قرآن۔ انسان کو پیدا کیا۔ اُس نے بولنا سکھایا چاند اور سورج (اُس کے حکم سے) گردش میں ہیں۔ اور ستارے درخت اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

کفار مکہ نے جب الرحمٰن کا نام سُنا تو سخت چیں بجبیں ہوئے اور جب یہ سنا کہ ستارے اور درخت اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اسے وہ اپنے معبودوں کی توہین سمجھے اُن کے خیال میں اُن کے معبود ہی اس قابل تھے۔

وہ بگڑ گئے۔ سب کے سب حضرت عبداللہ بن مسعود کے اوپر برس پڑے اور گھونسے لات اور منہ پر طمانچے مارنے لگے۔ لیکن حضرت عبداللہ نے ان کے تشدد کا خیال بھی نہ کیا۔ پٹتے رہے۔ ہاتھ چھوڑے۔ بے حس و حرکت کھڑے مار کھاتے رہے۔ مگر زبان سے خدا کا کلام پڑھتے رہے۔

کفار کو اس پر بڑا طیش آیا۔ انھوں نے آپ کا منہ بھینچ دیا۔ آپ کے رخساروں پر اس قدر گھونسے لگائے کہ آپ کا تمام چہرہ لہولہان ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بڑے جوشیلے تھے۔ ایام جاہلیت یعنی جب تک وہ مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اس قدر جوش تھا۔ کہ کسی کی بات بھی نہ سُن سکتے تھے۔ بات کا جواب نیزہ

کی انی یا تلوار کی دہار سے دیتے تھے۔ لیکن جب سے مسلمان ہوئے تھے۔ صلاحیت آگئی تھی آنحضور صلعم نے منع کر دیا تھا۔ کہ تم کسی پر حملہ نہ کرنا۔ بلکہ جو حملے تم پر ہوں۔ انہیں صبر اور خاموشی سے برداشت کرنا۔ پٹنا۔ مار کھانا۔ قتل ہو جانا۔ مگر ہاتھ کسی پر نہ اٹھانا اس تعلیم کا۔ خدا کے رسول کے حکم کا یہ پاس تھا۔ کہ پٹتے تھے۔ اور زخمی ہوتے تھے۔ مگر ہاتھ اٹھانا تو کیا جنبش بھی نہ کرتے تھے۔

یہ تھا اصل ستیہ گرہ جو آج سے تیرہ سو سال پہلے کفار مکہ کے سامنے مسلمانوں نے کیا دنیا میں عدم تشدد کی یہ پہلی مثال تھی۔

حضرت عبداللہ رض جب سورہ الرحمن ختم کر چکے۔ تب لوٹے ۔ مگر کس شان سے کہ آپ کے تمام کپڑے کفار نے پھاڑ ڈالے تھے۔ چہرہ لہولہان کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اپنے گھر پہنچ کر کپڑے بدلے۔ منہ دھویا۔ زخموں پر مرہم لگایا اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔

کفار قریش نے لوگوں کو یہ بھی کہہ دیا تھا۔ کہ جو شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے اسے مار دو۔ اگر کوئی اپنے گھر میں پڑھتا ہو تو اس کے گھر میں گھس جاؤ اور اسے اس وقت تک مارو جب تک کہ وہ قرآن شریف کا پڑھنا بند نہ کر دے۔

کافروں نے اس پر سختی سے عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کے گھروں کے پاس اس تاک میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ کہ جب وہ اونچی آواز سے قرآن مجید میں پڑھیں۔ تو فوراً ان کے گھروں میں گھس کر انہیں ماریں اور جو ہاتھ لگے لوٹ دیں۔

حضرت ابوبکر رض رؤسائے قریش میں سے تھے۔ بڑے متمول تھے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم نقد تھے۔ بہت سے خادم غلام اور کنیزیں تھیں۔ لیکن اشرار کفار کے خوف سے بھی قرآن مجید باواز بلند نہ پڑھتے تھے۔ اس طرح سے مسلمانوں کا مال۔ ان کی آبرو۔ ان کی جان ہر وقت خطرہ میں تھی۔ اب صحیح معنوں میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ بھوک کے پیاسے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہتے

تھے۔

آنحضور صلعم نے کیفیت دیکھ کر لوگوں کو حبش میں ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان اس حکم سے بڑے خوش ہوئے۔ اکثر قریش کے قبائل حبش میں تجارت کرنے کی غرض سے جاتے تھے۔ وہاں کے رسم ورواج سے بخوبی واقف تھے۔

اس زمانہ میں حبش کا بادشاہ عیسائی تھا۔ اس کا نام اصحمہ[1] تھا۔ عرب اُسے نجاشی کہتے تھے۔ دراصل حبشی زبان میں بادشاہ کو "نجوس" کہتے ہیں۔ عربوں نے اسکی تعریب کر کے "نجاشی" بنا لیا تھا۔

یہ بادشاہ تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہوگیا۔ آج بھی اُسے نجاشی کہا جاتا ہے۔ چونکہ مسلمان جانتے تھے۔ کہ کفار مکہ انھیں آسانی سے ہجرت نہ کرنے دیں گے ضرور روکیں گے۔ اس لئے انھوں نے چپکے چپکے تیاریاں شروع کیں۔ جب تیاری مکمل ہوگئی تو ایک رات کو کفار مکہ خواب خرگوش میں مبتلا تھے۔ چپکے سے مکہ سے نکلے اور جدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ماہ رجب ۵ءِ نبوی میں یہ مختصر قافلہ گھر بار وطن عزیزوں اور احباب کو چھوڑ کر روانہ ہوا۔ اس مختصر قافلہ میں صرف بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ مردوں میں حضرت عثمانؓ بن عفان۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر حضرت عبدالرحمن عوف حضرت ابو سلمہ مخزومی۔ حضرت عثمان بن مظعون جمحی۔ حضرت عامر بن ربیعہ۔ حضرت ابو ہریرہ بن ابی اہم۔ حضرت حاطب بن عمرو۔ حضرت سہیل بن بیضا تھے۔ عورتوں میں حضرت رقیہ آنحضور صلعم کی صاحبزادی۔ حضرت عثمان بن عفان کی زوجہ محترمہ۔ حضرت سہلہ زوجہ حضرت ابو حذیفہ۔ حضرت ام سلمہ زوجہ حضرت ابو سلمہ حضرت لیلیٰ زوجہ حضرت عامرؓ بن ربیعہ تھیں۔ یہ مہاجرین کا پہلا قافلہ تھا۔ جو ہجرت کر کے حبش کی جانب روانہ ہوا۔

---

[1] از بخاری۔ تاریخ ابن خلدون میں اصحمہ کا نام صحیح لکھا ہے۔

آفتابِ عالم

حصّہ دوم

پہلا باب

حصہ دوم

دربار

صبح کے وقت کفار مکہ کو معلوم ہوا کہ مسلمان ہجرت کر کے حبش کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ ایک نئی بات تھی اس سے کفار مکہ میں ایک ہلچل پڑ گئی۔ انہیں خیال ہوا کہ مسلمان حبش میں جا کر ہمارے معبودوں کی برائیاں بیان کریں گے۔ اس سے ان کے مذہب کی بے حد توہین ہوگی۔ وہ نہ چاہتے تھے کہ ان کے مذہب یا ان کے معبودوں کے متعلق کوئی بات عرب سے باہر نکلے اس سے انہیں بڑا فکر ہوا۔ وہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ بعد رد و کد یہ قرار پایا کہ ساٹھ ستر بہادر لوگوں کو مہاجرین کے تعاقب میں روانہ کیا جائے جو انہیں اپنے ساتھ واپس لوٹا دیں۔ اور اگر وہ واپس آنے پر آمادہ نہ ہوں تو سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ طے ہوتے ہی ستر آدمیوں کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر چلے جبکہ وہ مکہ معظمہ سے باہر چلے تو انہوں نے رات کو ہجرت کرنیوالے قافلے کے نقش قدم دیکھے وہ تیزی سے روانہ ہوئے۔ لیکن جب وہ جدہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دو جہاز حبش جانے کے لئے آمادہ تھے۔ وہ مہاجرین کو سستے کرایہ پر حبش لے گئے چونکہ اور کوئی جہاز بندرگاہ پر موجود نہ تھا۔ اور جو لوگ گئے تھے وہ صرف کرایہ کے ٹٹو تھے جس قدر ان کو تپایا جاتا تھا۔ اسی قدر کام کرتے تھے۔ انہیں جدہ سے آگے بڑھنے کیلئے

نہ کہا گیا تھا۔ اس لیئے وہ واپس لوٹ آئے اور انہوں نے بتایا کہ مہاجرین حبشہ روانہ ہو گئے ہیں تو کفار مکہ کو بڑا غصہ آیا مگر کیا کر سکتے تھے۔

مہاجرین ان کی گرفت سے نکل چکے تھے۔ اب انہوں نے اور بھی سختی سے مسلمانوں کی نگہداشت شروع کر دی اور ان بے کسوں پر اس قدر مظالم کیئے جنکی نظیر تاریخی دنیا میں بہت کم ملتی ہے۔ مسلمانوں کے لیئے شہر مکہ کی وسیع زمین تنگ ہو گئی۔ لیکن سختیاں اٹھاتے تھے۔ ظلم سہتے تھے۔ جفائیں برداشت کرتے تھے۔ مگر یاد الہی سے ایک دم غافل نہ رہتے تھے۔ کفار مکہ کی سختیاں مسلمانوں پر ناقابل برداشت ہو گئی تھیں۔ مظلوم مسلمانوں کی دردناک کیفیت مسلمان نہ دیکھ سکتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ان کی یہ حالت دیکھ کر غمزدہ ہوتے تھے۔

انہوں نے غلاموں اور کنیزوں کے خریدنے کا ارادہ کیا بلکہ کوشش بھی کی مگر کفار مکہ نے کسی وقت پر بھی انہیں فروخت کرنیکی حامی نہ بھری۔ مجبور ہو کر صدیق اکبرؓ باہر کے لوگوں کے پاس گئے اور ان کے ذریعہ سے مسلم غلاموں اور کنیزوں کو بھاری بھاری رقوم ادا کر کے خرید کر انہیں آزاد کر دیا۔

ان ستم کشوں میں جنہیں حضرت صدیق اکبرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت بلالؓ حضرت عامر بن فہیرہ۔ دو غلام۔ حضرت لبنتہ۔ حضرت زنیرہ۔ حضرت مہذیہؓ حضرت ام عبیس چار کنیزیں تھیں۔ مدت کے بعد ان آشنائے لذت درد نے کفار مکہ کے مظالم سے نجات پائی اور آزادی کی فضا میں اطمینان کا دم لیا۔

کفار قریش نے نت نئے مظالم سے مسلمانوں کو اس قدر تنگ کیا کہ ان کا مکہ مکرمہ میں رہنا دشوار کر دیا۔ بالآخر تنگ آکر انہوں نے چپکے چپکے خفیہ طریقہ پر ہجرت شروع کی دو دو چار چار روزانہ رات کو چھپ کر مکہ سے نکل جاتے تھے۔ اور جدہ میں پہنچکر جہازوں کے انتظار میں چھپے رہتے تھے۔ اور جب کوئی جانے والا جہاز مل جاتا تو حبشہ روانہ ہو جاتے۔

کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حضرت جعفر طیار بن ابو طالب نے بھی ہجرت کی اور وہ بھی اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس حبش میں پہنچ گئے۔ اس طرح سے تراسی مسلمان ہجرت کر کے حبش میں جا پہنچے اور وہاں نہایت اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ کفارِ مکہ کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان حبش میں نہایت فارغ البالی سے بسر اوقات کر رہے ہیں تو ان کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ انہوں نے فوراً ہی مجلس شوریٰ منعقد کی تمام اکابران قوم کو جمع کیا گیا بڑی دھواں دھار تقریریں کی گئیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلا گیا۔

بالآخر یہ بات قرار پائی کہ نجاشی کے حضور میں بیش قیمت تحائف لے کر ایک وفد حاضر ہو۔ جو ارکان سلطنت کو ہموار کر کے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کرے کے قریش مکہ اور نجاشی شاہ حبش کے درمیان پہلے سے تجارتی معاہدہ تھا۔ اور اس معاہدہ کے مطابق عربوں کی ملک حبش میں تجارت قائم تھی۔ انہیں یقین کامل تھا کہ شاہ حبش بیکس اور بے یار و مددگار مسلمانوں کو ان کے وفد کے ہمراہ بھیج دے گا۔ وفد مرتب کیا گیا۔ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ جو بڑے معزز اور عالی خاندان تھے۔ رئیس الوفد بنائے گئے۔ قیمتی تحائف اور بیش قیمت ملبوسات درباریوں اور شاہ حبش کے لیئے ان کے سپرد کیئے گئے۔

یہ وفد تزک و احتشام سے نیز شاہی تجمل اور بڑے طمطراق سے جدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جدہ پہنچکر جہاز پر سوار ہو کر حبش جا پہنچا۔ چونکہ شاندار وفد تھا۔ اس لیئے تمام حبش اس کی آمد سے مطلع ہو گیا۔ مظلوم مسلمانوں کو بھی ان کی آمد کا حال معلوم ہوا۔ بیکس مسلمان گھبرا گئے اور انہیں خوف ہوا کہ مبادا نجاشی ان کو واپس جانے پر مجبور نہ کرے۔

انہوں نے تہیہ کر لیا تھا۔ کہ اگر شاہ حبش نے انہیں وفد کے سپرد کر دیا تو وہ کسی اور طرف نکل جائیں گے۔ وفد نے ارکان سلطنت اور درباریوں کو تحائف دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ تا ارکان وطن مسلمانوں کو مکہ واپس بھیجے جانے پر وہ بادشاہ کو آمادہ کریں۔ رشوت خور لوگوں نے ان سے وعدہ کر لیا۔

جب وہ مذہبی لوگوں اور درباریوں کو ہموار کر چکے تب ایک دن نجاشی کے دربار میں باریاب ہوئے۔ نجاشی نے نہایت شاندار طریقہ سے دربار آراستہ کیا تھا۔ اُس نے عربوں کو مرعوب کرنیکے کے لیئے تزئین دربار میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ جب وفد دربار میں پہنچا تو دربار کی آرائش دیکھ کر حیران رہ گیا فوراً عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے نہایت ادب سے سربسجود ہوکر سلام کیا۔ اُن کے تمام ساتھی جو وفد کے ہمراہ شامل تھے۔ نجاشی کے سلام کیلئے جھک گئے۔ سلام کر کے تحائف پیش کیے۔ نجاشی نے دریافت کیا۔ معزز عربو تم میرے دربار میں کس لیئے آئے ہو اور کیا چاہتے ہو۔

عمرو بن العاص نے کہا۔ ہماری قوم نے بالاتفاق رائے ہمیں جہاں پناہ کے حضور میں اس لیئے بھیجا ہے۔ کہ ہم حضور سے عرض کریں۔ کہ ہمارے شہر میں ایک ساحر (نعوذ باللہ) پیدا ہوا ہے۔ اس کا نام محمد (صلعم) ہے اُس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے۔ ایسا مذہب جو کسی مذہب سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ بالکل نیا ہمارے شہر کے چند نادان لوگ مسحور ہو کر اسکا مذہب قبول کر چکے ہیں ہم نے اس نئے مذہب کو ترک کرنے پر جب ان پر زور دیا تو وہ بے وقوف وہاں سے بھاگ کر حضور کی قلمرو میں آگئے ہم ان کو واپس لیجانے کے لیئے حضور کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔

نجاشی ان کی گفتگو سن کر سخت متعجب ہوا اور اُس نے کہا نیا مذہب ایجاد کیا ہے لوگ مسحور ہو گئے ہیں۔ یہ سمجھ میں آنیوالی بات نہیں ہے۔ عمرو بن عاص نے کہا۔ عالی جاہ ہم کو خود افسوس ہے محمد صلعم ایسا جادوگر ہے کہ جو اس سے ایک مرتبہ بات کر لیتا ہے وہ اس کا ہی گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس نے ہماری قوم میں ایک نیا فتنہ پیدا کر دیا ہے۔ نیا مذہب ایجاد کیا ہے۔ حضور ان لوگوں کو بلا کر دریافت کریں۔ نجاشی نے کہا میں ضرور بلالوں گا۔ مجھے ان کے دیکھنے کا شوق ہے۔ وہ اپنے آپ کو کیا تبلاتے ہیں۔ عمرو۔ وہ خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ بھلا مسلمان بھی کسی مذہب کا نام ہو سکتا ہے۔

اب وزیر اعظم اٹھا یہ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ اُس نے کہا ذرہ نوازیہ مسلمان نئے مسلمان نئے مذہب کے پرستار ہیں۔ اُن سے مل چکا ہوں وہ عجیب عقیدہ رکھتے ہیں۔ نہ یہودی نہ عیسائی نہ بت پرست مجھے خدشہ ہے کہ وہ کہیں اپنے نئے مذہب کی تبلیغ ملک حبش میں نہ شروع کردیں اس لیئے میرے خیال میں ان تمام لوگوں کو اس وفد کے ہمراہ روانہ کردیجیے اور اپنے ملک اور اپنی قوم کو اُن کے شر سے بچائیے۔

نجاشی نے کہا۔ ابھی نہیں کچھ کہا جا سکتا۔ اچھا مسلمانوں کو بلاؤ وزیر اعظم نے کرنیل کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چلا دربار سے باہر آیا۔ کچھ سپاہیوں کو ہمراہ لیا اور مسلمان کی طرف چل پڑا مسلمانوں کو پہلے ہی سے خوف تھا۔ وہ سہم رہے تھے۔ کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ مکہ میں ان پر اس قدر سختیاں ہوئیں تھیں۔ کہ وہ وہاں جانے پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ انہوں نے آپس میں طے کر لیا تھا۔ کہ جان دینگے۔ مگر یہاں سے ہرگز نہ جائیں گے۔ جب سیحی سپہ سالار ان کی طلبی کے لیے آیا تو سب لوگ اُس کے ہمراہ دربار میں پہنچے۔ سب نے بادشاہ کو سلام کیا۔ نجاشی نے ان کو بیٹھنے کے لیئے کرسیاں ڈلوادیں۔ جب سب بیٹھ گئے تو نجاشی نے دریافت کیا۔ تم نے کونسا مذہب ایجاد کیا ہے۔ جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے۔ حضرت جعفر طیار جواب دینے کے لیئے کھڑے ہوئے۔

آپ نے فرمایا۔ یا ایہا الناس دیا ایہا الملک۔ ہم لوگ جاہل تھے۔ بت پرست تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے حرام وحلال کی کچھ تمیز نہ تھی۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ اور ہر قوی ہر کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ گویا دنیا بھر کے عیوب ہم میں تھے۔ خدا نے ہم پر رحم کیا اور اپنے پیارے نبی صلعم کو ہم پر بھیجا اس نبی کی شرافت دیانت اور صداقت سے ہم خوب واقف تھے اُسی نے ہم کو دعوت اسلام دی ہمیں سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں ہمیشہ سچ بولیں۔ خونریزی نہ کریں۔ یتامے کا مال نہ کھائیں۔ پڑوسیوں کو آرام دیں۔ عزت مآب

عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں روزے رکھیں۔ زکوۃ دیں ہم نے اس کی دعوت کو لبیک کہا خدا پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی چھوڑ دی۔ بدکاریوں سے توبہ کی اس جرم میں ہماری قوم دشمن ہوگئی۔ ہم پر سختیاں کرنے لگی۔ اور ہم پر ایسے ایسے ظلم وستم کئے گئے۔ جن کے سننے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہمیں مجبور کراتے ہیں کہ پھر گمراہی کے گڑھے میں گر پڑیں ہم تنگ آ کر وہاں سے نکل آئے آپکے ملک میں آ کر پناہ لی اب یہ ہم پر ظلم وستم کرنے کے لئے یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔ نجاشی اور تمام درباری نہایت توجہ سے حضرت جعفر طیار کی گفتگو سنتے رہے جعفر جب خاموش ہوئے تو نجاشی نے کہا۔ جو باتیں تم نے بیان کیں ہیں۔ وہ تو کچھ بری نہیں ہیں۔ حضرت جعفرؓ نے کہا آپ ان سے یہ دریافت فرمائیے کہ کیا ہم ان کے غلام ہیں۔

اب مسلمانوں کی گفتگو نجاشی کے وسیلے سے عمرو بن العاص سے شروع ہوئی۔ عمرو نے جواب دیا ان میں سے ایک بھی غلام نہیں ہے۔ سب کے سب آزاد ہیں۔

جعفرؓ طیار۔ ہم میں سے کسی نے کسی کا خون کیا ہے؟

عمرو۔ تمہارا دامن اس الزام سے بھی پاک ہے۔

جعفر طیار۔ ہم میں سے کوئی کسی کا مال چرا لایا ہے؟

عمرو۔ نہیں۔

جعفر طیار۔ ہم میں سے کوئی آپ کا یا آپکی قوم کے کسی آدمی کا مقروض ہے؟

عمرو۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔

جعفر طیار۔ کیا تمہارا دلی منشا یہ نہیں ہے۔ کہ ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں؟

عمرو۔ بے شک ہم یہی چاہتے ہیں۔

جعفر طیار۔ کیا تم بتوں کو نہیں پوجتے

عمرو۔ ہمارا آبائی مذہب یہی ہے۔ تمہارا باپ دادا بھی اسی دین کا حامل تھا۔ اب تم نے نیا دین

اختیار کیا ہے۔

جب نجاشی نے دیکھا کہ گفتگو بڑھتی جا رہی ہے۔ تو اس نے دونوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ دونوں چپ ہو گئے۔ اب نجاشی نے حضرت جعفر طیار سے کہا۔ کیا تمہارے نبی ﷺ پر کوئی کتاب بھی نازل ہوئی ہے؟

حضرت جعفرؓ نے کہا۔ ہاں ہمارے محترم نبی پر قرآن مجید نازل ہو رہا ہے۔

نجاشی۔ تم کو قرآن شریف کا کوئی حصہ یاد ہے۔

جعفر طیار۔ یاد ہے!!

نجاشی تو سناؤ۔

تمام مسلمان ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کی۔ آپ نے نہایت ہی خوش الحان آواز سے کہا۔

كهيعص ۝ ذكر رحمت ربك عبده زكريا ۝ اذ نادى ربه نداءً خفياه
قال رب اني وهن العظم مني واشتعل الراس شيبا ولم اكن بدعائك
رب شقيا ۝ واني خفت الموالي من ورائي وكانت امراتي عاقرا
فهب لي من لدنك وليا ۝ يرثني ويرث من آل يعقوب واجعله رب
شقياه

ترجمہ۔ یعنی تیرے پروردگار کی رحمت بندہ زکریا کو یاد کرتی ہے۔ جس وقت اس نے اپنے پروردگار کو آہستہ پکارا اس نے کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں سست ہو گئی ہیں۔ میرے سر نے بڑھاپے کا شعلہ مارا ہے اور اے میرے پروردگار میں تجھے پکارنے میں بے نصیب تھا۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ میرا کوئی وارث نہیں۔ میری عورت بانجھ ہے۔ اے پروردگار مجھے اپنے پاس سے ولی بخش تاکہ میرا وارث ہو اور اے میرے پروردگار اسے پسندیدہ کر

حضرت جعفر طیار اس خوش الحانی سے تلاوت کر رہے تھے۔ کہ تمام دربار ترنم ریز پیاری آواز سے بھر گیا تھا۔ نجاشی۔ اس کا وزیر درباری پادری اراکین سلطنت سب خاموش سر جھکائے بیٹھے۔ نہایت توجہ سے سن رہے تھے۔ نجاشی کی شان کہہ رہی تھی کہ وہ بہت کچھ ضبط کر رہا ہے۔ صدائے حق کے تاثر نے اس کے دل کو گداز کر دیا ہے بالآخر اس سے نہ رہا گیا اور بے تابانہ اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جعفر طیار چند اور آیات پڑھ کر خاموش ہو گئے۔

دیر تک آپکی آواز گونجتی رہی یا ان لوگوں کے کان آپکی آواز کا لطف اٹھاتے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد نجاشی نے اپنا سر اٹھایا۔ ریشمی رومال سے آنسو پونچھے اور کہا۔ خدا کی قسم اس کلام سے صداقت کی بو آتی ہے۔ یہ ایسا ہی کلام معلوم ہوتا ہے جیسا کہ توریت میں ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ کلام انسان کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ خدا کا کلام ہے۔ نجاشی کے ان الفاظ سے جہاں مسلمان اس لیئے خوش ہوئے کہ انہیں امید پڑی کہ شاہ نجاشی انہیں قریشی وفد کے حوالہ نہ کریگا۔ وہاں اہل وفد کو یہ خوف ہوا کہ شاید وہ یہاں سے ناکام ہی واپس جائیں گے۔

عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا۔ حضور والا غضب تو یہی ہے کہ جب وہ یہ کلام پڑھتے ہیں۔ جو محمد صلعم ان کو لکھ کر دیتے ہیں تو سننے والے پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہ کلام خدا کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

حضرت جعفر طیار کو عمرو کی یاوہ گوئی پر بڑا غصہ آیا اور غصہ کی وجہ یہ تھی کہ عمرو بخوبی جانتا تھا۔ کہ حضور صلعم ابھی ان پڑھ ہیں۔ لیکن نجاشی کو مغالطہ ڈالنے کے لیئے اب کہہ رہا تھا۔ کہ وہ لکھ کر دیتے ہیں۔

انہوں نے جوش میں آ کر کہا۔ عمرو سچ بولو کیا تم نہیں جانتے کہ حضور (ان پڑھ) ہیں۔ مگر وہ دوسروں سے لکھوا لیتے ہیں۔ نجاشی نے کہا۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ جب تم

اس بات کے قائل ہو کر وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ تو ایک ان پڑھ آدمی کا کلام اس قدر فصیح ہو سکتا ہے۔ تعصب نے تم کو اندھا کر دیا ہے۔ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنتے ہو۔

عمرو ڈر گیا اُسے خوف ہوا کہ مبادا نجاشی اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو دربار سے نہ نکلوا دے اس لیئے اُس نے فوراً کہا ایک بات قابل گذارش رہ گئی ہے۔ نجاشی نے دریافت کیا وہ کیا؟

عمرو نے کہا۔ یہ لوگ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی بابت بڑی بڑی باتیں کہتے ہیں انہیں خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ ایک پادری نے کھڑے ہو کر عمرو کے ان الفاظ کی تائید مزید کرتے ہوئے کہا۔ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ یہ نئے مذہب کے پرستار خداوند (عیسٰے) کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہتے ہیں۔

یہ سن کر نجاشی کا طارہ آیا۔ اُس نے حضرت جعفر طیار سے دریافت کیا کیا یہ صحیح ہے کہ تم حضرت عیسٰے علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہو۔ حضرت جعفر طیار نے نہایت دلیری سے جواب دے دیا۔ یہ بات بھی غلط ہے ہم حضرت عیسٰے علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں اور اسکی شان میں وہی کچھ کہتے ہیں۔ جو خدا نے اُن کی شان میں فرمایا ہے۔

نجاشی۔ وہ کیا ہے۔

حضرت جعفر طیار نے کہا۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ ھو عبداللہ ورسولہ وکلمتہ القھا الی مریم وروح منہٗ

ترجمہ۔ وہ اللہ کے بندہ اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کا حکم ہیں۔ انکو مریم کی طرف ڈال دیا۔ اور روح علیؑ کی طرف سے ہے۔

نجاشی نے کہا۔ خدا کی قسم انجیل میں بھی یہی لکھا ہے۔ تم سچ کہتے ہو۔ اب عمرو کو یقین آگیا۔ کہ نجاشی مسلمانوں کو ان کے احوالہ نہ کرے گا۔ اُس نے کہا۔ عالی

مرتبت شہنشاہ ہمارے یہ آدمی ہیں جو ہم سے اپنی قوم اور اپنے ملک اور معبودوں سے باغی ہو کر بھاگ آئے ہیں۔ لہٰذا آپ ان کو ہمارے حوالہ کر دیں یہی بہتر ہے۔

نجاشی نے جوش سے بھر کر کہا۔ ہرگز نہیں کوئی طاقت انہیں میرے ملک سے نہیں لے جا سکتی۔ تم مجھ کو لالچ دینے کے لیے یہ تحالف لائے ہو ان کو واپس لے جاؤ اور قریش کے سرداروں سے کہدو کہ شاہ حبش ایک مسلمان کو بھی نہیں واپس نہ دے گا۔ اور اے مسلمانو! تم آزاد ہو بے فکری اور فارغ البالی سے میرے ملک میں رہو جب تک میری زندگی ہے کوئی آدمی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

حضرت جعفر طیار اور تمام مسلمانوں نے نجاشی کا شکریہ ادا کیا۔ وہ نجاشی دربار سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ پر چلے گئے۔ قریشی وفد تمام تحالف لے کر بڑی بد دلی سے رخصت ہوا اور اسی دن جہاز پر بیٹھ کر جدہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرا باب

حضرت امیر حمزہ حلقہ اسلام میں

یہ وفد جدہ میں پہنچکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مکہ والوں کو کامل یقین تھا کہ شاہ حبش نجاشی مسلمانوں کو وفد کے حوالہ کر دے گا۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب تمام مسلمانوں کو قید کر دیں گے۔ تاکہ وہ باہر نہ جا سکیں نہ کسی سے مل سکیں چاہتے تو وہ یہ تھے کہ تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں۔ لیکن مسلمان کسی ایک قبیلہ سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اگر ایک قبیلہ بھی کسی ایک مسلمان کے انتقام خون کیلئے اُٹھ کھڑا ہوا تو پھر عام قبائل میں جنگ چھڑ گئی اور چونکہ روزمرہ کی جنگوں نے ان کا تمام کس بل نکال دیا تھا۔ اس لیے وہ کسی ایک جنگ کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ جس سے کہ تمام عرب میں آگ لگ جائے اور عربستان کا امن و امان خاک میں مل جائے۔

اس خوف سے وہ مسلمان کو قتل کرنے سے لیت و لعل کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ طے کر لیا تھا۔ کہ جس قدر مسلمان ہیں ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے قید کر دیں اور نہایت شدت سے ان کی نگرانی کی جائے۔

وہ یہ خیالی پلاؤ پکا رہے تھے۔ کہ وفد آ گیا اور اس نے اپنی ناکامی کی مفصل داستان قریش مکہ سے کہہ سنائی۔ وفد کے ناکام آنے سے تمام کفار مکہ بحد رنج ہوا۔ حبش کے بادشاہ نجاشی پر غصہ بھی آیا۔ مگر ان میں اس قدر طاقت نہ تھی کہ شاہ حبش پر

لشکر کشی کر سکتے اور اس سے بزور شمشیر اپنا مطالبہ منظور کرا سکتے۔ لہٰذا خموشی ہی کو بہتر سمجھا۔ انہیں اب یہ خدشہ ہوا کہ مبادا حبش کے مسلمان مسیحی بادشاہ نجاشی کو مکہ پر نہ چڑھا لائیں۔ اس لئے انہوں نے خفیہ طریقے سے جنگی تیاریاں نجاشی شروع کر دیں اور جدہ میں سراغرسان بھیج دیئے گئے۔ تاکہ جب وہ مسیحی لشکر کو آتا دیکھیں تو دوڑ کر مکہ والوں کو خبردار کر دیں۔

اس انتظام کے بعد انہوں نے اب ان مسلمانوں پر جو مکہ رہ گئے تھے۔ اور محبت رسولؐ کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکتے تھے۔ اس قدر سختیاں کرنا شروع کر دیں کہ انہیں زندگی سے موت بدرجہا بہتر نظر آنے لگی۔ کفار مکہ نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کو خورد و نوش کا سامان نہ مل سکے۔ اس لئے دوکانداروں کو ہدایت کر دی کہ وہ کوئی جنس کسی مسلمان کے ہاتھ کسی قیمت پر ہرگز ہرگز نہ فروخت کریں اور باقی پر بھی چوکی بٹھا دی گئی۔ اس سے مسلمانوں کو کھانے پینے کی بے حد تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی کئی دن تک کھانا نہ ملتا تھا۔ اور بقدر ضرورت پانی بھی میسر نہ آتا تھا۔ لہٰذا وہ بھوکے اور پیاسے گھروں میں چھپے بیٹھے رہتے۔ باہر نکلتے تو آوارہ لڑکے اور اوباش نوجوان نیز نابکار بڈھے ان کے پیچھے لگ جاتے۔ خاک ڈالتے اور غلاظت پھینکتے۔ سنگ ریزے مارتے۔ گالیاں دیتے حتیٰ کہ کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے۔ مسلمان سخت مصیبت اور تکلیف میں تھے۔

مگر وہ ایسے پکے اور راسخ العقیدہ تھے کہ سختیاں برداشت کر رہے تھے۔ مصائب پر مصائب جھیل رہے تھے۔ مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آتی تھی۔ کوئی مصیبت بھی ان کے پائے استقلال کو صراط مستقیم سے متزلزل نہ کر سکی جادۂ مستقیم سے ہٹنا تو بجائے خود رہا کبھی ان کی زبان پر حرف شکوہ بھی نہ آیا ہر مصیبت ہر تکلیف اور ہر سختی کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ہمیشہ ہر حال

ہیں خدا کا شکریہ ادا کرتے رہے مسلمان غور کریں۔ کہ ان میں اپنے بزرگوں کی کون کونسی خوبیاں ہیں ان کا ایمان کس قدر راسخ ہے۔ خدا پر کتنا اعتماد ہے۔ ابتدا میں کس قدر شکر کر سکتے ہیں۔ غالباً ان تمام باتوں کا جواب ان کا ضمیر ان کا دل اور دماغ نفی میں دے گا۔ حقیقت میں اگر مسلمان مسلمان ہوتے خوشی غم مصیبت اور راحت وغیرہ خدا کی طرف سے سمجھتے۔

خدا پر۔ خدا کی رحمت پر یقین رکھتے۔ راسخ العقیدہ مسلمان ہوتے خدا اور رسول کے احکام کی تعمیل کرتے تو کبھی ایسی ذلت و پستی کی حالت میں اسیر نہ ہوتے جیسے کہ اب ہیں دیکھا تو یہ جاتا ہے۔ کہ جب کبھی مسلمان پر مصیبت آتی ہے تو خدا کے تمام احسانات بھول کر شکوہ بیداد پر اتر آتا ہے۔ خدا کی شکایات کرنے لگتا ہے۔ کیا پکا مسلمان ہونے کی یہی دلیل ہے؟ وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے دنیا کے پیچھے دین کو چھوڑ بیٹھے۔ خدا ناراض ہو گیا۔ دین کو خود چھوڑا اور دنیا خدا نے چھین لی۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ ذلت و افلاس میں پھنس گئے۔

جب تک مسلمان حقیقت میں مسلمان نہ بنیں گے خدا اور اُس کے احکام کی مطابعت نہ کریں گے۔ کبھی فارغ البال نہ ہونگے۔ پنپنے کی صرف ایک یہی دلیل ہے۔ انگریزی پڑھیں یورپ جائیں۔ مگر دنیا کمانے کے لیئے غربی معاشرت سیکھنے کے لیئے نہیں بلکہ اسلام کا نمونہ بنکر جائیں۔ اسلام کی خوبیاں اہل مغرب کے ذہن نشین کرانے کے لیئے جائیں۔

قریش مکہ نے مسلمانوں کو ستانے اسلام سے منحرف کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ لیکن جس قدر وہ ظلم کرتے تھے اسی قدر صبر اور استقلال سے کام لیتے تھے۔ کفار مکہ ان کے صبر و استقلال کو دیکھ کر حیران رہ گئے ایک

دن آنحضرت صلعم لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کوہ صفا پر جا پہنچے عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ آپ ایک گھاٹی میں نماز پڑھنے گئے۔ اتفاق سے ابو جہل اس طرف آنکلا۔ آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور غیظ و غضب بھری نظروں سے آنحضرت صلعم کی طرف دیکھنے لگا۔

جب آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو ابو جہل بڑھ کر آپکے پاس پہنچا اور نہایت گستاخانہ طریقہ سے بولا۔

محمدؐ! تیری ذات نے تمام قوم سارے عرب کو بڑی کشمکش اور بڑے فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیوں نہ میں آج تیرا خاتمہ کر ڈالوں

آنحضرت صلعم نے اُس کی اس دریدہ دہنی کا کوئی جواب نہ دیا۔ آپ جو کچھ پڑھ رہے تھے۔ بدستور وہی پڑھتے رہے اتفاق سے ابو جہل کی ایک کنیز بھی ادہر آنکلی۔ یہ عفیفہ مسلمان تو نہ تھی۔ مگر مسلمانوں کی خیر طلب تھی۔ آنحضرت صلعم کو بے کسی و لاچاری سے مجبور سمجھ کر ان سے محبت رکھتی تھی۔

وہ ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر دیکھنے لگی کہ دیکھوں ابو جہل محمد صلعم کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ جب آنحضرت صلعم نے ابو جہل کو کچھ جواب نہ دیا تو اُس نے پھر کہا محمدؐ تم نے قوم کو بے حد مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ابو جہل میں نے قوم کو مشکلات میں پھنسا دیا ہے یا قوم نے مجھے اور مسلمانوں کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ابو جہل۔ اگر تو تبلیغ اسلام چھوڑ دے تو ہم تجھے مکہ کا بادشاہ بنا دیں

محمد صلعم۔ میں بادشاہی نہیں چاہتا۔

ابو جہل۔ جس قدر تو دولت کہے تجھے دے دیں۔

محمد صلعم۔ بخدا۔ مجھے دولت کی پرواہ نہیں ہے۔

خدا کا نام کفار کے لئے چھیڑ تھا۔ ابوجہل بھی خدا کا نام سنکر پھنکاریں مارنے لگا۔ اس نے کہا۔ خدا؟ اس نے دل کھول کر آنحضرت صلعم کو برا بھلا کہا۔ آنحضرت کی شان میں جس قدر گستاخی کر سکتا تھا۔ آنحضرت صلعم خموشی سے بیٹھے سنتے رہے اور انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ ابوجہل کا غصہ بڑھتا گیا چنانچہ اس نے طیش و غضب سے بھر کر ایک پتھر اٹھایا اور اپنی پوری طاقت سے کھینچ مارا۔ پتھر آنحضرت صلعم کی پیشانی پر پڑا۔ خون کا فوارہ ابل آیا۔ اور دم کے دم میں روئے انور لہو سے لبریز ہو گیا۔ آپ ہاتھ سے خون پونچھتے جاتے تھے۔ اور کہتے جاتے تھے۔ کہ ابوجہل تم جسقدر بھی مجھ کو ستا سکتے ہو۔ ستالو۔ مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔ خدا کو ہی یہ منظور تھا۔ ابوجہل ڈر گیا۔ کہ آنحضرت صلعم کی کہیں وفات ہی نہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے خاندان ہاشم اس سے اس کے خاندان سے نیز اس کے قبیلے سے آنحضرت صلعم کا انتقام خون لے اس لئے وہ فوراً ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔ اس کے چلے جانے کے بعد آنحضرت صلعم بھی اُٹھے اور اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے بعد کنیز چلی۔

اگرچہ یہ کنیز ابوجہل کی لونڈی تھی اسے ابوجہل کا پاس و لحاظ تھا۔ مگر آنحضرت صلعم کی معصومیت پر ان کا دل بہت کڑھا۔ اُسے ابوجہل کی بے جا سختی پر بہت غصہ آیا۔

عورت فطرتاً رحم دل ہوتی ہے۔ کنیز بھی عورت تھی اس کا دل رحم و ہمدردی کے جذبات سے بھر گیا۔ وہ اس فکر میں چلی۔ کہ کوئی ایسا شخص مل جائے۔ جسے آنحضرت صلعم محمدؐ سے ہمدردی کا ہو تو وہ تمام واقعہ اس سے کہدے۔

وہ جانتی تھی کہ آنحضرت صلعم اس قدر حلیم الطبع واقع ہوئے ہیں کہ ابوجہل کی زیادتی کا کسی سے بھی تذکرہ نہ کرینگے۔ اور اس طرح سے ابوجہل سے انتقام نہ لیا جا سکے گا۔ اس لئے اُسے یہ خیال آیا۔ کہ وہ خود ہی اس واقعہ کو کسی سے بیان کرے۔

اس وقت آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ اور شرقی جانب سے سیاہی پھیلنے لگی تھی۔ کنیز آہستہ آہستہ چل کر خانہ کعبہ کے قریب پہنچی۔ یہاں اُسے حضرت امیر حمزہؓ مل گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضہ

نہایت بہادر بڑے دلاور اور کمال طاقتور تھے۔ پورے جنگجو اور مشہور پہلوان تھے۔ متمول بھی تھے لوگ انھیں امیر حمزہؓ کے نام سے خطاب کیا کرتے تھے۔

یہ آنحضرت کے حقیقی چچا اور رضاعی برادر بھی تھے۔ انہیں شکار کا بیحد شوق تھا۔ ان کا معمول تھا کہ صبح سویرے ہی مسلح ہو کر شکار کے لئے چلے جاتے اور شام واپس آتے ہی اول خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ اور پھر گھر جاتے۔

آج بھی وہ شکار گئے تھے۔ اور اس وقت وہ واپس آ رہے تھے۔ تیر کمان آپ کے ہاتھ میں تھی۔ کنیز نے آپ کو دیکھا۔ وہ آپ کے پاس پہنچی۔ اور اس نے کہا!!

یا امیر ٹھہر جاؤ۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

حضرت امیر حمزہؓ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ کیا کہنا چاہتی ہے۔ کنیز نے کہا۔ کیا محمدؐ تمہارے بھتیجے اور رضاعی برادر نہیں ہیں؟

حضرت امیر حمزہؓ نے جواب دیا۔ ہیں کیوں نہیں۔

کنیز۔ کیا آپ کو اُن سے محبت نہیں ہے۔

امیر حمزہؓ۔ مجھے ان سے بہت زیادہ محبت ہے۔

کنیز۔ افسوس ہے یا امیر تمہارے بھتیجا پر لوگ ناروا سختیاں کرتے ہیں۔ اور تم کو پرواہ تک نہیں ہوتی۔ یہ کیسی محبت ہے۔ کیسی یگانگت ہے۔ کیا دنیا کا خون سفید ہو گیا ہے۔ ابھی محمدؐ کوہ صفا پر بیٹھے تھے۔ ابو جہل نے ان کو سینکڑوں گالیاں دیں۔ جب آنحضرت صلعم نے جواب دیا۔ تو اس نے ایک بڑا پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا۔ اس صدمہ سے ان کا سر پھٹ گیا۔ اور خون کا فوارہ بہ چلا۔ بے چارے صبر و شکر کر کے چپ ہو گئے۔

آہ! آج خاندان ہاشم کی حمیت کیا ہوئی۔ ایک ہاشمی نوجوان کو لوگ اس لئے ستاتے ہیں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ اور ہاشمیوں کے خون میں جوش نہیں آتا۔

کنیز کی مطعون باتیں سنکر حضرت امیر حمزہ رضہ کو طارہ آگیا۔ خون اور دودھ نے جوش مارا

انہوں نے فرمایا۔ میں تمہارا مشکور ہوں۔ کہ تم نے مجھے یہ بات بتا دی۔ میرا بھتیجا اس قدر بے زبان ہے کہ اس نے آجتک مجھ سے کسی کی شکایت نہیں کی۔ میں آج ابوجہل سے اپنے بھتیجا کا انتقام لوں گا۔

یہ کہتے ہوئے وہ بڑھے اول خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ طواف کر کے لوٹے۔ یہ وقت قریش کے پوجا کرنے کا تھا۔ لوگ بتوں کے سامنے سجدہ میں پڑے تھے۔ ابوجہل اپنے حلقہ احباب میں بیٹھا تھا۔

حضرت امیر حمزہؓ ابوجہل کے پاس پہنچے اور کمان اٹھا کر اس زور سے اس کے سر پر ماری۔ کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ آپ نے غضب آلود آواز سے گرجتے ہوئے کہا۔ او بدکار ابوجہل سن۔ میں محمد صلعم کے دین پر ایمان لایا ہوں میں وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ اگر ہمت ہے تو میرے سامنے بول۔

ابوجہل کے احباب کو بڑا طیش آیا۔ وہ انتقام کے لئے اٹھے۔ ابوجہل سمجھ گیا۔ کہ اب بیت الحرام میں خون کی ندیاں بہ جائینگی۔ چنانچہ اس نے اشارہ سے اپنے احباب کو خاموشی سے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔

فوراً سب بیٹھ گئے۔ گویا ان کا جوش ہنڈیا کا ابال تھا۔ وہ دفعتاً اٹھا۔ اور اٹھتے ہی غائب ہو گیا۔

ابوجہل نے کہا اے امیر واقعی آج مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے آپ کے بھتیجہ پر بیجا تشدد کیا۔ اگر تم مجھ سے اپنے بھتیجہ کا انتقام نہ لیتے تو بے حمیت شمار ہوتے۔

ابوجہل بخوبی جانتا تھا۔ کہ امیر حمزہؓ کسقدر بہادر ہیں۔ اس لئے اس نے صلح و آشتی سے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔ حضرت حمزہؓ چپ ہو کر چل دیئے۔ اور بات بڑھتے بڑھتے رہ گئی۔ جب حضرت امیر حمزہؓ خانہ کعبہ سے باہر آئے۔ تو آپ کو خیال ہوا کہ پہلے چل کر محمد صلعم کو دیکھوں۔ کہ ان کے زیادہ چوٹ تو نہیں آگئی۔

چنانچہ طبیعت میں جوش اور اشتعال تھا۔ لہذا راستہ بھر کسی سے نہ بولے۔ جب آنحضرت کے مکان پر پہنچے۔ تو دیکھا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت فاطمہؓ آپ کے پاس بیٹھیں آپ کے سر مبارک کو دھو اور کپڑے کو زخم سے بھرنے کے لئے جلا رہی ہیں

آپ نے یہ بھی دیکھا۔ کہ حضرت خدیجہؓ افسردہ خاطر ہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ رو رہی ہیں۔ حضرت فاطمہؓ ابھی بچہ ہی تھیں۔ وہ کپڑا جلا رہی تھیں۔ اور زار و نزار رو رہی تھیں۔ آنحضرت صلعم انہیں تشفی دے رہے تھے۔ فرما رہے تھے۔ میری عزیز بچی مت رو۔ انبیاء پر ہر زمانہ میں سختیاں ہوتی رہی ہیں۔ میں بھی نبی ہوں اس لئے میری قوم بھی مجھ کو ستاتی ہے بیٹی تو کبتک مجھ پر ظلم و ستم دیکھ کر روتی اور کفِ افسوس ملتی رہیگی۔

حضرت فاطمہؓ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ حضور ہمارا خدا ہماری کیوں نہیں سنتا۔ ابا جان! میں کیسے دیکھوں۔ کہ لوگ آپ کو پتھر مار مار کر زخمی کر دیں۔ جس وقت حضرت امیر حمزہؓ مکان کے اندر پہنچے۔ تو حضرت فاطمہؓ نے دیکھا۔ وہ اُٹھکر دوڑیں۔ اور ان کا دامن پکڑتے ہوئے کہا:۔

دادا جان دیکھو۔ میرے ابا جان کو دیکھو۔ ہائے انہیں پتھر مار کر مجروح کر دیا ہے۔ تم کیوں میرے ابا کی حمایت نہیں کرتے دادا جان!

یہ کہتے ہوئے وہ اسقدر روئیں۔ کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت امیر حمزہؓ پر بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا۔ میری عزیز بیٹی! اب نہ روؤ۔ آئندہ کسی مردود کو یہ مجال نہ ہوگی۔ کہ تیرے ابا کو کچھ کہہ سکے۔

انہوں نے حضرت فاطمہؓ کو گود میں اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ حضرت فاطمہؓ اب بھی رو رہی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے بھی آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ زخم میں جلا ہوا کپڑا ابھر رہی تھیں۔ اور آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گر رہے تھے۔

آنحضرت نے یہ کیفیت دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ خدیجہؓ روؤ نہ تمہارے رونے سے فاطمہؓ کو مزید صدمہ ہوگا۔ حضرت خدیجہؓ نے دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھ لئے۔ حضرت امیر حمزہؓ فاطمہؓ کو گود میں اٹھائے ہوئے آنحضرت صلعم کے پاس پہنچے۔ آنحضرت صلعم نے اُسے سلام کیا۔

حضرت امیر حمزہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئے اور آپ نے ہمدردانہ انداز سے فرمایا :۔
میرے پیارے بھتیجے تم کو یہ سنکر بہت خوش ہونا چاہیئے ۔ کہ میں نے بدکار ابوجہل سے تمہارا انتقام لے لیا اور اس زور سے اس کے سر پر کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا
آنحضرت صلعم نے حضرت امیر حمزہؓ کی طرف دیکھ کر کہا ۔
یا عم ! مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہو سکتی کہ تم نے میرا انتقام لے لیا ہے مجھے تو جب خوشی حاصل ہو ۔ جب کہ آپ مشرف بہ اسلام ہو جائیں ۔
حضرت امیر حمزہ آنحضرت صلعم کی حالت اور حضرت فاطمۃ الزہرا کے رونے کی کیفیت دیکھ کر نرم اور گداز ہو چکے تھے !
چنانچہ انہوں نے بے ساختہ پن سے کہا ۔ اگر تمہاری یہی خوشی ہے ۔ تو مجھے یہ بھی منظور ہے ۔ تم مجھے مسلمان کر لو ۔
آنحضرت صلعم کو ان کے اس مختصر جملہ سے بڑی مسرت ہوئی ۔ آپ زخم کی سوزش اور اس کی تکلیف کے احساس کو بھول گئے ۔ فوراً حضرت امیر حمزہ طرف متوجہ ہوئے انہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا ۔
جب حضرت امیر حمزہ مسلمان ہو گئے ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ یا عم آج مجھے بھی مسرت حاصل ہوئی ہے ۔ یہ خدا کا انعام ہے ۔ کہ اس نے آپ کو مسلمان کر کے میرا معاون بنا دیا ہے ۔
آنحضرت صلعم کو مسرور دیکھ کر حضرت فاطمہ رضؓ ۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت امیر حمزہؓ رخصت ہو کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے ۔
یہ واقعہ سنہ ۶ نبوی کا ہے ۔

تیسرا باب (۳) حصہ دوم

مشورہ قتل

حضرت امیر حمزہ رض معمولی آدمی نہ تھے۔ بلکہ امیر تھے۔ بہادر تھے۔ جنگ جو تھے۔ تمام عرب میں مشہور تھے ان کے مسلمان ہونے کی خبر چشم زدن میں برقی پر لگا کر مکہ کے گھر گھر اور کوچہ کوچہ میں پہنچ گئی۔ کفار مکہ کو اُن کے مسلمان ہونے کا بے حد صدمہ ہوا۔ بڑے ہاتھ ملے بڑے جز بجز ہوئے۔ لیکن یہ جرأت نہ ہوئی کہ حضرت حمزہ سے کچھ کہہ سکیں۔ ان پر سختیاں کرنے کی ہمت پڑی چپ چاپ رہے۔ رازداری کے خفیہ مشورہ کرنے لگے۔

حضرت امیر حمزہ کے مسلمان ہونے سے آوارہ لڑکوں اور اوباش نوجوانوں کے حوصلے بھی پست ہوگئے۔ سب نے بجائے خود یہ سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کو ستایا گیا تو امیر حمزہ انتقام لیے بغیر نہ رہیں گے۔ لہذا وہ بھی احتیاط کرنے لگے۔ لیکن جب اور جس وقت موقعہ پاتے ستائے بغیر نہ رہتے تھے۔ اب مسلمان قدرے آزادی سے بازاروں میں آنے جانے لگے اور کھانے پینے کی فراخی ہوگئی۔ لوگوں سے ملنے لگے اور تبلیغ کا سلسلہ شروع ہوگیا

ہر مسلمان جس شخص سے ملتا تھا۔ اسلام کی تعلیم اُس کے سامنے پیش کرتا۔ قرآن مجید کی آیات سناتا۔ لوگوں پر ان کا اثر ہوتا۔ بعض مسلمان ہو جاتے اور اکثر کو مسلمانوں سے ہمدردی ہو جاتی۔ اس طرح سے اسلام رفتہ رفتہ پھیلنے لگا۔ اور صدائے حق لوگوں کے کانوں تک پہنچنے لگی۔ کفار مکہ کو اس بات سے بڑی کوفت اور بڑا اضطراب

دکرب ہوا وہ سمجھ گئے کہ اگر یہی سیل دنہار ہے۔

یہی مسلمانوں کی تبلیغ رہی اور لوگوں کا اسلام کی طرف رجحان رہا تو ایک دن تمام مکہ مسلمان ہو جائے گا۔ اس خیال سے ان کو قلبی اذیت پہنچنے لگی انہوں نے پھر ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اکابر قوم کو صورتِ حالت سے متنبہ کرتے ہوئے۔ موجودہ مشکل کے حل پر غور دخوص کر کے لائحہ عمل سوچنے کے لیئے جمع کیا۔

ہر قبیلے کے معزز لوگ بلائے گئے چونکہ اسلام سے ہر معزز اور مقبول آدمی کو نفرت تھی اس لیئے فوراً ہی تمام جمع ہو گئے۔ باقاعدہ اجلاس شروع ہوا اس مرتبہ ابوسفیان کو صدر بنایا گیا۔ ابوجہل نے کہا اے اخوان العرب کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ جس قدر مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی قدر ابھرتے ہیں اور اسلام چمکتا ہے جو لوگ ہجرت کر کے حبش میں پہنچ گئے ہیں

اُن کی طرف سے خدشہ ہے کہ وہ کہیں بادشاہ حبش کو مکہ پر نہ چڑھا دیں۔ اُس کے علاوہ سب سے بڑا خطرہ مکہ کے مسلمانوں سے ہے ہم نے ان پر سختیاں کر کے ان کو اسلام سے منحرف کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بلکہ ہماری سختیوں کا نتیجہ کچھ بھی نہ ہوا اور ایک شخص بھی اسلام سے نہ پھرا اور تو یہ کم بخت غلام اور کنیزیں بھی باز نہ آئیں حالانکہ ہم نے ہر وہ سختی جو ہمارے دماغ میں آئی ہے اور اب یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہیں باشندگان مکہ تمام کے تمام مسلمان ہو جائیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو آدمی بھی ایک مرتبہ محمد صلعم سے بات کر لیتا ہے۔ وہ اسی کا گرویدہ ہو کر اس کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے نہ معلوم کیسا جادو۔ اُس کے پاس ہے۔ میں نے کاہنوں سے دریافت کیا۔ اعراف سے پوچھا۔ سب یہی کہتے ہیں کہ محمد صلعم جادوگر ہے اور اس پر کسی کہانت کا اثر نہیں ہوتا ابرش جو مشہور کاہن اور اعراف ہے اُس کے پاس گیا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا ہے کہ اگر ہم نے عجلت سے کام نہ لیا اس فتنے کو فوراً نہ دبایا۔ تو سارا مکہ تمام عرب بلکہ دنیا کا بیشتر

حضرہ مسلمان ہو جائیگا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اب اس کا آخری وقت آگیا ہے۔ وہ اس فتنے کو دیکھنے کے لیئے خود بھی زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ اُسکے کہنے اور اسلام کے دن بدن ترقی کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر ہم نے اپنی کوششوں میں ذرہ بھر بھی کوتاہی کی تو لقیناً اسلام سارے ملکہ پر چھا جائے گا۔ اور پھر ہم سب معزول کر دیئے جائیں گے۔ اور ہمارے مراتب ہم سے چھین لیئے جائیں گے۔ اب ہم حکومت کرتے ہیں۔ پھر محکوم بنکر رہ جائینگے کس قدر ذلت آمیز زمانہ ہوگا۔ کیا ہم میں سے کوئی بھی محکوم بن کر رہنا پسند کریگا

ابوجہل نے چاروں طرف استفسارانہ نظروں سے دیکھا۔ ہر طرف سے آوازیں آئیں ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں ا ہم اس ذلت کو برداشت کرنے کے لیئے کبھی زندہ نہ رہیں گے ابوجہل نے جوش میں آکر کہا۔ اس طرح سے نہ کہو۔ بلکہ یہ کہیئے کہ ہم اپنی زندگی میں ایسا وقت نہ آنے دیں گے۔ پھر آوازیں آئیں بے شک ہم یہ ذلت آفرین زمانہ نہ آنے دیں گے ابوجہل نے کہا۔ جب یہ بات ہے تو طے کر لیجیئے۔ کہ اسلام کا خطرہ کس طرح سے مٹائیں کیا سبیل کریں جس سے کہ اسلام پھیلنے نہ پائے۔

ابولہب نے کہا۔ ہم اس بات سے ڈر گئے۔ کہ ہیر حمزہ مسلمان ہو گئے ہیں اور وہ مسلمانوں کی حمایت میں شمشیر بکف ہو جائیں گے۔ اس لیئے ہم نے سختیوں میں اور نگہداشت میں کمی کردی ہے۔ اس سے مسلمان دلیر ہو گئے ہیں۔ ہم کو بدستور سابق جدو جہد شروع کر دینی چاہیئے۔

کیونکہ اب وہ علی الاعلان تبلیغ کر کے لوگوں کو بہکانے لگے ہیں اور اب کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ کوئی مسلمان اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔ اس سے اگر مسلمان قابو میں نہ آئیں گے۔ تو کم از کم یہ ضرور ہوگا۔ کہ دوسرے لوگوں پر ان کی تعلیم کا کچھ اثر نہ ہوگا۔

ولید نے کہا۔ اس کوشش میں ہم کو پہلے کامیابی ہوئی ہے اور نہ اب ہونے کی امید ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں کا قتل عام کر کے ان کا خاتمہ ہی کردو۔

عتبہ نے کہا ہمارا ایسا کرنا تمام قبائل کو دعوت مبارزت دینا ہے۔ کیونکہ جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ وہ ہر قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ہم نے تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ تو کوئی نہ کوئی قبیلہ کسی نہ کسی مسلمان کے انتقام کے لئے اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور جب جنگ کی چنگاری روشن ہو گی تو سارے ملک میں آگ لگا دے گی۔ اس لئے یہ غیر مناسب ہے۔

ابوجہل نے کہا۔ میں بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ بیچارے عام مسلمانوں کا کیا قصور ہے ان پر تو جادو کر دیا گیا ہے۔ کیوں نہ اس شخص کو قتل کر ڈالو۔ جو کہ سب سے بڑا ساحر بانی فساد ہے (نعوذ باللہ)

عمر بن الخطاب نے کہا۔ یہی رائے بہتر ہے۔ بنائے فساد نعوذ باللہ کا خاتمہ کر دو۔ فساد خود بخود مٹ جائے گا۔

عاص بن وائل السہمی نے کہا۔ اس بات کو سوچ لو کہ محمدؐ ہاشمی ہیں۔ اگر ان کے قتل کے بعد خاندان ہاشم ان کے انتقام کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو۔ پھر وہی صورت ہو گی۔ کہ تمام عرب میں جنگ کے شعلے بلند ہو جائیں گے۔

ابولہب نے کہا۔ تم اس سے مطمئن رہو۔ میں بھی ہاشمی ہوں۔ میں اپنے قبیلہ کو اپنے قابو میں رکھونگا۔

ولید نے سنبھل کر کہا۔ اگر یہ بات ہے تو اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بس اب محمدؐ کا خاتمہ ہی کر ڈالو۔

ابوجہل نے تمام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ بولو کون اپنے معبودوں اپنے مذہب اپنی قوم کی حمایت میں یہ کام کرنے کا آمادہ ہے؟

اگرچہ اس مجمع میں ہر قسم اور ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ مگر کسی نے بھی اس کام کی حامی نہ بھری وجہ یہ تھی۔ کہ سب جانتے تھے۔ کہ حضرت محمدؐ تنہا نہیں ہیں۔ ان کے ہمراہ ان کے جانثار صحابی ہیں جبتک صحابی قتل نہ ہو نگے محمد صلعم پر آنچ نہ آنے دینگے۔ یہ امر واقع ہے کہ

آنحضرت صلعم کے صحابی آپکے اس قدر جاںنثار تھے۔ کہ اپنے سامنے ان کے ایک خراش تک بھی نہ آنے دینگے۔ ایسے جانثار صحابی کسی نبی کو کسی زمانے میں نہ مل سکے۔ حضرت موسےٰ کے صحابیوں نے موسےٰ سے کہدیا تھا۔ کہ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے جا کر لڑو۔ حضرت عیسیٰ کو دشمنوں نے جب اسیر کیا۔ تو ان کے ایک صحابی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ جان کے خوف سے عیسائی ہونے سے بھی انکار کر دیا۔ مگر آپ کے صحابی ایسے تھے۔ کہ آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ابی طالب آپکے ولی تھے۔ ابی طالب کا اثر یوں تو تمام قبائل میں تھا۔ مگر ہاشمی آپکے زیر اثر تھے۔ اُن کے علاوہ حضرت حمزہ رضؓ مسلمان ہو گئے تھے۔ اُن کے مقابلہ کی جرأت لوگوں میں نہ تھی۔ ان وجوہات سے کسی کو آنحضرت صلعم کے قتل کا ارادہ کرنیکی جرأت نہ ہوتی۔ لوگوں کو خاموش دیکھ کر ابوجہل نے کہا کیا کوئی آمادہ نہیں ہے تعجب ہے مذہبی جوش۔ حرارت دینی اور قومی مردانگی کو کیا ہو گیا۔

ہمارے دل کیوں زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ ہمارے معبودوں کی تذلیل کیجا رہی ہے مگر دنوں میں حرارت پیدا نہیں۔ یا میں سمجھ لوں کہ ہمارے دلاوران صف شکن مسلمانوں سے ڈرنے لگے ہیں۔ یہ سُن کر عمر رضؓ کو جوش آگیا۔ اور اُس نے پر جوش انداز میں کہا اس فتنہ کا خاتمہ کر دوں گا۔

میری تلوار محمد صلعم کو قتل کیئے بغیر نیام میں نہ جائیگی۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے تلوار میان سے کھینچکر ہاتھ میں لی تمام مجمع نے حضرت عمر رضؓ کی بہادری کی تعریف کی ابوجہل نے کہا۔ اسے خطاب کے بہادر بیٹے محمدؐ کو جب تم قتل کر کے آؤ گے۔ تو میں تم کو سو اونٹ سرخ پشم اور سیاہ آنکھوں والے اور سو دینار سرخ دوں گا۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا میں کسی لالچ سے یہ کام نہیں کرتا۔ بلکہ قوم کا فتنہ مٹانیکے لیئے اس نیک کام پر آمادہ ہوا ہوں۔ ابوجہل نے کہا یہ تو بڑا شخص سمجھ گیا ہے۔ میں نے اپنی خوشی سے تم کو بطور انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جب تم بامراد واپس آؤ گے فوراً اونٹ اور دینار تمہاری نذر کر دیئے جائیں گے۔

حضرت عمر رضؓ نے کہا۔ میں آپ کا انعام بڑے فخر سے قبول کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضؓ اُٹھے اور آنحضرت صلعم کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام مجمع ان کی بامراد واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

چوتھا باب (۴)

شیرِ عرب عمر فاروقؓ حلقۂ اسلام میں

حضرت عمرؓ قریش کی نسل سے تھے۔ خاندان عدی کے چشم و چراغ تھے آپ کا خاندان آنحضرت صلعم سے آٹھویں پشت میں مل جاتا ہے۔ بڑے بہادر اور جنگ جُو تھے۔ غضب کے جوشیلے تھے۔ ایک تو خاندانی شرافت دوسرے دلیری و جرأت نے انہیں تمام عرب میں مشہور کر دیا تھا۔ وہ نوجوان تھے۔ انکی عمر ستائیس برس کی تھی۔ عمرؓ بہت زیادہ غصیلے اور پر جوش تھے۔ تمام عرب میں شیر عرب کے نام سے مشہور تھے۔

آپ اچھی طرح سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ عربی زبان کے ماہر تھے۔ مگر شعر نہ کہنا آتا تھا۔ البتہ اشعار کو خوب سمجھتے تھے۔ خلقی بہادری نے آپ کو نڈر بنا دیا تھا۔ جب اور جس سے الجھ جاتے تھے وہی دب جائے تو دب جائے مگر آپ نہ دبتے تھے۔ تمام قبائل سارا عرب واقف تھا۔ کہ جب آپکی تلوار میان سے نکل آتی ہے۔ تو بغیر فیصلہ کیئے زیب نیام نہیں ہوتی۔ آپ نے تلوار میان سے کھینچ لی تھی۔ حضرت محمدؐ صلعم کا فیصلہ کرنے کے چل پڑے۔

سب نے سمجھ لیا کہ اب حضرت محمد صلعم کا فیصلہ کر کے دم لیں گے اس خیال سے لوگوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے روزانہ ہوتے ہی تمام مکہ میں بجلی کی طرح سے یہ خبر گشت لگا گئی کہ حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کے لیئے روزانہ ہو چکے ہیں۔

لوگوں نے اس خبر کو بڑی مسرت سے سُنا اور حضرت عمر رض کی کامیابی کے منتظر ہو گئے سب نے سمجھ لیا کہ آج اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حضرت عمر رض بڑی شان سے شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے جھومتے جھامتے چلے جا رہے تھے۔ جب وہ بازار کے آخری سرے پر پہنچے تو ادھی سے سامنے سے حضرت سعید رض بن ابی وقاص آتے ہوئے ملے۔ حضرت سعید رض مسلمان ہو چکے تھے۔ یوں تو ہر مسلمان آں حضرت صلعم کا جانثار خادم وفاکش غلام اور طاقت گذار صحابی تھے۔

وہ حضرت عمر رض کو شمشیر بکف دیکھ کر کھٹکے۔ چونکہ وہ آنحضرت صلعم کے پاس سے آرہے تھے اس لئے ان کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ حضرت عمر رض کہاں جا رہے ہیں۔ مگر ان کے کڑے تیور خشمگیں چہرہ اور ہاتھ میں شمشیر عریاں دیکھ کر یہ خیال کر لیا کہ وہ ضرور آنحضرت صلعم کی فکر میں جا رہے ہیں۔ حضرت سعید رض نے حضرت عمر رض کو روکتے ہوئے کہا۔ عمر رض خیر تو ہے؟ آج غصہ میں بھرے ہوئے شمشیر برہنہ کئے کہاں جا رہے ہو۔

عمر رض نے کہا محمد م کو قتل کرنے اُس نے قوم میں بڑا فتنہ پیدا کر دیا ہے۔ آج اس کا خاتمہ کر کے آؤں گا۔ حضرت سعید رض یہ سن کر مضطرب ہوئے۔ انہوں نے فرمایا انہیں قتل کر کے تجھے کیا ملے گا۔ تم مجھے قتل کر ڈالو۔ میری آل کو ذبح کر دو۔ مگر آں حضرت صلعم کے قتل کا نام نہ لو۔ عمر رض نے غضب آلود نظروں سے حضرت سعید رض کو دیکھ کر دریافت کیا کیا تو بھی مسلمان ہو گیا۔ کم بخت! سعید نے کہا۔ ہاں میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔ عمر رض نے جوش میں آ کر تلوار اٹھائی۔ لیکن فوراً ہی جھکائی اور کہا تیرے مارنے سے کیا فائدہ بنائے شادی کیوں نہ مٹا ڈالوں۔ سعید یہ چاہتے تھے کہ

یا کسی کو قتل کر کے عمر رض کا غصہ فرو ہو جائے یا کسی نہ کسی طرح سے آنحضرت صلعم کو خبر ہو جائے۔ کہ عمر رض حضور م کو قتل کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے خود کو قتل کے لئے پیش کیا تھا۔ مگر جب دیکھا کہ حضرت عمر رض ان کے

قتل پر آمادہ ہوئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ آنحضرت صلعم کو بعد میں قتل کرنا۔ عمرؓ نے پوچھا گھر کی کیا خبر لوں؟

حضرت سعیدؓ نے فرمایا۔ تمہاری ہمشیرہ فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر عمر کا چہرہ غیظ و غضب سے تمتمانے لگا۔

انہوں نے جوش میں بھر کر کہا اگر یہ بات ہے تو پہلے ان دونوں کا خاتمہ کر آؤں یہ کہتے ہی وہ اپنے بہنوئی کے مکان کی طرف پلٹے۔ حضرت سعیدؓ کا بھی یہی منشا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے انہیں وقفہ مل جائے اور وہ آنحضرت کو اسکی اطلاع کر دیں۔ حضرت عمر کے پلٹتے ہی وہ پلٹے اور جلدی سے قدم اٹھا کر ارقم کے مکان کی طرف روانہ ہوئے اس وقت آنحضرت صلعم ارقم کے ہی مکان میں رونق افروز تھے۔ حضرت عمرؓ جوش میں بھرے ہوئے حضرت سعیدؓ کے مکان پر پہنچے دروازہ بند تھا۔ اور کسی کے کچھ پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ آپ دروازہ سے لگ کر کھڑے ہو گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ لیکن کوئی آہستہ آواز سے پڑھ رہا تھا۔ اور صاف طور پر سنائی نہ دیتا تھا۔ آپ کو شبہ گذرا کہ شاید قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد دستک دی اور فوراً آواز بند ہو گئی۔

آپ کا یقین بدل گیا۔ اُس یقین نے آپ کو بے حد برافروختہ کر دیا آپ نے پھر زور سے دستک دی کچھ وقفہ کے بعد دروازہ کھُلا اور آپ کی ہمشیرہ فاطمہ گھر میں نظر آئیں۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا۔ بھائی جان آپ ہیں آ جائیے

حضرت عمرؓ غصہ میں بھرے ہوئے تھے۔ مکان میں داخل ہوئے سامنے ہی ایک چٹائی پر آپکے بہنوئی سعید بیٹھے تھے۔ وہ عمرؓ کا غضب آلود چہرہ دیکھ کر سہم گئے۔ ڈرتے ڈرتے تعظیم کے لیئے اٹھے عمرؓ نے بڑھ کر تلوار چٹائی پر رکھ دی اور حضرت سعیدؓ سے دریافت کیا۔

بتاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے ۔ وہ اس شان سے کھڑے تھے گویا حضرت سعیدؓ پر جھپٹنے والے ہیں ۔ ان کی ہمشیرہ فاطمہ رضؓ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ گئی کہ عمرؓ کو اُن کے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا ہے ۔ چونکہ عمر بڑے جوشیلے تھے ۔ ضرور سعیدؓ کو زدوکوب کریں گے نیز ان کو یہ بھی معلوم تھا ۔ کہ حضرت لبینیہ رضؓ ان کی کنیز مسلمان ہو گئی ہے ۔ اور وہ اُسے اسقدر مارتے ہیں کہ مارتے مارتے تھک جاتے ہیں ۔ اس لیئے وہ ڈر گئیں اور انہوں نے فرمایا :۔

بھائیجان تشریف رکھیئے ۔ ہم جو پڑھ رہے تھے ۔ آپ کو سنا دیں گے ۔ عمرؓ غصہ میں بھرے ہوئے تھے ۔ انہوں نے حضرت فاطمہ رضؓ کو جھٹک کر الگ کر دیا اور سعید کا دامن پکڑ کر اُسے جھٹکے دیتے ہوئے کہا ۔ بتا او گمراہ تو کیا پڑھ رہا تھا ۔

سعید خوفزدہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگے ۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا ۔ حضرت عمرؓ کو اس قدر غصہ آیا کہ انہوں نے سعیدؓ کو نیچے گرا کر مارنا شروع کیا ۔ مارتے جاتے تھے ۔ اور کہتے جاتے تھے ۔ کہ کمبخت تم مسلمان ہو گئے ہو ۔ اب تجھ کو مسلمان ہونے کا مزہ چکھاؤں گا اس قدر ماروں گا ۔ تم مر جاؤ گے ۔

حضرت سعیدؓ نے اب بھی کچھ جواب نہ دیا ۔ خاموش پڑے پٹتے رہے ۔ حضرت عمر نے کہا ذلیل کمینے ۔ تم نے اسلام قبول کر کے ہمارے خاندان کو بٹہ لگایا ہے ۔ بول تو کیا اسلام چھوڑے گا ۔ سعید نے کہا ۔ نہیں مرتے دم تک اسلام سے منہ نہ موڑوں گا ۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضؓ پہلے سے بھی زیادہ پرغضب ہو کر بھر گئے ۔ گویا آپے سے باہر ہو گئے ۔ انہوں نے زدوکوب کرنا شروع کیا ۔

اب حضرت فاطمہ نے دیکھا تو ان سے صبر نہ ہو سکا ۔ انہوں نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا ۔ بھائیجان بس کرو ۔ آخر کب تک ماروگے ۔ عمر غصہ میں بھرے بھرے ہوئے تھے ۔ آپ نے زور سے ایک گھونسا مارا ۔ فاطمہ کا سر دیوار سے ٹکرا کر پھٹا اور خون بہہ کر چہرہ پر بہنے لگا ۔ حضرت فاطمہ نے جوش سے بھر کر کہا ۔ قد اسلمنا فافعل ما بدالک ۔ (ترجمہ) ہاں اے عمر ہم مسلمان ہو چکے

ہیں۔ محمد کے فرمانبردار بن گئے ہیں۔ جو تم سے ہو سکے کرو۔

حضرت عمر رضؓ نے فاطمہ رضؓ کا خون آلود چہرہ دیکھا تو آپ کا غصہ دھیما پڑ گیا۔ آپ نے سعیدؓ کو چھوڑ دیا۔ اُٹھے اور اپنی ہمشیرہ سے بولے مجھے وہ کلام لا کر دکھاؤ۔ یا سناؤ جو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات سنجیدگی کے لہجہ میں کہی۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کا بشرہ دیکھ کر سمجھ لیا۔ کہ ان کا غصہ اب بہت حد تک فرو ہو چکا ہے۔ اس لیئے انہوں نے قدرے دلیری سے کہا۔

یا اَخی ہم قرآن پڑھ رہے تھے۔ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لا یَمَسہٗ الا المطھرون۔ ترجمہ اس کو وہی چھو سکتے ہیں۔ جو پاک ہیں۔ اگر آپ غسل کر کے آئے ہیں۔ تو ہم آپ کو پڑھ کر سُنا سکتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ خدا کا یہ حکم ہے کہ قرآن مجید کا اس کہنے سے یہ مقصد بھی تھا۔ کہ عمر غسل کر لیں جو ان میں تھوڑا بہت غصہ باقی رہ گیا تھا۔ وہ بھی جاتا رہے۔ عمر رضؓ کو کلام پاک کے سُننے کا بیحد شوق تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ اچھا میں غسل کر کے آتا ہوں۔ یہ کہتے ہی وہ باہر چلے گئے۔ ایک اعرابی جو مکان کے اندر چھپے ہوئے تھے۔ یہ جناب بن الارث تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم دینے کیلئے حضرت سعیدؓ کے پاس آتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ کو دیکھ کر چھپ گئے تھے۔ انہوں نے حضرت فاطمہ رضؓ سے خطاب کر کے کہا۔ فاطمہ تم نے یہ کیا غضب کیا۔ کہ اپنے بھائی کو آیات قرآنی دکھانے کا وعدہ کر لیا۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے کہا۔ مطمئن رہو۔ جناب مجھے یقین ہے کہ کلام الٰہی عمر رضؓ کے دل پر اثر کیئے بغیر نہ رہے گا۔ جناب نے کہا۔ خدا ایسا ہی کرے۔ آنحضرت صلعم نے دعا فرمائی ہے۔ کہ یا تو حضرت عمر مسلمان ہو جائیں یا عمر بن ہشام ابوجہل اب سعید بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ عمر مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت جنابؓ نے کہا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو حضرت عمر رضؓ کے مسلمان ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑی تقویت ہو جائے گی

حضرت فاطمہ رضؓ کے زخم سے ابتک خون جاری تھا۔ حضرت سعید رضؓ نے کہا تم اپنا سر اور منہ دہو ڈالو۔ فاطمہ رضؓ نے منہ ہاتھ دہویا۔ زخم پر پٹی باندھی اور اس عرصے میں عمر غسل کر کے آگئے۔ انہوں نے آتے ہی فرمایا۔ اب دکھاؤ۔ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ عمر کو آتے ہوئے دیکھ کر حضرت خباب پھر گھر کے اندر جا چھپے۔ حضرت فاطمہ رضؓ سے وہ اوراق لے کر خود ہی پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔ سبح للہ ما فی السموات والارض یحی ویمیت وھو علی کل شئ قدیر۔

ترجمہ۔ زمین اور آسمان کے رہنے والے خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ وہی آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے وہی زندہ کرتا ہے۔ اور مارتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے ابھی اس قدر ہی پڑھا تھا۔ کہ بول اٹھے واہ! کیا شیریں کلام ہے۔ آج تک میں نے ایسا کلام نہ دیکھا نہ سنا ہے۔ اس کا اثر میرے قلب ہوتا ہے۔ آپ نے پڑھنا شروع کیا۔ جوں جوں آپ پڑھتے جاتے تھے۔ قلب متاثر ہوتا جاتا تھا۔ جب آپ نے یہ آیتہ شریفہ پڑھی۔

آمنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین آمنو منکم وانفقوا لھم اجر کبیر۔

خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اور خرچ کرو۔ اس چیز کو اس چیز میں سے کہ تمہیں پہلے لوگوں کا جانشین کر کے دی گئی ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے ان کے واسطے بڑا ثواب ہے۔ ان آیات کا حضرت عمر رضؓ پر بڑا اثر ہوا اور وہ بے ساختہ پکار اٹھے یہ کلام لائق صد ہزار تحسین ہے۔ ایمان لایا اس نوید روح پرور پر حضرت سعید رضؓ اور حضرت فاطمہ دونوں کمال مسرور ہوئے۔ حضرت خباب بھی خوش ہو کر باہر نکل آئے۔ انہوں نے آتے ہی ان کو سلام کیا۔ حضرت خباب نے کہا میں آپ کے بہنوئی اور بہن کو قرآن مجید کی تعلیم دینے آیا کرتا تھا۔ آپ کو دیکھ کر چھپ گیا تھا۔

اے خطاب کے بیٹے مبارک ہو محمد صلعم کی دُعا آپ کے حق میں قبول ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ کیسی دُعا۔ حضرت خباب نے فرمایا۔ آنحضرت صلعم نے کل دعا فرمائی تھی کہ یاالٰہی یا تو عمر رضؓ کو مسلمان کر دے یا ابوجہل کو سو معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے حق میں دعا قبول ہو گئی۔ حضرت عمر نے فرمایا اب مجھے حضور کے سامنے لے چلو۔ وہیں چل کر مسلمان ہونگا۔

چنانچہ حضرت سعیدؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت خباب انہیں ہمراہ لے کر روانہ ہوئے حضرت عمر رضؓ نے شمشیر ہاتھ میں لے لی ادھر حضرت سعد بن وقاصؓ آپکی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عمر کے آنیکی کیفیت بیان کر چکے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد دروازہ پر دستک ہوئی لوگوں نے دروازہ سے جھانک کر دیکھا۔ حضرت عمر برہنہ شمشیر لیئے کھڑے نظر آئے صحابہ کرام نے حضور اکرم سے تذکرہ کیا۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ دروازہ کھول دو۔ حضرت امیر حمزہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ بلاشبہ دروازہ کھول دو۔ اگر عمر نیک ارادہ سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی تلوار سے اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے قریب جاکر دروازہ کھولا۔ حضرت عمر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ جب وہ آنحضرت کے قریب پہنچے تو آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپکے ہمراہ تمام صحابہ بھی کھڑے ہو گئے۔

آنحضرت صلعم نے بڑھ کر حضرت عمر کا دامن پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اور پُر جلال آواز میں کہا۔ عمر کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی بارعب آواز نے عمر کو کپکپا دیا۔ انہوں نے کہا اے خدا کے محترم رسول بس۔ مسلمان ہونیکے لیئے آیا ہوں۔

آنحضرت صلعم نے یہ سنتے ہی پر جوش مسرت سے آواز بلند اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ کہ دارالارقم۔ بلکہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھ گئے۔ تمام صحابہ آپکے گرد بیٹھ گئے اور حضرت عمر سامنے بیٹھ گئے۔ آنحضرت نے کلمہ پڑھا کر حضرت عمر کو مسلمان کر لیا۔ حضرت عمر نے مسلمان ہو کر کہا۔

اے خدا کے پیارے حبیبؐ میں چاہتا ہوں کہ آج خانہ کعبہ میں جاکر نماز ادا کیجیئے۔

اب تک مسلمان چھپے پھرتے تھے۔ کفار کے خوف سے خانہ کعبہ میں کفار مکہ کا جو معبد گاہ تھا۔ نماز پڑھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ آنحضرت صلعم نے جواب دیا کہ تمہارا یہی ارادہ ہے تو چلو!

سب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دارالارقم سے باہر آئے اور خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر سب سے آگے شمشیر برہنہ لئے چل رہے تھے۔ آنحضرت صلعم کے داہنے ہاتھ صدیق اکبر رضؓ بائیں ہاتھ حضرت امیر حمزہ رضؓ ان کے برابر حضرت علیؓ تھے باقی صحابہ پیچھے تھے۔ کفار مکہ نے جب اس شان اور عظمت سے مسلمانوں کو آتے دیکھا تو ان کو بڑی حیرت ہوئی راستہ میں ابوجہل ملا۔ اسے دیکھتے ہی حضرت عمر نے کہا۔

ابوجہل خدا کا شکر ہے۔ کہ میں مسلمان ہو گیا۔ محمدؐ کو خدا کا رسول مانتا ہوں ابوجہل کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اور مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھی کفار مکہ ایک طرف کھڑے دیکھتے رہے۔

یہ پہلی نماز تھی۔ جو بہت سے مسلمانوں نے اعلانیہ خانہ کعبہ میں پڑھی۔ نماز پڑھ کر سب لوگ واپس پہنچے حضرت عمر رضؓ کے دبدبہ کی وجہ سے کسی کافر کو چوں و چراں کرنے کی ہمت نہ ہوئی یہ واقعہ ذی الحجہ ۶ نبوی کا ہے۔

پانچواں باب (۵)

مردم آزاد طوفان

عدی اپنے مصیبت زدہ قافلہ کو ہمراہ لے کر "حمرا" کی طرف روانہ ہوا تھا۔ مغموم اور دل شکستہ حارثہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ چونکہ یہ قبیلہ بنو بجر سے متعلق تھا۔ اور قبیلہ بنو قحطان اور بنو بجر میں عداوت تھی۔ اس لیئے بنو قحطان نے عدی کے قبیلہ پر تاخت کی تھی۔ عدی کا قبیلہ کمزور تھا۔ ان میں بنو قحطان کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیئے بنو خزاعہ کا وسیلہ ڈھونڈا تھا۔ چونکہ اس قبیلہ کے افراد کو بھی اندیشہ تھا۔ کہ کہیں بنو قحطان رات کو یا دوسرے کسی وقت میں ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اچانک ان پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لیئے انہوں نے سیدھا راستہ اختیار نہ کیا۔ بلکہ غیر معروف راستہ سے روانہ ہوئے جو راستہ انہوں نے اختیار کیا وہ غیر آباد تھا۔ ریت کے سر بفلک ٹیلے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ سفید ریت کے چمکدار ذرے آفتاب کی شعاعوں سے چمک کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتے تھے تیز دھوپ گرم ہوا اور تپیدہ ریت راستہ میں موجب تکلیف تھا۔ جب تک آفتاب زیادہ بلند نہ ہوتا۔ شعاعیں ترچھی رہتیں ہوا گرم نہ ہوتی وقت خوشگوار رہتا۔ اس وقت تک یہ لوگ سفر کرتے رہتے تھے۔ اور جب سورج ذرا بلند ہو جاتا تھا۔ تو کرنیں سیدھی ہو جاتیں۔ ریت تپنے لگتا۔ ہوا گرم ہو جاتی تو یہ لوگ کسی اونچے ٹیلے کی آڑ میں ٹھہر جاتے

اور تمام دن دھوپ میں پڑے رہتے۔

بدبختی ملاحظہ کیجئے کہ راستہ بھول گئے مہینوں بھٹکتے پھرتے رہے۔ ایک دن جب کہ یہ لوگ ایک بلند ٹیلے کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ اور آفتاب لصف النہار پر پہنچا ہوا تھا۔ دھوپ اس قدر تیز بڑھ رہی تھی۔ کہ ریگ زار گرم ہو کر گلخن بن گیا تھا۔ گرم ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ ہوا کی گرمی دھوپ کی تمازت اور ریت کی تپش نے ان لوگوں کو بو کھلا دیا تھا۔ پیاس اور گرمی سے جان پر بنی ہوئی تھی۔ جس قدر پانی پیتے تھے پسینہ بن کر خارج ہو جاتا تھا۔ چونکہ اس ریگستان میں پانی کی سخت قلت تھی۔ اس لئے پانی ختم ہو جانے کے خوف سے جی بھر کر نہ پی سکتے تھے۔ آج کی تپش اور ہوا کی تیزی نے یہ بتا دیا تھا۔ کہ طوفان آنے والا ہے۔

ریگستان کا طوفان خدا پناہ میں رکھے نہایت تباہ کن ہوتا ہے۔ اس قبیلہ کے تمام لوگ طوفان خدا پناہ میں رکھے کا خیال کر کے سراسیمہ ہو رہے تھے۔ اس وقت ہوا اور تیز ہو گئی تھی۔ ریت کے بگولے اٹھ اٹھ کر اڑنے لگے تھے۔

عدی نے تمام لوگوں سے خطاب کر کے کہا۔ ہم مصیبت زدوں پر طوفان مزید طوفان توڑنا چاہتا ہے۔ اگر ہوا کا یہی رخ اور یہی زور رہا۔ تو خدشہ ہے۔ کہ کہیں ریت کے ٹیلے اکھڑ اکھڑ نہ اڑنے لگیں۔ حارثہ نے کہا آپ نے صحیح فرمایا مجھے خوف ہے۔ کہ طوفان پورے زور کے ساتھ آئے گا۔ ہوا اونچے ٹیلے کے ساتھ لڑ رہی ہے ایک اور عرب نے کہا۔ بگولوں نے ریت اٹھا اٹھا کر اچھالنا شروع کر دیا ہے۔

دیکھتے ہو۔ کس قدر ریت اڑ اڑ کر آ رہا ہے ہمارے معبود ہم پر رحم کر دیں اس ریگستان کے خون آشام طوفان سے بچا لو۔ عدی نے کہا۔ ہاں ہاں اے لات وہبل کے پرستار دعا عاجزی اور زاری کرو یہی وقت معبودوں کے پکارنے کا ہے سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سب نے احترام سے لات وہبل، عزیٰ اور منات

وغیرہ تجان کے نام بلند آواز سے لیکر ان سے رحم اور مہربانی کی التجا کی آفتاب کی طرف سر جھکا جھکا کر ہاتھ باندھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہوا دمبدم تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دہوپ کی رنگت سفیدی سے سرخی مائل ہونے لگی تھی۔ ہوا کا زور اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ ریت کے ٹیلوں کو اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکنے لگی تھی۔ جس ٹیلے کے نیچے یہ لوگ کھڑے تھے اس کا ریت اڑ اڑ کر لوگوں کے اوپر گرنے لگا تھا۔ اور اس سرعت سے گر رہا تھا۔ گویا انسانوں کا لشکر ٹیلے کے اوپر چڑھا ہوا نہایت تیزی سے گرا رہا ہے۔

عدی نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔ میرے عزیزو! اگر ہم کچھ دیر اور یہاں ٹھہرے رہے تو یقیناً ریت کے نیچے دب جائیں گے۔ آؤ اس ٹیلہ پر چڑھ جائیں۔ حارثہ نے کہا یا سیدی تم صحیح کہتے ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ جس قدر ریت اٹھتا جائیگا۔ اسی قدر ہم نیچے اترتے جائینگے۔ اگر اس سارے ٹیلے کو بھی ہوا اٹھا لیگی۔ تب بھی ہم ریت کے نیچے نہ دب سکتے۔ ایک عرب نے کہا۔ مگر ہم کو نظر کہاں آ رہا ہے ہوا آنکھیں کب کھولنے دیتی ہے۔ دبڑیوں ریت ہمارے جسموں پر پڑا ہوا ہے۔ کیسے ریت جھٹکیں کیسے آنکھیں کھولیں اور کیسے اوپر چڑھیں۔ عدی نے کہا سعی کرو زندگی چاہتے ہو تو جد و جہد سے کام لو۔ اگر تھوڑی دیر بھی یہاں کھڑے رہے۔ تو ٹیلہ کو دبا لیگا اور پھر اٹھنے نہ دے گا۔ اس وقت ان لوگوں پر ریت کی بارش ہو رہی تھی۔ ہر آدمی گھٹنوں تک ریت میں دبا کھڑا تھا۔ سر اور چہرے و ہاتھ سب ریت میں لٹ گئے تھے۔ گرم ریت اور گرم ہوا کے جھونکے۔ بدن کے جس حصے سے چھو جاتے تھے۔

جھلس کر سوزش پیدا کر دیتے تھے۔ انہیں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسا کہ بھاڑ میں سے گرم گرم ریت ان کے اوپر پھینکا جا رہا ہے۔ اسوقت انہیں بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ عقوبت دوزخ کا ذائقہ آ رہا تھا۔ پیاس سے الگ جان پر بنی تھی حارثہ نے اپنے منہ کے اوپر سے ریت جھٹکتے ہوئے کہا۔ چلو سب ٹیلے کے اوپر چلو ٹٹول

ٹٹول کر ایک دوسرے کا دامن یا ہاتھ پکڑ لو۔ سب نے ٹٹول کر ایک دوسرے کے دامن پکڑ لیئے۔ سب نے آنکھوں کے اوپر سے ریت جھٹک کر ماتھے پر ہتھیلیاں رکھ کر آنکھیں کھولیں سامنے دیکھا۔ فضا تیرہ و تار تھی۔ اگر کچھ نظر آتا تھا۔ تو وہ سرخی یا سرخی میں بسے ہوئے ریت کے سفید ذرے تھے۔

عدی نے اس منظر کو دیکھ کر کہا۔ افسوس کچھ نظر نہیں آتا۔ آہ کیا ہم سب ریت میں دب کر سسک سسک کر مر جائیں گے۔ کیا ہمارا انتقام ناتمام رہ جائے گا۔ آہ ہمارے معبودو یہ ہم پر کیا غضب نازل ہو رہا ہے۔ ہائے ہائے کیا ہمارے اعزہ کی روحیں انتقام نہ لیئے جانے کی وجہ سے ہمیشہ بھٹکتی پھریں گی؟

حارثہ نے جوش میں آ کر کہا نہیں نہیں!

ہم ابھی نہ مر جائیں گے۔ ہم اپنے عزیزوں کا انتقام لے کر مریں گے۔ چڑھو جلدی سے اس ٹیلہ پر چڑھو۔ اگرچہ ٹیلہ ان کے سامنے اور بہت ہی قریب تھا۔ مگر طوفان گرد کچھ دیکھنے نہ دیتا تھا۔ اس لیئے وہ نہیں جانتے تھے۔ یا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ کہ ٹیلہ کس طرف ہے۔ ہوا اس زور سے چل رہی تھی۔ کہ ریت تو ریت انسانوں کو اٹھائے لیتی ریت اس طرح سے آ آ کر گر رہا تھا۔ کہ جیسے کوئی گھڑیں باندھ باندھ کر گرا رہا ہو۔ یہ لوگ ریت میں دبتے چلے چلے جا رہے تھے۔

ایک عرب نے کہا۔ آہ ہم کیسے چڑھیں ہم تو ریت میں دب گئے ہیں۔ بس ہمارا نکلنا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔

عدی نے کہا مشکل ہے تو ہم زور لگاؤ۔ نکلو اور مشکل کو آسان کرو۔ سب نے مل کر زور لگایا۔ کچھ ابھرے لیکن اوپر سے اور ریت آ پڑی۔ اور پھر دب کے رہ گئے۔ حارثہ نے ریت کے ٹیلہ کا سہارا لے کر ابھرنے ریت کے گرداب سے نکلنے کی سعی کی مگر جھکنے کی وجہ سے ریت میں دب کر رہ گیا۔ اس نے مایوسانہ انداز سے کہا۔

کوشش فضول ہے ۔ کامیابی کی توقع نظر نہیں آتی ۔ موت سر پر آگئی ہے ۔ ہماری قبریں اب اسی ریت میں بنیں گی ۔

عدی نے کہا کہا ابھی قدر مایوسی نہیں چاہیئے ۔ کوشش کرو ۔ آہ کون

عدی کا فقرہ ابھی تمام نہ ہوا تھا ۔ کہ ہوا نے ریت کے ٹیلے کو ان کے اوپر الٹ دیا ۔ ایک دم چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں ۔ ہوا کا طوفان اور بڑھ گیا ۔ آندھی کی سرخی سیاہی سے بدل گئی ۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا ۔ البتہ ریت کے انبار ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ گر رہے تھے ۔

چیخوں کی آوازیں کم ہوتے ہوتے بالکل بند ہو گئیں ۔ کسی کے بولنے یا دم لینے کی بھی آوازیں آتی نہ تھی ۔ غریب عدی اور اس کے قافلے والے ریت میں دب گئے ۔

چھٹا باب

عدمِ تعاون

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے کفار مکہ میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ تمام قبائل اور قبیلہ کے ہر فرد کو بجد صدمہ ہوا۔ ہر شخص نے حیرت سے اس خبر کو سنا اور کف افسوس ملتے ہوئے رہ گیا۔ جس دن مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں جاکر نماز پڑھی تو تمام کفار کو کمالِ رنج ہوا۔ انہوں نے اپنے مذہب کی توہین سمجھا تمام مکہ میں اس سے غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ ایک نہایت زبردست انقلاب تھا۔

جو واقع ہوا تھا۔ اس سے کفار مکہ کے جذبات شدید ترین مجروح ہو گئے تھے اب مسلمان آزادانہ چلتے پھرتے تھے۔ خرید و فروخت کرتے تھے۔ خانہ کعبہ میں جاکر نماز ادا کرتے تھے۔ کسی کو انہیں روکنے چھیڑنے اور برا کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

اس آزادی کی خبر ملک حبش تک پہنچ گئی۔ جو مسلمان ہجرت کر کے وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہ سمجھے کہ اب قریش نے مخالفت بند کر دی ہے اور مسلمانوں کو آزادی سے رہنا پھر نا نصیب ہوا ہے۔ ان میں سے اکثر اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔ مگر جب یہاں آکر معلوم ہوا کہ ابھی کوئی آزادی وغیرہ نہیں ملی۔ کفار مکہ اپنی ضد سے باز نہیں آئے تو پھر حبش کو واپس چلے گئے۔ تاریخوں میں یہ حبش کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے

چونکہ مسلمان آزادانہ طریقے پر نماز پڑھنے لگے تھے ۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے ۔ اس سے کفار مکہ کے کلیجہ پر سانپ سا لوٹ جاتا تھا ۔ کچھ دنوں تو وہ چپکے رہے ۔ زمانہ کی رفتار دیکھتے رہے اور مسلمانوں کے طرز عمل کا مطالعہ کرتے رہے انہوں نے دیکھا ۔ کہ غلام ہو یا آزاد ۔ آقا ہو یا دریوزہ گر مسلمان ہو کر سب ایک صف میں شامل ہو جاتے ہیں غلام اور آقا کی خصوصیت اڑ جاتی ہے ۔ امیر و غریب کا فرق اٹھ جاتا ہے ۔ جاہ و منصب وغیرہ کوئی چیز نہیں رہتے اور مساوات سبکو ایک ہی رنگ میں رنگ دیتی ہے ۔ نہ کوئی بندہ رہتا ہے ۔ اور نہ کوئی بندہ نواز سب اخوت کی مضبوط رسی میں جکڑ دیئے جاتے ہیں ۔ اس کا اثر غربا پر خاص طور پر ہونے لگا ہے اور غریب لوگ اسلام کی طرف جھکنے لگے ہیں ۔ ان کفار کو جو اہل منصب اور جاگیر دار تھے معزز اور امیر تھے ۔ اس مساوات سے اپنے اعزاز کے مٹ جانے کا خطرہ محسوس کرنے لگے وہ کیسے اس بات کو پسند کر سکتے تھے ۔ کہ ایک غلام ایک ادنٰے خادم ایک غریب شخص ان کی ہمسری کا دعوٰے کرے اور اُن کے برابر بیٹھ سکے ۔ ان کی مجالس میں شریک ہو ان کے ساتھ مل کر عبادت کرے ۔ اس بات کو وہ اپنی توہین سمجھتے تھے ۔ اسلام نسلی عزور مٹانے جاہ و اعزاز کے افتخار کو خاک میں ملاتے ۔

دنیا کو مساوات کا سبق پڑھانے ہزاروں معبودوں کی پرستش سے چھڑا کر صرف ایک معبود کی پرستش کرانیکے لئے آیا تھا ۔ یہ نزاع روز افزوں ترقی کرتی رہی اہل دل دکفار پیچ و تاب کھاتے رہے ۔ غضبناک نظروں سے مسلمانوں کو دیکھتے رہے ۔ چونکہ مسلمانوں کو کسی قدر فارغ البالی نصیب ہوئی تھی ۔ اس لیئے انہوں نے تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا سعید روحیں کھنچنے لگیں ۔ لوگ مسلمان ہونے لگے ۔ مگر مسلمان ہونے کی رفتار سست تھی اکثر لوگ مسلمان ہونا چاہتے تھے ۔ مگر کفار کے مظالم سے ڈرتے تھے ۔ بعض نئے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے شرماتے تھے ۔ اور بہت سے اپنے ہی رشتہ داروں سے ڈرتے تھے ۔ اور کئی اپنے آبائی مذہب کو چھوڑتے ہوئے جھجکتے تھے ۔ اس لیئے اسلام آہستہ آہستہ پھیل

پھیل رہا تھا۔

اس وقت تک مکہ میں صرف چالیس لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ تراسی مسلمان وہ تھے۔ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے۔ اس طرح سے تمام مسلمان ملا کر صرف ایک سو تیئیس ہوئے تھے۔ یہ تعداد معمولی تھی۔ مگر کفار کو اس قدر لوگوں کے مسلمان ہونے سے یہ خوف لاحق ہو گیا تھا۔ اگر اسی طرح سے سلسلہ جاری رہا تو تمام مکہ اور پھر سارا عرب مسلمان ہو جائے گا۔ اور یہ ان کا اعزاز ان کا اقتدار ان کی وقعت اُن کے منصب وغیرہ سب خاک میں مل جائینگے۔ اس خیال نے ان کی انقطاعی تدابیر اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا انہوں نے ماہ محرم ۷ نبوی میں ایک مجلس شوریٰ منعقد کی تمام قبائل کے سرداروں کو مدعو کیا گیا۔

نہایت شان و شوکت سے اجلاس کی تیاری کی گئی۔ تمام لوگ بڑے جوش سے شامل ہوئے۔ ابو جہل، ابولہب۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل السہمی۔ عتبہ بن ربیعہ ابو سفیان بن عقبہ۔ نضر بن الحارث۔ ابو البختری امیہ بن خلف۔ عاص بن ہشام۔ زمعہ بن الاسود۔ زبیر بن الامیہ مطعم بن عدی۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب لوگ قریش مکہ اور رؤسا و سردار تھے۔ سب آئے اُن کے علاوہ سینکڑوں اور معزز معمول لوگ جمع تھے۔

جب یہ تمام لوگ آ گئے جو مدعو کیے گئے تھے۔ تو ابو سفیان کو صدر بنایا گیا۔ اب ابو جہل کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے عزیزو۔ تم نے دیکھا کہ جن باتوں کو ہم بچوں کا کھیل سمجھا تھا۔ وہ بڑھتے بڑھتے ہمارے دین کے لئے مستقل خطرہ بن گئی ہے۔ ہمارا قومی اعزاز مٹنے لگا ہے لوگ اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے نئے مذہب کو اختیار کرنے لگے ہیں۔ محمدؐ ہمارے مذہب کو مٹا کر نیا مذہب رائج کرنے میں شب و روز منہمک ہے۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ محمد صلعم کی تعلیم کچھ ایسی مساوات پر مبنی ہے۔ کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے۔ وہ نہ قومی اعزاز کا خیال کرتا ہے۔ نہ خاندانی وقار کا نہ قبیلہ کی شرافت کا اور نہ ذاتی وجاہت کا غرضیکہ وہ کسی بات کا

بھی خیال نہیں کرتے ۔ غریبوں مفلسوں، غلاموں اور ملازموں کے پاس بٹھلانے لگتا ہے۔ ان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے ۔ انہیں بھائی سمجھتا ہے ۔ کیا اس سے غربا کے دماغ بگڑ نہ جائیں گے۔ کیا غلام آقاؤں کی ہمسری نہ کرنے لگیں گے اور کیا ملازموں کی عادات خراب نہ ہوجائینگی۔ کیا کوئی غیور آدمی کوئی شریف عرب اس بات کو برداشت کرسکتا ہے۔ کہ غلام اور آقا میں کوئی تمیز باقی نہ رہے۔ خادم اور مخدوم میں کوئی فرق نہ ہو۔ میرے خیال میں کوئی عرب جسمیں ذرا بھی خودداری ہے۔ اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی سب سے اہم اور سب سے زیادہ خطرناک جو بات ہے وہ یہ ہے کہ ہر مسلمان بتوں بہ نظر حقارت اور بتوں کے پرستاروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

گویا ان کی نظروں میں ہماری ہمارے مذہب کی اور ہمارے معبودوں کی کچھ وقت نہیں ہے۔ کیا ہم اس تحقیر کو برداشت کرسکتے ہیں۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں ہرگز نہیں ۔

. . . .

ابوجہل نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اگر نہیں برداشت کرسکتے تو پھر خاموش کیوں بیٹھے ہو کیا سوچ رہے ہو۔ کس وقت کے منتظر ہو تم نے دیکھ لیا کہ باوجود ہماری کوششوں کے مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ بے وقوف۔ احمق ذلیل اور کمینے لوگ چپ چپ کر جاتے ہیں ۔ اور مسلمان ہو ہو کر اوروں کو دوسروں کو بہکانے لگتے ہیں۔ اگر کوئی انتظام نہ کیا۔ تو اندیشہ ہی نہیں۔ بلکہ یقینی امر ہے۔ کہ تمام مکہ مکہ نہیں۔ بلکہ تمام عربستان مسلمان ہوجائے

آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد ملک حبش میں چلی گئی ۔ کیا وہ لوگ چپ چاپ بیٹھے ہوں گے ۔ وہاں جس وقت ان کی جمعیت بڑھ جائے گی ۔ وہ مکہ پر حملہ کریں گے ۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کیا انجام ہوگا ۔

یقینی بات ہے کہ حبس کو گنبد نبے لگتا ہے ۔ اگر اسے فوراً بند کردیا جائے تو اس کا

رستا بند ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ذرا بھی تغافل سے کام لیا جائے۔ تو پھر معمولی سوراخ شگاف بنکر تباہی اور بربادی کا باعث ہو جاتا ہے۔ یہی اسلام کی کیفیت ہے۔ ابھی اس کا آغاز ہے کوشش کرنے سے اسکی ترقی رک سکتی ہے۔ لیکن اغماض چشم پوشی کیجائے تو پھر تمام قبائل کو ہڑپ کر جائیگا۔ عجب نہیں کہ عربستان سے ہمارے معبودوں کو ہمارے مذہب والوں کو بڑی بے آبروئی سے نکلنا پڑے۔ کیا تم اِسے گوارہ کر سکوگے۔

سب نے نہایت جوش و خروش سے کہا۔ ہم یہ بات ہرگز ہرگز گوارا نہ کر سکیں گے۔

ابوجہل نے کہا۔ مجھے بھی یہی خیال تھا۔ کہ تم ہرگز گوارہ نہ کر سکوگے۔ مگر اس خطرہ کو مٹانے کے لیئے کیا تدبیر سوچی ہے۔

چند آوازیں آئیں۔ تدبیر سوچنا بڑے آدمیوں کا کام ہے۔ ہمارا کام صرف ان پر عمل کرنا ہے۔

ابوجہل نے کہا۔ نہایت ہی معقول بات ہے۔ آج اکابرین قوم اسی لیئے جمع ہوئے ہیں۔ کہ وہ متفق و متحد ہو کر کوئی ایسی تجویز سوچیں جس سے اسلام کا خطرہ مٹ جائے مسلمانوں کا استیصال ہو جائے اور پھر ہم آرام کی نیند سو جائیں

عتبہ نے کہا۔ خطرہ محمدؐ کی طرف سے ہے۔ جب تک وہ زندہ ہے۔ اس وقت تک یہ خطرہ نہیں مٹ سکتا۔ میرے خیال میں تو چند لوگ جائیں اور انہیں قتل کر کے خطرہ کو مٹا ڈالیں۔

زبیر بن امیہ نے کہا۔ سب لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ محمدؐ صلعم خاندان ہاشم سے ہیں۔ قریش میں یہ خاندان سب سے زیادہ متفخر و معزز ہے۔ لہذا انہیں قتل کرنے سے خدشہ ہے کہ خانہ جنگی شروع نہ ہو جائے۔

اس کے علاوہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان انہیں دمحمدؐ آسانی سے مرنے دیں گے

وہ جب تک خود نہ مریں گے اپنے ہادی پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ اس لیئے یہ کام آسان نہیں ہے۔ مطعم نے کہا۔ بلاشبہ یہی بات ہے چونکہ مسلمان ایک و نہیں۔ بلکہ کئی قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیئے یہ فعل نہایت ہی خطرناک اور عظیم جنگ کا پیش خیمہ ہے:۔

عتبہ نے کہا۔ اگر تمام لوگ متفق ہوجائیں تو تجویز بتائے دیتا ہوں

سب لوگوں نے کہا! ہم سب متفق ہیں آپ بتائیں۔

عتبہ مسلمانوں سے عدم تعاون کرو۔ بیاہ شادی۔ لین دین اور رسم ورواج ملاقات۔ کھانا پینا۔ خرید وفروخت وغیرہ سب بند کردو۔ انہیں مجبور کردو۔ کہ یہ بستی میں نہ رہیں۔ بلکہ پہاڑ پر چڑھ جائیں۔ یہ نگرانی کیجائے کہ کھانے پینے اور کسی قسم کا کوئی سامان ان کے پاس نہ پہنچے۔ اس طرح سے وہ خود ہی تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے اور ہمیں کسی کو مارنے اس کے قبیلہ کو خون بہا ادا کرنیکی نوبت نہ آئے گی۔

اس تجویز کو سنکر سب نے نعرہ تحسین بلند کیا۔ خوب تھیلیاں بجائیں۔ جب ذرا شور و غل کم ہوا تو زبیر نے کہا۔ میرے خیال میں یہ نہایت ہی ظالمانہ فعل ہے۔ اس سے تو یہ بہتر ہو گا کہ انہیں قتل ہی کردیا جائے۔

ابولہب نے کہا۔ زبیر اس تجویز کو منظور کرلو۔ اس سے ہمارا مقصد مسلمانوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر قتل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ انہیں مجبور کرکے اسلام سے اپنے مذہب میں واپس لوٹانا ہے۔

زبیر۔ اگر صرف اس خوف سے تنگ اور پریشان کرنا منظور ہے۔ تو مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ میں شریک ہوں۔ لیکن تم اس طرح سے انہیں اگر قتل کرنا چاہو تو مجھے شرکت منظور نہیں ہے۔

ابوجہل نے کہا۔ ہم انہیں قتل کرنا تو چاہتے ہی نہیں صرف انہیں دق کرنا منظور ہے میرا خیال ہے۔ کہ بہت جلد وہ پریشان ہوکر ہمارے معبودوں کے سامنے آجھکیں گے اور پھر

قوم کو کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا۔

ابوسفیان نے کہا یہ مناسب ہے کہ ایک عہدنامہ تیار کیا جائے اور عہدنامہ کا مضمون یہ ہو کہ مسلمانوں سے اس وقت تک عدم تعاون کیا جائے۔ جب تک کہ وہ اسلام سے منحرف ہو کر اپنے آبائی مذہب میں پھر داخل نہ ہوں۔ اس عہد نامے پر تمام لوگ دستخط کریں۔

عتبہ نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ بالکل صحیح ہے۔ اور نہایت موزوں۔ چونکہ سب اس رائے سے متفق ہو گئے۔ اس لیئے منصور بن عکرمہ نے لکھا سب نے اس رائے پر دستخط کیئے اور اور اس عہدنامہ کو در کعبہ پر آویزاں کیا۔

اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی معاہدہ لکھا جاتا تو در کعبہ پر آویزاں کیا جاتا اور جب تک وہ تحریر باقی رہتی کوئی نقض عہد کی جرأت نہ کرتا۔

چنانچہ جب عہدنامہ آویزاں کر دیا گیا تو عاص بن وائل نے کہا آج ہی مسلمانوں کو لے جا کر پہاڑی کے کسی درّے میں محصور کر دو۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ چونکہ اس وقت تمام قبائل کے ذی اثر افراد موجود تھے۔ اس سے اچھا موقعہ اور کب مل سکتا تھا۔ سب اُٹھے اور سیدھے دارِارقم جا پہنچے۔ یہاں مسلمان جمع تھے۔ وہ عصر کی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ کہ ابوجہل نے انہیں قوم کے متفقہ فیصلے سے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

اگر تم لوگ محمدؐ صلعم کا ساتھ چھوڑ دو۔ تو تم کو آزادی دیجا سکتی ہے۔ تمام مسلمانوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ مر جائینگے۔ مگر خدا کے پیارے نبیؐ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ ابوجہل جھلا کر بولا تو چھوڑو خود ہی درہ میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤگے۔ ابولہب نے کہا تم پر اتنی مہربانی کیجاتی ہے۔ کہ جو سامان اس وقت تمہارے پاس ہے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ مگر اس کے بعد پھر کوئی سامان میسر نہ آسکے گا۔

مسلمان دارالارقم سے نکلے۔ چونکہ اس وقت تک آنحضرت صلعم نے مقابلہ کرنے کفار سے لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لیئے وہ سب خاموش اپنے اپنے

گھروں کو جاتے رہے۔

سامان جس قدر تھا۔ اپنے ساتھ لیا اور شعب ابوطالب میں چلے گئے۔ شعب ابی طالب ایک پہاڑی درہ تھا۔ یہ درہ ابوطالب کے نام سے مشہور تھا۔ آنحضرت صلعم کے سرپرست ابوطالب تھے۔ اس لیئے وہ بھی انہیں کے ساتھ جانے پر مجبور کیئے گئے۔

مسلمان درّہ ابوطالب میں جاکر پناہ گزیں ہو گئے۔ ابوجہل نے چند آدمی نگرانی پر مقرر کر کے ہدایت کر دی کہ کوئی مسلمان اس درہ سے نکلنے نہ پائے نہ کوئی آدمی ان کے پاس جانے دیا جائے۔

پہرہ دار مقرر ہو گئے۔ غریب اور بے کس خدا پرستوں کو درّہ میں محصور کر دیا گیا۔ اس درّہ کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اور کسی طرح بھی کوئی باہر نہ نکل سکتا تھا۔ دروازہ پر پہرہ قائم ہو گیا۔ اس طرح سے مسلمان پہاڑ کی چٹانوں میں محصور ہو گئے۔

ساتواں باب

صبر آزما مظالم

کفار قریش نے جو عہد نامہ مرتب کر کے در کعبہ پر آویزاں کیا تھا۔ اس میں باتیں تو بہت سی تحریر تھیں۔ مگر قابل ذکر صرف چند ایک باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ جب تک مسلمان اسلام سے منحرف کر کے نہ آجائیں اور بت پرستی اختیار نہ کریں۔ مقاطع برابر جاری رہے گا۔ دوسرے جو لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ رہیں گے۔ ان کا ساتھ دینگے۔ جیسے ابوطالب وغیرہ ان سے بھی برابر مقاطع کیا جائے۔ قبیلہ بنو ہاشم سے باستثنائے ابولہب میل جول شادی اور لین دین وغیرہ سب اس وقت تک بند رہے۔ جب تک ابوطالب محمد کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ جو لوگ خواہ وہ کسی قبیلہ کے ہوں مسلمانوں کو کسی قسم کا سامان بہم پہنچائیں۔ یا ان سے اظہار ہمدردی کریں۔ ان سے بھی مقاطعہ کیا جائے اور ان کا تمام سامان ضبط کر لیا جائے۔ اسی قسم کے اور بہت سے ظالمانہ قواعد تحریر تھے۔ عربوں میں یہ بات بھی تھی۔ کہ جو عہد نامہ یا قرارنامہ خانہ کعبہ میں طے ہوتا یا کسی اور جگہ طے کر کے لکھ کر در کعبہ میں آویزاں کیا جاتا۔ اس کا احترام اور اس کی پابندی ہر عرب پر فرض ہوتی۔ کسی کو کسی حالت میں بھی اس کی مخالفت کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ جو ایسا کرتا۔ تمام قبائل کی نظروں سے گر جاتا۔ کفار قریش نے جو عہد نامہ تیار کر کے در کعبہ پر لٹکا دیا تھا۔ تمام عربوں نے اس کا احترام کیا۔ اور اس کی پابندی اپنے اوپر فرض کر لی تھی۔ ہر شخص نے نہایت سختی سے اسکی پابندی کی۔ شہر مکہ کے کوچہ و بازاروں میں منادی کرادی گئی۔ کہ کوئی عرب مسلمانوں سے ربط و ضبط نہ رکھے۔ ان سے اظہار ہمدردی نہ کرے۔ ان کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچے اور انہیں کسی ذریعہ سے کوئی چیز کھانے پینے کی نہ بھیجے۔ جو ایسا کرے گا۔ اس کا تمام مال و اسباب

ضبط کر لیا جاوے گا۔ اور اس کے عزیز مکہ سے نکال دیئے جائیں گے۔ اور کسی صورت میں کعبہ میں داخل ہو کر معبودوں کی پرستش نہ کر سکیں گے۔

تمام مکہ والوں کو معلوم ہو گیا۔ کہ مسلمانوں کا مقاطعہ شروع ہو گیا ہے۔ لوگوں نے عام طور پر سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کے دماغ درست ہو جائینگے۔ اب وہ قوم کے متفقہ فیصلے کے سامنے جھک جائینگے۔ آئین بت پرستی اختیار کر لینگے۔ یا قوم ایک بڑے فتنہ سے محفوظ ہو جائیگی۔ عربوں کی حالت بالکل مرد بیمار کی طرح تھی۔ وہ مرض کفر کی علت میں مبتلا تھے۔ جس طرح مریض کو اس لئے کڑوی دوا دیجاتی ہے۔ کہ وہ صحتیاب ہو جائے۔ مگر وہ اس کی تلخی کے باعث اس کے پینے سے انکار کرتا ہے۔ اپنی صحت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اسطرح سے عرب تعلیم توحید کو کڑوا سمجھ کر اختیار نہ کرتے تھے۔ بلکہ اس سے متنفر تھے۔ حکیم دوا و غذا وغیرہ سے پرہیز کرتے تھے۔ مقاطعہ ایک ایسا ہتھیار ہے۔ جو اس پر نہایت ہی کاری ضرب لگاتا ہے۔ جس کے خلاف اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے برادریاں قائم کی ہیں۔ جب کوئی برادری متفقہ طور پر کسی شخص کیخلاف مقاطعہ شروع کر دیتی ہے۔ تو اس شخص کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ میل۔ ملاپ۔ شادی غم تمام باتوں میں وہ تنہا رہ جاتا ہے۔ مجبور ہو کر اسے برادری کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن مسلمانوں سے جو عدم تعاون کیا گیا۔ وہ نہایت سخت تھا۔ تاریخی دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے جب اور جس کسی سے مقاطعہ کیا گیا ہے۔ اس پر پابندیاں تو چاہے۔ جس قدر عاید کی گئی ہوں مگر کھانے پینے کے سامان کی بندش نہ کی گئی۔ سب سے پہلے یہ ہتھیار مسلمانوں کیخلاف استعمال کیا گیا۔ پھر لوگوں نے استعمال کیا۔ خود ان کے اہل وطن نے ہم قوموں نے نیز ہم قبائل نے مسلمانوں کے ہمدرد و بہی خواہ درہ ابی طالب میں دھکیل کر بند کر دیئے گئے تھے۔

یہ درہ اگرچہ کسی قدر طویل و عریض تھا۔ مگر اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ نہ ضرورت زندگی کی کوئی چیز پیدا ہوتی تھی۔ اونچی اونچی ننگی چٹانیں درہ کو محصور کیے ہوئے تھیں۔ مسلمان نہایت تنگی سے بدرجہ مجبوری اس درہ میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔

چونکہ خورد و نوش کا سامان ناکافی تھا ۔ یہ معلوم نہ تھا کہ مقاطعہ کب تک رہے گا ۔ اس لیئے کھانے پینے میں بڑی احتیاط کرتے تھے ۔ مسلمانوں کے ہمراہ بچے بھی تھے ۔ عورتیں بڈھے اور نوجوان بھی تھے ۔ نوجوان تو بھوک اور پیاس برداشت کر سکتے تھے ۔ مگر بڈھے اور بچے نہ کر سکتے تھے ۔ مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے ۔ بیچارے برداشت کر رہے تھے ۔ یا برداشت کرنیکی عادت ڈال رہے تھے ۔ ماہ محرم سنہ ۷ نبوی سے مقاطعہ شروع ہوا تھا ۔ اب ذی الحجہ آگیا تھا گویا پورا سال برابر مقاطعہ جاری رہا ۔ مسلمان بھوک اور پیاس کی شدت سے نڈھال اور بے حال ہو رہے تھے ۔ جو سامان وہ لائے تھے وہ ختم ہو گیا تھا ۔ اور سامان کون لاتا اور کسطرح سے آتا ۔ مجبور مسلمان طلحہ کے پتے کھا کر دن کاٹ رہے تھے ۔ چونکہ ماہ ذی الحجہ میں حج ہوتا ہے ۔ ایام حج میں ہر آدمی پر سے پابندیاں اٹھا دی جاتی تھیں ۔ اس لیئے مسلمانوں پر سے بھی پابندیاں اٹھائی گئیں ۔ محاصرہ توڑ دیا گیا ۔ مسلمان درہ سے باہر نکلے ۔ مگر کس شان سے میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے بھوک پیاس سے پریشان حال ضعیف و نزار سوکھ کر کانٹا بنے ہوئے بچے اور بوڑھے بے حال سے ہو رہے تھے ۔ چلتے ہوئے لڑ کھڑاتے تھے ۔ ظالم سے ظالم سنگدل سے سنگدل شقی سے شقی انسان کو بھی ان کی حالت پر رحم آجانا چاہیئے تھے ۔ مگر کفار مکہ کے دل میں گویا رحم کا نام بھی باقی نہ رہا تھا ۔ ان کے دل مسلمانوں کی حالت زار سے ذرہ بھی نہ پسیجے ۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھی طواف کیا ۔ حج سے فارغ ہو کر بازاروں میں خرید اور فروخت کرنے کے لیئے گئے ۔ ابوجہل ساتھ گیا ۔ باوجودیکہ حج کا دن تھا ۔

آج کسی کے لیئے بھی کسی امتناعی حکم کی ضرورت نہ تھی ۔ مگر ابوجہل آج بھی لوگوں کو مسلمانوں کے ہاتھ چیزیں بیچنے سے منع کر رہا تھا ۔ تمام کفار ابوجہل یا اُس کے ہم افراد کی طرح ظالم نہ تھے ۔ اکثر و بیشتر لوگوں نے مسلمانوں کی حالت پر رحم کھا کر ان کے ہاتھ سامان فروخت کر دیا ۔ شام تک مسلمان جس قدر سامان لا سکتے تھے لے آئے اور اُس کے بعد پھر قید

میں چلے گئے رات ہی سے محاصرہ شروع کر دیا گیا۔ اور پھر مظلوم و بیکس مصائب و شدائد کا مقابلہ کرنیکے لئے تیار ہو گئے۔ کفار نے پھر شدت سے اُن کی نگرانی شروع کی جب تک مسلمانوں کے پاس کھانے پینے کا سامان رہا احتیاط سے تھوڑا تھوڑا کھاتے رہے۔ مگر جب کھانے پینے کا سامان ختم ہونے لگا۔ تو پھر فاقہ کشی کی نوبت آگئی۔ مسلمان خود کم کھاتے بچوں کو اچھی طرح کھلاتے۔ مگر اچھی طرح سے کیا تھا۔ صرف ایک وقت تھوڑا سا ستو گھول کر پلاتے تھے۔ رات اور دن میں ستو کے چند گھونٹ کیا سہارا دیتے تھے۔ چند ایک گھنٹے کے بعد پھر بھوک لگ جاتی کھانے کے لئے بچے مچلتے۔ ضد کرتے روتے بلبلاتے اور تڑپتے۔ لیکن کھانا کہاں تھا جو دیا جاتا۔ انہیں بہلایا جاتا۔ صبح کہتے کہ شام کیوقت کھانا ملے گا

بچے شام کے انتظار میں چپ ہو جاتے۔ مگر جب شام ہو جاتی کھانا نہ ملتا۔ بھوک زیادہ لگتی تو پھر رو رو کر کھانا مانگنے لگتے۔ ان کے رونے سے ہر مسلمان کا دل متاثر ہوتا تھا۔ مگر کیا کر سکتے تھے۔ کھانا کہاں سے لاتے کیسے ان کو کھلاتے انہیں سمجھاتے بہلاتے۔ بچے بھی روتے ہی روتے سو جاتے۔ صبح جب اٹھتے تو کھانا مانگتے۔ پھر ستو کے چند گھونٹ مل جاتے۔ جب ستو بھی ختم ہو گئے۔ تو کھجوروں کے دو چار دانے ملجاتے پہاڑ سا دن ہوتا تھا۔

بھوک زیادہ لگتی تھی۔ لیکن نہ کھانا تھا۔ نہ پانی تمام بچے سوکھکر کانٹا ہو گئے تھے قریش کی ظالمانہ پابندی نے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ وہ اس زندگی پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ آنحضرت صلعم سے جنگ کی اجازت مانگتے تھے۔ اور آپ اجازت نہ دیتے تھے بغیر آنحضرت صلعم کی اجازت کے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ صبر و استقلال سے سختیاں برداشت کر رہے تھے۔ سنہ بڑی نہایت پریشانی اور سختی کے ساتھ گذرا۔ پھر حج کا زمانہ آیا اور مسلمانوں کے اوپر سے نگرانی اٹھالی گئی۔

مسلمان درے سے باہر آئے اس مرتبہ نہایت ہی خستہ حال اور کمزور تھے۔ بعض تو اس قدر نحیف ہو چکے تھے۔ کہ ان سے چلا بھی جاتا تھا۔ لڑکھڑاتے ہوئے نیزہ کے سہارے چل رہے تھے

قریش مکہ نے مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھی وہ ہنسے اور ان میں سے اکثر لوگوں نے کہا مسلمانو! کیوں اتنی سختیاں برداشت کر رہے ہو۔ یہ کیا زندگی ہے۔ نہ کھانے کو روٹی ہے نہ پہننے کو کپڑا لاحق ہے۔ ایسی زندگی پر۔ تم ہمارے بھائی ہو ہم کو تمہاری حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دو۔ اپنا آبائی مذہب اختیار کر لو۔ تمہارے لیئے ضروریات زندگی مہیا کر دی جائیگی۔ جو چاہو گے مل جاؤ گے۔

مسلمانوں نے جواب دیا۔ ہم نے خدا کو پالیا ہے۔ خدائی مذہب اختیار کر لیا ہے تم ہم پر چاہے جسقدر ظلم کرو۔ کھانا نہ دو۔ پانی بند کر دو۔ جب تک جی چاہے۔ مقاطعہ جاری رکھو۔ ہم اسلام سے انحراف نہ کرینگے اور خدا کو مرتے دم تک نہ چھوڑیں گے۔ کفار کو یہ جواب نہایت ناگوار گذرا اور انہوں نے کہا۔ اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو سسک سسک کر مرو!

مسلمانوں نے حج کیا۔ حج سے فارغ ہو کر بازار میں پہنچے۔ کچھ سامان وغیرہ خریدا اور پھر درے میں چلے آئے پھر پہرہ قائم کر دیا گیا۔ اس مرتبہ گذشتہ دونوں سالوں سے زیادہ سختی سے نگرانی شروع کر دی گئی۔ دن گزرنے لگے سنہ ۹ نبوی کا آغاز ہو گیا۔ یہ سال مسلمانوں پر نہایت سختی سے گذرا۔ اس سال کھانے پینے کا سامان بہت جلد ختم ہو گیا اور فاقوں پر نوبت آ پہنچی۔ مرد اور عورتیں تو فاقے کرتے کرتے یا گھاس اور درختوں کے پتے اور چھال وغیرہ جو کچھ مل جاتا تھا۔ کھا لیتے تھے۔ مگر بچے یہ چیزیں نہ کھاتے تھے وہ روتے تھے ستو کے ایک گھونٹ کے لیئے کھجور کے ایک ایک دانے کیلئے ترستے تھے۔ بھوک سے بے تاب ہو کر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ انہیں موت کے قریب زندگی سے دور دیکھ کر والدین کے کلیجے منہ کو آنے لگے تھے۔ مگر وہ صبر کی سل سینے پر رکھ کر خدا کی رحمت کا انتظار کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس چرمی موزے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ بچے بہت زیادہ نڈھال ہو گئے ہیں۔ تو انہوں نے چرمی موزوں کو پانی میں بھگو کر اُبالا۔ جب وہ نرم ہو گئے۔ تو انہیں بھون کر بچوں کو دیا۔ بھوکے

بچوں نے غنیمت غیر مترقبہ سمجھ کر اس چمڑہ کو کھا لیا۔ بے کس اور بے بس مسلمانوں کے دلوں سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ اپنے بچوں کو دیکھ کر ان کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ ایک روز جب کہ چرمی موزے بھی ختم ہو گئے اور بچوں کو بھوک نے بہت ستایا تو انہوں نے حسرت بھری نظروں سے اپنے والدین کو دیکھا۔ ان کی معصوم و غمگین نگاہیں دیکھ کر نہ والدین بلکہ ہر مسلمان کے کلیجہ میں ایک دھچکا سا لگا۔

عقیل سب سے صغیر سن بچہ تھا۔ بھوک نے اسے اس قدر کمزور کر دیا تھا۔ کہ اُٹھ نہ سکتا تھا۔ ہر وقت پتھر کی چٹان پر پڑا رہتا تھا۔ اسکی غم نصیب والدہ اور محزون خاطر باپ اُس کے پاس بیٹھے تھے۔ کئی بچے اور کئی عورتیں نیز مرد بھی اُس کے قریب سر بزانو بیٹھے اسکی ناگفتہ بہ حالت دیکھ رہے تھے۔

عقیل پر غفلت طاری تھی۔ ماں کا کلیجہ پیارے بیٹے کو غافل دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔ عقیل بیمار نہ تھا۔ بلکہ بھوک کی شدت نے اُسے موت کے کنارے پہنچا دیا تھا عقیل نے آنکھ کھولی حسرت بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔ ماں تڑپ گئی۔ اُس نے اپنے جگر گوشہ کو گود میں لے کر سینے سے لگایا۔ منہ چوما اور بولی بیٹا عقیل کیا تم مجھے دغا دے جاؤ گے

ہائے ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ میری جان۔ میری آنکھوں کے نور۔ میرے دل کے ٹکڑے ابھی نہ مرو۔ دکھیا ماں کیسے جیئے گی۔ اللہ میاں پیارے۔ خدا میرے بچہ کو بچائے آہ میرا بچہ بھوک سے دم توڑ رہا ہے۔ تو گو میں کیسے ضبط کروں

دردمند ماں نے یہ کہتے ہی بے اختیار رونا شروع کیا۔ جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان کے بھی آنسو جاری ہو گئے عقیل نے اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر نہایت کمزور آواز سے کہا۔

اماں... مجھے...... بچا لو... بھوک..... روٹی۔

عقیل بے ہوش ہو گیا۔ ماں کے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ اُس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ آہ کیا چیز کھانے کو دُوں ہائے میرے بچہ کیسے میں تجھے بچاؤں۔ اللہ میاں رحم کرو۔ میرے بچہ پر مجھ پر رحم کرو۔ ہائے میں اپنے لخت جگر کو بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرتے کیسے دیکھوں۔

عقیل کا باپ بھی رو رہا تھا۔ ایک بچہ کی زندگی بچانے کے لئے کسی مسلمان کے پاس ایک دانہ بھی نہ تھا۔ عقیل کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ماں باپ تڑپ گئے کہ معصوم بچہ کا آخری وقت آگیا ہے۔ ماں سے ضبط نہ ہو سکا۔ بچے کے مرنے سے پہلے اپنا سر پتھر پر دے مارا۔ خون کا دریا بہ نکلا۔ دیگر عورتوں نے لپک کر اُسے سنبھالا۔ اُس نے کہا۔ آہ زرد کو مرنے دو۔

میرا عقیل مر رہا ہے۔ بھوکا مر رہا ہے۔ مجھے اس سے پہلے مرنے دو۔ اگرچہ مردوں کے دل نسبتاً سخت ہوتے ہیں۔ مگر عقیل کا باپ۔ عقیل اور اسکی والدہ اپنے بیوی کی حالت دیکھ کر ضبط نہ کر سکا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

تمام عورتوں اور بچوں پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ سب بلند آواز سے رونے لگے ان کے رونے کی آواز درّہ میں گونج کر باہر نکلی۔ شقی القلب۔ پہرہ دار رونے کی آواز سن کر خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ اب یہ لوگ مرنے لگے ہیں۔ یقیناً کوئی مر گیا ہے۔ جو یہ لوگ رو رہے ہیں۔ یقین ہے کہ اب یہ سب یا تو آبائی مذہب میں آجائیں گے یا بھوک دپیاس سے مر جائیں گے۔

عقیل اور اُسکی والدہ کی حالت دمبدم خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ابی طالب بھی پاس بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان سے ضبط نہ ہو سکا۔

وہ اُٹھ کر آپ کے پاس پہنچے۔ آنحضرت صلعم سر بسجود تھے۔ کچھ عرصے کے بعد جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ابو طالب نے کہا۔ میرے پیارے بھتیجے

اب صبر آزما سختیاں ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔ بچے بھوک کے مارے مرنے لگے ہیں قریش سے جاکر رحم کی درخواست کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا یا عم مجھے خدا نے خبر دی ہے۔ کہ جو ظالمانہ عہدنامہ لکھا تھا۔ اُسے کیڑے نے کھا لیا ہے۔ جس جگہ اللہ کا نام لکھا ہے صرف وہی جگہ بچی ہے۔ لیکن آپ کچھ دیر ٹھہرئیے اور دیکھیئے کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا مسلمانوں کے بچوں کو کس مپرسی کے عالم میں ہرگز ہرگز نہ مرنے دیگا۔

ابوطالب نے کہا۔ اچھا میں اور تھوڑی دیر انتظار کروں گا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا آؤ عقیل کو دیکھیں۔ میں نے اُس کے لیئے دُعا کی ہے۔ دونوں اٹھے چلے۔ جب وہ عقیل کے پاس پہنچے تو اس پر غفلت طاری تھی۔ آنحضرت صلعم بیٹھ گئے۔ آپ نے اُسے اپنی گود میں اٹھایا۔ ٹھیک اسی وقت حضرت خدیجہ رضؓ ایک ہاتھ میں کچھ دودھ اور دوسرے ہاتھ میں کچھ کھانا لیئے ہوئے آئیں۔ انہوں نے فرمایا۔ میرے بھتیجے حکیم نے یہ سامان میرے لیئے بھیجا ہے۔ یہ سب تھوڑا تھوڑا کر کے تمام بچوں کو کھلا دو۔ حکیم بن حزام کی حضرت خدیجہ پھوپھی تھیں۔

وہ کبھی کبھی کھانا اپنی پھوپھی کے لیئے چھپا کر بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ ضعیف العمر تھیں۔ بھوک سے وہ بھی نحیف اور کمزور ہو رہی تھیں۔ انہیں خود کھانے کی ضرورت تھی لیکن ہر مسلمان عورت ہو یا مرد۔ جوان ہو یا بڈھا اپنے اوپر بچوں کو ترجیح دیتا تھا۔ گویا جس کو جو چیز ملتی ہیں۔ وہ بچوں ہی کو دے دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت خدیجہ رضؓ نے بھی تمام سامان بچوں کو تقسیم کر دیا۔ آنحضرت نے دودھ لے کر عقیل کے حلق میں ٹپکایا۔ چند لمحوں کے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں۔ آنحضرت صلعم نے پیالہ اس کے لبوں سے لگا دیا۔ اُس نے بڑی بے صبری سے پیا اور چند ہی گھونٹ میں تمام پیالہ خالی کر دیا۔

ابو طالب نے حضرت خدیجہ رضؓ سے کھانا لے کر بچوں میں تقسیم کرنا چاہا۔ اگرچہ تمام بچے بھوک سے بے تاب ہو رہے تھے ۔ ناسمجھ تھے ۔ مگر خدا نے ان کو صبر دے دیا تھا ۔ اور کچھ سمجھ عطا کر دی تھی ۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کی حالت سے زیادہ عقیل کی حالت خراب ہے ۔ ان سے زیادہ اُسے کھانے کی ضرورت ہے ۔ اس لیئے سب نے کھانا لینے سے انکار کر دیا ۔

ایک لڑکے نے کہا ۔ دادا میاں یہ سب کھانا عقیل کو دے دو ۔ ابو طالب کو سب دادا میاں کہتے تھے ۔ اور سارے مسلمان بچوں کی یہ سمجھ یہ ایثار دیکھ کر کمال متعجب ہوئے

ابو طالب نے کہا ۔ میرے پیارے بچو تم بھی بھوکے ہو اور تمہاری حالت بھی خراب ہے ۔ لہٰذا تم بھی تھوڑا تھوڑا کھا لو ۔

بچے کسی طرح بھی رضامند نہ ہوئے ۔ سب اس پر بضد رہے کہ سارا کھانا عقیل کو ہی دے دیا جائے ۔ حضرت خدیجہ نے بچوں کو سمجھا بجھا کر کھانا کھلایا ۔ عقیل کی حالت سنبھل گئی ۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں ۔

والدین کی جان میں جان آئی اور تمام مسلمان بھی بہت زیادہ خوش ہوئے ۔ اب آنحضرت نے ابی طالب سے کہا کہ آج مقابلہ ختم ہو جائے گا ۔ ابی طالب اٹھ کر روانہ ہوئے ۔

آٹھواں باب (۸)

درد سے رہائی۔

جس وقت عقیل کی حالت خراب تھی۔ اور اُس کے والدین نے نیز اکثر رفیق ملقلب مسلمانوں نے بلند آواز سے رونا شروع کیا۔ اُن کے رونیکی آواز درہ سے باہر نکلی۔ درہ کی نگرانی کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ اب بھوک اور پیاس کی شدت سے مسلمان مرنے لگے ہیں۔ اس وقت ہشام مخزومی درہ کے قریب سے گذر رہا تھا۔ اُس نے بھی مسلمانوں کے رونے کی آواز سنی تھی۔ وہ درہ کے دروازہ پر پہنچا۔ ہشام بنی ہاشم سے تھا اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا اکثر خفیہ طور سے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا ہے۔

اگر وہ بھی بتوں کا پرستار تھا۔ لیکن خاندانی قرابت اور رشتہ داری کی اخوت نیز بنی ہاشم کی مصیبت نے اسے ان کی ہمدردی پر آمادہ کر لیا تھا۔ اس نے پہرہ والوں سے دریافت کیا کہ یہ درہ سے رونے کی آواز کیوں آ رہی ہے۔ ایک پہرہ دار نے ہنس کر کہا۔ ان بے وقوفوں کے پاس غلہ ختم ہو گیا ہے۔ شاید کوئی بچہ شدت بھوک سے تنگ آ کر مر رہا ہے۔

ہشام کو پہرہ دار کی سنگدلی پر غصہ آیا۔ اُس نے کہا۔ ظالم وحشی تو اس لیئے ہنس رہا ہے۔ کہ کوئی مسلمان بچہ بھوکا مر رہا ہے؟ وہ رحم دل تھا یا قدرت نے اس کے دل میں رحم ڈال دیا تھا۔ وہ فوراً لوٹا اس نے ارادہ کیا کہ آج وہ کعبہ کے دروازہ پر جا کر

اس ظالمانہ عہد نامہ کو پھاڑ ڈالے گا۔ جس نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے لیکن کام آسان نہ تھا۔

عہد نامہ کو چاک کر ڈالنا تمام قبائل کو دعوت جنگ دینے کے مترادف تھا اُسے اپنی طاقت کا اندازہ تھا۔ وہ یا اس کا قبیلہ قریش کے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا مگر بنو ہاشم کے مصائب مسلمانوں کی مظلومی نے اس کے دل کو اس قدر نرم کر دیا تھا کہ وہ عہد نامہ چاک کر کے تمام قبائل کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس زمانہ میں تمام قبائل میں یہ دستور تھا۔ کہ جو عہد نامہ یا تحریر لکھ کر در کعبہ پر آویزاں کر دی جاتی کوئی اُسے پھاڑنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو تمام قبیلے برانگیختہ ہو کر اُس کے مقابلہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے اور خون ریز جنگ شروع ہو جاتی: ۔

ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ جب عہد نامہ یا تحریر چاک کر دی جاتی تو وہ قابل پابندی نہ رہتی۔ گویا کسی عہد نامے یا تحریر کا اس کی موجودگی تک اثر باقی رہتا تھا۔ ہشام تیزی سے خانہ کعبہ کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور چلا تھا۔ کہ زبیر بن اُمیہ سامنے سے آتا نظر آیا۔ زبیر عبدالمطلب کا نواسہ تھا۔ ہشام نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔

زبیر کیا یہ انصاف ہے۔ کہ تم کھاؤ پیو اور ہر قسم کے لطف اٹھاؤ اور تمہارے نانا اور تمہارے خاندان والوں کو مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو اور بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں۔

زبیر نے کہا۔ ہشام تم نہیں جانتے۔ میرے دل پر قریش کی ظالمانہ قید و بند اور مظلوم مسلمانوں کے مصائب کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ بارہا میرے دل میں آیا کہ اس ظالمانہ عہد نامہ کو پھاڑ کر پھینک دوں۔ جس نے مسلمانوں کو نشانہ ستم بنا رکھا ہے۔ لیکن مجھے علم ہے کہ عہد نامہ کے چاک کرتے ہی تمام قبائل مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور میرا قبیلہ تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرے گا۔ اس لیئے خاموش ہوں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں ابھی عہد نامہ پھاڑ دوں

ہشام نے کہا۔ سنو زبیر میں اس وقت شعب ابی طالب سے آرہا ہوں۔ مسلمان رو رہے ہیں۔ شاید ان کا کوئی بچہ بھوکا مر رہا ہے۔ مسلمانوں کی بے کسی اور مظلومی نے مجھے عہد نامہ چاک کر ڈالنے پر آمادہ کر دیا ہے۔ تمہارے ساتھ ہوں آؤ ہم تم دونوں مل کر عہد نامہ پھاڑ ڈالیں۔

زبیر نے کہا چلو۔ دونوں چلے جب وہ بازار کے کونے پر پہنچے تو ان کو مطعم بن عدی اور ابوالبختری ملے۔ مطعم نے دریافت کیا۔ کہاں جا رہے ہو۔ زبیر اور ہشام تم افسردہ خاطر کیوں ہو؟

ہشام نے کہا۔ مسلمانوں کے بچے بھوک سے بلک بلک کر رو رہے ہیں اور جان دے رہے ہیں۔ فاقہ زدہ والدین اپنی اولاد کو مرض الموت میں مبتلا دیکھ کر خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ ابوالبختری کیا تم اپنے بچوں کو فاقہ کر کے مرتا ہوا دیکھ سکتے ہو؟

ابوالبختری نے کہا۔ نہیں دیکھ سکتے!

ہشام نے دریافت کیا۔ ہم اس قدر سختیاں برداشت کر سکتے ہیں۔ جس قدر تین سال کے عرصے میں مظلوم مسلمانوں نے برداشت کیں:۔

ابوالبختری نے جواب دیا۔ کبھی نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا ہو چکی ہے

ہشام:۔ کیا ہم انسان نہیں۔ بہائم ہیں وحشی ہیں ننگ انسانیت ہیں۔

ابوالبختری: نہیں ہم انسان ہیں۔ مہذب اور متمدن انسان

ہشام۔ جناب یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ ہم اپنے ہم قبیلوں کو بھوکا ماردیں۔ آخر مسلمان بھی انسان ہیں۔ ہمارے ہم قبیلہ ہیں۔ تین سال سے تنگ درہ میں پڑے مصائب و آلام برداشت کر رہے ہیں۔ اب ہمیں ان کا مقاطعہ ترک کر دینا چاہیے۔

ابوالبختری۔ بے شک ہمیں ننگ انسانیت عہد نامہ کو پھاڑ دینا چاہیے۔

ہشام خوش ہو گیا اور اس نے کہا آؤ اب ہم چار ہو جائیں گے۔ اب ظالم اور

بے رحم قریشیوں کو ہمارے مقابلہ کی جرأت ہو سکے گی۔

مطعم نے کہا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم مسلح ہو کر چلیں تاکہ قبائل قریب سمجھ لیں کہ ہر طرح سے ہم تیار ہو کر آئے ہیں۔ اگر ہم سے کوئی خطا بھی ہوئے گا۔ تو خون کی ندیاں بہ جائیں گی

سب نے اس رائے کو پسند کیا۔

سب اپنے اپنے گھروں کی جانب چلے گئے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں مسلح ہو کر آ گئے جب وہ کعبہ کے قریب پہنچے تو زمعہ بن الاسود ہتھیار لگائے نیزہ ہاتھ میں لیئے کھڑے نظر آئے۔

زمعہ نے ان لوگوں کو دور سے دیکھتے ہی کہا۔ زبیر مطعم ہشام ابوالبختری مجھے اپنے معبودوں کی قسم میں تم سے کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔ کیا تم اس لیئے مسلح ہو کر آئے ہو کہ میں اس انسانیت عہدنامہ کو چاک کر سکوں۔ جس نے غریب و مظلوم مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں۔ وحشی انسانو! آج میں اس عہدنامہ کو چاک کیئے بغیر نہ رہ سکوں گا۔

زبیر نے کہا۔ زمعہ ہم بھی اسی ارادے سے آئے ہیں۔ مسلمانوں کی سہ سالہ سختیوں نے ہمیں ان کی امداد پر آمادہ کر دیا ہے۔

زمعہ نے خوش ہو کر کہا۔ جب تو آؤ ہم سب مل کر اس نیک کام کو انجام دیں

چنانچہ یہ سب خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ سب معبودان باطلہ کے پرستار کفار مکہ کے ہم مذہب اور اسلام کے دشمن تھے۔ لیکن مسلمانوں کی بے بسی اور سہ سالہ سختیوں نے انھیں مظلوموں کی امداد پر آمادہ کر دیا تھا۔

مظلوم و ستم زدہ مسلمانوں کے یہ ہمدرد جب خانہ کعبہ میں پہنچے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ بہت سے بت پرست اپنے خداؤں کے سامنے سر بسجود پڑے ہیں۔ ابوجہل۔ ابوسفیان۔ عتبہ۔ وائل السہمی وغیرہ سب موجود تھے۔

ان لوگوں نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ چونکہ یہ لوگ کفار سے ڈرتے تھے۔ اس لئے کسی کو پہلے بولنے کی جرأت نہ ہوتی۔ دیر تک مشورے کرتے رہے۔ کہ ابتدا کون کرے۔

زبیر نے کہا۔ ابتدا میں کرتا ہوں۔ تم میرا ساتھ دینا۔

سب نے اسبات کا اقرار کیا۔ زبیر نے بلند آواز سے کہا۔ اے اہلِ مکہ کیا یہ انسانیت و شرافت ہے۔ کہ ہم ہمارے جانور شکم سیر ہو کر کھائیں۔ اور بنو ہاشم کو غریب مسلمانوں کو اور ان کے معصوم بچوں کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ یہ ایسا ظلم ہے۔ جو کسی قوم نے اپنے ہم وطن بھائیوں پر کبھی نہ کیا ہو گا۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ آج میں اس ظالمانہ عہد نامہ کو چاک کرتا ہوں۔ جس نے ہماری شرافت پر بدنما داغ لگا دیا ہے۔

ابوجہل گھبرا کر اٹھا چلا کر بولا۔ جو عہدنامہ کو ہاتھ لگایا۔ تو آج اس عہد نامہ کو چھوئے گا۔ اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

زمعہ نے کہا۔ وہ کون اجل رسیدہ ہے۔ جو ہمارے سامنے آئے۔ اگر کوئی ہے۔ تو ہمارے مقابلہ میں آئے۔

ابوسفیان بڑھا۔ اور اس نے کہا۔ میں وہ ہوں۔ کیا کوئی میرے سامنے اس عہد نامہ کو چھونے کی جرأت کر سکتا ہے۔

ابوالبختری نے تلوار کھینچکر کہا۔ ابوسفیان لاف زنی نہ کرو۔ ورنہ اس تلوار کی دھارسے جواب دیا جائے گا۔ کیا تمہارے پتھر دل پر اسبات کا ابتک بھی اثر نہیں ہوا۔ کہ تین سال مسلمان سختیاں برداشت کر رہے ہیں۔ ظلم سہ رہے ہیں۔ فاقے کر رہے ہیں۔ اگر تم کو ایک وقت بھی کھانا نہ ملے۔ تو بتاییے۔ کہ تمہاری کیا حالت ہو گی۔

ابوسفیان نے کہا۔ جو لوگ ہمارے معبودوں کے خلاف زہر اُگلتے ہیں۔ ہمارے آبائی مذہب کو برا کہتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کو بے وقوف بتاتے ہیں۔ انہیں بھوک اور پیاس

کی تکلیف اٹھا اٹھا کر مرنے دو۔

ہشام نے کہا۔ سختیوں کی مظالم کی بہیمانہ بربریت کی انتہا ہوتی ہے۔ غریب و مظلوم بے یارومددگار مسلمانوں نے بہت کچھ ستم اٹھائے بیحد سختیاں جھیلیں۔ بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لئے شعب بن ابی طالب میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔

ابوجہل نے کہا۔ مگر ہشام عہدنامہ میں لکھا ہوا ہے۔ کہ جب تک مسلمان اپنے آبائی مذہب میں داخل نہ ہوں۔ برابر مقاطعہ جاری رہے گا۔ اس عہدنامہ پر اکابرین قوم کے دستخط موجود ہیں۔ اب ان سے انحراف کون اور کیسے کر سکتا ہے۔

زمعہ نے کہا بے درد ظالموں نے دھوکہ سے اس پر دستخط کرائے ہیں۔

ابوسفیان نے غصہ سے بھر کر کہا۔ تم بکواس کر رہے ہو۔ پہلے مجلس عامہ میں یہ تجویز قرار پائی۔ پھر عہدنامہ لکھا گیا۔ پھر سب نے سوچ سمجھ کر اور کافی غور کے بعد دستخط کئے دستخط کرانے والوں پر عہدنامہ کی پابندی لازمی ہے۔

زبیر نے کہا۔ ہم اسوقت بھی دستخط کرنے پر تیار نہ تھے۔ مگر ہم کو یہ بتایا گیا تھا۔ کہ اس سے مسلمانوں کو تنبیہہ کرنا مقصود ہے۔ نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ مگر اب واقعات نے بتا دیا ہے کہ آپ ان کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہیں۔ میں۔ میرا قبیلہ اور دوسرے قبائل کے شریف لوگ کسی طرح سے اس ظالمانہ کاروائی کو پسند نہیں کرتے۔

ابوجہل نے کہا۔ کیا زبیر تم یہ چاہتے ہو۔ کہ عہدنامہ کی خلاف ورزی کر کے جنگ و جدل کی آگ مشتعل کر دو۔ زبیر نے جوش میں آکر کہا۔ اگر تم نہ مانو گے۔ تو ایسا ہی کیا جاویگا

ابوسفیان نے غضب آلود انداز سے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو کیوں نہ ہم تمہارا ہی خاتمہ کر دیں۔ ہشام نے غیظ و غضب بھری نظروں سے ابوسفیان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہارا یہ حوصلہ ہو گیا ہے۔ تلوار نکالو اور میدان میں آجاؤ۔ یہ کہتے ہی ہشام نے تلوار کھینچ لی۔

ابوسفیان نے بھی تلوار بلند کی۔ قریب تھا کہ خانہ کعبہ کے اندر ہی جنگ شروع ہو جائے۔

کہ ابوطالب آگئے ۔ انہوں نے وجہ نزاع معلوم کی ۔ اور دونوں کے مابین کھڑے ہوگئے ۔ دونوں کو ہاتھ کے اشارہ سے تلواریں جھکا دینے کے لئے کہا ۔

دونوں نے تلواریں جُھکا دیں ۔ تو ابوطالب نے کہا ۔ تم دونوں بے فائدہ لڑ رہے ہو ۔ مجھے میرے بھتیجہ نے خبر دی ہے ۔ کہ عہد نامہ کیڑے نے کھا لیا ہے ۔ اگر واقعہ ایسا ہُوا ہے تو عہد نامہ ہی قابل پابندی نہیں رہا ۔ محمدؐ صلعم کے خدا نے خود ہی عہد نامہ کا خاتمہ کر دیا ہے

ابوجہل ہنسا ۔ اور اس نے کہا ۔ یہ ناممکن ہے ۔ سو برس تک بھی عہد نامہ کو کیڑا نہیں کھا سکتا ۔

ابوطالب نے کہا ۔ ابوجہل میں صرف اسی لئے آیا ہوں ۔ کہ اگر میرے بھتیجہ کی یہ اطلاع صحیح ہے ۔ تو عہد نامہ کی پابندی قدرتاً ختم ہو گئی ۔ مقاطعہ بند ہو جانا چاہیئے ۔ اور اگر غلط ہے تو آپ سب اس کی پابندی کریں ۔ اور ہم پھر شعب ابیطالب میں رہنے پر رضامند ہوں گے

ابوجہل نے کہا ۔ یہ منظور ہے ۔ لیکن سمجھ لیجئے ۔ کہ عہد نامہ محفوظ ہو گا ۔ اور ان کے محفوظ ہونے کی صورت میں تم کو بے چون و چرا پہاڑی درہ میں محصور رہنا پڑے گا ۔

ابوطالب بلاشبہ اگر یہ صحیح ہے ۔ کہ عہد نامہ کو کیڑے نے کھا لیا ہے ۔ تو پھر مقاطعہ ختم ہو جائیگا ۔

ابوجہل ۔ یہ یقیناً ختم ہو جائیگا جب عہد نامہ ہی باقی نہ رہا ۔ تو پھر اس کی پابندی کیسی ؟

ابوطالب ۔ بس تو عہد نامہ اتار لائیے ۔

ابوجہل عہد نامہ اتارنے کے لئے بڑھا ۔ لوگوں کا اژدہام دیکھنے کے لئے ابوطالب کے گرد جمع ہُوا ۔ ابوجہل جلدی سے عہد نامہ لے آیا ۔ جب اس نے اُسے کھول کر دیکھا ۔ تو وہ تمام کرم خوردہ ہو رہا تھا ۔ گویا دیمک اس کا ایک ایک لفظ چاٹ گیا تھا ۔ ابوجہل کا چہرہ افسردہ ہو گیا ۔

عوام الناس کو حیرت ہوئی ۔ عتبہ ۔ ابوسفیان ۔ عاص بن وائل السہمی ولید اور دوسرے افراد

کمال متعجب ہوئے حیرت کی وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ کو نہایت صاف رکھا جاتا تھا۔ دیمک تو ایک طرف کوئی کیڑا بھی کعبہ کے صحن میں پھٹکنے نہ پاتا تھا۔ اس قدر صفائی۔ اتنی نگہداشت پر دیمک کیسے آئی اور عہد نامہ کو کیسے چاٹ کیا۔

ابوطالب نے کہا۔ ابوجہل محمدؐ نے ٹھیک اطلاع دی تھی۔ عہد نامہ کا ایک حرف بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اور حسب وعدہ اب مقاطعہ بالکل ختم ہو جانا چاہیئے:۔

ابوجہل نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارا بھتیجہ جادوگر ہے۔ (نعوذ باللہ) اور جادو کے زور سے اس نے عہد نامہ کے حرف اڑا دیئے ہیں۔ جب تک مسلمان اپنے آبائی مذہب میں واپس نہ آئیں گے۔ مقاطعہ برابر جاری رہے گا۔

ابوالبختری نے کہا۔ اب جو اس سنگدلانہ عہد نامہ کا نام تک بھی لے گا۔ اس کی زبان کاٹ دی جائیگی۔ ابوسفیان نے غصہ سے بھر کر کہا یہ تم کہتے ہو۔

ہشام نے بگڑتے ہوئے کہا۔ تمام قوم یہی کہتی ہے۔ ابوسفیان تم ضد چھوڑ دا پنی بے جا ضد سے تمام عرب میں جنگ کی آگ نہ بھڑکاؤ۔

ابوطالب نے کہا اے گروہ اشرار سنو اور کان کھول کر سنو دبنے سے ایک چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ ہم تو انسان ہیں۔ پھر کمزور انسان نہیں۔ بلکہ ہمارا دل قوی ہے۔ بازو مضبوط ہیں لڑ سکتے ہیں۔ زندگی کے آخری دم تک لڑ سکتے ہیں۔ غنیمت جانو کہ میرا بھتیجہ محمد صلعم بجد نیک ہے۔ وہ خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔

تمام مسلمانوں نے ان سے جنگ کی اجازت طلب کی۔ مگر انہوں نے اجازت نہیں دی۔ مسلمان ان کے حکم کی اس قدر پابندی کرتے ہیں۔ کہ سختیاں برداشت کر رہے ہے۔ بچوں کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ غصہ آتا ہے۔ لڑ مرنے کو جی چاہتا ہے لیکن اجازت نہ ملنے کی وجہ سے مجبوراً خاموش ہیں۔ مگر اب حالت ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔ ممکن ہے کہ محمد صلعم جنگ کی اجازت دے دیں۔ اور جنگ شروع ہو جائے۔ اس لیے

اب یہی مناسب ہے کہ پہرہ اٹھا کر مقاطعہ بند کر دو۔ اور اگر انکار کرتے ہو تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں یہاں سے واپس جا کر محمدؐ کو لڑائی پر آمادہ کروں گا

تمام کفار نے ابو طالب کی گفتگو نہایت توجہ سے سُنی۔ بعض لوگوں نے ایک مشورہ کیا۔ بالآخر یہی طے پایا کہ جب عہد نامہ دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ تو اب نا قابل پابندی ہے چنانچہ فوراً اعلان کر دیا گیا۔ کہ مسلمانوں کا مقاطعہ ختم ہو گیا۔ اگرچہ اس اعلان سے ابو سفیان ابو جہل۔ ابو لہب ولید عتبہ وغیرہ کو بڑا رنج ہوا۔ لیکن قبائل کے متفقہ فیصلے پر انہیں بھی سر جھکانا پڑا۔ اور دبی زبان سے انہوں نے بھی کہدیا۔ کہ اگر مسلمانوں نے حضرت محمدؐ صلعم نے ان کے مذہب یا ان کے معبودوں کے خلاف کچھ بھی کہا۔ تو وہ کوئی اور ایسی تدابیر کرنے پر مجبور ہونگے جس سے مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے۔

ابو طالب نے کہا۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مسلمانوں کو اپنا اختیار ہے اور تم کو اپنا۔

یہ کہہ کر ابو طالب چلے گئے۔ ان کے ساتھ ہشام۔ زہیر۔ ابوالبختری اور زمعہ بھی چلے۔ سب شعب ابی طالب میں پہنچے۔ پہرہ داروں کو ہٹایا۔ اور مسلمانوں کو مقاطعہ اٹھائے جانے کی خوشخبری سنائی۔ تمام مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ سب خوش و خرم شعب ابیطالب سے نکلے اور تین سال کی لمبی مدت اور بے شمار سختیاں اٹھانے کے بعد گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔

نواںؔ باب

ایک قافلہ کے ہمدردِ انسان

خدا خدا کر کے ہوا کا طوفان کم ہوا۔ سیاہی چھپی۔ بگولے بند ہوئے۔ پھر بھی ہوا کے تیز جھونکے باقی رہ گئے۔ اگرچہ ہوا کے ان تیز جھونکوں میں اس قدر طاقت نہ رہی تھی کہ وہ ریت کو اچھالتے۔ لیکن طوفان نے جو ریت اٹھا دیا۔ اُسے اب بھی اٹھائے پھر رہے تھے رفتہ رفتہ رفتہ جھونکے بھی کم ہونے لگے اور ہوا ساکن ہو گئی۔ ریت بیٹھ گیا۔ آفتاب عالم ہویدا ہوا مگر بڑی آب و تاب سے حرارت و تپش کو المضاعف کیئے ہوئے سفید اور چمکدار دھوپ نہایت تیزی سے چمکنے لگی۔ عذی اور اس کا قافلہ ریت میں دھنسا ہوا تھا۔

حیرت یہ ہوتی تھی کہ ہوا کے جس طوفان نے ریت کا ٹیلہ ہی ان پر الٹ دیا تھا۔ وہ تھوڑا تھوڑا کر کے تمام ریت وہاں سے اٹھا کر کہیں اور الٹ آتی تھی۔ تاہم اس قدر ریت ضرور رہ گیا تھا۔ کہ جو لوگ ناف دھنسے ہوئے بے ہوش پڑے تھے۔ اگرچہ اس وقت ہوا بند تھی۔ لیکن تیز دھوپ ہلاکت آمیزی پر اتر آئی تھی۔

عربستان کے ریگ زار میں دن میں سفر کرنا زیادہ تر اسی لیئے خطرناک ہوتا ہے کہ ہوا کا طوفان مسافروں اور راہ نوردوں کو گرداب بلا میں پھنسا دیتا ہے۔ آگے دو کے آدمی کو تو جرأت ہی نہیں ہوتی۔ جرأت بھی کیسے ہو جس ملک میں ہوا کا طوفان ریت کے پہاڑوں کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پٹ دے۔ ہر وقت ریت میں دب جانے کا خطرہ ہو جان جانے کا اندیشہ ہو کوئی آدمی کیسے تنہا سفر کر سکتا ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں جنھوں نے ریگ زار

کے شدائد سفر کا اندازہ تو کیا ریگ زار عرب سے ناواقف محض ہیں۔ پاکستان اس لئے جنت نشان کہلاتا ہے۔ کہ اس میں قدم قدم پر نہریں۔ چشمے اور دریا جاری ہیں۔ کثرت سے کنوئیں اور تالاب ہیں۔ باغات ہیں۔ چمن زار ہیں۔ سرسبز اور شاداب پہاڑ ہیں۔ دو دو چار چار کوس پر آبادی ہے۔ عربستان میں یہ بات کمیاب ہے۔ نہریں۔ چشمے اور دریا تو کیں ہی نہیں بلکہ تالاب بھی اس لئے نہیں کہ اس خطہ میں بارش نہیں ہوتی۔ صرف کنوئیں ہیں وہ بھی خال خال سبزہ کا نام و نشان تک نہیں۔ البتہ کہیں کہیں کھجور کے باغات ہیں وہ بھی خال خال سبزہ کا نام و نشاں تک نہیں ہے عربستان میں رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ رات کو اکثر ہوا بند ہو جاتی ہے۔

دن بھر تپنے والا ریت سرد ہو جاتا ہے۔ وقت خوش گوار ہو جاتا ہے۔ ریت کا جہاز اونٹ تحمل اور استقلال سے منزل طے کرنے لگتا ہے۔

جو لوگ کسی مجبوری کے سبب سے دن میں سفر کرتے ہیں۔ وہ قیام نہیں کرتے خواہ کتنی ہی گرمی ہو اور کس قدر طوفان ہو برابر چلتے رہتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کبھی دوران سفر میں ہوا کا طوفان آجاتا ہے۔

اور ریت اس کے اوپر پڑنے لگتا ہے۔ تو وہ چلتے رہنے کی وجہ سے ریت میں دبنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ عدی اور اسکے ہم قبیلہ لوگوں نے یہ غلطی کی کہ طوفان کے وقت بھی ٹیلے کے نیچے پڑے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہوا نے ٹیلے کو ان کے اوپر الٹ دیا اور وہ دب کر نیم مردہ سے ہو گئے۔ اگر ہوا ان کے اوپر سے ریت اٹھا کر پھینک دیتی تو وہ دب کر مر جاتے اور ہرگز کسی کو کچھ بھی خبر نہ ہوتی کہ کب مر گئے تمام لوگ دبے ہوئے بے ہوش پڑے تھے ان کے جسم سر اور داڑھی کے بال ریت میں اٹے ہوئے تھے۔ صورتیں کچھ سے کچھ بن گئی تھیں۔ کچھ عرصے کے بعد حارثہ کو قدرے ہوش آیا۔ وہ کلبلایا۔ اس نے پانی مانگا۔ کون تھا۔ جو اسے پانی دیتا۔ پیاس سے اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ سے اپنے چہرہ اور آنکھوں کے اوپر سے ریت جھٹکا اور چلا کر

پانی مانگا۔ ریگ زار میں اُس کی آواز گونجی۔ لیکن جواب دینے والا کوئی نہ تھا ہُو ساکن تھی۔ فضا خاموش تھی۔ اگرچہ حارثہ نے پیاس سے جان بلب ہو رہا تھا۔ تمام قوت جواب دے چکی تھی نیچے کا دھڑ گرم ریت میں دبا ہوا تھا۔ مگر بقائے حیات کے لیئے اُس نے جدوجہد شروع کی اور تھوڑا تھوڑا ریت ہٹانے لگا۔

جب پیاس زور کرتی۔ تو بلند آواز سے چلاتا۔ پانی! پانی!! اور جب پانی نہ ملتا تو نڈھال ہو کر ریت کے اُوپر پڑ جاتا۔ کچھ عرصے کے بعد پھر اٹھتا پھر ریت ہٹاتا اور پھر پانی پانی چلاتا۔

اسی عالم میں اُسے عرصہ گذر گیا۔ اس قدر عرصہ کہ آفتاب بہت کچھ مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ اس کی سیدھی شعاعیں ترچھی ہو گئیں۔ دھوپ کی چمک اور تیزی میں کمی آنے لگی۔ رفتہ رفتہ حارثہ ریت سے باہر نکل آیا۔

چونکہ اس کی آنکھوں میں اب بھی ریت بھرا ہوا تھا۔ اسلیئے وہ کچھ نہ دیکھ سکتا تھا۔ اب وہ کھڑا ہو گیا۔ لیکن لڑکھڑاتے ہوئے جس طرح سے کوئی مخمور شراب بدمستی کے عالم میں کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ فضا میں ہاتھ مارتا تھا۔ کسی چیز کا سہارا لینے کے لئے۔ مگر چونکہ وہاں کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی۔ جس کا وہ سہارا لے سکتا۔ وہ گر پڑتا تھا۔ مگر اٹھتا تھا۔ پانی پانی چلا رہا تھا اسکی آواز ریگستان میں گونج رہی تھی۔

اوّل تو اس کی طاقت پہلے ہی جواب دے چکی تھی۔ رہی سہی ہمت پانی نہ ملنے کی وجہ سے اب زائل ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ایک دفعہ وہ گرا اور گر کر آہستہ سے اٹھا۔ اس نے پوری طاقت سے چلا کر کہا۔ پانی! آہ پانی!!۔

اتفاق سے ایک قافلہ قریب سے ہی نمودار ہوا۔ ساربان اونٹوں کی مہار پکڑے آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔ اور کچھ لوگ کجاووں میں سوار تھے۔ ایک آدمی کی نظر حارثہ پر پڑ گئی۔ اور اس نے جلدی سے کہا۔

لو کو فوراً اونٹوں کو۔ دیکھو وہ سامنے ٹیلے پر کوئی ستم کش انسان لڑکھڑا رہا ہے قیاس کہتا ہے۔ کہ اسے پیاس نے جان باب کر دیا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ اور لوگ بھی ہوں چلو جلدی سے پانی لیکر چلو۔

قافلہ فوراً رک گیا۔ اونٹ بٹھائے گئے۔ لوگ نہایت سرعت سے اُترے پانی کے مشکیزے جو اونٹوں کی پُشت پر لٹک رہے تھے۔ کھولے اور کندھوں پر ڈالے اور نہایت تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹیلے کی طرف روانہ ہوئے۔

حارثہ ابھی تک زندگی کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ لیکن اب وہ بہت زیادہ نحیف و نڈھال ہو گیا تھا۔ اس کی آواز اس قدر کمزور ہو گئی تھی۔ کہ ٹیلے کے محور سے باہر نہ نکلتی تھی۔ ایک دفعہ وہ اپنی تمام طاقت سے چلایا...... پانی..... اور ایک دم ریت پر گر پڑا۔ اس عرصے میں قافلے والے مشکیزے لیے ٹیلہ پر پہنچ گئے انہوں نے متعدد لوگوں کو ریت میں دھنسے اور بے ہوش پڑے دیکھا۔ انسانی ہمدردی نے انہیں مضطراب کر دیا۔ انہوں نے مشکیزے اُتار اتار کر رکھ دیئے اور جلد جلد ریت ہٹا کر لوگوں کو باہر نکالنے لگے۔

ایک بڈھا آدمی حارثہ کی طرف متوجہ ہوا۔ حارثہ پر غشی طاری ہونے لگی۔ بڈھے اعرابی نے مشکیزے کا منہ کھول کر ہاتھ کی ہتھیلی میں پانی لے کر حارثہ کے منہ پر چھینٹے دینے شروع کیے۔ پانی کی ٹھنڈک سے حارثہ کی غشی دُور ہونے لگی۔ چھینٹوں نے اسکی آنکھوں کا ریت دھو دیا

اُس نے آنکھیں کھولیں اور انتہائی کمزور آواز سے کہا۔ پانی بڈھے نے حارثہ کا سر اٹھایا اور اپنے زانو پر رکھا اور ہتھیلی میں پانی لے کر اُسکے حلق میں ٹپکانے لگا۔ حارثہ بہت زیادہ پیاسا تھا۔ جرعہ جرعہ پانی اس کی پیاس کو اور بھڑکا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کے منہ میں مشکیزہ الٹ دیا جائے۔

لیکن ایک دم زیادہ پانی پینے سے ان کی جان جانے کا خطرہ تھا۔ اس لیے بڈھا کف

دست بھر بھر کر پانی پلا رہا تھا۔

رفتہ رفتہ حارثہ کی حالت درست ہونے لگی وہ اٹھ کر اپنے سہارا سے بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ غفلت کی حالت میں رہا تھا۔ اپنی ہی مصیبت میں پھنسا رہا تھا۔ اپنے ہمراہیوں کی حالت سے محض بے خبر تھا۔ اب جبکہ اُسے ہوش آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا چونکہ قافلہ والے ان کے منہ پر چھینٹے دے رہے تھے۔ حلق میں پانی ٹپکا رہے تھے۔ اس لیے ان کے ساتھیوں میں سے اکثر و بیشتر ہوش میں آ چکے تھے۔ اور باقی ماندہ ہوش میں آ رہے تھے۔ لیکن عدی ابھی تک بے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس میں زندگی کے آثار ہی معلوم نہ ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد حارثہ کے تمام ساتھی نہ صرف ہوش میں آ گئے تھے۔ بلکہ قدرے توانائی پا کر اٹھنے اور اٹھ کر چلنے کے قابل ہو گئے۔ لیکن عدی کو ہوش نہ آیا۔ بہت کچھ جدوجہد کرنے پر بھی اس کے سانس کی آمد و رفت شروع نہ ہوئی۔

وہی بڈھا جس نے حارثہ کی خبر گیری کی تھی۔ اپنے قافلہ کا میر قافلہ تھا۔ اس نے کہا افسوس یہ ضعیف العمر جھلس گیا ہے۔ پیاس اور بادِ سموم نے اس کا چراغ ہستی بجھا دیا ہے یہ سن کر حارثہ کے تمام ساتھی بے حد ملول و محزون ہو گئے۔ اگرچہ وہ بھی ابھی نڈھال ہو رہے تھے۔ گرم ریت نے ان کے جسموں پر آبلے ڈال دیئے تھے۔ اور آبلے پھوٹ کر رسنے لگے تھے۔ جس سے سوزش اور ٹیس بڑھ گئی۔ مگر انہوں نے اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کی۔

سب کے سب عدی کے گرداگرد جمع ہو گئے۔ اور گریہ و فغاں کرنے لگے دیر تک بیٹھے روتے رہے۔ آخر اس میر قافلہ نے جس نے ان لوگوں کو بروقت امداد کر کے ان کی جانیں بچائی تھیں۔ ان کو سمجھایا اور انہوں نے نوحہ گری بند کی اور عدی کو ایک گڑھا کھود کر دفنا دیا۔

جب وہ اُسے دفنا کر فارغ ہوئے تو آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ میر قافلہ حارثہ

اور حارثہ کے ہمراہیوں کو لے کر اونٹوں کے پاس آیا۔ چونکہ وہ دیکھ چکا تھا۔ کہ جن لوگوں کو اُس نے اور اس کے قافلہ نے جانیں بچائیں ہیں۔ ان میں سفر کرنیکی ہمت نہ تھی۔ اس لیئے اُس نے اپنی جگہ قیام کر دیا۔

حارثہ اور اُس کے مجروح ساتھی رات کو پھر بے ہوش ہو گئے۔ قافلہ والوں نے نہایت ہمدردی سے ان کی تیمارداری شروع کی دوسرے دن ان لوگوں کو ہوش آیا۔ مگر ابلے پھوٹ پھوٹ کر زخم بن گئے تھے۔

اہل قافلہ نے اُن کے زخموں کا اعلاج شروع کیا۔ عرصہ تک یہ قافلہ والے حارثہ اور اُس کے ساتھیوں کا علاج کرتے رہے۔ جب عرصہ دراز گذرنے پر بھی ان کو آرام نہ ہوا تو وہ ان کو وہاں سے لے کر روانہ ہوئے اور ایک نخلستان میں پہنچکر اترے خیمے نصب کیئے اور نہایت اطمینان سے علاج میں مصروف ہو گئے۔

دسواں باب

معراج

مسلمان سنہ ۷ نبوی میں شعب ابی طالب میں محصور کئے گئے سنہ ۱۰ نبوی میں مقاطعہ ختم ہوا۔ پورے تین سال دتہ میں محصور رہے۔ یہ تین سال جس سختی۔ جس مصیبت اور جن تکالیف سے مسلمانوں نے گذارے ان کا عشر عشیر بیان کرنا اس زمانہ کے بے حس مسلمانوں کے دلوں میں بلا نکیے لیے کافی ہے۔ ہم محض واقعات بیان کر رہے تھے۔ اور وہ بھی مجملاً اگر مفصل بیان کرنے لگیں تو ایک تو ناول کا حجم بہت بڑھ جائے گا۔ دوسرے لرزہ بر اندام واقعات کو جو آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کرام پر نازل ہوئے شاید مسلمان پڑھنے کی تاب نہ لاسکیں۔ اس لیے تفصیلات سے گریز کرتے ہیں۔

سنہ ۱۰ نبوی میں مقاطعہ جب ختم ہوا اور مسلمان اپنے گھروں میں واپس آئے تو خیال ہوتا تھا۔ کہ شاید قریش کی بے جا اور ناروا سختیوں۔ سنگدلانہ مظالم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ مگر ہونے والے واقعات نے بہت جلد بتا دیا کہ کفار قریش پہلے سے بھی زیادہ سخت اور جفا کار ثابت ہوئے۔ کفار قریش کو خدا کے نام سے چڑ تھی۔ جو شخص ان کے سامنے خدا کا نام لیتا تھا۔ وہ اس کے جانی دشمن ہو جاتے تھے۔ اور اس پر ہر ممکن سختی کرتے۔

حضرت ابوبکر قبیلہ تیم سے تھے۔ یہ قبیلہ بھی قریش میں متعفر سمجھا جاتا تھا۔ اس قبیلہ

کا سب سے بڑا معزز شخص جو نبہا اور تاوان کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔ جس زمانہ کا حال ہم قلم بند کر رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں حضرت ابوصدیق رضؓ اس عہدہ پر مامور تھے۔ وہ خون کے جس مقدمہ کا خونبہا اور جنگ کا جو فیصلہ فرما دیتے تھے۔ تمام اہل مکہ اور سارے قریش بے چون و چرا اس فیصلہ کو تسلیم کر لیتے تھے۔ کسی کو ان کے فیصلے کی مخالفت یا اس پر احتجاج کرنیکی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ مالدار تھے اور شجاع بھی اور آپ کا قبیلہ بھی بڑا تھا۔ لیکن آپ کے مسلمان ہونے سے آپ کے قبیلہ نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

جب آپ شعب ابیطالب سے نکلے تو اپنے مکان کے صحن میں ایک چبوترہ بنا کر اس پر نماز پڑھنے لگے اور کلام اللہ کی تلاوت کرنے لگے۔ چونکہ آپ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اس لیئے آپ کے پڑوسیوں کو آپ کی یہ حرکت نہایت ناگوار ہوتی تھی۔ انہوں نے آپ کو پریشان اور دِق کرنا شروع کیا۔

وہ جب موقعہ پاتے آپکے مکان میں غلاظت وغیرہ پھینک دیتے تھے۔ نیز تلاوت کلام اللہ شریف کے وقت پتھر اور اینٹیں برساتے تھے۔ جن سے آپ تنگ آ گئے۔ ایک دن آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے حضور اکرم سے عرض کیا کہ میری قوم کے مظالم اب مجھ پر روز بروز زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ میں مکہ میں رہوں۔ اگرچہ مجھے آپ کی جدائی شاق ہے۔ مگر مصلحتِ وقت یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ میں بھی ہجرت کر کے حبش میں جا قیام کروں۔

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ افسوس قوم تمام نیک لوگوں کو مکہ سے نکالنا چاہتی ہے۔ ہجرت کرنا تو میں بھی چاہتا ہوں۔ مگر خدا کے حکم کا انتظار ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے کہاں ہجرت کرنے کا حکم ہوگا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ میں مکہ سے روانہ ہو گیا ہوں اور ایک پُر بہار خطہ میں جا پہنچا ہوں۔ جہاں کھجوروں کے باغ کثرت سے ہیں میرا خیال ہے کہ مجھے ایسے ہی خطہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم ہوگا۔ جہاں بکثرت کھجوروں کے

باغات ہوں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کہا بے شک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا خیال ہے کہ شاید وہ مقام یمامہ (مدینہ) ہو کیونکہ وہیں کثرت سے کھجوروں کے باغات ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کونسی جگہ ہوگی۔ اچھا ابوبکر رضؓ تم اگر اپنی قوم سے اس درجہ تنگ آگئے ہو کہ مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا ہے۔ تو خدا کا نام لے کر ہجرت کرو۔ مگر میرا خیال ہے کہ شاید تم حبش نہ جاسکو۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے کہا۔ حبش نہ جاسکوں گا۔ تو جدہ ہی رنہجاؤں گا۔ اور جب اور جہاں آنحضرت صلعم ہجرت کا ارادہ فرمائیں گے۔ میں ہمرکابی کے لیئے حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر حضرت صدیق اکبر رضؓ آزردہ خاطر ہو کر اٹھے اپنے مکان پر آئے اونٹ پر سوار ہوئے اور چل پڑے کچھ فاصلہ طے کرنے پر قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ کفار قریش کیطرح بحالتِ کفر میں تھے۔ انہوں نے کہا کہاں جارہے ہو۔ ابوبکر رضؓ؟

آپ نے جواب دیا مجھے میری قوم نے اس قدر ستایا ہے۔ کہ میں نے بدرجہ مجبوری ارادہ کرلیا ہے کہ مکہ سے نکل کر کہیں اور جارہا ہوں۔ اور آزادی سے اپنے خداوند عالم کی عبادت کرسکوں۔

ابن الدغنہ نے کہا۔ قوم کس قدر احمق بن گئی ہے۔ کہ آپ جیسے نیک شخص کو بھی مکہ سے نکال دیا ہے۔ شاید اس قوم کی تباہی کا وقت قریب آگیا ہے۔ لیکن ابو بکر رضؓ آپ کو مکہ سے نہ نکلنا چاہیئے تھا۔

صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا۔ آپ ہی کہیئے میں کیا کرتا۔ تنہا تمام قوم کا مقابلہ کیسے کرسکتا تھا۔ اتنے بڑے شہر میں ایک آدمی بھی مجھے اپنی حمایت میں لینے کے لیئے آمادہ نہ ہُوا:۔

ابن الدغنہ نے کہا۔ میں آپ کو اپنی حمایت میں لیتا ہوں۔ آپ مکہ واپس چلیے اور آزادی سے اپنے خدا کی عبادت مکہ ہی میں رہ کر کیجیئے۔ اگر آپ سے کوئی مزاحم ہوگا۔ تو میں اس کا سر اڑا دوں گا۔

چونکہ آپ کو آنحضرت صلعم کی جدائی شاق تھی۔ اس لیے ابن الدغنہ کے ہمراہ واپس لوٹ آئے۔ ابن الدغنہ نے خانہ کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا۔ کہ حضرت صدیق اکبر کو میں نے اپنی حمایت میں لے لیا ہے۔ کوئی شخص اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور اگر اسکو ستائے گا۔ تو میں اس کا سر اڑا دوں گا۔

ابن الدغنہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا رئیس تھا۔ قبیلہ کا سردار تھا۔ قریش اُسکے خاندانی اعزاز سے واقف تھے۔ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی اور حضرت ابوبکر رضہ اپنے مکان میں پہنچ گئے۔ بدستور سابق رہنے اور قرآن مجید کی تلاوت با آواز بلند کرنے لگے۔ قرآن مجید اپنے اندر ایک ایسی جاذبیت اور اثر رکھتا ہے۔ کہ ہر سننے والے کے دل پر بڑا اثر کرتا ہے۔ خصوصیت سے ان کے قلوب بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ جو عربی جانتے ہیں راقم الحروف کے اکثر ہندو احباب نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ کہ باوجود ان کے عربی نہ جاننے کے ان کے دلوں میں اس کے سننے سے ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

چونکہ اکثر احباب راقم الحروف سے قرآن شریف سنا کرتے ہیں اور جب انہیں آیات کے معانی بتائے جاتے ہیں تو زیادہ محظوظ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر بھی نہایت خوش الحانی سے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ ان کے ہمسایہ نہایت توجہ سے اور نہایت دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔

چنانچہ بعض لوگ مسلمان بھی ہو گئے۔ یہ بات کفار کو بڑی ناگوار گذری انہوں نے ابن الدغنہ سے شکوہ کیا کہ ابوبکر رضہ اگر اسی طرح آزادانہ قرآن مجید پڑھتے رہے تو وہ

رفتہ رفتہ اپنے تمام محلہ کو مسلمان کر لینگے لہٰذا ان کو منع کر دیا جائے کہ وہ بلند آواز سے قرآن شریف نہ پڑھا کریں۔

ابن الدغنہ نے صدیق اکبر رضؓ سے کہا۔ برادر تم قرآن مجید بلند آواز سے نہ پڑھا کرو۔ اس سے ہماری قوم کے افراد مسلمان ہوتے جاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق نے دریافت کیا۔ اگر میں آپ کی اس بات کو نہ مانوں تو آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

ابن الدغنہ نے کہا۔ میں اپنی حمایت سے دست بردار ہو جاؤں گا۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے دلیرانہ انداز سے کہا میں خود ہی آپکی حمایت سے نکل کر اپنے خدا کی حمایت میں پناہ لیتا ہوں

ابن الدغنہ خاموش ہو کر چلا گیا۔ صدیق اکبر رضؓ آزادانہ نماز پڑھتے اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہے ایک دن حضرت ابوبکر رضؓ آنحضرت صلعم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ آپ اپنے مکان پر نہ ملے۔ صدیق اکبر رضؓ بیت الحرام کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ابوجہل ملا۔

اس نے استہزاد کے طور پر کہا۔ ابوبکر تمہارے نبیؐ کو آج معراج ہوا دم کہتے ہیں کہ انہوں نے بیت المقدس تک سفر کیا ہے۔ پھر آسمان پر گئے۔ اور رات ہی کو واپس بھی لوٹ آئے یہ بات قابل یقین ہو سکتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر نے کہا۔ کیوں نہیں ایک رسول کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ابوجہل نے ہنس کر کہا۔ لیکن آج یہ ثابت کیا جائے گا کہ آنحضرت صلعم جو اس وقت کہہ رہے ہیں۔ صحیح نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو بلانے جا رہا ہوں۔ جو کہ بیت المقدس میں رہ کر آئے ہیں۔

وہ بیت المقدس اور مسجد اقصےٰ کے واقعات دریافت کریں گے۔ دیکھیں تمہارے نبیؐ

بتاتے ہیں۔ یا نہیں حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ ضرور بتائیں گے۔ تم امتحان لینا چاہتے ہو تو لو تمام انبیاء کے ان کی قوم نے امتحان لیئے۔ آنحضرت صلعم کا بھی امتحان لے لو۔

ابوجہل چلا گیا۔ حضرت صدیق اکبر بیت الحرام میں پہنچے۔ آنحضرت صلعم در کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے۔ اور آپ کے سامنے سینکڑوں کفار قریش بیٹھے اور کھڑے تھے ابوسفیان ابولہب عتبہ۔ ولید۔ شیبہ وغیرہ تمام کھڑے اور بیٹھے تھے۔ صدیق اکبر رضہ نے آنحضرت صلعم کو سلام کیا اور آپ کے سامنے بالکل قریب بیٹھ گئے۔ ابولہب نے استہزاد کے طور پر کہا ابوبکر اپنے نبی صلعم سے آسمان اور زمین کی باتیں دریافت کر لو۔ رات انہیں معراج ہوئی ہے۔ عرشِ معلےٰ پر خدا کے پاس ہو کر آئے ہیں جنت اور دوزخ وغیرہ سب کچھ دیکھ آئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضہ نے فرمایا۔ میرا ایمان ہے کہ آنحضرت صلعم نے جو کچھ فرمایا ہوگا۔ وہ صحیح ہے۔ مجھے ابھی ابھی ابوجہل نے بتایا ہے۔ لہٰذا میں بھی آنحضرت صلعم سے واقعات معلوم کرنیکے لیئے آیا ہوں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ ابوبکر رضہ واقعی رات مجھے معراج ہوئی ہے۔ پہلے میں بیت المقدس گیا۔ پھر آسمان پر پہنچا اور پھر عرش معلےٰ پر پہنچکر خدا سے ہمکلام ہوا صدیق اکبر رضہ نے کہا۔ میں آنحضرت صلعم کے ایک ایک لفظ پر ایمان لایا اور یقین رکھتا ہوں۔ میں تمام واقعہ مفصل سننے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ بلاشبہ میں نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان نہیں کیا ہے۔ اب مفصل سناتا ہوں۔ تمام لوگ نہایت غور سے سُننے لگے۔ اس عرصے میں ابوجہل بھی آ گیا۔ اُس کے ہمراہ چند اور لوگ بھی آ گئے۔ وہ اور اُس کے ہمراہ آنیوالے بھی ایک طرف بیٹھ کر غور سے سننے لگے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ م[illegible] جبرائیل آئے اُنہوں نے بلند آواز سے کہا۔ یا محمد قم فان اللہ یدعوک۔ ترجمہ اے محمد اُٹھو تم کو پروردگار نے بلایا ہے۔

میں فوراً اٹھا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے کہا اے محمدؐ وضو کرو۔ میں نے وضو کیا وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر چلے جب وہ کوہ صفا اور مروہ کے درمیان پہنچے تو ایک مرکب نہایت ہی خوبصورت بخوبی آراستہ و پیراستہ دیکھا۔ یہ مرکب خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ سینہ یاقوت سرخ سے مزین تھا۔ پشت دُرِ سفید سے مزین تھی۔ دو خوبصورت پر دونوں طرف اس طرح سے کھلے تھے کہ اسکی ہڈیاں نظر نہ آتی تھیں۔ حضرت جبرائیل نے کہا۔

اے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم یہ براق ہے اس پر انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے رہے ہیں آپ اس پر سوار ہو جائیں۔ میں فوراً براق پر سوار ہو گیا۔ براق اس تیزی سے روانہ ہوا اس تیزی سے روانہ ہوا کہ میں حیران رہ گیا۔ میں نے کوئی ایسی تیز رفتار سواری نہیں دیکھی۔ جس سے اُسے تشبیہ دوں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ درخت پہاڑ۔ جنگل۔ ریگ زار پیچھے کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام برابر دوڑتے جا رہے تھے۔ چند ہی لمحہ میں ایک ایسے پُر بہار خطہ میں پہنچے۔ جس سے کھجور کے درخت کثرت سے کھڑے تھے۔ زمین سبزہ زار تھی۔ براق ایکدم رک گیا۔ حضرت جبرائیل نے کہا۔

یا محمدؐ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں آپ مکہ سے ہجرت کر کے آویں گے۔ اس مقام کا نام مدینہ طیبہ ہے۔ یہاں ٹھہر کر دو رکعت نماز پڑھ لیجئے میں نے فوراً دو رکعت نماز پڑھی مجھے خیال تھا کہ شاید یمامہ کی ہجرت کرنا پڑیگی۔ لیکن جبرائیل کے کہنے سے پتہ چلا کہ یمامہ کیجانب نہیں۔ بلکہ مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کرنا ہوگا۔ نماز پڑھکر میں پھر براق پر سوار ہوا۔

براق بجلی جیسی سرعت کیساتھ روانہ ہوا۔ بھائی جبرائیل علیہ السلام جلو میں چلے چشم زدن میں ہم ایک ایسے پہاڑ پر پہنچے۔ یا گذرے جو جل کر سیاہ ہو گیا تھا۔

جبرائیل نے کہا کہ اس پہاڑ کا نام کوہِ طور ہے۔ اس پہاڑ پر حضرت موسیٰ خدا سے ہمکلام ہوا کرتے تھے۔ یہ تجلی حق سے جل کر سُرما ہو گیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بات ابھی ختم کی تھی۔ کہ ہم باب اللحم میں پہنچے یہاں حضرت عیسےٰ پیدا ہوئے تھے۔

براق زمین سے لپٹا ہوا تیزی سے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ طرفۃ العین میں ہم ایک سبزہ زار مقام پر پہنچے سامنے ایک بلند و بالا قلعہ تھا۔ قلعہ کے پاس ایک عالی شان مسجد تھی۔ براق مسجد کے پاس پہنچکر رک گیا۔

جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ یا محمدؐ اترئیے یہ بیت المقدس ہے اور یہ مسجد اقصیٰ ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ہم اس قدر جلد اتنے دُور دراز فاصلے پر کیسے پہنچ گئے۔ خیر میں براق سے اُترا۔ مجھے بہت سے لوگ سفید پوشاک اور نورانی صورت والے نظر آئے۔

انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ **السلام علیکم۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی اے خدا کے رسولؐ تم پر سلام ہو۔ میں نے سلام کا جواب دے دیا۔ وہ لوگ سامنے سے اس طرح غائب ہو گئے جیسے کہ صبح کے وقت چاندنی نورِ سحر کے برآمد ہوتے ہی ہو جاتی ہے۔

حضرت جبرائیل کے کہنے سے میں نے براق کو حلقہ در مسجد اقصیٰ سے باندھ دیا اور خود مسجد اقصیٰ کے اندر پہنچا۔ مسجد میں بہت سے آدمی موجود تھے۔ میں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ سب لوگ میرے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے نماز میں میری اقتدا کی جب میں نماز پڑھ کر مسجد اقصےٰ سے نکلا تو جبرائیل نے کہا اے خدا کے حبیب آپ نے پہچانا کہ مسجد اقصیٰ کے اندر یہ لوگ کون تھے؟ میں نے کہا۔ ان میں سے کسی کو بھی میں نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔

حضرت جبرائیل نے کہا۔ یہ تمام انبیاء علیہ السلام تھے۔ میں نے کہا تم نے پہلے مجھے کیوں نہ بتایا۔ آؤ واپس چل کر دیکھیں اور اُن سے پھر ملیں۔ حضرت جبرائیل نے کہا۔ اب

جانا بے سود ہے۔ وہ جہاں سے آئے تھے۔ وہاں چلے گئے۔

مجھے افسوس ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ افسوس نہ کرو۔ تم ان سے پھر ملو گے۔ اب جبرائیل علیہ السلام چلے۔ میں براق پر سوار ہوا۔ براق آسمان کی طرف اڑنے لگا۔ نہایت سرعت سے اڑا چلا جا رہا تھا۔ ہر چیز زمین سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی دریا۔ پہاڑ اور خشکی سب نظروں سے معدوم ہو گئے تھے۔ صرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا تھا چند لمحوں میں پانی بھی غائب ہو کر ایک بڑا سیاہ نقطہ سا بن کر رہ گیا۔ جو ہر لمحہ چھوٹا ہوتا جاتا تھا۔ حتی کہ وہ نقطہ بھی غائب ہو گیا۔ اب میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ قندیل فلک روشن برج معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثر اس قدر بڑے تھے کہ ان کی جسامت دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ نیز وہ اس قدر روشن تھے کہ ان کی روشنی میں آسمان کی ہر ایک چیز جگمگاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

براق اس سرعت سے سرگرم پرواز تھا۔ کہ ہر لمحہ خوف ہوتا تھا۔ کہ کہیں سیارہ سے نہ ٹکرا جائے مگر وہ صاف بچ کر نکل جاتا تھا۔ ناگہاں پہنچ کر آسمان میں ایک بڑا شگاف یا دروازہ تھا۔ براق ہوا کی طرح اُسے عبور کر گیا۔ پہلے آسمان پر پہنچ کر میں نے اس کی گونا گوں دلچسپیوں اور دلفریبیوں کو دیکھا۔ یہاں مجھے پھر ایسے ہی سفید پوش نورانی صورت والے بزرگ نظر آئے۔ جیسے کہ مسجد اقصیٰ کے پاس ملے تھے۔

ان سب نے مجھے اسلام کیا۔ میں نے اسلام کا جواب دیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ فرشتے ہیں۔ ان فرشتوں کے درمیان زری تکیہ لگائے ہوئے ایک بزرگ بہترین پوشاک پہنے تھے بے اختیار میرا دل انکے سلام کو چاہا۔ لہذا میں نے بڑھ کر اُسے سلام کیا۔ انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مجھے اپنی آغوش میں لے کر پیار کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ یہ تمہارے جد امجد حضرت آدم صفی اللہ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔

زر چشمی نبی الصالح تجھ پر اور تیری کمزور اُمت پر قیامت تک سلامتی رہے گی۔ میں ان کی آغوش سے نکلا اور چلا براق پر سوار ہوا۔ براق دوسرے آسمان کی طرف اڑا اور چشم زدن میں ہم دوسرے آسمان پر پہنچ گئے۔ یہاں بھی فرشتے صف در صف کھڑے تھے۔ انہوں نے بھی مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ ان فرشتوں کے درمیان دو بزرگ اچھے کپڑے پہنے ہوئے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ ان میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور دوسرے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تھے۔

دونوں نبی مجھ سے بغل گیر ہوئے ان سے رخصت ہو کر ہم یعنی میں اور بھائی جبرائیل علیہ السلام تیسرے آسمان کی طرف اڑے وہاں پہنچکر بھی فرشتوں کو ایستادہ دیکھا۔ انہوں نے بھی سلام کیا۔ اور میں نے سلام کا جواب دیا۔ ان فرشتوں کے درمیان ایک نوجوان نہایت خوبصورت پوشاک پہنے بڑے تکیہ سے سہارا لگائے بیٹھا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بڑے جوش و مسرت سے اٹھکر بغل گیر ہوا۔ میں اس کا حسن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس نوجوان سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ محمدؐ یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ وہی یوسف جن کے عشق میں زلیخا ملکہ مصر سوکھ کر کانٹا اور جوان سے بڑھیا ہو گئی تھیں وہ بے حد حسین و جمیل تھے۔

میں ان سے رخصت ہو کر چلا اور چوتھے آسمان پر پہنچا وہاں ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جب میں چھٹے آسمان پر پہنچا تو حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ سے ملاقی ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھے دیکھتے ہی رو پڑے میں نے دریافت کیا اے کلیم اللہ آپ کس وجہ سے رو پڑے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے جواب دیا۔ اس وجہ سے تمہاری امت میری امت سے کہیں زیادہ جنت میں جائے گی۔ اور جس کی طرف تم اشارہ کرو گے۔ وہ بخش جائے گا۔

کاش مجھے بھی یہ منصب جلیلہ حاصل ہوا ہوتا۔ میں نے کہا۔ آپ خدا کے لاڈلے پیغمبر ہیں۔ جمال الٰہی کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ باری تعالیٰ ہمیشہ آپ پر مہربان رہا ہے۔

حضرت موسیٰ نے کہا۔ یہ تمام باتیں درست ہیں۔ لیکن قیامت کے دن مجھے شفاعت کی جرأت نہ ہوگی۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے صرف آپ ہی امت کی شفاعت کرنے کے مجاز ہوں گے۔

اے نبی آخر الزماں میری دعا ہے کہ تم پر اور تمہاری کمزور امت پر خدا اس قدر مہربانی کرے کہ ہر گناہ گار بخشا جائے اور تم کو سفارش کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ تم پر کروڑوں سلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رخصت ہو کر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے۔ اس آسمان پر اس قدر روشنی اور فرشتوں کا اس قدر اژدہام تھا۔ کہ اس سے پہلے کسی آسمان پر نہ تھا۔ ایک فلک رفعت مسجد نظر آئی۔ وہ نہایت ہی خوبصورت اور صاف و شفاف تھی۔ اس مسجد کا نام بیت المعمور ہے۔ اس مسجد کے چاروں طرف فرشتے صف در صف کھڑے تھے۔ کچھ رکوع کی حالت میں کھڑے تھے۔ کچھ سجدہ میں پڑے تھے۔

ایک بزرگ آدمی بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی اُٹھے اور مجھے اپنی آغوش میں لینے کے لئے بڑھے۔ جبرائیل نے مجھے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ یعنی اللہ کے دوست ہیں۔ میں اُن سے بغل گیر ہوا۔ اور انہوں نے خندہ پیشانی سے مجھے خوش آمدید کہا اور پھر رو کر کہا:-

پیارے فرزند۔ تو جب تک دنیا میں رہے گا۔ مصائب و شدائد کا مقابلہ کرتا رہے گا۔ تیری امت بیحد کمزور ہوگی۔ آج باری تعالیٰ نے تجھے بلایا ہے۔ تو اپنی امت کی بخشش کا وعدہ پروردگار سے کروالینا:-

میں نے عرض کیا۔ محترم بزرگ مجھے اپنی امت سے محبت نہیں۔ بلکہ عشق ہے میں اسکی فلاح و بہبودی کے لئے اپنی امت کی اس کی فلاح و بہبودی کے لئے پروردگار عالم سے

اس وقت عرض کرتا رہوں گا۔ تاوقتیکہ باری تعالےٰ اعز اسمہ کی رحمت میں آکر ساری امت کی بخشش کا وعدہ نہ کرے۔

میں ان سے رخصت ہو کر آگے بڑھا اور ایک عجیب وغریب درخت کے پاس پہنچا یہ درخت حدِ نگاہ تک بڑا تھا۔ اُسکے پتے ہاتھی کے کان کے برابر بڑے اور پھل ستون کی مانند موٹے اور لمبے تھے۔ درخت کے بیچ میں ایک نہایت آراستہ و پیراستہ مکان تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ درخت کے بیچ میں جو مکان نظر آیا ہے۔ حضرت جبرائیل نے کہا۔ یہ میری رہائش کا مقام ہے وہاں سے وہ مجھے ایک ایسے پر بہار خطہ میں لے گیا جسکی نظیر دنیا کے کسی خطہ سے نہیں دی جاسکتی۔ وہ خطہ نہایت سرسبز و شاداب مقام تھا۔ فرحت افزا باغیچے تھے روح پرور گل اور بوٹے تھے۔ دیدہ زیب قصر تھے۔ سرخ و سفید رنگ اور بڑی بڑی سرمگیں آنکھوں والے حسین لڑکے اور عورتیں تھیں۔ الغرض وہاں جو کچھ بھی تھا۔ وہ ایسا تھا کہ اس کی مثال دنیا کی کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی!!

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا وہ جنت تھی وہی جنت خدا نے جسکے دینے کا وعدہ مسلمانوں سے فرمایا ہے۔ عورتیں حوریں اور لڑکے غلمان تھے۔ اگر خدا کے بندے ان ظاہری آنکھوں سے جنت کا ایک مرتبہ بھی نظارہ کرلیں تو پھر عمر بھر دوبارہ اُسے دیکھنے کی ہوس میں سرگرداں رہیں۔ وہاں کی ہر ایک چیز عجوبہ روزگار تھی۔ ہوا خوش گوار فرحت بخش اور روشنی ٹھنڈک پہنچانے والی تھی۔ جنت سے آگے ہم ایک ایسے مقام سے گزرے۔ جہاں آگ کثرت سے جل رہی تھی۔ شعلے اٹھ رہے تھے۔ آتشی سانپ اور دوسرے جانور پھنکار رہے تھے۔ گرم گرم کھولتا ہوا پانی بہہ رہا تھا۔ زقوم کے خاردار درخت کھڑے تھے۔ آگ کی لپیٹ دور تک مار کر رہی تھی۔ میں نے اس مقام کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ یہ دوزخ ہے۔ خدا کے نافرمان بندوں کے رہنے کی جگہ۔ روح کو عذاب اور عقوبت پہنچانے کا

مقام۔

بے اختیار میرے آنسو جاری ہو گئے۔ بند بند لرزہ ہونے لگا۔ میں نے کہا اے خدائے عزوجل میری کمزور اُمت کو اس دار العقوبت سے بچائیے۔

میرے یہ کہتے ہی دوزخ کے دروازے بند ہو گئے۔ میں حضرت جبرائیل کے ہمراہ آگے بڑھا۔ کچھ دور چل کر جب "سدرۃ المنتھیٰ" کے آخری حد پر پہنچا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ٹھٹھک گئے۔

میں نے کہا۔ یا اَخِیْ تم رک گئے۔ میرے ساتھ آؤ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ ترجمہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے اگر چند قدم بھی اور آگے بڑھوں تو تجلی الٰہی سے میرے تمام بال و پر جل جائیں گے۔

میں نے دریافت کیا تو میں تنہا بڑھوں

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ اب آگے آپ کو تنہا ہی بڑھنا پڑے گا یا نبی آخر الزماں تشریف لیجائے اب قدرت آپکی رہنمائی کریگی میں بڑھا سامنے ایک حجاب حائل تھا۔ ایک پردہ مجھے اس حجاب نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ سدرۃ المنتھیٰ اور تمام چیزیں میری نظروں سے غائب ہو گئیں۔ صرف ایک روشنی رہ گئی۔

پرکیف مسرور کن آنکھوں اور دل کو ٹھنڈک پہنچانے والی روشنی میں بڑھا چلا جا رہا تھا کہ ایک عجیب قسم کا سبز فرش بچھا ہوا دیکھا۔ نہایت ملائم گہرا سبزہ اس پر چلنے سے دل و دماغ کو تقویت ہوتی تھی۔

اس فرش یا سبزہ زار کا نام رفرف تھا۔ یہاں ایک فرشتہ کھڑا تھا۔ صور لئے ہوئے اُس نے مجھے سلام کیا۔ اس فرشتہ کا نام اسرافیل تھا۔ یہ فرشتہ قیامت کے دن صور پھونکے گا۔ اور اسکی ہولناک آواز سے زمین اور آسمان کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

جُوں جُوں میں آگے بڑھتا تھا۔ روشنی عجیب اور کیف آگیں ہوتی جاتی تھی۔ حجاب ہائے

نورانی ظاہر ہوئے تھے اور قطع ہو جاتے تھے۔ حتی کہ میں عرش معلےٰ کے قریب پہنچا۔ میرا دل اور دماغ رعب الٰہی سے بھر گئے۔ اب میں ایسی جگہ پہنچا۔ جہاں روشنی نہ تھی۔ بلکہ نور تھا۔ کیسا نور تھا میری زبان میں نور کی کیفیت بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

نہ دنیا میں کوئی چیز میں نے ایسی دیکھی ہے۔ جس سے اس نور کی تشبیہ دے سکوں میں حیران اور مبہوت سا کھڑا رہ گیا۔ میرے کھڑے ہوتے آواز آئی۔ یا محمدؐ ادن منی۔ اے محمدؐ نزدیک آؤ۔ مجھے جرأت ہوئی میں اور بڑھا۔ لیکن اس نور کے رعب سے میرا سینہ لبریز ہو گیا تھا۔ وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ میں چلتا چلتا ٹھہر جاتا۔ میرے ٹھہرتے ہی پھر آواز آئی۔ یا محمدؐ ادن منی اے محمدؐ نزدیک آؤ میں پھر چلنے لگتا۔ آخر میں چل کر ایک ایسی جگہ پہنچا۔ جہاں تجلی الٰہی کے پرتو نے آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہونے دی اور بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔

التحیات للّٰہ والصلوٰۃ والطیبات - اے پروردگار عالم ساری تعریف اور ہر قسم کی ثنا اور تمام بزرگیاں صرف تیرے ہی لئے ہیں۔ فوراً غیب سے ندا آئی۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ والسلام علینا وعلیٰ عباد اللّٰہ الصالحین۔

ترجمہ: اے نبی آخر الزماں تم پر سلام ہے۔ اور رحمت خداوند عالم اور تمام نیک اور اللہ کے بندوں پر سلامتی ہو۔

اس ندا کے سنتے ہی تمام فرشتوں نے بلند آواز سے کہا۔ **اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ۔**

ترجمہ: ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ اے رب العالمین۔ سوائے تیرے کوئی سزاوار عبادت نہیں ہے۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔ اب میں سمجھ گیا۔ کہ ذات باری تعالیٰ میں اور مجھ میں صرف دو کمان کے بھی کم فاصلہ رہ گیا ہے۔ میں

بے اختیار سجدہ میں گر گیا۔ جب میں اُٹھا تو رعب الٰہی سے تھرانے لگا۔ رب العالمین نے نہایت شفقت سے مجھے نوازا۔ بڑی دل دہی سے خطاب فرمایا۔ پانچ وقت کی نماز میری اُمت پر فرض ہوئی۔ میں نے پروردگار عالم سے عرض کی کہ اے واحد مطلق اے قادر برحق میری امت کمترین اُمت ہے۔ نہایت کمزور ہے آخر زمانہ تک رہے گی۔ نیز شیطان اس کے بہکانے کی کوشش کرے گا۔

اے معبود حقیقی میں اپنی امت کی طرف سے بے حد متفکر اور مغموم ہوں۔ آج میری کمزور امت کی بخشش کا وعدہ کریں۔

ندا آئی اے محمدؐ اے میرے پیارے حبیب تیری اُمت کے جس امتی کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ جس نے شرک جیسا کبیرہ گناہ نہ کیا ہوگا۔ میں اُسے بخش دوں گا۔

یہ نوید روح پرور سنکر میرا رواں رواں مسرور اور شادمان ہو گیا۔ اب میں نے واپسی کی اجازت چاہی مجھے واپسی کا اذن ملا۔ میں واپس لوٹ کر "سدرۃ المنتہیٰ" کے پاس آیا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کمال مسرت سے کہا۔ مرحبا! اب میں ان کے ساتھ واپس لوٹا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک غضبناک چہرہ والا درشت مزاج۔ فرشتہ ملا۔ اگرچہ اس نے میری تعظیم کی۔ مگر اس کی پیشانی کا بل رہا۔ اور اس کی ہر ہر ادا سے درشتی ٹپکتی تھی۔

میں اس سے رخصت ہو کر چلا۔ جب اس سے ذرا فاصلے پر پہنچا۔ تو میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کہ یہ فرشتہ کون تھا۔ نہایت درشت مزاج ہے ہر وقت چیں بہ جبیں رہتا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہ عزرائیل ہے۔ قابض الارواح ملک

الموت ہے۔ جب سے باری تعالیٰ نے اُسے عالم وجود میں لایا ہے۔ اسی وقت سے اسی حالت میں ہے

میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا اے وحی مجھے اس سے کچھ کہنا ہے۔ آؤ۔ اس کے پاس چلیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام یعنی ملک الموت کے پاس گئے۔ میں نے اُس سے کہا۔

اے خدا کے مقرب فرشتے میری آرزو ہے کہ تو میری امت کے ساتھ کسی قدر نرمی اور آسانی کا برتاؤ کرتے رہنا!!

اُس نے کہا اے امت کے شیدائی اے خدا کے محبوب رسول مجھے حق سبحانہ کی طرف سے روزانہ ہدایت ہوتی رہتی ہے۔ کہ محمد صلعم کے امتی کی روح قبض کرتے وقت نرمی کیجئے میری کیا مجال ہے کہ ذات حق سبحانہ کے حکم کی نافرمانی کرسکوں میں وہاں سے واپس لوٹا۔ براق پر سوار ہوا۔ براق ہوا جیسی سرعت سے روانہ ہوا۔ آسمان پر آسمان آتے رہے یہاں تک کہ میں آسمانوں کو عبور کر کے زمین پر آگیا۔ مجھے پیاس معلوم ہوئی بمقام روحا پر ایک قافلہ فرودکش تھا۔ قافلے والوں کا اونٹ گم ہو گیا تھا۔ تمام قافلے والے اس گم شدہ اونٹ کو تلاش کرنے لئے گئے ہوئے تھے۔ میں نے کجاووں کے پاس جا کر پانی پیا مقام تنعیم میں ایک قافلہ آرہا تھا۔ سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ تھا اس پر سیاہ ٹاٹ پڑا تھا۔ اور دو سیاہ گونیں لدی ہوئی تھیں۔ میں نے قافلے والوں کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔

براق ہوا جیسی سرعت سے دوڑتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ آگیا۔ صفا اور مروہ کے درمیان آکر براق رک گیا۔ اتر کر اپنی خواب گاہ میں آیا۔ عجیب بات یہ دیکھی کر زنجیر در بدستور متحرک اور بستر گرم تھا۔

مجھے سخت حیرت ہوئی کہ کس قدر عجلت سے میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس وہاں سے

آسمان کے اوپر اور آسمانوں سے عرش معلےٰ پر سے آیا ہوں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جلدی سے کہا۔ صدقت رسول اللہ۔ یعنی اے خدا کے رسول آپ نے سچ فرمایا۔

اس دن سے آپ کا لقب "صدیق" پڑ گیا۔ صرف اسلامی دنیا میں ہی نہیں۔ بلکہ تاریخی دنیا میں آپ "صدیق" کے لقب سے ہی مشہور ہیں۔

ابوجہل نے ہنس کر کہا۔ ابوبکر کیا تم ایسی دور راز فہم باتوں کو سمجھتے ہو۔ جیسے کہ محمدؐ نے بیان کی ہیں۔

اب ہم آئندہ صدیق اکبرؓ کے ہی لقب سے مخاطب کریں گے۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا۔ بعید از فہم کیا بات ہے۔ ابوجہل؟

ابوجہل نے کہا۔ کیا یہ بات بعید از فہم نہیں ہے۔ کہ محمد صلعم رات ہی کو بیت المقدس سے ہو آئے۔ یہ غیر ممکن ہے۔ اتنی بڑی مسافت ایک رات میں تو کہاں ایک ہفتے میں بھی طے نہیں ہو سکتی!!

جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے ان پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ کسی کا منہ فرط حیرت سے کھلا رہ گیا تھا۔ کسی کی آنکھیں پھٹی تھیں۔ نیز کوئی فرط استعجاب سے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔

غرضیکہ ہر شخص پر حیرت طاری تھی۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ خدا میں سب کچھ قدرت ہے۔ وہ غیر ممکن کو ممکن کر دیتا ہے۔ خدا نے جب دنیا کو پیدا کرنا چاہا۔ تو فرمایا کن ہو جا فیکون پیدا ہو گئی۔)

جب وہ ایسی قدرت والا ہے۔ تو کیا اس سے یہ بعید ہے۔ کہ وہ اپنے محبوب رسول کو مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر لے گیا۔ اور فوراً ہی واپس لے آیا۔

ابوجہل اس کی قدرت سے کچھ دور نہیں ہے۔ خدا نے اپنے پیارے حبیب کو معراج عطا فرمائی۔ آسمان دکھائے۔ عرش معلےٰ پر اپنے حضور میں بلایا۔ انبیاء علیہم السلام سے شرف

ملاقات بخشا۔ جنت اور دوزخ دکھائے۔ میرا ایمان اور پختہ ہو گیا

جو مسلمان اب یا ہزاروں سال کے بعد بھی معراج کا حال سنے گا۔ سچ سمجھے گا معراج بھی ایمان کا ایک جز ہو گئی تو بھی ایمان لے آ۔ اُس بندہ پر جو خدا کا ایسا محبوب ہے کہ اُسے اپنے پاس عرش پر بلا کر اُسے اپنا دیدار دکھایا۔

ابوجہل نے ہنس کر کہا۔ میں بے وقوف نہیں ہوں۔ ابوبکر دیکھو تمہارے نبی صلعم کا جھوٹ سچ ابھی کھلا جاتا ہے۔

ابوجہل جن لوگوں کو ہمراہ لایا تھا۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ہاں تم بیت المقدس میں عرصے تک رہ چکے ہو۔ محمدؐ سے وہاں کے حالات پوچھو۔ ان لوگوں نے باری باری سوال کرنا شروع کیا۔

مثلاً بیت المقدس پہاڑ سے کتنے فاصلے پر ہے؟ مسجد کہاں ہے۔ اس میں طاق کتنے ہیں اور کتنے کنگورے ہیں۔ صحن کتنا وسیع ہے۔ اور باب المعراج کس طرف ہے۔

اگرچہ آنحضرت صلعم نے رات کو سرسری نظروں سے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کو دیکھا تھا نہ طاق گنے تھے۔ نہ کنگورے شمار کیئے تھے۔ اور نہ یہ دیکھا تھا۔ کہ بیت المقدس پہاڑ سے کس طرف ہے اور کتنے فاصلے پر ہے۔ مگر باایں ہمہ تائیدِ ایزدی سے تمام سوالات کا جواب ایسا تسلی اور تسلی بخش دیا کہ سوال کرنے والے حیران ہو کر رہ گئے۔

سب نے اعتراف کیا کہ آنحضرت صلعم کے جوابات نہایت مکمل اور واقعی صحیح ہیں۔ کفار مکہ بجائے قائل ہونے کے مزید سرکش و گستاخ ہو گئے جس طرح سے فرعون نے جادوگروں سے کہا۔ جبکہ اس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا مقابلہ کرنے کیلئے بلایا تھا۔ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے ساز باز کر لیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح سے کفار مکہ نے کہا کہ تم لوگ حضرت محمد رسول اللہؐ سے ساز کیئے ہوئے ہو اس لیئے ہم کو تمہارا ابھی یقین نہیں رہا ہے۔ آنحضرت صلعم نے کہا۔ آخر تم کو کس طرح سے یقین آئے۔

ابوجہل نے کہا۔ ہاں یقین آجائے گا۔ جب مقام نعیم والا قافلہ آئے گا۔ اور اس کے لوگ تمہارے سلام کرنے کی گواہی دیں گے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ قافلہ آئے گا۔ مگر کل صبح

ابوجہل بولا۔ بس تو اب قصہ کو بند کر دیجئے۔ کل جب قافلہ آئے گا۔ تب تمام جھوٹ سچ نکل آئے گا۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ منظور ہے آپ معہ صدیق اکبر رضہ کے اٹھ کر چلے گئے اس کے بعد کفار مکہ بھی اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں معراج کی خبر تمام مکہ میں گرم ہو گئی:۔

جس مسلمان نے سُنا اعتماد کیا۔ مگر جس کافر نے سُنا وہ حیران رہ گیا۔ چونکہ عجیب معاملہ تھا۔ نادر زمانہ تھا۔ اس لئے خوب چرچا ہوا ہر محفل میں ہر بازار میں کوچہ میں ہر گھر میں ہر گلی میں معراج ہی کا ذکر خیر ہونے لگا۔ حتیٰ کہ رات ہو گئی۔

صبح سویرے ہی سے لوگ مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ کے راستہ پر جا کر بیٹھے اور قافلے کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ جب آفتاب طلوع ہوا اور قافلہ نہ آیا۔ تو کفار مکہ بڑے مسرور ہوئے۔

بعض بجا بجا کر کہنے لگے۔ اب تک بھی قافلہ نہیں آیا۔ لہذا سب باتیں بھی غلط تھیں اور محمد صلعم کو جھوٹا ثابت کریں۔

سب نے کہا چلو چلو آج تو ہماری چڑھ بنی ہے۔ یہ سب لوگ واپس لوٹنا ہی چاہتے تھے۔ کہ سامنے سے گرد و غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔ تمام رک گئے اور حیرت و استعجاب سے غبار کی طرف دیکھنے لگے۔

غبار بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اس قدر قریب آگیا کہ قافلے کے اونٹ نظر آنے لگے۔ اس قافلے کو دیکھ کر تمام کفار مکہ کو بڑا رنج ہوا۔ جب قافلہ بالکل

قریب آیا۔ تو سب نے دیکھا کہ قافلے کے آگے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ ہے۔ جس پر سیاہ ٹاٹ پڑا ہے۔ اور اس کے دونوں طرف سیاہ گونیں لدی ہوئی ہیں۔

آنحضرت صلعم کے قول پر تصدیق دیکھ کر کفار مکہ چلا اٹھے۔ یہ ایک اتفاق ہے جو کہ آنحضرت صلعم کے قول کے مطابق صادق آیا۔ جب قافلہ برابر میں آیا۔ تو ابوجہل نے سالار قافلہ سے دریافت کیا کہ محمد صلعم کل رات تمہارے قافلے کے پاس سے گذرے تھے۔

سالار قافلہ نے جواب دیا۔ ہاں گذرے تھے۔ عجیب مرکب پر سوار تھے اور نہایت تیز آ رہے تھے۔ انہوں نے سلام کیا۔ جب ہم نے سلام کا جواب دیا تو وہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔

ابوجہل نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ کیا واہیات بات ہے۔ کہیں تم پر بھی تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا جادو نہیں اثر کر گیا ہے؟

سالار قافلہ نے کہا۔ جادو نہیں میں نے آنحضرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور ان کی آواز اپنے کانوں سے سُنی ہے۔

ابوجہل نے تمام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں اس قافلہ والوں نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سازباز کر لیا ہے۔ آؤ ان کی باتیں نہ سُنو۔ ورنہ تم بھی بہک جاؤ گے۔

تمام کفار قافلہ والوں کا تمسخر اڑاتے ہوئے روانہ ہوئے۔ چونکہ قافلہ والوں کو معراج شریف کا حال معلوم نہ تھا۔ اس لیئے وہ حیرت سے کفار مکہ کو دیکھنے لگے سالار قافلہ نے قافلہ والوں سے کہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کچھ دیوانے سے ہو گئے ہیں۔ آپ ہی تو سوال کرتے ہیں۔ اور خود ہی منہ چڑھاتے ہیں اور تمسخر اڑاتے چلے گئے ہیں

قافلہ والوں نے کہا۔ ان لوگوں کے پاگل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے

نہ معلوم یہ ایسی حرکت کیوں کرتے چلے جا رہے ہیں۔

سالار قافلہ نے جوش میں آکر کہا! ۔

جانے دو ان پاگلوں کو!!

قافلہ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ مکہ کے شہر میں داخل ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

گیارہواں باب

(۱۱)

"عام الحزن"

واقعہ معراج کو کفار نے نہایت حیرت سے سُنا۔ کمال استعجاب سے ایک نے دوسرے سے تذکرہ کرلیا۔ جو بھی سنتا تھا۔ حیرت سے مُنہ کھول دیتا تھا۔ آنکھیں پھاڑ دیتا اور ہکا بکا رہ جاتا۔ اگرچہ تمام کفار نے آنحضرت صلعم کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ مگر آپ نے کفار مکہ کے ہر سوال کا جواب شیریں لہجہ میں نیز ایسے تسلی بخش الفاظ میں دیا کہ سوال کرنے والوں کو لاجواب کر دیا۔ بالآخر ان کو خاموش ہونا پڑا۔

جب اس قافلہ نے جس کا ذکر آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ آپ کے ملنے اور سلام کرنے کی شہادت دی۔ تو کفار مکہ اور بھی متعجب ہوئے۔ لیکن حیرت دور ہوتے ہی ان پر ضد اور غصہ کا طوفان امڈ آیا۔ بجائے اس کے کہ وہ آنحضرت کو آپ کی شخصیت کو اور آپکے مرتبہ کو پہنچانتے یا پہنچاننے کی سعی کرتے۔

آنحضرت صلعم کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سنتے تعصب سے بالاتر ہو کر ان پر غور کرتے اسلام کی طرف جھکتے مسلمان ہوجاتے تو آنحضرت صلعم اور آپ کے متابعین سے برسر پیکار نہ ہوتے۔ غصہ صرف اس بات کا تھا۔ کہ آپ ان کے معبودوں کے خلاف ان کے مذہب کیخلاف اول روز سے جو باتیں کہہ رہے تھے۔ صد اسباب یہ بھی کہ آنحضرت صلعم اپنا رویہ نہ بدلتے تھے۔ تو وہ بھی کیوں نہ ظلم وستم کی روش کو کیوں ترک

کردیں :

مگر غصہ یا ضد متمول و معزز اہل منصب قریش والوں کو تھا۔ جس کا اثر عامۃ الناس پر بھی پڑ رہا تھا۔ اس لیئے تمام مکہ والے آنحضرت سب مسلمانوں اور نیز اسلام کے ہواخواہوں کے اکثر سخت مخالف اور ان سے برسر پرخاش تھا۔ آنحضرت صلعم نے کبھی پہلے قریش کے ظلم و ستم کی پرواہ کی اور نہ اب کی نہ کسی مسلمان نے ہی کچھ خیال کیا۔

تمام مسلمان خاموش اور سکون سے نمازیں پڑھتے روزے رکھتے۔ تجارت کرتے جب فرصت پاتے یا موقعہ ملتا تو اپنے پڑوسیوں کو اپنے عزیزوں کو اپنے ہم قبیلہ کو کلام الٰہی سناتے تبلیغ اسلام کرتے اور جو برضا و رغبت مسلمان ہوتا۔ اُسے مشرف بہ اسلام کر لیتے اس طرح سے چپکے ہی چپکے انہوں نے بہت سے لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔ لیکن جب کہ مسلمان تجارت اور تبلیغ اسلام میں منہمک تھے۔ آنحضرت صلعم ابو طالب کی تیمارداری کر رہے تھے شعب ابی طالب میں تین سال برابر بھوکے پیاسے قید رہے تھے، ابی طالب کی عمر اسی سال کے قریب تھی۔ بہت ضعیف ہو چکے تھے۔

مسلمان کو ان کی عورتوں کو۔ ان کے بچوں کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے دیکھا تھا۔ ان آلام و مصائب اور شدت بھوک و پیاس سے ان کی صحت پر بُرا اثر ہوا تھا۔ ضعیف ہو کر صاحب فراش ہو گئے تھے۔ اور بیماری نے بڑا اثر ہوا تھا۔ وہ ضعیف ہو کر صاحب ہو کر صاحب فراش ہو گئے تھے۔ اور بیماری نے اپنا پورا پورا قبضہ کر لیا تھا۔ چونکہ آنحضرت صلعم سے ابیطالب کو بیحد محبت تھی۔ وہ آنحضرت صلعم کی ہر حالت میں امداد فرماتے اور متولی اور سرپرست رہے اور آپکی ہر طرح سے حمایت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلعم کے ہمراہ اسی یاداش میں متواتر تین سال تک شعب ابیطالب میں بھوکے پیاسے رہے اور محصور رہے۔ بنا بریں آنحضرت صلعم کو ان سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔ آپ ہر طرح سے ان کی تیمارداری میں معروف رہتے تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ حضرت فاطمہ حضرت خدیجہ رضی حضرت زید رضی

سب ہی ابوطالب کی خدمت کرتے رہتے۔ مکہ والے ہوں یا عرب والے کبھی کسی حکیم سے علاج نہ کراتے تھے۔ کاہن (آئندہ کے واقعات بتانے والے) اعراف (غیب دان) یا طارقین حصیٰ (سنگریزے یا گٹھلیاں پھینکنے والے (علاج معالجہ کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ مریض کو دیکھتے طشت میں پانی بھر دیتے اور اس میں دیکھ کر بتاتے کہ مریض پر کس شخص نے جادو کیا ہے۔ وہ خود ہی الٹا سیدھا اعلان کرتے۔ چونکہ مریض کا باقاعدہ علاج نہ ہوتا تھا۔ اس لیئے بہت کم مریض بچتے تھے۔ لیکن جو مریض تندرست ہو جاتا۔ وہ علاج کرنے والے کو بکریاں اور اونٹ انعام دے کر اُسے مالا مال کر دیتا اور اگر مریض ہو جاتا تو اُس کے خاندان والے یا اہل قبیلہ اس شخص کو جسکی بابت معالج بتایا کہ اُس نے جادو کیا ہے۔ فوراً اُسے مار ڈالتے۔ اگرچہ ابو طالب مفلس تھے ایسے مفلس کہ اپنے بیٹوں کی پرورش کا بار بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

چنانچہ اسی وجہ سے ان کے ایک بیٹے حضرت جعفرؓ کو حضرت عباسؓ نے اور دوسرے بیٹے حضرت علی مرتضیٰ کو آنحضرت صلعم نے پرورش کیا۔ مگر افلاس خاندانی اعزاز کو کم نہ کر سکا تھا۔ مکہ مکرمہ میں جو عزت ان کی پہلے تھی وہی اب بھی باقی تھی۔ چنانچہ جب ان کے بیمار ہونے کی خبر عام ہوئی تو مکہ کے تمام معززا اور متمول لوگ ان کی عیادت کے لیئے آنے لگے۔

ابو جہل۔ ابولہب۔ ولید۔ عتبہ۔ شیبہ۔ اُمیہ۔ عاص۔ وائل السہمی۔ ابوسفیان ابوالبختری اور اسود وغیرہ سب ہی ہر روز آتے اور سارا سارا دن بیٹھے رہنے لگے۔ آنحضرت صلعم چاہتے تھے۔ کہ ابوطالب کا باقاعدہ علاج کرائیں۔ لیکن یہ بات کفار کے مسلک کے خلاف تھی۔ اس لیئے کفار چاہتے نہ تھے۔ اور نہ ابی طالب ہی مانتے تھے۔ ابی طالب نے خواہش کی کہ ابرشش کو بلائے وہ دیکھے کہ مجھ پر کس نے جادو کیا ہے۔

ابو جہل نے کہا کہ وہ مر گیا ہے۔ تمام مکہ والوں کو اس کے مرنے کا بیحد صدمہ ہے ابو طالب یہ سُن کر خاموش ہو گئے:۔

دوسرے دن ابولہب ایک بہت بڑی تعداد کاہنوں کی۔ اعراف اور طارقین حصیٰ د

ناظر وغیرہ کو بلا کر لایا۔ ان لوگوں نے آتے ہی ابوطالب کو دیکھا۔ طارقین حصیٰ نے جگر پڑے پھینکے اور ران کو اٹھا کر سونگھا۔ غور سے دیکھا اور زمین پر دے مارا۔ کچھ نہیں آسیب کا فعل ہے۔ دیوتا کی دوا آرام آجائے گا۔

ناظر نے ابیطالب کی آنکھیں۔ آنکھوں کی پتلیاں غور سے دیکھیں۔ پتلیوں میں روشنی تھی۔ پاس بیٹھنے والوں کی صورتیں عکس کی صورت میں نظر آ رہی تھیں۔

چلا اٹھے بڑے بڑے قہری جنوں کا سایہ ہے۔ جب ان جنوں کو پکڑ کر مارا جائے گا۔ تب صحت ہو گی۔ کاہنوں نے طشت میں پانی بھر کر دیکھا۔ عرصے تک دیکھتے رہے جب کچھ نظر نہ آیا تو بولے کوئی بڑا خبیث جن لپٹا ہوا ہے۔ جو کہ صورت تک بھی نہیں دکھاتا اعراف بتائیں کونسا جن ہے۔ ہم پکڑ کر مار ڈالیں گے۔

اب اعراف کی باری آئی۔ انہوں نے اعضائے انسانی کی ہڈیاں نکال کر پھیلا دیں اور ان کو غور سے دیکھا۔ اچھا ایک کھوپڑی کو چرخ دیا۔ جب وہ گری تو اسے اٹھا کر دیکھا اس میں ایک کھوپڑی معدوم سی تصویر نظر آئی۔ اچھل کر بولے پا لیا۔ وہ جن یہ ہے۔ انہیں کرتبوں میں شام ہو گئی۔ علاج وغیرہ کچھ نہ ہوا اور مریض کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ آنحضرت صلعم اس شیطانی گروہ کی ان خبیث حرکات کو دیکھ رہے تھے کہ مریض کا آخری وقت قریب آ رہا ہے۔ جی میں آتا تھا۔ کہ خود ہی علاج شروع کریں۔ اور کچھ نہیں تو تھوڑا سا شہد ہی چٹا دیں۔ لیکن اس میں بھی کفار مکہ خارج تھے۔

حتیٰ کہ ابیطالب پر غفلت طاری ہو گئی۔ رات نہایت بے چینی سے گذاری چونکہ کفار مکہ کو خدشہ تھا۔ کہ کہیں آنحضرت صلعم مرتے وقت ہی ابی طالب کو مسلمان نہ کر لیں۔ اس لیئے ہر وقت ان کے پاس بیٹھے رہے تھے۔

جوں توں کر کے رات گزری اور شہنشاہ خاور نے گوشہ مشرق سے سر نکالا تو ابی طالب کی حالت قدرے سکون پذیر ہوئی۔ تمام کفار ان کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ ان تمام

نے سمجھ لیا کہ ابی طالب کی حالت اچھی نہیں ہے اور اس کا زندہ بچنا غیر ممکن ہے۔ اس لیے ان کو ہوش آیا تو ابوجہل نے کہا:۔

یا ابیطالب آثار و قرائن سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ آپ ہم کو داغ مفارقت دینے والے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی میں اس نزاع کو جو ہمارے اور آپکے بھتیجے محمدؐ کے درمیان ہے ختم کر جائیں۔ تاکہ آپ کے بعد یہ جھگڑا بڑھ کر کسی ہولناک جنگ کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو ابی طالب نے اُن سے دریافت کیا۔ تم کیا چاہتے ہو۔ ابوجہل نے کہا ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا بھتیجہ محمد صلعم ہمارے ہزار سالہ معبودوں کو برا نہ کہے۔ آنحضرت صلعم اپنے محترم چچا کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ ابی طالب نے ان سے (محمد صلعم) خطاب فرماتے ہیں کہا! جان عم۔ تم کیا کہتے ہو۔

آنحضرت صلعم کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ یا عم میں کسی کے معبودوں کا بطلان نہیں کرتا۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ ایک خدا کی پرستش کرو۔ اس خدا کی جو کہ پروردگار عالم ہے جس نے زندگی عطا کی ہے۔ جو موت پر قادر ہے۔ اس کے بعد دوبارہ پھر زندہ کر کے حساب لے گا۔ وہ پاک ذات ہے۔ عدیل اور بے ہمتا ہے یوم الجزاء کا مالک ہے اس کی پرستش زیبا ہے۔ نجات اس کو ملے گی جو نجات دہندہ کو پوجے گا۔ اپنے ہاتھوں سے پتھر تراش کر بنائے ہوئے۔ بت خدا نہیں ہو سکتے۔ یہ سنتے ہی کفار مکہ سخت برہم ہوئے اٹھے حتیٰ کہ ابوطالب کے مکان سے باہر چلے گئے۔ اُن کے باہر جاتے ہی ابیطالب نے کہا میرے پیارے بھتیجے تم راستی پر ہو میں تم کو ایام طفولیت سے جانتا ہوں۔ اور کبھی کسی کو ستاتے یا جھوٹ بولتے اور حق تلفی کرتے نہیں دیکھا۔ تو نے ہمیشہ سچ بولا۔ کبھی امانت میں خیانت نہیں کی میں جانتا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ نہ تو جاہ طلب ہے اور نہ زر زمین اور زن کا طلب گار ہے۔ نہ منصب اور اعزاز کا دلدادہ ہے۔ اور نہ حکومت و سلطنت کا خواستگار ہے

اس بات کا متمنی ہے۔ کہ قوم ہزاروں خداؤں کو چھوڑ کر خدا کے پرستار بنجائے۔ قوم کو تجھ سے کد ہے
میں تیرے مذہب کو اچھا سمجھتا ہوں۔ جبتک جیا۔ اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا۔ تیری حمایت کی
اب مر رہا ہوں۔ نہیں جانتا۔ کہ قوم تیرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ خیر و فلاح و بہبود کی قوان سے
توقع ہی نہیں۔ یقیناً ستائیں گے۔ میں دعا کرتا ہوں۔ کہ تیرا خدا تجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے
اور تمام عرب کو مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابیطالب کی گفتگو سے آنحضرت صلعم کو توقع ہوئی۔ کہ شاید وہ اس آخری وقت میں ہی
مسلمان ہوجائیں۔ لہذا آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ یا عم اگر آپ اسلام کو اچھا مذہب سمجھتے ہیں
تو اُسے اختیار کیوں نہیں کرتے اور آپ بھی مسلمان ہوجائیں۔

ابی طالب نے کہا۔ ابن اخی۔ میں دل سے اسلام کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن زبانی
طور پر اقرار کرتے ہوئے شرماتا ہوں۔ کیونکہ زمانہ کہے گا۔ کہ موت سے ڈر کر ابو طالب مسلمان ہو گیا۔
آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اس بات کا خیال نہ کیجئے۔ مرنے کے بعد کون آپ سے کہنے جائیگا
یا عم اگر آپ کلمہ پڑھ لیں۔ تو خدا آپ کو جنت میں داخل کرے گا۔ اب ابوطالب پر سکرات
موت کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ انہوں نے کہا۔ نہیں میرے عزیز بھتیجہ مجھے میرے باپ دادا
کے مذہب پر مرنے دیں۔ .... میں بھی وہیں جانا چاہتا ہوں۔ جہاں
میرے باپ دادا ہیں۔

یہ کہتے کہتے ابیطالب کے جسم میں تشنج طاری ہوا۔ آنحضرت صلعم اپنے شفیق چچا کی یہ
کیفیت دیکھکر چشم پرآب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ افسوس چچا تم مسلمان نہ ہوئے۔ خدا
کا حکم ہے۔ کہ وہ کسی مشرک کو نہ بخشیگا۔ مگر آپ کی مغفرت کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔

ابوطالب کو ایک ہچکی آئی اور اس کے ساتھ ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر
گیا۔ یہ بارہا بیان کیا جا چکا ہے کہ ابی طالب خاندان ہاشم کے سردار اور بڑے بااثر
اور نہایت ذی عزت بزرگ تھے۔ ان کے مرنے کی خبر تمام مکہ میں گھر گھر پہنچ گئی۔

مکہ پر عام اُداسی چھاگئی۔ اور ماتم کرنے والی عورتیں جمع ہوگئیں ۔ جنازہ درمیان میں رکھ کر عورتوں نے حلقہ قائم کیا۔ سوگواروں کی طرح سے سر کے بال کھول ڈالے۔ گریبانوں کی دھجیاں کردی گئیں ۔ اور بین کر کر کے سر و سینہ پیٹنے لگیں۔ جس قوم نے زندگی پر ابیطالب پر سختیاں کیں۔ تین سال تک پہاڑی درہ میں بھوکا پیاسا رکھا۔ آج اس کے مرنے پر ماتم و سینہ کوبی کرنے لگیں تھیں ۔ تمام گھر۔ مردوں۔ عورتوں۔ اور بچوں سے بھر گیا۔ ہر شخص رو رہا تھا سر و سینہ کوٹ رہا تھا ۔ ایام جاہلیت میں تمام کفار عرب میں ماتم کا یہی طریقہ تھا۔ دوپہر کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازہ نہایت شان سے اٹھایا گیا۔ مکہ کے تمام قبائل شریک ہوئے۔ کثیر مجمع ہوگیا۔ بڑے ہی تزک و احتشام سے جنازہ قبرستان میں پہنچایا۔ ابی طالب کے بیٹے حضرت جعفر طیارؓ ملک حبش میں تھے ۔ مگر حضرت علی اور حضرت عقیل موجود تھے۔ دونوں اشکبار رو رہے تھے۔ چونکہ آنحضرت صلعم بھی جنازہ کے ہمراہ تھے۔ اس لئے آپکی وجہ سے تمام مسلمان بھی شریک ہوگئے تھے ۔ سب نے مل کر ابیطالب کو دفن کیا۔ اور بعد ازاں سب واپس آئے۔ پورے چالیس دن تک ماتم رہا۔ ماتم کرنے والی عورتیں علی الصبح آتیں۔ سارا دن روتیں اور ماتم کرتی رہتیں ۔ شام کا کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر لوٹ جاتیں ۔

آنحضرت صلعم کو ابیطالب سے بیحد محبت تھی ۔ ان کے مرنے کا آپ نے بہت زیادہ رنج کیا۔ ہنوز یہ رنج اور داغ الم باقی ہی تھا ۔ کہ حضرت خدیجہؓ حضور کی محترمہ حضرت فاطمہؓ کی والدہ محترمہ بیمار پڑ گئیں ۔ آنحضرت صلعم ان سے بھی بے حد انس رکھتے تھے ۔ لہذا آپ کو بڑا فکر لاحق ہوا اور فوراً دوا دوش شروع کردی ۔ حضرت خدیجہؓ قبیلہ بنو اسد کی ایک معزز خاتون تھیں ۔

آپ کا قبیلہ بھی قریش میں ذی عزت سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے خود خواہش کر کے آنحضرت صلعم سے عقد کیا تھا۔ آپ کو آنحضرت صلعم سے بہت زیادہ اُنس تھا ۔ آپ نے ہمیشہ اور ہر حالت میں آنحضرت صلعم کی دلدہی اور غمگساری کی ۔ خود سختیاں اٹھائیں ۔ مصائب برداشت کئے ۔ لیکن

کبھی شکوہ کا لفظ بھی زبان پر لائیں۔ مگر آنحضرت صلعم کو کفار کے اشرار سے بچانے کی کوشش کرتی رہیں۔ سب سے پہلے ایمان لائیں ۔ اور ایمان پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ آپ کے دو فرزند ایک قاسم جن کی وجہ سے آنحضرت صلعم کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہوئی ۔ دوسرے طاہر تھے۔ جو صغیر سنی میں ہی انتقال کر گئے ۔ ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ۔ حضرت زینبؓ۔ حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھیں ۔ آپ کی علالت کی خبر بھی مکہ میں عام ہو گئی۔ قبیلہ بنو اسد کی تمام عورتیں سارے بچے۔ کل مرد عیادت و تیمارداری کے لئے آ گئے۔ حضرت خدیجہ کا مکان بہت بڑا تھا۔ تمام مکان عورتوں۔ بچوں اور مردوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تل دھرنے کیلئے باقی جگہ نہ رہی ۔

حکیم بن خرام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے ۔ انہوں نے چاہا کہ کاہنوں اور اعراف وغیرہ کو بلائے ۔ مگر حضرت خدیجہؓ نے سختی سے انکار کر دیا۔ اگرچہ اس زمانہ کے مطابق دوا و دوش کی جاری تھی۔ مگر مرض کو افاقہ نہ ہوا۔

سنہ نبوی کا ماہ رمضان شروع ہو گیا تھا مریضہ کی حالت دیکھکر آنحضرت صلعم بدرجہ اکمل مغموم و محزون ہو رہے تھے ۔ حضرت خدیجہؓ دیکھ رہی تھیں۔ کہ آنحضرت صلعم کو کس درجہ غم و فکر ہے۔ وہ ایک ایسی نیک خاتون بھی وفادار بی بی اور جان نثار بیوی تھیں اور کوشش کرتیں کہ اپنی بیماری کی حالت بے قراری اور بے چینی کی کیفیت آنحضرت صلعم پر ظاہر نہ ہونے دیتیں ۔

مگر بڑھا ہوا مرض ۔ مرض سے پیدا ہونے والے آثار بے چینی اور بے چینی سے چہرہ پر جھلک آنے والے تاثرات انہیں ان کی کوششوں میں ناکام رکھتے تھے ۔ خود آنحضرت صلعم بھی یہ چاہتے تھے ۔ کہ ان کے بشرہ سے غم و ملال کے آثار ظاہر نہ ہونے پائیں۔ جن سے حضرت خدیجہؓ کو تکلیف پہنچے ۔ مگر حضرت خدیجہؓ چشم بصیرت افروز معلوم کر لیتی تھیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ جن دو دلوں میں محبت ہوتی ہے ۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے۔ کہ خود چاہے جس قدر غم۔ تکلیف اور سختی برداشت کرلے۔ مگر دوسرے پر آنچ نہ آنے دے۔ نہ اس پر

اپنے غم اپنی بے چینی کا اظہار ہونے دے - بلکہ دوسرے کی بیقراری خود انگیز کرنیکی سعی کرتا ہے - یہ تاثرات محبت ہیں اور انہیں لوگوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں - جو حقیقی محبت سے آشنا ہوتے ہیں -

آخر حضرت خدیجہ کا آخری وقت آگیا - وہ وقت جب کہ موت کا زبردست ہاتھ دنیا کے تمام علائق کو توڑ پھوڑ کر رشتہ زلیست منقطع کر دیتا ہے - آنحضرت صلعم نے سب کچھ سمجھ لیا تھا - کہ حضرت خدیجہ کی بالیں پر بیٹھ گئے -

چاروں لڑکیاں بھی آگئیں - حضرت فاطمہ رضؓ سب سے خورد سال تھیں - اپنی والدہ محترمہ کی دگرگوں حالت دیکھ کر رو رہی تھیں ؟ -

سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہ رہا تھا - وہ شفیق والدہ جو اپنی جگر گوشہ بچی کو افسردہ خاطر نہ دیکھ سکتی تھی - زار و نزار و روتا برا دیکھ رہی تھیں - چاہتی تھیں کہ معصوم بچی کو سمجھاؤں - مگر اتنی طاقت نہ تھی - حضرت رقیہ رضؓ حضرت زینب رضؓ اور حضرت ام کلثوم بھی قطریں بجا بجا کر رو رہی تھیں -

آنحضرت صلعم بھی چشم پرآب بیٹھے پڑھ رہے تھے - اور دیگر تمام لوگ بھی غمزدہ اور آزردہ تھے - گویا تمام مکان پر افسردگی اور بے چارگی نے قبضہ جما رکھا تھا - حضرت خدیجہ رضؓ نے سنبھالا لیا - اور انہوں نے آنحضرت صلعم کو دیکھتے ہوئے فرمایا :-

میرے سرتاج میں آپکی خدمت اس قدر نہ کر سکی - جس قدر کرنا چاہیئے تھی - مجھے افسوس ہے - لیکن . . . . . . آپ بڑے . . . .
خلیق اور کمال مہربان . . . . کریم النفس ہیں . . . . . .
کہ میری کوتاہیوں . . . . . کو . . . . . . ایک ناقص العقل . . . . . .
اور کمزور عورت . . . . . . سمجھ کر معاف کر دیں گے -

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ واللہ تم نے میری اس قدر خدمت کی ہے کہ شاید ہی کسی بیوی نے اپنے شوہر کی کی ہو۔ تم نے ہر وقت ہر موقعہ پر میری اعانت و غم گساری اور ہمدردی کی اور میری خوشنودی کو ملحوظ رکھا ہے۔ تم نے میری امت کے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو خاتون اپنے شوہر کی خدمت اور غم گساری کریگی۔ اس سے خدا اور میں دونوں خوش ہوں گے۔ وہ عورت بہشت میں داخل ہو گی اور جس عورت نے اپنے خاوند کو ناخوش رکھا۔ خدا اس کا کوئی عمل قبول نہ کرے گا۔ اس کے رہنے کا ٹھکانہ دوزخ ہے مجھے افسوس ہے۔ کہ تم مجھ سے رخصت ہو رہی ہو۔ یہ نظام قدرت ہے۔ خدا کے سامنے دم مارنے کا یارا نہیں بیچ میں یہ بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے تمہاری جدائی کا کس قدر ملال ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔ مجھے اس کا احساس ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میرے سرتاج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی احساس نے مجھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے کرب و بے قراری کے اظہار سے منع کئے رکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اچھا پیارے شوہر رخصت میری بجھو الوداع !!

آنحضرت صلعم نے جھک کر دیکھا۔ حضرت خدیجہؓ کی روح پرواز کر چکی تھی۔ یہ سانحہ عظیم دیکھ کر بے اختیار حضور اکرم کے آنسو ڈھلک آئے۔ لیکن آپ نے ضبط کیا۔ البتہ غم و الم سے آپ کا روئے مبارک سفید پڑ گیا۔ اور چاروں صاحبزادیاں زار و قطار رونے لگیں۔ سب سے زیادہ حضرت فاطمہ بے قرار ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی والدہ مرحومہ کے اوپر جھک رہی تھیں۔

آنحضرت صلعم نے اسے اپنی آغوش میں لے کر تسلی دی۔ موت کی خبر نے سارے گھر بھر میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔

آہ و فغاں کے نالے بلند ہونے لگے۔ بین کر کر کے ماتم ہونے لگا۔ اس وقت اس

طرح سے ماتم کرنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی ۔ تھوڑی دیر کے بعد نہلا دھلا کر جنازہ تیار ہوا۔

جب حضرت خدیجہ کے چہرہ مبارک سے کفن کا پلہ سرکا کر دیکھا۔ تو بالکل ایسا معلوم ہوا کہ جیسے آپ محو خواب ہیں۔ حضرت فاطمہؓ تڑپ کر ان کے لاشہ پر گریں اور بولیں۔ میری شفیق والدہ کیوں مجھ سے روٹھ کر جا رہی ہو۔

آہ! میں نے کیا قصور کر دیا۔ معاف کر دو ۔ اٹھو ۔ مجھے گود میں لو مجھ سے بولو حضرت فاطمہ روتے ہوئے یہ باتیں کر رہی تھیں۔ سننے والے دوہتڑیں مار مار کر چلا رہے تھے اور آنحضرت صلعم غم والم کا مجسمہ بنے کھڑے تھے۔ جب آپ نے فاطمہ رضؓ کو بلک بلک کر روتے ہوئے دیکھا تو انہیں اٹھا کر تشفی کی اور سمجھایا۔ بالآخر جنازہ اٹھایا گیا۔ مکان سے باہر لائے باہر ہزاروں ۔ مردوں ۔ عورتوں اور بچوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔

نہایت ہی شان اور بڑے اعزاز کے ساتھ جنازہ مقام حجون میں جو کہ قبیلہ بنو اسد کا قبرستان تھا پہنچا ۔ اور خلاف معمول یا عربوں کی آبائی معاشرت کیخلاف پردہ کے اہتمام سے تدفین کے مراسم ادا کیئے گئے ۔ میت کی تجہیز وتکفین سے فراغت پاکر سب لوگ لوٹے ۔

حضرت خدیجہ کے انتقال سے آنحضور صلعم کو بے حد صدمہ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ سال عام الحزن ،، ہے (غم کا سال ہے)

اسی طرح سنہ ۱۰ نبوی میں ابوطالب اور ماہ رمضان میں۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے وفات پائی ۔ یہ دونوں ہستیاں آنحضور صلعم کی بے حد غم گسار ۔ خادم اور پرلے درجہ کی ہمدرد تھیں ۔

شاید اللہ جل شانہ ، نے یہ گوارا نہ کیا ۔ کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلعم اپنا

ہمدرد معاون - ہمدرد و غم گسار سمجھتے تھے ! وہ بھی باقی نہ رہیں - اور آپ دنیاوی علائق سے آزاد ہو کر عبادت و ریاضت - تبلیغ و تدریس میں زیادہ شوق اور توجہ سے منہمک ہو جائیں :-

بارہواں ۱۲ باب

تہدید

یوں تو جو کوئی بھی مسلمان ہو جاتا۔ آپ کا جاں نثار خادم وفاکیش غلام اور ہمدرد وغم گسار بن جاتا۔ مگر سب سے زیادہ ہمدرد اور سب سے زیادہ بڑھکر حامی آپ کے ابیطالب اور حضرت خدیجہ تھے۔ اور ان دونوں ہی کی وفات ہو گئی

آنحضرت صلعم کو ان دونوں کی وفات کا بے حد ملال ہوا نہ صرف اس وجہ سے کہ دو مددگار اٹھ گئے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ دو سچے ہمدرد وغم گسار موت کی آغوش میں جا سوئے کفار قریش کو بھی ان دونوں ہی کا پاس ولحاظ تھا۔

ابو طالب تو قبیلہ بنو ہاشم کے سردار تھے۔ تمام قبائل ان کا لحاظ کرتے تھے اور ان سے دبتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کا قبیلہ بنو اسد تھا۔ جو کہ نہایت ہی زبردست قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا اثر واقتدار تمام قریش پر تھا۔ ان وجوہات سے تمام مکہ والے ان دونوں سے دبتے تھے۔ ان دونوں کے انتقال کرنے کے بعد اب کفار مکہ کو نہ کسی کا پاس رہا اور نہ کوئی خوف!!

چنانچہ انہوں نے تہیہ کر لیا۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ اب اسلام اور مسلمانوں کو مٹا ڈالنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کو ستانے اور پریشان کرنے اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈہانے میں بہت زیادہ گستاخ اور سرکش ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلعم اور

مسلمانوں کے ساتھ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے پیش آتے تھے۔ اگرچہ آنحضرت صلعم غمزدہ و محزون تھے۔ مگر تبلیغ اسلام سے غفلت نہ کرتے تھے۔ جب موقعہ پاتے تبلیغ اسلام کرتے۔

اہل مکہ سے جو آپکے پاس آتا اُسے نہایت محبت سے بٹھاتے۔ قرآن کی آیات سناتے عرب کے کسی خطہ سے جب کوئی قافلہ گذرتا تو وہاں تشریف لے جاتے اور تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ ایک دن آپ کو معلوم ہوا کہ یثرب[1] سے چند لوگ آئے ہیں۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کا استقبال کیا۔ آپ نے اُن سے دریافت کیا۔

تم کون ہو۔ کہاں سے تشریف لائے ہو۔ اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔ ہم یثرب سے آئے ہیں۔ قبیلہ خزاج سے تعلق رکھتے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا: غالباً تمہارے قبیلہ سے قبیلہ اوس برسرپیکار معلوم ہوتا ہے۔ یثرب میں دو زبردست قبائل اوس اور قبیلہ خزاج آباد تھے۔ آئے دن دونوں میں آتش جنگ مشتعل ہوتی رہتی تھی۔

ایک شخص نے کہا۔ جی ہاں۔ قبیلہ اوس ہم پر تاخت کرنا چاہتا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ غالباً۔ تم اہل مکہ سے اعانت کے بھروسہ پر آئے ہو؟

ایک شخص نے کہا یہی بات ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تم فضول کسی سے اعانت کے خواستگار ہوتے ہو۔ خدا سے مدد مانگو۔ اس خدا سے جو پروردگار عالم ہے۔ جس نے دنیا اور جہان کو پیدا کیا ہے۔ جو موت اور زندگی پر قادر ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے

---

[1] یثرب اس شہر کا نام تھا۔ جسے آج مدینہ کہا جاتا ہے۔ جب آنحضرت صلعم ہجرت کر کے یثرب پہنچے تو یثرب کا نام مدینۃ الرسول (مدینۃ النبی) نبی کا شہر پڑ گیا اور یہ نام کچھ ایسا محبوب ہوا کہ صرف مدینہ ہو کر رہ گیا اور تمام عالم میں اسکا نام مدینہ مشہور پڑ گیا (صادق)

اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ یہ یثرب سے آنیوالے چھ آدمی تھے معقول پسند اور انصاف دوست تھے۔ وہ بھی بت پرست تھے۔ انہوں نے کبھی خدا کا نام نہ سُنا تھا۔ اب خدا کا نام سن کر کمال حیران ہوئے اور متحیرانہ آنحضرت صلعم کا منہ دیکھنے لگے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم اپنے پیدا کرنیوالے کا نام سُن کر حیران رہ گئے اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ ذرا غور سے سوچو کہ پتھر کے بت خدا نہیں ہو سکتے۔ ان کو تم نے یا تمہارے بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ جس جگہ تم انہیں رکھ دو گے رکھے رہیں گے ہرگز حرکت نہ کر سکیں گے۔

خدا تو وہ ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔ دن اور رات بنائے ہیں وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے اسکی پرستش کرو۔ اسی کے سامنے جھکو اور اسی کو سجدہ کرو۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنے ہمراہی سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ جابر تم نے سنا ہے۔ میرے خیال میں وہی نبی ہے جس کا ذکر یثرب کے یہودی کرتے رہتے ہیں۔ کیوں نہ ہم ان کا مذہب قبول کرلیں

جابر نے کہا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ خود ہمارے پاس آگئے۔ یثربی لوگوں سے پہلے ہمیں اسلام قبول کر لینا چاہئیے۔ چنانچہ وہ چھ کے چھ آدمی مسلمان ہوگئے۔ اُن میں سے ایک ابوالہیثم رضہ بن تیہان دوسرے اسعد بن زرارہ تیسرے عوف بن الحارث۔ چوتھے رافع بن مالک پانچویں قطبہ بن عامر اور چھٹے جابر بن عبداللہ تھے۔ اُن کے مسلمان ہونیسے آنحضرت صلعم کو بڑی مسرت ہوئی۔ آپ عوف کو ہمراہ لے کر اپنے مکان پر آئے اور جس قدر قرآن شریف اس وقت تک نازل ہوا تھا وہ تمام انہیں دیتے ہوئے کہا تم یثرب چلے جاؤ۔ اور وہاں اسلام کی تبلیغ کرو۔ عوف نے تبلیغ اسلام کا اقرار کیا اور وہاں سے اٹھ اپنے ہمراہیوں کے پاس آئے اور اسی روز یثرب کیجانب روانہ ہوئے۔

چونکہ یہ وفد یثرب سے اہل مکہ کے پاس اعانت حاصل کرنے کے ارادہ سے آیا۔ مگر

شرفائے مکہ کی ملاقات کیئے بغیر واپس چلا گیا اس لیئے مکہ والوں کو بڑا تعجب ہوا۔ ان کی سمجھ میں ہی نہ آیا۔ کہ ارکان وفد اس قدر جلد بغیر کسی سے ملے جلے کیوں واپس چلے گئے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو کر چلے گئے تاہم ان کے مسلمان ہونے کا شبہ ضرور تھا۔ اشرار کفار نے حضور اکرم پر نہایت بے باکی سے بے رحمی شروع کر دی۔

جب موقعہ پاتے آنحضرت صلعم کو ستاتے آپ نہایت تحمل سے تمام سختیاں برداشت کرتے۔ آپ کا تحمل دیکھ کر رحمت حق کو جوش آتا۔ قریش کے جس قدر معزز لوگ سب بداخلاق اور عادی مجرم تھے۔ ابولہب جو بنی ہاشم میں سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ چور تھا جب موقعہ پاتا اور جو چیز ہاتھ آتی چرا لیتا۔ یہ عادت اس میں اس قدر بڑھ گئی تھی۔ کہ حرم محترم کے خزانے سے غزال زریں چرا کر بیچ ڈالتا تھا۔ بڑا چغل خور تھا۔

اخنس بن شریک روسائے عرب سے تھا۔ بڑا متفنی اور جھوٹا تھا۔ نضر بن الحارث بڑا جھوٹا اور پرلے درجے کا مکار تھا۔ بات بات پر قسم کھاتا تھا۔ ابوجہل بڑا متفنی تھا۔ مسلمانوں پر سختیاں کرنے میں بے حد بڑھا ہوا تھا۔ لوگوں کو اسلام لانے سے روکتا تھا ابوسفیان کو اپنے نسب پر غرہ تھا۔ مسلمانوں پر سختیاں کرنے سے اُسے بھی مزہ آتا تھا:۔

یہ لوگ قریش کے ممتاز تھے۔ ان کے سامنے کسی کو اُف کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ان بدکاروں کی بدکاری کا بھانڈا پھوڑنے کے لیئے تہدیدانہ انداز سے قرآن شریف میں یوں ارشاد فرمایا۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ!!

ترجمہ: اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم کھاتا ہے۔ وہ آبرو ریز ہے طاعن ہے چغلیاں کھاتا ہے۔ لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے۔ حد سے بڑھ گیا ہے۔ بد ہے تند خو ہے۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا نسب بناتا ہے۔ اس لیئے کہ وہ مالدار لڑکوں والا ہے:۔

کَلَّا لَئِن لَّمْ یَنتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ ٭ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ٭

ترجمہ: وہ سن رکھے اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو جھوٹی اور خطاکار ہے:۔

یہ تہدید یہ تنبیہ ان لوگوں کے لیئے نازل ہوئی جو تمام اور سارے مکہ میں ممتاز اور معزز تھے جنکی شان میں کسی کو ایک لفظ تک کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔

۔ اسی طرح سے ولید بن مغیرہ (حضرت خالد کے باپ) قریش کا سردار تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اُسے بھی تنبیہ فرمائی۔ باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں رشاد فرمایا ہے

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ٭ وَّجَعَلْتُ لَہٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ٭ وَّبَنِیْنَ شُہُوْدًا ٭ وَّمَہَّدْتُّ لَہٗ تَمْہِیْدًا ٭ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ٭ کَلَّا اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ٭

ترجمہ: ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو۔ میں نے اس کو پیدا کیا۔ پھر بہت سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے۔ کہ ہم اس کو اور دیں ہرگز نہیں وہ ہماری آیات کا دشمن ہے۔

ان سہم کو تہدیدوں کو سُن سنکر عوام الناس تو مرعوب ہوتے تھے۔ مگر رؤسائے کفر ضدی و سرکش ہوتے تھے۔ چاہتے تھے کہ جس طرح اور جس قدر جلد ممکن ہو۔ مسلمانوں کا استیصال کردیں آنحضرت صلعم کو قتل کردیں۔ مگر یا تو ان کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ یا وقت اور موقعہ کے منتظر تھے۔ ایک دن آنحضرت صلعم تشریف لیجا رہے تھے۔ کہ کسی شقی نے پیچھے سے آکر سر مبارک پر خاک ڈال دی اور بھاگ گیا۔

آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں اور آپ کا سر دھلانے لگیں۔ چونکہ حضرت فاطمہ رضؓ کی والدہ کا انتقال ہو ہوچکا تھا۔ اس لیئے ان کی محبت کا مرکز صرف آنحضور ہی رہ گئے تھے۔ انہیں آپ سے بیحد محبت تھی۔ وہ سر دھلاتی تھیں۔ اور فرط محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آنحضرت صلعم کی نظر اٹھ گئی آپ نے فرط محبت سے فاطمہ رضؓ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ جان پدر رو ؤ نہیں خدا تمہارے باپ کو بچا

رے گا۔ فاطمہ رضؓ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا لیکن یہ کفار آپکو کیوں ستاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ قرۃ العین ان کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔ جس روز یہ سمجھ جائیں گے۔ اسی دن ظلم وستم چھوڑ دیں گے میری بیٹی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ہر نبی پر اسکی قوم سختیاں کرتی رہی ہے۔ تو رنج نہ کیا کر۔ کیونکہ یہ سختیاں چند روز ہیں۔ حضرت فاطمہ رضؓ چپ ہوگئیں۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت خباب بن الارث آگئے۔ یہ وہی خباب تھے۔ جن پر قریش نے انتہائی سختیاں کی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کو اسلام کیا۔ آپ نے اسلام کا جواب دیا۔ وہ آنحضرت کے پاس بیٹھ گئے اور پوچھا کہ حضورؐ سر مبارک کیوں دہو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ کسی آدمی نے میرے سر پر خاک ڈال دی ہے۔ اس لیئے دہو رہا ہوں۔ اب حضرت خباب کو فاطمہ رضؓ کے ملول ہونے اور آنحضرت صلعم کے سر مبارک دہونے کی وجہ معلوم ہوئی۔ انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش سختیاں کرنے میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ آپ ان بدبختوں کیلئے بددعا کیوں نہیں کرتے۔ یہ سن کر حضور اکرمؐ کا روئے منور سرخ ہوگیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ خباب کیا میں اپنی قوم کی سختیوں سے تنگ آکر بددعا کروں۔ تاکہ اگلے لوگوں کی طرح میری قوم بھی برباد ہو جائے۔ واللہ میں ہرگز بددعا نہ کروں۔ یہ خدا کا کام ہے خود پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صفا سے حضرموت تک بے خوفی سے سفر کرے گا۔ اسکو بجز خدا کے اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ یہ ایک قسم کی پیشن گوئی تھی۔ جو آئندہ واقعات پڑھنے سے قارئین کرام کو معلوم ہوگا۔ کہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ خباب خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے سر مبارک دہو کر حضرت فاطمہ کو گود میں لیا اور اُسے تسلی دی۔ ایک دن آنحضرت صلعم خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت سے مشرک وکفار بیٹھے تھے۔ ابوجہل۔ عتبہ۔ ابولہب اور ابوسفیان بھی موجود تھے۔

آنحضرت صلعم کو دیکھ کر ابوجہل۔ عتبہ۔ ابولہب اور ابوسفیان بھی موجود تھے۔ آنحضرت صلعم کو دیکھ کر ابوجہل نے ازراہ تمسخر کہا۔ یا عبد مناف اے آل ہاشم دیکھو یہ تمہارا نبی آگیا۔

عتبہ نے بطور استہزاء کہا میں کیا انکار ہے کوئی نبی بن بیٹھے۔ کوئی فرشتہ بجا دے یہ سن کر تمام مشرک سارے کافر قہقہہ مار کر ہنسے۔ آنحضرت نے عتبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ عتبہ تو بڑا سرکش ہو گیا ہے۔ تو نے کبھی خدا اور اس کے رسول کی حمایت نہ کی۔ ہمیشہ اپنی ضد پر اڑا رہا ہے۔ مگر تیرے ہنسنے کا زمانہ ختم ہونے کے قریب ہے۔ اس کے بعد آپ ابوجہل کی طرف مخاطب ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ ابوجہل تیرے لئے وہ وقت آرہا ہے۔ کہ تو ہنسے گا کم اور روئے گا۔ زیادہ۔ پھر آپ نے ولید سے فرمایا۔ ولید تجھے اپنی بہادری پر غرہ ہے۔ لیکن تو شاید حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہ کو بھول گیا ہے۔ واللہ یہ دونوں شیر ہیں مجھ سے لڑائی کی اجازت مانگتے ہیں۔

اگر میں انہیں اجازت دے دوں۔ تو وہ مکہ کے کوچہ و بازار کو خون سے سیراب کر دیں تو جو بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے۔ ڈر کر گھر میں جا گھسے گا۔ مگر میں انہیں لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے بعد آپ تمام مشرکین اور کفار سے مخاطب ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ اے قوم عرب آج تم جس دین کا انکار کرتے ہو جس دین کا مضحکہ اڑاتے ہو۔ وہ وقت بہت قریب آرہا ہے۔ کہ تم سب اسی دین میں داخل ہو گے۔ زبردستی سے نہیں۔ بلکہ اپنی خوشی سے۔ آنحضرت صلعم کا پر جلال چہرہ دیکھ کر تمام عرب مرعوب ہو گئے۔ گویا کسی کو کچھ کہنے کی یا جواب دینے کی ہمت نہ ہو سکی۔ آنحضرت صلعم بھی طواف کر کے واپس تشریف لے گئے۔

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ابوسفیان نے کہا۔ لوگو اب احتیاط کرو۔ واقعی حمزہؓ اور عمرؓ کی شجاعت میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ اور اگر کسی دن محمد صلعم نے ان دونوں کو لڑنے کی اجازت دے دی۔ تو مکہ میں خون کی ندیاں بہ جائینگی۔ سینکڑوں بچے یتیم اور سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو جائینگی۔

ولید نے کہا بیشک تم سچ کہتے ہو۔ ہم کو آئندہ محتاط رہنا چاہیئے۔ مسلمان جب تک خاموش ہیں چپ رہیں۔ جب تنگ آکر مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائینگے۔ تو آتش حرب مشتعل ہو جائیگی۔

ابوجہل نے قدرے جوش میں بھر کر کہا۔ یہ خوف فضول ہے۔ مسلمان ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں حمزہ رض ہو یا عمر رض ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ابولہب نے کہا۔ یہ بات نہیں ہے۔ مسلمان جس روز جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو غضب ہو جائے گا۔ مناسب یہی ہے کہ ان پر سختیاں نہ کی جائیں۔ البتہ جس شخص پر قابو پاؤ اُسے خاموشی سے مار ڈالو۔ ایسی خاموشی سے کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ کچھ دیر تک اور گفتگو کر کے تمام کفار اُٹھے۔ اور خانہ کعبہ سے نکل کر چلے گئے۔

تیرہواں (۱۳) باب

اہل طائف کی گستاخیاں

روسائے مکہ کفر و شرک میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ان غریبوں کو جن کے دل اسلام کیطرف راغب ہو گئے تھے، مسلمان ہونے سے روکتے تھے۔ اور جو مسلمان ہو گئے تھے۔ انہیں لالچ سے خوف سے اپنے آبائی مذہب میں واپس لانیکی کوشش کرتے تھے مگر جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ کسی خوف یا لالچ سے کبھی منحرف نہ ہوتے تھے۔ بلکہ جو شخص بھی آنحضرت صلعم سے ایک مرتبہ ہم کلام ہو جاتا تھا۔ توجہ اور غور سے خدا کا کلام سن لیتا تھا بے عذر و حیلہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ مگر کفار مکہ اس بات کی سعی کر رہے تھے۔ کہ کوئی شخص کسی مسلمان یا آنحضرت صلعم سے ملنے اور بات کرنے نہ پائے۔ کفار کی کیفیت اور اہل مکہ کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت صلعم نے طائف جاکر تبلیغ اسلام کرنے کا ارادہ کیا۔ طائف مکہ مکرمہ سے صرف تین منزل یعنی ساٹھ کوس کے فاصلے پر مکہ کے برابر ایک بڑا شہر تھا۔ مکہ کی نسبت یعنی ساٹھ کوس کے فاصلے پر مکہ کے برابر ایک بڑا شہر تھا۔ مکہ کی نسبت وہاں کی آب و ہوا اچھی تھی مکہ کے بیشتر امیر گرمیوں کے ایام میں طائف چلے جاتے تھے۔

آنحضرت صلعم نے زید بن الحارث کو ہمراہ لیا اور پیادہ پا طائف کی جانب روانہ ہوئے۔ آنحضرت صلعم کو یہ توقع نہ تھی۔ کہ اہل طائف ایمان لے آئیں گے۔ کیونکہ آپ خوب جانتے تھے۔ کہ طائف والے کفر و شرک میں مکہ والوں سے کچھ کم نہ تھے۔ وہ لات کے پجاری تھے۔ ناف شہر میں ایک بڑا مندر تھا۔ اس مندر میں لات کا بت رکھا ہوا تھا۔ مگر آنحضرت صلعم پر خدا کا حکم یہ نازل ہو چکا تھا۔ کہ یا محمدؐ اپنے خدا کا پیغام کافروں اور مشرکوں

تک پہنچا دو۔ تمہارا کام صرف پیغام حق اس کے بندوں تک پہنچا تا ہے۔ ماننا یا نہ ماننا بندوں کا کام ہے۔ چنانچہ آپ پیغام حق طائف والوں کو سنانے کے لیئے روانہ ہوئے راستہ نہایت دشوار و کٹھن تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ آفتاب طلوع ہوتے ہی اس نواح کی ہر شے تپ گئی تھی۔ باد سموم کے تیز و تند جھونکے صبح سے شروع ہوتے تو برابر چھپنے تک چلتے رہتے تیز ہوا ریت کے تودوں کو اٹھا اٹھا کر فضا میں اچھالتی اور ریت کی بارش کرتی رہتی تھی۔ ایسے مقام پر دن کے وقت سفر کرنا نہایت دشوار تھا۔ مگر آنحضرت صلعم ہر دشواری پر غالب آنا جانتے تھے۔

چنانچہ آپ پیادہ پا دن میں سفر کرتے تھے۔ رات کو اگر کوئی نخلستان مل جاتا تو کھلے ہوئے میدان میں قیام فرماتے ایک روز آپ محمد صلعم دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ گلخن کے ریت کی طرح سپیدہ ریگ زار پر سفر کر رہے تھے۔ اور حسب معمول اس دن ہوا بھی بند تھی گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ آنحضرت کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔ جسم اطہر پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا۔ ریتیلے سفید ذروں کی چمک آنکھوں کو تکالیف دے رہی تھی۔ جو آفتاب کی تپش سے بھٹی کی طرح سے جل رہے تھے۔ آپ بڑے استقلال اور نہایت جوانمردی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ زید بھی پسینہ میں غرق تھا۔ اور گرمی نے اُسے پریشان کر دیا تھا۔ اُس نے آنحضرت صلعم سے عرض کی یا رسول اللہ میں بہت زیادہ تھک گیا ہوں۔ گرمی نے انگ پریشان کر رکھا ہے۔ اگر مناسب رائے عالی ہو تو کہیں بیٹھ کر تھوڑی دیر لیٹ لیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ تم تھک گئے ہو۔ گرمی اور تشنگی نے تجھے بے حال کر دیا ہے۔ لیکن یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں آتی جہاں بیٹھ کر ہم ذرا سستا لیں۔ تھوڑی دیر اور چلیں شاید آگے کوئی جگہ ایسی مل جائے جہاں ٹھہر کر دم لے سکیں۔

زید نے کہا چلیئے دونوں روانہ ہوئے کچھ دُور چل کر ایک کھلے ہوئے۔ میدان میں پہنچے۔ ہر طرف ریت کا میدان حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ جس طرف دیکھو ریت کا سمندر

لہریں لیتا نظر آرہا تھا۔ البتہ سامنے کچھ فاصلے پر کھجوروں کے درخت اور درختوں کے سائے میں کچھ خیمے نظر آرہے تھے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ زید دیکھو وہ سامنے نخلستان ہے چلو وہاں پہنچکر کچھ آرام کریں گے۔

دونوں کسی قدر تیزی سے روانہ ہوئے۔ جب نخلستان قریب رہ گیا تو بھیڑوں کے ریوڑ چرتے نظر آئے۔ چند لڑکے اور کچھ عورتیں ان گلوں کی نگرانی کر رہے تھے آنحضرت صلعم ان گلوں کے پاس سے نکلے چلے گئے اور نخلستان میں داخل ہوئے:۔

نخلستان کیا تھا۔ چند ایک کھجوروں کے درخت کھڑے تھے ایک جانب ایک کنواں تھا۔ درختوں کے نیچے چند نصیب خیمے تھے۔ خیموں سے ذرا فاصلے پر اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ کچھ مرد اونٹوں کے پاس بیٹھے اون صاف کر رہے تھے عورتیں خیموں کے سامنے بیٹھیں کام کاج کر رہی تھیں۔ آنحضرت اور حضرت زید کو دیکھتے ہی تمام مرد اٹھ کھڑے ہوئے اور سب آپ کے پاس آئے ایک شخص بولا۔ مرحبا اے غریب الوطن مرحبا عرصہ سے بنو بکر کے خیموں میں کوئی مسافر نہ آیا تھا۔ ہم سب تم دونوں کا پُرجوش خیر مقدم کرتے ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلعم اور حضرت زید رض کی پیشانیوں سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ نیز خیمے ٹخنوں تک گرد چڑھا ہوا تھا۔ اس اس لیئے بدوی عرب ان دونوں کو لے کر ایک خیمہ کے اندر کمبل کا فرش ہو رہا تھا۔

دونوں فرش پر بیٹھ گئے۔ اور کچھ عورتیں کاٹھ کے پیالوں میں دودھ لے آئیں۔ بہنگے دونوں کو پیاس نے بے کل بنا رکھا تھا۔ اس لیئے دونوں نے تھوڑا تھوڑا دودھ پیا۔ اگرچہ اس زمانہ کے عربوں میں جہالت تھی۔ بربریت تھی۔ جو کچھ بھی تھا۔ بیمانہ انداز اطوار۔ باوجود اس کے ایک لاثانی خوبی تھی۔

وہ یہ کہ ایک مسافر چاہے۔ مخالف اور حریف قبیلہ ہی کیوں نہ ہو اسکی خاطر خوب

کرتے تھے۔ مہمان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلعم اور حضرت زیدؓ کی مدارت نہایت خلوص اور بڑے شوق سے کی۔ جب کہ آں حضرت نے کچھ دیر دم لے لیا۔ تو آپ نے قبیلہ کے تمام لوگوں کو جمع کر کے فرمایا

اے قبیلہ بنو بکر کے غیور عربو! تم نے مجھے پہچانا کہ میں کون ہوں؟ چند لوگوں نے کہا ہم نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ لہذا ہم آپ کو نہیں جانتے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا میں محمدؐ ہوں۔ خدا کا رسول خدا کی مخلوق کو ہدایت کرنے پر مامور ہوا ہوں۔

ایک شخص نے کہا۔ ہم سمجھ گئے۔ کہ آپ ہمارے معبودوں کی برائیاں بیان کرتے ہیں۔ سنیئے آپ ہمارے مذہب کی توہین کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل مکہ نے آپ کو نکال دیا ہے۔ لہذا جب تک آپ کا جی چاہے۔ ہمارے ہاں بحیثیت مہمان رہیں مگر ہمارے مذہب کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہیں۔ ہم آپکی خدمت کریں گے اور جب تک بنی بکر کا ایک فرد بھی زندہ ہے۔ آپ کو آپکے دشمنوں سے بچائیگا۔ مگر یہ گوارا نہ کریں گے کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تم سن لو

ایک بڈھے نے کہا۔ نہیں ہم نہیں سنیں گے۔ آنحضرت صلعم نے ہر چند چاہا کہ وہ لوگ آپکی باتیں غور اور توجہ سے سنیں مگر کوئی سننے پر آمادہ نہ ہوا۔

مجبور ہو کر آنحضرت اٹھے زید کو ہمراہ لیا اور طائف کی طرف چل دیئے۔ قبیلہ بنو بکر کے لوگوں نے چاہا کہ آنحضرت صلعم ان کے یہاں چند روز قیام کریں۔ لیکن آپ نے کہہ دیا کہ جب تم میری بات سننے سے انکار کرتے ہو تو میں تمہارے پاس قیام کرنے پر آمادہ نہیں۔

آپ نے دو روز تک راستہ میں قیام کیا۔ اور تیسرے دن دوپہر سے پہلے ہی طائف میں پہنچ گئے۔ طائف بڑا شہر تھا۔ بڑے مندر کا کلس میلوں دور سے نظر آتا تھا اس شہر میں قبیلہ بنی ثقیف کی حکومت تھی۔ بنو ثقیف کے رئیس تین بھائی عبد یا لیل۔ مسعود اور حبیب تھے

تینوں نہایت مغرور بڑے متکبر و سرکش تھے اپنے سے زیادہ شریف و نجیب کسی کو نہ سمجھتے تھے

جس روز آنحضرت صلعم وہاں پہنچے اس دن تمام اہل طائف لات کے بڑے مندر میں بڑے بت کی پرستش کے لیئے جمع ہوئے تھے۔ آنحضرت صلعم زیدؓ کو ہمراہ لے کر مندر میں آ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ مندر کے وسط میں ایک بڑا بت جو کہ تیرہ فٹ سے بھی زیادہ اونچا تھا۔ ایک وسیع اور اونچے چبوترے پر نصب ہے نہایت جسیم اور ہولناک ہے۔ تمام لوگ اسکے چاروں طرف سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ پجاری زور زور سے گھڑیاں بجا رہے تھے۔ گھنٹے جھانجھ اور سنکھ وغیرہ بھی بجا رہے تھے۔ آنحضرت صلعم بت پرستی کے اس منظر کو دیکھ کر بہت ہی کڑھے آپ نے نہایت آہستہ سے کہا۔

کاش یہ لوگ اپنے حقیقی معبود کو پہچانیں اس کے سامنے جھکیں اور اس کی پرستش کریں کچھ دیر کے بعد پوجا ختم ہو گئی۔ لوگ اٹھ اٹھ کر مندر سے باہر نکل کر اپنے اپنے گھروں کی جانب روانہ ہوئے۔ سب کے بعد طائف کے تینوں رئیس عبد یا لیل مسعود اور حبیب چلے۔ بڑے تزک و احتشام سے چلے آگے آگے چند عربی سوار گھوڑوں پر بیٹھے۔ برچھیں ہاتھوں میں لیئے ہوئے روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے تینوں رئیس چلے اور ان کے پیچھے اڑہائی سو سواروں کا دستہ چلا۔

آنحضرت صلعم ایک طرف کھڑے ہو کر طائف کے رئیسوں کی سواری کا جلوس دیکھتے رہے۔ جب وہ دور نکل گئے۔ تو آپ بھی مع زیدؓ کے مندر سے نکلے اور زید سے بولے۔ زیدؓ یہ تینوں مغرور معلوم ہوتے ہیں۔ زیدؓ نے کہا۔ یا حضرت آپ کا خیال واقعی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ رئیس تمام انسانوں کو حقیر اور غلام سمجھتے ہیں اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ کسی طرح سے بھی یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کہ خاندانی غرور کو چھوڑ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہونگے۔ اگر آنحضرت مناسب سمجھیں تو طائف کے

عام لوگوں کو تبلیغ کریں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ بعض روساء کی منشاء کے طائف کا کوئی شخص بھی مسلمان ہونے پر آمادہ نہ ہوگا میرا کام صرف تبلیغ کرنیکا اور خدا کا پیغام اُسکے بندوں تک پہنچا دینے کا ہے۔ میں ان روساء کے کانوں تک ضرور خدا کا پیغام پہنچاؤں گا۔ اگر یہ مسلمان نہ ہو گئے تو تمام طائف مسلمان ہو جائے گا۔ مجھے بڑی مسرت ہوگی اور اگر مسلمان نہ ہوئے تو مجھے افسوس نہ ہوگا۔ آؤ ان روساء کے قصر پر چلیں۔ زید اور آنحضرت صلعم رئیساں طائف کے قصر کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ ہی فاصلے پر ان کے قصر تھے۔ قصر نہایت وسیع اور شاندار تھے۔ سب سے پہلے عبد یا ییل کا قصر تھا۔

آنحضرت صلعم نے ان کے پاس چلنے کا قصد کیا۔ جب آپ اسکے قصر کے دروازہ پر پہنچے تو چار عربوں کو شمشیر برہنہ پہرہ پر کھڑے دیکھا۔ پہرہ والوں نے ان کو دور سے ٹوکا۔

آنحضرت صلعم نے قریب آکر کہا۔ اپنے رئیسوں سے کہو کہ محمدؐ مکہ سے آیا ہے اور آپ سے کچھ کہنا ہے۔

ایک پہرہ والا قصر کے اندر گیا اور تھوڑی ہی دیر میں واپس آکر بولا چلیئے۔ ہمارے مولا (آقا) نے آپ کو طلب کیا ہے۔

آنحضرت صلعم اُس کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ زید بھی ہمراہ چلے دونوں قصر میں داخل ہوئے۔ اُس کمرہ میں پہنچے جس میں عبد یا ییل اور اُس کے دونوں بھائی مسعود اور حبیب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ آنحضرت صلعم کو دیکھتے ہی تینوں بھائی حیران اور مرعوب سے ہو گئے۔ تینوں نے ایک ساتھ آنحضرت کو دستر خوان پر آنے اور کھانا کھانے کے لیئے کہا:۔

آنحضرت ایک طرف بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا یا رئیساں طائف میں آپ کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں اس لیئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے سامنے

وہ باتیں بیان کروں جن سے آپ کے کان آج تک نا آشنا ہیں۔ تینوں نے حیرت سے آنحضرت صلعم کو دیکھا۔ اور کچھ وقفہ کے بعد عبدیا لیل نے کہا۔ وہ کیا بات ہے یا اخی

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اے رئیساں عرب میں اور آپ عربستان میں رہتے ہیں اس عربستان کو دنیا کے دوسرے ممالک کو بلکہ کائنات کی ہر چیز کو اس خدا نے پیدا کیا ہے۔ جس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے جو خوشگوار خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے۔ بادل لاتا ہے پانی برساتا ہے۔ پھل اور پھول اگاتا ہے۔ باغات کو سرسبز و شاداب بناتا ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ ہر ذی روح کو رزق دیتا ہے۔ موت اور زندگی بیماری اور تندرستی وغیرہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا اس کی پرستش لازمی اور زیبا ہے

تینوں رئیسوں کو غصہ آرہا تھا۔ اور ان کے چہرہ فرط غیظ و غضب سے سرخ ہو رہے تھے۔

عبدیالیل نے قطع کلام کرتے ہوئے ترشروئی کے لہجہ میں کہا۔ خدا کیا ہے ہم خدا کو پوجیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں ان معبودوں کو جنھیں ہمارے پیارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں۔ حضرت لات کی قسم یہ ہرگز نہ ہوگا۔

مسعود نے برہم ہو کر کہا۔ تم مکہ سے اتنی دور صرف یہ بات کہنے کے لئے آئے یقیناً تمہارے دماغ میں فتور ہے۔ (نعوذ باللہ)

حبیب نے استہزاء کے طور پر کہا۔ لیکن تم الیسی واہیات تبلیغ کرتے پھرتے ہو تم کون ہو؟

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ میں خدا کا رسول ہوں مجھ پر خداوند کریم نے اپنا کلام پاک نازل فرمایا ہے۔ عبدیالیل یہ سن کر خوب ہنسا اور کہا۔ آپ گویا رسول ہیں؟ اگر تم کو خدا اپنا رسول بناتا اور اگر خدا الیسا ہی ہوتا۔ جیسا کہ تم کہتے ہو کہ وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے تو تمہیں یونہی پیدل جوتیاں چٹخانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

مسعود نے کہا۔ خدا کو بھی کوئی اور آدمی نہ ملا۔ ایک مفلس غریب اور ان پڑھ اپنا رسول بنایا۔ کیا تم ان پڑھ نہیں ہو!!

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ بلاشبہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُمی ہوں۔ یہ خدا کی مرضی ہے کہ اُس نے مجھے اپنا رسولؐ بنایا۔ میری رسالت اور خدا کی وحدانیت کا انکار نہ کرو۔

حبیب نے بگڑ کر کہا۔ سُنو اگر تم واقعی خدا کے رسول ہو تو تمہاری بات رد کرنا خطرناک ہے۔ اور اگر تم جھوٹ بولتے ہو تو جھوٹے آدمی سے کلام کرنا ہم پسند نہیں کرتے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ مجھے جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ تھا۔ میں آپ سے کسی چیز کا طلب گار نہیں ہوں۔ میری ذاتی کوئی غرض نہیں میں خدا کا پیغام ان کے بندوں تک پہنچانے پر مامور ہوا ہوں۔ تم دانشمند ہو۔ سوچو کہ پتھروں کے بت بھی بھلا خدا ہو سکتے ہیں۔ جو نہ بل سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں۔ [illegible] جہاں رکھ دیتے ہیں۔ رکھے رہتے ہیں۔

خدا تو وہی ہے جو ہر وقت ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ جو نہ سوتا ہے نہ اونگھتا ہے۔ اُسے آہستہ سے پکارو یا بلند آواز سے سب سنتا ہے۔ حتیٰ کہ دلوں کی باتیں تک جانتا ہے وہی پرستش کے قابل ہے۔ اور اسی کو پوجنا زیبا ہے۔

عبدیا سیل نے غضبناک ہو کر کہا۔ ہم خیالی خدا کو نہیں پوج سکتے۔ آپ تشریف لے جائیے اگر تمام عرب بھی آپ کا ہم خیال ہو جائے۔ ہم تب بھی اپنا خیال اور اپنے عقیدہ کو نہیں بدل سکتے۔

آنحضرت صلعم نے کچھ اور کہنا چاہا۔ مسعود نے برافروختہ ہو کر کہا۔ بس کچھ نہ فرمائیے خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔

آنحضرت صلعم افسردہ خاطر ہو کر اٹھے۔ آپ قصر سے باہر آئے۔ آپکے پیچھے ہی تینوں رئیس بھی آئے۔ قصر کے سامنے جو لوگ جا رہے تھے۔

عبدیا سیل نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو مکہ سے دو آدمی آئے ہیں۔ ہمارے

یہ معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ ذرا ان کی خبر تو لو۔

عربوں کو اشتعال دلانے کے لئے صرف اسقدر ہی کہہ دینا کافی تھا۔ کہ یہ لوگ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں۔ کوئی عرب بتوں کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ تمام لوگ آنحضرت صلعم کے پیچھے لگ گئے۔

انہوں نے شور وغل کر کر کے بہت سے آدمیوں کو جمع کرلیا۔ اور آنحضور کی پنڈلیوں پر سنگریزے مارنے شروع کر دیئے۔ زید اسباب کی سعی میں مصروف تھے۔ کہ سنگریزے آنحضرت صلعم کے نہ لگیں۔ اپنے ہاتھ اور سر سنگریزوں کے سامنے کر دیتے تھے۔ لیکن دو چار آدمی سنگریزے نہ مار رہے تھے۔ بلکہ کثیر التعداد بدبخت پتھروں کے ٹکڑے آنحضرت صلعم پر برسا رہے تھے۔ اس لئے باوجود حضرت زیدؓ کے کوشش کرنیکے بھی اکثر و بیشتر سنگریزے حضور اکرم کی پنڈلیوں میں لگتے تھے۔ چونکہ سنگریزے نوکیلے تھے۔ جہاں لگتے تھے۔ زخم کر دیتے تھے۔

آنحضرت صلعم کی دونوں پنڈلیاں مجروح ہو کر لہولہان ہو گئیں۔ آپ جس طرف سے گزرے۔ بیدرد وسنگدل اہلِ طائف آپ کے پیچھے ہو لئے۔ اور بڑے بڑے پتھر اٹھا اٹھا کر مارنے لگے۔

آپ کی پنڈلیوں سے خون اسقدر بہا۔ کہ آپ کے نعلین مبارک خون سے تر ہو گئے۔ اور آپ میں چلنے کی سکت نہ رہی۔ آپ بیٹھ گئے۔ سنگدل بیرحموں نے آپ کی پشت پر سنگباری شروع کر دی۔ زید نے اپنی پشت سامنے کر دی۔ اور شدید ترین مجروح ہو گئے۔ کچھ دیر دم لے کر آپ پھر اُٹھے۔ شیطانوں کا گروہ آپ کے پیچھے سنگریزے برساتا چلا۔

زید نے آنحضرت صلعم سے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ آپ ان بدبختوں کے لئے بددعا کیجئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ زیدؓ میں اپنی قوم کو بددعا دینے کے لئے رسول

رسول نہیں بنایا گیا ہوں ۔ مجھ پر جس قدر سختیاں ہونگی ۔ خدا کی رحمت کا یہ جوش عام عرب کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دے گا ۔ چونکہ اب حضور اکرم نڈھال ہو گئے تھے ۔ اس لئے زید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چل رہے تھے ۔

طائف کے بدمعاش اور اوباش آنحضرت صلعم کو گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ڈھیلے مارتے آنحضرت صلعم کے پیچھے پیچھے لگے چلے آ رہے تھے ۔ لیکن واپس نہ گئے ۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلعم لڑکھڑاتے ہوئے حضرت زیدؓ کا سہارا لیتے طائف کے تین میل باہر نکل آئے ۔ اب گروہ اشرار واپس لوٹ گئے ۔

آنحضرت صلعم کھجوروں کے باغ کے قریب درختوں کے سائے میں بیٹھ گئے ۔ چونکہ آپ شدید طور پر مجروح ہو گئے تھے ۔ اور زخموں سے خون نکل رہا تھا ۔ آپ مضمحل ہو کر ایک کھجور کے سہارا سے نیم دراز ہو گئے ۔

زید آنحضرت صلعم پر پروانہ وار فدا سے بے حد محبت رکھتے تھے ۔ انہیں آنحضرت کے مجروح ہو کر مضمحل ہونے کا بے حد قلق تھا ۔ وہ آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھ گئے ۔ انہوں نے اپنے عمامہ کی دھجیاں کیں ۔ اور پنڈلیوں سے خون پونچھ کر زخموں کو دیکھا ۔ بعض زخم معمولی تھے ۔ مگر بعض نہایت گہرے تھے ۔ انہوں نے زخموں پر پٹیاں کسنا شروع کر دیں ۔

چودھواں باب ۱۴

مظلوم پیغمبرؐ

تاریخ سے نابلد یا حقائق سے ناآشنا اکثر لوگ واقفیت رکھتے ہوئے بھی واقعات پر پردہ ڈالنے والے ناسمجھ حضرات کہتے یا کہہ دیتے ہیں ۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے راقم الحروف کو ایسے احباب کی ناسمجھی ناواقفیت پر کوئی تعجب نہیں مگر تعجب اس بات پر ہے کہ واقفیت کے دعوے دیدار بنتے ہوئے بھی شرمناک جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایسے لوگوں سے شروع ہوا کہ جنھیں کسی قسم کی قوت ہی حاصل نہ تھی یا تو وہ شریف و نجیب لوگ مسلمان ہوئے جو بحد مفلس غریب اور کمزور تھے یا غلام اور کنیزیں مسلمان ہوئیں ان لوگوں میں اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ وہ ساری قوم کے بالمقابل تلوار اٹھا سکتے بیچارے خود مصائب اٹھا رہے تھے ۔ چھپتے پھرتے تھے ۔ جابر قوم کے ناروا سلوک سے تنگ آ چکے تھے کفار کے جور و جبر سے تنگ آ کر حبش میں ہجرت کر گئے ہیں ۔ نہ دولت تھی نہ لوگوں کو دولت کے لالچ سے مسلمان کرتے نہ حکومت تھی کہ کسی کو دبا کر مسلمان کر لیتے خود رسولِ خدا حضرت محمد صلعم پر بے جا سختیاں ہوئیں ۔ بحد مظالم ہوئے ۔ بلاوجہ تنگ کیا گیا مسلمان آنحضرت پر سختیاں دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے ۔ کہ آنحضرت لڑائی کی اجازت دے دیں یہ تو امید نہ تھی کہ لڑ کو فتحیاب ہو سکیں گے البتہ لڑ کو شہید ہونے کی آرزو رکھتے تھے ۔ مگر آنحضرت لڑنے کی اجازت نہ دیتے تھے ۔ اور کوئی مسلمان بغیر آنحضرت صلعم کی اجازت کے کوئی کام کرنے کو تیار نہ تھا ۔ اس لیے سب چپ تھے ۔

اور ہر قسم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے۔ آنحضرت صلعم مکہ کے کفار سے تنگ آکر طائف تشریف لے گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید وہاں کے لوگ اسلام قبول کریں لیکن طائف کے باشندے اہل مکہ سے بھی زیادہ سنگدل۔ ظالم اور بے مروت ثابت ہوئے انہوں نے آنحضرت صلعم کو گالیاں دیں۔ شدید طور پر مجروح کیا اور شہر سے باہر تین میل تک آپ کے تعاقب میں لگے چلے آئے۔ مگر آنحضرت صلعم ایسے کریم الاخلاق ایسے حلیم الطبع ایسے صابر تھے کہ کفار کے مظالم سہتے تھے۔ سختیاں برداشت کرتے تھے۔ لیکن کسی کو بد عا نہ دیتے تھے

حالانکہ آپ سے پہلے جو رسول آئے ان میں سے اکثر نے اپنی قوم کو بد عا دی اور ساری قوم نیست و نابود ہو گئی۔ سب سے پہلے حضرت نوح نے قوم کی مخالفت سے تنگ آکر بد عا دی۔ جس سے قیامت خیز طوفان آیا اور دنیا کا بڑا حصہ برباد ہو گیا

پھر حضرت لوط نے قوم کی نازیبا حرکت سے تنگ آکر بد عا دی اور ساری قوم تباہ ہو گئی۔ حضرت موسیٰ نے فرعون سے نجات چاہی۔ فرعون معہ اپنی قوم کے دریائے نیل میں غرق ہو گیا۔

بہت سی اور مثالیں ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے قوم کے مظالم سے تنگ آکر بد دعا دی اور قوم تباہ ہو گئی۔ مگر حضور اکرم نے اپنی قوم کے لیئے کبھی بد دعا نہ کی۔ بلکہ ہمیشہ یہی دعا کرتے رہے۔ کہ یا الٰہی قوم کو وہ چشم بینا عطا فرما کہ وہ مجھے دیکھے ان کو کان دے کہ میری بات سُنے سمجھ دے کہ وہ مجھے پہچانے اور میری باتیں سمجھے۔ آنحضرت صلعم طائف سے آکر ایک باغ میں کھجور کے درخت کے سہارا سے بیٹھ گئے تھے۔

زید نے آنحضرت صلعم کی پنڈلیوں پر عمامہ پھاڑ پھاڑ کر پٹیاں کس دی تھیں۔ یہ باغ جسکے سائے میں آنحضرت صلعم بیٹھے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔

یہ وہی عتبہ تھا جو مکہ کا باشندہ اور ملحد و مشرک تھا

اُسے اسلام اور مسلمانوں سے خدائی بیر تھا۔ ابوجہل اور ابولہب اور دوسرے کفار

کے ہمراہ آنحضرت صلعم کی ایذارسانی کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اتفاق سے وہ اس وقت باغ میں موجود تھا۔ اور اس کے ہمراہ اس کا غلام عداس بھی تھا۔ عداس مسیح تھا۔ عتبہ نے آنحضرت کو باغ میں درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ عربوں میں اور چاہے جس قدر برائیاں ہوں مگر مہمان نوازی کی خوبی اسقدر بدرجۂ اتم تھی۔ کہ دشمن سے دشمن کو بھی مسافری کی حالت میں اپنے خیمے گھروں یا باغوں میں ٹھہرا کر مہمان رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی بہ تقاضائے مسافر نوازی سے مجبور ہو کر عتبہ نے اپنے غلام عداس کے ہاتھ ایک رکابی میں انگور کے خوشے رکھ کر آپ کے پاس بھجوائے۔

جب عداس حضور اکرم کے سامنے آیا۔ تو آپ نے دریافت کیا۔ یہ خوشے کس نے بھیجے ہیں۔ عداس نے جواب دیا میرے آقا عتبہ نے!

آپ نے فرمایا۔ کیا عتبہ باغ میں موجود ہے؟ عداس نے جواب دیا۔ جی ہاں! موجود ہیں۔ انہوں نے طائف کے شریروں کو آپ کے پیچھے آتے دیکھا تھا۔ آنحضرت صلعم نے استفسار کیا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے۔ عداس نے جواب دیا۔ کہ میرا نام عداس ہے۔

آنحضرت صلعم۔ کیا تم عیسائی ہو۔

عداس۔ ہاں میں عیسائی ہوں

آنحضرت صلعم۔ کہاں کے باشندے ہو؟

عداس۔ نینوا کا رہنے والا ہوں۔

آنحضرت صلعم۔ کیا اس نینوا کا جہاں حضرت یونس رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

عداس نے حیرت سے آنحضرت صلعم کو دیکھا۔ کئی منٹ استعجاب انگیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ جب حیرت کم ہوئی تو بولا کہ حضرت یونس کا آپ کو علم کیسے ہوا؟ ان کا حال تو کوئی بھی نہیں جانتا۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔ عداس میرا نام محمدؐ ہے میں بھی خدا کا رسول ہوں۔ تمام انبیاء

علیہم السلام کے نام جانتا ہوں۔ نہ صرف نام بلکہ ان کے حالات سے بھی واقف ہوں۔ عداس فوراً سامنے جھک گیا اس نے آپکے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کھڑا ہو کر بولا۔ بلا شبہ تم رسُول معلوم ہوتے ہو۔ آپکے بشرہ سے جلال الٰہی نمایاں ہے۔ حضورؐ اکرم نے فرمایا۔ عداس تم مسلمان ہو جاؤ۔

عداس نے جواب دیا۔ حضور مذہب آسانی سے نہیں بدلا جا سکتا۔ لہٰذا مجھے غور کرنے کی مہلت دیجئے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اچھا تم غور کر لو۔ جب غور کر چکو اور مسلمان ہونا چاہو تو میرے پاس چلے آنا۔ یہ کہہ کر آنحضرت صلعم نے کچھ انگور کھائے اور باقی حضرت زید کو دے دیئے زید نے کھا کر رکابی عداس کو دے دی۔ عداس واپس عتبہ کے پاس پہنچا عتبہ دور سے کھڑا عداس کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ اُس نے عداس کو حضور اکرم کا ہاتھ چومتے دیکھا تھا۔ جب وہ آیا تو اس نے کہا عداس! یہ شخص محمدؐ جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ اس کی باتوں میں نہ آنا۔ عداس نے کہا۔ نہیں میرے آقا وہ جادوگر نہیں ہیں۔ نبی ہیں تم نہیں جانتے کہ حضرت یونس کون تھے۔ کہاں تھے۔ مگر وہ جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں عتبہ نے دریافت کیا۔ انہوں نے تجھ سے کیا کہا تھا مسلمان ہونے کیلئے کہا تھا۔ میں نے کہا کہ مجھے غور کرنے کی مہلت دیجئے۔

عتبہ نے کہا۔ عداس تم مسلمان نہ ہونا اسلام سے تو تیرا ہی مذہب اچھا ہے عداس نے کہا۔ میرے حضور میں عیسائی ہوں اور ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ سرزمین تہامہ میں ایک نبی پیدا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی نبی ہے۔ عتبہ نے بگڑتے ہوئے کہا۔ واہیات بات نہ کرو۔ نبی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جن کا نہ کوئی یار و مددگار ہو نہ حکومت والے ہوں نہ دولت مند۔

عداس نے کہا۔ میرے آقا ہر نبی ایسی ہی حالت میں ہوا ہے۔ بجز دو چار انبیاء علیہم

السلام کے جو دولت مند بھی تھے۔ اور بادشاہ بھی۔ انبیاء کے ہمراہ اعانت الٰہی شامل رہتی ہے۔ اس لیئے انہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ عتبہ نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔ سب فضول ہے۔ اس خبط میں نہ پڑ جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ دیکھو میرے گھوڑے پر دھوپ آگئی ہے اسے سائے میں باندھ دو۔ عداس چلا گیا۔ عتبہ نے باغ میں ایک مختصر سا مکان بنا رکھا تھا وہ مکان کے اندر چلا گیا۔ آنحضرت صلعم تھوڑی دیر باغ کے سائے میں آرام کر کے روانہ ہوئے چونکہ آنحضرت صلعم کی پنڈلیاں مجروح ہو گئی تھیں۔

زخم تازہ تھے۔ اس لیئے آپ کو چلنے میں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ مگر آپ نے تکلیف کا احساس نہ کیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ زیدؓ آپ کے ہمراہ چلے۔ آپ برابر رات تک چلتے رہے۔ رات کو کھلے میدان میں ہی چادر بچھا کر سو رہے۔

صبح آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے بیدار ہوئے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور پھر روانہ ہو گئے آپ مکہ واپس جا رہے تھے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ طائف سے مکہ مکرمہ تک صحرائے لق و دق ہے ریگ زار ہے یا تودیت کے فلک بوس تودے ہیں۔ یا ریت کا سمندر ہے۔ جو آفتاب کے طلوع ہو کر بلند ہوتے ہی تپنا شروع ہو جاتا ہے۔ جوں جوں آفتاب بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے ریت گرم ہوتے ہوتے ایسا گرم ہو جاتا ہے کہ بلا مبالغہ اس پر دانے بھونے جا سکتے ہیں۔

آنحضرت صلعم مجروح ہونے کی حالت میں اس کٹھن ریگ زار کو عبور کر رہے تھے۔ صرف حضرت زیدؓ آپکے ہمراہ تھے۔ دن بھر جتنا چلا جا سکتا تھا۔ چلتے تھے۔ نماز کے وقت نماز پڑھتے رات ہو جانے پر قیام کرتے۔ چادریں بچھا کر سو جاتے اور صبح ہوتے ہی پھر چل پڑتے۔

اس طرح سے کوچ اور قیام کرتے ہوئے ایک دن نخلہ کے مقام پر جا ٹھہرے

نخلہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس کے چاروں طرف چند کھجوروں کے باغ تھے۔ چند قبائل کے لوگوں نے مل کر کچے پکے مکانات بنا لیئے تھے۔ مکہ کے وہ امیر جو طائف جاتے تھے۔ اس گاؤں میں ضرور قیام کرتے تھے یہ موضع مکہ سے ایک منزل یعنی بیس کوس کے فاصلے پر تھا۔ آنحضرت صلعم ایک باغ میں ٹھہر گئے۔ زید پانی لائے دونوں نے وضو کیا اور عشار کی نماز پڑھی نماز پڑھ کر آنحضرت بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے لگے۔ اسوقت آپ پر وحی نازل ہوئی۔

قل اوحی الی انہ استمع نفر من فقالوا انا سمعنا قرآنا عجباہ یھدی الی الرشد فامنا بہ ولن نشرک بربنا احداً ہ وانہ تعلیٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبۃ ولا ولداً ہ وانہ کان یقول سفیھنا علی اللہ شططاً ہ وانا ظننا ان لن تقول الانس والجن علی اللہ کذباً ہ ۔

ترجمہ۔ اے محمدؐ کہہ دو کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے۔ کہ جنوں کی ایک جماعت نے سن کر کہا۔ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔ جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شامل نہ کریں گے۔ د شریک نہ کریں گے۔) ہمارے رب کی عزت بہت بلند ہے۔ نہ اُسکے بیوی ہے نہ اولاد ہے اور نہ ہمارے بیوقوف لوگ غلط پر بہتان باندھتے تھے۔ اور ہم سمجھتے تھے کہ جن اور انسان اللہ پر بہتان نہ باندھتے ہوں گے۔

یہ سورہ جن تھی۔ ابھی آنحضرت صلعم نے اسی قدر تلاوت کی تھی۔ کہ زید متعجب ہو کر آنحضرت صلعم کی طرف دیکھنے لگے۔ اس سورہ میں خبات کا ذکر تھا۔ زید حیران تھے۔ کہ جنوں نے کب کلام الہیٰ سُنا کہ سات آدمی سامنے سے اسطرح پیدا ہوئے۔ جیسے کہ وہ کھجور کے درخت سے نکلے ہوں۔ زید ان کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئے کچھ ڈرے۔

حضورؐ ان آنے والوں کو دیکھ کر مسکرائے۔ آنیوالوں نے قریب آکر آنحضرت صلعم کو سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا مرحبا یا النفر من الجن (اے جنو تم پر مرحبا) ان میں سے ایک

آدمی بولا - صدقت یا رسول اللہ (اے خدا کے رسول تم نے سچ فرمایا) ہم ساتوں جن ہیں۔ نصیبین کے رہنے والے ہیں ہم آپ کے خدا پر ایمان لائے ہیں۔ آپ ہم کو مسلمان کر لیجئے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ سعید روحیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچ آتی ہیں۔ تم خدا کی وہ مخلوق ہو جو آگ سے پیدا کی گئی ہو۔ مٹی سے بنا ہوا انسان تم کو اس وقت تک نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک کہ تم اس کے سامنے آ کر اسی کی سی صورت اختیار نہ کر لو۔ اے خدا کی عجیب مخلوق کلمہ پڑھو۔

ساتوں جن کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے انہوں نے اقرار کیا کہ ہم نصیبین میں جا کر تبلیغ اسلام کریں گے۔ آنحضرت صلعم نے انہیں کچھ ہدایت کی تھوڑی دیر کے بعد وہ رخصت ہو کر چلے گئے۔ اگرچہ مکہ صرف ایک شبانہ روز کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ لیکن حضور کی پنڈلیوں میں زخم تھے۔ اس لیئے آپ تیزی سے نہ چل سکتے تھے۔ آہستہ آہستہ چلتے تھے کافی عرصے کے بعد مکہ کے قریب پہنچے۔ جب کہ ایک دن مکہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ تو زیدؓ نے آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ مکہ سے طائف تشریف لے گئے تھے طائف والوں نے جو زیادتیاں کی ہیں۔ ان کی اطلاع اہل مکہ کو ضرور مل گئی ہو گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کفار مکہ آپ کے دشمنوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس لیئے اگر مناسب رائے عالی ہو تو ان کی معیت میں مکہ داخل ہو جیئے۔ آپ نے غور سے حضرت زیدؓ کی گفتگو سن کر کہا زید تمہارا مشورہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن مسلمانوں کو بلا کر ان کے ساتھ جانے سے یہ خوف ہے کہ کہیں اہل مکہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیئے تیار نہ ہو جائیں۔ مگر امیر حمزہ اور حضرت عمرؓ ہرگز چپ نہ رہیں گے۔ وہ فوراً لڑائی پر آمادہ ہو جائیں گے۔

احتمال ہے کہ اس سے کہیں خون ریزی شروع نہ ہو جائے اور میں خون ریزی کو پسند نہیں کرتا۔ اگر خدا کا حکم لڑائی کے لیئے نازل ہو تو مجبوری ہے۔ ورنہ مجھے ایک مسلمان کی جان تمام دنیا کی نعمتوں سے زیادہ عزیز ہے۔ اس لیئے مسلمانوں کو بلانا غیر مناسب ہے۔

زیدؓ نے دریافت کیا۔ پھر کیا کرنا چاہیئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اگر کوئی اہلِ مکہ سے ہمیں اپنی حمایت میں لینے پر آمادہ ہو جائے۔ تو پھر لڑائی کا خدشہ جاتا رہے گا

زیدؓ۔ مگر میرے خیال میں تو کافروں سے کوئی بھی ہماری حمایت کیلئے آمادہ نہ ہوگا۔

آنحضرت صلعم۔ اگرچہ تم کو عربوں میں رہتے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر تم عربوں کی حمیت و شرافت اور ان کے شعار سے واقف نہیں ہوئے ہو۔ سنو وہ انکار نہیں کر سکتے۔ خواہ طالب حمائت ان کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ضرور اس کی حمائت کرتے ہیں۔ ابھی عرب اس قدر نہیں گر گئے۔ کہ وہ اپنے اس شعار کو کھو دیں۔

زیدرضؓ۔ اگر یہ بات ہے تو ہم کس سے طالب حمائت ہوں۔

آنحضرت صلعم۔ تم مطعم بن عدی کے پاس چلے جاؤ۔ ان سے کہو کہ محمدؐ تم سے حمایت کی التجا کرتا ہوں۔ وہ اس درخواست کو منظور کر کے مجھے اپنی حمایت میں لے لیگا۔

زیدرضؓ۔ بہت خوب میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ مگر میری واپسی تک آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟

آنحضرت صلعم۔ میں غارِ حرا میں ٹھہروں گا۔

زیدؓ آنحضرت سے وداع ہو کر مکہ کی طرف چلے۔ اور آنحضرت صلعم وہاں سے روانہ ہو کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اور غارِ حرا میں داخل ہو کر خاموش بیٹھ گئے۔ دیر تک آنحضرت صلعم وہاں بیٹھے رہے۔ جب آفتاب نصف النہار کو عبور کر گیا۔ تو زیدؓ آئے اور انہوں نے کہا۔

یا رسول اللہ مطعم نے نہایت خوشی سے آپ کی درخواست قبول کر لی۔ اور اس نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے۔ وہ معہ اپنے دو بیٹوں کے آیا ہے۔ پہاڑی سے نیچے کھڑا ہے۔ تشریف لے چلیئے۔

آنحضرت اٹھے اور زیدرضؓ کے ساتھ ہی پہاڑی سے نیچے اتر آئے۔ یہاں مطعم اور اس کے دونوں بیٹے اونٹوں پر سوار کھڑے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب

دے کر کہا مطعم میں تمہاری اس عنایت کا مشکور ہوں۔ کہ تم نے مجھے اپنی حمایت میں لینا منظور کر لیا۔ مطعم نے کہا۔ یا محمدؐ میں عرب ہوں۔ شریف النسب ہوں۔ آپ مجھ سے حمایت کے ملتجی ہوئے۔ قومی حمیت اور جذبہ شرافت نے مجھے متاثر کیا۔ فوراً چلا آیا۔ اب کسی کی مجال نہیں ہو سکتی۔ کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے آپ بے خطر میرے ہمراہ چلیں۔ آنحضرت صلعم حضرت زیدؓ کو ہمراہ لے کر مطعم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو مطعم اور اس کے دونوں بیٹوں نے آنحضرت صلعم کو درمیان میں لے کر ننگی تلواریں ہاتھ میں لے لیں۔ کفار مکہ نے حیرت سے مطعم کو دیکھا لیکن کسی کو اس سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی جب آنحضرت صلعم حرم محترم کے قریب پہنچے۔ تو مطعم نے بلند آواز سے کہا۔

اے اہلِ مکہ سن لو۔ کہ میں نے محمدؐ صلعم کو پناہ دی ہے۔ اگر کوئی آدمی ذرا بھی ان سے مزاحم ہو گا۔ تو اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔ لوگوں کو مطعم کی بات سخت ناگوار گزری لیکن مطعم معمولی آدمی نہ تھا۔ بہادر تھا بڑے قبیلے کا سردار تھا۔ اس لئے سب نے سکوت بہتر سمجھا۔ آنحضرت صلعم خانہ کعبہ میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ مطعم اور اس کے دونوں بیٹے ننگی تلواریں لے کر در کعبہ پر کھڑے ہو گئے۔ ابو جہل نے جب لوگوں سے سُنا۔ کہ مطعم نے محمدؐ کو پناہ دی ہے۔ تو وہ ایک دم بھاگا ہوا آیا۔ اور اس نے آتے ہی کہا۔

مطعم یہ کیا بات ہے۔ کیا واقعی تم نے محمد صلعم کو پناہ دی ہے؟

مطعم نے کہا۔ ہاں میں نے انہیں پناہ دی ہے۔

ابو جہل۔ کیا تو ہمارے خلاف ہو گیا ہے۔

مطعم۔ نہیں۔

ابو جہل۔ پھر محمدؐ کی حمایت کیوں کرتا ہے۔

مطعم۔ اس لئے کہ وہ مجھ سے طالب حمایت ہوئے۔ میری قومی حمیت نے مجھے مجبور کیا۔ کہ میں انہیں حمایت میں لے لوں۔

ابوجہل - اگر یہ بات ہے - تو کچھ اندیشہ نہیں - میں نے تو یہ سمجھا تھا - کہ شاید تم بھی مسلمان ہو گئے ہو

مطعم - میں اپنا آبائی مذہب نہیں چھوڑ سکتا

ابوجہل چلا گیا - آنحضرت صلعم نماز پڑھکر خانہ کعبہ سے باہر آئے - اور اپنے گھر کی طرف چلے مطعم اور اس کے بیٹے ننگی تلواریں لئے آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے - جب آپ اپنے گھر کے دروازے تک پہنچے - تو آپ نے پھر مطعم کا شکریہ ادا کیا - مطعم اور اس کے بیٹے چلے گئے - آپ مکان کے اندر داخل ہوئے - اسیطرح سے آپ پورے ایک ماہ کے بعد طائف سے مکہ تشریف لائے -

پندرہواں باب [۱۵]

عرب کا مشہور افسوں گر حلقۂ اسلام میں

آنحضرت صلعم پر تبلیغ اسلام میں جو سختیاں جو مظالم جو ستم ہوئے۔ وہ آپ ہی اپنی نظیر ہیں۔ قدم قدم پر ایذائیں دیجاتی تھیں۔ دن بدن زیادتیاں کی جاتی تھیں۔ مگر آپ ہمت نہ ہارے تھے۔ اگرچہ بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر ان مسلمانوں میں اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ آنحضرت صلعم کی حفاظت کر سکتے تھے یا اعلانیہ طور پر آپکے ہمراہ رہ کر تبلیغ اسلام کی خدمت انجام دیتے۔ البتہ ان میں قوت ایمانی نے جوش پیدا کر دیا تھا۔ اسی جوش سے مغلوب اور مجبور ہو کر وہ کم اور کمزور ہوتے ہوئے تمام قوم سے لڑنا چاہتے تھے۔ مگر حضور اکرمؐ لڑائی کی اجازت نہ دیتے تھے۔ چونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ مبادا مسلمان جوش میں آکر لڑائی شروع کر دیں۔ اس لئے آپ ان سے تبلیغ کا کام بھی نہ لیتے تھے۔ آپ تنہا ہدف ستم ہو رہے تھے۔ تنہا تمام قوم کے مظالم سہہ رہے تھے۔ اور تنہا ہی تبلیغ کا اہم کام سر انجام دے رہے تھے۔ جب آپ طائف سے واپس آئے تو اشرار مکہ نے پہلے سے بھی زیادہ شرارتیں شروع کر دیں پہلے صرف اوباش اور کمینے لوگ آپ پر خاک پھینکتے کیچڑ اچھالتے اور سنگ ریزے مارتے تھے۔ اب شریف اور نجیب لوگوں نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر لیا۔ گویا قریش کی سختیاں اور بے جا ضد پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئیں۔

آنحضرت صلعم جہاں جاتے جس راستہ سے گذرتے اور جس جگہ کھڑے ہوتے ابولہب سائے کی طرح ہمراہ رہتا۔ اگر حضور اکرمؐ کسی سے باتیں کرتے تو ابولہب بیچ باتیں شروع

کر دیا مطلب یہ تھا۔ کہ حضور اکرم کسی سے کوئی بات نہ کر سکیں۔ عرب میں مختلف مقامات پر سالانہ میلے لگتے۔ ان میلوں میں دور دور سے قبائل آتے گھوڑ دوڑ ہوتی۔ دنگل ہوتے شاعری میں مقابلہ ہوتا اور ہفتوں میلے لگے رہتے۔ حضور اکرم ان میلوں میں جا جا کر تبلیغ اسلام کرتے۔

آج کل ملاں۔ خود غرض مولوی لوگوں کو تو بازاروں اور میلوں میں جانے سے روکتے ہیں۔ مگر خود جاتے ہیں اور پھر محض سیر و تفریح کیلئے اول تو میلوں میں وعظ و نصیحت کرتے ہی نہیں بالفرض محال اگر کسی خدا کے بندہ نے کوئی تقریر کی بھی تو تقریر کے بعد چندہ کا سوال کر دیا۔ عوام الناس علی برداشتہ ہو کر اٹھ جاتے ہیں چونکہ آج مسلمانوں کی قوم مفلس ہے۔ اس لیئے عوام الناس وعظ و نصیحت کی مجالس میں اس وجہ سے شریک نہیں ہوتے کہ تقریر کے بعد ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا جائے گا۔ کاش مقامی مسلمان ہر نمائش ہر نوچندی ہر میلہ میں تقاریر کا انتظام کریں۔ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح چاہنے والے علماء کو طلب کریں اور وعظ کریں۔ تقاریر میں بتلائیں کہ اسلام کیا ہے۔ کسطرح پہلے مسلمان کیا تھے۔ کسطرح سے دنیا کی حکمران قوم تھے۔ اقوام کسطرح بنتی اور کسطرح سے مٹ جاتی ہیں۔ جو لوگ ایسے اجلاس قائم کریں یا ایسے جلسوں میں شریک ہوں۔ سب مستحق حسنات ہیں۔ ممکن ہے کہ یہی وجہ انکی نجات کا باعث اور بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

آنحضرت صلعم متعدد میلوں میں شریک کیئے گئے اور بنو عامر۔ محارث۔ فزارہ۔ غسان مرہ۔ حنیفہ۔ سلیم۔ عبس۔ بنو کعب۔ کندۃ۔ کلب۔ حارث بن کعب۔ عذرہ حضارمہ جو عرب کے مشہور قبائل تھے۔ ان سبکو آپ نے دعوت اسلام دی۔ عکاظ اہل عرب کا مشہور علمی اور قومی دنگل تھا۔ عظیم الشان میلہ تھا۔ سو سو کوس سے لوگ آ آکر اس میلے میں شریک ہوتے تھے۔ عرب کے مشہور و معروف پہلوان مشہور جنگجو مشہور شاعر اور مشہور کاہن و اعراف آتے تھے۔ ہر فن کا مقابلہ نہایت زور سے ہوتا تھا۔

آنحضرت صلعم بھی اس میلہ میں تشریف لے گئے۔ قریش کے تمام سربرآوردہ لوگ بھی شریک ہوئے ایک دن آپ ایک عام گذرگاہ پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو جمع کر کے تقریر کرنے لگے اگرچہ آنحضرت جانتے تھے کہ کفار کا مجمع ہے۔ ہر شخص آبائی مذہب کا دلدادہ ہے۔ وہ بتوں کا شیدائی ہے۔ ایسے مجمع میں بت پرستی کے خلاف کچھ کہنا ایک عظیم خطرہ کو مول لینا ہے۔ مگر آپ کو کوئی ہراس نہ تھا۔ چونکہ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام کی تبلیغ بت پرستوں میں کرنی چاہیئے۔ اس لیئے بے دھڑک آپ تقریر کرنے لگے اور لوگ حیرت سے سننے لگے۔

ابولہب بھی پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ مجمع کا سکوت اور اشتیاق سماع دیکھ کر کھٹک گیا۔ کہ مبادا آپکی تقریر کا لوگوں پر اثر نہ ہو جائے۔ اس لیئے فوراً بول اٹھا۔ یا اخوان العرب یہ میرا بھتیجہ ہے۔ اپنے آبائی مذہب سے پھر گیا ہے۔ خیالی خدا کی پرستش کی تلقین کرتا ہے۔ جھوٹی باتیں کہتا ہے۔ لہذا اس کی بات مت سنو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

ابولہب کو قریب قریب تمام لوگ جانتے تھے۔ سب قہقہہ مار کر ہنسے اور لا یعنی باتیں کرتے ہوئے چل دیئے۔ آنحضرت صلعم بھی اسجگہ سے تشریف لے گئے۔ اگرچہ آپ کو کامیابی نہ ہوئی۔ لوگوں نے آنحضرت صلعم کا مذاق اڑایا۔

مگر آپ کی منور پیشانی پر شکن بھی نہ آیا اور نہ آپکی ہمت پست ہوئی نہ آپ نے لوگوں کے استہزاد کا کچھ خیال کیا۔ بلکہ اس فکر میں لگ گئے۔ کہ جب کہیں مجمع زیادہ ہو گا تبلیغ اسلام کریں گے۔ ابولہب اپنے خیمہ کی طرف چلا۔ چند ہی قدم چلا تھا۔ کہ ایک شخص نے پیچھے سے آ کر اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک ذی شان آدمی اپنے بالمقابل کھڑے پایا یہ شخص ادھیڑ عمر کا عرب تھا۔ سر اور داڑھی کے بال کھچڑی ہو رہے تھے۔ مکمل عربی لباس پہنے تھا۔ موٹے موٹے دانتوں والی مالا گلے میں ڈالی تھی۔

ذی شان اور ذی وجاہت معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ابولہب سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ یا سیدی آپ شاید اپنے بھتیجے محمدؐ سے بیزار ہیں۔

ابولہب نے کہا۔ تم صحیح کہتے ہو۔ یا اخی میرے بھتیجے محمدؐ نے ہمارے دین میں ہمارے قبائل اور ہمارے شہر میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ میں اور میری قوم اس سے بہت تنگ آ گئے ہیں۔

عرب نے کہا۔ آپ نے شاید مجھے نہیں پہچانا۔ ابولہب نے کہا۔ آپ کو کون نہیں جانتا۔ آپ عرب کے مشہور افسوں گر یمن کے باشندے ہو۔ اور یمن کے نہایت مشہور قبیلہ ازدوئے تعلق رکھتے ہو۔ تمہارا نام ضماد ہے

عرب نے کہا۔ آپ نے خوب پہچانا میرا نام ضماد ازدی ہے۔ واقعی میں عرب کا مشہور افسوں گر ہوں۔ تمہارے بھتیجے پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ میں سحر کے روز سے انہیں اچھا کر سکتا ہوں۔

ابولہب نے کہا۔ اگر تو میرے بھتیجے کو (محمدؐ کو) اچھا کر دے اور وہ نئے مذہب کی تبلیغ چھوڑ دے تو میں تجھے سو اونٹ اور سو اشرفیاں دوں گا۔

ضماد نے ہنس کر کہا۔ یہ تو بہت بڑا لالچ ہے لات وعزیٰ کی قسم میں ان کا علاج کروں گا۔ جب انہیں آرام ہو جائے گا۔ آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہو گا۔

ابولہب نے کہا۔ ضرور پورا کروں گا۔ ضماد میرے علاوہ ابوجہل۔ ولید اور ابوسفیان عتبہ اور دوسرے لوگ بھی تجھے انعام دیں گے۔

ضماد نے کہا۔ اچھا ٹھہرو میں تم کو اپنی افسوں گری دکھاتا ہوں۔

ابولہب نے کہا۔ تنہا مجھے دکھانے سے کچھ فائدہ نہیں میرے خیمے پر چلو وہاں میں قریش کے سرداروں کو بلاؤں گا۔ سب کے سامنے دکھانا

ضماد ازدی راضی ہو گیا۔ دونوں چل کر ابولہب کے خیمے پر پہنچے ابولہب نے

اپنے غلاموں کو اکابر قوم کی طلبی کے لیئے روانہ کیا۔ تھوڑی دیر میں عام لوگ آگئے۔ خیمے سامنے میدان پڑا تھا۔ سب میدان میں فرش کر اکر بیٹھ گئے۔

چونکہ یہ میدان بازار کے سرے پر تھا۔ اس لیئے سینکڑوں آدمی بھی ادہر اُدہر سے آآ کر جمع ہونے لگے۔ جب خوب بھیڑ آگئی۔ تب ابو لہب نے ضماد سے کہا۔ اب دکھاؤ تم کیا دکھانا چاہتے ہو۔ ضماد درمیان میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے چاروں طرف سے لوگوں کو ہٹا کر درمیان میں ایک وسیع میدان بیضاوی قائم کیا اور اس میدان میں کھڑا ہو کر بولا

یا اخوان العرب۔ تم نے میرا نام ضرور سنا ہوگا۔ کیونکہ سارے عرب میں میرا نام مشہور ہے دنیا مجھے عرب کا مشہور جادوگر کہتی ہے۔ تمام اعراف اور کاہن مجھے اپنا استاد مانتے ہیں۔ یہ بھی بتا دوں کہ میں صرف جادوگر ہی نہیں ہوں۔ بلکہ عرب کا مشہور شاعر بھی ہوں مجھے اپنی زبان دانی پر ناز ہے۔ ہاں تو تم نے میرا نام سنا ہوگا۔ مگر میرے کرتب نہیں دیکھے ہوں گے۔ آج میں آپ کو جادو کے کرشمے دکھاتا ہوں۔

دیکھو آسمان صاف ہے۔ سورج چمک رہا ہے۔ سب دھوپ میں بیٹھے ہیں ہوا بند ہے۔ گرمی شدت سے پڑ رہی ہے۔ اُٹھ اے ابر باراں اٹھ۔ اے کالی گھٹا آ چھا جا اس میدان میں چھا جا جل نکل آ۔

لوگ آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ آسمان صاف تھا۔ اور آفتاب پوری تیزی سے چمک رہا تھا۔ ہوا بند تھی۔ گرمی خوب پڑ رہی تھی۔ لوگوں کو اپنے سروں پر ایک سیاہ نقطہ سا نظر آیا۔ ضماد اوپر دیکھ رہا تھا۔ اُسکی آنکھیں چمک رہی تھیں منہ میں کف بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارے کر رہا تھا۔ لوگ نقطہ کو دیکھ رہے تھے۔ نقطہ بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ بڑھتے بڑھتے سیاہ بدلی کا ٹکڑا بن کر رہ گیا۔ ہوا چلنے لگی۔ اور لوگوں نے حیرت سے دیکھا۔ بدلی کے ٹکڑے نے بڑھ کر سارے میدان کے ٹکڑے کو ڈھک دیا۔

سورج غائب ہوگیا۔ ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا چلنی شروع ہوگئی۔ ضماد نے کہا۔ برس اور خوب برس کر ریگ زار پر پانی کا ایک قطرہ نہ پڑے۔ فوراً ننھی ننھی بوندیں پڑنے لگیں۔ مگر یہ ایک نہایت عجیب بات تھی کہ اوپر سے بوندیں پڑتی تھیں۔ مگر نیچے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا تھا۔ لوگ جادو کا یہ کرشمہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ضماد نے کہا۔ گندے گندے جنات کا لشکر گندے اپنی پوری شان کے ساتھ عرب لوگوں کو حیران کرتا ہوا چلو جلدی چلو۔ میدان کی مشرقی جانب سے سیاہ پردہ سا اٹھا۔ اس پردہ میں سے مٹی مٹی سے صورتیں نمودار ہوئیں۔ میدان کی طرف بڑھیں۔ جب بیچ میں آئیں۔ تو لوگوں نے دیکھا تو عجیب و غریب ہولناک شکلیں تھیں نہایت وحشتناک صورتیں تھیں۔ فضا میں تیرتی ہوئی ہوا کو چیرتی ہوئی بدلی سے نیچے زمین سے اوپر لوگوں کو گھورتی ہوئی چلی جارہی تھیں۔ اور غربی کنارے پر پہنچکر غائب ہوجاتی تھیں۔ لوگ انتہائی حیرت اور کمال خوف اور پریشانی کے عالم میں بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ نیچے ڈر کر عورتیں سہم کر آنکھیں بند کر کرکے بیٹھ گئیں۔

ضماد نے کہا۔ بس اتنا ہی کافی ہے جو صورتیں میدان کی طرف فضا میں تیرتی آرہی تھیں واپس لوٹ گئیں۔ جو میدان میں آچکی تھیں۔ بڑھ کر غربی کنارے پر جاکر غائب ہوگئیں۔ بدلی پھٹ گئی۔ بادل اڑ گئے اور ہوا بند ہوگئی۔ آفتاب چمکنے لگا۔ اور گرمی بڑھ گئی۔ جب لوگوں کی حیرت دور ہوئی۔ تو انہوں نے ضماد کو دیکھا۔ ضماد سر جھکائے آنکھیں بند کیے کھڑا تھا۔ لوگوں پر حیرت کا تسلط تھا۔ انہوں نے آج ایسا کرشمہ دیکھا۔ جس نے انہیں سخت متعجب اور بہت زیادہ خوفزدہ کردیا تھا۔

وہ حیرت اور خوف بھری نظروں سے ضماد کو دیکھ رہے تھے ضماد نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا لوگوں کو دیکھا۔ اسکی آنکھیں سرخ تھیں اور چمک رہی تھیں۔ کسی کو اسکی آنکھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ابولہب نے کہا۔ ضماد تم واقعی جادوگروں کے استاد ہو۔ آج تم نے وہ شعبدے دکھائے

جو بھی زد دیکھے تھے۔ مجھے اور میرے ہم وطنوں کو یہ یقین ہو گیا ہے۔ کہ تم اپنے جادو کے زور سے میرے بھتیجے محمدؐ کو ٹھیک کر دو گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے تم کو پہلے ہی کیوں نہ بلایا۔ اگر تم آجاتے تو یہ فتنہ بڑھنے نہ پاتا۔ مگر اب بھی کچھ زیادہ نہیں بگڑا۔ سویرا ہی ہے۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم میرے بھتیجے کا علاج کرو۔

ضماد نے کہا۔ اگر آپ بلا سکتے ہیں تو اپنے بھتیجے محمدؐ کو یہیں بلا لیں۔ دیکھئے میں کس طرح اور کس قدر جلد ان کا علاج کرتا ہوں۔

ابو لہب نے کہا۔ میں بلاتا ہوں۔ امید ہے کہ وہ آجائیگا۔ یہ کہتے ہی ابو لہب نے ایک غلام کو بھیجا۔ اور اُسے ہدایت کر دی۔ کہ یہاں کی بات محمدؐ سے نہ کہے۔ غلام چلا گیا۔ لوگ نہایت ذوق سے آنحضرت صلعم کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں حضور اکرم تشریف لے آئے۔

ابو لہب نے کہا۔ یا محمدؐ میدان میں جو شخص کھڑا ہے آپ اُسے جانتے ہیں۔ آنحضرت صلعم اُس کے واقف نہ تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نہیں جانتا۔ ابو لہب نے کہا۔ میں بتاتا ہوں اس کا نام ضماد ہے۔ یمن کا باشندہ ہے۔ بڑا ساحر ہے۔ یہ تمہارا علاج کرے گا۔ تم پر کسی جن کا اثر ہے۔ یہ اس جن کو پکڑے گا۔ آنحضرت صلعم مسکرا دیئے اور آپ نے فرمایا۔

یا عم! مجھ پر کسی جن کا اثر نہیں ہے۔ تم دعوکا میں نہ پڑو۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ ابو لہب نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔ پھر وہی جھگڑے کی بات شروع کر دی۔ خدا کوئی نہیں ہے۔ خدا ہمارے معبود ہیں۔ خیر اس بحث کو چھوڑو۔ ذرا تم ضماد کے پاس چلو۔ آپ فوراً چلے اور ضماد کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

ضماد نے آپ کو دیکھا۔ اور نہایت غور سے دیکھا۔ وہ آپ کو آپ کے روئے منور کو آپ کی موہنی آنکھوں کو آپ کے جمال کو۔ اور آپ کے جلال کو دیکھ کر کچھ گھبرایا۔ آنحضرت صلعم ضماد کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ ضماد۔ عرب کے مشہور افسوں گر تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو۔

ضماد نے رُک رُک کر کہا۔ آپ پر ایک بڑے جن کا سایہ ہے ۔ میں آپ کو اپنا منتر سناتا ہوں۔ آپ سُن لیں ۔

آپ نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ضماد مجھ پر کسی جن وغیرہ کا سایہ نہیں ہے ۔ تو شعبدہ باز ہے۔ شعبدہ بازی سے لوگوں کو حیران بنا سکتا ہے ۔لیکن میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ خدا نے میری زبان میں یہ اثر دیا ہے کہ جو مجھ سے خدا کا کلام سُن لیتا ہے اس کے دِل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تو اپنا منتر سنانے سے پہلے کچھ مجھ سے سُن لے ۔ ضماد نے کہا۔ اچھا آپ ہی فرمایئے ۔ چنانچہ آپ نے پڑھنا شروع کیا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اسی سے اعانت چاہتے ہیں۔ جسے خدا ہدایت کرتا ہے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرتا ہے۔ اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے ، وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمدؐ خدا کا بندہ اور اُسکے رسول ہیں ۔

ضماد یہ الفاظ سُنکر کانپنے لگا ۔ اس نے کہا ۔مہربانی کرکے ذرا پھر یہی الفاظ دوبارہ بیان فرماویں ۔ آپ نے پھر یہی الفاظ دوہرائے ۔ ضماد کھڑا غور سے اور نہایت توجہ کے ساتھ سُننے لگا۔

جب آنحضرت صلعم چپ ہوئے ۔ تو اس نے کہا ۔ واہ واکس قدر شیریں ہے اس کلام میں ایک مرتبہ اور فرمایئے ۔ آپ نے پھر انہیں الفاظ کا اعادہ کیا ۔ ضماد نے کہا قسم ہے ان معبودوں کی جن کو میں آج تک پوجتا رہا ہوں۔ کہ میں نے بہت سے کاہن اور بہت سے ساحر بہت سے شاعر

اور بہت سے اہل زبان دیکھے۔ ان کے کلام سنے۔ لیکن ایسا جامع اور ایسا فصیح کلام کبھی نہیں سُنا۔ بلاشبہ آپ نبی ہیں رسول ہیں پیغمبر ہیں۔ میں خدا پر اس خدا پر جس نے آپ کے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپ کی رسالت پر ایمان لایا۔ اپنا دست مبارک بڑھایئے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے فوراً کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ آپ کو اس کے مسلمان ہونے سے بڑی مسرت ہوئی۔ ضماد نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے معبودان باطلہ کے پرستارو سنو اور کان کھول کر سنو۔ حضرت محمدؐ پر کسی جن وغیرہ کا سایہ نہیں ہے۔ یہ پیغمبر ہیں۔ خدا کی طرف سے اس کے بندوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہوئے ہیں۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ تم سب بھی مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم مسلمان بن کر انسان بن جاؤ گے۔

ابولہب کو۔ قریش کو۔ رؤسائے عرب کو۔ غرضیکہ تمام عربوں کو اس کی یہ گفتگو نہایت ناگوار گزری:۔

ابولہب جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اور بگڑتے ہوئے بولا جھوٹا ہے۔ تو فریبی ہے۔ تو نے ہم کو دھوکا دیا۔ خود ہی کہا۔ کہ میں تیرے بھتیجے محمدؐ کا علاج کروں گا۔ خود ہی مسلمان ہو کر دوسروں کو بھی دعوتِ اسلام دینے لگا۔ اگر مجھے عام خونریزی کا خدشہ نہ ہوتا۔ تو تجھے ابھی پکڑ کر ہلاک کر دیتا۔ ضماد نے کہا۔ اے سرکش ضدی انسان تجھے اسلام اور مسلمانوں سے عداوت ہے۔ تو مسلمان ہونے سے اس وجہ سے ڈرتا ہے۔ کہ اس سے تیرے اعزاز کو دھکا لگے۔ خاندانی منصب ہاتھوں سے نکل جائیگا۔ تو دنیا کا طالب ہے۔ دنیا کا کتا ہے۔ ابھی وقت ہے سوچ لے۔ سمجھ لے مسلمان ہو جا۔ ورنہ پچھتائے گا۔ خدا کی قسم روئے گا۔

ابولہب وفور غیظ وغضب سے کانپنے لگا۔ اور اس نے کہا او اجل رسیدہ انسان میری اور اس قدر گستاخی۔ ٹھہر میں تیری زبان تراش لونگا۔ تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔

ابولہب بڑھا۔ ضماد نے چلا کر کہا۔ ابولہب ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنا۔ ورنہ زندگی کا داغ ہے تجھے۔ میں ضماد ہوں۔ یمن کا مشہور افسوں گر۔ ابولہب ڈر گیا۔ اور رک گیا۔ اور کھڑا ہو کر

گالیاں دینے لگا۔

چونکہ اس نے اور تمام مجمع نے ضماد کے شعبدے دیکھے تھے۔ اس لئے سب پر اس کا رعب طاری ہو گیا۔ اور کسی کو اُس کے سامنے آنیکی جرأت نہ ہوئی۔ ابولہب نے اس خوف سے کہ کہیں اور لوگ مرعوب ہوکے مسلمان نہ ہو جائیں۔ سب کو منتشر کر دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو آنحضرت صلعم اور ضماد چلے گئے۔ چونکہ آج بازار کا آخری دن تھا۔ اس لئے سوداگر اسباب باندھ باندھ کر اونٹوں پر بار کر رہے تھے۔ نیز عام لوگ بھی چلنے لگے تھے روساء کے بھی ڈیرے اور خیمے لدنے لگے تھے۔ شام ہوتے ہوتے سب لوگ چلے گئے اور دن چھپتے تک لق و دق صحرا رہ گیا۔ یا روانہ ہونے والے آدمیوں کے پاؤں کے نشان باقی رہ گئے۔

ضماد آنحضرت صلعم سے اجازت لے کر یمن چلا گیا۔ آنحضرت صلعم مکہ معظمہ میں تشریف لے آئے اور چند روز کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہ کے ساتھ عقد کیا۔

حضرت صدیق اکبر رض کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح آنحضرت صلعم سے یگانگت بڑھائے آپکے دو صاحبزادیاں تھیں ایک حضرت اسماء اور دوسری حضرت عائشہ صدیقہ رض۔

عائشہ رض بھی ناکتخدا تھیں ان کی عمر صرف اس وقت چھ برس کی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رض نے خواہش کی کہ حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم اُسے اپنے حلقۂ ازواج میں لے لیں۔

آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی اس آرزو کو بسر و چشم منظور فرما چکے تھے اور حضرت عائشہ سے آنحضرت صلعم کا عقد ہو گیا اور رخصتی بعد میں قرار پائی۔ یہ تمام واقعہ سنہ ۱۰ھ نبوی میں ظہور پذیر ہوا۔

سولھواں باب (۱۶)

بیعت عقبیٰ اُولےٰ

اب سنہ ۱۰ھ نبوی ختم ہو گیا تھا۔ یہ سال مسلمانوں پر عموماً اور آنحضرت صلعم پر خصوصاً نہایت سخت گذرا ایسا سخت کہ مسلمانوں پر یہ سال عام الحزن یعنی غم کا سال مشہور ہو گیا اور آج تک تاریخوں میں اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی سال ابی طالب حضرت علی المرتضیٰ کے والد محترم اور آنحضرت صلعم کے عم شفیق مسلمانوں کے بہی خواہ رحلت فرما گئے اور اسی سال حضرت خدیجہ آنحضرت صلعم کی رفیقہ حیات ام المومنین اسلام اور مسلمانوں کی ہمدرد وفات پا گئیں اور اسی سال آنحضرت صلعم طائف تشریف لے گئے۔ اور اہل طائف نے آپ کے ساتھ بیمانہ اور انسانیت سوز سلوک کیا۔ قریش مکہ نے بھی اسی سال شقاوت و بربریت کی انتہا کردی۔ یہ سال واقعی ہمت شکن اور حوصلہ پست کرنے والا تھا۔ مگر حضور ہر غم کو نہایت صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ کسی غم کسی فکر اور کسی رکاوٹ نے بھی آں حضرت صلعم کے پائے استقلال کو متزلزل نہ ہونے دیا۔

مصیبت کی ہر کسوٹی نے آپ کو کندن بنا کر چمکا دیا سنہ ۱۰ھ نبوی ختم ہو کر سنہ ۱۱ھ نبوی کا آغاز ہوا آپ بدستور غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کرتے رہے کبھی ارقم کے مکان پر جمع ہوتے اور آنحضرت صلعم بھی وہیں تشریف لے جاتے اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور کبھی

مسلمان حضور اکرمؐ کے مکان پر آجاتے اور آپ وہیں وعظ و نصیحت فرماتے اور کبھی کسی دیگر جگہ جمع ہو جاتے۔ قریش کو بھی مسلمانوں کے جمع ہونے کی اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان ایک جگہ جمع نہ ہوں۔ مگر ان کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوتی تھی۔ مسلمان باوجود رکاوٹوں کے جمع ہوتے تھے۔

چونکہ کفار مکہ یہ دیکھ چکے تھے۔ کہ جو شخص بھی محمد صلعم سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔ کلام الہی سن لیتا ہے۔ باوجود شدید مخالفت کے مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس لیئے اب انہوں نے یہ کوشش شروع کی کہ کوئی آدمی آنحضرت صلعم سے نہ ملنے پائے۔ اہل مکہ کو تو منادی کے ذریعہ سے آپ سے ملنے کی ممانعت کر دی گئی۔

البتہ باہر سے جو لوگ آتے تھے۔ انہیں آتے ہی سمجھا دیا جاتا تھا۔ اور جب تک وہ لوگ مکہ میں مقیم رہتے کوئی نہ کوئی مخالف پارٹی کا آدمی ان کے ہمراہ لگا رہتا۔ اور اس بات کی سعی کرتا کہ وہ آنحضرت صلعم سے ملنے اور بات کرنے نہ پائے۔ ایک دن مکہ معظمہ کے گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں یہ خبر گرم ہوئی

طفیل بن عمرو قبیلہ دوس کا مشہور رئیس نواح یمن کا تاجدار بغرض سیاحت آرہا ہے۔ قریش نے اس کے استقبال کیلئے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ تیاریاں شروع کیں۔ طفیل بن عمر ایک مضبوط قلعہ کا مالک اور خود مختار بادشاہ تھا۔ اس کا قبیلہ دوس نواح یمن میں پھیلا ہوا تھا۔

اس زمانہ میں یمن ہرقل اعظم عیسائی بادشاہ کے زیر تحت تھا۔ اس کی طرف سے یمن میں ایک گورنر رہتا تھا۔ گویا یمن عیسائی حکومت کا ایک صوبہ تھا۔ طفیل بن عمرؓ کی حدود سلطنت سے یمن کی حدیں ملتی تھیں۔ یوں تو طفیل بن عمرو ایک چھوٹا سا بادشاہ تھا۔ مگر اسکی سلطنت نہایت مضبوط تھی۔ اس نے کبھی عیسائیوں کو اپنی حدود میں قدم نہ رکھنے دیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ عیسائیوں کی اس حکومت کو جو ربع مسکون پر چھائی ہوئی تھی۔ یورپ

اور ایشیاء کا کثیر حصہ جسکے زیر نگین تھا۔ اس چھوٹی سی عرب حکومت سے دبنا پڑتا تھا۔ تو کچھ بے نہ ہوگا۔

طفیل بن عمرو نہایت دانش مند بڑا مدبر کمال بہادر اور نہایت زبردست شاعر تھا تمام عرب میں اسکی شہرت تھی۔ جب کبھی وہ مکہ آتا تھا۔ نہایت شان سے اس کا استقبال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی اُسکے آنیکی خبر سُنکر قریش نے نہایت شان سے اُسکے استقبال کی تیاریاں شروع کیں۔ ادہر تیاریاں مکمل ہوئیں ادہر طفیل بن عمرو مکہ کے قریب آگیا۔

ایک دن آفتاب طلوع ہوتے ہی تمام سرداران قریش بڑی شان سے مکہ سے باہر نکلے۔ دُور تک پیدل اور رسالے راستہ کے ہر دو جوانب پھیل کر بڑی آن بان سے کھڑے ہو گئے۔

ہر سردار تاج زریں اوڑھکر اپنے قبیلہ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں بیرقیں اور پیادہ لوگ چلے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے پیدل پلٹنیں پلٹنوں کے پیچھے رسالے بڑی شان سے آرہے تھے۔ رسالوں کے درمیان ایک بڑا علم لہرا رہا تھا۔ اس علم پر ایک بت کی تصویر بنی ہوئی تھی علم کے سائے میں ایک دبیر عمر کا شخص مکمل عربی لباس پہنے۔ تاج اوڑھے عربی گھوڑوں پر سوار آرہا تھا۔

یہی طفیل بن عمر دوسی تھا۔ قریش نے اس کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا۔ سرداران قریش اس سے بغل گیر ہو کر ملے۔ عوام الناس نے قومی نعرے لگائے۔ سپاہیوں نے پرجوش ہو کر آسمان کی طرف تیر چلائے۔

مکہ کے باہر سے ہی جلوس کو ترتیب دے دیگئی۔ چونکہ ہزاروں آدمی تھے۔ اس لئے جلوس ایک میل لمبا ہو گیا۔ جس وقت جلوس مکہ کی طرف چلا۔ تو نقاروں پر چوٹ پڑی۔ ناقوس گھنٹے اور گھڑیاں بجائے جانے لگے۔ یہ جلوس بڑی شان و شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا۔

مکہ کے ہر خورد و کلاں نے ہر مرد و عورت نے اس جلوس میں شرکت کی۔ خانہ کعبہ تک آتے

آتے یہ جلوس اور بھی لمبا ہو گیا۔

چونکہ زمانہ سلف سے تمام عرب خانہ کعبہ کا احترام کرتے تھے۔ اس لئے طفیل حرم محترم کے قریب جا کر رکا۔ گھوڑے سے اترا اور حرم کے اندر داخل ہوا۔ اتفاق سے آنحضرت صلعم بھی حرم پاک میں موجود تھے۔ سرداران قریش کو اندیشہ تھا۔ کہ جو شخص آپ سے باتیں کر لیتا ہے۔ وہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے پہلے ہی طفیل کو آنحضرت صلعم کی شخصیت سے آگاہ کرنا چاہا۔

چنانچہ عتبہ نے طفیل سے مخاطب ہو کر کہا اے فخر یمن آجکل ہمارے شہر میں ایک جادوگر (نعوذ باللہ من ذٰلک) پیدا ہو گیا ہے جس نے تمام شہر میں فتنہ ڈال رکھا ہے۔ باپ کو بیٹے سے بیٹے کو باپ سے بھائی کو بھائی سے اور خاوند کو بیوی سے الگ کر دیا ہے۔ وہ ایسا ساحر ہے۔ کہ جو شخص اس سے بات کر لیتا ہے۔ اسی کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر رشتہ داروں سے قطع تعلق کر کے اسی کے ہمراہ ہو لیتا ہے۔ آپ کو اس لئے آگاہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ آپ محتاط رہیں۔ اور اس جادوگر محمّد صلعم سے بات تک نہ کریں۔ طفیل نے کہا یہ عجیب بات ہے اس جادوگر کا کیا نام ہے۔

عتبہ۔ محمّد۔

طفیل۔ آخر وہ کیا کہتا ہے۔

عتبہ۔ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ بتوں کو چھوڑ کر ان دیکھے خدا کی پرستش کرو۔ طفیل نے ہنس کر کہا۔ یہ اور بھی عجیب بات ہے۔ اطمینان رکھو۔ میں اس سے بات نہ کرونگا۔ شاید یہ وہی شخص ہے۔ جس نے یمن کے مشہور افسوں گر ضماد ازدی کو بھی اپنے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔

عتبہ نے کہا۔ ہاں یہ وہی شخص ہے۔ آپ دیکھ نہ لیجئے۔ وہ سامنے کھڑا ہے۔ آنحضرت صلعم کو دیکھا۔ آپ کے روئے مبارک میں بھی کشش تھی۔ اس کا دل بھی آنحضرت صلعم کی طرف کھنچے لگا۔ لیکن اس نے فوراً ہی نظر دوسری طرف پھیر لی۔ اور عتبہ سے کہا۔ واقعی یہ کوئی بڑا جادوگر معلوم

ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی صورت میں بھی کشش ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ اس کی گفتگو سن کر بہک جاؤں۔ تم تھوڑی سی روئی منگا دو۔ تاکہ میں اپنے کانوں میں ٹھونس لوں۔ اور اس کی بات میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

عتبہ نے فوراً روئی منگائی۔ طفیل نے اپنے دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور چلا گیا۔ وہ عتبہ ہی کے پاس ٹھہرا۔ کئی روز کے بعد ایک دن صبح بہت سویرے خانۂ کعبہ میں آیا۔ اس وقت اس کے ساتھ اہل مکہ میں سے کوئی نہ تھا۔ صرف اسی کے ہی چند آدمی تھے۔ جب وہ خانہ کعبہ کے قریب پہنچا۔ تو اس نے آنحضرت صلعم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آنحضرت صلعم اس وقت قرأت سے نماز پڑھ رہے تھے۔ اگرچہ طفیل نے اسوقت بھی کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی۔ لیکن آنحضرت کی قرأت کی آواز کچھ کچھ سنائی دے رہی تھی۔ اسے آپ کی آواز نہایت ہی بھلی معلوم ہوئی۔ اس نے کانوں سے روئی نکال کر پھینک دی اور نہایت غور اور توجہ سے قرأت سننے لگا۔

جب آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ بڑھ کر آنحضرت صلعم کے پاس جا بیٹھا اس نے کہا۔ اے ساحر مکہ تم ابھی ابھی کیا کر رہے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔

طفیل نے کہا۔ نماز کیا ہوتی ہے۔ اور کیوں پڑھی جاتی ہے۔

آنحضرت صلعم نے جواب دیا۔ نماز خدا کی عبادت ہے۔ اور خدا کی عبادت نجات حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔

طفیل۔ خدا کون ہے۔

آنحضرت صلعم۔ خدا وہ ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔ جو انسان کو زندگی دیتا ہے پرورش کرتا ہے۔ اور عمر طبعی کو پہنچا کر موت کی گود میں سلا دیتا ہے۔ عزت اور ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہیگا۔ اس نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔ بڑی قدرت اور بڑی شان والا ہے۔

طفیل۔ آپ کون ہیں۔

آنحضرت صلعم۔ میں خدا کا بندہ اور اُس کا رسُول ہوں۔ مجھ پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے

طفیل۔ آپ نہیں جانتے۔ کہ میں کون ہوں۔

آنحضرت صلعم۔ میں نہیں جانتا!

طفیل۔ میں خود بتاتا ہوں۔ میرا نام طفیل ہے۔ نواح یمن کا رہنے والا ہوں۔ قبیلہ دوس کا تاجدار ہوں۔ زبردست شاعر ہوں۔

آنحضرت صلعم۔ میں سمجھ گیا۔ تم شاید اپنی زبان دانی پر ناز کرتے ہو۔

طفیل۔ یہی بات ہے مجھے فخر ہے کہ میرا کلام آج عرب بھر میں ضرب المثل کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔

آنحضرت صلعم۔ مجھے معلوم ہے۔

طفیل۔ شاید آپ بھی شاعر ہیں۔

آنحضرت۔ صلعم نے مسکرا کر کہا۔ میں شاعر نہیں ہوں۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ نہیں جانتا مجھ پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے۔ وہ میں دوسروں سے لکھوا لیتا ہوں۔ طفیل نے کہا اچھا آپ مجھے خدا کے کلام کچھ حصہ سنائیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ سُنو طفیل غور اور توجہ سے سُنو مجھے تم دانش مند شخص معلوم ہوتے ہو۔ اللہ جل شانہٗ۔ سورہ انعام میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور ثم الذین کفروبرحمھم یعدلون۔ ھوالذی خلقکم من طین۔ ثم قضیٰ اجلا و اجل مُسمّی عندہٗ ثم انتم تمترون۔

ترجمہ۔ تعریف کے قابل وہ خدا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ پھر وہ لوگ جو کافر ہیں۔ اپنے رب کا انکار کرتے ہیں۔ کسی کو برابر کہتے ہیں۔ خدا تو وہ ہے

جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور پھر موت مقرر کی ہر شخص کیلئے موت مقرر کی گئی ہے۔ پھر تم کس بات سے شبہ کرتے ہو۔ اور اللہ ہی ہے۔ آسمانوں پر اور زمین پر وہ تمہارے آہستہ بولنے اور پکار کر بولنے کو جانتا ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اس سے بھی واقف ہے۔ اور ان کے پاس نشانی جو ان کے پروردگار کی طرف سے آتی ہے۔ وہ اس سے منہ پھیرتے ہیں۔ یقیناً انہوں نے حق کو جھٹلایا اور جس بات کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ وہ آنیوالی ہے۔ ہم نے ان سے پہلے زمانہ والوں کو سب کچھ دیا تھا۔ زمین کا مالک کیا تھا۔ آسمان سے پانی برسایا تھا۔ نہریں جاری کی تھیں۔ بس انہوں نے گناہ کیا ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور اُن کے بعد اور لوگ پیدا کئے۔

طفیل نہایت غور سے بڑی توجہ سے اور پورے انہماک سے سن رہا تھا۔ اس کا دل کلام الٰہی سن کر مرغوب ہوتا جاتا تھا۔ جسم کانپ رہا تھا۔ اور آنکھیں بہہ رہی اس کا اظہار کر رہی تھیں۔ جب آنحضرت صلعم خاموش ہوئے۔ تو بیساختہ طفیل نے کہا۔ یا محمدؐ میں نے آج تک ایسا فصیح ایسا بلیغ ایسا پُر اثر کلام نہیں سُنا۔ میں اہل زبان ہوں شاعر ہوں بڑے بڑے اہل کمال زبان دانوں کے کلام سنے۔ مگر کسی کے کلام میں ایسا اثر ایسی شوخی اور اس قدر فصاحت نہیں دیکھی۔ یہ کلام بشر کا کلام نہیں ہے۔

بے شک یہ خدائے عز و جل کا کلام ہے۔ میں اس کلام پر ایمان لے آیا۔ اس لئے مجھے اپنے مذہب میں داخل کر لیجئے۔

آنحضرت صلعم کو شاہ یمن کی یہ گفتگو سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ اور مسرت کی بات بھی تھی۔ آج تک جو لوگ مسلمان ہوئے وہ مفلس و کمزور تھے۔ آج جو شخص مسلمان ہونے پر آمادہ ہوا وہ تاجدار تھا۔ نواح یمن کا والی تھا۔ خود مختار بادشاہ تھا۔ نہایت مدبر اور پرلے درجے کا ذی ہوش تھا۔ شاعر بھی تھا۔ آنحضرت صلعم نے فوراً کلمہ پڑھا کر اُسے مسلمان کیا۔ مسلمان ہو کر طفیل نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ کو آپ کی قوم آپ کے ہم

وطن تکلیفیں دیتے ہیں۔ برا کہتے ہیں۔ جادوگر بتاتے ہیں۔ میں نے سن لیا ہے۔ کہ آپ پر مکہ معظمہ کی زمین تنگ ہو گئی ہے۔ آزادی سے پروردگار عالم کی عبادت نہیں کر سکتے آپ تمام مسلمانوں کو ہمراہ لے کر میرے ساتھ چلیئے۔ میں اپنا تاج آپکے سر پر رکھدوں گا۔ میری قوم مسلمان ہو کر آپ کی اطاعت کرے گی۔ میرا ملک آپ کا ملک ہو گا۔ میں آپ کا غلام بن کر رہوں گا۔ اور آپ کی خدمت کروں گا۔

مسلمان دارالامن میں پہنچکر آزادی سے عبادت کریں گے اور مکہ والوں کی مجال نہ ہو گی کہ وہ کسی ایک مسلمان کو بھی ستائیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اے تاجدار یمن تم نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں یہ صحیح ہے کہ میں اور تمام مسلمان مصیبت میں ہیں ہم آزادی سے عبادت نہیں کر سکتے اور آزادی سے مکہ میں چل پھر نہیں سکتے۔ آزادی سے تبلیغ اسلام نہیں کر سکتے۔ لیکن کوئی مسلمان یا خود میں کسی جاہ منصب کے خواہاں نہیں۔ ہم نہ ملک چاہتے ہیں اور نہ حکومت و تخت کے خواستگار نہ تاج کے طلبگار۔ تمام ممالک تمام سلطنتیں اور ساری حکومتیں۔ خدا ہی کو زیبا ہیں وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے ہم صرف خدا کی عبادت کرنا اور اُسے رضا کرنا چاہتے ہیں۔

میں یا کوئی مسلمان آپ کی سلطنت میں پناہ لینی نہیں چاہتا۔ خدا کے بندے خدا ہی کی پناہ چاہتے ہیں۔ وہی ہمیں پناہ دے گا۔ جس طرف جس ملک کے جس خطہ میں اس کا حکم ہو گا۔ ہم ہجرت کر کے جائیں گے۔ آپ سے میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ آپ اپنی سلطنت میں جا کر اپنی رعایا کو مسلمان کریں۔ لیکن جبر سے نہیں بلکہ تبلیغ کے ذریعہ سے فرمایئے۔ کیا آپ کو یہ بات منظور ہے۔

طفیل نے کہا۔ بدل و جان منظور ہے۔ چونکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس لیے مجھے اندیشہ نہیں۔ بلکہ یقین ہے کہ کفار مکہ میری وہ قدر و منزلت نہ کرینگے۔ جو کہ اب تک کرتے ہیں۔ اس لیئے اے خدا کے حبیب میں آج ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اور اپنے

وطن میں جا کر اسلام کی تبلیغ کروں گا۔ مگر اے خدا کے لاڈلے پیغمبر جب آپ کو آپ کی قوم ستائے اور آپ ہجرت کریں۔ تو مجھے آپ ضرور اطلاع دیں۔ میں آ کر حضور اکرم کو اپنے وطن لے جاؤں گا۔

آنحضرت نے فرمایا۔ طفیل میں کوئی وعدہ کرنے سے مجبور ہوں میں وہ کرتا ہوں جو میرے لیئے خدا کا حکم ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ مجھے یہاں سے ہجرت کرنا ہو گا۔ مجھے معراج کے روز وہ مقام بھی دکھایا گیا ہے۔ جہاں مجھے ہجرت کر کے جانا ہے۔ پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مجھے کونسی جگہ ہجرت کر کے جانا پڑے البتہ اگر تمہارے ملک میں حکم ہجرت ہوا تو میں خود تمہارے پاس آؤں گا۔ تمہارے لیئے دعا کرتا رہوں گا۔ کہ خدا تم کو جادۂ مستقیم سے سرکنے نہ دے اور تمہارا اعزاز روز افزوں ترقی کرتا رہے۔

طفیل نے جھک کر آنحضرت صلعم کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ اور اٹھ کر چلا گیا۔ آنحضرت صلعم بھی اٹھ کر اپنے مکان کی طرف تشریف لے گئے۔

طفیل کا مشرف بہ اسلام ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس کے عتبہ کے مکان پر پہنچنے سے پہلے سارے مکہ میں اس کے مسلمان ہونے کی خبر اڑ گئی۔ گویا جس نے بھی سنا حیران رہ گیا۔ اکابر قوم نے کف افسوس ملے۔

چونکہ اب تک مفلس اور کمزور آدمی مسلمان ہوتے رہے تھے۔ اس لئے انہیں مزید اندیشہ نہ تھا۔ کہ ایک نہ ایک دن وہ سختیوں سے گھبرا کر مظالم سے تنگ آ کر آنحضرت صلعم کا ساتھ چھوڑ دینگے اور اسلام سے منحرف ہو کر اپنے آبائی مذہب میں آ شامل ہونگے۔ مگر آج طفیل کے اسلام لے آنے سے ان کی یہ امید مٹ گئی۔ ایک تاجدار کے مسلمان ہونے سے ان کے تمام ارادے خاک میں مل گئے۔

جب طفیل عتبہ کے مکان پر پہنچے۔ تو ابولہب۔ ابوجہل۔ ابوسفیان۔ ولید امیہ عاص اور نعران کے پاس پہنچے۔ نہایت ادب سے ایک طرف بیٹھ گئے۔ ابولہب نے موقع پا کر

کہا۔ اے تاجدار زمین تم مکہ کے بڑے جادوگر سے ملے

طفیل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا اے قریش جسکو تم مکہ کا بڑا جادوگر کہتے ہو۔ وہ جادو گر نہیں ہے۔ وہ خدا کا رسول ہے۔ اس پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ تم پر افسوس ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے:۔

اگرچہ تمام مکہ والوں کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ طفیل مسلمان ہو چکے ہیں۔ لیکن ولید نے مصنوعی حیرت سے طفیل کو دیکھ کر متعجب بازانداز سے کہا۔ کہیں آپ پر بھی تو اُس نے محمدؐ جادو نہیں کر دیا۔ لیکن آپ تو نہایت دانش مند اور بڑے مدبر ہیں۔ آپ پر اس کا جادو اثر نہیں کر سکتا۔

طفیل نے کہا۔ اے مکہ کے معزز لوگو! سنو میں مسلمان ہو گیا ہوں اور تم کو بھی دعوت اسلام دیتا ہوں آؤ خدا کے سامنے جھکو۔ تم نے اپنی سرکشی سے جو فتنہ اٹھا رکھا ہے اُسے مٹا ڈالو اور سب مسلمان ہو جاؤ۔ مجھے تعجب ہے کہ تم کیوں مسلمان نہیں ہو جاتے۔ تمام لوگوں کو طفیل کی یہ صاف گوئی بہت ناگوار گذری۔ مگر طفیل سے ڈرتے تھے۔ اس لیئے خون کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو گئے۔ اُس کے سامنے کچھ نہ کہہ سکے۔ البتہ بڑے بڑے منہ بنا کر اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔ جب تمام لوگ چلے گئے۔ تو طفیل نے اپنے لوگوں کو کوچ کا حکم دیا۔ حکم کی دیر تھی کہ تمام سامان اونٹوں پر بار کر دیا گیا۔ اور ظہر کے وقت طفیل نے مع اپنے آدمیوں کے کوچ کر دیا۔ چونکہ اُن سے اہل مکہ ناخوش ہو گئے تھے۔ اس لیئے انہیں رخصت کرنے کیلیے کوئی نہ آیا۔ طفیل نے بھی ان کے نہ آنیکی پرواہ نہ کی اور وہ روانہ ہو گئے۔ طفیل کے مسلمان ہونے کا یہ مشہور واقعہ ۱۱ ؁ نبوی میں واقع ہوا تمام مسلمانوں کو ان کے مسلمان ہونے سے اتنی خوشی ہوئی۔ جتنی کہ کفار مکہ کو ناراضگی ہوئی۔ عرصے تک مکہ میں طفیل کے مسلمان ہونے کا تذکرہ ہوتا رہا۔ ابھی تک یہ تذکرہ عام ہی تھا کہ حج کا زمانہ آگیا۔ اطراف ملک سے لوگ جوق در جوق حج کے لیئے آنے لگے۔

چونکہ اتنے لوگوں کی مکہ میں گنجائش نہ تھی۔ اس لئے ہزاروں آدمی باہر کھلے میدان میں خیمہ زن تھے۔ آنحضرت صلعم کا معمول تھا۔ کہ حج کے ایام میں خاص طور پر تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اور کفار مکہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا قانون تھا۔ کہ ایام حج میں خاص طور پر ہر شخص پر سے پابندیاں اٹھا لی جاتی تھیں۔ اگر اس زمانہ میں جنگ ہو رہی تھی تو وہ بھی بند کر دی جاتی تھیں۔ ہر قبیلہ کے ہر شخص کو کامل آزادی مل جاتی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں پر سے بھی پابندیاں اٹھ جاتی تھیں۔ اور وہ ہر طرح سے آزاد ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے آپ ان ایام میں عام طور پر تبلیغ کیا کرتے۔

گذشتہ سال یثرب کے چھ آدمی مسلمان ہو کر یہ وعدہ کر گئے تھے کہ وہ اپنے شہر میں تبلیغ اسلام کریں گے۔ چنانچہ آپ کو یقین تھا کہ وہ لوگ حج کرنے کی بڑی تمنا تھی۔ یثرب سے کئی قافلے آچکے تھے۔ ان قافلہ والوں سے آپ کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ وہ لوگ بھی آئے ہوئے ہیں۔ آپ ان کی تلاش میں تھے۔

اتفاق سے ایک روز ان لوگوں میں سے رافعؓ بن مالک اور اسعد بن زرارہ ملے ان دونوں نے بڑھکر آنحضرت صلعم سے مصافحہ کیا۔ آپ نے دریافت کیا اور لوگ بھی آئے ہیں یا نہیں؟ اسعدؓ نے جواب دیا آئے ہیں اور آپ سے ملنے کے متمنی ہیں۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا تمہاری تبلیغ اسلام کا کیا نتیجہ رہا

اسعد نے جواب دیا۔ کئی آدمی مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ کو یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ رافع نے کہا۔ یا رسول اللہ ہم آپ سے اطمینان کی صورت میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم سب لوگ منیٰ (عقبہ) کی گھاٹی میں آج رات کو وہیں آجاؤ۔ ملاقات ہوگی۔ رافع نے کہا۔ بہت اچھا ہم سب وہیں حاضر ہوں گے۔

اس قرارداد کے بعد آنحضرت صلعم ان سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر آگئے اور رات کو عشا کی نماز پڑھ کر تنہا روانہ ہوئے اور مکہ سے نکل کر عقبہ کی گھاٹی میں پہنچے۔ اگرچہ چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی

ریگ زار پر پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن عقبہ کی گھاٹی میں پہاڑی کے دونوں طرف بلند ہونے والی ٹیلوں نے چاندنی کو آنے سے روک دیا تھا۔ مگر چاندنی کی روشنی یا ضیاء نے پھر بھی کچھ نہ کچھ اجالا کر ہی دیا تھا۔ جب آنحضرت صلعم گھاٹی کے اندر پہنچے تو وہاں بارہ آدمی موجود تھے۔ انہوں نے پرخلوص جوش مسرت سے آپ کا استقبال کیا۔ آپ پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ ان بارہ آدمی میں ابوامامہ رضؓ اسعد بن ازراہ عوف بن حارث۔ رافع بن مالک قسطبہ بن عمر یہ۔ پانچ آدمی تو وہی ہیں۔ جو کہ گذشتہ سال مسلمان ہوئے تھے۔ اور سات معاذ بن الحارث عوف بن الحارث کے بھائی۔ زکوان بن عید۔ خالد بن مخلدؓ۔ عبادہ بن صامت عباس بن عبادہ ابوالہیثم بن الہیتان۔ عویم بن ساعدہ تھے۔ جو کہ ابوامامہ رضؓ وغیرہ کی سعی جمیلہ سے مسلمان ہوئے تھے۔ ان بارہ مسلمانوں میں ابوالہیثم رضؓ بن الہتیان اور عویم بن ساعدہ قبیلا اوس سے تھے اور باقی دس حضرات قبیلہ خزاع سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ نے فرمایا۔ اے یثربی مسلمانو! مجھے تمہارے آنے سے بڑی مسرت ہوئی ہے مسلمان کوئی ہو کہیں رہتا ہو۔ خواہ کسی طبقہ کا ہو کل مومن اخوۃ۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں کے مصداق حقیقی بھائیوں سے زیادہ سمجھے جاتے ہیں۔ یاد رکھو جو سچا اور راسخ العقیدہ مسلمان ہوگا تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھے گا۔ اور بھائی کی طرح سے عزیز رکھے اسلام قومی امتیاز مٹانے ادنےٰ اور اعلےٰ کا تفرقہ مٹانے اور مساوات کا سبق پڑھانے کے لئے آیا ہے ایک مفلس سے مفلس مسلمان کا بھی وہی مرتبہ ہے جو ایک رئیس ایک امیر ایک وزیر ایک بادشاہ کا ہے۔ جو مسلمان اپنے کسی بھائی کو حقیر و ذلیل سمجھے گا۔

خدا اس سے ناراض ہوگا۔ وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ مسلمان وہ ہے جو کہ صرف ایک خدا کی پرستش کرے اور کسی کو خدا کا شریک نہ سمجھے۔ چوری نہ کرے۔ شراب نہ پئیے کسی پر تہمت نہ لگائے۔ کسی کو غیبت نہ کرے جوآ نہ کھیلے۔ زناہ کاری نہ کرے۔ صوم اور صلوٰۃ کا پابند رہے۔ صاحب نصاب ہونے پر فریضہ حج ادا کرے۔

مسلمانوں کی ہر ممکن امداد کرے۔ حقوق العباد کا خیال رکھے۔ مسلمان نیکی کا نمونہ ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسلام انسانوں کو انسان بنانے آیا ہے۔ کیا تم اقرار کرتے ہو کہ مسلمان ہو کامل انسان اور پکے مسلمان بنو گے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کرو کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور رہے گا۔ اور ہم اُسکی عبادت کرینگے۔ کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ شراب نہ پئیں گے۔ جوا نہ کھیلینگے۔ زناہ نہ کریں گے۔ کسی پر تہمت نہ لگائیں گے۔ اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔ چغلی نہ کرو گے۔ اور ہر اچھی بات میں نبی کی اطاعت کرو گے سب نے ایک ایک کرکے آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان تمام باتوں کا اقرار کیا۔ یہ طریقہ بعیت کرنیکا تھا۔ سب سے پہلے عقبہ کے مقام پر یثرب کے مسلمانوں نے آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بعیت کی۔

یہ بعیت عقبیٰ اُولےٰ کے نام سے مشہور ہے۔ جو ۱۲ سنہ نبوی میں واقع ہوئی جب تمام لوگ بعیت کر چکے تو رافع بن مالک نے کہا یا رسول اللہ ہم چاہتے کہ آپ کوئی ایسا آدمی ہمارے ہمراہ کردیں۔ جو قاری ہو مبلغ ہو۔ شریعت سے خوب واقف ہو اچھی طرح سے تقریر کر سکتا ہو۔ دشمنوں کی کثرت کفار کے جور و جبر سے گھبرائے نہ ڈرے

آنحضرت نے فرمایا۔ رافع مسلمان بغیر خدا کے کبھی کسی سے نہیں ڈرتا مسلمان کی شان یہی ہے۔ کہ ستم سہے۔ جفائیں برداشت کرے۔ راہ خدا میں شہید ہو جائے۔ مگر نہ ڈرے۔ نہ گھبرائے۔ نہ راہ مستقیم سے ایک انچ پیچھے ہٹے

میں کل صبح تمہارے پاس مصعب بن عمیر کو بھیجوں گا۔ وہ تمہارے ہمراہ یثرب میں جا کر تبلیغ کریں گے۔

رافع نے کہا۔ بہت خوب - اب دعا فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ یثرب والوں کو مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آنحضرت صلعم نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی - چونکہ اب کچھ اور کہنا سننا باقی

نہ رہا تھا۔

اس لیئے آپ اُٹھے۔ آپ کے ہمراہ یثرب والے بھی اُٹھے۔ وہ سلام کر کے خاموشی سے چلے گئے۔ اگلے دن آپ نے معصب بن عمیر کو یثرب کے مسلمانوں کے پاس بھیجدیا۔ یہ لوگ حج کر کے یثرب کی جانب روانہ ہو گئے۔

سترہواں باب (۱۷)

حارثہ دشمنوں کے خیموں پر

حارثہ اور اس کے ساتھیوں کو قافلہ والوں نے ایک نخلستان میں لے جا کر ان کا علاج شروع کیا۔ عرصے تک علاج کرتے رہے۔ ان کے ساتھ خیمے تھے اونٹ تھے۔ حارثہ کے ہمراہیوں کے کچھ اونٹ مر گئے تھے۔ کچھ باقی رہے تھے۔ وہ سب نخلستان میں خیمے نصب کیئے پڑے تھے۔ اس فکر میں تھے۔ کہ جب حارثہ اور ان کے ساتھیوں کو آرام ہو جائے۔ تو کہیں اور جا کر قیام کریں لیوں تو بادیہ نشیناں عرب کسی جگہ رہنے کے عادی نہ تھے۔ ہمیشہ چلتے پھرتے رہتے تھے۔ جس جگہ شکار کی افراط اور پانی کی بہتات ہوتی سال دو سال قیام کرتے اور پھر چلدیتے۔ مگر یہ نخلستان جس میں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ایسا تھا کہ اس میں نہ درخت تھے نہ سبزہ تھا کنواں بھی معمولی سا تھا۔ پانی کی قلت تھی۔ اس لیئے وہ اس جگہ سے کوچ کرنا چاہتے تھے حارثہ اور ان کے ہمراہیوں کی بیماری نے طول کھینچا اور مجبوراً انہیں قیام کرنا پڑا۔ عربوں کی گھٹی میں آزادی پڑی ہوئی ہے۔ اور جب وہ ہوش سنبھالتے ہیں۔ جد وجہد کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ تو خود کو آزاد دیکھتے ہیں۔ آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہیں انکی انائیں اور انکی۔ مائیں اور ان کی دایائیں ان کی مائیں عہد طفلی سے انہیں آزادی کی نعمت اور غلامی کی ذلت آفرین زندگی کے افسانے سنا سنا کر ان میں حریت اور آزادی کی روح کوٹ کوٹ

کر بھر دیتی ہیں۔ کسی کی تہ یا قیادت کسی کی حکومت برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ وہ آزادی کے ایسے دلدادہ بنجاتے ہیں۔ کہ شہروں اور قصبوں میں مکان بنا کر اس لیئے رہنا پسند نہیں کرتے۔ کہ اجتماعی زندگی و تمدن میں بھی انہیں غلامی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگرچہ بادیہ نشینی سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ ہر وقت جفاکش رہنا پڑتا ہے۔ ڈیروں اور خیموں میں رہ کر زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ ریگ زار کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ باد سموم کے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ مگر وہ تمام سختی ہنسی سے اس لیئے برداشت کر لیتے ہیں۔ کہ حریت اور آزادی کی فطری نعمت سے بہرہ ور رہتے ہیں۔ عرب آزادی اور حریت کے فدائی ہیں کہ کسی غیر کی سیاست، تو کیا اپنی ہی قوم کے کسی دوسرے قبیلہ کی حکومت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کا مقولہ ہے کہ قدرت نے آزاد پیدا کیا ہے۔ آزاد ہی رہنا چاہئیے۔ غلامی سے موت کو بہتر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں نے تمدن اور معاشرت میں کوئی ترقی نہ کی۔ تمدن اجتماعی بود و باش میں ترقی کر سکتا تھا۔ وہاں اجتماعی زندگی کا کوسوں بھی پتہ نہ تھا۔ جس قافلہ نے حارثہ اور اس کے ہمراہیوں کو موت کی آغوش سے نکالا۔ وہ بنو ثعلب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قافلہ کا سردار حمیر تھا۔ اگرچہ حمیر اور اس کے ساتھیوں کو پانی کی قلت اور اناج کی کمی کے باعث اس چھوٹے سے نخلستان میں رہنے سے سخت تکلیف تھی۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ حارثہ اور اسکے ہمراہیوں میں اس قدر توانائی نہ آئی تھی۔ کہ انکو کہیں اور لے جایا جائے اور صعوبات سفر برداشت کر سکتے۔ اگرچہ ان کا علاج کرتے۔ ایک دو ماہ یا ایک دو سال نہیں۔ بلکہ پورے پانچ سال گذر گئے تھے۔ اتنی مدت کسی ایک جگہ قیام کرنا۔ عربوں کی فطرت کیخلاف تھا۔ مگر جو کچھ لوگ ان کے مہمان تھے یا جنہیں انہوں نے مہمان بنالیا تھا۔

البتہ سب کی بیماری نے طول کھینچا اور انہیں آبائی شرافت مہمانوں کی خدمت پر مجبور کرتی رہی۔ اگرچہ حمیر کو یہ معلوم تھا کہ حارثہ قبیلہ بنو بجر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور قبیلہ بنو بجر وہ تھا۔ جو بنو ثعلب سے پورے چالیس سال تک نبرد آزما رہا تھا۔ ان ہر دو قبائل میں

اب بھی عناد باقی تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے کی ایذا رسائی میں کوشش کرتا رہتا تھا۔ مگر حمیر اور اُس کے ساتھی قومی عناد اور نفرت کو بھول گئے تھے۔ دشمن کے قبیلہ کا ایک فرد اُنکے قبیلہ میں مقیم تھا۔ ان کا مہمان تھا۔ اُن کے قبیلہ میں بیمار پڑا تھا۔ وہ اسکی خدمت کر رہے تھے اسکی اور اُسکے ساتھیوں کی وجہ سے ہر طرح کی تنگی اٹھا رہے تھے۔ مگر ان کی پیشانی پر شکن نہ آتا تھا اس قدر طویل عرصہ گذر جانے پر بھی ان کے تیور نہ بدلے تھے۔ وہ خود بھوکے رہتے تھے۔ مگر مہمانوں کو جو کچھ میسر آتا تھا۔ کھلاتے تھے:۔

حارثہ اور اُسکے ہمراہیوں کی بیماری نے اس لیئے طول کھینچا کہ اُن کے آبلے بڑے بڑے تھے اور آبلے پھوٹ کر زخم بن گئے تھے۔ جب زخم مندمل ہونے کو آتے تو یہ لوگ چلنے پھرنے لگ جاتے تھے۔ تاکہ کسی طرح سفر کرنیکے قابل ہو سکیں اور اپنے میزبان کا شکریہ ادا کر کے جمیلہ۔ رقیہ اور دوسری عورتوں اور مردوں کی تلاش میں جائیں۔ جنکی یاد حارثہ کے لیئے سوہان روح ثابت ہو رہی تھی۔

چونکہ وہ جلدی کرتے تھے۔ اس لیئے انگور پھٹ کر زخم تازہ ہو جاتے تھے۔ اور پھر مجبوراً انہیں بستر پر پڑنا تا تھا۔ آخر انہوں نے تہیہ کر لیا۔ کہ اس مرتبہ جب تک انہیں بالکل آرام نہ ہو جائے گا۔ چلنا پھرنا تو کیا حرکت بھی کرینگے۔

چنانچہ وہ بستر پر دراز رہے۔ کسی نے بھی پورے چھ ماہ تک اُٹھنے اور اٹھ کر چلنے پھرنے کی کوشش نہ کی۔ اس طویل آرام کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے زخم بالکل اچھے ہو گئے۔ صحت عود کر آئی۔ اور وہ سفر کے قابل ہو گئے۔ چنانچہ ایک دن حارثہ حمیر کے خیمے پر گیا۔

حمیر کمبل کے فرش پر بیٹھا تھا۔ حارثہ نے دیکھا کہ ایک اعرابی حمیر کے سامنے بیٹھا تھا اسکی ڈاڑھی اُسکے کپڑے اُسکے پاؤں سب گرد آلود تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے وہ کہیں سے سفر کیئے چلا آ رہا تھا۔

جب حارثہ بیٹھ گیا تو حمیر نے اس سے خطاب کر کے کہا۔ حارثہ اچھا ہوا تم آ گئے ہو میں تم کو اس وقت خود بلانے والا تھا۔ سنو یہ اعرابی کیا کہتے ہیں۔ حارثہ کو یہ خیال ہوا کہ آنیوالا اعرابی قبیلہ بنو قحطان کے پاس سے آیا ہے۔ جمیلہ۔ سعدی اور رقیہ کی کچھ خبر لایا ہے۔ اس نے خوش ہو کر دریافت کیا۔ یا سیدی۔ یہ اعرابی کیا فرماتے ہیں؟ حمیر نے کہا کہ یہ مکہ سے آ رہے ہیں۔ وہاں کی عجیب و غریب خبریں بیان کرتے ہیں۔ حارثہ نے سمجھا کہ شاید یہ اعرابی قیس کا کچھ ذکر کر رہا ہوگا۔ غالباً قیس کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ اسکی بیٹی جمیلہ بچا لی گئی ہے۔ اور وہ جمیلہ و سلمیٰ کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا ہوگا۔

وہ جانتا تھا کہ اگر قیس کو جمیلہ مل گئی تو اُسے وہ قتل کر ڈالیگا اور شاید اپنی بیوی سلمیٰ کو بھی زندہ نہ چھوڑے اور پھر جمیلہ کو بچانیوالے پر حملہ آور ہو چونکہ قیس بنو تمیم سے تھا۔ اور یہ قبیلہ زور آور تھا۔ اسکے مقابلہ کی تاب نہ حارثہ میں تھی اور نہ حارثہ کے میزبان حمیر میں اس لیئے حارثہ کو کچھ فکر ہوا۔ اس نے دبی آواز سے کہا۔ کیا خبریں ہیں؟ حمیر نے کہا مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ خدا نہیں ہیں۔ عربستان میں ہزاروں بت پوجے جاتے ہیں گے۔ ہزاروں خدا نہیں ہو سکتے۔ خدا ایک ہے۔ اُس نے دنیا و جہاں کو پیدا کیا ہے۔ وہ آسمانوں کے اوپر رہتا ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے موت اور زندگی اس کے قبضے میں ہے۔ وہ بڑی قدرت والا ہے۔ خود کو خدا کا رسول بتاتا ہے۔

اُس نے مکہ میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ بہت سے لوگ آبائی مذہب کو چھوڑ کر اُسکے مذہب میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ اعرابی کہتے ہیں کہ وہ ایسا فصیح البیان ہے۔ کہ جو اسکی گفتگو سنتا ہے۔ اس سے ایک دفعہ بات کر لیتا ہے۔ اور کچھ ایسا اُسکے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ کہ ہزاروں سختیاں کرنے پر بھی اس کا مذہب نہیں چھوڑتا۔ کیا یہ عجب بات نہیں ہے۔ حارثہ؟

حادثہ نے کہا۔ نہایت عجیب بات ہے وہ کون شخص ہے یا سیدی حمیر نے کہا۔
وہ نہایت معزز قبیلہ کا ایک فرد ہے آل ہاشم میں سے ہے۔ مکہ کے عبدالمطلب کا پوتہ اور اس کا نام محمدؐ ہے۔

حارثہ نے کہا۔ کیا تمام مکہ والوں نے اس کا مذہب قبول کر لیا ہے۔

حمیر۔ نہیں۔ بہت تھوڑے لوگ اُس کے مذہب میں داخل ہوئے۔ چونکہ نئے مذہب والے کمزور ہیں۔ اس لیئے وہ ترکِ وطن کر رہے ہیں۔ یہ اعرابی بھی نئے مذہب میں داخل ہو گئے ہیں۔ اُس کا نام عبدالعزیٰ ہے اور یہ بھی ترک وطن کر آئے ہیں۔

حادثہ۔ تعجب ہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کو کیسے چھوڑ دیا

حمیر۔ میں بھی حیرت میں ہوں۔ یہ ہمارے قدیمی خداؤں کی مذمت کرتے ہیں کوئی عرب اپنے خداؤں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔ جب انہوں نے اپنے مذہب کے اوصاف اور ہمارے دین کی برائیاں کیں تو مجھے اس قدر طیش آیا کہ میں اسکی گردن مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ ساری دنیا میں بدنام ہو جاؤں گا۔ لوگ کہیں گے کہ حمیر نے اپنے مہمان کو مار ڈالا۔ حارثہ میرا ارادہ ہے۔ کہ میں بھی مکہ جاؤں

حارثہ۔ کس لیئے۔

حمیر۔ اس فتنہ کو مٹانے کے لیئے۔ میرا قصد ہے کہ میں جا کر محمدؐ کو قتل۔ نعوذ باللہ کر کے نبائے فساد ڈھا ڈالوں۔

حارثہ۔ بہت اچھی بات ہے۔ غضب کی بات ہے کہ جن بتوں کو ہم ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں۔ آج ان کی مذمت کیجاتی ہے۔ آپ ضرور مکہ تشریف لے جائیں اور مجھے اور میرے ہمراہیوں کو اجازت دیجیئے کہ ہم اپنے دشمنوں کا تعاقب کریں۔ میرے قبیلہ کے سردار عدی کی روح بے قرار پھر رہی ہے۔ روح کے قرار و سکون کے لیئے بنو قحطان سے انتقام لینا ضروری ہے۔

حمیر - یہ کام بھی بڑا ضروری ہے۔ اگرچہ میرا ارادہ تم کو یکہ لیجانے کا تھا۔ مگر تم پر میں زور نہیں دے سکتا۔ جانتا ہوں۔ کہ اگر تم بنو قحطان سے انتقام نہ لے سکے تو تمام قبائل میں بنظر حقارت دیکھے جاؤ گے۔ اچھا تم خود مختار ہو۔ جہاں چاہو جاؤ ہم سے تمہاری مہمانداری کماحقہ نہ ہو سکی۔ میں اپنے قبیلہ کی طرف سے اسکی معافی چاہتا ہوں

حارثہ۔ آپ نے ہماری مہمان داری میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ میں اور میرے ساتھی آپکے بیحد مشکور ہیں۔ پانچ برس تک ہم آپکے مہمان رہے۔ آپ نے ہماری تیمارداری کی۔ ہم آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔

حمیر۔ سنو۔ تم بنو بجر کے قبیلہ سے ہو۔ تمہارے اور ہمارے قبیلہ میں عرصہ دراز سے عداوت چلی آتی ہے۔ جب تک تم ہمارے خیموں میں تھے۔ ہمارے مہمان تھے ہم پر تمہاری خدمت فرض تھی۔ لہذا ہم نے خدمت کی۔ اب ہم تم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اب آئندہ جب ہم تم ملیں گے۔ تو دوستوں کی طرح سے نہ ملیں گے۔ بلکہ ایک دشمن کی طرح سے ملیں گے۔

حارثہ۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ہماری دیرینہ عداوت دوستی میں منتقل نہیں ہو سکتی آپ خوب جانتے ہیں۔ کہ ہم نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ ہم جلد سے جلد تمہارے خیموں کو چھوڑ دیں۔ مگر جلد بازی نے خلاف امید نہایت طویل عرصہ لگا دیا۔ جب ہمارے زخم اچھے ہونے شروع ہوئے تو ہم نے چلنے پھرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ الٹا ہوا اور ہر مرتبہ ہمارے زخم کھل گئے۔ ہم مزید قیام کرنے کے لیئے مجبور ہوئے اب ہم کو بالکل آرام ہے۔ لہذا ہم آپ سے وداع ہونے لگے ہیں۔ آئندہ ہماری ملاقات دوستوں کی طرح نہیں۔ بلکہ دشمنوں کی طرح ہوگی۔ مگر تم پر اگر مصیبت آپڑے تو بنو بجر کے خیمے تمہاری آسائش اور بنو بجر کے افراد تمہاری خدمت کے لیئے تیار رہیں گے:۔

یہ کہکر حارثہ اٹھا۔ حمیر کے خیمہ سے باہر آیا۔ اپنے ہمراہیوں میں پہنچا۔ اس کے تمام

ساتھی رختِ سفر باندھ کر تیار بیٹھے تھے۔ حارثہ کے آتے ہی سب اُٹھے اونٹوں پر سوار ہوئے اور بغیر یہ خیال کیئے ہوئے کہ کس طرف جا رہے ہیں۔ چل پڑے تھوڑی دیر کے بعد حمیر اور اس کا قبیلہ بھی تیار ہو گیا۔ اونٹوں پر سامان لادا گیا۔ لوگ اونٹوں پر سوار ہوئے سب کے آخر میں عبدالعزیٰ جو مسلمان تھے۔ اور مکہ والوں کے شدائد و مظالم سے تنگ آ کر یکہ و تنہا مکہ سے نکل کر آئے تھے۔ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ایک جانب روانہ ہو گئے۔

اٹھارہواں باب

عروجِ اسلام

مصعب بن عمیر یثرب کے بارہ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے تھے۔ جس قافلہ کے ساتھ یہ لوگ سفر کر رہے تھے۔ وہ قافلہ بہت بڑا تھا۔ سینکڑوں آدمی اور سینکڑوں اونٹ تھے۔ سفر کرتے وقت قافلہ دور تک پھیل جاتا تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد یہ قافلہ یثرب میں داخل ہوا۔ یثرب بڑا زبردست شہر تھا۔ شہر سطح پر آباد نہ تھا۔ بلکہ مشرق سے مغرب کی جانب تبدریج بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ یوں تو یثرب خود ہی بڑا شہر تھا۔ آبادی نہایت گنجان تھی مگر اس کے چاروں طرف دو دو تین تین میل کے فاصلے پر اکثر قلعے تھے یہ تمام قلعے یثرب ہی میں شمار ہوتے تھے۔ اس لئے یہ شہر اور بھی بڑا زبردست ہو گیا تھا یثرب اور یثرب کے ملحقہ قلعے صرف عربوں ہی سے آباد نہ تھے۔ بلکہ بیشتر ان یہودیوں کی تعداد تھی جو کہ باہر سے آکر آباد ہو گئے تھے۔ چونکہ عرب آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اس لئے وہ کمزور تھے۔ یہودی آپس میں متفق رہتے تھے۔ اس لئے زورآور تھے تمام عربوں کو اُن سے دبنا پڑتا تھا۔

یہودی کی آبادی ایک طرف تھی۔ کئی قلعے ان کے قبضے میں تھے۔ مصعب سعد بن زرارہ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ یہ نہایت خوش الحان اور بڑے فصیح البیان مقرر تھے انہوں نے یثرب پہنچکر ایک دن بھی قیام نہ کیا۔ بلکہ دوسرے ہی دن تبلیغ اسلام شروع

کردی۔ یثرب کی آبادی قبیلہ وار تھی۔ یعنی ہر قبیلہ الگ رہتا تھا۔ ہر محلہ قبیلہ کے نام سے مشہور تھا۔ مثلاً قبیلہ بنو سالم قبیلہ بنو بیاضہ قبیلہ بنو ساعدہ قبیلہ بنو حارث قبیلہ بنو عدی۔ قبیلہ بنو مالک وغیرہ وغیرہ یہ تمام قبائل اوس اور خزرج وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے مصعب بے دھڑک ہر محلہ میں جاجا کر ہر قبیلہ کے لوگوں میں تبلیغ اسلام کرنے لگے۔ چند ہی ماہ کے عرصے میں کئی قبائل مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ قبیلہ اوس کی شاخوں میں قبیلہ بنو الاشہل اور قبیلہ بنو ظفر بہت مشہور اور طاقتور قبائل تھے۔ قبیلہ بنو ظفر کے سردار اسید بن حضیر اور قبیلہ عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ کو یثرب کے تمام قبائل نے اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ گویا یثرب کے وہی حکمران تھے۔ اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ کو مصعب کے مکہ سے مدینہ میں آنے کی اور تبلیغ اسلام کرنے کی اطلاع تھی۔ نیز ان کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ مصعبؓ کی کوشش سے نیا مذہب بہت ترقی کر رہا ہے۔ اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہو رہے ہیں۔ ان دونوں کو یہ بات بڑی ناگوار گزری اور انہوں نے حکم دے دیا کہ ہمارے محلہ میں مصعبؓ یا کوئی اور مسلمان نہ آنے پائے اور اگر آیا تو اسے اسیر کر کے قتل کر دیا جائیگا۔ مصعبؓ اور اسعد بن زرارہ کو اس حکم کا علم تھا۔ مگر انہوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اسعد سعد بن معاذ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ انہیں خیال تھا۔ کہ سعد قرابت کا لحاظ کریں گے ایکدن مصعب اور اسعد بن زرارہ سعد بن معاذ کے محلہ میں جا پہنچے اس محلہ میں ایک بڑا کنواں مرق تھا دونوں کنوئیں پر جا کر بیٹھے اور مصعب لوگوں کو تبلیغ کرنے لگے سعد بن معاذ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہیں سخت ناگوار گزرا انہوں نے اسید کو بلا کر کہا

اسید دیکھو مصعبؓ و اسعد کی دلیری حد سے بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے تمام یثرب کے عربوں کو بہکا کر اپنے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔ اب ہمارے محلہ والوں کو بہکانے آئے ہیں۔ یہ دونوں ایسے ہیں کہ میرے امتناعی حکم کی پرواہ نہیں کرتے ہیں کیا ہمیں اس ذلت اور ان دونوں کی اس جسارت کو برداشت کر لینا چاہیئے۔

اسید نے کہا کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بڑی سبکی کی بات ہے

سعد۔ تم سچ کہتے ہو دیکھو اسعد میرا بھائی ہے۔ میں خود اس کا لحاظ کرتا ہوں

تم جاؤ اور دونوں کو چاہ مرق سے اٹھا دو اور کہدو کہ ہمارے محلہ میں کبھی نہ آئیں۔ اگر آئیندہ

آئیں گے۔ تو ہم ان کو قتل کر ڈالیں گے۔

اسید اچھا کہہ کر اٹھے اور تلوار لے کر چلے جب چاہ مرق کے قریب پہنچے تو بہت

سے لوگوں کو کنوئیں کے گرد کھڑے دیکھا مصعب کچھ تقریر کر رہے تھے اور لوگ خاموش

کھڑے سن رہے تھے۔ یہ تمام لوگ اس محلہ ہی کے رہنے والے تھے۔ اسید یہ دیکھ کر بہت

بگڑے وہ طیش و غضب سے بھر کر بڑھے لوگوں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا چونکہ قبیلہ

بنو ظفر کے وہ سردار تھے۔ اس لئے سب ان کا احترام کرتے تھے۔ لوگ ان کو دیکھتے

ہی چلدیئے ایک شخص بھی کھڑا نہ رہا۔ صرف مصعب اور اسعد ہی بیٹھے رہے۔ اسید بڑھ کر

دونوں کے پاس پہنچے چونکہ وہ غصہ کی حالت میں تھے۔ اس لئے قریب پہنچتے ہی درست

لہجہ میں بولے مصعب تم نے یثرب میں آکر ایک فتنہ عظیم کھڑا کر دیا۔ کوئی محلہ ایسا باقی نہیں رہا

جہاں کے لوگوں کو بہکا کر تم نے اپنے مذہب میں داخل نہ کر لیا ہو۔ اب ہمارے محلہ میں نے

ہو چاہتے ہو کہ ہمارے محلہ والوں کو بہکا کر اپنے مذہب میں شامل کر لو۔ کیا تم کو یہ علم نہ تھا کہ

ہمارے سردار سعد بن معاذ نے اس محلہ میں تمہارے داخلہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔

مصعب نے نرم لہجہ میں کہا! یا اخی ہم کو معلوم تھا۔ اسید نے بگڑ کر کہا۔ لیکن

تم نے اس امتناعی حکم کی پرواہ نہ کی۔

بدبخت شخص جی میں تو آتا ہے کہ اس عدول حکمی کی پاداش میں تیرا سر اڑا دوں مگر

یہ سمجھ کر کہ مکہ کا رہنے والا ہے۔ یثربیوں کا مہمان ہے اور مہمان کو اذیت پہنچانا غیر مناسب

ہے درگذر کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ فوراً اس محلہ سے نکل جا اور آئندہ کبھی اسطرح

آنیکی جرأت نہ کرنا۔ اگر پھر اس طرف آئے گا تو معبودوں کی قسم فوراً تیرا سر اڑا دوں گا۔

مصعب رضؓ نہایت اطمینان سے اسید کی گفتگو سنتے رہے جب وہ خاموش ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ہماری کس بات پر ناخوش ہو کر ہمیں اپنے محلے سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اسید نے برہم ہو کر کہا۔ کس بات پر نا معقول شخص کیا تجھے یہ خبر نہیں ہے تو جانتا ہے۔ سن تو لوگوں کو ورغلا کر مسلمان کرتا ہے۔ تو نے سارے یثرب میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں وہ قرابت و یگانگت کے رشتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب سے علیحدہ ہو گئے ہیں میں اس تفرقہ اندازی کو پسند نہیں کرتا۔ اٹھ اور ہمارے محلہ سے فوراً نکل جا اور اسعد تمہارے لیے بھی یہی حکم ہے۔ مصعب رضؓ نے کہا۔ ہم کو آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی عذر نہیں ہے آپ ایک مہمان کو پردیسی کو ایک غریب مسافر کو اپنے محلہ سے نکالنا چاہتے ہیں نکال دیجئے۔ ہم نکل جائیں گے۔ کیا آپ ہم دونوں کے پاس بیٹھ کر اطمینان سے ہماری دو باتیں سنیں گے۔ اسید نے کہا کیسی باتیں!

مصعب۔ جو میں اوروں سے کہتا ہوں۔ وہی آپ سے بھی کہتا ہوں۔ ذرا دیر بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے سن لیجئے اور اگر نامعقول بات ہو تو سن کر رد کر دیجئے۔ معقول ہو تو بات مان لیجئے۔

اسید کچھ نرم پڑ گئے۔ مصعب رضؓ کے نرم لہجہ نے اُس کے جوش اور غضب کو سرد کر دیا وہ تلوار کا سہارا لے کر مصعب رضؓ کے پاس بیٹھ گئے اور بولے سناؤ تم کیا سنانا چاہتے ہو مصعب نے نہایت اطمینان سے تقریر شروع کی۔ انہوں نے فرمایا۔ اے قبیلہ بنو ظفر کے سردار خانہ کعبہ میں دیار مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے۔ اس کا اسم گرامی محمدؐ ہے۔ ان پر خدائے بزرگ و برتر نے ایک کتاب نازل فرمائی ہے جس کا نام کلام اللہ ہے۔ یا اخی میں اور سارے مکہ والے تمہاری طرح۔ سے بتوں کو پوجتے تھے۔ بتوں کو معبود مانتے تھے۔ بتوں کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ مگر آنحضرت صلعم نے فرمایا اور سمجھایا کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت خدا نہیں ہو سکتے۔ بول نہیں سکتے۔ سُن نہیں سکتے ہم

ان کو جہاں رکھدیتے ہیں۔ رکھے رہتے ہیں۔ حرکت نہیں کرسکتے۔ بلکہ بتخانوں میں محبوس رہتے ہیں خدا وہ ہے۔ جس نے کائنات کو کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا کیا ہے۔ وہ علیم ہے۔ بصیر ہے۔ رازق ہے موت اور زندگی اس کے قبضہ میں ہے۔ عزت اور دولت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر جگہ ہے۔ ہر ایک کے دل کی بات جانتا ہے۔ انسانوں کا کوئی فعل اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سورج اور چاند کی گردش اس کے قبضہ میں ہے۔ پرستش کے قابل وہی ہے۔ اور مرنے کے بعد اسی کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ وہ زندگی کا حساب کتاب لے گا۔ نیک لوگوں کو اپنی پرستش کرنے والوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ
الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ۔ اے بندو پروردگار کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور انہیں پیدا کیا۔ جو تم سے پہلے تھے۔ تاکہ تم بچو۔ جس زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کی چھت بنایا ہے۔ اور جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ اور تمہارے لئے کھانے کو رزق دیا۔ پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور تم جانتے ہو۔ کہ اگر تم کو اس بات میں شبہ ہے۔ کہ ہم نے اُسے اپنے بندہ کے اوپر نہیں اتارا۔ پس تم ایک سورۃ اس کتاب کی صورت لاؤ۔ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو انہیں بھی سورۃ بنانے میں شریک کرلو۔ لیکن تم سب مل کر بھی ہرگز ایک سورۃ نہ بنا کر لا سکو گے۔ ڈرو اس دوزخ کی آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اور وہ کفار کے لئے تیار کیگئی ہے۔ اے محمد خوشخبری پہنچاؤ۔ ایمان لانے والے کو کہ وہ بہشت میں داخل ہونگے۔

السید چپ چاپ بیٹھے نہایت غور سے اور بڑی توجہ سے قرآن مجید کی یہ آیات سن رہے تھے۔ اور کانپتے جاتے تھے۔ ان کا بند بند غضب الٰہی سے لرز رہا تھا۔ جب مصعبؓ خاموش ہوئے تو سید نے لرزاں آواز سے کہا مصعبؓ قسم ہے ان معبودوں کی جنہیں میں پوجتا رہا ہوں یہ کلام

انسانوں کا کلام نہیں ہے۔ ضرور خدا کا کلام ہے۔ میں اس خدا پر جس کا یہ کلام ہے۔ ایمان لایا لہذا مجھے مسلمان کر لیجیئے۔ مصعب نے فوراً کلمہ پڑھا کر اُسے مسلمان کر لیا۔ اسعد نے اسید کو اس کے مسلمان ہونے پر مبارک باد دی۔ اسید نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ مصعب میں تمہارا مشکور ہوں۔ اب تک میں ضلالت و گمراہی کی تاریکی میں پڑا رہا ہوں۔ آج تم نے تاریکی کا پردہ میری آنکھوں سے اتار دیا۔

آج جسقدر مجھے معبودان باطلہ کے ترک کرنے اور معبود حقیقی کے پانے سے مسرت ہوئی ہے۔ کبھی ایسی مسرت ہوتی تھی میں تمہارا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور زندگی بھر تمہارا مشکور ہوں گا۔ میری طرف سے تم کو آزادی ہے جہاں جی چاہیے تبلیغ کرو۔ بلکہ میں خود تمہاری اعانت کرتا رہونگا۔ لیکن ایک شخص اور ہے اگر وہ کسی طرح سے بھی مسلمان ہو جائے تو سارا یثرب مسلمان ہو جائے۔ مصعب نے دریافت کیا وہ کون ہے اسید نے کہا۔ سعد بن معاذ یثربی کاروائی

مصعب رضؓ۔ اگر میں اُس کے پاس پہنچ جاؤں یا کسی طرح سے وہ میرے پاس آجائے تو ممکن ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو جائے۔

اسید۔ مجھے بھی یہی اُمید ہے کہ کلام الہی کی ایک آیت سننے کے بعد غیر ممکن ہے۔ کہ وہ مسلمان نہ ہوں۔ ان کے پاس جا کر انہیں آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ تم جسطرح بھی ممکن ہو انہیں کلام پاک سنا دینا یقین ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔

مصعب۔ مناسب ہے آپ انہیں یہاں بھیج دیں

اسید اٹھکر روانہ ہوئے اور سعد بن معاذ کے پاس پہنچے۔ سعدؓ نے ان کو دیکھتے ہی دریافت کیا۔ کہو اسید مصعب اور اسعد کو نکال آئے؟

اسید نے کہا نہیں۔ سعد کو طرارہ آگیا۔ انہوں نے دریافت کیا نہیں کیوں کیا وہ جانے پر تیار نہیں ہوئے۔

اسیدنے کہا۔ ہاں ایسا ہی ہے۔ سعد غصہ سے بھر کر اٹھے۔ تلوار ہاتھ میں لی اور یہ کہتے ہوئے چلے ان کی جرأت اس قدر بڑھ گئی ہے معبودوں کی قسم ان کا سر اڑا دوں گا۔ چونکہ سعد رضؓ غصہ میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیئے تیزی سے لپک کر چلے اور چاہ مرق پر پہنچتے ہی مصعب اور اسعد رضؓ کو مخاطب کر کے درشت لہجہ میں کہا۔ تم دونوں کی اس قدر جرأت ہوگئی۔ کہ میرے حکم کے خلاف میرے محلہ میں آکر میرے اہل قبیلہ کو بہکانا شروع کر دیا۔ دیکھو میں تم کو اس مغرورانہ سرکشی کی سزا دیتا ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ مصعب رضؓ اور اسعد رضؓ کے قریب جا پہنچے۔ وہ دونوں ایسے استقلال اور اطمینان سے بیٹھے رہے گویا سعد اُن سے نہیں۔ بلکہ کسی اور سے خطاب کر رہے ہیں۔ سعد کو ان کے استقلال و اطمینان سے اور بھی غصہ آیا۔ انہوں نے نہایت سختی سے دشنام طرازی شروع کی آخر طیش میں آکر تلوار میان سے کھینچی اور برافروختہ ہو کر کہا:۔

اے اجل رسیدہ انسانو ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہاری اجل قریب آپہنچی ہے۔ مصعب رضؓ نے نہایت ملائمت سے کہا اے یثرب کے والی آپ ہم دونوں پر اس قدر خفا کیوں ہو رہے ہیں سعد کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے غضبناک انداز سے کہا۔ کیوں خفا ہو رہا ہوں ابھی معلوم نہیں ہوا۔ بدبخت انسانو میرے محلہ میں آکر میرے قبیلہ والوں کو بہکا کر مسلمان بنا رہے ہو اور پھر کہتے ہو کہ میں خفا کیوں ہو رہا ہوں۔ اسعد مجھے کچھ تمہاری قرابت کا خیال تھا۔ مگر اب خیال نہ کروں گا۔ یا تم مع اپنے مکی مہمانوں کے میرے محلہ میں سے دور نکل جاؤ۔ ورنہ میں تم دونوں کو مار ڈالوں گا۔ مصعب رضؓ نے کہا اے سردارِ قوم آپ نہ خفا ہوں۔ ہم دونوں خود ہی چلے جائیں گے۔ ہم آپ کو ناراض کرنا نہیں چاہتے۔ مگر ایک بات کہنا چاہتا ہوں:۔

سعد نے قطع کلام کر کے کہا کیا کہنا چاہتے ہو۔

مصعب: آپ ذرا میرے پاس بیٹھ جائیں اور جو میں کہوں ٹھنڈے سے سن لو

سعد مصعب کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں ہے میں تمہاری

بات سننے کیلئے تیار ہوں۔ مصعبؓ نے نہایت نرم لہجہ میں کہا۔ یا اخی آپ مجھ سے اور بھائی اسعد سے اس لیئے ناراض ہیں کہ ہم مسلمان یا مسلمان ہو گئے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی مسلمان کر رہے ہیں۔ آپکی خفگی بجانب ہے۔ لیکن غور فرمایئے کہ ہم کیا کہتے ہیں اور کس بات کی تبلیغ کرتے ہیں۔ میرے آپکے اور تمام عربستان کے آباؤ اجداد بت پرست تھے۔ اور انہیں معبود مانتے تھے۔ ان سے حاجت روائی چاہتے تھے۔ میں بھی بتوں کا پرستار تھا اور میرا بھی وہی عقیدہ تھا۔ جو آپ کا ابھی تک ہے۔ لیکن اے زیرک دانا انسان مکہ میں حضرت محمد صلعم نے اعلان کیا کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ خدا کا پیغام اس پر نازل ہوتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ خدا وہ ذات پاک ہے۔ جس نے دنیا و جہاں کو پیدا کیا ہے انسان کو مٹی سے بنایا ہے۔ انسان اس کے بندے ہیں۔ پرستش کے قابل خدا ہے وہ خدا جو ہر جگہ رہتا ہے۔ جو ہر بات پر قادر ہے جو مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کر دیتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ خدا وہی ہے جس نے زمین اور آسمان ریگ زار۔ سبزہ زار اور بادل۔ ہوا۔ پانی اور دنیا و جہان کی تمام اشیاء پیدا کیں ہیں۔ جو کلام رسول اللہ پر نازل ہوا اسمیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

قل الرب السموات والارض۔ قل اللہ قل افا اتخذتم من دونہ اولیاء لا یملکون لا انفسھم نفعا ولا ضرا قل ھل یستوی الاعمیٰ و البصیرہ ام ھل تستوی الظلمت النور ہ ام جعلوا اللہ شرکا ءِ خلقوا الخلقہ فتشابہ الخلق علیم قل اللہ خالق کل شی وھو الواحد القھارہ (ترجمہ)

اے محمد کہہ دو کہ آسمان اور زمین کا پروردگار کون ہے۔ کہو اللہ کہو کیا تم اسے چھوڑ کر اوروں کو کارساز بناتے ہو؟ جو اپنے لیے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے کہو اندھا اور سوا نکھا برابر ہوتا ہے۔ یا اندھیرا اور

اجالا برابر ہوتا ہے۔ کیا انہوں نے خدا کے شریک مقرر کیے ہیں۔ کہو کیا تمہارے
خداؤں نے خدا کی مانند کسی کو پیدا کیا ہے۔ کہو اللہ ہر چیز پر قادر ہے
اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ غالب ہے اُس نے
آسمانوں سے پانی برسایا۔ نالے اندازہ سے جاری کیے۔ جب نالوں
میں روانی آئی تو جھاگ پیدا ہوئے۔

سعد نہایت غور اور توجہ سے سن رہے تھے۔ ان کا بدن کانپ رہا تھا۔ آنکھوں سے خوف و ہراس کا اظہار ہو رہا تھا۔ چہرہ کی کیفیت سے ظاہر تھا۔ کہ وہ سخت مرعوب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جلدی سے کہا اُف کس قدر دل کش اور کیسا پر اثر کلام ہے۔ اس کلام پاک نے میرا دل اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ میرا قلب روشن ہو گیا ہے آنکھوں سے گمراہی کی تاریکی کے پردے اٹھ گئے ہیں۔ مصعبؓ میرے مہربان مصعب مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہاری شان میں گستاخی کی ہے۔ یہ کہتے ہی سعد دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مصعبؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ آپ مجھے گناہ گار نہ کریں۔ آپ سید القوم ہیں قبیلہ بنو عبدالاشہل کے سردار ہیں۔ ذی عزت ہیں۔ میں اس قابل نہیں کہ آپ سا ذی جاہ شخص مجھ سے کم مایہ انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوا سعد نے کہا۔ مصعب تم نے اپنی تقریر سے میرے سینہ میں نور بھر دیا ہے خدا اور رسول کی محبت سے میرا دل لبریز ہو گیا ہے۔ پچھتاتا ہوں کہ سب سے پہلے میں ہی کیوں نہ مسلمان ہوا۔ خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ مجھے مسلمان کر لو۔ فوراً مصعبؓ نے کلمہ پڑھا کر سعد کو مسلمان کر لیا ان کے مسلمان ہونے سے نہ صرف مصعبؓ کو ہی مسرت ہوئی بلکہ سب سے زیادہ خوشی اسعدؓ کو ہوئی۔ وہ اٹھکر سعد سے بغل گیر ہوئے بڑی گرم جوشی سے ملے جیسے۔ دو حقیقی بھائی۔ عرصہ کی جدائی کے بعد ملتے ہیں۔ سعدؓ نے مصعبؓ سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ مصعب اب تم میرے غریب خانہ میں چلو وہیں چل کر رہو۔ میں اپنے تمام قبیلہ کو

بلا کر اسلام کی تلقین کروں گا۔ یقین ہے کہ میرا سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ مصعب نے سعد کا شکریہ ادا کیا۔ وہ اُسکے ساتھ اُسکے مکان پر آئے سعدؓ نے ان کی مدارات شروع کی اور ایک غلام کو اپنے تمام قبیلے کو جمع کرنیکا حکم دیا۔ سعد کے مکان کے سامنے ایک نہایت وسیع میدان پڑا تھا۔ لوگ اس میدان میں آ آ کر جمع ہونے لگے۔ دو ہی تین گھنٹے کے اندر اندر تمام میدان انسانوں سے لبریز ہو گیا۔ گویا بنو عبدالاشہل کا تمام قبیلہ آ گیا۔

جب سب لوگ آ چکے تو سعدؓ۔ مصعبؓ اور اسعد کو ہمراہ لے کر چلے اور مجمع کے درمیان جا کر کھڑے ہو گئے۔ سعد کو دیکھتے ہی تمام لوگوں نے مرحبا کا نعرہ لگایا اس نعرہ سے فضا گونج گئی۔ جب گونج ذرا کم ہوئی اور خاموشی چھا گئی۔ تو سعد نے بلند آواز سے لوگوں سے دریافت کیا۔

اے بنو عبدالاشہل کے قبیلہ والو تم کیا سمجھتے ہو اور میری نسبت کیا خیال رکھتے ہو ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ نیک ہیں۔ ذی فہم ہیں۔ مدبر ہیں آپ کی رائے ہمیشہ قابل عمل ہوتی ہے۔

سعدؓ نے کہا۔ اے میرے قبیلہ کے لوگو تم بخوبی جانتے ہو کہ میں بت پرست تھا اسلام اور مسلمانوں سے متنفر تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ میرے قبیلہ کا کوئی شخص بھی مسلمان ہو۔ میں نے اعلان کر دیا تھا کہ میرے قبیلہ کا جو شخص مسلمان ہو گا۔ اُسے سخت سزا دوں گا۔ اب سنو اور غور سے سُنو۔ ٹھنڈے دل سے سُنو۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اسلام نہایت اچھا مذہب ہے۔ میں نے اس مذہب کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم سب بھی مسلمان ہو جاؤ۔ جو شخص مسلمان نہ ہو گا۔ اس سے میرا کچھ تعلق نہیں۔ چند آوازیں آئیں ہم اسلام کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ جب تک ہمیں اُسکے متعلق کچھ علم نہ ہو کیسے اسلام قبول کر لیں۔ سعد نے کہا تم نے یہ دانائی کی بات کی ہے۔ تم کو حضرت مصعبؓ بتائیں گے کہ اسلام کیا ہے خاموشی سے ان کی تقریر سنو۔ مجمع خاموش ہو گیا۔ مصعب نے بلند آواز سے تقریر شروع کی۔ انہوں نے فرمایا

یاایھاالناس۔ تمام عربستان اور صرف عربستان ہی نہیں۔ بلکہ تمام دنیا کفر و شرک کی بدعت میں مبتلا ہے۔ بندے خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ دنیا کے ہر گوشہ میں کسی نہ کسی طرح بت پرستی کیجا رہی ہے۔ لیکن عربستان اس لعنت میں سب سے آگے آگئے ہے۔ سوچیے اور غور کیجئے کہ وہ بت جنھیں ہم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں۔ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے ان کو بنایا ہے۔

لہٰذا اسطرح سے تو ہم اُن کے خدا ہوتے لیکن خدا تم نہیں ہیں۔ خدا تو وہ ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ جو ہوائیں چلاتا ہے۔ پانی برساتا ہے۔ سورج اور چاند کو گردش میں رکھتا ہے۔ زندگی دیتا ہے۔ رزق دیتا ہے۔ وہ تنہا ہے۔ کوئی اسکی خدائی میں شریک نہیں ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ اور اُسی کو پوجنا چاہئیے۔ اُسی نے زندگی دی ہے۔ پھر موت دے گا اور مرنے کے بعد پھر زندہ کریگا اور حساب کتاب لیکر نیک بندوں کو بہشت اور گناہ گاروں کو دوزخ میں ڈالے گا۔

تمام لوگ بڑے جمود سے اسکی تقریر سُن رہے تھے۔ جب مصعبؓ چپ ہوئے تو سعد نے دریافت کیا۔ اب تبلاؤ تم اسلام قبول کرنے پر تیار ہو؟ سب نے کہا بالکل تیار ہیں مصعبؓ اور اسعد نے لوگوں کو مسلمان کرنا شروع کیا۔ سینکڑوں آدمی تھے۔ سب کو مشرف بہ اسلام کرنے میں ایک عرصہ لگ جاتا۔ جب تمام لوگ مسلمان ہو چکے تو سعدؓ نے ان کو رخصت کر دیا آج مصعبؓ بہت خوش ہوئے بت پرستوں کی تعداد کثیر مسلمان ہو گئی تھی۔ قریب قریب تمام عبدالاشہل کا قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا۔

اس قبیلہ کا تمام یثرب پر اثر تھا۔ اُسکے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ہوئی سعد نے پہلے قرآن شریف یاد کیا۔ جب وہ ازبر ہو گیا تو مصعبؓ اور اسعدؓ کے ساتھ مل کر تبلیغ اسلام شروع کی

چونکہ سعد ذی جاہ آدمی تھے۔ تمام قبیلہ اوس پران کا اثر تھا۔ اس لیے لوگ جوق در

در جوق مسلمان ہونے لگے۔ یہاں تک کہ تمام قبیلہ اور اس کی تمام شاخیں مسلمان ہو گئیں۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ یثرب میں قبیلہ اوس اور خزرج دو نہایت زبردست قبائل تھے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اور آئے دن آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ مگر جب مسلمان ہونے شروع ہوئے تو دیرینہ عداوت جاتی رہی اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

چونکہ قبیلہ اوس کی تمام شاخیں مسلمان ہو گئی تھیں ان ہر دو قبائل کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بڑی تقویت ہوئی اور ایک معنوں میں تو یثرب کے تمام بت پرست ملیا میٹ ہو گئے۔ صرف چند ہی قبیلے باقی رہ گئے یا وہ یہودی رہ گئے۔ جو کہ نواح یثرب میں آباد تھے۔

مصعبؓ یثرب میں ۱۲ سنہ نبوی میں آئے تھے۔ دس ماہ کی قلیل مدت میں انہوں نے یثرب کی بیشتر آبادی کو مسلمان کر لیا تھا۔ جب حج کا زمانہ آیا۔ اور کفار یثرب حج کی تیاریاں کرنے لگے۔ تو حضرت مصعب نے بھی تیاریاں شروع کیں۔ ایک بہت بڑا قافلہ خانہ کعبہ جانے کے لئے تیار ہوا۔

اس قافلہ میں بت پرست زیادہ تھے۔ مسلمان صرف بہتر۷۲ مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ان مسلمانوں میں ذی عزت اور مشہور لوگ یہ تھے۔

اسعدؓ بن زرارہ۔ اسیدؓ بن حضیر۔ ابوالہیثمؓ بن التیہان۔ براءؓ بن المعرور۔ عبداللہؓ بن الرواحہ۔ عبادہؓ بن صامت۔ سعدؓ بن ربیع۔ سعدؓ بن عبادہ۔ رافعؓ بن مالک۔ عبداللہؓ بن عمر۔ سعدؓ بن خیثمہ۔ اور منذرؓ بن عمرو وغیرہ۔

یہ قافلہ عبداللہ بن ابی سلول کی قیادت میں عازم مکہ ہوا۔ یثرب کے مسلمان مسلمانوں کو کفار کافروں کو رخصت کرنے کے لئے ثنیات الوداع کی گھاٹیوں تک آئے۔

ف۔ عبداللہ بن ابی نہایت عقلمند تجربہ کار اور چالاک شخص تھا۔ اس کا اثر اوس وخزاع کے قبائل اور ان کی شاخوں پر تھا۔ قبائل اوس اور خزاج چند روز بیشتر جنگ بعاث میں خونریز لڑائی ہو کر کمزور ہو چکے تھے۔ عبداللہ نے انکی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور ہر دو قبائل کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اُسے یعنی عبداللہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔ اور اس کے

لئے سونے کا تاج بنوایا گیا۔

تاج تیار ہو چکا۔ عبداللہ مسرور تھا۔ کہ وہ یثرب کا بادشاہ بنا دیا جائیگا۔ چنانچہ تجویز یہ قرار پائی۔ کہ ایک عظیم الشان جلسہ کر کے اس کے سر پر تاج رکھکر باقاعدہ اس کی بادشاہی کا اعلان کریں۔
جب قافلہ ان گھاٹیوں سے آگے نکل گیا۔ تو قافلہ کو رخصت کرنے والے الوداع کہہ کر یثرب واپس چلے آئے۔

نوٹ۔ صفحہ نمبر ۳۴۵ سے پیوستہ)
ابھی یہ تجویز پایہ تکمیل تک نہ پہنچی تھی۔ کہ یثرب میں مسلمان پہنچ گئے۔ اور اوس و خزاج کی تعداد کثیر مسلمان ہو کر آپس میں متفق ہو گئے۔ لیکن ابھی تک بھی ہر دو قبائل کا یہ خیال تھا۔ کہ عبداللہ کو بادشاہ بنایا جائے۔

چنانچہ یہ قرار پایا۔ کہ حج سے فارغ ہو کر اس کی تکمیل کی جائے گی۔
سلہ۔ ثنیات الوداع کے معنے رخصت کی گھاٹیاں۔
سلہ۔ اہل یثرب جب کسی کو رخصت کرتے۔ یعنی مکہ کیطرف بھیجتے۔ تو ان گھاٹیوں تک ہمراہ آتے۔ اور یہاں آکر وداع کرتے۔ اس لئے ان گھاٹیوں کا نام ثنیات الوداع ہی مشہور ہو گیا تھا۔

انیسواں باب

دعوتِ ہجرت

آنحضرت صلعم نے مصعبؓ بن عمیر کو اہلِ یثرب کے ہمراہ تبلیغ اسلام کے لئے روانہ کیا تھا۔ آنحضرت صلعم کو ان کا بڑا خیال تھا جب کوئی آدمی یثرب سے آتا۔ تو آپ اس سے مصعبؓ کی خیریت معلوم کرتے۔ آپ کو معلوم ہو گیا۔ کہ یثرب میں اسلام خوب پھیل رہا ہے اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہو رہے ہیں۔ آپ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ مگر یثرب والوں کے مسلمان ہونے کی خبریں کفار مکہ کو پہنچ رہی تھیں۔ اور وہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتے ہوئے دیکھ کر اور سن سن کر نہایت برافروختہ ہو رہے تھے۔ انہیں اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ کہ مبادا کہیں مسلمان زور پکڑ کر یثرب اور مکہ دونوں پر تسلط کر دیں۔

چونکہ یثرب کے مسلمان پر ان کی دسترس نہ تھی۔ وہ ان سے دور تھے۔ ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرتے تھے۔ اس لئے مجبور تھے۔ مگر مکہ کے مسلمانوں پر ان کا قابو چلتا تھا۔ انہیں ستا سکتے تھے اس لئے ان پر جور و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اگرچہ وہ پہلے بھی بہت کچھ جور و ستم کر چکے تھے۔ مگر اب انہوں نے سفاکانہ درندگی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہ ہر مسلمان کو مارتے پیٹتے آزار دیتے تھے۔

وہ یہ چاہتے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمان اسلام سے منحرف ہو کر پھر بت پرست بن جائیں۔ لیکن ایسے پکے اور راسخ العقیدہ تھے۔ جفائیں سہہ رہے تھے۔ ستم برداشت کر رہے تھے۔ سختیاں اٹھا رہے

تھے۔ مگر اسلام سے منحرف نہ ہوتے تھے۔ بلکہ جس قدر وہ نشانہ ستم بنتے۔ اسی قدر مسلمان پکے اور اسلام کے فدائی بن جاتے تھے۔ کافروں کو ان پر غصہ آتا۔ اور یہ غصہ قہر و غضب کی صورت میں مسلمانوں پر نازل ہوتا تھا۔ اور اسی کشمکش میں حج کا زمانہ قریب آگیا۔ اطراف عرب سے حاجیوں اور زائروں کے گروہ اور قافلے آنے شروع ہو گئے۔

چونکہ آنحضرت صلعم کو اطلاع مل چکی تھی۔ کہ یثرب سے بھی ایک قافلہ روانہ ہو چکا ہے۔ اور وہ عنقریب مکہ پہنچنے والا ہے۔ اور اس قافلہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد آ رہی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلعم اس قافلے کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر وہ دن بھی آگیا جب یثرب کا قافلہ آکر مکہ سے باہر خیمہ زن ہوا۔

چونکہ کثیر تعداد قافلے آئے تھے۔ اور ہر قافلے میں سینکڑوں حاجی تھے۔ اس لئے مکہ سے باہر دور تک خیمے اور چھولداریاں نصب ہوتی چلی گئی تھیں۔ گویا مکہ کے باہر خیموں کا ایک زبردست شہر آباد تھا۔ جہاں لوگوں کی آمد و رفت سے ہر وقت چہل پہل رہتی تھی۔ ہر قافلہ الگ الگ خیمہ زن ہوا تھا۔

گویا دور تک خیموں کا ایک شہر سا آباد ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ پتہ لگانا کہ کس شہر کس قریہ کس قصبہ کے لوگ کہاں خیمہ زن ہیں۔ بڑا مشکل کام تھا۔

صحرا نشین بدو اور خانہ بدوش بھی کثرت سے آئے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح سے بکھرے پڑے تھے۔ کہ میدان کا بیشتر حصہ انہوں نے گھیر لیا تھا۔ اگرچہ آنحضرت صلعم نے یثرب کے قافلہ کی تلاش شروع کر دی تھی۔ مگر کچھ سراغ نہ ملا۔ بالآخر تلاش کرتے کرتے خاص حج کا دن آگیا اور لوگ طواف کعبہ کے لئے اُمڈ آئے۔ خانہ کعبہ میں انسانوں کا اجتماع عظیم ہو گیا۔

حرم محترم اور اس کے باہر کا میدان لوگوں سے لبریز ہو گیا۔ طواف شروع ہو گیا۔ اور مراسم حج ادا ہوئے۔ جب آنحضرت صلعم طواف سے فارغ ہوئے تو اتفاقیہ اسعدؓ بن زرارہ مل گئے۔ مصعبؓ بھی ان کے ہمراہ ہی تھے۔

دونوں نے بڑھ کر آنحضرت صلعم کو دیکھا۔ اور آنحضرت صلعم انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فوراً حضرت مصعبؓ سے استفسار فرمایا۔

مصعبؓ کہو تمہاری تبلیغ کا کیا نتیجہ رہا۔ مصعبؓ نے کہا۔ خدا کے فضل وکرم سے بڑی کامیابی رہی۔ قبائل اوس اور خزرج کے زیادہ آدمی مسلمان ہو گئے۔ یثرب میں اب بہت کم بت پرست باقی ہیں آنحضرت صلعم یہ سنکر بیحد مسرور ہوئے آپکی خندہ پیشانی کشادہ ہو گئی۔ اور روئے مبارک پر تابندگی سے جلال نظر آیا۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کا شکر ہے۔ انشاء اللہ جو باقی رہ گئے ہیں۔ وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔

مصعبؓ نے کہا۔ بہتر مرد اور دو عورتیں آپ کے دیدار کے بیحد مشتاق ہیں۔

آنحضرت صلعم۔ میں خود ان کے دیکھنے کا شائق ہوں۔

اسعدؓ بن زرارہ نے آنحضرت صلعم سے کہا۔ ہم پھر آپ سے تنہائی میں اور اطمینان کی جگہ ملنا چاہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تم رات کو عقبہ کی گھاٹیوں میں آجاؤ۔ میں بھی وہیں آجاؤں گا۔ اور اسی جگہ بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرینگے۔ مگر زیادہ آدمیوں کو ہمراہ نہ لانا۔ خدشہ ہے کہ کفار مکہ کو خبر نہ ہو جائے۔ اور وہ کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دیں۔ اسعدؓ نے کہا۔ ہم خاص خاص لوگ حاضر ہوں گے اور نہایت اطمینان کے ساتھ آوینگے۔

آنحضرت۔ اچھا اب تم جاؤ۔ مصعبؓ تم بھی ان کے ساتھ ہی آنا۔

دونوں آنحضرت صلعم کو سلام کر کے چلے گئے۔ آپ اپنے مکان میں واپس آگئے۔ جب آفتاب غروب ہو گیا۔ اور آپ نے مغرب کی نماز پڑھ لی۔ تو آپ اپنے مکان سے باہر نکلے۔ اور عقبہ کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔

ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے۔ کہ آپ کو عباس بن عبدالمطلب مل گئے۔ عباس ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ مگر آپ کو مسلمانوں سے عموماً اور آنحضرت سے خصوصاً ہمدردی تھی۔

آپ نے آنحضرت صلعم کو دیکھتے ہی فرمایا۔ آپ رات کے وقت کہاں جا رہے ہیں۔ اور پھر تنہا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ میں ایک کام سے عقبہ کی گھاٹی جا رہا ہوں۔ کیا میرے ہمراہ آپ تشریف لے چلیں گے۔"

عباس نے جواب دیا چلوں گا۔ مجھے قوم کی طرف سے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آپ کو نقصان نہ پہنچائے:۔

آنحضرت صلعم۔ اندیشہ نہ کرو۔ خدا میرا مددگار اور حامی ہے۔ دونوں چلے اور مکہ کے گلی کوچوں کو طے کرتے ہوئے باہر آئے اور عقبہ کی گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے۔ اب اچھی خاصی رات ہو گئی تھی۔ چاند نکلا ہوا تھا۔ اور چاندنی ریگ زار پر چمک کر ریت کو جگمگا رہی تھی ہوائے خوشگوار کے لطیف ترین جھونکے چل رہے تھے۔ جن سے سرور زندگی حاصل ہو رہا تھا دونوں چل کر گھاٹی میں پہنچے۔ یہاں یثرب کے بہت سے مسلمان آنحضرت صلعم کے انتظار میں چشم براہ تھے آنحضرت صلعم کو دیکھتے ہی سب آپ سے مصافحہ کرنے کیلئے بڑھے سب نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ سب سے مصافحہ کیا اور ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ آپ کے سامنے تمام لوگ مودبانہ بیٹھ گئے۔

اسعد بن زرارہ نے کہا۔ حضور اکرم ص پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ ہم حضور اکرم ہی کی بدولت کفر و شرک کی ضلالت آمیز گمراہی سے نکل کر ایمان اور خدا پرستی کی روشنی میں آئے۔ ایک عرصہ کے بعد بندوں نے اپنے معبود حقیقی کو پہچانا ہے۔ ہم اور جو لوگ یثرب میں رہ گئے ہیں۔ وہ آنحضرت صلعم کے بیحد مشکور ہیں۔ ہم کو اہل یثرب نے وکیل بنا کر آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم آپ کو یثرب چلنے کی دعوت دیں۔ یقین ہے کہ آپ ہماری اس استدعا کو منظور فرما کر مسرور و شادمان فرمائیں گے:۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ مجھے یثرب والوں سے غائبانہ محبت ہے۔ مجھے ان سے ملنے کا بے حد اشتیاق ہے۔ مجھے خوشی ہے۔ کہ مجھے یثرب ہی میں ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے

لیکن خدا کا حکم صرف اسی قدر نازل ہوا ہے۔ کہ مجھے یثرب ہجرت کرکے جانا ہے۔ لیکن کب ہجرت کروں گا۔ اس کا ارشاد نہیں ہوا۔ تاہم آثار قرائن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ عنقریب ہجرت کرنے کا حکم ہونے والا ہے۔ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ حکم ہوتے ہی فوراً یثرب پہنچوں گا۔

اہل یثرب اس بات کو سُنکر کمال مسرور ہوئے براِبن المعرور نے کہا ہم اور تمام اہل یثرب اپنی خوش نصیبی پر جس قدر بھی ناز کریں کم ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاکر کہتے ہیں کہ اگر ہمیں ساری دنیا کی دولت اور سارے جہاں کی حکومت مل جائے تو ہم اس قدر مسرور شادماں نہیں ہوسکتے۔ جس قدر آنحضرت صلعم کے یثرب تشریف لے جانے سے ہوں گے۔ ہمارے لیے وہ دن کس قدر مسرت کا ہوگا جس دن آپ تشریف لے جاویں گے:۔

ابوالہیثم رضؓ نے کہا۔ بخدا بھائی براؓ نے بالکل سچ فرمایا۔ ہمیں دنیا بھر کی نعمتوں سے اور مسرتوں سے زیادہ آنحضرت صلعم کے تشریف لے چلنے کی خوشی ہوگی۔ ہماری عورتیں ہمارے مرد اور ہمارے بچے حضور اکرم کے لیئے چشم براہ ہوں گے

حضرت عباس نے فرمایا اے یثرب والو تم واقف نہیں ہو کہ حضرت محمد صلعم کو یثرب لے جانے سے کن مصائب اور کونسی دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ نہ صرف اہل مکہ بلکہ تمام عربستان تمہارے خلاف ہوجائے گا۔

سارے قبائل تم پر لشکر کشی کرینگے۔ ہر ایک قبیلہ تمہارا دشمن ہوجائیگا۔ قبیلہ کا ہر فرد تم سے نفرت کرے گا۔ سوچو تم کس کس کا مقابلہ کروگے اور کس کس سے حضرت محمد صلعم کو بچاؤ گے۔

آج حضرت محمد صلعم اپنے خاندان کی حفاظت میں ہیں۔ اگرچہ تمام مکہ اور مکہ کا تمام نواحی علاقہ آپ کا دشمن ہے۔ آپ کو ایذا پہنچانا اور قتل کرنا چاہتا ہے۔ مگر ہاشمیوں کے رعب و خوف سے چپ ہے۔ آپ کی حفاظت آسان کام نہیں ہے۔ اگر تم سارے عربستان کا نہیں۔ دنیا کے تمام کفار کا مقابلہ کرسکتے ہو۔ اگر تم عظیم اور خون ریز لڑائیاں لڑنے کے

لیئے آمادہ ہو؟ ۔

اگر تم دنیا و جہاں کے مصائب برداشت کرنے پر تیار ہو تو آنحضرت صلعم کو یثرب لے جانے یا وہاں بلانے کا نام لو ورنہ خاموش ہو جاؤ اور اس وقت کا انتظار کرو ۔ جب حضرت محمد صلعم کا خدا انہیں کفار مکہ پر فتح دے ۔

براؑ بن المعرور نے کہا ۔ اے ہاشمی نوجوان میں نے اور میرے ساتھیوں نے آپ کی بات سن لی ۔ ہم خوب جانتے ہیں ۔ کہ حضور اکرمؐ کو یثرب لے جانے سے ہم پر کس قدر ذمہ داریاں عائد ہوں گی ۔ کیا کیا مصائب برداشت کرنے پڑیں گے ۔ اور کون کون سے لوگوں سے لڑنا پڑے گا ۔

ہم نے ان تمام باتوں کو سوچ کر اور ان کے ہر ایک پہلو پر بنظر تعمق غور کرتے ہوئے آنحضرت صلعم کو دعوت دی ہے ۔ ہم اس وقت آپ کی حفاظت کریں گے جب کہ یثرب میں ایک مسلمان بھی زندہ رہے گا ۔ پر کسی کی ہمت نہیں ہے ۔ کہ ہماری زندگی میں آنحضرت صلعم کا بال بیکا بھی کر سکے ۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا اے یثرب کے مسلمانو میرے چچا عباس نے جو کچھ فرمایا ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ تمام واقعات ہونے والے ہیں ۔ آپ واقف ہوں گے کہ مکہ والے مجھے اور عام مسلمانوں کو کس قدر تنگ کر رہے ہیں ۔ ہم سے کس درجہ عداوت رکھتے ہیں ۔ میرا یثرب میں جانا اہل مکہ کو اعلان جنگ دینا ہے ۔ مجھے خوف ہے ۔ کہ خون کی ندیاں نہ بہہ جائیں گے ۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ مجھے یثرب میں ہجرت کرنے کا حکم ہو چکا ہے ۔ کب ہجرت کروں ؟ صرف یہ حکم باقی ہے ۔ اور حکم کا ہی مجھ کو انتظار ہے ۔

مگر میں یہ چاہتا ہوں ۔ کہ اگر میں خود آؤں گا ۔ تو ذمہ داری میری ہوگی اور اگر تم بلاؤ گے ۔ تو تمام ذمہ داری تم پر عائد ہوگی ۔ اس لیئے یہی بہتر ہے ۔ کہ تم دعوت نہ دو ۔ سعد بن زرارہ نے کہا ۔ حضور اکرم سنیئے ہم نے اور تمام اہل یثرب نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے

ہوئے حضور کو دعوت دی ہے۔ ہم آپ کو حضرت عباس کو یقین دلاتے ہیں کہ مر جائیں گے مگر آنحضرت صلعم پر آنچ نہ آنے دیں گے اوس اور خزاج کے قبائل ایسے کم بخت نہیں ہو جائیں گے۔ کہ اپنی ذمہ داری کو توڑ کر دنیا بھر میں رسوا ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہ کریں گے۔

براؑ نے کہا۔ ہم تمام ذمہ داریاں اپنے سر لیتے ہیں۔ اور زندگی کے آخری سانس تک آنحضرت صلعم کی رفاقت کا اقرار کرتے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ زندگی بھر تمہارے ساتھ رہوں گا میرا جینا اور مرنا یثرب میں ہو گا۔

عبداللہ بن رواحہ نے کہا۔ اے حبیبِ خدا آج ہم دنیائے جہاں پر لات مار کر آنحضرت صلعم کی دوستی کا اپنی آخری ایام زندگی تک اقرار کرتے ہیں۔ مگر اس کے صلہ میں ہم کو کیا ملے گا۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا خدا کی رضامندی اور عقبےٰ میں جنت عبداللہ نے جلدی سے کہا۔ بس اسی پر حضور صاد ہو چکا۔ اب نہ آپ اس قول سے پھریں گے نہ ہم پھریں گے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میں آجتک اپنے قول سے نہیں پھرا ہوں اور نہ آئیندہ انشاء اللہ پھروں گا۔ مگر ابھی تم نے اپنی مشکلات پر غور نہیں کیا۔ صرف یہی نہیں کہ تم کو دنیا بھر سے لڑنا پڑے گا۔ بلکہ یہ بھی کہ میرے ساتھ یا مجھ سے پہلے جو مکہ کے مسلمان ہجرت کریں گے۔ اور یثرب رہ جائیں گے۔ وہ تمام مفلس ہوں گے۔

نہ ان کے پاس کھانے کو ہو گا نہ پہننے کو ان سب کا بوجھ آپ پر پڑے گا۔ اور یہ بوجھ ناقابل برداشت ہو گا۔ اس لیئے تم اگر مناسب سمجھو۔ تو اس قدر ذمہ داریوں کا اقرار نہ کرو۔

عبادہ بن صامت نے کہا۔ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ایک بھائی کا فرض ہے کہ اپنے بھائی کی ہر ممکن امداد کرے۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کریں گے۔ جب تک مہاجرین کی ضروریات پوری نہ کریں گے۔ اس وقت تک کبھی اپنی ضروریات پوری نہ کریں گے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ تو بس تمام باتیں طے ہوگئیں۔

براءؓ نے کہا۔ حضور اکرمؐ ہاتھ بڑھائیے۔ ہم آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان تمام باتوں کا اقرار کر کے بیعت کرتے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے ہاتھ بڑھایا۔ ہر یثربی مسلمان نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ تاریخوں میں اس بیعت کا نام "بیعت عقبیٰ ثانیہ" ہے۔

یہ بیعت سنہ ۱۳ نبوی میں واقع ہوئی۔ بیعت سے فارغ ہو کر تمام مسلمان خاموشی سے ایک ایک دو دو کر کے منتشر ہونے لگے۔ یہ احتیاط اس وجہ سے کیجا رہی تھی کہ کسی طرح سے کفار مکہ کو اس اجتماع عظیم کا حال معلوم نہ ہو سکے۔

لیکن جب سعد بن زرارہ اور براءؓ بن المعرور آنحضرت صلعم سے رخصت ہو رہے تھے۔ تو ایک آواز آئی۔

اے مکہ والو ہوشیار ہو جاؤ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرو کار مسلمان تمہارے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلعمؐ۔ حضرت عباسؓ براءؓ اسعدؓ اس آواز کو سن کر چونک پڑے۔

حضرت عباسؓ نے حضرت اسعدؓ اور براءؓ سے کہا۔ اب تم ایک لمحہ کے لئے بھی توقف نہ کرو۔

فوراً یثرب چلے جاؤ۔ کسی شریر شیطان نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور ہماری باتوں کو سن لیا ہے۔

فوراً اسعد اور براءؓ چلے اور چند ہی قدم چل کر گھاٹیوں کے پیچ و خم

میں غائب ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباسؓ چلے اور گھاٹی سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(۲۰)

بیسواں باب

اِذن ہجرت

جب آنحضرت صلعم گھاٹی سے نکلے اور چند قدم چلے تو آپ کو کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ آپ نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ تو اس طرف سے ایک قوی ہیکل عرب لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا آرہا تھا۔ حضرت عباس نے بھی اس آنوالے عرب کو دیکھا۔ عرب قدم بڑھاتا ہوا اور درشت لہجہ میں بولا۔ محمدؐ تم کیا سازش کر رہے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اس کی طرح دیکھ کر جواب دیا۔

نضر تمہیں کس سازش کا گمان ہوا؟ یہ اعرابی نضر بن الحارث ہی تھا۔ یہ قبیلہ بنو عبدالدار کا ایک فرد تھا۔ نہایت سرکش بڑا مدمغ تھا مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ کفر و شرک میں ابوجہل سے کم نہ تھا۔ اُس نے کہا میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے یثرب کے لوگوں کو مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی ہے۔

آنحضرت صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔ نضر یہ خیال خام ہے۔ یثرب والے کیوں میرے کہنے سے مکہ پر حملہ آور ہوں گے۔

نضر نے بگڑ کر دریافت کیا۔ پھر کیا مشورہ کیا جا رہا تھا۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ چونکہ اہل مکہ مجھے اور مسلمانوں کو ستاتے ہیں اس لیے میرا ارادہ یثرب میں ہجرت کر جانے کا ہے۔ یہی مشورہ تھا۔ اور اسی مشورہ

کے لیئے ہم جمع ہوئے تھے۔ چونکہ کفار بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ آنحضرت صلعم کبھی کسی حالت میں جھوٹ نہیں بولتے۔ اس لیئے نفر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تردید کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ اُس نے صرف اتنا دریافت کیا۔ کیا آپ یثرب جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں نفر جب میری قوم مجھے ستانی ہے۔ تو میرے لیئے سوائے ہجرت کرنیکے اور چارہ ہی کیا ہے۔ نفر چپ ہو کر چلا گیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم اور عباس بھی چلے۔ مکہ میں داخل ہو کر آپ اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ نے مکان پر آکر نماز پڑھی اور آرام کرنے لگے۔ صبح سویرے بیدار ہو کر ارقم کے مکان پر پہنچے۔ چونکہ صبح کی نماز کا وقت تھا۔ اس لیئے مسلمان جمع تھے۔ سب نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھکر آنحضرت صلعم نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کی سب مؤدب بیٹھ کر سکون و اطمینان سے سننے لگے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جب زبور پڑھا کرتے تھے تو انسان تو انسان پرندے تک بھی ان کی خوش الحانی سے مسحور ہو جایا کرتے تھے۔ وہ نہایت خوش آواز تھے۔ مگر آنحضرت صلعم کچھ ایسے لہجہ میں کلام اللہ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ کہ مسلمان یا کافر جو سنتا تھا۔ محو و منہمک ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا۔

چنانچہ آج بھی تمام مسلمان کمال سکون بڑی توجہ اور پورے انہماک سے سن رہے تھے جب آنحضرت صلعم نے تلاوت ختم کی تو مسلمانوں نے سر اٹھائے۔ آنحضرت صلعم کو دیکھا مگر بڑھے ہوئے جلال و جمال سے آپ کا روئے انور زیادہ عرصے تک نہ دیکھ سکے آنکھیں جھکا لیں اور بیٹھے رہ گئے۔ اب آنحضرت صلعم تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوکے۔

سلمانو! مجھے ہجرت کا حکم ملا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یثرب ہی دار الاسلام بنے گا۔ اہل مکہ کی سختیاں حد سے گذر گئی ہیں۔ انشاءاللہ یثرب میں پہنچکر مسلمانوں کو آرام و

اطمینان نصیب ہوگا۔ تم میں سے جو لوگ ہجرت کر سکتے ہیں۔ یا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ آج ہی سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اور چونکہ احتمال ہے کہ کفار مکہ ہجرت نہ کرنے دیں گے بلکہ مزاحم ہوں گے۔ اس لیئے خفیہ طریقہ پر روانگی ہوگی۔ اس وجہ سے تیاریاں بھی خفیہ طریقے پر کی جائیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ اے خدا کے محبوب آخر ہم کب تک کفار کے تختہ مشق ستم بنے رہیں۔ کیوں ان سے ڈر کر چھپ کر چوروں کی طرح سے ہجرت کریں کیوں نہ تمام مسلمان ملکر ایک ہی دن سب کے سامنے یثرب کیجانب روانہ ہوں

آپ نے فرمایا کہ اس طرح فساد ہونے کا احتمال ہے کفار لڑائی کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہمیں اپنی طرف سے انہیں لڑائی کا موقعہ نہ دینا چاہیئے۔ اس کے علاوہ لڑائی کے متعلق ابھی تک خدا کا حکم صادر نہیں ہوا ہے۔ اور ہمیں بغیر خدا کے حکم کے کوئی کام نہ کرنا چاہیئے:۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا بے شک ہم محکوم ہیں۔ خدا کے اور خدا کے بعد اس کے رسول کے۔ اس لیئے ہم کو وہی کرنا چاہیئے جس کا خدا اور اس کے رسول حکم دیں۔ اگر آپ کا یہی منشا ہے۔ کہ ہم خفیہ طریقے پر ہجرت کی تیاریاں کریں تو ہم کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔

اگو چہ وطن ہر قوم کو۔ قوم کے ہر خاندان کو اور خاندان کے ہر فرد کو عزیز ہوتا ہے۔ مکہ ہمارا وطن ہے۔ ہم کو بھی اپنا وطن عزیز ہے۔ مگر خدا اور اس کے رسول کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔

جب ہم نے اسلام کی محبت میں اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو چھوڑ دیا تو تو وطن چھوڑنے میں کیا بات مانع ہو سکتی ہے۔ ہم تیار ہیں۔ جب آنحضرت صلعم حکم دیں گے۔ فوراً تیار ہو جائیں گے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔

تیاری کرو۔ اور ہجرت کر جاؤ۔ مگر اس بات کا خیال رہے کہ کوئی ایسا شخص ہجرت نہ کرے جو کفار کا مقروض ہو جس کے پاس کفار کی امانتیں ہوں۔ کوئی آدمی کفار کا ایک چھلہ ایک تنکہ بھی لیکر نہ جائے۔ ہجرت وہ اشخاص کریں جو ہر طرح سے آزاد ہوں

حضرت صدیق اکبر رضہ نے فرمایا۔ مسلمانو! اگر تم میں سے کسی پر کسی کافر کا قرضہ آتا ہو تو مجھے بتاؤ کہ میں اُسے ادا کر کے تم کو آزاد کراؤں۔ سب نے کہا ہم میں سے کسی پر بھی کسی کافر کا قرضہ نہیں آتا۔ چونکہ کفار مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قرضہ دیدیتے۔

آپ نے فرمایا۔ اب تم ہجرت کرنیکے مجاز ہو۔ کچھ عرصے کے بعد آپؐ اُٹھے اور اپنے مکان کیطرف روانہ ہوئے۔ آپکے بعد تمام مسلمان دو دو چار چار کر کے ارقم کے مکان سے نکلے اور اپنے اپنے مکانوں کی طرف چلے گئے۔ چونکہ حج ہو چکا تھا۔ اس لیے حجاج کے قافلے بھی روانہ ہونے شروع ہوئے۔ چار پانچ دن میں تمام قافلے اور سارے حاجی چلے گئے اور کف دست میدان پڑا رہ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد ہی مسلمانوں نے ہجرت شروع کر دی۔ جو لوگ سواری کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ وہ پیدل ہی روانہ ہو گئے۔

اول اول تو کفار مکہ مسلمانوں کی ہجرت سے لاعلیم رہے۔ مگر جب ہجرت کر کے جانے والوں کے مکان خالی دیکھے تب کھٹکے اور سوچنے لگے کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں تھوڑی ہی تفتیش سے معلوم ہو گیا۔ کہ یہ سب یثرب روانہ ہو گئے۔ اور تمام مسلمان عنقریب ہجرت کرنے والے ہیں۔ اس بات نے کفار مکہ کو برہم کر دیا۔ اس بے رحمی کی وجہ یہ بھی کہ اہل مکہ کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ مسلمانوں نے تبلیغ اسلام کا مرکز یثرب قرار دے لیا ہے۔ اور یثرب کے لوگ جوق در جوق مسلمان ہو رہے ہیں۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ مکہ کے مسلمان وہاں پہنچ کر زور و قوت حاصل کر کے ان کے اور اُن کے اعزاز کے لئے خطرہ عظیم کا باعث بنجائیں گے۔ اس لئے اب انہوں نے ہجرت میں روڑے اٹکانے شروع کئے

ہر ممکن طریقہ سے انہیں روکتے اور ان کی نگہداشت کرنے لگے۔ جب معلوم ہوتا کہ کہ کوئی مسلمان ہجرت کرنیوالا ہے۔ تو اُس کا مکان گھیر لیتے اسکی تمام چیزیں چھین لیتے اور زدوکوب کرتے۔ سنگدل وحشی کفار مکہ یہ بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ کہ بے کس و بے بس مسلمانوں کو ہجرت ہی کرنے دیں۔ بلکہ یہ چاہتے تھے۔ کہ یا تو مسلمان دوبارہ کافر ہو کر اُن کے مذہب میں داخل ہوں یا ذلیل و غلام بن کر مکہ میں رہیں۔ مسلمان بھی ان سے تنگ آگئے تھے۔ اور وہ موقعہ و محل کے منتظر تھے۔ اور جب موقعہ پاتے آنکھ بچا کر ہجرت کر جاتے اس طرح سے چپکے ہی چپکے بیسیوں مسلمان ہجرت کر گئے۔ مشرکوں کو مسلمانوں کی یہ حرکت اس درجہ ناگوار گذری کہ انہوں نے غصہ میں آکر ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے گھروں میں آگ لگا دی اور انہیں ایک تودہ خاک بنا دیا۔ اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ دیگر مسلمان اپنے گھروں کی بربادی کا خیال کر کے ہجرت کا ارادہ فسخ کر دیں۔ لیکن جو لوگ ہجرت کر رہے تھے۔ جنکی واپسی کا ارادہ ہی نہ تھا۔ انہیں گھروں کی بربادی کا کیا خیال ہوتا۔ چنانچہ کسی نے بھی اپنا یہ خیال ترک نہ کیا۔ بلکہ برابر ہجرت کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کا جوش و غضب حد سے تجاوز کر گیا۔

انہوں نے طے کیا کہ جو مسلمان ہجرت کرے اس کا مال و اسباب چھین لو اور زدوکوب کرو۔ اگر وہ ہجرت سے باز آجائے تو اُس کا مال واپس کر دو۔ ورنہ اپنے کام میں لاؤ۔

کفار مکہ کی یہ تدبیر ایک حد تک کامیاب رہی۔ کیونکہ اسباب کو سُن کر مکہ کے اوباش اور بدمعاش ہر وقت مکہ کے باہر چاروں طرف مسلمانوں کی تاک میں بیٹھے رہتے۔ تاکہ جس وقت کوئی مسلمان مکہ سے باہر نکلے خواہ وہ ہجرت کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اُسے لوٹ لیں اس سے مسلمانوں کی روانگی میں ایک گونہ تساہل واقع ہو گیا۔ ایک دن حضرت صہیب رضؓ رومی کچھ زر نقد لیکر چپکے سے مکہ سے نکلے اور یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی وہ تھوڑی دُور چلے تھے۔ کہ چند بدمعاش لوگوں نے اُنہیں آگھیرا اور بغیر کچھ کہے سُنے زدوکوب کرنا شروع کر دیا حضرت صہیب رضؓ پٹ رہے تھے۔ لاتیں اور گھونسے کھا رہے تھے۔ نہ انہیں کوئی بچانے والا تھا۔

اور امداد کرنے والا تھا۔ چپ چاپ حسرت سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بدمعاشوں نے اچھی طرح سے آپ کو زدوکوب کیا جو کچھ نقدی تھا۔ سب چھین لیا گیا اور اُسے بیک بینی و دو گوش جنگل کی طرف دھکیل دیا۔ آپ صبر و شکر کر کے اسی حالت میں روانہ ہو گئے۔

یثرب کیجانب پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں پر دن دہاڑے ڈکیتیاں کیجاتی تھیں۔ انہیں لوٹا جاتا تھا۔ زدوکوب کیا جاتا تھا۔ مگر ان کے لیئے کوئی ضابطہ کوئی قانون کوئی دارالامان باقی نہ رہا تھا۔ بدمعاش اور اوباش رات دن بے بس اور مظلوم مسلمانوں کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ نت نئے الزام تراش تراش کر انہیں ستاتے اور لوٹتے رہتے تھے۔

مسلمان سختیاں اُٹھا رہے تھے۔ لٹ رہے تھے۔ مگر اُف تک نہ کرتے تھے۔ یہ فخر صرف مسلمانوں ہی کی قوم کو حاصل رہا تھا۔ کہ ہزار سختیاں اٹھانے پر بھی کبھی اس قوم کے پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی۔ کبھی کوئی مسلمان کسی سختی یا کسی لالچ سے متاثر ہو کر کفر کی طرف جھکا۔ باوجود کفار کی چیرہ دستیوں کے ہجرت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت بلالؓ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تمام کے تمام ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ جو باقی رہ گئے تھے۔ وہ چھپ چھپا کر ہجرت کرنے کی فکر میں تھے۔ جو شخص ہجرت کرتا۔ وہ آنحضرت صلعم سے اجازت لیتا۔ آپ اس سے کہہ دیتے کہ یثرب والوں سے کہہ دینا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب آنے والا ہوں۔

ایک روز ابو سلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ پچھلی رات کو وہ اونٹ پر سوار ہوئے۔ اپنی بیوی ام سلمیٰ کو سوار کرایا۔ ان کے یہاں صرف ایک ہی بچہ تھا۔ اسے گود میں لیا اور روانہ ہوئے ابھی آپ مکہ کی گلیوں میں ہی تھے کہ قبیلہ بنو مغیرہ کے ایک آدمی نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُس نے لپک کر اونٹ کی مہار پکڑ لی بلند آواز سے دریافت کیا۔

ابو سلمہ کیا تم بھی ہجرت کر رہے ہو؟

ابو سلمہؓ نے کہا۔ ہاں مجھے مکہ والوں نے اس قدر ستایا ہے کہ بغیر ہجرت کے میرے

لئے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اس اعرابی نے کہا۔ کیا تو اپنی بیوی ام سلمیٰ کو بھی لے جانا چاہتا ہے۔

ابو سلمہ نے کہا کیوں نہ ہو! ۔ یہ میری بیوی ہے۔ میں انہیں بھی اپنے ہمراہ ہی لئے جا رہا ہوں۔

اعرابی نے بگڑ کر کہا۔ ہبل کی قسم تو ام سلمیٰ کو نہیں لے جا سکتا۔ ہمارے قبیلہ کی بیٹی ہے۔ تجھے اسے لے جانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ام سلمیٰ قبیلہ بنو مغیرہ کی بیٹی تھیں۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہو چکی تھیں۔ ابو سلمیٰ نے کہا۔ یا شیخ ام سلمیٰ میری بیوی ہے۔ مسلمان ہو چکی ہے۔ اپنی خوشی سے میرے ہمراہ جا رہی ہے تم اس سے ہی دریافت کر سکتے ہو۔

اعرابی نے برافروختہ ہو کر کہا۔ میں نہیں دریافت کرتا۔ تو اسے اغوا کر کے لئے جا رہا ہے میں اسے کبھی نہ جانے دوں گا۔

ام سلمیٰ نے کہا۔ تم غلط کہہ رہے ہو۔ مجھے کسی نے اغوا نہیں کیا ہے۔ بلکہ میں اپنی خوشی سے جا رہی ہوں۔

اعرابی نے کہا۔ تیری خوشی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ دیکھوں تجھے قبیلہ بنو مغیرہ کے لوگ کیسے جانے دیتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے اس نے آواز دی۔ اے قبیلہ بنو مغیرہ کے غیور عربو دیکھو۔ تمہاری بیٹی ام سلمیٰ کو ابو سلمہ اغوا کر کے لئے جا رہا ہے۔ کیونکہ اب صبح ہو گئی تھی۔ اس لئے لوگ بیدار ہونے لگے تھے لہٰذا بہت سے آدمی دوڑ آئے۔ ان آنے والوں میں کچھ لوگ بنو مغیرہ کے تھے۔ اور کچھ قبیلہ بنو عبد الاسد کے تھے۔

ابو سلمہ قبیلہ بنو عبد الاسد سے تعلق رکھتے تھے۔ لوگوں نے آتے ہی دریافت کیا۔ کیا معاملہ ہے ابو سلمہ تم کہاں جا رہے ہو۔ اعرابی نے کہا۔ یہ ہجرت کر کے جا رہا ہے۔ ام سلمیٰ اور اپنے بچہ کو بھی

ہمراہ لے جانا چاہتا ہے۔ کیا تم اسے لے جانے دوگے؟

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔

ابو سلمہ نے کہا۔ لوگو! میں اپنی بیوی اور بچے کو لے جا رہا ہوں۔ جب تمھیں ہمارا مکہ میں رہنا گوارا نہیں۔ تو ہم یہاں کیسے رہیں۔

ایک شخص نے کہا۔ تم بیوی اور بچہ کو چھوڑ دو۔ اور اپنی اونٹنی ہمارے حوالہ کر دو۔ اس کے بعد اکیلے جہاں جی چاہے۔ چلے جاؤ۔

ابو سلمہ کو اپنے بچہ اور بیوی سے بے حد محبت تھی۔ وہ ان کی جدائی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ اسقدر ظلم نہ کرو۔ تم اونٹنی لے لو۔ میرا تمام مال اسباب لے لو۔ لیکن میری بیوی اور بچہ کو مجھ سے نہ چھینو۔

ایک آدمی نے غضبناک ہو کر کہا۔ تم ہرگز اپنے بچہ اور بیوی کو نہیں لیجا سکتے۔ لوگوں اس سے ان دونوں کو چھین لو۔ فوراً لوگ جھپٹ پڑے۔ قبیلہ بنو عبدالاسد کے ایک شخص نے بچہ کو چھین لیا اور قبیلہ بنو مغیرہ کے لوگوں نے ام سلمٰی کو اونٹ سے اتار لیا۔

جو عرب اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا۔ اس نے ابو سلمہ کو دھکا دیکر نیچے گرا دیا اور اونٹنی کو مع تمام سامان کے جو اس پر بار تھا لے کو چلدیا۔

ابو سلمہ اٹھ کھڑے ہوئے بچہ اور بیوی کی محبت نے جوش مارا اور انہوں نے نہایت عاجزی سے کہا۔ آہ۔ اس قدر ظلم نہ کرو۔

ام سلمٰی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ مجھے چھوڑ دو میں اپنے سرتاج کے ہمراہ جاؤں گی۔ یہ کہتے ہی وہ ابو سلمہ کی طرف جھپٹیں۔ لوگوں نے انہیں دو قدم بھی نہ چلنے دیا اور پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

بچہ معصوم بچہ آغوش مادر سے الگ ہو کر رونے لگا۔ وہ ہمک ہمک کر باپ کی طرف جھکا مگر بے درد جفاکار کفار نے اسے ڈپٹ دیا اور وہ ننھی سی جان روتے روتے نڈھال

ہو گیا۔

اُم سلمیٰ بھی رونے لگیں۔ انہوں نے اپنے شوہر سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ میرے سرتاج۔ ظالم و بیرحم قوم مجھے تم سے الگ کر رہی ہے۔ اور تمہارے بچہ کو تم سے چھین رہی ہے۔ یہ امتحان کا وقت ہے۔ دیکھو پائے ثبات میں لغزش نہ آجائے۔

ابو سلمہ رضؓ نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔

میری رفیقہ حیات میں مسلمان ہوں اور مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ کسی مصیبت میں نہ گھبرائے۔ خدا میرا امتحان لینا چاہتا ہے۔ میرے صبر و استقلال کا امتحان ہے۔ انشاء اللہ میں اس امتحان میں کامیاب رہوں گا۔ میں ہجرت کروں گا۔ اچھا سرمایہ حیات رخصت

ابو سلمہؓ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ان کی آواز گلوگیر ہو کر رہ گئی۔

ام سلمہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اچھا پیارے شوہر الوداع یہ کہتے ہی وہ زار و قطار رونے لگیں۔ بچہ ابھی تک الگ رو رہا تھا۔ یہ افسوس ناک منظر دیکھ کر بھی کسی کا دل نہ پسیجا

ابو سلمہ رضؓ نے حیرت انگیز طریقہ سے اپنی بیوی اور پھر اپنے لختِ جگر کو دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے چلے۔ گلیوں سے باہر نکل کر یثرب کی جانب روانہ ہوئے

اکیسواں باب (۲۱)

تدبیر قتل

وطن اور گھر بار چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ پھر ایسی حالت میں کہ جو کچھ پونجی ہو وہ دن دہاڑے لوٹ لی جائے۔ بچے چھین لیئے جائیں۔ بیوی زبردستی کر لی جائے۔ بیک بینی دو گوش وطن کو عزیزوں کو دوستوں کو خیرباد کہہ کر محض خدا اور خدا کے رسول کے حکم کیمطابق یا اتباع میں دیار غیر میں ہجرت کر کے جانا مسلمانوں ہی کی علو ہمتی کا کام تھا۔ اور وہ بھی قرن اولے کے مسلمانوں کا آج کل مسلمان سوچیں اور غور کریں کہ وہ کہاں تک عمل کرتے ہیں ایک مسلمان وہ تھے جو اپنا آبائی مذہب اصنام پرستی چھوڑ کر اسلام کے ایسے والا شیدا ہوئے کہ جو خدا کا رسول حکم صادر کرتا تھا بے چون و چرا اس پر عمل کرتے تھے۔ اور کسی نفع و نقصان کی پرواہ تک نہ کرتے تھے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ ترجمہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ ان کا عمل تھا۔ ایک ہم مسلمان ہیں کہ ہر کام میں نفع و نقصان پہلے دیکھ اور سوچ لیتے ہیں نہ احکام شرع کے پابند ہیں۔ نہ حکم خدا پر عمل کرتے ہیں کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں۔ مگر جب ہمیں ٹٹولا جائے تو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ مسلمان کبھی نہیں بن سکتے۔ جب تک کہ پکے مسلمان نہ بن جائیں۔ کیوں اور کیسے کی تاویل کیئے بغیر خدا اور خدا کے احکام کی تعمیل نہ کریں

قرآن شریف کو مشعل راہ عمل بنائیں۔ دنیا اچھی طرح سے جانتی ہے کہ اسلام ایسے زریں اصول لے کر آیا ہے جن میں ایسی دلنشینی اور جاذبیت ہے جو غیر مذاہب کے حق پسند لوگوں سے بھی خراج تحسین وصول کرتے ہیں۔

قرون اولیٰ کے مسلمان ان پر عمل کرتے تھے۔ دنیا ان کے قدموں پر آپڑی تھی مگر ہم بھی اس پر عمل کرتے تھے۔ دنیا ان کے قدموں پر آپڑی تھی۔ مگر ہم نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا اس لئے دنیا نے ہم کو ٹھکرا دیا۔ ہندوستان میں اس وقت دس کروڑ کے قریب مسلمان ہیں اگر قرون میں صرف اتنی بھی تعداد مسلمانوں کی ہو جاتی تو دنیا کا چپہ چپہ ان کے زیر نگین ہوتا لیکن اس قدر تعداد ہونے پر نکبت ذلت ہم پر طاری ہے۔ وہ اہل نظر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم نام کے مسلمان ہیں دس کروڑ سے دس لاکھ تو کیا دس ہزار بھی قرآن مجید کو نہیں پڑھتے اور عمل تو ایک ہزار بھی نہیں کرتے۔

اگر سارے مسلمان قرآن شریف کو سمجھ کر پڑھیں اس پر عمل کریں تو دنیا ان کے قدموں پر آپڑے۔ پھر وہ آفتاب بن کر چمکیں۔ پھر دنیا میں ان کی دھاک بندھ جائے۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ مغرب قومیں آج قانون کے ذریعہ سے تمدن اور معاشرت کے اصول قائم کر رہی ہیں۔ سیاست اور مذہب کے اصول بنا رہی ہیں۔ مگر اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے یہ تمام اصول قائم کر دئیے تھے۔ سچ پوچھئے تو آج غیر اقوام اسلام کی خوشہ چینی کر رہی ہیں۔

اگر ہم کو اپنے مقالہ کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم بالتشریح بتاتے کہ کس طرح سے کس قوم نے اسلام کے کیا کیا اصول اختیار کر لیے ہیں۔ یہ امر واقع ہے کہ جب کبھی بھی مسلمانوں نے قرآن شریف پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو۔۔ ذلیل و خوار ہوئے اور جب عمل شروع کر دیا تو معزز و متفخر ہو گئے۔

یہ بات مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہیں قرآن شریف پر عمل کر کے

اعزاز حاصل کریں اور جب چاہیں اُسے چھوڑ کر ذلیل و خوار ہو جائیں۔ چنانچہ ستم زدہ اور بے کس مسلمانوں نے احکام خداوندی کی متابعت میں گھر بار چھوڑا۔ عزیز و اقارب چھوڑے۔ بیویاں اور نورِ نظر چھوڑے۔

دولت چھوڑی۔ غرضیکہ سب کچھ چھوڑ کر مکہ سے یثرب کو ہجرت کی تمام مسلمان ہجرت کر گئے۔ صرف وہ ضعیف اور کمزور مسلمان باقی رہ گئے۔ جو ضعف اور نقاہت کی وجہ سے سفر نہ کر سکتے تھے۔ یا خود آنحضرت صلعم۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رہ گئے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ کو آنحضرت صلعم نے روک دیا تھا۔ کفار مکہ دیکھ رہے تھے کہ باوجود شدید نگرانی کے اور قزاقی اور ڈکیتی کے مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے ہجرت کر چکے تھے۔

اس طرح سے مسلمانوں کی پوری جماعت یثرب پہنچ چکی تھی۔ اس سے کفار کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ ایک دن انہوں نے سنا کہ حضرت عباس رضؓ۔ آنحضرت صلعم کے چچا بھی مسلمان ہو کر ہجرت کر گئے ہیں۔ ان کو انہیں بے حد افسوس ہوا۔ اب انہیں احساس ہو گیا کہ مسلمان اُن کے لیئے ایک مستقل خطرہ بن گئے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا۔ کہ ان کی موت و حیات کی بقاء مسلمانوں کے کلی استیصال پر منحصر ہے۔ اور مسلمانوں کا استیصال حضور اکرمؐ کے خاتمہ پر ہے۔ نعوذ باللہ۔

چنانچہ انہوں نے ایک عظیم الشان جلسہ کا اعلان کیا۔ اس جلسے میں ہر قبیلہ ہر خاندان اور خاندان کے ہر بڑے سردار آدمی کو مدعو کیا گیا۔ ہر قبیلہ ہر خاندان اور ہر طبقہ کے لوگ جمع ہوئے۔ باہر سے بھی کچھ لوگ بلائے گئے۔ یمن و نجد اور نواح مکہ سے تعداد کثیر لوگ آئے ۱۴ سنہ نبوی میں یہ عظیم الشان جلسہ دار الندوہ میں رات کے وقت منعقد ہونا قرار پایا۔ تمام دار الندوہ لوگوں سے بھر گیا۔ چند آدمیوں کو پہرہ پر بٹھا دیا گیا۔ تاکہ مسلمان یا کوئی غیر آدمی

اندر نہ آنے پائے۔ جس سے ان کی تجاویز یا جلسہ کی کاروائی کی خبر عوام کو نہ ہو جائے۔

اس احتیاط اور اعتقاد کے ساتھ اجلاس شروع کیا گیا۔ ایک نجدی بڈھا اور تجربہ کار آدمی صدر بنایا گیا۔ یہ نہایت ہوشیار اور چالاک آدمی تھا۔ کوئی بات شیطانیت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ بڑا امکار اور پورا شیطان تھا۔ ابوجہل نے جلسہ کی کاروائی شروع کرتے ہوئے کہا۔ عزیزو بڑا افسوس ہے۔ کہ اسلام ہمارے اعزہ اور آبائی مذہب میں لوٹانے کی کوشش کی ہے۔ اسی قدر ہم کو ناکامی ہوئی ہے۔ اسلام پھیلتا رہا اور مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی آبائی مذہب میں نہ لوٹا۔ آپ کو اچھی طرح سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت تعداد تو حبش میں ہجرت کر کے چلی گئی ہے۔ اور وہاں اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہی ہے اور دوسری بڑی جماعت یثرب پہنچ گئی ہے۔ یثرب کے زیادہ تر لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب اسلام کی طاقت بڑھ گئی ہے۔ اور مسلمانوں کی ایک قوم بن گئی ہے۔ جو رفتہ رفتہ قوت حاصل کر رہی ہے۔ اگر اس قوت کو نہ توڑا گیا۔ تو ہمارے معبودوں کو ہماری قوم کو اور ہمارے مذہب کو عرب ستان سے ذلیل ہو کر نکلنا پڑے گا۔ یا ہم کو مسلمانوں کے محکوم بنکر ذلت و پستی کی حالت میں رہنا ہو گا میرے خیال میں ہم میں سے کوئی آدمی بھی اس تذلیل کو گوارا نہ کر سکیگا۔

آج ہم اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ مستقل کے اس خطرہ کا کوئی ایسا علاج و مداوا کریں۔ کہ جس سے یہ خطرہ جاتا رہے۔

ابوجہل خاموش ہو گیا۔ اس کے خاموش ہونے پر ابولہب کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے کہا۔ اے اصنام پرستو میرے بھائی ابوجہل نے جس خطرہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ کوئی معمولی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ نہایت ہی زبردست خطرہ ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ ہم کس طرح سے اس خطرہ عظیم سے بچ سکتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس خطرہ کی بنا کیا ہے۔ بنا محمدؐ کا وجود ہے۔ یہ خطرہ انہیں کی وجہ سے ہے۔

جب تک وہ آزاد اور زندہ ہیں۔ خطرہ بڑھتا ہی رہے گا۔ اس لئے کوئی ایسی تجویز

سوچیئے۔ کہ جس سے یا تو محمدؐ ہمارے مذہب میں لوٹ آئیں۔ یا وہ اس قدر بے بس و مجبور کر دیئے جائیں۔ کہ وہ نئے مذہب کی تبلیغ ہی نہ کر سکیں۔

ابوسفیان نے کہا۔ یہ خیال کہ محمدؐ ہمارے مذہب میں لوٹ آئیں گے۔ فضول ہے انہیں ہر ممکن لالچ دے کر سمجھایا گیا۔ ہر طرح سے کہا گیا۔ لیکن وہ ہمارے مذہب میں تو کیا داخل ہوتے اپنے مذہب کی تبلیغ سے بھی دستکش نہ ہوئے۔ اس لئے اس خیال کو چھوڑ ہی دو۔ اور کوئی ایسی تجویز سوچو۔ کہ جس سے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اور محمدؐ کا خاتمہ ہو جائے

شیطان سیرت صدر نے کہا۔ یہ تجویز مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ جب ان کے رشتہ داروں اور ان کے پیرووں کو یہ حال معلوم ہوگا۔ تو انہیں چھڑانے کی سعی کرینگے۔ اور اس طرح سے فساد اور بڑھ جائے گا۔ اور نہایت خونریز جنگ شروع ہو جائیگی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہو۔ اور کب تک جاری رہے۔

ابوالبختری نے کہا۔ بے شک ایسا کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ میری رائے میں تو انہیں جلاوطن کر دیجیئے۔ اور کوشش کیجیئے۔ کہ وہ یا کوئی مسلمان کبھی مکہ میں داخل نہ ہونے پائے۔

مکار صدر نے کہا۔ سب سے زیادہ خراب اور نقصان دہ یہی تجویز ہے۔ مسلمان خود ترک وطن کر رہے ہیں۔ محمدؐ بھی ضرور ہجرت کرینگے۔ غالباً وہ بھی یثرب ہی جائیں گے۔ وہاں جا کر وہ آزادی سے اپنی جمعیت بڑھا اور اپنے مذہب کی تبلیغ کر دیں گے۔ اس لئے یہ تجویز کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے۔

عتبہ نے کہا۔ میرے خیال میں حضرت محمد صلعم کو ان کے مکان ہی میں نظر بند کیا جائے۔ لیکن نہ انہیں مکان سے باہر نکلنے دیا جائے۔ نہ کسی سے ملنے دیا جائے۔ صدر نے اس تجویز کی بھی مخالفت کی۔ اور کہا۔ اس تجویز سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ آخر کب تک جبر گیری کی جا سکتی ہے۔ اس سے پہلے انہیں اور ان کے پیرووں کو شعب ابی طالب میں پورے تین سال تک قید رکھا جا چکا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے لوگ عام طور پر ان سے ہمدردی کرنے لگ گئے تھے

ان کو مظلوم وستم رسیدہ سمجھا گیا اور آپ ہی کی قوم کے لوگ آپ کے مخالف انکی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب ابوجہل اٹھا اور اس نے کہا۔

اس وقت میرے ذہن میں ایک چیز آئی جسکی آپ سب تائید کریں گے۔ ہم کو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل میں یہ اندیشہ ہے کہ آل ہاشم ان کا محمدؐ کا انتقام انہیں قتل کرنیوالے سے لینگے تو کوئی ایک آدمی انہیں قتل نہ کرے۔ بلکہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک شمشیر زن منتخب کیا جاوے اور یہ لوگ محمدؐ کو اپنے نرغہ میں لے کر ہر چہار اطراف سے ایک دم ان پر تلواروں کی بارش شروع کر کے انہیں قتل کر ڈالیں۔

چونکہ یہ فعل تمام قبائل کی طرف منسوب ہوگا۔ اس لیے بنو ہاشم تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکیں۔ بلکہ دیت منظور کر لیں گے اور دیت میں جو کچھ وہ مانگیں گے۔ سب مل کر نہایت آسانی سے ادا کر سکیں گے۔

شیطان سیرت صدر نے کہا۔ بلاشبہ یہی وہ تجویز ہے جو اول ہی میرے دماغ میں آئی تھی۔ سنو بنائے فساد محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے۔ اس کے مٹانے سے ہی تمام فتنہ فساد مٹ سکتا ہے۔ اس عظیم فساد کو مٹانے کے لیے اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہوسکتی۔ جو آپ کے سامنے بھائی ابوجہل نے پیش کی ہے۔ کیا آپ اس تجویز کی تائید کرتے ہیں؟

ہر طرف سے آوازیں آئیں بلاشبہ یہ تجویز نہایت مناسب ہے اور بے ضرر ہے بلا مبالغہ بے خطر ہے۔ اس پر عمل کرنے سے فساد اور بنائے فساد کا خاتمہ ہو جائے گا۔

جب تمام مجمع نے اس تجویز کی تائید کی تو ہر قبیلہ سے ایک ایک ہوشیار تجربہ کار اور بہادر شمشیر زن منتخب کر لیا گیا۔ جب لوگوں کا انتخاب ہو چکا تو مکار صدر نے کہا اب وقت تجویز کرو کہ کس وقت حملہ کیا جائے۔

ابولہب نے کہا۔ کل صبح جس وقت آنحضرت صلعم اپنے مکان سے باہر نکلیں تو فوراً حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا جائے۔

بڈھے نے کہا۔ کیا دن میں۔

ابولہب نے کہا۔ ہاں دن میں؟ کیوں اس میں کیا قباحت ہے۔

بڈھے نے سنجیدگی سے کہا۔ وہی قصاص کی قباحت باقی رہی۔ یہ واقعہ ہے کہ تمام لوگوں کی تلواریں ان پر بیک وقت نہ پڑیں گی۔ اس طرح سے بنو ہاشم اس شخص یا اُس آدمی کے قبیلہ سے قصاص لیں گے۔

جسکی تلوار پہلے پڑیگی یہ تخصیص کہ پہلے کس کی تلوار پڑی دن میں معلوم ہو سکتی ہے لیکن رات کے اندھیرے کی وجہ سے اس کا خدشہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیئے اس کام کے لیئے دن نہیں رات ہی بہتر ہے۔

ابوجہل۔ بس تو ابھی چل کر کیوں نہ ختم کر دیا جائے۔

صدر نے کہا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ بات بھی ہو کہ ہم نے دانستہ طور پر انہیں قتل کر دیا ہے۔ بلکہ اس حثیت سے قتل کرنا چاہیئے کہ گویا وہ محض اتفاقیہ ہی قتل ہو گئے۔ اس لیئے آج کی شب مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت رات زیادہ آچکی ہے کل آغاز شب کے ساتھ ہی ان کے قتل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور جب بھی موقعہ ہاتھ لگے۔ بلا تکلف انہیں قتل کر ڈالنا چاہیئے۔

سب نے صدر کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ منتخب شدہ لوگوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ آنے والی شب کو آنحضرت صلعم کے گھر کا محاصرہ کریں اور جس وقت وہ مکان سے باہر آئیں فوراً ان کو قتل کر ڈالیں

اس قرارداد اور ہدایت کے بعد مجلس شوریٰ برخاست کر دیگئی اور یہ شیطانوں کا گروہ اسی خاموشی کے ساتھ منتشر ہوا کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ دارالندوہ میں ان کا اجتماع ہوا تھا

ہوا تھا۔

بائیسواں باب (۲۲)

قصد ہجرت

دوسرے دن دوپہر کے وقت آنحضرت صلعم اپنے مکان میں آرام فرما تھے۔ آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا۔ دھوپ نہایت تیزی سے پڑ رہی تھی۔ ہوا بند تھی۔ حبس ہو رہا تھا گرمی کی شدت سے ہر ذی روح کو کھلا رہا تھا۔ لوگ دھوپ کی شدت سے بچکر اپنے اپنے گھروں میں گھسے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اس وقت آنحضرت صلعم کی معاً آنکھ کھل گئی۔ آپ اٹھے اور اُٹھ کر بیٹھے۔ حضرت فاطمہ رضہ قریب ہی بیٹھیں تھیں انہیں نیند نہ آئی تھی۔ وہ جاگ رہی تھیں۔ آنحضرت صلعم کو خلاف معمول اُٹھے۔ دیکھ کر آپ کے پاس آکر بولیں۔ ابا میاں آج خلاف معمول کیوں اٹھ بیٹھے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہ کو اپنے پاس بٹھاکر کہا۔

نور چشمی آج مجھے ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے۔ میں رات کو کسی وقت یثرب چلا جاؤں گا حضرت فاطمہ نے آپ کی طرف معصومانہ انداز سے دیکھتے ہوئے کہا کیا ابا جان مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جاؤ گے؟

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ نہیں فاطمہ میں تم کو نہیں لے جا سکتا۔ بعد میں تم کو بلایا جائے گا۔

حضرت فاطمہ رضؓ نے کہا۔ اچھا ابا حضورؐ۔ مگر مجھے جلد بلانا۔ ورنہ آپ کی یاد مجھے بے قرار رکھے گی۔ آنحضرت صلعم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ بہت جلد بلاؤں گا۔ میری عزیز بیٹی خود مجھے تیری یاد بے قرار رکھے گی۔

یہ کہہ کر آنحضرت صلعم اٹھے باہر آئے باہر کڑاکے کی دہوپ پڑ رہی تھی۔ دہوپ تیزی کے ساتھ ایسی چمک رہی تھی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھا نہ جا سکتا تھا۔

آنحضرت صلعم نگاہیں نیچے کیئے مکان سے باہر آئے اور حضرت صدیق اکبر رضؓ کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ عین دوپہر کا وقت تھا۔ شدت کی دہوپ اور غضب کی گرمی پڑ رہی تھی۔ اس لیئے کہ مکہ معظمہ کی تمام گلیاں اور سارے راستے سنسان پڑے تھے۔ ایک بھی متنفس کہیں آ جا نہ رہا تھا۔

آنحضرت صلعم نہایت استقلال سے سر جھکائے نگاہیں نیچے کیئے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے آپ کا جسم اطہر پسینہ میں تر ابور ہو گیا اور روئے منور پر پسینہ کے مہین قطرے موتیوں کی طرح جگمگانے لگے تھے۔

آپ اسی عالم میں حضرت صدیق اکبر رضؓ کے مکان پر پہنچے۔ باہر کھڑے ہو کر دستک دی۔ اتفاق سے حضرت صدیق اکبر رضؓ جاگ رہے تھے۔ آپ فوراً باہر آئے۔ جب آپ نے آنحضرت صلعم کو دروازے پر کھڑے دیکھا۔ تو جھٹ خادمانہ انداز سے جھک گئے۔ اسلام کیا اور مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔ حضور اکرم کیا ہجرت کا حکم نازل ہوا ہے۔

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ صدیق اکبر رضؓ تمہارا خیال بالکل صحیح ہے۔ مگر یہاں اس قسم کی گفتگو مناسب نہیں ہے۔ تمہارے مکان میں اس وقت کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے۔ ہم سنہ ۱۴ نبوی کا احوال قلم بند کر رہے ہیں۔

اس وقت تک پردے کا حکم نہ تھا۔ ہر شخص ہر مکان کے اندر بغیر اذن اجازت کے جا سکتا تھا

حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہؐ کوئی غیر شخص تو نہیں ہے۔ صرف دو لڑکیاں اسماءؓ اور عائشہؓ ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے آنحضور صلعم کا عقد ہو چکا تھا۔ لیکن وہ صغیر سن تھیں۔ اس وجہ سے ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا چلو مکان کے اندر چلکر باتیں کریں گے۔ حضرت صدیق اکبرؓ آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔ دونوں مکان کے اندر جاکر کھجور کی ایک چٹائی پر بیٹھ گئے۔

اگرچہ صدیق اکبرؓ مالدار تھے جس قسم اور جس طرح کا آپ سامان چاہتے۔ منگا لیتے۔ لیکن آپ کو تکلفات سے نفرت تھی۔ اور سادہ طریقے پر نہایت سادگی سے رہتے تھے۔ شاید مسلمان کہیں کہ اس زمانہ میں میز کرسیاں نہ تھیں مسہریاں اور زرنگار مسندیں نہ تھیں۔ یا بصورت دیگر ان چیزوں سے آگاہ نہ تھے۔ اس لئے وہ ان چیزوں کو فراہم نہ کر سکے تھے۔ لیکن یہ بات نہیں ہے وہ جانتے تھے اور ان تمام چیزوں کو پہنچانتے تھے۔ ملک حبش۔ شام و عراق و عرب وغیرہ میں تجارت کے لئے جاتے تھے۔ وہاں یہ تمام اشیاء موجود تھیں۔ وہاں سے سب کچھ خرید کر لا سکتے۔ مگر وہ انہیں فضول اور نمائشی اشیا سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے کبھی ان چیزوں کو خریدنا اور استعمال میں لانا اچھا نہ جانتے تھے۔ آج تمدنی عروج فضول تکلفات اور بے کار نمائش کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مگر اس زمانہ میں سادگی کو بہترین تمدن سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے اطمینان سے بیٹھکر ارشاد فرمایا۔

یا ابوبکرؓ مجھے خدائے بزرگ و برتر نے بتایا ہے کہ رات قریش مکہ نے یہ تجویز کیا ہے کہ وہ آج شب کو میرے مکان کا محاصرہ کر لیں۔ اور جب میں مکان سے باہر نکلوں۔ تو مجھے فوراً قتل کر دیا جائے۔

صدیق اکبرؓ کو یہ سنکر بڑا غصہ آیا۔ اور انہوں نے غصہ سے بھر کر کہا۔ شریر شیطان اس قدر دلیر ہو گئے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ مجھے حکم ملا ہے۔ کہ میں رات ہی کو ان کے درمیان سے ہو کر نکلوں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے۔ کہ خدا اپنے برگزیدہ بندوں کو خاص طریقہ پر محفوظ رکھتا ہے۔ اور جب بندہ کو

خداوند عالم ان کو محفوظ رکھے۔ کوئی ان کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ بلاشبہ خدا کی حفاظت بہترین حفاظت ہے۔ اس سے بہتر حفاظت کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ اس نے آج تک آنحضرت صلعم کی حفاظت کی اور وہی آئندہ بھی آنحضرت صلعم کا محافظ ہے۔ مگر آپ کا رفیق سفر کون ہو گا حضورؐ۔

آنحضرت صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔ تم۔

یہ سنتے ہی صدیق اکبرؓ کو کمال مسرت ہوئی۔ اسقدر مسرت کہ فرط جوش و مسرت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

آپ نے کہا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس نے میری تمنا پوری کی۔ حضورؐ نے کئی مہینے ہوئے جبکہ دو اونٹنیاں خرید کر جنگل کے جنگل میں چھوڑ دی تھیں وہ کھا پی کر موٹی ہو گئی ہیں۔ ان میں سے ایک اونٹنی آپ کی نذر ہے۔

آنحضرت صلعم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ صدیق اکبرؓ تمہارا شکریہ میں جانتا ہوں کہ تم کو خدا اور اس کے رسولؐ نیز اسلام سے اسقدر محبت ہے۔ مگر یہ چاہتا ہوں کہ ایک اونٹنی کی قیمت مجھ سے لے لو۔

صدیق اکبر نے کہا۔ قیمت میرے حضور میں نے اونٹنی آپ کے ہی لیے خریدی تھی۔ جانتا تھا کہ اچانک ہجرت کا حکم ہو گا سواری کی اشد ضرورت ہو گی۔ لہذا میں اس وقت اپنی طرف سے یہ اونٹنی آنحضرت صلعم کی نذر کر دوں گا۔ اب حضور میں کہ قیمت دینے پر مصر ہیں۔ میں قیمت کیسے لے لوں

آنحضرت صلعم۔ میں خوشی سے قیمت دیتا ہوں۔ تم بھی بخوشی قبول کر لو!

صدیق اکبرؓ۔ حضور کی خوشی میری تمام خوشیوں پر مقدم ہے۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے۔ تو میں بسر و چشم تیار ہوں۔

چنانچہ۔ آنحضرت صلعم نے اونٹنی کی قیمت اس وقت ادا کر دی۔ قیمت ادا کرنے کے

بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

ہمیں آج شب کو چلنا ہوگا۔ اس لیئے تیاری کر لینا۔ ایک رہبر کی بھی ضرورت ہے رہبر کو آج ہمراہ لینا۔ جب ضرورت ہوگی۔ بلالیں گے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا۔ مجھے رہبر کا بھی پہلے سے ہی خیال تھا۔ اس لیئے میں نے عبداللہ بن اریقط کو اس کام کے لیئے آمادہ کر لیا ہے

آنحضرت صلعم نے دریافت کیا۔ لیکن وہ تو مشرک وملحد ہے کیا اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

صدیق اکبرؓ بے شک وہ کافر ہے ملحد ہے۔ لیکن عرب ہے قول کی پاس داری اور اقرار کا خیال زندگی کے آخری دم تک بنا رہے گا۔

آنحضرت صلعم جب تم کو اس پر اعتماد ہے تو مجھے بھی کوئی وجہ شبہ کرنے کی معلوم نہیں ہوتی۔ اچھا میں اب جا رہا ہوں۔ تم خفیہ طریقہ پر تمام تیاریاں رات سے پہلے پہلے مکمل کر لو:۔

صدیق اکبرؓ میں انتہائی رازداری سے سب کام کر دوں گا۔ آپ بے فکر اور مطمئن رہیئے

آنحضرت صلعمؐ۔ رات کو سو نہ جانا۔ نہ معلوم کس وقت آؤں؟

صدیق اکبرؓ۔ چاہے جس وقت تشریف لائیے مجھے منتظر پائیں گے۔

آنحضرت صلعمؐ اٹھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی اٹھے جب دونوں صحن میں آئے اور صدیق اکبرؓ نے تیز دھوپ اور غضب کی گرمی دیکھی تو کہا کہ حضورؐ آپ اس چلچلاتی دھوپ میں کیوں تشریف لے جا رہے ہیں۔ آفتاب ڈھلے تک اسی جگہ استراحت فرمادیں تو بہتر رہیگا

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ کسی قوم کی تعمیر آرام واستراحت سے نہیں ہوا کرتی۔ قومی راہنماؤں کو شدائد وابتلا کی کٹھن بھٹیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ بڑکڈکتی دھوپ یہ تیز گرمی میرے سد راہ نہیں ہو سکتے۔

مجھے اخفاء مد نظر ہے۔ اس وقت اہل مکہ پناہ گاہوں میں گھسے ہوئے آرام کر رہے ہوں گے۔

نہ مجھے کسی نے آتے دیکھا ہے اور نہ جاتے ہوئے دیکھے گا۔ نہ کوئی شکوک ہوگا۔ لہٰذا میرا اس وقت ہی جانا مناسب ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی عادت میں داخل تھا کہ وہ آنحضرت صلعم کی ہر بات اور ہر حکم کو بلا تامل تسلیم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ خاموش ہو گئے۔ آپ اُن سے رخصت ہو کر ان کے مکان سے باہر نکلے۔ دہوپ اس شدت سے پڑ رہی تھی۔ کہ در و دیوار زمین اور فضا وغیرہ سب ہی تپ رہے تھے۔ لُو چل رہی تھی۔ گویا آسمان سے آگ کی بارش ہو رہی تھی۔

تمام راستے اور ساری گلیاں خالی پڑی تھیں۔ ایک متنفس کا بھی کہیں نشان نہ تھا۔ آں حضرت صلعم سر پر چادر رکھ کر روانہ ہوئے اور اپنے مکان پر پہنچے۔ سارا دن مکان کے اندر ہی رہے باہر نہ نکلے۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو کائنات پر رات کا سیاہ پردہ چھا گیا۔ ہر ایک چیز سیاہ نظر آنے لگی۔ حتیٰ کہ نیلگوں آسمان بھی سیاہ نظر آنے لگا۔ اور سیاہ آسمان پر بزم فلک جم گئی قندیل روشن ہو گئے یعنی تارے پوری آب و تاب سے جگمگانے لگے۔ دن بھر چلنے والی لُو قدرے کم ہو گئی۔

آنحضرت صلعم نے عشاء کی نماز پڑھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ المرتضیٰ کو آتے ہوئے دیکھا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے آنحضرت صلعم کے قریب پہنچکر نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا۔ آپ نے دعا دی اور فرمایا۔ خوب ہوا تم اس وقت آئے ہو۔ بیٹھو۔ حضرت علی کرم آپ کے قریب بیٹھ گئے۔ اور انہوں نے فرمایا

یا حبیبؐ خدا آج مشرکوں اور کافروں نے ہمارے گھر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ یہ نئی بات کیوں ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے آنحضرت صلعم کے پاس پرورش پائی تھی۔ اس لیئے وہ آنحضرت

صلعم کے مکان کو اپنا مکان سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ابن عم مجھے بھی ہجرت کرنے کا حکم صادر ہو گیا ہے۔ کفار قریش چاہتے ہیں کہ میرا خاتمہ کر ڈالیں۔ اسلام کو مٹا دیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ اسلام مٹنے والا نہیں۔ بے وقوف اور ناواقف قریش یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے نیا مذہب جاری کیا ہے حالانکہ آدم علیہ السلام کا بھی یہی مذہب تھا حضرت نوح۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت لوط حضرت داؤد۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت سلیمان۔ غرضیکہ تمام انبیاء علیہ السلام اسی مذہب کی تبلیغ و تلقین کرتے چلے آئے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے اس مذہب کا نام اسلام اور اس مذہب میں داخل ہونے والے کا نام مسلمان رکھا تھا۔ میں بھی مبلغ اسلام ہی ہوں۔ عہد سلف سے آج تک ہمیشہ ہر زمانہ میں کفار نے اسلام کو دبانے کی کوشش کی مٹانے پر زور دیا۔ مگر اسلام نہ مٹا اور نہ آئندہ انشاء العزیز کبھی مٹے گا۔ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا۔ جتنا کہ دبا دیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ نے کہا۔ مگر آپ نے باہر نکل کر نہیں دیکھا۔ سینکڑوں اوباش کفار تلواریں لئے مکان کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ تم خوف نہ کرو۔ اطمینان رکھو۔ خدا مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ اگر آج میں قتل ہو جانے والا ہوتا تو مجھے ہجرت کا حکم نہ ہوتا میں مطمئن ہوں کہ خدا میری حفاظت کرے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ نے دریافت کیا۔ حضورؐ آپ کب ہجرت کریں گے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ آج ہی نہیں۔ بلکہ اسی وقت میں روانہ ہو جاؤں گا۔ رات کو تم میرے بستر پر آرام کرنا۔ حضرت علی المرتضیٰ نے پوچھا کیا مجھے اپنے ساتھ نہ لیجائیں گے؟

آنحضرت صلعم نے فرمایا ۔

نہیں ۔ اس لیئے کہ کفار مکہ کی امانتیں میرے پاس موجود ہیں ۔ تم صبح تمام امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے یثرب چلے آنا ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ۔ کیا حضورؐ یثرب تشریف لے جائیں گے ؟ ۔

آنحضرت ۔ ہاں مجھے یثرب ہی جانے کا حکم ہوا ہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۔ تنہا تشریف لے جائیں گے ۔

آنحضرت صلعم ۔ نہیں میرے رفیق سفر صدیق اکبرؓ ہونگے ۔ اب تم اطمینان سے میرے بستر پر لیٹ جاؤ ۔

فوراً حضرت علی المرتضیٰ آنحضرت صلعم کے بستر پر لیٹ گئے ۔ آنحضور صلعم نے امانتیں اور امانتوں کی فہرست جو دن میں تیار کرائی تھی ۔ وہ فہرست حضرت علی المرتضیٰ کو دے دی اور خود مصلےٰ سے اُٹھ کر حضرت فاطمہ رضؓ کے پاس گئے ۔

چونکہ رات زیادہ آچکی تھی ۔ اس لیئے حضرت فاطمہ رضؓ سو گئی تھیں ۔ آپ نے انہیں پیار کیا تھوڑی دیر کھڑے ہو کر محبت بھری نظروں سے دیکھا اور چپکے سے فرمایا ۔ میری معصوم بیٹی میری نورِ نظر الوداع ۔ اے معصومیت کے مجسمہ پیکر محبت اپنے باپ سے بے حد محبت کرنے والی بیٹی باپ پر کفار کے مظالم دیکھ کر رونے والی معصومہ رخصت ! میں تجھے آج خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ اُس خدا کے جو کائنات عالم کا نگہبان ہے ۔ وہی تیری حفاظت کرے گا اور میری محبت کی دنیا وہی تجھے پھر مجھ سے ملائے گا ۔

لہ ۔ اگرچہ کفار کو آپ سے عناد تھا ۔ دشمنی تھی ۔ اور ہر وقت آپکو قتل کرنیکی فکر میں رہتے تھے لیکن اس پر بھی آپکی امانت اور دیانت پر سبکو اطمینان تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود عداوت اور آپکو قتل کرنیکی فکر کرنیکے زر و نقد آپکے پاس امانت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ آپ امانت میں کبھی خیانت نہیں کرتے (صادق)

یہ کہتے ہوئے آنحضرت صلعم کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ حضرت فاطمہؓ آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ عہدِ طفلی میں ہی ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے انہیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ لہٰذا آپ کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آج حضورؐ ہجرت کر رہے تھے۔ وطن کو چھوڑ رہے تھے۔ عزیزوں کو چھوڑ رہے تھے۔ لاڈلی بچی سے جدا ہو رہے تھے۔ بمقتضائے طبیعت آپ کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا۔ میری عزیز از جان بیٹی۔ الفراق آپ رخصت ہو کر چلے۔ دروازہ پر آئے۔ دروازہ پر جھانک کر دیکھا۔ تو بے شمار کفار و اشرار کو برہنہ شمشیریں لئے دروازہ کے سامنے نہایت مستعدی سے کھڑے دروازہ کی جانب دیکھتے پایا۔ اسوقت نصف کے قریب رات گزر چکی تھی۔ چونکہ رات اندھیری تھی۔ اس لئے ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر تارے بکھرے پڑے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے چلنے لگے تھے۔ آنحضرت صلعم نے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور یٰسٓ کی ابتدائی آیات پڑھنا شروع کردیں۔

یٰسٓ۔ والقرآن الحکیم۔ انک لمن المرسلین علیٰ صراطٍ مستقیم تنزیل العزیز الرحیم۔ لتنذر قوماً ما انذر اباءھم غٰفلون تا۔ فھم لا یبصرون۔

ترجمہ:۔ قسم ہے اس مضبوط و محکم قرآن کی۔ کہ اے محمدؐ تم رسول بنا کر بھیجے گئے ہو۔ اور یہ سیدھی راہ کے۔ اور قرآن شریف اتارا ہے اللہ غالب اور مہربان نے۔ تاکہ ہم ان کو ڈراؤ۔ جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے۔ اور وہ مذہب اسلام سے بیخبر ہیں۔ اور ان میں سے بہتوں پر حق ثابت ہو گیا لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔ جو کہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ہم نے ان کے آگے پیچھے دیوار قائم کردی ہے۔ اس دیوار نے اس کو ڈھک لیا ہے۔ یعنی ان کا احاطہ کرلیا ہے پس وہ نہیں سمجھتے۔

یہ آیات پڑھ کر آنحضرت صلعم نے خاک پر دم کیا اور خاک کفار کی طرف پھینک دی اگرچہ یہ خاک مٹھی بھر تھی۔ مگر ہوا نے اُسے چاروں طرف پھیلا دیا اور ایسا پھیلایا کہ غبار کا پردہ کفار مکہ اور آنحضرت صلعم کے درمیان حائل ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کہہ کر مکان سے باہر نکلے اور کفار کے سامنے سے گذر گئے۔ کسی ایک کافر کی نظر بھی آپ پر نہ پڑی اور سب کے سب جہاں اور جس حالت میں کھڑے تھے۔ وہاں اور اسی طرح سے کھڑے رہ گئے۔

آنحضرت صلعم نہایت اطمینان سے چل کر حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پر پہنچے۔ آہستہ سے دستک دی۔ دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور صدیق اکبرؓ آنحضرت صلعم کو دیکھتے ہی خم ہو گئے۔ اسلام کیا۔ آپ نے اسلام کا جواب دے کر دریافت کیا۔ تم تیار ہو صدیق اکبرؓ۔ ابوبکر نے جواب دیا۔ بالکل تیار ہوں۔ حضورؐ مکان کے اندر تشریف لے چلیں دونوں اونٹنیاں اور عبداللہ بن اریقط رہبر کو لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ابھی نہ اونٹنیوں کی ضرورت ہے اور نہ رہبر کی۔ میں نے راستہ میں دیکھا ہے کہ کفار قریش جگہ جگہ کھڑے نگرانی کر رہے ہیں۔ اگر ہم اونٹنیوں پر سوار ہو کر چلیں گے تو وہ ہماری روانگی سے خبردار ہو جائیں گے۔

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں تنہا چلیں۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا۔ جیسے آنحضرت صلعم کی مرضی کیا میں عبداللہ سے کہہ آؤں کہ وہ اونٹنیاں لے کر مکہ کے باہر آ جائے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اسکی بھی ابھی ضرورت نہیں۔ اگر ہم اونٹنیوں پر سوار ہو کر مکہ سے بھی روانہ ہوئے تو کفار مکہ نشان پا کر سراغ لگاتے ہوئے ہم تک پہنچ جائیں گے۔ اس لیئے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ مکہ کے نشیبی طرف جو پہاڑ ہے جسے کوہ ثور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے کسی غار میں چھپ رہیں گے اور جب کفار ہم کو ڈھونڈ کر چلے جائیں گے۔ تب ہم اس وقت ہم غار سے نکل کر عازم سفر ہوں گے:۔

صدیق اکبرؓ ۔ نہایت اچھی تجویز ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمیں کب تک کوہ ثور کے غار حرا میں ٹھہرنا پڑے۔ اس لیئے آپ کی منشا ہو تو میں اپنے بیٹے عبداللہ کو ہدایت کر آؤں کہ وہ رات کو کھانا لے کر کوہ ثور پر آ جایا کرے۔ اور ساتھ ہی ساتھ دن بھر کی خبریں بھی ہم کو سنا جایا کرے۔

آنحضرت صلعم ۔ نہایت ہی مناسب تجویز ہے یہ۔

صدیق اکبرؓ ۔ اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ سے کہہ دوں کہ وہ بکریوں کا ریوڑ کوہ ثور کے قریب ہی چرایا کرے۔ تاکہ ضرورت کے وقت ہم دودھ پی لیا کریں۔ اور عبداللہ اور میری بیٹی اسماء جو واپس جایا کریں گے۔ تو ان کے قدموں کے نشان بکریوں کے ریوڑ کے چلنے سے مٹ جایا کریں گے۔

آنحضرت صلعم ۔ یہ رائے نہایت بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر مکان کے اندر گئے۔ ان کے والد ابی مخافہ ابھی جاگ ہی رہے تھے وہ نابینا تھے۔ انہوں نے قدموں کی چاپ سنکر کہا۔ کون ہے۔ یہ مکان کے صحن میں کون پھر رہا ہے؟

ابی مخافہ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ چاہتے تھے کہ انہیں بھی ان کی ہجرت کا علم نہ ہو۔ مگر ان کے ٹوکنے پر بولنے اور ہجرت کی بابت انہیں مطلع کرنے کی ضرورت ہوئی۔ آپ ان کے پاس گئے اور آہستہ سے بولے۔ مکرمی باپ میں تھا۔ ابوبکرؓ

ابی مخافہ نے دریافت کیا۔ تم آدھی رات کے وقت صحن میں کیا کرتے تھے۔

صدیق اکبرؓ نے کہا۔ پیارے باپ آج میں بھی یہاں سے ہجرت کر رہا ہوں۔

ابی مخافہ ۔ کیا محمدؐ صلعم کے ساتھ جا رہے ہو۔

صدیق اکبرؓ ۔ جی ہاں

ابی مخافہ ۔ اچھا جاؤ۔ لیکن شاید مکہ والے تم کو جانے نہ دیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے جوش میں آ کر کہا۔ ان کی مجال نہیں کہ روک سکیں۔ ابی مخافہ نے

ملائمت سے کہا۔ پیارے بیٹے جوش میں آ کر اہل مکہ سے لڑنہ پڑنا

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جواب دیا۔ حتے الامکان نہ لڑوں گا۔

ابی محافہ نے دعا دے کر صدیق اکبر کو رخصت کیا۔ آپ بڑھکر وہاں پہنچے۔ جہاں عبداللہؓ آپکے بیٹے اور حضرت اسماءؓ آپکی بیٹی عامر۔ آپ کے غلام بیٹھے جاگ رہے تھے یہ تینوں سعید ہستیاں مسلمان ہو چکی تھیں۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ پیارے بیٹے ہم کوہ ثور پر جا رہے ہیں اور وہیں کوہ ثور میں اقامت گزیں رہیں گے تم کفار سے مل کر ان کے ارادوں کی رات کو جا کر اطلاع دے آیا کرنا۔ اور بیٹی اسماء تم روزانہ کھانا لیکا کر اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ دے آیا کرنا اور عامر تم روزانہ آدھی رات تک کوہ ثور پر بکریاں چرانے لایا کرنا۔ اور جسطرف سے عبداللہؓ اور اسماءؓ آویں یا جاویں اسی طرف بکریاں سے جایا کرنا۔ تاکہ اُن کے قدموں کے نشانات مٹ جایا کریں تینوں نے اپنے اپنے فرائض کی بجاآوری کا اقرار کیا۔ انہیں ہدایت کر کے صدیق اکبر رضؓ واپس لوٹے اور آنحضرت صلعم کے پاس آئے آپ نے دریافت کیا۔ کیا تم سب لوگ جاگ رہے تھے جو تم اس قدر جلد ہدایت کر کے چلے آئے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جواب دیا۔ جی ہاں حضورؐ وہ تمام جاگ رہے تھے۔ میں نے سب کو ان کے فرائض بتا اور سمجھا دیئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ تو آؤ چلو۔

دونوں رات کی تاریکی میں روانہ ہو گئے۔ خانہ کعبہ میں پہنچکر اس کا طواف کیا۔ جب مکہ کے آخری حصے کو طے کرنے لگے۔ تو آپ نے پلٹ کر کہا۔

اے دیار مکہ تو مجھے بے حد مرغوب ہے۔ لیکن افسوس کہ میں آج تجھ سے جدا ہو رہا ہوں تیرے فرزندوں نے مجھے اس جگہ نہ رہنے دیا۔

حضرت صدیق اکبر نے دریافت کیا۔ کیا آنحضرت د کو مکہ سے بہت زیادہ محبت ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں بہت زیادہ اس لیئے نہیں کہ یہ میرا وطن ہے۔ بلکہ اس لیئے

کہ اسے خلیل اللہ (ابراہیم) نے بتایا ہے ۔ یہ مرجع خلائق ہے ۔ خدا کا پسندیدہ گھر ہے ۔

صدیق اکبرؓ ۔ کیا اس شہر میں پھر ہم داخل نہ ہو سکیں گے ۔

آنحضرت صلعم ۔ ضرور داخل ہوں گے ۔ مگر اس وقت جبکہ یہ مکہ خدا پرستوں کا گھر بن جائے گا ۔

صدیق اکبرؓ ۔ جب تو کچھ فکر نہیں ہم نہیں تو ہماری اولاد ہی یہاں آکر قیام کرے گی

آنحضرت صلعم ۔ نہ تم رہو گے ۔ نہ میں رہوں گا ۔ نہ علیؓ رہیں گے نہ عمرؓ رہیں گے ۔ نہ عثمان رہیں گے ۔ کوئی نہ رہے گا ۔ ہم یثرب میں ہی رہیں گے وہیں جئیں گے اور وہیں مریں گے ۔ البتہ حج کرنے کے لئے یہاں آتے رہیں ۔

صدیق اکبرؓ ۔ جس جگہ حضور اکرم رہیں گے ۔ ہم سب وہیں رہیں گے ۔ ہم کو وہ جگہ بہشت سے بڑھ کر عزیز ہے ۔

آنحضرت صلعم خاموش ہو گئے ۔ اب یہ دونوں مکہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں آ گئے تھے ۔ یہاں ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا ۔ اگرچہ ستارے چمک چمک کر اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے ۔ مگر شب دیجور کی تاریکی ان کی مدہم ضیاء سے دور نہ ہوتی تھی ۔ یہ ہر دو آفتاب و ماہتاب تھوڑی دور چل کر رات کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو گئے ۔

---

(۲۳)

تیئسواں باب

جستجو

کفار مکہ نے آنحضرت صلعم کے مکان کا محاصرہ ابتدائے شب ہی سے کر رکھا تھا۔ تمام رات وہ ننگی تلواریں لیئے کھڑے نگرانی کرتے رہے۔ ان کا ارادہ تھا۔ کہ آنحضرت صلعم جب نماز کے لیئے اپنے مکان سے باہر نکلیں گے۔ تو اچانک ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر ڈالیں گے۔ آپ کا یہ روزمرہ کا معمول تھا۔ کہ آخری شب میں مکان سے چل کر حرم شریف میں پہنچ جاتے تھے۔ اور صبح تک وہیں رہتے تھے۔ پہلے تہجد کی نماز پڑھتے پھر صبح کی اور دن نکلے اشراق کی نماز پڑھ کر واپس آتے کفار مکہ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ آنحضرت کہاں آرام فرماتے تھے۔ جب آنحضرت صلعم اپنے معمول کے مطابق نہ اُٹھے تو کفار مکہ نے مکان کے اندر جھانکا۔ آپ کے بستر پر حضرت علی کرم کو چادر اوڑھے سوتے پایا۔ کفار نے سمجھا کہ آنحضرت صلعم ہی استراحت فرما رہے ہیں۔ وہ اطمینان سے کھڑے نگرانی کرتے رہے۔ جب صبح ہو گئی اور سپیدۂ سحر ہر طرف چھا گیا۔ صبح کی دلفریب روشنی میں کائنات کا ذرہ ذرہ چمکنے لگا۔ تو حضرت علی المرتضیٰ اٹھے۔ چادر اتار کر ایک طرف رکھدی اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ کفار اب بھی جھانک رہے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم کے بستر سے علی کرم اللہ وجہہ کو اٹھتے دیکھا۔ انہیں حیرت کے ساتھ غصہ بھی آیا۔ جنہیں وہ آنحضرت صلعم سمجھ رہے تھے۔ وہ حضرت علی کرم نکلے۔

حضرت علی کرم جیسے اور مکان سے باہر نکلے کفار مکہ نے ان کو اپنے نرغہ میں لے لیا۔ ان اشرار

کفار میں عام لوگ نہ تھے۔ بلکہ ابوجہل۔ ابولہب۔ ابوسفیان۔ ولید۔ عتبہ۔ عاص۔ زمعہ ابوالبختری۔ نضر۔ حکیم۔ شیبہ۔ جیسے معزز و متفخر لوگ تھے۔ قریش کے سربرآوردہ لوگ تمام رات نگرانی کرتے رہے۔ جاگتے رہے کہ آخر شب میں جب آنحضرت صلعم اٹھیں گے تو اندھیرے میں سب مل کر ان کا خاتمہ کردیں گے۔ مگر جب حضرت علیؓ ان کے بستر سے اُٹھ کر آئے تو انہوں نے انہیں نرغہ میں لے لیا اور ابوسفیان نے ڈپٹ کر کہا۔ علی کرم اللہ وجہہ بتاؤ۔ محمد صلعم کہاں ہے؟۔

حضرت علیؓ اگرچہ کم عمر تھے۔ مگر دلیر بہادر اور نڈر تھے۔ وہ کفار کی کثرت دیکھ کر نہ گھبرائے نہ ڈرے۔ سہمے اور نہ مرعوب ہوئے۔ بلکہ دلیرانہ انداز سے کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا مجھے خبر نہیں۔ میں تمہارے سامنے تمام شب سوتا رہا ہوں۔ نگرانی تم کرتے رہے ہو۔ تم کو حضور اکرم کا حال معلوم ہوگا۔ کفار کو آپ کے اس جواب سے بےحد غصہ آیا۔ ابوجہل نے کہا۔ علیؓ تم ضرور جانتے ہو کہ وہ کب اور کہاں چلے گئے۔ اگر تم ہم کو بتادو۔ تو ہم تم کو مکہ کا حکمران بنادیں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا۔ مجھے حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جس حال میں ہوں۔ بہتر ہوں خدا جس حال میں رکھے راضی ہوں۔ مجھے دق نہ کرو چھوڑ دو۔ صبح کی نماز کا وقت قضا ہو رہا ہے۔

ابولہب نے ایک طمانچہ مار کر کہا۔ علیؓ تم جب تک محمد کا پتہ نہ بتاؤ گے۔ رہائی نہیں پا سکتے۔ ہم تم کو قید کر دینگے۔ اگر تم برابر اپنی ضد پر قائم رہے۔ تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔

حضرت علیؓ نوجوان تھے۔ اپنی ضد پر اڑے رہے اور انہیں بھی طیش آگیا۔ انہوں نے بگڑ کر۔ یا عم غنیمت جانو آنحضرت صلعم نے کسی مسلمان کو تلوار اٹھانے کا حکم نہیں دیا۔ ورنہ میری تلوار میان سے نکل کر تمہارے حمائیتیوں کے ٹکڑے کر ڈالتی۔ ابوسفیان نے بگڑ کر کہا ذرا سی جان اور گز بھر کی زبان۔ علی المرتضیٰ اپنی جان کے ساتھ دشمنی نہ کرو۔ بتادو۔ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ حضرت علیؓ نے بانداز شجاعانہ کہا۔ دور ہو جاؤ کمبختو! مجھے ڈراتے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے مرعوب نہیں کرسکتی ابوجہل کو سخت غصہ آیا۔ اس نے آپکے سر کے بال پکڑ کر کھینچے

اور ولید اور ابو سفیان نے آپ کو گھونسوں سے زدوکوب کرنا شروع کیا۔

حضرت علیؓ نے کہا۔ بے رحمو! بیدردو۔ خدا تمہارے مظالم دیکھ رہا ہے۔ تم بہت کچھ پھول پھل لئے۔ اب تمہارا باغ ہستی تاراج ہونے والا ہے۔ تم مروگے اور بے کسی کی موت مروگے۔ ایسی موت مروگے کہ کوئی تمہارے لئے آنسو بھی نہ بہائیگا۔ لوگ جانتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی بددعا خالی نہیں جاتی۔ وہ ڈر گئے۔ اور انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ نماز پڑھنے چلے گئے۔

ابوجہل نے کہا۔ یہ بہت برا ہوا۔ کہ محمدؐ بچکر نکل گئے۔ ہم اب تک تمام عزائم میں ناکام رہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ چلو یہ دیکھیں۔ کہ وہ تنہا گئے ہیں۔ یا ابوبکرؓ صدیق کو بھی ہمراہ لے گئے ہیں۔

ولید نے کہا۔ میرا خیال ہے۔ کہ دونوں گئے ہونگے۔ تاہم آؤ۔ ابوبکرؓ کے مکان پر چل کر اطمینان کرلیں۔

سب اس بات پر متفق ہوگئے۔ وہاں سے چلے۔ صدیق اکبرؓ کے مکان پر پہنچے۔ کچھ دیر باہر کھڑے رہے۔ پھر سب مکان کے اندر گھسے چلے گئے۔ مکان کے اندر ابی قحافہ حضرت اسماء اور حضرت عائشہؓ تھے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت عامر باہر گئے تھے۔ ابی قحافہ ضعیف العمر اور نابینا تھے۔ حضرت عائشہ کم عمر تھیں۔ صرف حضرت اسماء نوجوان تھیں۔ ابوجہل نے اسماء سے دریافت کیا۔ اسماء تمہارے والد کہاں ہیں۔ اسماء پر کسی کا رعب طاری نہ ہوا۔ انہوں نے دلیرانہ انداز سے کہا۔ مجھے خبر نہیں ہے۔ ابوجہل نے غضبناک ہو کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ان کے کان سے بالی نکل کر گر گئی۔

حضرت اسماء کو جوش آگیا اور انہوں نے غیظ و غضب سے بھر کر کہا۔ ابوجہل شرم کرو۔ مرد ہو کر عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔ نہیں جانتے کہ غیور عورت اینٹ کا جواب پتھر سے دیا کرتی ہے تمہارے طمانچہ کا جواب تلوار کی نوک سے دیا جاتا۔ مگر اس وجہ سے معذور ہوں کہ خدا کے رسولؐ نے تلوار اٹھانے سے منع کر دیا ہے۔ ابوجہل نے کڑے تیوروں سے دیکھ کر کہا۔ اس قدر جرأت؟

حضرت اسماءؓ نے کہا۔ جرأت دیکھنا چاہتے ہو۔ تو تلوار لو اور سامنے آجاؤ۔ یہ کہتے ہی حضرت اسماءؓ مکان کے اندر گھس گئیں۔ اور تلوار اٹھائیں۔ میاں سے کھینچکر حضرت اسماءؓ نے کہا۔ اب بتاؤ کون مجھ پر تلوار اٹھانے کی جرأت کرتا ہے؟

ابوسفیان نے کہا۔ قریش کی غیور لڑکی تیری ہمت قابل داد ہے۔ تو بہادر ابوبکر کی دلیر لڑکی ہے۔ قوم کو ایسی ہی بہادر لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ ابوجہل نے غلطی کی کہ شیرنی کو لومڑی سمجھ کر چھیڑا۔ اے اہل قریش تمہاری ایک غیور بیٹی کو جوش آگیا ہے۔ اس کا جوش قابل ستائش ہے۔ آؤ یہاں ابوبکر نہیں ہے۔ واپس چلو اور ان دونوں کو تلاش کرو۔ بیکار وقت ضائع نہ کرو۔ تمام لوگ لوٹے۔ مکان سے نکلے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر مکہ کے چاروں طرف راستوں پر دوڑ گئے۔

یہ تمام لوگ دن بھر سرگردان و پریشان تلاش کرتے پھرے۔ مگر آنحضرت صلعم اور آپ کے رفیق و ہمدرد صدیق اکبرؓ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ شام کیوقت سب ناکام واپس آئے۔

کفار مکہ کو بڑا اضطراب لاحق ہوا۔ انہوں نے سراغرسان کو بلا کر سراغ لگانیکی ہدایت کی۔ سراغرساں نہایت ہوشیار تھے۔ نقش پا سے سراغ لگایا کرتے تھے۔ دوسرے دن صبح وہ کفار قریش کی ایک جمعیت لے کر سراغرسانی کیلئے روانہ ہوئے۔ نہایت غور بڑی توجہ اور کمال احتیاط کیساتھ سراغ لگاتے چلے۔ انہیں ایسی شناخت ایسی پہچان اور ایسی نظر تھی کہ ہزاروں پاؤں میں جن کے نشانات ریت پر نقش تھے۔

آنحضرت صلعم اور صدیق اکبرؓ کے نقش قدم پہچان لیے اور سراغ لگاتے کوہ ثور پر چلے گئے۔ پہاڑ پر چڑھ کر انہیں بڑی دقت سے نقش پا کا سراغ ملا۔ مگر سراغرسان نہایت ہوشیار اور تجربہ کار تھے۔

پتھروں پر نقش قدم کا سراغ لگاتے ہوئے ایک غار کے دہانہ تک جا پہنچے۔ غار نہایت ہی مہیب اور تاریک تھا۔ ایسا تاریک کہ اس کے اندر کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اس

غار کا نام غلط ثور تھا۔ سراغ رساں نے غار کے چاروں طرف چکر لگایا۔ انہوں نے کہا۔ یا سردارانِ قریش اس سے آگے سراغ نہیں چلتا یا تو حضرت محمد صلعم اور ان کے رفیق ابوبکر یہیں کہیں چھپ گئے ہوں گے۔ یہاں سے آسمان پر اڑ کر نہیں جا سکتے۔ لوگ غار کے چاروں طرف پھیل گئے۔ اور نہایت غور اور توجہ سے تلاش و جستجو کرنے لگے۔

(۲۴)

چوبیسواں باب

آفتاب اور مہتاب غار ثور میں

آنحضرت صلعم اور صدیق اکبر رضؓ مکہ معظمہ سے نکل کر چلے اور نہایت خموشی سے کوہ ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ پہاڑ مکہ سے چار میل کے فاصلے پر نشیبی سمت میں واقع تھا۔ دونوں چپ چاپ چلے جا رہے تھے۔ چونکہ کفار کے تعاقب کا اندیشہ تھا۔ اس لئے کسی قدر تیزی سے چل رہے تھے۔ چونکہ وہ جانتے تھے۔ ان کے نقش قدم کا سراغ لگایا جائیگا۔ اس لئے اس احتیاط سے چل رہے تھے۔ کہ قدموں کا پورا نقش نہ پڑے۔ مگر اس قدر احتیاط پر بھی نقوش قدم ہوتے جاتے تھے۔ بالآخر وہ چڑھتے چڑھتے کوہ ثور پر چڑھ گئے۔ یہاں پہنچکر آنحضرت صلعم نے کہا۔ اب کوئی اندیشہ نہیں۔ دیکھو صبح کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں۔ کفار قریش تلاش شروع کریں گے۔ آندھیرے سے پہلے پہلے غار ثور میں پناہ گزیں ہو جانا بہتر ہے۔

صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ کوہ ثور پر ہم آہی گئے ہیں۔ غار قریب ہی ہے۔ انشاء اللہ صبح سے پہلے ہی پہلے اس میں جا چھپیں گے۔ دونوں بڑھے اور غار ثور کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔

یہ غار نہایت تاریک اور مہیب تھا۔ اس کے اندر شاید ہی کبھی کسی انسان کا دخل و گذر ہوا ہو۔ حضور اکرم غار کے اندر داخل ہونے لگے۔ تو حضرت صدیق اکبر رضؓ نے کہا۔ حضور ٹھہریئے یہ غار نہ معلوم کتنے عرصے سے ناصاف ہے۔ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ کس قدر حشرات الارض

اس کے اندر ہوں گے۔ لہٰذا کچھ وقفہ کیلئے آنحضرت صلعم ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ صدیق اکبر رضؓ کے ٹٹولنے پر معلوم ہوا کہ تمام غار کوڑا کرکٹ وغیرہ سے بھرا پڑا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے باہر نکال نکال کر ایک دوسرے غار میں پھینکنا شروع کر دیا۔ یہ کام یوں تو معمولی کام تھا۔ لیکن تھا بڑا خطرناک ایسی جگہ اکثر زہریلے جانور رہا کرتے ہیں۔ کسی بچھو یا سانپ یا دوسرے زہریلے جانور کا ہونا اور کاٹ لینا ممکنات سے تھا۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضؓ کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ برابر غار کی صفائی میں لگے ہوئے تھے۔ ایک گھنٹہ کی جانکاہی کے بعد انہوں نے غار کو بالکل صاف کر دیا

اب انہوں نے غار کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ہر چٹان اور ہر پتھر کو ٹٹولا انہیں بہت سے سوراخ معلوم ہوئے۔ چونکہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سوراخ خالی ہیں۔ یا ان کے اندر حشرات الارض چھپے ہوئے ہیں۔ اس لیئے صدیق اکبر رضؓ نے تمام سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ سوراخ بند کرنے کے لیئے کوئی چیز پاس نہ تھی۔

کافی غور و خوض کے بعد حضرت صدیق اکبر رضؓ نے تمام سوراخوں کو بند کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ تمام سوراخ بند ہو گئے۔ مگر ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا۔ آپ نے سوچ لیا۔ کہ اس سوراخ پر اپنے پاؤں کا انگوٹھا لگا لینگے۔ غار صاف کر کے جب آپ باہر آئے تو آنحضرت صلعم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے بھی نماز پڑھنا شروع کر دی اب سپیدہ سحر نمودار ہو گیا تھا۔ مشرق کی طرف سے۔ دلفریب روشنی کی چادر اُٹھ کر کائنات پر چھانے لگی تھی۔

اُجالا بڑھتا جاتا تھا۔ اور نسیم سحری کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلعم نے صدیق اکبر رضؓ سے دریافت کیا۔ کیا غار صاف ہو گیا۔ صدیق اکبر رضؓ ؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں حضور صلعم صاف ہو گیا۔ آپ نے کہا۔ صبح ہو گئی ہے دور تک کی چیز صاف نظر آنے لگی ہے۔ آؤ اب غار میں چھپ رہیں۔ یہ کہتے ہی آنحضرت صلعم

اٹھے اور آپ کے ساتھ صدیق اکبر رضہ بھی اٹھے اور صدیق اکبر رضہ نے فرمایا۔ چلیئے دونوں چل کر غار کے اندر گھسے۔

حضرت صدیق اکبر رضہ نے اپنی چادر بچھا دی۔ آنحضرت صلعم چادر پر بیٹھ گئے دوپہر تک دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ جب کہ آفتاب نصف النہار پر آ گیا اور اس کی پرنور شعاعوں نے کائنات کا ذرہ ذرہ چمکا دیا۔ دھوپ کی تپش نے چٹانوں کو گرما دیا۔ گرم ہوا چلنے لگی تو خیال ہوتا تھا۔ کہ آفتاب کی شعاعیں غار ثور میں پہنچکر بڑھی ہوئی تاریکی کے دور کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

لیکن غار کچھ ایسے طریقے پر واقع تھا۔ کہ باوجود آفتاب سر پر آ پہنچے غار کے اندر ایک بھی شعاع نہ چمکی۔ بلکہ بدستور اندھیرا رہا۔ دوپہر کے وقت آپ چادر پر لیٹ گئے۔

صدیق اکبر رضہ کے زانو پر آپ نے اپنا سر رکھدیا۔ ایک سوراخ جو کہ باقی رہ گیا تھا۔ صدیق اکبر رضہ نے اس پر پاؤں کا انگوٹھا رکھدیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد آپ سو گئے۔ صدیق اکبر رضہ بیٹھے آپ کی حفاظت کر رہے تھے۔ جس سوراخ پر حضرت صدیق اکبر رضہ نے اپنے پاؤں کا انگوٹھا رکھ لیا تھا۔ اس میں ایک سیاہ سانپ چھپا ہوا تھا۔ اس نے سوراخ سے باہر نکلنا چاہا۔ چونکہ انگوٹھا سے راستہ بند تھا۔ اس لیئے سانپ نے انگوٹھے پر ڈنگ مارا۔

صدیق اکبر رضہ تکلیف سے تلملا اٹھے۔ مگر چونکہ آنحضرت صلعم کی آنکھ کھل جانے کا احتمال تھا۔ اور آپ کا سر مبارک صدیق اکبر رضہ کے زانو پر تھا اور ذرا سی جنبش کرنے سے آپ کے آرام میں خلل پڑنے کا خدشہ تھا۔ اس لیئے بلا کسی حرکت کے آپ بیٹھے ہوئے تکلیف برداشت کر رہے تھے۔ یہ سچ ہے جن دونوں میں محبت ہوتی ہے ان کو سوتے جاگتے ایک دوسرے کے آرام کا خیال رہتا ہے۔ جس قدر صدیق اکبر رضہ کو حضور اکرم صلعم سے محبت تھی۔ اسی قدر آنحضرت صلعم کو آپ سے محبت تھی:۔

جب صدیق اکبر رضہ کے سانپ نے کاٹا اور انہیں تکلیف ہوئی تو فوراً ہی آنحضرت صلعم کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے صدیق اکبر رضہ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ آں حضرت صلعم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے صدیق اکبر رضہ سے پوچھا۔ یا اخی کیا بات ہے تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔

صدیق اکبر رضہ نے کہا۔ یا رسول اللہ میں نے اس غار کے تمام سوراخ بند کر دیئے تھے مگر ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا۔ اس سوراخ پر میں نے اپنے پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا تھا۔ کسی جانور نے انگوٹھے کو کاٹ کھایا ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ دیکھوں کہاں کاٹا ہے۔ صدیق اکبر رضہ نے سوراخ پر سے انگوٹھا اٹھایا تو فوراً سانپ نکل کر کھڑا ہو گیا۔

آپ نے سانپ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے مار سیاہ تو نے میرے صدیق کے انگوٹھے پر ڈنگ مار کر مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ سانپ نہایت خوفناک اور سیاہ رنگ کا تھا۔ وہ آنحضرت صلعم کی طرف دیکھ کر جھکا اور غار سے باہر نکل کر چلا گیا۔ آنحضرت صلعم نے لعاب دہن صدیق اکبر رضہ کے انگوٹھے پر مل دیا۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ سوزش اور جلن فوراً جاتی رہی۔ مسلمان سوچیں اور غور کریں کہ قرن اولے کے مسلمانوں کو آنحضرت صلعم پر اور آپکے کاموں پر کس قدر اعتماد و اعتقاد تھا۔ اگرچہ گزندۂ مار سیاہ کا علاج لعاب دہن سے نہیں ہو سکتا۔ مگر صدیق اکبر رضہ کو اعتماد تھا۔ کہ حضور صلعم کے دہن کا لعاب لگنے سے ناممکن ہے۔ کہ زہر کا اثر ہو سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جسطرح تریاق زہر کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ اسی طرح سے آپکے لعاب دہن نے سانپ کے زہر کا اثر دور کر دیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے آرام فرمایا۔ تمام دن خموش بیٹھے رہے۔

جب آفتاب غروب ہو گیا اور کائنات نے سیاہ چادر اوڑھ لی اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ اندھیرا ہونے پر عامر صدیق اکبر رضہ کے غلام بکریوں کا ریوڑ لیکر آ گئے۔ صدیق اکبر رضہ باہر نکلے۔ عامر نے بڑھ کر آپ کو سلام کیا۔ صدیق اکبر رضہ نے سلام کا جواب دے کر کہا۔ عامر کچھ دودھ لاؤ۔ کیونکہ حضور صلعم صبح سے بھوکے پیاسے ہیں۔ عامر کے پاس ایک کاٹھ کا پیالہ تھا۔

وہ پیالہ لے کر ایک بکری کے نیچے جا بیٹھا۔ اور دودھ دوہنا شروع کیا۔ جب پیالہ دودھ سے لبریز ہو گیا۔ تو اٹھا اور صدیق اکبرؓ کو دے کر کہا۔ یا سیدی یہ دودھ لیجئے۔ صدیق اکبرؓ دودھ کا پیالہ لے کر چلے ہی تھے۔ کہ حضور اکرم بھی غار سے باہر آ گئے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا عامر ریوڑ لیکر آ گئے صدیق اکبر نے کہا۔ جی ہاں آ گئے۔ لیجئے یہ دودھ حاضر ہے۔ آنحضرت صلعم پیالہ لیکر ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ آپ نے آدھے دودھ کا پیالہ پی کر واپس کر دیا۔ باقی دودھ حضرت صدیق اکبرؓ نے پی لیا۔ جب صدیق اکبرؓ نے عامر کو پیالہ واپس دیا۔ تو دور پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ چونکہ کفار مکہ کے تعاقب کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم صدیق اکبر اور عامر چوکنے ہو کر دیکھنے لگے۔ تمام پہاڑی پر اس غضب کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کہ چند قدم کے فاصلے کی چیز بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ یہ تینوں نہایت غور سے اس طرف دیکھ رہے تھے جس طرف سے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ آواز دمبدم قریب آتی جا رہی تھی عامر نے تلوار میان سے کھینچکر کہا۔ یا سیدی اجازت دیجئے۔ اگر دشمن ہو تو اس تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں؟ آنحضرت صلعم نے مسکرا کر کہا۔ عامر تمہارا جوش قابل داد ہے۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر نے ابھی مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں بخشی۔ اس لئے تلوار میان میں کر لو۔ کسی ظالم قوم پر خدا کا قہر و غضب اس وقت نازل ہوتا ہے۔ جب مظلوم قوم کی مظلومیت حد سے بڑھ جاتی ہے۔ آج مسلمان مظلوم ہیں ہر قسم کی ایذائیں برداشت کر رہے ہیں۔ وطن سے بے وطن ہو رہے ہیں۔ گھر در چھوٹ گئے۔ عزیز و احباب چھوٹ گئے۔ دولت چھن گئی۔ مگر مسلمانوں کا خدا پر بھروسہ ہے۔ خدا مظلوموں کی حمایت کرے گا۔ اور وہ فارغ البالی سے زندگی بسر کرینگے۔ عامر نے فوراً تلوار میان میں کر لی اب وہ اس قدر قریب آ گئے تھے۔ کہ ان کی دھندلی صورتیں نظر آنے لگی۔ ان آنے والوں میں ایک مرد تھا۔ اور ایک عورت۔ جب وہ قریب آ گئے۔ تو ان تینوں نے انہیں پہچان لیا۔ ان میں سے ایک حضرت عبداللہ صدیق اکبرؓ کے بیٹے اور دوسری حضرت اسما صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں۔ دونوں نے قریب آ کر پہلے آنحضور صلعم کو پھر حضرت صدیق اکبرؓ کو سلام کیا۔ دونوں نے انہیں دعا دی۔ حضرت اسما کھانا لائی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ صدیق اکبرؓ

نے عبداللہ سے دریافت کیا۔ پیارے بیٹے۔ کچھ قریش کے کفار کا حال سناؤ۔ آج تمام دن وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا۔ پیارے باپ صبح کے وقت جب آنحضرت صلعم کے بستر سے حضرت علی المرتضےٰ اُٹھے۔ تو کفار نے انہیں گھیر لیا۔ ان سے پوچھا گیا۔ کہ حضور اکرم (محمدؐ) کہاں گئے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی جس سے کفار کو بڑا غصہ آیا۔ اور انہوں نے آپ کو زدوکوب کیا۔ پہلے حراست میں لے لیا۔ لیکن پھر غور کرنے کے بعد آپ کو رہا کر دیا گیا۔ تمام کفار آنحضرت صلعم کے چلے آنے سے ہراساں اور ترساں ہو گئے ہیں۔ وہ سب ہمارے مکان پر آئے تھے۔ میں گھر میں موجود نہ تھا۔ اسماءؓ تھیں۔ وہ اسماء سے الجھ پڑے پوچھنے لگے کہ تیرا باپ کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے خبر نہیں۔ ظالم ابوجہل نے غصہ سے بھر کر اُسکے ایک طمانچہ مارا جسکے لگنے سے اُسکے کان کی بالی گر گئی۔

صدیق اکبرؓ کو جوش آگیا۔ انہوں نے کہا بدبخت ابوجہل تیری قضا تیرے سر پر منڈلا رہی ہے۔ حضرت اسماء سمجھ گئیں کہ ابا جان کو طمانچہ لگنے کا حال معلوم کر کے اذیت پہنچی اور غصہ آگیا ہے۔ اس لیئے انہوں نے جلدی سے کہا۔

ابا جان ابوجہل نے آہستہ سے طمانچہ مارا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے جوش سے بھر کر کہا۔ مگر اس ملعون کو میری بچی کو مارنے کا کیا حق تھا؟ کاش رسول اللہ نے ہم کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہوتا واللہ میں ابھی وقت اس نامرد و بزدل سے جا کر انتقام لیتا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اخی ہمارا اور تمہارا نیز تمام مسلمانوں کا انتقام خدا لے گا۔ خدا کے سپرد کر دو۔ وہ بہتر انتقام لینے والا ہے۔

یہ سن کر صدیق اکبرؓ نرم پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے خدا کے سپرد کر دیا۔ خدا میری بیٹی کا انتقام لے گا۔ اچھا عبداللہ پھر کیا ہوا؟ حضرت عبداللہ نے کہا۔ جب انہیں آپ دونوں کا سراغ نہ ملا۔ تو انہوں نے تمام اہل مکہ کو تلاش و جستجو کا حکم دیا۔ لوگ ہر طرف دور دور تک اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر گئے۔ مگر سب کے سب ناکام واپس آئے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ انشاءاللہ ناکام ہی رہیں گے۔ اب یہ سب بیٹھ گئے اور سب نے

مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر صدیق اکبر رضؓ نے عبد اللہؓ سے کہا۔

پیارے بیٹے جاؤ اور اپنی ہمشیرہ کو بھی لے جاؤ۔ کل رات کو پھر آنا اور قریش کفار کی تمام روئیداد سنانا۔ حضرت عبد اللہؓ حضرت اسماءؓ دونوں سلام کر کے چلے گئے ان کے چلے جانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضؓ نے عامر سے کہا۔ عامر تم بکریوں کا ریوڑ لے کر ان کے پیچھے اس طرح سے جاؤ۔ جس سے کہ ان دونوں کے نقش قدم مٹ جائیں:۔

عامر نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا میرے حضور۔ اب عامر ریوڑ لے کر چلا۔ حضرت عبد اللہؓ اور حضرت اسماءؓ اور حضرت عامر کے چلے جانے کے بعد حضور اور صدیق اکبر رضؓ نے عشاء کی نماز پڑھی اور ایک صاف چٹان پر چادر بچھا کر پڑ رہے۔ صبح تک نہایت آرام اور بےفکری سے سوتے رہے آفتاب طلوع ہونے سے قبل بیدار ہوئے۔ ضروریات سے فراغت کی اور صبح کی نماز پڑھ کر پھر غار ثور میں جا چھپے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو آنحضرت صلعم اور صدیق اکبر رضؓ نے دیکھا کہ ایک بڑی مکڑی نے آکر غار کے منہ پر جالا تننا شروع کر دیا۔ جب جالا تن کر اس نے تمام غار کا منہ ڈھک دیا تو ایک طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ہی دو کبوتر آئے اور غار کے قریب گھونسلہ بنانے لگے۔ آنحضرت صلعم نے یہ دیکھ کر کہا۔ اے رفیق سفر تم نے خدا کی حکمت دیکھی ابوبکر صدیق رضؓ نے کہا۔ ہاں دیکھی مکڑی کا جالا تن کر چلے جانا۔ کبوتروں کا گھونسلہ بنانا بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ تم نے ٹھیک سمجھا خیال ہوتا ہے۔ کہ آج کفار قریش پھر ہماری تلاش میں اس طرف آنے والے ہیں۔ اس لیئے قدرت نے ہماری حفاظت کا انتظام شروع کر دیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا۔ لیکن ایک کمزور مکڑی کا جالا تننا اور صحرائی کبوتروں کا گھونسلہ بنانا ہماری کیا حفاظت کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ خدا اپنی حکمت کے بھیدوں کو خود ہی جانتا ہے۔ ہم ان کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ کچھ کہنے والے ہی تھے۔ کہ کبوتر پھڑ پھڑ کر اڑتے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہوشیار باش۔ دشمن آپہنچے:۔

اب دونوں چپ ہو گئے۔ انہیں غار کے باہر بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اس وقت آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لُو چل رہی تھی۔ اگرچہ غار کے باہر تیز دھوپ پڑ رہی تھی۔ مگر غار کے اندر اب بھی اندھیرا تھا۔ آنحضرت صلعم اور صدیق اکبر رضؓ خاموش بیٹھے قدموں کی چاپ سن رہے تھے۔ آواز بڑھتی ہوئی آ رہی تھی متعدد لوگوں کے قدموں کی چاپ تھی۔

حضرت ابوبکر رضؓ نے نہایت آہستگی سے کہا یا حبیب اللہ کفار سر پر آ پہنچے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا۔ یعنی مطلق خوف نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت صدیق رضؓ اکبر چپ ہو گئے۔ اب قدموں کی آواز اس قدر قریب آ گئی۔ کہ ان غار نشینوں نے سمجھ لیا کہ دشمن کو ان کا سراغ لگ گیا۔ اور وہ ان کی تلاش میں غار ثور پر آ گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے گھبرا کر سر اٹھایا اور اوپر نظر کر کے دیکھا تو ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان کے سامنے کھڑے تھے۔ اس طرف ان کی پشت تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے سرگوشی کے طور پر کہا۔

میرے حضورؐ۔ یہ سامنے ہی آ گئے۔ اگر یہ اپنے پاؤں کی طرف نظر کریں تو ہم نظر آ جاویں آنحضرت صلعم نے تسلی آمیز انداز سے کہا۔ مطلق نہ ڈرو۔ یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ دظنک باثنین اللہ ثالثھما۔ ترجمہ۔ تم نے ان دونوں کو کیا سمجھا ہے۔ جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے۔ جب خدا ہمارے ساتھ ہے تو ہم کو کسی کا خوف نہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ کچھ کہنے والے تھے۔ کہ کسی نے کہا یا سرداران قریش اس سے آگے سراغ نہیں چلتا یا تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق ابوبکر رضؓ یہیں کہیں چھپ گئے ہیں۔ یا آسمان پر اڑ گئے ہیں۔

ابوجہل نے کہا یہیں کہیں تلاش کرو۔ یہیں کہیں چھپے ہوں گے۔ آسمان پر اڑ کر نہیں جا سکتے اس کے بعد آواز بند ہو گئی۔ صرف قدموں کی چاپ سنائی دی۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ اور حضرت صلعم

سمجھ گئے کہ لوگ انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد کسی نے کہا۔ تمام پہاڑ چھان مارا کہیں بھی سراغ نہیں ملا۔ نہ معلوم وہ کہاں گم ہو گئے۔

ابوسفیان کی آواز آئی۔ ہم نے پہاڑ کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ وہ اس جگہ نہیں ہے۔ سراغرسانوں نے ہم کو دہوکہ دیا ہے۔ عجیب نہیں جو یہ ان دونوں سے ملے ہوں اور ہم کو دہوکہ دے کر دوسری طرف لے آئے ہوں۔

ابوجہل نے کہا۔ مجھے ان سراغرسانوں پر اطمینان ہے۔ یہ ہم کو دہوکہ نہیں دے سکتے۔ ایک سراغرسان نے کہا۔ حضور ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے آپ کو دہوکہ نہیں دیا۔ بلکہ ہم نقش پا کا سراغ لگاتے ہوئے ٹھیک طور پر یہاں لائے ہیں۔ مگر یہاں آکر نقش قدم غائب ہو گئے ہیں۔

ولید نے کہا۔ اس غار میں تو دیکھو شاید اس غار کے اندر چھپے ہوں۔ حضرت صدیق اکبرؓ یہ سن کر کچھ مضطرب ہوئے۔ آنحضرت صلعم نے اشارہ سے ان کو تسلی دی۔

اس وقت کفار اس سے اس قدر قریب تھے کہ آہستہ سے بولنے سے بھی احتمال تھا۔ کہ شاید ان کی آواز کفار مکہ کے کانوں تک پہنچ جائے۔ اس لیئے دونوں بالکل خاموش رہے۔

ابوجہل نے استہزاد کے طور پر کہا۔ غار کے اندر ضرور ہوں گے۔ ولید ذرا عقل سے کام لو یہ غار برسوں سے بحالت خطرناک پڑا ہے۔ کوئی انسان اس کے اندر گہسنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ابوسفیان نے کہا۔ کیا تم نے مکڑی کا جالا نہیں دیکھا۔ اگر کوئی انسان غار کے اندر داخل ہوتا تو کیا یہ جالا صحیح وسلم رہتا دیکھو ایک تار بھی نہیں ٹوٹا۔

ابولہب بولا۔ ولید کی تو عقل ماری گئی ہے۔ نہ کبوتروں کا گھونسلہ نظر آیا نہ گھونسلے سے اڑنے والے کبوتر دکھائی دیئے۔ بھلا اس بدعقلی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے۔ آؤ وہ یہاں نہیں ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ کہاں چلے گئے۔

ولید ٹھیکا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ تمام کفار جمع ہوئے اور بے نیل ومرام واپس لوٹ آئے

جب وہ دُور نکل گئے۔ تو صدیق اکبر رضؓ نے کہا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس نے ہمیں بچا لیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ خدا ان کی حفاظت اور اعانت کرتا ہے۔ ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں سے بے نیاز ہو کر صرف خدا کی طاقت پر بھروسہ کرے۔ انشاء اللہ خدا ضرور اس کی اعانت کرتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا۔ بلاشبہ درست ہے۔ میرے حضورؐ ہم کفار کے اس قدر قریب اور اس درجہ سامنے تھے کہ وہ ایک قدم بڑھ کر غار کے اندر جھانکتے تو ہم ان کو نظر آجاتے مگر کفار کے خدا کو ہماری حفاظت منظور تھی۔ اس لئے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ کفار دھوکہ کھا کر واپس چلے گئے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اب بے خوف و خطر آرام کرو۔ دونوں غار کے اندر چادریں بچھا بچھا کر پڑ رہے۔ آفتاب ڈھلنے پر اٹھے۔ غار سے باہر تیمم کر کے نماز پڑھی۔ اس وقت آفتاب نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ دھوپ انتہائی شدت سے پڑ رہی تھی۔

گرم ہوا کے جھلس دینے والے جھونکے چل رہے تھے۔ آنحضرت صلعمؐ نے صدیق اکبر رضؓ سے کہا کسی بلند چٹان پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر ڈال کر دیکھو کہ عامر کہاں ریوڑ چرا رہا ہے۔ صدیق اکبر رضؓ نے بہت اچھا کہا اور ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئے۔ کوہ ثور پر شاذ و نادر ہی کوئی درخت تھا۔ آفتاب کی تمازت کسی درخت کو اگنے ہی نہ دیتی تھی۔ ننگا پہاڑ اور جھلسی ہوئی چٹانیں تھیں۔ صدیق اکبر رضؓ سب سے اونچی چٹان پر چڑھ گئے۔ انہوں نے گھوم پھر کر چاروں طرف نظر ڈالی۔ ہر طرف تند و تیز ہوا سے اٹھتے ہوئے بگولے نظر آئے یا سفید ریگ زار سمندر کی طرح سے لہریں مارتا ہوا نظر آیا۔ مگر جب انہوں نے یثرب کی طرف دیکھا تو ادھر سے ایک سانڈھنی سوار تیزی سے آتا ہوا نظر آیا۔ صدیق اکبر رضؓ نیچے اترے انہوں نے آنحضرت صلعم کے قریب آکر کہا۔

یا رسول اللہؐ عامر کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ ہر طرف تند اور تیز ہوا نے ریگ زار کے بگولے اٹھا رکھے ہیں۔ البتہ یثرب کی طرف سے ایک سانڈھنی سوار آرہا ہے۔

حضور اکرم نے فرمایا۔ چونکہ ہماری ہجرت کی خبر یثرب پہنچ گئی ہے۔ اس لیے یثرب والے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے نہ پہنچنے کی وجہ سے ان کا کوئی قاصد آ رہا ہو۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ یہی میرا خیال ہے۔ کہیں پہاڑ سے نیچے اتر کر اس سانڈھنی سوار کو روک لوں۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ نہیں اول تو اندیشہ ہے کہ کہیں کفار پہاڑ کے دامن میں چھپے ہوئے نہ ہوں۔ دوسرے ممکن ہے کہ جس قاصد کو ہم مسلمانوں کا قاصد سمجھ رہے ہیں۔ کفار کا قاصد ہو آؤ ہم غار کے اندر چھپ جائیں۔ یہاں دھوپ کی تمازت تکلیف دے رہی ہے۔

صدیق اکبر نے کہا۔ چلیئے دونوں غار کے اندر داخل ہوئے اور چادروں پر جا بیٹھے۔ دیر تک دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ کچھ عرصہ گزرتے انہوں نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی۔ دونوں چونکے اور صدیق اکبرؓ نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پھر کوئی آ رہا ہے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں آ رہے ہیں۔ شاید دو آدمی ہیں۔ آواز قریب آتی جا رہی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا۔ میرے حضور! مجھے تلوار چلانے کی اجازت دیجیئے۔ آخر کار ہم کب تک ڈرتے رہیں گے۔

آنحضرت نے فرمایا جب تک خدا کا حکم نازل نہ ہو۔ ہم کو تلوار نہ اٹھانا چاہیئے۔ دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

صدیق اکبرؓ نے اوپر نظر کی تو انہوں نے عامر کو سامنے کھڑے دیکھا۔ وہ خوش ہوئے۔ اور انہوں نے کہا۔ عامر تم ہو کیسے آئے غار کے اندر چلے آؤ۔ عامر غار کے اندر گئے۔ انہوں نے دونوں کو سلام کیا دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ عامر نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ یثرب سے ایک قاصد آیا ہے۔ اور وہ آنحضرت سے ملنا چاہتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اُسے بلا لو۔ عامر واپس چلے گئے۔ اور فوراً ایک یثربی مسلمان کو ہمراہ لے کر آئے۔ یثربی مسلمان نے آتے ہی آپ کو سلام کیا آپ نے دریافت کیا۔ تم چلچلاتی دھوپ اور گرم ہوا میں کیسے آئے

یثربی مسلمان نے کہا۔ یثرب کے تمام مسلمان آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔ روزانہ یثرب سے باہر نکل کر شام تک آپ کا انتظار کرتے ہیں جب آپ نہ آئے اور عرصہ گزر گیا۔ تو مجھ کو وجہ حال معلوم کرنے کے لیئے

خدمت اقدس میں روانہ کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا میں یثربی مسلمانوں کا مشکور ہوں۔ افسوس ہے کہ میں اسوقت ایسی حالت میں ہوں۔ کہ تمہاری مدارات بھی نہیں کرسکتا۔ پہاڑ کے اندر چھپا ہوا ہوں۔ یا اخی! میری قوم مجھے ستاتی ہے۔ قتل کرنے کے درپے ہے نہیں چاہتی کہ یثرب جاؤں۔ مگر میرا خدا میری مدد کررہا ہے۔ میں پرسوں یثرب کی طرف روانہ ہوجاؤنگا۔ تم اگر ٹھہرنا نہ چاہو تو واپس چلے جاؤ۔ اہل یثرب سے کہدو کہ میں آرہا ہوں۔

صدیق اکبرؓ نے کہا۔ عامر انہیں خوب دودھ پلاؤ اور جب یہ روانہ ہوجائیں۔ تب تم رات کو آنا۔ عامر قاصد کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان دونوں غارنشینوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ عصر کے بعد جب دن چھپ گیا تو انہوں نے غار کے اندر ہی مغرب کی نماز پڑھی اور نماز پڑھکر باہر آئے اگرچہ اس وقت آفتاب غروب ہوگیا تھا۔ مگر تمام دن تپنے والا پتھر اب بھی گرم تھا۔ اور اب بھی گرم ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ یہ دونوں ایک کھلی چٹان پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں ہی عامر ریوڑ لیکر آگئے

انہوں نے بتایا کہ قاصد دودھ پی کر اسی وقت چلا گیا تھا۔ تمام دن صدیق اکبر اور آنحضرت صلعم نے کچھ کھایا پیا نہ تھا۔ اس لئے دونوں کو بھوک اور پیاس معلوم ہورہی تھی۔ دونوں نے تھوڑا تھوڑا دودھ پیا صدیق اکبرؓ نے عامر سے دریافت کیا۔ تم نے دن میں کفار قریش کو دیکھا۔

عامر نے کہا یا سیدی آج دن بھر میں پہاڑ کے دامن ہی میں بکریاں چراتا رہا ہوں۔ میں نے سرداران قریش کو پہاڑ پر آتے دیکھا تھا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں وہ ظالم آپ کا سراغ نہ لگائیں۔ لہذا میں بھی گوش برآواز ہوکر بیٹھ گیا۔ میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اگر انہوں نے آپ کو اسیر کرلیا تو میری تلوار ضرور ان کے سروں پر پڑیگی۔ میں نے تلوار کو صیقل بھی کرلیا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ اور وہ خائب و خاسر ہوکر واپس لوٹ گئے۔ ان کے چلے جانیکے بعد میرا ارادہ ہوا کہ میں دودھ لے کر آنحضرت صلعم کے پاس آؤں۔ مگر مآل اندیشی نے ایسا نہ کرنے دیا۔ صدیق اکبرؓ نے کہا تم نے

بہت اچھا کیا۔ کیونکہ تمہارا آنا بہتر نہ تھا۔ عامر نے کہا قاصد کو بھی اس وقت لے کر حاضر ہوا۔ جب کفار مکہ شہر میں چلے گئے تھے۔

اس وقت حضرت عبداللہ اور حضرت اسماءؓ دونوں آ گئے۔ حضرت اسماءؓ نے بڑھ کر کھانا آنحضرت صلعم کے سامنے رکھدیا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے عبداللہ سے دریافت کیا۔ عبداللہ آج کی روائیداد بیان کرو۔

عبداللہ نے کہا آج بھی کفار و اشرار تمام جنگلوں کی خاک چھانتے رہے۔ دوپہر کے وقت مکہ میں واپس آئے۔ عصر کے وقت انہوں نے حرم شریف میں مشورہ کیا اور قرار پایا کہ جو کوئی ان حضرت صلعم اور صدیق اکبرؓ کو گرفتار کر کے لائے اُسے سَو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

چنانچہ اسی وقت اس انعام کا اعلان کر دیا گیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ انشاءاللہ کفار اپنے ارادہ میں ناکام رہیں گے۔ اب ہمیں کل شب کو یہاں سے روانہ ہونا چاہیئے۔ صدیق اکبرؓ نے خوش ہو کر کہا۔ کیا میں عبداللہ سے کہہ دوں وہ کل شب کو دو اونٹنیاں لے آئے اور عبداللہ بن اریقط کو اطلاع دے دی جائے کہ وہ شب کو اپنے اونٹ لیکر رہبری کیلئے آ جائے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں ان کو ہدایت کر دو۔ صدیق اکبرؓ نے عبداللہ سے کہا میرے بیٹے۔ تم نے باتیں سن لیں کل ان پر عمل کرنا۔ دونوں اونٹنیاں لے کر خفیہ طور پر آ جانا۔ عامر بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔ ان کا سامان بھی اونٹ پر بار کر لانا۔ عبداللہ بن اریقط سے کہہ دینا کہ وہ بھی رات سے پہلے یہاں آ جائے۔ اور میری بیٹی اسماءؓ تم کل ستو اور کھجوریں تھیلیوں میں بھر کر لانا میرے کپڑے بھی لیتی آنا۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اور کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے تم تمام باتیں سمجھ گئے ہو۔

عبداللہ اور حضرت اسماءؓ نے کہا۔ ہاں خوب ہم سمجھ گئے۔ اس کے بعد سب نے بیٹھ کر کھانا کھایا کھانے سے فارغ ہو کر حضرت عبداللہ اور حضرت اسماءؓ چلے گئے۔ عامر ان کے پیچھے ریوڑ لے کر روانہ ہوئے۔ ریوڑ کے چلنے سے عبداللہ اور اسماءؓ کے نقش قدم مٹتے

چلے گئے۔

آنحضرت صلعم اور حضرت صدیق اکبرؓ نے عشاء کی نماز پڑھی اور ایک چٹان پر چادر بچھا کر سونیکے ارادہ سے لیٹ گئے۔ چونکہ گرمی زیادہ تھی۔ اس لیئے دیر سے نیند آئی۔ تقریباً آدھی رات گئے سو گئے۔ لیکن جب نیند آ گئی۔ تو آرام سے سوتے رہے صبح سویرے بیدار ہو کر دونوں نے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی پھر غار کے اندر چلے گئے دوپہر تک غار کے اندر بیٹھے رہے۔ جب آفتاب ڈھل گیا اور ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو دونوں نماز میں مصروف ہو گئے۔ ابھی یہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔ کہ عامر دودھ لے کر آ گیا۔ اس نے دودھ ایک طرف رکھدیا اور خود بھی نماز پڑھنے لگا۔ نماز سے فراغت کر کے حضرت صدیق اکبرؓ نے عامر سے دریافت کیا۔ کہو آج تو کفار اس طرف نہیں آئے۔ عامر نے جواب دیا یا سیدی نہیں آج بھی کچھ شتر سوار سویرے ہی یثرب طائف جدہ اور دوسری اطراف میں گئے ہیں لیکن کفار عام طور جستجو کیلئے نہیں نکلے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ غالباً وہ ناکام ہو کر بیٹھ رہے ہیں۔ عامر نے کہا بلاشبہ حضور اکرم ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ صدیق اکبرؓ اور آنحضرت صلعم نے دودھ پیا اور دودھ پی کر صدیق اکبر نے فرمایا۔ عامر دیکھتے رہو۔ کہ کفار مکہ کہاں جاتے ہیں۔ آج شبکو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ تم کو بھی ہمراہ چلنا ہوگا۔ اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑے گا۔ کہ یثرب کیجانب کتنے لوگ جاتے ہیں اور پھر وہ واپس آتے ہیں۔ یا نہیں

عامر نے کہا۔ بہت خوب یا سیدی۔ عامر یہ کہہ کر چلا گیا۔ آفتاب اور ماہتاب غار ثور میں آرام کرنے لگے۔ لہٰذا یا تمام دن وہ آرام کرتے رہے۔ جب رات ہو گئی تو سورج غروب ہو گیا اور دونوں غار سے باہر آئے اور ایک صاف سی چٹان پر بیٹھ کر عبداللہ اسماء اور عامر کا انتظار کرنے لگے۔

آفتاب ابھی غروب ہوا ہی تھا کہ ماہ صفر ۱۴ سنہ نبوی کی ۳۰ تاریخ تھی اندھیری رات

تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ جھلسی ہوئی چٹانیں مہیب اور دہشت ناک معلوم ہو رہی تھیں۔

آسمان پر تارے تیر رہے تھے۔ اور ان کی ہلکی ہلکی ضیاء تاریک فضا میں آ کر کھوئی جاتی تھیں۔ ساکنانِ ارض اس کی روشنی سے مستفید نہ ہو سکتے تھے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد عبداللہ اور اسماءؓ آ گئے دونوں نے آتے ہی سلام کیا۔ آنحضرت صلعم نے دعا دے کر دریافت کیا عبداللہ آج کفار مکہ کیا کرتے ہیں؟ عبداللہ نے جواب دیا۔ کفار مکہ کے اشراف لوگ تو تھک کر ناکام ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ مگر مفلس اور لالچی لوگ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر تمام دن مارے مارے پھرتے رہے۔ مگر اب ان کا بھی تمام جوش سرد پڑ گیا ہے۔

صدیق اکبرؓ نے دریافت کیا۔ تم نے عبداللہ بن اریقط سے کہہ دیا تھا کہ وہ اونٹنیاں لے کر آ جائے؟ عبداللہ نے جواب دیا۔ کہدیا تھا۔ وہ تمام دن تیاریاں کرتا رہا ہے۔ یقین ہے کہ اب وہ آتا ہی ہوگا۔

اسوقت عامر ریوڑ لے کر آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی دودھ پیش کیا۔ آنحضرت صلعم نے دودھ پیا۔ جب آپ دودھ پی کر فارغ ہوئے۔ تو عبداللہ بن اریقط اونٹنیاں لے کر آ گئے تو ان کے ساتھ ایک اونٹ بھی تھا۔ اس نے آتے ہی سب کو سلام کیا۔

حضرت اکبر صدیقؓ نے دریافت کیا۔ عبداللہ تم تیار ہو کر آ گئے؟ عبداللہ بن اریقط نے کہا۔ جی ہاں! میں تیار ہو کر آ گیا ہوں۔

صدیق اکبرؓ۔ کسی آدمی نے تم کو آتے تو نہیں دیکھا۔

عبداللہ۔ نہیں۔

صدیق اکبرؓ۔ کسی سے تم نے باتوں کی رو میں اپنی یا ہماری روانگی کا حال تو نہیں کہدیا۔

عبداللہ۔ نہیں۔ کیا میں ایسا ذلیل تھا کہ رازداری کا عہد توڑ کر اہلِ عرب کی اور اپنی قومی شرافت کو بٹہ لگاتا۔ یاد رکھیے جس طرح سے آپ ہیں۔ اسیطرح سے میں بھی عرب ہوں۔ ایک عرب کبھی غداری نہیں کر سکتا۔ کبھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اور کبھی عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ ہمارا قومی امتیاز

یہی ہے۔

صدیق اکبرؓ۔ بلاشبہ تم سچ کہتے ہو عبد اللہ۔

عبد اللہ۔ میرے خیال میں ہم کو جلد روانہ ہونا چاہیئے۔ اگر ہم ابھی چل دیں۔ تو دن نکلتے تک کافی دور نکل جائیں گے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ بلاشبہ جلدی کرو۔ جو سامان عبد اللہ اور اسماؓ لائے ہیں بار کر دو۔ اور فوراً روانہ ہو جاؤ۔ صدیق اکبرؓ نے بہت بہتر کہا۔ اور اونٹنیاں بٹھا کر سامان بار کرنا شروع کیا۔ سامان ہی کیا تھا۔ چند جوڑے کپڑوں کے چند چادریں اور کمبل دو تھیلے ایک ستو کا اور ایک کھجوروں کا۔ یہ سامان تھا۔ اس شہنشاہِ دنیا و دین کا زادِ راہ کیلئے۔ جن کی بابت تمام مسلمانوں کا اعتقاد تھا۔ کہ دنیا ان کی ہی وجہ سے عالم وجود میں آئی ہے۔ اور خالق ارض و سما نے انہیں اپنے پاس عرش بریں پر بُلایا بہشت کی سیر کرائی۔

آج اگر کوئی متمول مسلمان سفر کرتا ہے۔ تو سینکڑوں چیزیں کئی خادم اور ہزاروں روپے ہمراہ لے کر چلتا ہے۔ اور تو اور اگر علمائے کرام جو کہ حضور صلعم کے جانشین کہلاتے ہیں۔ تو معتقدین کا گروہ ہمراہ لیتے ہیں۔ ریل میں سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں۔ بعض فرسٹ کلاس لیتے ہیں۔ توشہ دان میں لچھیدار شوربہ حلوہ پراٹھا۔ بریانی۔ مطنجن اور اسی قسم کے دوسرے کھانے رکھوا لیتے ہیں۔ پان دان ہمراہ ہوتا ہے۔ قدم قدم پر پان کھاتے ہیں۔ منہ صاف کرنا۔ مسواک کرنا دانت مانجنا تو جانتے ہی نہیں۔ دانت سیاہ ہو کر ایسے کریہ المنظر ہو جاتے ہیں۔ کہ جہاں بولنے کے لئے انہوں نے منہ کھولا سیاہ دانت نظر آئے اور دیکھنے والے کو نفرت ہوئی۔ کیا آنحضرت صلعم پان کھاتے تھے۔ یا پان کھانا سنت ہے۔ افسوس ہے کہ ان لوگوں پر جو آنحضرت صلعم کے جانشین ہو کر۔ ان مکروہات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نہیں جانتے اس بات کو کہ عوام کے دل پر اس شخص کی تقریر کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ جو سنت نبوی پر قائم نہ ہو اور جو آدمی سنت نبوی سے منحرف ہو۔ اس کی تقریر کا ذرا بھی اثر نہیں ہو سکتا:۔

پھر یہ بھی دیکھا جاتا کہ اگر علماء نے تھوڑا بہت سفر خواہ وہ ریل سے ہی کیوں نہ ہو تو تھک گئے۔ لگے بدن دبوانے اور صرف ایک ہی آدمی بدن نہیں دباتا۔ بلکہ کئی کئی گندی کاری میں لگ جاتے ہیں۔

راقم الحروف کو تھانہ بھون جانے کا اتفاق ہوا ایک مقتدر عالم جلال آباد ہو کر آئے تھے۔ صرف چند میل کا فاصلہ تھا۔ آتے ہی پلنگ پر دراز ہو گئے اور دو تین نہیں پورے چار آدمی ہاتھ پیر دبانے لگے پھر اس وقت تک دباتے رہے۔ جب تک کہ عشاء کا وقت گذر گیا۔

گویا ان میں سے کوئی بھی عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا۔ یہ ہیں آج کل کے علماء کی کیفیات۔ کیا یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح علماء بھی آرام طلب بن گئے ہیں۔

کوئی عالم یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضور صلعم یا صحابہ کرام کا بھی یہی وطیرہ تھا۔ جو ان کا آج ہے اسلام جاہ طلبی دینے نہیں آیا۔ وہ قوم بہت جلد تباہ ہو جاتی ہے۔ جسکے افراد جسکے فرزند آرام طلب بن جاتے ہیں۔ صحیح زندگی جد وجہد کا نام ہے۔ اگر ہمارے بزرگ بھی آرام طلب ہوتے تو ہرگز اسلام دنیا میں نہ پھیلتا۔ کوئی جانتا بھی نہ کہ اسلام بھی کوئی مذہب ہے۔ میرے بزرگو! عزیزو! اور دوستو آرام طلبی چھوڑ دو۔ اعزاز و جاہ کی تمنا بھول جاؤ۔ کاہلی اور سستی سے پرہیز اور بے راہ روی سے بچو!

قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ سمجھ کر پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ آنحضرت صلعم کی سیرت کا مطالعہ کرو اور قومی بزرگوں کی سوانح حیات کو بغور دیکھو تاکہ معلوم ہو کہ تمہارے بزرگوں نے کیا کیا۔ کسطرح ترقی کی۔ کس حالت سے اٹھے۔ کس پستی سے اٹھے۔ کیسے گرجے دنیا کو کیسے تسخیر کیا۔

وہ بھی انسان تھے۔ تم بھی انسان ہو وہ پستی سے نکل کر بام عروج پر پہنچے دنیا میں آفتاب بنکر چمکے۔ انہوں نے طاغوتی سلطنتوں پر قبضہ کر لیا اور دنیا کا کثیر حصہ فتح کر

لیا۔

دنیا ان سے لرز گئی۔ تم سلطنتیں کھو بیٹھے بندھی ہوئی ہوا کو اکھاڑ دیا۔ اب تم سے کوئی نہیں ڈرتا۔ بلکہ تم سب سے ڈرتے ہو۔ اگر آج بھی تم سنبھل جاؤ۔ اور قرآن شریف کو مشعل راہ بنالو۔ تو تم بدستور سابق دنیا پر چھا جاؤ گے۔ پھر دنیا تمہارے قدموں پر آجھکے گی۔

آنحضرت صلعم نے زادِ راہ کا جائزہ لیا۔ کھجور کا تھیلہ کجاوہ سے باندھ دیا۔ مگر جب ستو کا تھیلہ باندھنے لگے۔ تو اتفاق سے اس میں تسمہ نہ تھا۔

حضرت اسماء تسمہ گھر میں بھول آئی تھیں اور یہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ جس سے تھیلہ باندھا جاتا۔ سب سوچنے لگے۔ کہ اب کیا کریں۔ فوراً ہی حضرت اسماء کی سمجھ میں آیا۔ ان کا نطاق کمر بند بڑا تھا۔ انہوں نے ادھا کمر بند کاٹ کر پاجامہ باندھا اور آدھا تھیلہ میں باندھ کر تھیلہ کجاوہ سے باندھ دیا۔ آنحضرت صلعم ان کی اس تدبیر سے بہت مسرور ہوئے آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ اسماء تم ذات النطاقین ہو!

حضرت اسماء شرما گئیں۔ مگر آنحضرت صلعم جو لقب یا خطاب اُسے دے چکے تھے۔ وہ ایسا مشہور ہوا کہ تمام عرب میں آپکی شہرت ہو گئی اور تاریخوں میں بھی حضرت اسماء کو ذات النطاقین ہی لکھا جاتا ہے۔

سب سے پہلے آنحضرت صلعم ایک اونٹنی پر سوار ہوئے اس اونٹنی کا نام القصود تھا اس کے بعد صدیق اکبرؓ ایک دوسری اونٹنی پر بیٹھے انہوں نے عامر کو اپنے پیچھے سوار کرایا اور تیسرے اونٹ پر عبداللہ بن اریقط رہبر سوار ہوئے۔ جب چار آدمیوں کا یہ مختصر قافلہ چلنے لگا تو حضرت اسماء کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انہوں نے فرمایا۔ اے اللہ میاں مسلمانوں کی رہنمائی کر۔

میرے باپ اور خاندانی غلام اور ان کی رہبر کی حفاظت کیجیو! صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ عزیز بیٹی۔ الفراق،، فراق کا نام سنتے ہی حضرت اسماء کی آنکھوں سے

آنکر نکل پڑے۔ انہوں نے فرمایا۔ پیارے باپ کیا تم ہمیشہ کیلئے مجھ سے جدا ہو رہے ہو؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ نہیں میری عزیزہ بچی ہمیشہ کے لیئے نہیں۔ میں دارالامان میں پہنچکر جلدی ہی تجھے اور تیری چھوٹی بہن عائشہ کو اور تیرے بھائی عبداللہ کو بلالوں گا۔

حضرت اسماءؓ نے سسکیاں لیتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو ہم کو بھول نہ جانا۔ آپ کے جانیکے بعد کفار ہم کو بہت ستائیں گے۔ لہذا ہمیں بہت ہی جلد بلالینا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اسماءؓ نہ گھبراؤ

خدا تمہاری اور تمہارے عزیزوں کی حفاظت کرے گا۔ جب ہم کو اطمینان نصیب ہوگا۔ ہم سب سے پہلے تم کو ہی بلائیں گے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا۔ میرے حضورؐ یاد رکھیے گا۔ کہ آپ کی دعاگو بیکس اور مجبور ہستیاں آپ سے دور ظالم اور اشرار کفار کے درمیان بیری زندگی گذار رہی ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ تم میرے سب سے عزیز صحابی کی اولاد ہو تم کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ اسماءؓ میں کسی ایک مسلمان کو بھی نہیں بھول سکتا مجھے میری امت اپنی زندگی اور دنیا و جہاں کی نعمتوں سے زیادہ عزیز ہے۔ میری بیٹی الوداع۔ حضرت اسماءؓ نے فی امان اللہ کہا۔ یہ مختصر قافلہ روانہ ہوا۔ عبداللہؓ اور اسماءؓ ریوڑ ہانک کر لے چلے۔ قافلہ نہایت خموشی سے چل رہا تھا۔ صرف تین اونٹ یا اونٹنیاں تھیں۔ کوہ ثور سے اتر کر پہاڑ کا نشیبی میدان طے کرنے لگے۔ ابھی یہ تھوڑی ہی دور چلے تھے۔ کہ سامنے سے ایک اعرابی آتے ہوئے نظر آیا۔ یہ اعرابی کہیں دور سے چلا آ رہا تھا۔

اسکے پاؤں پر گرد جما ہوا تھا۔ اس نے قریب پہنچکر ان شتر سواروں کو دیکھا فوراً ہی اسکی زبان سے نکلا۔ کون محمدؐ اور ابوبکرؓ ضرور دونوں قوم سے ڈر کر بھاگے جا رہے ہیں۔ اعرابی نے یہ باتیں نہایت آہستگی سے کیں کہ شتر سواروں نے نہ سنیں وہ برابر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ دور چل کر رات کی تاریکی میں غائب

ہو گئے۔

اعرابی بدستور مکہ کی جانب چلتا رہا۔ مگر اب اُس نے اپنی رفتار کسی قدر تیز کر دی۔

---

(۲۵)

پچیسواں باب

تعاقب

اعرابی جلد جلد چل کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ چونکہ رات زیادہ آ گئی تھی۔ اس لئے مکہ مکرمہ کی تمام گلیاں سارے راستے سنسان پڑے تھے۔ ایک متنفس بھی آ جا رہا تھا۔ تمام شہر میں خموشی طاری تھی۔ گویا ہر شخص خواب نوشیں کے مزے لے رہا تھا۔ اعرابی چل کر ایک مکان کے اندر گھسا۔ مکان کے مکیں سو رہے تھے۔ وہ بھی ایک چٹائی پر پڑ کر سو رہا۔ صبح جب آفتاب نکلا تو وہ اٹھا ضروریات سے فراغت کر کے حرم شریف پہنچا۔ حرم شریف میں سینکڑوں بت پرست بتوں کے سامنے جھکے ہوئے انکی پرستش کر رہے تھے۔ ایک طرف چند آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں ایک آدمی سراقہ بن مالک تھا۔ یہ شخص قریش مکہ سے تھا۔ نہایت مشہور بہادر اور جنگ جو و نڈر تھا۔ اعرابی ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ جب وہ باتیں کر چکے۔ تب اعرابی نے

کہا۔

سراقہ میں رات عسقلان کی جانب سے آرہا تھا۔ میں نے تین شتر سوار جاتے دیکھے اگرچہ اندھیرا تھا۔ مگر جب میں نے بغور دیکھا۔ تو انہیں پہچان لیا۔ وہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقا تھے۔

سراقہ نہایت توجہ سے اسکی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ بالضرور آنحضرت اور آپکے جاں نثار صحابہ و رفقا ہونگے اسے طمع دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ قریش مکہ نے اعلان کر دیا کہ جو شخص آنحضرت صلعم اور انکے رفقا کو پکڑ کر لائیگا۔ اُسے سَو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ اس لیئے اس نے سوچا کہ وہی کیوں نہ اس انعام کو حاصل کرے۔ لہذا اس نے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیئے کہا۔ نہیں محمدؐ نہ تھے۔ وہ تو برسوں ہی یثرب چلے گئے یہ کوئی اور لوگ ہوں گے۔

اعرابی نے کہا۔ شاید مجھے ہی دہوکہ ہوا ہو۔ سراقہ نے کہا۔ ہاں تم نے دہوکہ کھایا مجھے بوثوق معلوم ہوا ہے۔ محمدؐ یثرب چلے گئے ہیں۔ لوگوں نے سراقہ کی بات پر اعتماد کرکے اعرابی کو جھٹلانا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر کی گفتگو کے بعد سب لوگ اٹھے سراقہ سیدھا گھر پہنچا۔ گھر پہنچتے ہی۔ اس نے ہتھیار اور گھوڑا اپنے غلام کے ہاتھ شہر سے باہر بھیجدیا اور خود عوام کی نظروں سے بچتا ہوا۔ مکہ سے باہر آیا۔ باہر آتے ہی وہ مسلح ہوکر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور غلام کو ہدایت کی کسی کو نہ بتانا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ بلکہ تو اُسی جگہ کھڑا رہ اگر کوئی اس طرف جانا چاہیے۔ تو اُسے بطائف الحیل ٹال دینا اور اس طرف نہ جانے دینا۔ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ اس طرف محمدؐ گئے ہیں اور میں ان کے تعاقب میں جا رہا ہوں۔ اگر میں نے ان کو گرفتار کر لیا تو آج سو اونٹ کا انعام حاصل کروں گا۔ غلام نے سر اطاعت خم کیا۔ سراقہ روانہ ہوا ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا۔ کہ ایک گدھ گھوڑے قریب سے گذرا۔ گھوڑے نے خوفزدہ ہوکر۔ سکندری بھری

سراقہ ہوشیاری سے بیٹھا تھا۔ دھڑام سے نیچے گرا اُسے گدھے پر بڑا غصہ آیا - وہ اُٹھا کپڑے جھٹکنے لگا۔ اور گدھ کو گالیاں دینے لگا۔ کپڑے جھٹک کر گھوڑے پر سوار ہوا اور قدم قدم چلا۔ کوہ ثور پر پہنچکر اُس نے اونٹوں کے نقش قدم دیکھے وہ خوش ہو کر ان نقوش پر نہایت تیزی سے روانہ ہوا پورے تین گھنٹے تک نہایت تیزی سے چلتا رہا جب آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ تو اُس نے دُور سے تین اونٹ جاتے ہوئے دیکھے وہ سمجھ گیا۔ کہ جن کی تلاش میں وہ گھر سے نکلا ہے وہی جا رہے ہیں۔ اُس نے مہمیز لگا کر گھوڑے کو اور تیزی سے دوڑایا۔ گھوڑا نہایت سرعت سے فراٹے بھرتا ہوا جا رہا تھا لیکن ابھی اس سرعت سے ایک میل بھی نہ چلا تھا۔ کہ اس نے ٹھوکر کھائی اور گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔

اگرچہ سراقہ نہایت ہوشیاری سے بیٹھا تھا۔ مگر اس مرتبہ بھی سنبھل نہ سکا۔ لڑھکنی کھا کر گھوڑے کے آگے جا گرا اُسے پھر غصہ آیا - وہ سمجھا کہ شاید پھر کسی گدھے نے گستاخی کی۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ مگر وہاں گدھ نہ تھا۔ اس مرتبہ اُسے گھوڑے پر غصہ آیا مگر جب اُس نے گھوڑے کے پاؤں کی طرف دیکھا تو اس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنسے ہوئے تھے۔ وہ سخت متعجب ہوا۔ رفتہ رفتہ اسکی حیرت دُور ہو گئی اور اس پر خوف وہراس کا عالم طاری ہوا۔ مگر خوف بھی زیادہ عرصہ تک نہ رہا۔ اسکی جبلی شجاعت خوف پر غالب آگئی۔ اُس نے گھوڑے کو نکالا اور پھر اسی پر سوار ہو کر تیزی سے روانہ ہوا وہ دیکھ رہا تھا۔ کہ آنحضرت صلعم اور ان کے رفقاء نہایت اطمینان اور بے خوفی سے باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ اُسے اُن کے اس اطمینان پر حیرت ہوئی۔ مگر اُس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ جب گھوڑا اشتر الطیلان کے قریب پہنچا تو دفعتاً وہ پیٹ زمین میں دھنس گیا اور سراقہ پھر گھوڑے سے نیچے آپڑا۔ اب سراقہ پر ہیبت طاری ہو گئی اس نے سمجھ لیا۔ کہ جن کے تعاقب میں دوڑ کر آیا ہے۔ ان تک رسائی غیر ممکن ہے۔ ان کا خدا انکی

حفاظت کر رہا ہے۔ اُسے اس بات پر افسوس ہوا کہ وہ انعام حاصل کرنے میں ناکام رہے گا۔ مگر وہ دانش مند تھا۔ وہ مال اندیش تھا۔ اُس نے آنحضرت کو آواز دے کر کہا اے مسلمانوں کے رہنما ایک ذرا دیر ٹھہر کر میری باتیں سن لیجئے۔ آپ نے اسکی آواز سن کر سواری روک دی۔ فوراً تینوں اونٹ روک دئیے گئے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ سراقہ جلد آکر کہو کیا کہنا ہے۔ سراقہ دوڑ کر آپ کے پاس پہنچا۔ اُس نے کہا اے مسلمانوں کے ہادی میں آپ کو آپ کے رفقاء کو اسیر کرنے کے ارادہ سے آیا ہے۔ جب سے میں نے آپ کے تعاقب میں چلا ہوں اس وقت سے اب تک تین مرتبہ گھوڑے سے گر چکا ہوں۔ پہلے دو مرتبہ میں نے اتفاق سمجھا مگر اب تیسری مرتبہ جب میرا گھوڑا ایڑیٹ تک دھنس گیا۔ تو میں نے سمجھا کہ آپ کا خدا آپ کی حفاظت کر رہا ہے۔ آپ کو کوئی اسیر نہیں کر سکتا۔ میرے حضور مجھے یقین آگیا ہے۔ کہ آپ ایک نہ ایک دن مکہ کے حکمران ہوں گے۔ نہ صرف مکہ بلکہ تمام عرب پر آپکا تسلط ہو گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے اور میرے متعلقین کے لئے ایک امان نامہ لکھ دیں۔ تاکہ جب موقعہ آئے تو میں اور میرے عزیز امن وسکون سے رہ سکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رض سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اسے امان نامہ لکھ دو۔ حضرت صدیق اکبر رض نے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے امان نامہ لکھ کر سراقہ کی طرف پھینک دیا۔ سراقہ نے اٹھا کر نہایت احتیاط سے اپنے عمامہ میں باندھ لیا۔ یہ پہلا امان نامہ لکھا گیا تھا۔

سراقہ نے کہا۔ اب حضور اطمینان سے تشریف لے جائیں۔ میں واپس جا رہا ہوں جو لوگ اس طرف سے آپ کے تعاقب میں آرہے ہوں گے۔ میں ان کو واپس لیجاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کے ان الفاظ کا کچھ جواب نہ دیا اور آپ روانہ ہو گئے۔ سراقہ بھی اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ اُسے نکالا۔ سوار ہوا اور واپس مکہ کی طرف لوٹ گیا:۔

ناظرین اکرام۔ اس سے آگے کے واقعات کا مطالعہ کرنے کے لیئے اسی ناول کا دوسرا حصہ آفتاب عالم سوم منگوا کر پڑھیں جسکے چند ایک عنوانات ذیل میں اسلام کا تاثر۔ آفتاب رسالت۔ قبائیں۔ آغاز وانتقام۔ معاہدہ بین الاقوام۔ اول جہاد فخر عالم نرغہ اعدا میں وغیرہ وغیرہ قیمت ۸ اروپے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

(۳)

حصّہ سوم

آفتاب عالم

پہلا باب

(خُدا کا انعام)

حارث حمیر سے رخصت ہو کر چل دیا۔ اُس کے اہل قبیلہ اس کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر ابتدائی حصہ میں اس وقت تک سفر کرتے رہے۔ جب تک آفتاب نصف النہار پر نہ آجاتا اور جب دوپہر ہو جاتی۔ دھوپ تیزی سے پڑنے لگتی۔ بادسموم کے جھونکے چلنے لگتے۔ ریگ زار اس قدر تپ جاتا کہ اس پر پیر رکھنا دشوار ہو جاتا تو یہ لوگ خیمے نصب کرتے اونٹوں کو چھوڑ دیتے۔ خود خیموں میں چھپ جاتے اور اونٹ دھوپ میں پڑے جگالی کرتے رہتے اور جب آفتاب ڈھل جاتا۔ دھوپ کی تیزی کم ہو جاتی۔ گرم ہوا کے تیز و تند جھونکے رک جاتے تو یہ لوگ خیمے لاد کر چل دیتے اور ایک ثلث رات تک چلتے رہتے تہائی رات گذرنے پر پھر ٹھہر جاتے اور آسمان کے نیچے چادریں بچھا بچھا کر فرش زمین پر دراز ہو جاتے اور بقیہ تمام رات آرام و اطمینان سے سوتے رہتے جب یہ لوگ حمیر سے رخصت ہو کر چلے تھے۔ تو اُن کے پاس زاد راہ بہت کم تھا۔ صرف چند تھیلے کھجوروں کے تھے۔ جنکو یہ بڑی احتیاط سے کھا رہے تھے۔

چونکہ جس سرزمین میں وہ اس وقت سفر کر رہے تھے۔ اُسے انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ لہذا وہ نہ جانتے تھے۔ کہ وہ اس ریگستان سے کب نکلیں گے اس سرزمین

میں اوّل تو نخلستان آئے ہی نہیں اور اگر آئے بھی تو ایسے جن کے درخت آفتاب کی حرارت سے جل کر خشک ہو گئے تھے۔ سوکھے ہوئے ببول کے یا جھلسے ہوئے کھجوروں کے درخت کھڑے تھے اور ان کی شاخیں سر جھکا کر جھک گئی تھیں:۔

ظاہر ہے کہ ایسے خشک نخلستان میں کھانے کا کیا سامان ملتا۔ بمشکل سے اونٹوں کو کچھ چارہ مل جاتا تھا۔ یا کہیں کہیں پانی دستیاب ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ پانی مشکیزوں میں بھر لیتے گھاس یا ببول کی سبز شاخیں اگر کہیں مل جائیں تو کاٹ کر اونٹوں کے چارہ کیلئے ساتھ رکھ لیتے اور سفر کرتے رہتے۔

انہیں اس طرح بادیہ پیمائی کرتے ہوئے عرصہ گذر گیا۔ کئی مہینے گذر گئے۔ مدتوں ریگ زار میں بھٹکتے پھرے۔ مگر نہ انھیں کوئی رہبر ملا۔ نہ کوئی مسافر ملا نہ آبادی ملی۔ نہ اس ریگستان سے نکلنے کا راستہ ملا۔ نہ کوئی سرسبز نخلستان ملا۔ نہ کسی جگہ کوئی کھانے کا سامان ملا:۔

وہ واقف نہ تھے۔ کہ عرب کے کس حصہ میں سفر کر رہے ہے۔ اتنا جانتے تھے کہ عرب کا کوئی ایسا خطہ ہے۔ جس میں انسان آباد نہیں ہیں۔ نہ موت کے خوف سے کوئی اس نواح میں آنیکی جرأت کرتا ہے۔ کھجوریں جو وہ ہمراہ لے کر آئے ہیں۔ دن بدن کم ہوتی چلی جارہی تھیں۔ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ کہ چند ہی روز میں بالکل ختم ہو جائینگی۔ کھجوروں کا قریب الاختتام انکی زندگی کا خاتمہ تھا۔ اگرچہ وہ پہلے ہی سے احتیاط سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ صرف بقائے حیات کے لیئے دو کھجوریں کھا کر پانی پی لیتے تھے۔ مگر اب جب کہ کھجوروں کا ذخیرہ بہت ہی کم رہ گیا۔ تو انہوں نے یہ وطیرہ کر لیا تھا۔ کہ ایک کھجور صبح کو اور ایک شام کو کھا کر پانی پی لیتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ۲۴ گھنٹے میں صرف دو کھجوریں کیا سہارا دے سکتی ہیں۔ بھوک لگتی تھی اور زوروں کی لگتی تھی۔ کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ اس لیئے سب کے سب دن بدن کمزور ہوتے چلے

جا رہے تھے۔ مگر وہ ایسے سخت جان تھے کہ کمزور ہونے پر بھی سفر کی صعوبات۔ بھوک کی سختی برابر برداشت کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ کھجوروں کا تمام ذخیرہ ختم ہو گیا۔ کسی کے پاس ایک کھجور باقی نہ رہی۔ صرف پانی پر گذارہ رہ گیا۔

پانی پی کر انسان کے دن جی سکتا ہے۔ کس طرح اپنی طاقت کو قائم رکھ سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ نہایت نحیف و کمزور ہو گئے۔ ایسے کمزور کہ چلنا پھرنا تک دوبھر ہو گیا۔

جب اونٹوں پر سوار ہو کر چلتے اور چلنے میں جھٹکے لگتے تو سر گھوم جاتا۔ چکرانے لگتے نڈھال ہو کر کجاووں کے اوپر پڑ جاتے اونٹوں کی مہار چھوڑ دیتے۔ جسطرح اور جسطرف چاہتے اونٹ چلتے رہتے۔ جب وہ کہیں بیٹھ جاتے تو یہ لوگ جوں توں کر کے اترتے اور اس کس مپرسی کی حالت میں اونٹوں کے سہارے بیٹھ جاتے یا دو چار قدم اونٹوں سے الگ ہو کر ریت پر گر جاتے اور صبح تک بے دم ہو کر پڑے رہتے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان سب لوگوں نے سمجھ لیا کہ موت قریب ہے اور اس سے رستگاری غیر ممکن ہے:۔

وہ نہ جانتے تھے۔ کہ موت کیا ہے۔ اور کیوں آجاتی ہے۔ انسان مر کر کہاں جاتا ہے اور مرنیکے بعد کیا ہوتا ہے۔ انھیں مرنے کا فکر نہ تھا۔ فکر اس بات کا تھا کہ وہ قبیلہ بنی قحطان سے انتقام نہ لے سکتے تھے۔ انکے سردار عدی کی روح انتقام! انتقام چلاتی پھر رہی تھی۔ وہ مرنے سے پہلے انتقام لینا چاہتے تھے۔ عربوں میں یہ بات سخت معیوب تھی کہ کوئی شخص انتقام نہ لے سکے۔ انتقام لینا ایسا ہی ضروری تھا۔ جیسا زندگی کے لئے کھانا۔

حارثہ نے جب دیکھا کہ اسکی اور اس کے قبائل کی زندگی خطرہ میں ہے۔ موت ان سے بغل گیر ہونے والی ہے تو اس نے کہا۔ تعجب ہے۔ ہم اپنے معبودوں کی برابر پرستش کر رہے ہیں۔ ان سے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ لیکن وہ ہم پر مہربانی نہیں کرتے۔ ہمیں فاقہ کشی سے نجات دلاتے۔ کیا ہمارے معبود ہم سے خفا ہو گئے ہیں۔

ایک عرب نے کہا۔ خفگی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جب ہم اس حالت میں بھی

انھیں پوج رہے ہیں۔ انھیں سجدے کر رہے ہیں۔ پھر وہ کیوں خفا ہوتے۔ حارثہ! آہ حارثہ کیا ہم بھوکے ہی تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے؟ کیا ہم بنی قحطان سے انتقام نہ لے سکیں گے؟

حارثہ نے کہا۔ میں عرصہ سے اس فکر میں ہوں کہ کیا بُت ہمارے معبود ہیں۔ اگر یہ ہمارے واقعی معبود ہیں۔ تو کیوں ہماری مدد نہیں کرتے۔ کیوں ہمیں بھوک سے نجات نہیں دلاتے!

ایک اور عرب نے حیران ہو کر حارثہ کی طرف دیکھ کر پوچھا! اگر یہ معبود نہیں ہیں۔ تو پھر کون معبود ہے؟

حارثہ نے کہا۔ کیا تم نے حمیری کی گفتگو نہیں سنی تھی۔ وہ کہتے تھے۔ کہ مکہ میں کوئی رسول ہُوا ہے جو کہتا ہے۔ کہ بت خدا نہیں ہیں۔ خدا وہ ہے۔ دنیا و جہان کو پیدا کیا ہے۔ جو خالق مطلق اور رزاق عالم ہے۔

عرب نے دریافت کیا۔ لیکن وہ ہے کہاں! وہ معبود کہاں رہتا ہے؟

حارثہ نے جواب دیا۔ میں نہیں جانتا۔ مگر میرا دل کہتا ہے ضرور ہمارا! سارے عرب کا اور ساری دنیا کا کوئی خدا ہے! میرے دوستو! مجھے معاف کرنا۔ میرا دل بتوں کی طرف سے پھر گیا ہے۔

ایک بڈھے عرب نے کہا۔ کیا تم مرتد ہو گئے ہو حارثہ! کیا تم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے؟

حارثہ نے کہا نہیں میرے محترم بزرگ نہیں۔ لیکن میرے دل میں جو خدشہ جو وسوسہ۔ جو بات پیدا ہو گئی ہے۔ کبھی میرا خیال ہے۔ یا مجھے خیال ہُوا ہے: کہ اس قدر معبود جس قدر کہ ہم۔ ہمارے قبائل۔ ہماری قوم پرستش کرتے ہیں۔ خدا نہیں ہو سکتے۔ ہمارے ہر قبیلہ کا۔ ہر خاندان کا ہر شخص کا جدا جدا خدا ہے۔ اس قدر خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ یقیناً خدا ایک ہے۔ دنیا و جہان کا خدا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ میں نے اس عرب سے باتیں نہ کیں۔ جو اسلام اور مسلمانوں کی خبر لایا تھا۔

چند آدمیوں نے کہا۔ حارثہ! تم نے ہمارے عقائد متزلزل کر دیئے۔ تمہاری گفتگو نے ہمیں تذبذب میں ڈال دیا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں ہم اپنے آبائی مذہب کو نہ چھوڑ دیں۔

حارثہ نے کہا۔ بس نے۔ تم نے سب لوگوں نے اپنے معبودوں سے دعائیں مانگیں۔ لیکن ہماری دعا قبول نہ ہوئی۔ وہ معبود جن کو ہم پوجتے رہے ہیں۔ ہم پر مہربان نہ ہوئے۔ آؤ اب ہم سب اُن دیکھے خدا کے سامنے جھک کر اس سے دعا کریں:

بڈھے عرب نے کہا۔ کچھ حرج نہیں ہے۔ مانگو اس خدا سے۔ اس معبود سے اس رزاق مطلق سے دعا مانگو جس کو آج تک ہم نے نہیں دیکھا ہے۔ ممکن ہے وہ ہم پر رحم کرے۔ ہماری خبر لے اور ہمیں بھوک سے نجات دے۔

حارثہ سر بسجود ہو گیا۔ اُس کے ساتھ سب جھک گئے۔ حارثہ نے بلند آواز سے کہا اے خدا! اے محمدؐ کے خدا اے دنیا جہاں کے معبود ہم بھٹک گئے ہیں۔ گمراہ ہو گئے ہیں تجھ سے، تیری سرکار سے دور جا پڑے ہیں۔ اب ہم ٹھوکریں کھا کر پھر تیرے در پر آپڑے ہیں ہماری خبر لے۔ ہم بھوک کے مر رہے ہیں۔ ہمکو نجات دے میرے خدا ہمیں۔ ہمارے خدا اگر تو نے ہم کو بھوک سے نجات دے دی۔ تو ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہ تیرے رسُول حضرت محمدؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ تجھے اور صرف تجھے ہی پوجیں گے۔

جو کچھ حارثہ کہتا جاتا تھا۔ سب لوگ آہستہ آہستہ وہی کہتے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد حارثہ نے سر اٹھایا۔ اُس نے کہا۔ میرے عزیزو اور بزرگو! میرے دل کو دعا مانگنے سے کچھ تسکین سی ہو گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت محمدؐ کا خدا ہم پر ضرور مہربانی کرے گا۔ ہماری خبر لے گا۔ ہم کو بھوکا نہ مرنے دے گا۔

ان لوگوں کی حالت اس قدر خراب ہو چکی تھی۔ کہ ان کی زندگی کی کوئی اُمید نہ تھی دو ہفتے سے زیادہ گزر گئے تھے۔ کہ انھیں ایک کھجور یا اناج کا ایک دانہ بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ جبکہ ان لوگوں نے دعا مانگی۔ دھوپ شدت سے پڑ رہی تھی ہوا کے گرم اور تیز و تند جھونکے چل رہے تھے۔ دھوپ کی شدت اور گرم ہوا نے انھیں اور بھی نڈھال کر دیا تھا۔ سب کے سب سر جھکا کر پڑ گئے تھے۔ گویا وہ موت کا انتظار کر رہے تھے

ضعف درنقاہت کی وجہ سے ان پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ انھیں خبر نہ رہی کہ وہ اس حالت میں کتنی دیر پڑے رہے جب ان میں سے چند اشخاص کو ہوش آیا۔ آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ دھوپ کی شدت کم ہوگئی ہے۔ ہوا کی گرمی میں بھی کمی آگئی ہے۔ لیکن ایسی آواز آرہی تھی جیسے تیز ہوا کے جھونکے چل رہے ہوں۔ انھوں نے اپنے اردگرد دیکھا۔ وہ حیران رہ گئے انھوں نے ٹڈیوں کا دل فضا میں پرواز کرتے دیکھا۔ اس کثرت سے ٹڈیاں آرہی تھیں کہ آفتاب ان کے نیچے چھپ گیا تھا۔

حارثہ خدا کی قدرت کا یہ سماں دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھا خدا کی مدد آگئی۔ حضرت محمدؐ کے خدا نے ہماری بھوک کا انتظام کر دیا۔ اب ہم بچ جائیں گے۔ اٹھو۔ اٹھو اے قبیلہ بنی بکر کے فرزندو! اٹھو! ٹڈیاں پکڑو۔ بھونو اور کھا کر خدا کا شکر ادا کرو۔ اس خدا کا جس سے ہم نے ابھی دعا مانگی ہے۔

اس آواز کو سن کر سب لوگ اٹھ بیٹھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ٹڈیاں آآکر اُن کے اُوپر اس کثرت سے پڑ رہی ہیں۔ کہ جس قدر چاہیں پکڑ سکتے ہیں۔ چونکہ وہ بھوکے تھے عرصہ کے بھوکے۔ انھوں نے ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر چبانی شروع کر دیں۔

مشہور ہے کہ بھوک میں گولر بھی پکوان معلوم ہوا کرتے ہیں۔ ٹڈیاں انھیں بہترین نعمت معلوم ہوئی۔ لیکن ٹڈیاں کھا کر ان پر پھر غنودگی طاری ہوگئی۔ وہ پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

دراصل وہ ہفتوں سے بھوکے تھے۔ بھوک کی شدت میں نیند نہ آتی تھی۔ ٹڈیاں کھانے سے غلبہ ہوگیا۔ وہ بے سو گئے۔ جب انکی آنکھ کھلی تو اب اُن میں توانائی آگئی تھی۔ ہاتھ پیر کام دینے لگے تھے۔ وہ اٹھے اور ٹڈیاں جمع کرنے لگے۔

ابھی تک ٹڈیوں کا دل آسمان پر پرواز کر رہا تھا۔ اس کثرت سے ٹڈیاں اڑ رہی تھیں کہ آفتاب نظر نہ آتا تھا۔ دھوپ چھپ گئی تھی۔ ٹڈیوں کی پرواز کی سائیں سائیں

سے فضا گونج رہی تھی۔ اِن لوگوں نے منوں ٹڈیاں جمع کرلیں اور انہیں سکھانیکے لیے ریت پر پھیلا دیا۔ شام تک وہ ٹڈیاں جمع کر کر کے انھیں پھیلاتے رہے۔ شام کیوقت انھوں نے کچھ ایندھن جمع کر کے ٹڈیاں بھونیں۔ کھائیں اور ابتدائی شب ہی سے سو گئے صبح سویرے ہی بیدار ہو کر پھر ٹڈیاں جمع کرنے لگے۔ سارے ریت پر ٹڈیاں اس کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ کہ ریت کی سفیدی کو ٹڈیوں نے ڈھک لیا تھا۔ حارثہ نے یہ دیکھ کر کہا! بنی بکر کے فرزندو! تم نے ان دیکھے خدا کی مہربانی دیکھی! کیا اب بھی تم محمدؐ کے خدا پر ایمان نہ لاؤ گے۔

سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ ہم ان دیکھے خدا پر ایمان لا چکے۔ اب ہم بتوں کو زندگی بھر نہ پوجیں گے۔ حارثہ نے کہا۔ دیکھو آفتاب طلوع ہو گیا ہے۔ ٹڈیوں کو پھیلا دو۔ تاکہ یہ سوکھ کر کھانیکے کام آتی رہیں۔ سب نے کہا۔ ہاں ہم کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ سب پھیل گئے۔ اور ٹڈیوں کو سکھانیکے لیے پھیلانے لگے۔

دُوسرا باب (۲)

اسلام کا تاثر

آنحضورؐ سراقہ کو امان نامہ دلا کر روانہ ہوئے۔ چونکہ آفتاب لنصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس لیئے دھوپ کی تپش اور گرم ہوا کے تیز و تند جھونکے ناقابل برداشت ہو گئے تھے ریت اس قدر تپ گیا تھا۔ کہ ہوا کے بگولے جو ریت کے ذرات اٹھا دیتے تھے اور وہ سفر کرنیوالوں کے جسم سے چھو جاتے تھے تو مسافروں کے بدن میں آگ سی لگ جاتی تھی۔ عرصہ تک سوزش رہتی تھی عربستان کے ریگزار میں دوپہر کے وقت تیز ہوا چلنے لگتی ہے۔ چونکہ دھوپ تیز پڑتی ہے۔ اس لیے ہوا کے جھونکے گرم ہوتے ہیں۔ جگہ جگہ گرم ہوا چکر کھا کر ریت کو اڑائے جاتی ہے۔ جو لوگ ان بگولوں میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ پوری طاقت صرف کرنے پر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہوا میں تیر کچھ دور جا گرتے تھے۔ یا ہوا انہیں اٹھا کر دور پھینک دیتی ہے۔

آنحضور جب سرگرم سفر تھے تو ریت کے سمندر میں گرم و تیز ہوا بگولے اٹھائے پھرتی تھی۔ کوئی بگولہ حضور کے قریب تک سے نہ گذرا۔ سب ادھر ادھر کترا کر نکل گئے

چونکہ اندیشہ تھا۔ کہ کفار مکہ آنحضور کے تعاقب میں نہ آتے ہوں۔ اس لیئے عبداللہ بن ارلقط جو رہبر تھا۔ عام اور سیدھے راستہ کو چھوڑ کر سمندر کی جانب عسقان کی طرف روانہ ہوئے جس راستہ پر یہ مختصر قافلہ سفر کر رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف حدِ نگاہ تک سفید سفید ریت پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کوئی درخت۔ کوئی پہاڑ یا اور کوئی ایسی جائے پناہ نظر نہ آتی تھی۔ جہاں بیٹھ کر دو گھڑی سستایا جا سکے! ہر طرف یا تو ریت کا سمندر تھا۔ یا ریت کے فلک نما تودے یا پہاڑ جیسے

ہوئے تھے۔

عبداللہ بن اریقط نے کہا! یا سیدی! دھوپ اور گرم ہوا نے پریشان کر دیا ہے۔ پیاس سے جان لبوں پر آگئی ہے۔ اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو اندیشہ ہے کہ کہیں ہماری زندگیاں ختم نہ ہو جائیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ عبداللہ! تم تو ذرا سی تکلیف سے گھبرا گئے۔ مسلمانوں کو دیکھو انہوں نے کس قدر سختیاں برداشت کیں۔ کس قدر مظالم سہے سارے سارے دن گرم ریت پر ننگے لٹائے گئے جلتے ہوئے وزنی پتھر سینوں پر رکھے گئے۔ آہ جب میں ان واقعات کو اور مسلمانوں کے بے نظیر صبر و استقلال کو یاد کرتا ہوں تو میرے دل کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو اس لیئے ستایا کہ وہ ایک خدا کی پرستش کرتے تھے۔ ایک خدا کو ملتے تھے۔ عبداللہ مجھے کہا گیا کہ میں بھی اور انبیاء علیہم السلام کیطرح اپنی قوم کو بددعا دوں۔ لیکن میں بددعا نہ دے سکا۔ بددعا کیسے دیتا۔ وہ لوگ ناسمجھ ہیں۔ وہ مجھے نہیں پہچانتے۔ ضرورت ہے کہ وہ مجھے پہچانیں خدا کو پہچانیں۔ ضرور ایک دن ایسا ہوگا۔ کہ وہ اسلام کیطرف جھکیں گے۔ کلمہ پڑھیں گے۔ مسلمان ہوں گے ...... عبداللہ یاد رکھو۔ ہر تکلیف کے راحت ہے۔ ہیرا تراش کر خوبصورت بنتا ہے۔ سونا تپانے سے نکھرتا ہے۔ انسان کو تکلیف و مصیبت میں گھبرانا نہ چاہیئے:۔

اس وقت ایک نہایت بلند ٹیلہ سامنے راستہ کے سرے پر نظر آنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس بلند اور شمال جنوب تک پھیلے ہوئے ٹیلہ نے راستہ روک دیا ہو۔ حضرت صدیق رضؓ نے اس ٹیلہ کو دیکھ کر کہا۔

عبداللہ! کہیں تم راستہ تو نہیں بھول گئے ہو۔ دیکھو ٹیلہ سدِ راہ ہو گیا ہے۔ کیا ہم کو واپس لوٹنا پڑے گا:۔

عبداللہ نے کہا۔ نہیں میرے آقا! ہم تھوڑی دور جنوب کی طرف چل کر مغرب کی طرف نکل جائیں گے۔ اونٹ اور اونٹنیاں باوجود تیز دھوپ اور گرم ہوا ہونے کے

نہایت تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں پہاڑ میسا ریت کا تودہ قریب آ گیا۔ عبداللہ نے ٹھیک کہا تھا۔ راستہ اس پہاڑ نما ریت کے انبار سے کسی قدر بچ کر جنوب کی سمت چلا گیا تھا۔ اور تھوڑی دور چل کر مغرب کیجانب مڑ گیا تھا۔ اس طرف یہ ریت کا پہاڑ ختم ہو کر کس قدر فاصلہ سے پھر شروع ہو گیا تھا۔ مگر دور سے ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس کا سلسلہ کہیں منقطع نہ ہوا ہو۔

جب اس قافلہ نے اس ریت کے پہاڑ کو عبور کیا تو اس سے کچھ فاصلہ پر چند کھجور کے درخت نظر آئے۔ ان درختوں کو دیکھ کر یہ لوگ خوش ہوئے۔ ریگستان میں کھجوروں کے درختوں کو دیکھ کر جو مسرت مسافروں کو ہوتی ہے۔ ہندوستان کے باشندے اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے اونٹوں نے بھی کھجوروں کے درختوں کو دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے بھی اپنی رفتار از خود ہی تیز کر دی اور بہت جلد درختوں کے پاس جا پہنچے۔ یہ چند درخت تھے۔ جو دھوپ کی تپش اور باد سموم کے گرم جھونکوں سے پژمردہ اور خشک سے ہو رہے تھے۔ انکی لمبی لمبی شاخیں جھک گئی تھیں۔ درختوں کے نیچے ہرنوں کی کھال کا ایک خیمہ ایستادہ تھا۔ خیمہ کے سامنے دو اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ اور خیمہ کے دروازہ پر ایک دبلی سی بکری کھڑی تھی۔

اس قافلہ نے خیمہ سے کسی قدر فاصلے پر اپنے اونٹ بٹھائے اور اونٹوں سے نیچے اترے اونٹوں کے آنے بیٹھنے اور اُن کے اترنے سے جو آواز ہوئی اس آواز کو سن کر خیمہ کے اندر سے ایک ضعیف عورت باہر نکلی۔ وہ دروازہ پر کھڑی ہو کر آنحضورؐ اور حضرت صدیق کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

اس ضعیفہ کا نام ام معبد تھا۔ قبیلہ بنو خزاعہ سے تھی۔ نہایت نیک اور مسافر نواز تھی۔ جب آنحضور اور حضرت صدیق اُسکی طرف بڑھے تو وہ خود بھی اُن کی طرف چلی۔ قریب آ کر اس نے حضرت صدیق سے خطاب کرتے ہوئے کہا "میں بھی کس قدر

خوش قسمت ہوں۔ اے ابوبکر صدیق! کہ آج میرے خیمہ پر ابوقحافہ کا معزز بیٹا مہمان بن کر آیا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ اور کون ہیں۔

حضرت صدیق نے جواب دیا۔ یہ میرے رہبر دین ہیں۔

ام معبد نے چلا کر کہا۔ کیا حضرت محمدؐ؟ اے آمنہ کے لال۔ اے عرب کے روشن سورج!! خوش آمدید!! بنو خزاعہ کی ایک ضعیف عورت کا ہدیہ سلام قبول ہو

چونکہ حضرت صدیق رضؓ تجارت پیشہ تھے۔ تجارت کی غرض سے یثرب۔ طائف۔ جدہ حبش اور ملک شام وغیرہ میں جاتے تھے۔ اس لیئے انہیں لوگ پہچانتے تھے۔ آنحضور کو بہت کم لوگ جانتے تھے۔ لیکن آپ کا قد۔ آپ کی پرجمال صورت اور جلالت تاب چہرہ ایسا تھا۔ کہ ہر شخص پر آپ کا رعب پڑتا تھا۔

آنحضور صلعم نے ام معبد کا سلام لیا۔ وہ بڑی مسرت سے آنحضور اور حضرت صدیق کو ہمراہ لے کر خیمہ کے دروازہ پر پہنچی۔ اس نے کہا۔ اے قوم کے درخشاں ستارے اس حقیر خیمہ کے اندر تشریف لے جا کر آرام کیجیے۔ میں حضور کے لیئے دودھ لینے جاتی ہوں۔

حضرت نے فرمایا۔ ٹھہرو اے مسافر نواز ضعیفہ ٹھہرو۔ دھوپ سخت ہے۔ ہوا گرم چل رہی ہے۔ ایسی تیز اور گرم ہوا میں کہاں جاؤ گی؟ ام معبد نے کہا۔ جو ٹیلہ حضور نے دیکھا ہے۔ اسکے دوسری طرف بکریوں کا ریوڑ چر رہا ہے۔ میرے حضور! میں بہت جلد واپس آجاؤں گی۔

حضورؐ نے فرمایا! میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ تم ہمارے واسطے دودھ لینے کیلئے دھوپ میں دور تک جاؤ۔ اگر دو چار کھجوریں اور تھوڑا سا پانی ہو تو لے آؤ۔ ام معبد نے کہا۔ میرے حضورؐ! میں ہر مسافر کی دودھ سے تواضع کرتی ہوں۔ کیا قریش کے چاند کی صرف کھجوروں اور پانی سے تواضع کیجائے نہیں۔ میرے حضورؐ اس سے مجھے رنج ہو گا۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اچھا اتنی دیر ٹھہرو کہ میرے ساتھی یہاں آجاویں : ؎

ام معبد نے کہا - بہت اچھا حضور !

عامر اور عبداللہ اونٹوں کو باندھ اور اُن کے سامنے چارہ ڈال رہے تھے۔ حضورؐ اور حضرت صدیق دونوں اُن کے انتظار میں خیمے سے باہر کھڑے رہے۔ جب وہ دونوں بھی آگئے۔ تب انھیں ہمراہ لے کر دونوں آفتاب و مہتاب خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ خیمہ کے اندر کوئی آرائش نہ تھی۔ ایک بادیہ نشین ضعیف عورت کا خیمہ تھا۔ خیمہ کے اندر صرف کمبل کا فرش ہو رہا تھا۔ آنحضور حضرت صدیق رضؓ۔ حضرت عامرؓ۔ اور عبداللہ۔ کمبلوں پر جا بیٹھے۔ ام معبد نے کہا۔ میرے حضور ! اب مجھے اجازت ہے۔ کہ میں اپنے ریوڑ میں جاکر دودھ لے آؤں " !

آنحضور نے فرمایا۔ جو بکری خیمہ کے دروازہ پر کھڑی ہے تم اسے ہی کیوں نہیں دودھ لیتی ہو۔ ام معبد نے کہا۔ حضور یہ بکری بڑھیا ہے۔ کمزور ہے۔ دودھ نہیں دیتی حضور نے فرمایا۔ تم اس بکری کو یہاں لے آؤ - ام معبد بکری لے آئیں۔ حضور نے اُسکے تھنوں میں ہاتھ ڈالا۔ اگرچہ بکری نہایت کمزور دُبلی اور بوڑھیا تھی۔ مگر آپ کے تھنوں میں ہاتھ ڈالتے ہی تھن دُودھ سے بھر آئے۔ حضورؐ نے پیالہ لے کر خود ہی دودھ دوہنا شروع کر دیا۔

پیالہ لبریز کر کے پہلے حضرت صدیقؓ کو پلایا۔ پھر عامرؓ۔ عبداللہ۔ ام معبد سب کو دیا۔ جب سب شکم سیر ہو گئے۔ تب حضورؐ نے خود پیا۔ خود پی کر جس قدر برتن میں رکھے تھے۔ سب حضورؐ نے دودھ سے بھر دئیے۔

حضرت صدیق رضؓ۔ حضرت عامر رضؓ۔ عبداللہ اور ام معبدؓ سب ہی حیرت سے حضورؐ

؎ از تاریخ جہاں۔

کے اس معجزہ کو دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ نے بیساختگی کے لہجہ میں کہا۔ بے شک آپ خدا کے رسول ہیں یہ خدا ہی کی مہربانی ہے۔ کہ اس نے آپ کے لیئے ایک کمزور بکری سے دودھ دلایا دودھ پی کر سب کمبل پر لیٹ گئے۔ اور آرام کرنے لگے۔ تقریباً دو گھنٹے آرام کر کے اُٹھے۔ آنحضرت۔ حضرت صدیق رض حضرت عامر رض نے ظہر کی نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر پھر روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ تھوڑی دور چل کر مقام ہج کے زیریں جانب چلا اور عصر کے بعد مقام قدید پر جا پہنچا۔ یہاں انھیں ایک قافلہ ملا جو ملک شام سے تجارت کے لیئے آ رہا تھا۔

اس قافلہ میں زبیر بن العوام تھے۔ زبیر کی شادی حضرت صدیق رض کی دختر اسماء سے ہو چکی تھی۔ وہ حضور اور حضرت صدیق کو دیکھتے ہی آپکے پاس آئے آتے ہی دریافت کیا۔ حضورؐ کہاں تشریف لیجا رہے ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا مجھے مکہ والوں نے مکہ میں نہ رہنے دیا۔ اس لیئے میں ہجرت کر کے یثرب جا رہا ہوں:۔

حضرت زبیر نے کہا۔ یا رسول اللہ جب آپ مکہ چھوڑ کر یثرب تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو میں بھی مکہ جا کر کیا کروں۔ میں بھی یہیں سے حضور کی معیت میں چلوں گا۔

حضور نے فرمایا! زبیر رض یہ بات مناسب نہیں ہے۔ تم مکہ جا کر وہاں کے تمام کاموں سے فراغت کر کے یثرب آنا۔

حضرت زبیر نے کہا۔ بہت اچھا۔ لیکن میں حضورؐ اور حضرت صدیق کے لیئے ملک شام سے کچھ کپڑے تیار کرا کر لایا ہوں۔ وہ حضورؐ کی نذر کرنا۔ مہربانی فرما کر قبول کر لیجیے

آنحضور نے کہا۔ اچھا لے آؤ۔

حضرت زبیر رض واپس گئے اور ایک بقچی سی بغل میں دبا کر لے آئے۔ حضرت صدیق نے بقچی لے لی اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ رات کو ایک مقام پر ٹھہرے صبح ہوتے ہی

ہی پھر روانہ ہوئے۔

چونکہ اندیشہ تعاقب کا تھا۔ اس لیئے عبداللہ نے شارع عام کو چھوڑ کر جرار کے وسیع میدان میں سفر شروع کر دیا۔ یہ میدان نہایت وسیع تھا۔ دوپہر کے بعد طے ہوا اب شنتہ المرۃ کی وادی شروع ہوئی۔ اس کے اختتام پر لفت کا لق و دق میدان آیا۔ رات کو اسی میدان میں قیام کیا۔ صبح ہوتے ہی پھر روانہ ہوئے اور رلجہ مخاج کو عبور کر کے ذوالعضوین کا علاقہ طے کرنے لگے۔ دوپہر کے قریب یہ علاقہ طے کر کے ذی سلم کے عظیم الشان صحرا میں قدم رکھا۔ ابھی چند ہی قدم چلے تھے۔ کہ کچھ خیمے نظر آئے۔ خیموں کے سامنے کچھ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

چونکہ دوپہر کا وقت تھا۔ ان سب کو پیاس لگ رہی تھی۔ اس لیئے انھوں نے اونٹوں کا رخ خیموں کیطرف کر دیا۔ خیموں والوں نے انھیں دیکھا۔ وہ سب اٹھ کر اُنکی طرف روانہ ہوئے۔ سب سے آگے ایک ادھیڑ عمر کا شخص آ رہا تھا۔ جو ذی وجاہت معلوم ہوتا تھا اُس نے قریب آکر کہا۔ خوش آمدید اے صحرائے ذی سلم کو عبور کرنے والو آؤ۔ اور قبیلہ بنی سلیم کے خیموں میں آرام کرو۔ حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا اے مسافر نواز بادیہ نشین عرب! ہم پیاسے ہیں۔ ہم کو پانی پینے کیلئے دو!

جو شخص پہلے ہم کلام ہوا تھا۔ اُس نے حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کو دیکھا پہچانا اور پہچانتے ہی کہا اے ابی قحافہ کے بیٹے! ہم بڑے خوش نصیب ہیں۔ کہ مکہ کا بڑا تاجر آج ہمارا مہمان ہو رہا ہے۔ تم پانی مانگتے ہو۔ کیا ہم ایسے گئے گذرے ہیں۔ کہ آپ کو دودھ بھی نہ پلا سکیں گے۔ ہم تمہاری مدارات کریں گے آؤ خیموں میں چل کر بیٹھو اور آرام کرو۔

یہ سب روانہ ہوئے۔ جب خیموں کے قریب پہنچے تو خیموں کے اندر سے بہت لوگ نکل پڑے۔ یہ سب غالباً ستر آدمی تھے۔ سب کے سب مسافروں کو دیکھ کر

بڑے خوش ہوئے۔ ایسے خوش جیسے کہ اُن کے عزیز و اقارب آ گئے ہوں :۔

خیموں کے قریب پہنچکر شتر سوار اترے ایک بڑے خیمہ میں داخل ہوئے یہ خیمہ اسی ذی جاہ شخص کا تھا۔ جو حضرت صدیق رضؓ سے ہم کلام ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ہمراہیوں کو دودُھ لانیکے لیئے کہا۔ کئی آدمی دوڑ گئے۔

آنحضورؐ۔ حضرت صدیقؓ۔ حضرت عامر رضؓ عبداللہ سب خیمے کے اندر کمبل کے فرش پر بیٹھ گئے۔ اُن کے سامنے ہی اُن کا میزبان بھی بیٹھ گیا۔ وہ آنحضور کو بار بار دیکھتا تھا کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن ہمت نہ پڑتی تھی۔ حضرت صدیق رضؓ نے اس سے دریافت کیا۔ معزز میزبان! تمہارا کیا نام ہے۔ میزبان نے جواب دیا۔ میرا نام بریدہ ہے۔

حضرت صدیق رضؓ۔ کیا تم اپنے قبیلہ کے سردار ہو؟

بریدہ۔ جی ہاں! میرے قبیلہ میں کل ستر آدمی ہیں اور وہ سب میرے ساتھ ہیں

حضرت صدیق رضؓ۔ تم یہاں کب سے فروکش ہو؟

بریدہ۔ تقریباً دو ہفتوں سے!

حضرت صدیق رضؓ۔ اب کہاں جانے کا ارادہ ہے۔

بریدہ۔ ہم بادیہ نشینوں کا ارادہ ہی کیا ابھی تو یہیں قیام کرنیکا قصد ہے اس عرصہ میں لوگ دودھ لیکر آ گئے۔ سب نے دودھ پیا اب بریدہ نے حضرت صدیق رضؓ سے دریافت کیا۔ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت صدیق رضؓ نے جواب دیا ھذا یھدی السبیل۔ یعنی یہ میرے ہادی طریق ہیں! بریدہ نے کسی قدر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے۔ کہا یہ محمدؐ ہیں؟

حضرت ابوبکر صدیق نے کہا۔ ہاں یہ حضرت محمدؐ ہیں۔ بریدہ کے چہرہ سے قدرے خشومت کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا یہ ہمارے معبودوں کی توہین کرنے والے ہیں ہمارے مذہب کو باطل بتاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ بریدہ انسان کا! ایک ہوشیار انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر بات کو غور سے سُنے۔ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرے اور پھر جو کچھ اس کا دل اس کا دماغ۔ اس کا ضمیر اسے اجازت دے اس پر عمل کرے۔ سنو! جن بتوں کو تم پوجتے ہو انھیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو۔ یا تمہارے بزرگوں نے بنایا ہے۔

بت تراشوں نے جس بت کی جیسی صورت چاہی بنالی۔ عوام نے اسکی پرستش شروع کردی۔ لیکن اس بات پر کبھی کسی نے غور نہ کیا کہ جو بت حرکت نہ کر سکتے ہوں۔ دیکھ نہ سکتے ہوں۔ سن نہ سکتے ہوں۔ وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ خدا وہ ہے۔ جو ہر جگہ موجود ہے ہر شخص کی ہر بات سنتا ہے۔ اور ہر فعل کو دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی کام یا کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ دنیا جو ہماری نظروں کے سامنے ہے اور وہ عالم جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے اُسی نے بنائے ہیں۔ وہ لامحدود قدرت والا ہے۔ تنہا ہے۔ کوئی اسکی خدائی میں شریک نہیں ہے۔ زندگی اور موت پر قادر ہے۔ اُسکے حکم کے بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے۔ خشک اور مردہ زمین پر بارش برسا کر میوے اور اناج اگاتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ بتاؤ اور سوچو کہ بتوں کو پوجنا مناسب ہے۔ یا خدا تعالیٰ کو۔

بریدہ اور اُس کے ساتھی نہایت توجہ اور بڑے غور سے حضورؐ کی تقریر سن رہے تھے۔ جب حضورؐ خاموش ہوئے تو بریدہ نے کہا۔ میں نے آج حضورؐ کی تقریر سُنی ہے۔ نہایت موثر تقریر ہے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ حضورؐ سچ فرماتے۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ آج سے پہلے ہی جب میں نے حضورؐ کے مبعوث ہونیکی خبر سنی تھی۔ کیوں مکہ جاکر مسلمان نہ ہوگیا۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ مسلمان ہوجاؤ۔ بتوں کا دامن چھوڑ کر خدا

کی آغوش رحمت میں آجاؤ۔ جو شخص کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہوتا ہے۔ خدا ایسا رحیم ہے۔ کہ اُس کے تمام سابقہ گناہ بخشدیتا ہے۔ مسلمان ہونے والا ایسا ہی معصوم ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ ایک نوزائیدہ بچہ!

بریدہ نے کہا۔ میں تیار ہوں۔ مجھے مسلمان کر لیجیے۔ حضورؐ نے کلمہ پڑھا کر اُسے مسلمان کر لیا۔ بریدہ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام قبیلہ کو جمع کر کے کہا اے میرے قبیلہ کے لوگو! تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی کوئی غیر دانش مندانہ کام نہیں کیا۔ کبھی ناحق بات کی پیروی نہیں کی۔ سنو آج میں مسلمان ہو گیا ہوں میں اسلام کو اچھا مذہب سمجھ کر مسلمان ہوا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ تم سب بھی مسلمان ہو جاؤ۔ صرف ایک خدا کو پوجو!

تمام لوگوں نے ایک دوسرے کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ سب بت پرست تھے۔ انہوں نے کبھی اسلام کا نام بھی نہ سنا تھا۔ انھیں حیران دیکھ کر بریدہ نے کہا! اس میں حیرت کوئی بات نہیں ہے۔ جن بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے رہے۔ وہ پتھر کی مورتیاں ہیں۔ جو نہ حرکت کر سکتی ہیں نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہیں پرستش کے قابل وہ ذات ہے۔ جس نے دنیا و جہان کو پیدا کیا ہے اور جو ہر جگہ موجود ہے۔۔۔

سب لوگوں نے کہا۔ اے قبیلہ کے سردار! جب تم مسلمان ہو گئے ہو۔ تو ہم سب بھی مسلمان ہونے کو تیار ہیں۔ بریدہ حضورؐ۔ حضرت صدیق رضؓ الغرض سب ہی انھیں مسلمان ہونے پر آمادہ دیکھ کمال خوش تھے۔ آنحضورؐ۔ حضرت صدیق رضؓ اور حضرت عامر رضؓ نے کلمہ پڑھایا اور سب کو مسلمان کر لیا!۔

اس قدر آدمیوں کا ایک ہی مجمع میں مشرف باسلام ہونا نہایت دل خوش کن بات تھی۔ سب کے چہرے فرطِ انبساط سے چمکنے لگے۔ یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ ایک دم اس قدر آدمی مسلمان ہوئے۔ بریدہؓ نے آنحضورؐ سے دریافت کیا۔ حضورؐ کہاں تشریف لے جا رہے

ہیں :- ؟

حضورؐ نے فرمایا - یثرب !

بریدہ نے حیرت سے حضورؐ کو روئے منورؐ کو دیکھ کر کہا - یثرب ؟ اس غیر معروف راستہ سے - سیدھا راستہ کیوں اختیار نہ کیا ؟ ۔

آنحضورؐ نے فرمایا - اس لیے کہ میری قوم نے مجھے بیحد ستایا - جب میں نے اُن کے جبر و ستم سے تنگ آکر ہجرت کا ارادہ کیا - تو انہوں نے مزاحمت کی آخر میں موقعہ پاکر نکلا اور تعاقب کے اندیشہ سے اس غیر معروف راستہ پر چل پڑا ۔

بریدہ نے کہا - لیکن حضورؐ کو یہ کیسے اطمینان ہوا کہ مکہ والوں کی طرح یثرب والے آپ کو ایذا نہ پہنچائیں گے ؟ حضورؐ نے فرمایا - یثرب کے لوگ زیادہ تعداد میں مسلمان ہو گئے ہیں - جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے ہیں - وہاں کے لوگوں نے اُن کا پرتپاک خیر مقدم کیا ہے - اِس کے علاوہ مجھے خدا کا حکم بھی وہیں جانے کا ہوا ہے اور اہل یثرب نے بھی مجھے مدعو کیا ہے ۔

بریدہ نے دریافت کیا - کیا ہم بھی حضورؐ کے ہمراہ چل سکتے ہیں ؟ آپ نے جواب دیا - ہاں چل سکتے ہو - یثرب والے - تمہارا بھی خیر مقدم کریں گے - بریدہ نے مسرور ہو کر کہا بس تو ہم بھی حضورؐ کے جلو میں چلیں گے ۔

حضورؐ نے فرمایا - اگر یہ بات ہے - تو فوراً تیار ہو جاؤ - ہم دو گھڑی آرام کر کے چلیں گے - بریدہ نے کہا - حضورؐ ہم نے تیاری ہی کیا کرنا ہے - صرف خیمے اکھاڑ کر اونٹوں پر بار کر لینا ہے - آپ آرام فرمالیں - اتنے میں ہم تیاری کر لیں گے ۔

یہ کہہ کر بریدہ اور اُسکے ہم قبیلہ لوگ اٹھ اٹھکر چلے گئے - حضورؐ نے حضرت صدیق نے - حضرت عامر اور عبداللہ نے آرام کیا - تقریباً دو گھنٹہ کے بعد حضورؐ اٹھے - صدیق اکبرؓ بھی اُٹھے - سب خیمے سے باہر آئے دیکھا - تو بریدہ کے قبیلہ نے تمام خیمے اکھاڑ

اکھاڑ اکھاڑ کر اونٹوں پر بار کر دیئے ہیں۔

حضورؐ نے وضو کر کے نماز شروع کی اور سب بھی نماز پڑھنے لگے نماز سے فراغت کر کے بریدہ نے بھی اپنا خیمہ اکھاڑ کر اونٹ پر لاد دیا اور ایک سبز رنگ کی چادر ایک نیزہ پر باندھ کر کہا۔ حضورؐ یہ اسلامی علم ہے۔ مسلمانوں کا قومی علم ہیبت و دبدبہ پیدا کرنے والا علم! کیا اجازت ہے۔ کہ ہم اس علم کو اٹھائیں۔

حضورؐ بریدہ کے اس جوش اسلام میں سب سے پہلا علم ہی تھا۔ بریدہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر علم اٹھایا اور حضورؐ اونٹ پر سوار ہو لیئے تو وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حضورؐ کے برابر آیا اور علم اٹھا کر چلنے لگا۔

اب یہ قافلہ عظیم الشان قافلہ ہو گیا تھا۔ بلکہ علم ہونے کیوجہ سے لشکر کی صورت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ دُور تک اونٹوں کی قطار پھیل گئی تھی۔ اس شان و شوکت سے حضورؐ ذو العصوین کا علاقہ طے کرنے لگے۔ آپ کے گرد آپ کے جان نثار صحابہ کا ہجوم تھا۔

تیسرا باب (۳)

"آفتاب رسالت قبا میں"

یثرب میں آپ کے تشریف لانیکی خبر عام ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کو کفار کو۔ یہود کو۔ الغرض سب کو معلوم ہو گیا تھا۔ اگرچہ یثرب میں کفار اور یہود کی کثرت تھی۔ مگر مسلمان بھی کافی تعداد میں ہو گئے تھے۔ زیادہ تر تو یثرب کے لوگ بھی مسلمان تھے۔ کچھ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔

چونکہ مسلمانوں کو آپ کے آنے کا انتظار تھا۔ اس لیئے مشتاقانِ دید جمع ہو کر قبا میں آ جاتے اور دو پہر تک انتظار کرتے۔ جب آفتاب میں پوری حدت آ جاتی یا دھوپ نا قابل برداشت ہو جاتی۔ تو شمع رسالت کے یہ پروانے واپس لوٹ جاتے:۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ یثرب بڑا شہر تھا۔ دو دو اور تین تین میل کے فاصلہ پر چاروں طرف متعدد قلعے اور گڑھیاں تھیں۔ ان قلعوں اور گڑھیوں کی وجہ سے یہ شہر اور بھی بڑا ہو گیا تھا۔ قبا اصل شہر یثرب سے دو میل کے فاصلہ پر جانب مکہ واقع تھا۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ اس میں زیادہ تر مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں نے قبا کو۔ یثرب کو۔ یثرب کے ملحقہ قلعہ جات کو خوب آراستہ اور پیراستہ کر رکھا تھا۔ سارا شہر اور تمام قلعے سجا کر دلہن بنا دیئے گئے تھے۔

مسلمانوں نے حضورؐ کے استقبال کی اس شان سے تیاریاں کر رکھی تھیں جس شان سے کسی ۔۔۔ کے خیر مقدم کی تیاریاں کیجاتی ہیں۔ مسلمانوں کے گھر گھر میں خوشی کا دور دورہ تھا۔

ہر قبیلہ۔ ہر خاندان۔ ہر شخص نہایت مسرور تھا۔ عورتیں اور بچے رات کو اور دن میں قبا میں اور یثرب میں حضور صلعم کی مدح سرائی کرتے رہتے تھے۔

چونکہ جو قاصد یثرب والوں کی طرف سے حضور کی خدمت میں۔ حضور کو بلانے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ وہ واپس آگیا تھا۔ اور اُس نے یہ خوشخبری آکر سنادی تھی۔ کہ حضور صلعم عنقریب آنے والے ہیں۔ اس لیئے یثربی مسلمان روزانہ قبا میں آکر حضور کا انتظار کرتے تھے۔

انتظار کرتے کرتے ربیع الاوّل ۱۴ سنہ نبوی کا دن آگیا۔ آج بھی مسلمان بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ قبا کے قلعے سے باہر نکل کر کھجوروں کے درختوں کے سایہ میں۔ مکہ کے راستہ پر بیٹھکر شمع رسالت اور آفتاب عرب کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ ان انتظار کرنے والوں میں مرد بھی تھے۔ عورتیں بچے۔ لڑکے اور لڑکیاں بھی تھیں۔ لڑکے اور نوخیز لڑکیاں دف۔ چنگ اور رباب لیئے ہوئے تھیں۔ وہ یہ باجے بجا بجا کر حضور کی شان میں اشعار گا رہی تھیں۔ ان اشعار کا مضمون یہ تھا۔ "ہم خدا کے مشکور ہیں کہ اُس نے ہماری ہدایت کے لیئے ایسا نبی صلعم بھیجا جو بڑے کریم الاخلاق۔ بڑے پاکیزہ نفس۔ بڑے باحوصلہ انسان ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندہ ہیں۔ محترم رسول ہیں۔ انھوں نے ہمیں ضلالت اور گمراہی سے نکالا ہے کفر کی لعنت سے نجات دلائی ہے۔ اسلام کی روشنی میں۔ خدا کی رحمت کے سایہ میں معبود حقیقی کے دامن میں لاکھڑا کیا ہے۔ آج جھوٹے فخر و غرور کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ نسلی امتیاز مٹ گیا۔ آقا و غلام ایک درجہ میں آگئے۔ کیسی خوشی کی بات ہے کہ اب نہ کوئی بندہ ہے اور نہ بندہ نواز ہے۔ یہ حضور کی کیسی اچھی تعلیم ہے۔ کہ سب مساوی درجہ میں آگئے ہیں۔ حضرت محمد صلعم پر سلام ایک بار نہیں ہزار بار سلام:-

دوپہر تک کم سن لڑکیاں چھوٹے لڑکے گاتے رہے۔ جب آفتاب نصف النہار کے قریب آگیا۔ اور آفتاب کی تپش بہت زیادہ بڑھ گئی۔ دھوپ ناقابل برداشت ہوگئی۔ بادِ سموم کے جھونکے چلنے لگے۔ تو یہ مشتاقانِ ناامید ہوکر آخری نظر مکہ کے راستہ پر ڈال کر واپس

لوٹ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں قبا کے سامنے کا تمام میدان خالی ہو گیا ایک متنفس بھی باقی نہ رہا۔ دھوپ ریگ زار پر پڑ رہی تھی۔ ریگ زار کے فتنے جگمگا رہے تھے۔ لو کے تیز و تند جھونکے چل رہے تھے۔ کھجوروں کی لمبی شاخیں مرجھا کر جھک گئی تھیں۔ اس وقت مکہ کی جانب سے گرد و غبار اڑتا نظر آیا۔ قبا کے قریب ایک گڑھی تھی۔ اس گڑھی میں یہود آباد تھے۔ ایک یہودی اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا۔ اس نے اس غبار کو دیکھا اسے تعجّب ہوا۔ کہ اس تیز دھوپ میں کون لوگ آ رہے ہیں۔ وہ جو کام کر رہا تھا۔ اسے بھول گیا۔ اور غبار کی طرف دیکھنے لگا۔

غبار بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ گرد اڑ اڑ کر دھوئیں کی طرح پیچ و خم کھا کھا کر آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھی۔ کچھ عرصہ میں غبار کا دامن چاک ہوا اور بہت سے شتر سوار قبا کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ ساتھ ہی ایک علم بھی لہراتا ہوا دکھائی دیا۔

یہودی نے قیاس و قرائن سے سمجھ لیا۔ کہ آنیوالے حضرت محمدؐ ہیں۔ جنکی آمد کا انتظار مسلمان کئی روز سے کر رہے ہیں۔

اگرچہ وہ یہودی تھا۔ مگر اس وقت اس پر کچھ ایسا غلبہ ہوا۔ کہ اس نے مسلمانوں کو خبردار کرنیکے لیے بلند آواز سے کہا۔ یا مَعشَرُ العرب ھٰذا جدکم قد جاءَ" یعنی اے عرب! اے دوپہر کو آرام کرنے والو! تمہارا مطلوب یا تمہاری خوش نصیبی کا سامان آ پہنچا۔

تیز ہوا نے اسکی آواز دور تک پہنچا دی۔ قبا کے اکثر مسلمانوں نے اس آواز کو سنا وہ گھبرا کر۔ جوشِ مسرت سے مغلوب ہو کر گھروں سے نکلے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا مسلمانو! چلو آفتابِ عرب نے یثرب پر طلوع کیا ہے۔

یہ آواز تمام قبا میں گونج گئی۔ قبا کے سارے مسلمان۔ عورتیں مرد بچے لڑکے

اور لڑکیاں سب گھروں سے باہر نکل آئے اور جلدی جلدی قبا سے باہر کی طرف دوڑے ہر شخص بکمال مسرور تھا۔ ایسا خوش جیسے اسے کوئی خزانہ ہاتھ آگیا ہو۔ بچے بھی بیحد مسرور تھے۔ سب کے چہرے شگفتہ ہو رہے تھے۔ تمام قبا میں ہلچل شروع ہو گئی تھی، ہر شخص مکہ کے راستہ کی طرف جا رہا تھا۔ مسلمانوں کو دیکھا دیکھی کفار اور یہود بھی دوڑنے لگے تھے۔ سینکڑوں لوگ بھاگ بھاگ کر قبا سے باہر پہنچے۔ یہ سب لوگ راستہ کے دونوں طرف کناروں پر کھڑے ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ سامنے والے کھجوروں کے باغ کے آگے شتر سواروں کا رسالہ آرہا ہے۔ سب سے آگے ایک اونٹنی پر ایک وجیہہ عرب سوار ہے۔ اس کے برابر میں ایک شخص علم لئے چلا آرہا ہے۔ علم کا پھریرا ان کے سر پر لہرا رہا ہے ایک خوبصورت اور شاندار عرب چادر لئے۔ ان پر سایہ کئے ہوئے ہے:۔

لوگوں نے اس خوبرو عرب کو پہچان لیا۔ یہ حضرت صدیق رضؓ تھے۔ حضرت صدیق رضؓ نے آنحضورؐ کو ممیز کرنیکے لئے اپنی چادر سے حضورؐ پر سایہ کر دیا تھا۔

یہ شاندار قافلہ یا مختصر اسلامی لشکر نہایت شان سے بڑھا چلا آرہا تھا۔ جب حضورؐ کی سواری قریب آئی۔ تو لوگوں نے آنحضرت صلعم کو پہچان لیا۔ سب نے آپکوؐ سلام کیا حضورؐ ہماری سب کی آرزو ہے کہ آپ بدستور سوار رہیں۔

حضورؐ بدستور سوار رہے حضورؐ نے سب کے سلام کا جواب دیا۔ قبا کے سب سے معزز شخص نے بڑھکر آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑی۔ اور بڑے فخر بڑی مسرت۔ بڑے جوش سے روانہ ہوا۔

لوگوں کا سیلاب حضورؐ کی سواری کے آگے۔ برابر اور پیچھے چلا حضورؐ کی سواری نے جلوس کی صورت اختیار کر لی۔ دور تک لوگ بکھر گئے جس طرف نظر جاتی تھی لوگوں کا اژدھام نظر آتا تھا۔ جب آپؐ کی سواری قبا میں داخل ہوئی تو قبا کی کم سن اور نوخیز لڑکیوں نے دف بجا بجا کر جوش مسرت سے گانا شروع کیا:۔

طلع البدر علینا ۔ من ثنیات الوداع

ہم پر بدر (چاند) طلوع ہوا ہے ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ہم پر اس وقت تک شکر کرنا واجب ہے جب تک کوئی اللہ سے دعا کرنیوالا رہے

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

لے ہم میں معبوث ہونے والے پیارے نبیؐ آپ ایسا حکم لیکر آئے ہیں جسکی اطاعت ہم پر واجب ہے

اگرچہ دوپہر کا وقت تھا ۔ دھوپ نہایت شدت سے پڑ رہی تھی اور لو چل رہی تھی ۔ دھوپ اور گرمی نے لوگوں اور بچوں کو پریشان کر رکھا تھا ۔ مگر مشتاقانِ دید کو نہ دھوپ کی پرواہ نہ گرمی کا خیال ۔ سب آپکے جلو میں آہستہ آہستہ چل رہے تھے

حضورؐ کے ہمراہیوں کیساتھ تقریباً ساٹھ اونٹ تھے ۔ ہر اونٹ کی مہار دوسرے اونٹ کی دم سے بندھی تھی ۔ اس لیئے دُور تک اونٹ پھیلے ہوئے تھے ۔ کچھ تو اونٹوں کی کثرت اور کچھ آدمیوں کی بہتات سے حضورؐ کی سواری کا منظر نہایت شاندار ہو گیا تھا مسلمانوں کا یہ عالم تھا ۔ کہ جوش عقیدت اور فرط مسرت سے آنحضورؐ کی سواری کے گرد ٹوٹے پڑتے تھے ۔

کفار یثرب اور نواح کفار کے یہودی جو جمع ہو گئے تھے ۔ نہایت حیرت سے مسلمانوں کا جوش ۔ مسلمانوں کی مسرت اور آپ کی سواری کی شان و شوکت دیکھ رہے تھے ۔ مسلمان قدم قدم پر اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے ۔ ان پیہم نعروں کی آواز در و دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر فضا میں گونج رہی تھی ۔

اگرچہ یثرب قبا سے دو میل تھا مگر مسلسل نعروں کی آواز یثرب میں بھی پہنچ گئی یثرب کے مسلمان بھی دوڑ پڑے ۔ تمام یثرب میں حضورؐ کی آمد کا غلغلہ ہو گیا ۔ ہر شخص بے تحاشہ دوڑا ۔ عورتیں ۔ مرد بچے بھاگ بھاگ کر قبا کی طرف جانے لگے ۔ بعض اونٹوں

پر۔ بعض گھوڑوں پر سوار ہو کر۔ اکثر پیادہ ہی دوڑ پڑے۔ فاصلہ ہی صرف دو میل کا تھا۔ بہت جلد یہ لوگ قبا میں داخل ہو گئے اور بھاگ کر آپکی سواری کے جلوس میں جا ملے۔

ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے جلوس بہت طویل ہو گیا۔ انسانوں کا سمندر لہریں لیتا نظر آنے لگا۔ یوں تو سینکڑوں جلوس نکلے اور نکلیں گے مگر ایسے پُر اخلاص ایسے عقیدت کیش۔ ایسے مسرور الوقت لوگوں کی معیت میں کوئی جلوس نہ نکلا ہو گا نہ نکلے گا جیسا حضورؐ کا نکلا۔

حضورؐ کی اونٹنی کی جو اعرابی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ ان کا نام کلثوم بن ہدم تھا یہ قبیلہ بنی النجاری سے تھے۔ اس قبیلہ میں آنحضور کی ننھال تھی:۔

یثرب سے آنیوالوں میں سعدؓ بن معاذ بھی تھے۔ یہ قبیلہ اوس کی مشہور شاخ عبدالاشہل کے سردار اور تمام قبائل کے سردار اعظم تھے۔ حضورؐ کی سواری کی شان دیکھ کر انھیں ایسا جوش آیا۔ کہ فوراً گھوڑے سے اُتر کر آنحضور کی اونٹنی کی مہار پکڑلی:۔

چونکہ یہ نہایت ذی عزت لوگوں میں شمار ہوتے تھے اس لیئے عوام پر انکے مہار پکڑ کر چلنے سے گہرا اثر پڑا۔ ہر شخص نے بجائے خود سمجھ لیا۔ کہ اب نسلی امتیاز مٹ گئے آقا و غلام مساوی درجہ میں آگئے۔ اسلام کے حلقہ بگوش کسی کے غلام نہ رہے۔ جلوس نہایت شان و شوکت سے قبا کے راستوں سے چلتا ہوا بازاروں سے گذر رہا تھا۔ مسلمان اللہ اکبر کے پر ہیبت نعرے لگا رہے تھے۔

جب جلوس قباد کے وسط میں پہنچا۔ تو ایک کافر عرب گلے میں ہڈیوں کی مالا ڈالے راستہ کے سرے پر کھڑا نظر آیا۔ اس عرب کا چہرہ مہیب تھا۔ آنکھیں سرخ اور اُبل کر باہر نکلی ہوئی تھیں۔ پیشانی پر موٹی موٹی شکنیں پڑی تھیں۔ گالوں کی ہڈیاں دبکی ہوئی تھیں۔ داڑھی عجیب قسم کی تھی۔ محض ٹھوڑی پر تھی۔ گاودم سینہ تک پھیلی ہوئی اُس نے حضورؐ کو غور سے دیکھا۔ آپ کی سواری کو دیکھا۔ اور جلوس کو دیکھا۔ اہل

جلوس کے جوش کو دیکھ کر بڑبڑایا اور اُس نے کہا۔ آج یثرب سے اصنام پرستی کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ عنقریب اسلامی حکومت کا آغاز ہوگا۔ اصنام اور اصنام پرست ذلیل کرکے یہاں سے نکال دیئے جائیں گے۔ لوگوں نے اُس کے الفاظ سنے۔ مسلمان سن کر خوش ہوئے اور کفار بحرالم میں ڈوب گئے۔

جلوس بڑھتا رہا یہاں تک کہ قبیلہ بنی النجاری کا محلہ شروع ہوا۔ جب کلثوم رضؓ کا مکان آیا۔ انھوں نے رک کر عرض کی۔ یارسُول اللہ! آپکے خادم کا غریب خانہ یہی ہے۔ کیا حضوؐر یہاں قیام نہ فرمائیں گے۔ اور مجھے اپنی خدمت کرنیکی سعادت عطا نہ ہوگی حضوؐر نے فرمایا۔ ہاں میں۔ میں قیام کروں گا۔ اونٹنی کو بٹھادو کلثوم نے اونٹنی کو اشارہ کیا۔ اونٹنی بیٹھ گئی۔ فوراً ہی تمام اونٹ بٹھائے گئے اول حضوؐر اترے پھر صدیق اکبر رضؓ ان کے بعد حضرت عامر رضؓ۔ حضرت بریدہؓ اور بریدہؓ کے اہل قبیلہ اُترے۔

حضوؐر کلثوم کے مکان کے اندر داخل ہوئے۔ چند معزز لوگ حضوؐر کے ساتھ مکان کے اندر چلے گئے۔ باقی لوگوں کو تمام مسلمان ایک ایک دو دو کرکے لے گئے۔ جلوس منتشر ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں قبا کی تمام گلیاں سنسان اور ویران نظر آنے لگیں۔

حضوؐر کلثوم کے مکان میں داخل ہوکر اطمینان سے ایک کمرہ میں بیٹھ گئے آپ کے بیٹھتے ہی یثرب وقبا کے سربرآوردہ لوگ جو حضوؐر کیساتھ مکان کے اندر آگئے تھے۔ نہایت ادب سے آبیٹھے۔

اب کلثوم نے جلدی جلدی ستو گھول کر پہلے حضوؐر کو پلایا۔ پھر باقی حاضرین کو مدعو کیا گیا۔ جب سب لوگ ستو پی چکے تو سعدؓ بن معاذ نے پہلے حضوؐر سے اپنا تعارف کرایا اور پھر تمام لوگوں کا تعارف کرانے لگے۔

چوتھا باب (۴)

شاہانہ جلوس

آنحضور ۸ ربیع الاوّل ۱۴ نبوی بروز دوشنبہ قبا میں تشریف لائے تھے وہ تمام دن لوگوں سے ملنے اور تعارف کرنے کرانے میں گذر گیا۔ دوسرے روز پھر صبح ہی سے لوگوں کی آمد آمد کا تانتا لگ گیا۔

اگرچہ کلثوم کا مکان وسیع تھا۔ مگر حضور سعد بن خثیمہ کے مکان کو دار العوام بنا کر اس میں مجلس فرمانے لگے۔

لوگ صبح سے شام تک جمع رہتے وعظ سنتے۔ قرآن شریف سن کر یاد کرتے نمازیں پڑھتے۔ سارے دن سعد بن خثیمہ کے مکان پر میلہ سا لگا رہتا۔ دوسرے ہی روز آنحضور نے ایک مسطح اور خوش سواد قطعہ زمین دیکھ کر ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اہل قبا نے جلد جلد مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔

یہ سب سے پہلی مسجد تھی۔ جو اسلام میں بنائی گئی۔ اس مسجد کی بنیاد خود آنحضور نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ چار روز تک آنحضور قبا میں تشریف فرما رہے۔ چوتھے روز جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاوّل کو صبح کی نماز پڑھ کر۔ حضور نے یثرب چلنے کا قصد کیا:

اہل قبا نے حضور کے مزید قیام پر اصرار کیا۔ حضور نے فرمایا کہ میں کہیں دور تو نہیں جا رہا ہوں۔ قبا یثرب کا ایک محلہ ہے۔ میرا قصد یثرب میں تا زندگی رہنے کا ہے۔

لوگ خاموش ہو گئے۔ حضورؐ نے حضرت صدیق رضؓ کو تیاری کرنے کا حکم دیا۔ حضرت صدیق رضؓ نے عامر رضؓ اور بریدہؓ سے کہا دونوں تیاریوں میں مصروف ہو گئے لانے کسے۔ دونوں پر پالان رکھ کر کجاوے کسے جانے لگے۔ سامان بار ہونے لگا۔ جبکہ یہ تیاریاں کیجا رہی تھیں حضورؐ کلثوم کے مکان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اور حضورؐ کے جاں نثار صحابی حضورؐ کے سامنے صف بستہ خاموش کھڑے تھے۔ عامر رضؓ اور بریدہؓ کے آدمی کجاوے کس رہے تھے۔ سامان باندھ رہے تھے۔ اس وقت سامنے سے حضرت علیؓ نمودار ہوئے۔

حضرت علی رضؓ کے پیروں پر گرد چڑھا ہوا تھا۔ پیروں پر کچھ آرہا معلوم ہوتا تھا وہ آہستہ آہستہ آرہے تھے۔ ان کی رفتار بتا رہی تھی۔ کہ وہ تھکے ہوئے ہیں۔

آنحضورؐ انھیں دیکھتے ہی بڑھے۔ حضرت علیؓ نے آنحضور کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اپنی رفتار کسی قدر تیز کر دی۔ آپ نے حضورؐ کے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ حضور نے سلام کا جواب دیکر کہا۔ خوب آئے علی رضؓ کہو امانتیں امانت والوں کے سپرد کر آئے

اگرچہ حضورؐ نے دیکھ لیا تھا۔ کہ حضرت علیؓ تھکے ہوئے ہیں۔ ان کی حالت بتا رہی تھی۔ کہ وہ دور سے سفر کیئے چلے آرہے ہیں۔ انہیں آرام کرنے کی ضرورت ہے لیکن حضورؐ کو امانتوں کا اس قدر فکر تھا۔ کہ آپ نے نہ حضرت علی کرم کی حالت معلوم کی اور نہ سفر کے واقعات معلوم کیئے۔ بلکہ سب سے پہلے امانتوں کے متعلق پوچھا:۔

حضرت علی کرم نے کہا۔ جی ہاں میں نے تمام امانتیں امانت والوں کے سپرد کر دی ہیں۔

آنحضورؐ۔ بہت خوب کیا! تم مکہ سے کب چلے تھے۔

علی رضؓ۔ آج بارہ ۱۲ روز ہوئے۔

آنحضور نے حیرت سے علی رضؓ کو دیکھ کر کہا۔ بارہ روز ہوئے تو تم کہی کی روز

چلے۔ جس روز میں غار ثور سے روانہ ہوا تھا؟

حضرت علیؓ نے کہا۔ اس حساب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہم ایک دوسرے سے مل کیوں نہ سکے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ اس لیئے کہ میں سیدھے راستہ سے نہیں آیا بلکہ غیر معروف راستہ سے چلا اور تم سیدھے راستہ سے آئے۔ لہذا راستہ میں ملاقات نہ ہو سکی۔ کیا تم پیدل آئے ہو؟"

حضرت علی نے کہا۔ جی ہاں میں پیدل آیا ہوں۔ رات کو سفر کرتا تھا اور دن کیوقت پہچانے اور گرفتار ہو جانیکے اندیشہ سے ریت کے ٹیلوں میں چھپ رہتا تھا:۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ کاش تم پیدل نہ چلتے اور تھوڑے روز مکہ میں رہ کر انتظار کرتے اور کسی قافلہ کے ہمراہ آ جاتے۔

حضرت علیؓ۔ دراصل مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ امانتیں تقسیم کرتے ہی چل پڑا

آنحضور نے دریافت کیا۔ میرے چلے آنیکے بعد کفار مکہ نے مسلمانوں پر یا میرے اور میرے رفیق حضرت صدیق رضؓ کے عزیزوں پر سختیاں تو نہیں کیں؟"

حضرت علی کرم اللہ نے جواب دیا۔ سختیاں کرنا تو اُن کی عادت میں داخل ہے عام مسلمانوں پر ان کی سختیاں بھی عام ہیں۔ البتہ حضور اور حضرت صدیق کے لواحقین پر زیادہ سختیوں کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن نگرانی شدید طور کیجا رہی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ انشاء اللہ۔ عنقریب انکی حکومت اور ناروا جبر تشدد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ خدا ظالموں کو زیادہ ڈھیل نہیں دیتا۔ علی کرم اللہ وجہہ تم میری اونٹنی پر سوار ہو جاؤ۔ حضرت صدیق نے کہا۔ حضورؐ! یہ میرے اونٹ پر سوار ہو جائیں گے یہ اور عامر رضؓ سوار ہو کر چلیں گے۔

آنحضورؐ صلعم نے دریافت کیا اور تم؟ حضرت صدیق نے جواب دیا۔ میں حضورؐ کے جلو میں پیادہ پا چلنا چاہتا ہوں۔

حضرت عامر رضؓ نے کہا - یا سیدی یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ میرے آقا ہو کر پیادہ چلیں اور میں غلام ہو کر اونٹ پر سوار ہو کر چلوں - آپ سوار ہو جائیں - میں پیدل چلوں گا - فاصلہ ہی کتنا ہے - صرف دو ہی میل تو چلنا ہے -

اگرچہ حضرت صدیق رضؓ نہ چاہتے تھے - کہ وہ سوار ہو کر چلیں - مگر حضرت عامر نے انھیں اس درجہ مجبور کیا کہ انھیں اونٹ پر سوار ہونا پڑا - اُن کے پیچھے حضرت علی رضؓ سوار ہوئے حضورؐ پہلے ہی القصوہ پر سوار ہو گئے تھے - اب عبداللہ - رہبرؓ - بریدہؓ اور اُس کے ساتھی اونٹوں پر سوار ہو گئے - عامر رضؓ نے حضورؐ کی اونٹنی کی نکیل پکڑی اور چلے - اہل قباء نے جس گرم جوشی - جس مسرت - جس جوشِ عقیدت سے استقبال کیا تھا - اُسی طرح سب نے آکر رخصت کیا - حضورؐ کی سواری نہایت شان سے روانہ ہوئی -

حضورؐ کے آنے کی خبر یثرب میں پہلے ہی پہنچ گئی تھی - اہل یثرب اہل قباء سے زیادہ شان و شوکت سے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے - لوگوں کا اژدہام یثرب سے باہر قبا کے راستہ پر کھڑا - آفتاب عرب اور مہ مکہ (صدیق رضؓ) کی آمد کا انتظار کر رہا تھا - اس عظیم الشان مجمع میں عورتیں - مرد - لڑکے اور لڑکیاں سب ہی تھے - سب کے سب مسرور شادماں تھے - ایسے مسرور جیسے شہنشاہ وقت کی آمد پر وفادار اور جان نثار رعایا ہوا کرتی ہے -

بچے اچھل کود رہے تھے - ریت کے ٹیلوں پر دوڑ دوڑ کر چڑھ اور اتر رہے تھے لڑکیاں آپکی شان بے پایاں میں مدحیہ اشعار پڑھ رہی تھیں -

جب آفتاب بہت کچھ بلند ہو گیا - تو لڑکوں نے دور سے اونٹوں کو آتے دیکھا سب سے اگلے اونٹ پر علم کا پھریرا لہرا رہا تھا - اگرچہ بچے ناسمجھ تھے - مگر انہوں نے اونٹوں کو دور سے دیکھتے ہی سمجھ لیا - کہ آنحضور تشریف لا رہے ہیں - اس لئے انہوں نے غل مچایا دو قبا سے آفتاب طلوع ہو گیا -

چونکہ لڑکے ٹیلوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ اس لیئے سب سے پہلے اونٹوں کو آتے ہوئے انہوں نے قافلہ دیکھا۔ ان کے غل مچاتے ہی لوگوں کی نظریں قبا کی طرف اٹھیں۔ اس طرف سے اونٹوں کی قطار آتی ہوئی نظر آئی۔

تمام لوگ سمٹ کر راستہ کے دونوں طرف صف بستہ کھڑے ہو گئے اور اونٹ اپنی مخصوص رفتار سے آہستہ آہستہ آرہے تھے۔ لیکن وہ اس قدر قریب آگئے تھے کہ ان کے راکبوں کی صورتیں نظر آنے لگیں۔ یہ سواری آں حضورؐ کی تھی۔ آپکے سر پر اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ برابر میں بریدہ علم اٹھائے آرہا تھا۔ اور تمام اونٹ ایک کے پیچھے ایک لگے چلے آرہے تھے۔

لوگوں نے آپ کو دور سے دیکھتے ہی اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ ان نعروں سے یثرب کی وادی گونج اٹھی۔ یثرب کے کفار کو یثرب کے نواحی یہود کو حضورؐ کی تشریف آوری کی اطلاع ہو گئی۔ لوگ حضورؐ کو۔ حضورؐ کی سواری کی شان کو دیکھنے کے لیئے دوڑ پڑے۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع آگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آپؐ کی سواری قریب آگئی۔

لوگ آگے بڑھنے لگے۔ چونکہ اس سے بدنظمی ہو کر بچوں یا عورتوں کے کچلے جانے کا احتمال تھا۔ اس لیئے سعدؓ بن معاذ نے لوگوں سے ڈپٹ کر بدستور کھڑا رہنے کے لیئے کہا۔ سب لوگ پھر سمٹ کر کھڑے ہو گئے:۔

جب حضورؐ کی سواری سامنے آگئی تو لوگوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ زمین ہل گئی۔ فضا تھرا گئی۔ وادی گونج اٹھی۔ حضورؐ نے یہاں بھی اترنے کا ارادہ کیا۔ حضرت سعدؓ نے بڑھ کر حضورؐ کو روکتے ہوئے کہا۔ اے شہنشاہ دنیا و دین آپ کو اترنے کی ضروریات نہیں ہے۔ ہم سب خادماں کی تمنا ہے کہ حضورؐ بدستور سوار ہو کر تشریف لے چلیں۔۔

مجبور ہو کر آپؐ سواری پر ہی بیٹھے رہے۔ حضرت سعدؓ نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور آگے چلنا چاہا۔ حضورؐ نے فرمایا اے یثرب کے حکمران! میں یہ گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ آپ میری اونٹنی کی مہار پکڑ کر چلیں۔ اس سے خوف ہے کہ کہیں میرے دل میں غرور پیدا نہ ہو جائے۔ میں وہی ہوں۔ جو پہلے تھا۔

ایک یتیم۔ لاوارث بیکس۔ اپنی قوم کا ستایا ہوا۔ بے خان ماں۔ وطن سے نکالا ہوا۔ بے بس خدا کا بندہ۔ تم یثرب کے حکمران ہو۔ نہ تمہارے لیئے یہ مناسب نہ میرے لیئے۔

حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ حضورؐ اب لاوارث ہیں۔ نہ بے کس ہیں۔ بے خانماں ہیں اب مسلمانوں کے والی ہیں۔ مسلمانوں کے شہنشاہ ہیں۔ مسلمانوں کے پشتیبان ہیں۔ یہ کیسی قسمت ہے کہ حضورؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر چلے۔

حضورؐ نے فرمایا! سعدؓ! میری یہ تمنا ہے کہ تم اپنے اونٹ پر سوار ہو کر میرے ساتھ چلو۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ اس میں بھی میری سعادت ہے۔ میں حضورؐ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔

حضرت سعدؓ بھی اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اب آپکی سواری بڑی مسلمان نعرے لگاتے ہوئے ہم رکاب ہوئے۔ حضورؐ کی سواری نے یہاں بھی جلوس کی صورت اختیار کر لی۔ جلوس نہایت شان و شکوہ سے یثرب میں داخل ہوا جو مرد یا عورتیں یثرب میں رہ گئے تھے ان میں سے کچھ تو راستوں کے کناروں پر کھڑے ہو کر کچھ مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر حضورؐ کی آمد کا شاندار نظارہ دیکھنے لگے۔

اگرچہ اس وقت آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا۔ دھوپ میں نہایت تیزی آگئی تھی گرم ہوا کے جھونکے چلنے لگے تھے۔ لوگوں کو پسینے آنے لگے تھے۔ مگر وہ اس قدر جوش و مسرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کہ ان میں سے کسی کو بھی گرمی کی پرواہ نہ تھی۔ سب نہایت

اطمینان اور بڑی مسرت سے جلوس چل رہے تھے۔ یثرب کے کفار اور یہود نہایت حیرت سے مسلمانوں کا جوش باہمی اخوت اور جلوس کی شان دیکھ رہے تھے۔

جسوقت یہ جلوس محلہ بنو سالم میں پہنچا تو نماز کا وقت آ گیا۔ چونکہ آج جمعہ کا دن تھا جمعہ کی نماز ظہر کیوقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس لیے حضورؐ نے عامرؓ کو سواری روکنے کا حکم دیا۔ عامرؓ کھڑے ہو گئے۔ اونٹ رک گئے اور جلوس ٹھہر گیا۔ حضورؐ اترے سبھی سب لوگ اتر پڑے۔ سب ایک وسیع میدان میں جمع ہوئے۔ لوگ دوڑ کر پانی لائے مسلمانوں نے وضو کیا۔ سب نے میدان میں بغیر کسی فرش اور سائبان کے جلتی دھوپ اور تپتے میدان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی:۔

نماز سے قبل آنحضورؐ نے خطبہ پڑھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ حمد و تعریف کے قابل وہ خدا ہے۔ جس نے کائنات کو۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا کیا ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے۔ اور وہی قضا کو بھیجتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے۔ کر سکتا ہے۔ مسلمان وہ ہے جو خدا کی اور صرف خدا کی عبادت کرے۔ عیش و طیش میں دکھ میں آرام میں کبھی خدا کو نہ بھولے۔ دنیا چند روزہ ہے۔ لہٰذا دنیا کا آرام بھی چند روزہ بھی ہے۔ انسان کی زندگی پانی کے بلبلہ یا ہوا کے جھونکے کی برابر ہے۔ بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ دائمی زندگی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ بدقسمت ہیں۔ وہ لوگ جو چند روزہ زندگی پر عیش و آرام میں پڑھ کر خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ یاد رکھو مرنیکے بعد سب سے پہلے نماز کی بابت سوال ہوگا۔ جسے نماز وقت پر اور دل لگا کر پڑھی ہوگی۔ وہ بہشت میں داخل ہوگا اور جس نے نمازیں قضا کی ہونگی یا دل سے اور وقت پر نہ پڑھی ہونگی۔ وہ دوزخ میں جائے گا۔ مسلمانو! نماز کی حفاظت کرو۔ وقت پر اور دل سے پڑھو۔ حق العباد کا خیال رکھو۔ نیکی کرو۔ پرہیزگاری کرو۔ گناہوں سے بچو۔ کفر و شرک سے مجتنب رہو یہی ماحصل زندگی ہے۔۔۔

یثرب میں یہ پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ تھی۔ سب لوگ نہایت سکون سے سنتے رہے خطبہ کے نماز پڑھی گئی۔ نماز پڑھکر حضورؐ اونٹنی القصوٰ پر سوار ہوئے۔ آپکے سوار ہوتے ہی حضرت سعد۔ صدیق اکبرؓ حضرت بریدہؓ اور اُن کے ساتھی سوار ہو گئے۔

ابھی حضورؐ چلے ہی تھے کہ محلہ بنو سالم کے معزز لوگ آ گئے اور آپکی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اندرون محلہ کی طرف چلنے لگے۔ چونکہ ہر محلہ اور ہر قبیلہ والے یہ چاہتے تھے کہ حضورؐ ان کے یہاں مقیم ہوں۔ اس لیئے اکثر قبائل کے لوگ آگے بڑہے اور بہت سے لوگ اونٹنی کی مہار پکڑنے لگے اس سے بحث و تکرار ہونے لگی۔ ہر شخص اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آنحضورؐ نے یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا کہ مسلمانوں! ہٹ جاؤ۔ اونٹنی کی مہار چھوڑ دو۔ اسے خدا کی طرف سے حکم ملا ہوا ہے۔ جس جگہ یہ خود بیٹھ جائیگی۔ اس محلہ میں قیام کروں گا۔" لوگ یا تو بحث و تکرار کر رہے تھے۔ یا آپ کا یہ حکم سُن کر سب ہٹ گئے اونٹنی روانہ ہوئی۔ اُس کے پیچھے تمام اونٹ چلے لوگ جلو میں چلے۔

ناقہ خاموشی سے روانہ ہوا۔ لوگ ناقہ کی رفتار کو دیکھ رہے تھے۔ چلتے چلتے وہ بنو بیاضہ کے محلہ میں پہنچا۔ اس محلہ کے سردار زیاد بن لبید اور فروہ بن عمرؓ تھے فوراً دونوں نے بڑھ کر ناقہ کی مہار پکڑ لی۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ دعوھا فانھا ماموزہ یعنی اُسے چھوڑ دو اسے حکم ملا ہوا ہے،،

زیاد اور فروہ مہار چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ ناقہ پھر چلنے لگا۔ اب عوام میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ہر شخص کہہ رہا تھا کہ دیکھیئے وہ کونسا خوش قسمت محلہ ہے۔ جس میں جا کر ناقہ بیٹھے گا۔ اور وہ کون خوش قسمت شخص ہے۔ جو حضورؐ کی مہمانداری کی سعادت حاصل کرے گا۔ ناقہ برابر چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ محلہ بنو ساعدہ میں پہنچا اس محلہ کے سردار سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو تھے۔ دونوں خوش ہو کر آگے بڑھے اور ناقہ کی مہار پکڑ لی

حضورؐ نے پھر فرمایا۔ اُسے چھوڑ دو۔ اُسے حکم ملا ہوا ہے۔ سعدؓ اور منذر الگ ہٹ گئے۔ ناقہ پھر چلنے لگا اور محلہ بنو الحارث میں پہنچا۔ اس محلہ کے معزز لوگ سعد بن الربیع۔ خارجہ بن زید اور عبداللہ بن رواحہ تھے۔ جب انھوں نے ناقہ کی مہار پکڑنی چاہی تو ان سے بھی یہی کہا گیا۔ کہ اُسے چھوڑ دو اُسے حکم ملا ہوا ہے۔

وہ بھی مہار چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ناقہ پھر چلنے لگا اور محلہ عدی بن النجار میں داخل ہوا۔ چونکہ اس محلہ کے لوگوں میں حضورؐ کے جد امجد عبدالمطلب کے ننہال تھے۔ اس لیے ان لوگوں کو بڑا دعویٰ اور بڑا خیال تھا کہ آپؐ قرابت کا خیال کر کے ان کے محلہ میں قیام کریں گے۔ اس لیے سلیطؓ بن قیس اور اسیرۃ بن ابی خارجہ نے بڑھکر ناقہ کی مہار پکڑ لی۔ لیکن حضورؐ نے ان سے بھی وہی فرمایا کہ مہار چھوڑ دو۔ اِسے اللہ تعالےٰ کیطرف سے حکم ملا ہوا ہے۔

فوراً وہ دونوں بھی مہار چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ناقہ پھر روانہ ہوا۔ اور کچھ دور چل کر محلہ بنو ملک بن النجار میں پہنچکر ایک غیر آباد اور افتادہ زمین پر جا کر کھڑا ہو گیا کچھ دیر کھڑا رہکر بیٹھ گیا۔ لیکن بیٹھتے ہی پھر اُٹھا اور پھر چلا۔ مگر کچھ دیر چل کر خود ہی واپس لوٹا اور ٹھیک اسی جگہ جہاں پہلے بیٹھا تھا۔ پھر آکر بیٹھ گیا۔

اس مرتبہ القصود نے بیٹھ کر جھرجھری لی۔ گردن نیچے ڈالدی اور دم ہلانی شروع کی۔ مطلب یہ تھا۔ کہ منزل مقصود آگئی۔ اب اترے چنانچہ آنحضورؐ اتر آئے۔ آپکے اُترتے ہی سب لوگ جلدی جلدی اُتر پڑے

اس اُفتادہ قطعۂ زمین کے قریب حضرت ابولہب انصاری کا مکان تھا۔ انھیں خیال خواب بھی نہ تھا کہ حضورؐ ان کے مکان کے قریب آکر ٹھہریں گے اور انھیں حضورؐ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوگی۔

چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ ناقہ اِنکے مکان کے قریب آکر بیٹھ گیا اُور

حضورؐ ناقہ سے نیچے اتر آئے تو انھوں نے بڑھ کر حضورؐ سے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ اس افتادہ زمین کے قریب میرا غریب خانہ ہے! میں غریب آدمی ہوں۔ کیا حضورؐ مجھے مہمان داری سے مشرف فرمائیں گے۔

آنحضور صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔ غریبی اور امیری دنیاداروں کی نظروں میں کوئی وقعت رکھتی ہوگی۔ دین والوں کیلئے نہیں مسلمان غریب ہوں۔ یا امیر سب بھائی بھائی ہیں۔ تم بھی بھائی ہو۔ میں تمہارے ہی مکان پر ٹھہروں گا:۔

حضرت ابُوایوب کو اس نوید روح پرور کے سننے سے بڑی مسرت ہوئی۔ فرطِ مسرت سے آپکی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ آپ نے بڑھ کر جلدی جلدی آنحضورؐ کا اسباب اٹھایا خوشی خوشی اپنے مکان میں لے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد آنحضور بھی حضرت ابُوایوب کے مکان میں تشریف لے گئے اب بقیہ مسلمانوں ہاتھوں ہاتھ لیگئے۔ کچھ ہی عرصہ میں یہ افتادہ زمین انسانوں سے خالی ہوگئی۔

پانچواں باب (۵)

(آغاز انتقام)

حارثہ اور اُنکے ہمراہیوں نے ٹڈیاں سکھا سکھا کر تھیلیوں میں بھر لیں۔ وہ خدا کے بے حد مشکور تھے کہ اُس نے اسوقت جبکہ بھوک سے ان کی جان لبوں پر آگئی تھی۔ اور اُن کے بچنے کی کوئی توقع نہ رہی تھی۔ غیب سے انکی مدد کی تھی۔ عربستان کے خشک اور جھلسے ہوئے پہاڑوں میں اس کثرت سے ٹڈیاں رہتی ہیں۔ کہ جب وہ غاروں میں سے نکل کر پرواز کرتی ہیں تو آفتاب اُن کے نیچے چھپ جاتا ہے۔ اگر وہ ریگ زار پر گرتی ہیں تو تمام ریت کے پہاڑوں کو ڈھک لیتی ہیں۔ اگر اتفاق سے کسی نخلستان میں جا پڑتی ہیں تو آناً فاناً تمام درختوں اور سارے سبزہ کو چاٹ جاتی ہیں

عرب کی ٹڈی ہندوستان کی ٹڈی سے جسامت میں بڑی ہوتی ہے۔ رنگ بھی بدلا ہوا زردی مائل ہوتا ہے۔ مادہ ٹڈی بے شمار انڈے دیتی ہے۔ آفتاب کی حرارت سے انڈوں میں سے بچے نکل آتے ہیں اور دو چار ہی روز میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ ٹڈیاں پہاڑوں کے غاروں میں رہتی ہیں۔ اور پتھروں کو چاٹا کرتی ہیں۔ جب کبھی پتھر چاٹنے سے سوراخ یا خلا ہو جاتا ہے۔ فوراً ٹڈیاں باہر نکل آتی ہیں۔ اور جس طرف ان کا منہ اٹھتا ہے، پرواز کر جاتی ہیں۔ ملک کے جس حصہ میں ان کا گزر ہوتا ہے اس طرف وہ سبزہ کا نشان نہیں چھوڑتیں۔ کھجوروں کے درختوں کو چاٹ چاٹ کر ٹھنٹ کر دیتی ہیں گھاس کا تنا تک نہیں رہنے دیتیں۔ ان کا دل انسانی ہلاکت کے اسباب پیدا کرتا چلا جاتا

ہے مگر جو لوگ بادیہ نشین ہیں جنگلوں میں رہتے ہیں، انکے یہ کھانیکے کام آتی ہیں۔ وہ ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر سکھا لیتے ہیں، اور مہینوں بلکہ برسوں انہیں کھا کھا کر بسر اوقات کرتے رہتے ہیں۔

حارثہ کے ہمراہیوں نے بھی ٹڈیاں سکھا سکھا کر تھیلیوں میں بھر لیں تھیں۔ اب ان میں توانائی آ گئی تھی۔ اس قدر توانائی کہ وہ آسانی سے سفر کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں سفر شروع کر دیا جس ریگستان میں وہ سفر کر رہے تھے اسکے ہر حصہ میں کثرت سے ٹڈیاں بھری پڑی تھیں۔

حارثہ اور اس کے ہمراہیوں نے خشک ٹڈیاں تو محفوظ رکھیں اور تازہ ٹڈیاں پکڑ پکڑ کر کھانے لگے۔ انھیں کئی روز سفر کرتے گزر گئے۔ چونکہ جغرافیہ سے نابلد تھے۔ اسلئے نہ جانتے تھے کہ اس وقت عربستان کے کون سے حصہ میں سفر کر رہے ہیں۔

اگرچہ وہ روزانہ روز روشن میں کھلے ہوئے میدان میں سفر کرتے تھے۔ لیکن انسانوں سے دور تھے۔ اسلئے انہیں الجھن ہوتی تھی۔ اور وہ سمجھ رہے تھے۔ کہ باوجود روشنی کے اندھیرے میں پڑے راستہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حارثہ اور اسکے ہمراہیوں کی کیفیت کا وہ لوگ کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جو راستہ بھول کر مدتوں کسی صحرا میں ٹکراتے پھرے ہوں۔ دراصل حارثہ ایسے ریگ زار میں پھنس گیا تھا جو "وادی موت" کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے جس میں پانی کمیاب اور ضروریات زندگی نایاب تھیں۔ ایک لق و دق ریت کے سمندر تھا جو تیز ہوا سے لہریں لیتا تھا جس میں سر بفلک اور میلوں لمبے اور چوڑے ریت کے پہاڑ تھے۔

چونکہ یہ ریت کے ٹیلے یا پہاڑ بھول بھلیوں کی طرح بنے ہوئے تھے۔ اسلئے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ لوگ گھوم پھر کر پھر وہیں آ لیتے تھے۔ جہاں سے چلتے تھے۔ جب کبھی ایسا ہوتا تھا۔ تو ان لوگوں کو بڑی تشویش اور پریشانی لاحق ہو جاتی تھی۔

آخر جب اس صحرائے لق و دق میں پریشانی وار پھرتے عرصہ گزر گیا۔ تو حارثہ نے کہا۔ اے آلِ نبی بکر! ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہی صحرا۔ یہی ریگ زار یہی میدان ہماری قبر بننے والا ہے۔ جس قدر ہم اس میدان سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اسی قدر اور اندرون صحرا۔ صحرا کی بھول

بھلیوں میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ ہم نے بھوک سے تنگ آکران دیکھے خدا سے دُعا مانگی تھی۔ اس نے ہم پر رحم کیا تھا۔ غیب سے ہماری خوراک کا سامان کر دیا۔ اور ہم کو بچا لیا تھا۔ آؤ آج پھر ہم محمدؐ کے خدا سے دعا مانگیں۔ شاید وہ ہم کو اس وادی موت سے نجات دے۔

سب نے کہا۔ ہاں دعا مانگو! اس خدا سے دُعا مانگو جس کی شان کے ہم قائل ہو گئے ہیں فوراً سب سجدہ میں گر گئے۔ حارثہ نے کہا۔ اے خدا۔ اے خالق ارض وسما۔ ہماری دستگیری کر اور ہم کو اس وادی موت سے نجات دے۔ اُسکے بعد سب نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اونٹوں پر سوار ہو کر چلے اس وقت آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر اونچا ہو چکا تھا۔

چونکہ ابھی تک آفتاب کی شعاعیں ترچھی تھیں۔ اسلیئے دھوپ میں تیزی نہ آئی تھی۔ ہوا بھی خوشگوار چل رہی تھی۔ ریت بھی ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ سفید سفید ریت حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا نہایت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

دوپہر تک یہ لوگ سفر کرتے رہے جب آفتاب سر کے اوپر آ گیا۔ اور شعاعیں عموداً پڑنے لگیں۔ تو گرمی بڑھ گئی۔ دھوپ شدت کی پڑنے لگی۔ ہوا گرم ہو گئی۔ سفید ریت چمک کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے لگیں:۔

اُنھوں نے ایک مسطح میدان میں خیمے نصب کئے۔ کچھ کھایا اور آرام کرنے لگے لیکن خیمے کھلے ہوئے میدان میں تھے۔ اسلیئے دھوپ نے انھیں ایسا تپا دیا کہ خیمہ نشینوں کے جسم خیموں کے اندر رہتے ہوئے بھی کھولنے لگے۔ اور وہ گرمی سے پریشان ہو گئے۔ جوں توں کر کے وہ عصر کے وقت تک خیموں کے اندر پڑے رہے۔ چار گھڑی دن ہے جب آفتاب کی تمازت کسی قدر کم ہوئی اور گرم ہوا کے تیز جھونکے بھی بند ہو گئے تو یہ لوگ خیموں سے نکلے۔ خیمے اکھاڑ کر اونٹوں پر لا دے۔ اور سوار ہو کر چلے۔

تھوڑی ہی دور چلے تھے۔ کہ دن چھپ گیا۔ آج انہوں نے عزم صمیم کر لیا تھا۔ کہ وہ

ساری رات سفر کرینگے۔ چنانچہ وہ نہایت اطمینان سے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ چاندنی رات تھی چاند نہایت آب وتاب سے نکلا ہوا تھا۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ سفید سفید ٹھنڈے ریت پر چاندنی کی پرنور سفید چادر پڑی ہوئی نہایت ہی دلفریب معلوم ہورہی تھی۔

ریت کے اونچے اونچے ٹیلے چاندنی میں چمک رہے تھے۔ ہوائے سرد کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ اونٹ آہستہ آہستہ اپنی مخصوص رفتار سے رواں تھے۔ سب سے آگے حارثہ کا اونٹ تھا۔ باقی اونٹ اس کے پیچھے جہاں ایک سربفلک نہایت اونچا۔ حدنگاہ تک لمبا اور بہت کچھ چوڑا ریت کا ٹیلہ سامنے آگیا تھا۔ اس ٹیلہ نے راستہ روک دیا تھا۔ داہنی طرف بھی اونچے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ مگر اس ٹیلے کے نیچے سے راستہ ہو کر گزرتا تھا۔

دونوں ٹیلوں کے برابر برابر چلنے کی وجہ سے راستہ قدرے تنگ ہو گیا۔ البتہ بائیں طرف کھلا ہوا میدان تھا۔ جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حارثہ نے اونٹ کو بائیں طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ اونٹ کھڑا ہو گیا۔ مگر اس طرف نہ چلا۔ جس طرف حارثہ اشارہ کر رہا تھا جب حارثہ نے مہار ڈھیلی کی۔ تو اس نے پھر داہنی طرف چلنا شروع کیا۔ حارثہ نے کہا۔

اے ابل بنی بکر! میں اونٹ کو بائیں طرف چلنے کا اشارہ کرتا ہوں۔ مگر وہ داہنی طرف چلتا ہے۔ کیا اونٹ کی مرضی پر اُسے چھوڑ دوں۔ چند لوگوں نے کہا۔ چلنے دو۔ ممکن ہے اونٹ ہم کو اس صحرائے موت سے نکال دے۔

حارثہ نے مہار ڈھیلی کر کے اونٹ کو اُسکی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اونٹ داہنی طرف چلا اور دونوں ٹیلوں کے درمیان دور تک چلتا رہا جب ایک ثلث رات باقی رہ گئی۔ تو داہنی طرف والے کا ٹیلے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور کھلا ہوا میدان آیا۔

جب ان لوگوں نے سامنے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو تھوڑے ہی فاصلے پر ایک نخلستان نظر آیا۔ اونٹ نخلستان کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ فاصلہ کم تھا۔ اس لئے بہت جلد نخلستان کے

قریب پہنچ گئے۔ جب یہ لوگ نخلستان میں داخل ہوئے، تو انہوں نے چند آدمیوں کو اپنے آنے کی آہٹ سُنکر اسی طرح اٹھکر بیٹھے دیکھا۔ جیسا کہ وہ ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے اونٹوں کو روکا۔ اور حارثہ نے ان سے دریافت کیا۔

تم کون لوگ ہو۔ جلدی بولو۔

ان میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ ہم عرب کے مشہور قبیلہ قحطان کے فرزند ہیں،،

اس کے جواب کو سن کر حارثہ اور اُسکے ہمراہیوں کے دلوں اور دماغوں میں بجلی سی دوڑ گئی سب سے پہلے حارثہ اور اس کے بعد تمام لوگ تلواریں سونت سونت کر اونٹوں سے نیچے کود پڑے حارثہ نے کہا۔

بنی قحطان کے ناسپاس لوگو۔ ڈاکوؤ۔ بدمعاشو۔ لیٹرو۔ کمینو ہوشیار ہو جاؤ۔ ہم آل بنی بکر ہیں۔ آج پانچ سال ہوئے۔ کہ تم نے ہمارے خیموں پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ ہمارے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ ہماری عورتوں اور لڑکیوں کو پکڑ لے گئے تھے۔ آج ہم تم سے انتقام لیں گے۔ اٹھو سامنے آؤ۔ تلواریں نکالو اور مقابلہ کرو۔

حارثہ کی گرج نخلستان میں گونجی۔ بنی قحطان والے چادریں پھینک پھینک کر جست لگا لگا کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے تلواریں میانوں سے کھینچ لیں۔ حارثہ اور اُسکے ہمراہی پہلے ہی سے تلواریں تولے کھڑے تھے۔ ہر دو فریق بڑھے۔ جوش اور غصہ میں آ کر بڑھے ایک نے دوسرے پر حملہ کیا اور جنگ خون ریز شروع ہو گئی۔

بنی قحطان کے لوگ کم تھے۔ حارثہ کے ہمراہی زیادہ تھے۔ انھوں نے بنی قحطان کے لوگوں کو نرغہ میں لے لیا۔ چاندنی رات میں سفید تلواریں اٹھیں چمکیں۔ انسانوں کے اوپر جھکیں۔ جھوک کھا کر ابھریں اب ان میں سے اکثر خون اُگل رہی تھیں۔ ہر دو فریق جوش میں تھے۔ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ تلواروں کی جھنکار سے خاموش فضا مکدر ہو گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں بنی قحطان کے کئی آدمی قتل ہو کر گر گرے

چونکہ ان کی تعداد کم تھی - ان کے اکثر آدمی مارے گئے تھے۔ اس لیئے ان کے بقیہ آدمیوں نے تلواریں پھینک دیں - دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے ۔ عرب میں نہتوں پر تلوار اٹھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لیئے فوراً آل بنی بجر نے تلواریں روکیں ۔

حارثہ نے غضبناک ہو کر کہا۔ نامردو! بزدلو! عورتوں پر تلوار چلانا آتا ہے مردوں کے سامنے ہتھیار ڈالدیتے ہو۔ لعنت ہے تم پر اور تمہاری بہادری پر وحشی درندو! تم کیوں نہیں لڑتے ۔ غلام بنکر رہنے سے موت کو اچھا کیوں سمجھتے ۔

بنی تحطان میں سے کسی نے اسکی بات کا جواب نہ دیا۔ حارثہ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ ان بزدلوں کمینوں کو گرفتار کر لو ۔

فوراً لوگوں نے بڑھ کر انھیں گرفتار کر کے رسیوں سے جکڑ دیا۔ یہ باقی رہے ہوئے پانچ آدمی تھے ۔ چار مارے گئے تھے ۔ گویا وہ تمام صرف نو آدمی تھے ۔

اب حارثہ نے اپنے لوگوں سے کہا - اب صبح ہوا چاہتی ہے ۔ ہم ساری رات سفر کرتے رہے ہیں - تھک گئے ہیں خیمے اتارو ۔ اور درختوں کے سایہ میں نصب کر کے آرام کرو ۔

لوگوں نے اونٹوں کو بٹھایا ۔ خیمے اتارے ۔ نصب کیئے ایک خیمے میں قیدیوں کو رکھا - اور اس خیمے کے گرد پہرہ لگا دیا ۔ باقی لوگ دوسرے خیموں میں گھس کر آرام کرنے لگے ۔

چھٹا باب (۶)

معاہدہ بین الاقوام

آنحضورؐ نے حضرت ابوایوب کے مکان میں اقامت اختیار کی تھی۔ چونکہ ان کے مکان کے سامنے ایک وسیع قطعہ افتادہ اراضی کا پڑا ہوا تھا۔ اس لیئے مسلمان روزانہ اس میدان میں جمع ہو جاتے اور حضورؐ انکے پاس پہنچکر وعظ و نصیحت فرمایا کرتے۔

جو لوگ مکہ سے اپنے وطن۔ اپنے گھروں کو چھوڑ کر آئے تھے۔ وہ مہاجرین کہلاتے تھے اور جو لوگ یثرب کے رہنے والے تھے۔ اور مسلمان ہو کر مہاجرین کی امداد و اعانت کر رہے تھے۔ وہ انصار کہلانے لگے تھے۔

مہاجرین اور انصار میں بے حد محبت۔ ایسی ہمدردی و یگانگت قائم ہو گئی تھی حقیقی بھائیوں میں ایسی محبت۔ ایسی ہمدردی۔ ایسی رواداری نہیں دیکھی گئی۔ جیسی مہاجرین اور انصار میں قائم ہو گئی تھی۔

یہ ہجرت کا پہلا سال تھا۔ سن ہجری اسی سال سے شروع ہوا جو دنیائے اسلام میں آج تک جاری ہے اور انشاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اگرچہ آنحضورؐ نے دیکھ لیا تھا۔ کہ مہاجرین اور انصار ایک روح اور دو قالب بن گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس کرتے ہیں۔ مگر ضروریات اس بات کی تھی۔ کہ تمام مسلمان یہ سمجھ لیں کہ حقیقی اخوت کیا چیز ہے آپ نے ایک روز جب کہ

تمام مسلمان مہاجرین اور انصار ابو ایوب کے مکان کے سامنے والے میدان میں جمع تھے۔ اخوت اور اسلامی مساوات کے عنوان پر وعظ فرمایا

آپ صلعم نے کہا۔ تمام حمد و ثنا اور ساری بزرگیاں اسی خدا کو سزاوار ہیں۔ جو دنیائے جہاں کا پروردگار اور رب العالمین ہے۔ اپنی مخلوق پر اس قدر مہربان ہے۔ کہ جب بندے اس سے روگردان ہوکر شجر و حجر۔ پانی و جانور اور دوسری اشیاء کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور اُسے اُسکی قدرت کو بھول جاتے ہیں۔ تو وہ اپنے رسول اپنے نبی اپنے پیغمبر بھیجکر لوگوں کو صراط مستقیم پر لاکر ضلالت و گمراہی سے نجات دلاتا ہے چنانچہ اس خاک پاک سے ہزاروں انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں۔ اب اُس نے مجھے خاتم المرسلین بناکر بھیجا ہے۔ میرے بعد کوئی ہادی۔ کوئی نبی۔ کوئی رسول کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوگا۔ اور نہ اب کسی نبی کی ضرورت رہے گی۔

یاد رکھو۔ نبی کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے۔ جب سابقہ مذہب میں تغیر و تبدل کر کے اُسے مسخ کر دیا جائے۔ گذشتہ تمام کتابوں اور صحیفوں کو رد و بدل کر کے لوگوں نے بدل ڈالا تھا۔ جب کبھی مذہب میں تغیر اور آسمانی کتابوں میں تحریف ہوئی نبی بھیجا گیا۔ اب کسی نبی کی اس لیئے ضرورت نہیں ہوگی۔ کہ قرآن شریف میں زیر و زبر کی بھی تبدیلی غیر ممکن ہے۔ خدا نے اس مذہب اور اس مقدس آسمانی کتاب کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے۔ یہ کتاب لوگوں کے سینوں میں محفوظ رہے گی۔ قیامت تک لوگ اُسے حفظ کرتے رہیں گے۔

حفاظ بہشت میں داخل ہونگے۔ کیونکہ وہ خدا کی مقدس کتاب قرآن شریف کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھے ہوئے ہونگے۔ جس دل میں خدا کا کلام ہوگا۔ جس زبان سے خدا کا کلام پڑھا گیا ہوگا۔ وہ دل اور آتش دوزخ سے محفوظ رہیں گے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا:۔

مسلمانو! کل مومن اخوۃ - یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ حقیقی بھائیوں سے زیادہ مسلمانوں میں محبت ہونی چاہئیے۔ جو مسلمان اپنے بھائی کو یعنی دوسرے مسلمان کی اعانت نہ کرے گا۔ اُس کے دکھ درد میں شریک نہ ہوگا۔ کسی مسلمان سے حسد کرے گا یا کسی مسلمان سے دشمنی رکھیگا۔ یا کسی مسلمان کو تکلیف یا نقصان پہنچائے گا اُسی پر قہر خدا دی کا نزول ہوگا۔ قیامت کے روز میں اُسی سفارش نہ کروں گا۔ اُس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وہ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنانیکے لیئے ڈال دیا جائے گا۔

تکبر اور غرور وسوسہ شیطانی ہے۔ اپنے کسی مسلمان بھائی کو اپنے سے کمتر سمجھنا کسی مفلس مسلمان کو خستہ حال ہونے کی وجہ سے حقیر خیال کرنا۔ نہایت بڑی بات ہے اس سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ قیامت کے روز حمول یا نسب نہ پوچھے جائیں گے۔ بلکہ اعمال کا سوال ہوگا۔ روزہ۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ کے متعلق پوچھا جائیگا۔ مسلمانوں کو حقیر سمجھنے والے مسلمانوں کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اور وہ بھی دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور انھیں بھائی بن کر ہی رہنا چاہئیے۔ حقیقی بھائیوں کے برابر محبت ہونی چاہئیے۔ ایک متمول یا ذی اثر مسلمان کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے غریب بھائی کی ہر ممکن اعانت کرے۔ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔ فرشتے اُسکے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ خدا اپنے مقرب فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے آج فلاں مسلمان کے تمام پچھلے گناہ اس لیئے معاف کر دئیے۔ کہ اُس نے فلاں غریب اور مصیبت زدہ اپنے مسلمان بھائی کی اعانت کی ہے۔

کس قدر مسرت خیز مقام ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرتا ہے تو خدا

اس سے اسقدر خوش ہوتا ہے۔ کہ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

لہٰذا مسلمانو! آپس میں محبت وارتباط قائم رکھو۔ کسی مسلمان کو حقیر اور ذلیل خیال نہ کرو۔ ورنہ تمہارے اعمال حسنہ ضایع ہو جائیں گے۔ اور تم بڑے خسارہ میں رہو گے۔

جب تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو ہر طبقہ کے مسلمان برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ یہ مساوات ہے۔ اسلام خدا پرستی اور باہمی اخوت کی تعلیم دینے کے لئے آیا ہے۔

خدا کا حکم یہی ہے۔ کہ مسلمان آپس میں محبت رکھیں۔ ہمدردی اور مساوات رکھیں متفق و متحد رہیں۔ جب کبھی مسلمان خدا کے ان احکام کی نافرمانی کرینگے۔ ذلیل وحقیر ہو کر تباہ ہو جائیں گے۔

دنیا کا یہ اصول ہے کہ باہمی اخوت ومساوات بام عروج پر پہنچا دیتی ہے۔ جو قومیں اس اصول پر کاربند ہیں۔ ترقی کے زینے طے کرتی رہیں۔ اور جو ان اصولوں سے ہٹیں پستی میں گر کر تباہ ہو گئیں۔

مسلمانوں کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اپنے غریب مسلمان بھائی کی ہر طرح سے مدد کرے۔ جو مسلمان کسی مسلمان کو کسی جنگ یا مصیبت سے بچاتے ہوئے مارا جائیگا۔ وہ شہید ہو گا۔ شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں۔ ان کی روحیں عالم بالا میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔ دنیا کے مرغزاروں تفریح گاہوں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔

مسلمانو! خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو آپس میں محبت اور اخوت رکھو۔ کبھی کسی مسلمان سے دشمنی یا عداوت نہ کرو۔

اس تقریر کو تمام مسلمان نہایت شوق وتوجہ سے سن رہے تھے۔ ان کے قلوب پر ہر ہر لفظ نقش ہوتا چلا جارہا تھا۔ چنانچہ جب آپؐ نے تقریر ختم کی تو تمام مسلمانوں کے دلوں میں محبت وپیار کا دریا لہریں لینے لگا۔ وہ کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ انصار نے اسی وقت مہاجرین سے تعلقات

اخوت قائم کرلیا اور انھیں حقیقی بھائی سے زیادہ سمجھنے لگے۔ چنانچہ جن انصار کے دو دو اور تین تین بیویاں تھیں۔ انھوں نے اسی وقت ایک ایک دو دو کو طلاق دے دیکر اُن کا ان مہاجرین سے جنکی بیویاں نہ تھیں عقد کر دیا۔

یہ بڑی رواداری۔ بڑی ہمت۔ بڑی نفس کشی اور دلیری کا کام تھا۔ مسلمان سوچیں کیا وہ اس قدر ایثار کر سکتے ہیں۔ جس قدر انصار نے کیا۔ اس قدر ایثار اور رواداری تو کیا دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں سے خصومت رکھتے ہیں۔ انھیں نقصان پہنچانیکی فکر میں رہتے ہیں نہیں جانتے کہ اس سے اُن کے اعمال حسنہ ضائع ہو رہے ہیں۔ خدا ناخوش ہو رہا ہے۔ کاش مسلمان سچے مسلمان بن جائیں۔ خدا اور خدا کے رسُول کے احکام کی کریں۔ آج مسلمانوں کی پستی اور ذلت کا راز اسلام اور احکام خداوندی سے انحراف میں مضمر ہے۔

اس تقریر کے بعد آنحضور ؐ نے دریافت کیا کہ یہ قطعۂ زمین جس پر اس وقت ہم بیٹھے ہیں کس کی ملکیت ہے؟

معاذ بن عفرا ایک ذی عزت اور متمول انصاری تھے۔ آپ نے عرض کی یا رسُول اللہ! یہ قطعہ زمین میرے عزیزوں کی ہے۔ دو یتیم بچے اُسکے مالک ہیں۔

حضُور ؐ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک مسجد تیار ہو جائے اور مسجد کے قریب میں بھی مکان بنالُوں"۔

معاذ نے کہا۔ اس کارخیر کے لیئے یہ زمین موجود ہے۔ حضُور ؐ تعمیر شروع کرادیں۔ میں اپنے عزیزوں کی رضامندی حاصل کر لوُں گا۔

حضور ؐ نے فرمایا۔ میں اسے قیمتاً خریدنا چاہتا ہوں۔ قیمت طے کر دیجیئے۔

اتفاق سے اس مجمع میں وہ دونوں یتیم بچے بھی موجود تھے۔ وہ دونوں کھڑے ہو گئے انھوں نے کہا۔ یا حبیب اللہ! ہم اس قطعہ زمین کو آپکی نذر کرتے ہیں۔ حضور ؐ شوق سے مسجد۔ مکان یا اور جو عمارت چاہیں بنالیں۔

حضورؐ نے فرمایا، میرے بامروت۔ سیر چشم اور سخی بچو! تمہاری اس سیر چشمی کا شکریہ ..... مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ تم قیمت لے لو۔ اور زرِ قیمت کو معاذ کی معرفت تجارت میں لگا دو:۔

دونوں بچوں نے کہا۔ اگر حضورؐ کا یہی حکم ہے۔ تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔ چنانچہ چند آدمیوں نے قیمت تجویز کی۔ حضورؐ نے حضرت صدیق رضؓ کو قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ صدیق اکبر رضؓ نے فوراً ادا کر کے بیعنامہ تحریر کرا لیا:۔

اس میدان میں چند کھجوروں کے درخت کھڑے تھے۔ چند مشرکوں کی قبریں تھیں حضورؐ نے اسی وقت درخت کٹوا دیئے قبریں ہموار کرا دیں اور مسجد کی بنیاد رکھدی۔ دوسرے روز سے مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ آنحضورؐ بہ نفسِ نفیس خود مسجد کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ پتھر لانے اور گارا دینے لگے۔

جب کہ فخرِ عالم اور آفتابِ عرب یعنی پیغمبر آخر الزمان حضرت محمدؐ خود مصروفِ کار ہو گئے تو تمام مہاجرین اور سارے انصار بڑے جوش سے اس کام میں لگ گئے بڑے بڑے متمول اور ذی مقدور لوگ گارا لانے لگے اور پتھر اٹھا اٹھا کر دینے لگے۔ اس طرح سے خلافِ قیاس بہت جلد مسجد بن گئی۔

مسجدؐ[1] کی دیواریں پتھر اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت کھجور کی لکڑیوں اور کھجور کے پتوں سے بنائی گئی۔ مسجد تیار ہونے پر تمام یثرب کے مسلمان اسی مسجد میں آ کر نماز پڑھنے لگے۔ مسجد کی تیاری کے بعد آنحضور کا مکان تیار ہونے لگا۔ اب حضورؐ نے زیدؓ بن الحارث اور ابو رافع کو مکہ معظمہ اس لیئے روانہ کر دیا تھا۔ کہ وہ حضرت فاطمہؓ۔ حضرت ام کلثومؓ حضرت سودہؓ بنت زمعہؓ۔ حضرت اسامہ بن زید انکی والدہ حضرت ایمنؓ۔ حضرت صدیقؓ کے

---

[1] یہ مسجد حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت تک اسی حالت میں رہی حضرت عمرؓ نے اسے وسیع کیا۔ حضرت عثمانؓ اپنے عہدِ خلافت میں اسکی دیواریں پختہ کرا دیں۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں یہ مسجد اس قدر وسیع کر دی گئی کہ آنحضور کا مکان اور ازواجِ مطہرات کے مکانات بھی اس میں شامل کر دیئے گئے۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اسے اس قدر آراستہ و پیراستہ کیا کہ دنیا کی بہترین مساجد میں شمار ہونے لگی۔ ترک بھی اس مسجد کی مرمت و سجاوٹ میں برابر حصہ لیتے رہے اب یہ مسجد نہایت عالیشان ہو رہی ہے۔ (صادق۔ صدیقی۔ بہ دہلوی)

عزیزوں اور اِن مسلمانوں کو جو مکہ میں رہ گئے ہیں۔ اپنے ساتھ لے آئیں۔

حضورؐ نے یثرب میں آکر یہ دیکھا کہ یثرب اور نواح یثرب میں کفار اور یہود کا طوطی بول رہا ہے اُن کے مقابلہ میں مسلمان کمزور اور تعداد میں تھوڑے ہیں۔ حضورؐ نے یہ سمجھ لیا کہ یثرب میں امن و امان اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مشرک یہودی اور مسلمان تینوں طبقے اشتراک عمل نہ کریں۔

حضورؐ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کفار مکہ اہل یثرب کو مسلمانوں کے برخلاف برانگیختہ کر کے خانہ جنگی نہ کرا دیں۔ اس لیئے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ ہر سہ فرقوں میں اتحاد قائم ہو جائے اور یہ تینوں فرقے ایک دوسرے کے حلیف بن جائیں۔

ایک روز آپؐ نے یہود اور مشرکوں کے تمام سربرآوردہ اور معزز لوگوں کو جمع کیا مشرکوں میں سب سے زیادہ معزز و متمول عبداللہ بن ابی تھا۔ یہ شخص نہایت تجربہ کار ہوشیار اور چالاک تھا۔ اوس اور خزاج کے تمام قبائل پر اس کا اثر تھا۔ اور تمام قبائل متفقہ طور پر اسکی سرداری کو تسلیم کرتے تھے۔

اہل یثرب اسے بادشاہ بنانے پر تیار تھے اُس کے تاج زریں تیار کرالیا گیا تھا۔ لوگ ایک عظیم الشان جلسہ ترتیب دیکر اسکی شاہی کا اعلان کرنے والے تھے کہ انھیں دو روز میں آنحضرت صلعم یثرب میں تشریف لے آئے اوس و خزاج کے ذی عزت لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس طرح سے عبداللہ بن ابی کی شاہی تعویق میں پڑ گئی۔ عبداللہ کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے ہادی کا داخلہ یثرب نہایت ناگوار گذرا اُن کی آمد سے اسکی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

شاہی ایک خواب سراب ہو کر رہ گئی۔ وہ آنحضورؐ کو اپنا رقیب و دشمن سمجھنے لگا۔ مگر چونکہ وہ چالاک شخص تھا۔ اس لیئے زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز کے اصول پر دشمنی کو دل میں چھپائے رہا اور بظاہر مسلمانوں کا ہی خواہ بن گیا تھا۔

یہ بھی اس مجلس میں شرکت کیئے یہودیوں میں قینقاع۔ بنی نضر۔ بنی قریظہ جو نہایت متمول

اور معزز قبیلے شمار ہوتے تھے ۔ان کے سربرآوردہ لوگ تھے ۔

جب تمام لوگ آچکے تو آنحضور ؐ نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا ۔ اے اہل یثرب تم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی شہر یا کسی ملک کی خوشحالی اسوقت ہو سکتی ہے جب کہ اس شہر یا اس ملک میں امن و امان رہے ۔ لوگ تجارت کریں ۔ زراعت کریں بے فکری سے اپنے کاروبار میں مصروف رہیں ۔ جنگ امن و امان کو ڈانواں ڈول کر دیتی ہے ۔ لڑائی کسی حالت میں بھی اچھی نہیں ہوتی ۔ جو لوگ کسی لڑائی میں شریک ہو چکے ہیں وہ اسکے تلخ تجربہ سے خوب واقف ہیں ۔ جنگ بحالت مجبوری اس وقت لڑنا چاہئیے ۔ جب کہ اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے اور مخالف دشمنوں کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ جائیں ۔ جو لوگ تمدن و معاشرت میں ترقی کرنا چاہتے ہیں ۔ انھیں جنگ سے احتراز کرنا لازمی ہے ۔

جنگ قوموں کو کمزور کر دیتی ہے ۔ شہروں اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتی ہے ۔ لوگوں کو مفلس و پریشان حال بنا دیتی ہے ۔ جو لطف اتفاق و اتحاد سے شیر و شکر بن کر رہنے میں حاصل ہوتا ہے ۔ نا اتفاقی اور جنگ کی حالت میں کبھی حاصل نہیں ہوا کرتا ۔

اس وقت یثرب میں تین قومیں آباد ہیں ۔ ایک اصنام پرست ۔ دوسرے یہودی اور تیسرے مسلمان ! یہ تینوں طاقتیں قریب قریب ایک دوسرے کی ٹکر کی ہیں ۔ اگر یہ تینوں طاقتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں تو تینوں کمزور ہو جائیں گی ۔ اور باہر سے کوئی نئی طاقت آ کر تینوں کمزوروں پر تسلط حاصل کر کے تینوں قوموں کو اپنا غلام بنا لے گی ۔ لیکن اگر یہ تینوں طاقتیں متفق و متحد رہیں تو کوئی انکی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا ۔ اتفاق میں بڑی برکت ہے ۔ اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ تم ہر سہ اقوام اگر بخوشی رضامند ہو تو ایک عہد نامہ تیار کر کے اتحاد ثلاثہ قائم کر لو ۔

سب لوگ حضور ؐ کی گفتگو نہایت اطمینان سے سنتے رہے ۔ چونکہ بات معقول تھی اس لیئے کسی کو تردید کی جرأت نہ ہوئی ۔ سب نے عہد نامہ پر اتفاق کیا ۔

اگرچہ عبداللہ بن ابی اس عہد نامہ کے خلاف تھا۔ نیز یہودی بھی دل سے نہ چاہتے تھے۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے۔ کہ مسلمانوں کی طاقت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیئے بادل ناخواستہ وہ بھی رضامند ہو گئے۔

عہد نامہ لکھا جانے لگا۔ حضورؐ نے لکھانا شروع کیا۔ ہر شرط پر پہلے بحث ہوتی۔ جب اتفاق رائے ہو جاتا تو عہد نامہ میں لکھدی جاتی۔ اس عہد نامہ کی اہم شرائط یہ تھیں:۔

یثرب کی تمام قومیں سارے قبائل اور کل خاندان متفق و متحد رہیں گے۔

۲۔ باشندگان یثرب اپنے جھگڑے خود طے کریں گے۔ مگر جو تنازعات قومی ہوں گے انھیں قومیں طے نہ کر سکینگی تو اس کا فیصلہ حضرت محمدؐ کیا کریں گے۔ اور آپ کا فیصلہ ناطق ہوگا۔

۳۔ یثربی باشندے بیرون یثرب کے لوگوں سے کسی قوم کے خلاف کوئی سازش نہ کریں گے۔

۴۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہوگا تو تینوں قومیں مل کر دشمن کا مقابلہ کرینگی۔

۵۔ اہل یثرب قریش مکہ یا مسلمانوں کے حریفوں کو پناہ نہ دیں گے۔

۶۔ مصارف جنگ میں بھی تینوں قومیں بحصہ مساوی شریک رہینگی۔

۷ فوائد جنگ میں بھی تینوں قومیں بحصہ مساوی شریک رہیں گی۔

۸۔ جو قومیں یا قبیلے یثرب کے یہودیوں میں حلیف ہیں مسلمان بھی انکے دوست رہیں گے۔ اور جو قومیں یا قبیلے مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ یثرب کے یہودی بھی اُن سے دوستانہ سلوک کریں گے۔

۹۔ مسلمانوں سے کبھی نہ لڑیں گے۔

۱۰۔ یثرب کے اندر کشت وخون کرنا حرام سمجھا جائے گا۔

۱۱۔ مظلوم کی امداد سب پر فرض ہوگی۔

۱۲- ان شرائط کی خلاف ورزی کرنیوالی قوم نتائج کی ذمہ دار ہوگی۔

اس عہد نامہ پر سب نے دستخط کیئے۔ جب عہد نامہ مکمل ہوگیا تو سب لوگ اٹھ اٹھکر چلے گئے۔ صرف مسلمان بیٹھے رہ گئے۔ اتفاق سے ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ سب مسلمان نماز پڑھنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہوکر بیٹھے تو سعد بن معاذ نے کہا یا رسول اللہ۔ تمام قومیں جب ان کی عبادت کا وقت ہوتا ہے تو لوگوں کو جمع کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز بجاتی ہیں۔ عیسائی گھنٹے بجاتے ہیں۔ یہودی تالیاں بجاتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں کوئی ایسی نہیں بجائی جاتی۔ جسے سُنکر تمام مسلمان جمع ہوجایا کریں۔ اس وجہ سے لوگوں کو نماز کے اوقات کی خبر نہیں ہوتی۔ اگر ہم بھی کوئی چیز بجانے لگیں تو سارے مسلمان وقت پر جمع ہوجایا کریں۔

حضرت صدیق رضؓ نے کہا۔ مجھے بھی اس بات کا اکثر اوقات خیال ہوا ہے۔ بے شک کوئی چیز ایسی ہونی چاہیئے۔ جسے سُنکر مسلمان جمع ہوجایا کریں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارا یہ خیال مناسب ہے۔ اس وقت تمام مسلمان موجود ہیں سب سوچیں کہ مسلمانوں کو جمع کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت علی رضؓ نے کہا۔ کسی دہات کا ایک بڑا گھنٹہ بنا کر لٹکا دیا جائے۔ جب نماز کا وقت ہو تو گھنٹہ بجا دیا جایا کرے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ اس سے کفار کی مشابہت ہوگی اور یہ مناسب نہیں ہے۔

حضرت مقدادؓ نے کہا۔ دف کوئی قوم نہیں بجاتی۔ ہم دف بجا دیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دف لہو ولعب میں شامل ہے۔ یہ بھی مناسب نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کوئی شخص بآواز بلند تنبیہ ادائے صلوٰۃ کی ندا کیا کرے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں یہ مناسب ہے۔ اس ندا کا نام اذان اور اذان دینے والے کا نام موذن رکھا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ قرار یہ پایا کہ کوئی خوش الحان اور بلند آواز موذن قرار دیا جائے۔

حضرت بلال رضؓ نہایت خوش الحان اور بلند آواز تھے۔ لہذا انکو موذن بنایا گیا۔ چونکہ اب عصر کا وقت آ گیا تھا۔ اس لیئے بلال رضؓ نے اذان دی۔ نہایت بلند آواز اور بڑی خوش الحانی سے لوگوں پر اذان کا خاص اثر ہوا۔ اذان کے بعد نماز پڑھی گئی۔ اس روز سے پانچوں وقت اذان دیجانے لگی۔ اذان ہوتے ہی لوگ تمام کام چھوڑ کر آ جاتے۔ جماعت سے نماز پڑھتے اور منتشر ہو کر پھر کاروبار میں لگ جاتے۔

انصار نے مہاجرین کی مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جس خلوص و ایثار اور جس احتیاط سے انھوں نے عہد مواخاۃ کو نبھایا۔ تاریخ میں اسکی نظیر تلاش نہیں کی جا سکتی۔ انھوں نے حقیقی معنوں میں مہاجرین کو اپنا بھائی سمجھا دامے درمے سخنے ہر طرح سے انکی اعانت کی۔ پہلے انھیں کھانا کھلاتے پھر خود کھاتے۔ انکی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ان کے آرام کو اپنا آرام سمجھتے۔

چونکہ انصار اس بات کو جانتے تھے کہ مہاجرین نے محض دین کیخاطر مکہ میں انتہائی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اپنے گھر وطن اور عزیز و اقارب مال و زر خاندان اور برادری وغیرہ سب کو چھوڑ کر یثرب چلے آئے ہیں۔ اس لیئے وہ خیال رکھتے تھے۔ کہ مہاجرین کسی طرح بھی دل شکستہ نہ ہونے پائیں۔ اسوجہ سے انھوں نے انکی دلداری میں انتہائی کوشش کی۔

مہاجرین انصار کے بیحد شکر گذار اور ممنون احسان تھے۔ وہ اس بات کی کوشش کرتے تھے۔ کہ انصار پر اپنا بار نہ ڈالیں اس لیئے انھوں نے نہایت جفاکشی اور مستعدی سے مزدوریاں کرنا شروع کیں۔ دکانداری اور تجارت کرنے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ اپنے لوازمات زندگی اپنے قوت بازو سے حاصل کرنے لگے۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں وہ انصار کی اعانت سے بے نیاز ہو گئے اور ان کے لیئے موجب تقویت بن گئے۔

جب مسلمانوں کو معاش کیطرف سے بفکری ہوئی تو انھوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ خداوند عالم نے اسلام میں ایسی جاذبیت اور قرآن شریف میں ایسا تاثر رکھا ہے کہ جبکے

سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی جاتی ہے۔ کلام پاک کی آیات پڑھی جاتی ہیں اس کا دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

چنانچہ اس عالمگیر تاثر کیوجہ سے کفار یثرب جوق در جوق مسلمان ہونے لگے مسلمانوں کی تعداد دن دونی اور رات چوگنی بڑھنے لگی۔ یوں تو سینکڑوں مشرک مسلمان ہوئے لیکن دو شخص ایسے مسلمان ہوئے۔ جنکی وجہ سے یثرب کے لوگوں پر خاص اثر پڑا۔

ان میں سے ایک عبداللہ بن سلام تھے۔ یہ یہودی تھے۔ نہایت زبردست عالم تھے توریت پر کافی عبور رکھتے تھے۔ یہودی دنیا میں انکی بڑی شہرت تھی۔ ان کے مشرف باسلام ہونیسے یہودی حیران رہ گئے۔ دوسرے سلمان فارسیؓ تھے۔ یہ مجوسی تھے۔ فارس کے رہنے والے تھے۔ آئین پرستی رکھتے تھے۔ لیکن آتش پرستی سے اکتا کر عیسائی ہوگئے تھے۔ فارس سے شام چلے آئے تھے۔ شام سے نصیبین گئے۔ وہاں ایک بڈھا راہب گرجہ کالاٹ پادری تھا۔ جب وہ مرنے لگا تو اس نے سلمانؓ کو ہدایت کی کہ عنقریب زمین تہامہ کے شہر ام القریٰ[1] میں پیغمبر آخرالزماں مبعوث ہونگے اور وہ اپنی قوم کے دست تظلم سے تنگ آکر یثرب میں ہجرت کریں گے۔ ان کا مذہب دین اسلام ہوگا۔ تم اسلام قبول کرکے مسلمان ہوجانا''

چنانچہ سلمانؓ یثرب میں آ گئے تھے۔ اور حضورؐ کے شرف صدور کے منتظر تھے سلمانؓ مجوسی اور یہود و نصاریٰ کی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ نہایت جید عالم سمجھے جاتے تھے۔ ہر فرقہ اور ہر طبقہ ان کی عزت کرتا تھا۔ وہ بھی مسلمان ہوگئے۔

ان کے مسلمان ہونیسے تمام فرقوں پر خاص اثر پڑا۔ اس عرصہ میں آنحضورؐ کا مکان تیار ہوگیا۔ ادھر زید بن الحارث اور ابورافع حضورؐ اور حضرت صدیقؓ کے اہل و عیال کو مکہ سے لیکر آگئے نیز اور بھی بہت سے مسلمان اُن کے ہمراہ آگئے!

حضورؐ ابو ایوب کے مکان سے اٹھکر نو تعمیر مکان میں تشریف لے آئے اگرچہ

[1] ام القریٰ مکہ معظمہ کا نام ہے۔

مسلمانوں کو یہاں آکر فروغ حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اہل مکہ کی ریشہ دوانیوں سے کھٹکے رہتے تھے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ کفار مکہ یقیناً یثرب پر لشکر کشی کریں گے۔

یہ اندیشہ یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ ایک روز علے الصباح انھوں نے اہل یثرب کو خوش ہو ہو کر اچھلتے کودتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قریش مکہ عنقریب یثربی مسلمانوں پر حملہ کرنے والے ہیں۔

مسلمان کفار یثرب کو حملہ کی خبر سن کر شاداں و فرحاں دیکھ کر سمجھ گئے کہ وہ نقض عہد کرنے والے ہیں۔

انھوں نے آنحضورؐ سے اجازت چاہی کہ انھیں مدافعت کرنے کے لئے اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

حضورؐ نے فرمایا ابھی تک جنگ کیلئے خدا کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے لہذا تم صبر و سکون سے کام لو اور مشیت ایزدی کا مطالعہ کرو۔

آپ کے صحابی آپؐ کے ایسے والہ و شیدا تھے۔ کہ کبھی کسی حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے۔ جو حضورؐ حکم دیتے تھے۔ خاموشی سے اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔ چنانچہ اب بھی خاموش رہ کر مشیت ایزدی کا انتظار کرنے لگے۔

چند ہی روز کے بعد معلوم ہوا کہ کفار مکہ بڑے پیمانہ پر جنگی تیاریاں مکمل کر کے یثرب کیطرف روانہ ہونے والے ہیں۔ مسلمان اپنے ہادی کے حکم کے مطابق نہایت صبر سے آئندہ رونما ہونے والے واقعات کا انتظار کرنے لگے۔

ساتواں باب
(۷)

اِذنِ جہاد!

میانوں سے تڑپ کر جب نکل آئی تھیں شمشیریں
پلٹ دی تھیں انھوں نے قیصر و کسریٰ کی تقدیریں

آنحضور ﷺ جب سے یثرب میں تشریف لائے تھے۔ اِسوقت سے اسلام اور مسلمانوں کی چار دہانگ عالم میں شہرت ہو گئی تھی۔ اب یثرب کا نام بھی بدل گیا تھا۔ تمام لوگ اُسے مدینۃ النبی ﷺ (نبی کا شہر) کہنے لگے تھے۔ ہوتے ہوتے مدینۃ النبی سے صرف سے صرف مدینہ رہ گیا۔ اس نام نے کچھ ایسی شہرت پائی کہ ساری دنیا میں یثرب کا نام مدینہ مشہور ہو گیا۔ آج بھی دنیائے جہاں اِسے مدینہ ہی کہتی ہے۔ تاریخ میں جغرافیہ میں نقشوں میں مدینہ ہی لکھا جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ مدینہ کے کفار کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر سمجھ رہے تھے کہ وہ ضرور بدعہدی کریں گے۔ وہ خوب جان رہے تھے۔ کہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی انکی نگاہوں میں کھٹک رہی ہے۔ اور وہ اُن کے درپے آزار ہیں۔

حضور ﷺ کی یہ دلی آرزو تھی کہ نہ صرف مدینہ میں بلکہ سارے عرب میں امن و امان رہے کیونکہ بصورتِ امن تبلیغ و تلقین کے ذریعہ سے اسلام کا دائرہ جس قدر وسیع ہو سکتا تھا۔ ایسا زمانہ حرب و رزم میں نہ ہو سکتا تھا۔

چنانچہ آپ ﷺ مجالس کفار میں تشریف لیجاتے اور انھیں امن و سکون سے رہنے اور

عہد موعودہ کی پابندی کرنے کی ہدایت کرتے۔ مگر کفار مدینہ بھی کفار قریش کی طرح شریر بدعہد۔ بدقماش۔ ابن الوقت۔ ریاکار اور مکار تھے آپؐ کے سامنے تو پابندی عہد اور امن دسکون سے رہنے کا اقرار کر لیتے۔ لیکن حضورؐ کے جاتے ہی مسلمانوں کو ستانے۔ نقصان پہنچانے۔ منہزم کرنے کے منصوبے گانٹھنے لگتے

ان شریر شیطانوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ اور دل سے چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح مسلمان مدینہ سے نکل جائیں۔ وہی شیطانی سازشیں اختراع کرتا تھا۔ اور عوام الناس کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔

تکمیل عہد نامہ کے چند ہی روز بعد قریش کا ایک وفد اس شیطان کے پاس آیا اس وفد کو مشرکین مکہ نے اسکے پاس بھیجا تھا۔ وفد نے آکر اس سے کہا کہ مکہ کے تمام سربرآوردہ لوگوں نے اہل مدینہ کے نام یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم نے مکہ کے ان باشندوں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ مدینہ میں آباد کر لیا ہے۔ یا تو تم سب ملکر انھیں نکال دو۔ ورنہ ہم پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کریں گے اور تمہارے مردوں اور لڑکوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں اور لڑکیوں کو کر لیں گے۔ اور مکہ میں لاکر فروخت کر ڈالیں گے۔

عبداللہ اس پیغام کو سن کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے ایک بڑی مجلس شوریٰ منعقد کی۔ ہر طبقہ۔ ہر قبیلہ۔ ہر خاندان کو اکٹھا کیا جب سب لوگ آگئے تو اس نے مشرکین مکہ کا پیغام سنا کر کہا اے اہل یثرب تم جانتے ہو کہ ہم اہل کا مقابلہ کسی طرح بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیئے یہی مناسب ہے کہ ہم مسلمانوں کو یہاں سے نکال دیں اگر وہ آسانی سے نکلیں تو ان سے لڑیں اور لڑ کر انھیں شہر بدر کر دیں۔

ایک بڈھے آدمی نے کہا۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہم معاہدہ کر چکے ہیں۔ عہد شکنی ہماری قومی روایات کے خلاف ہے۔ دنیا ہم کو بدعہد کہیگی۔ میرے خیال میں بدعہدی

مناسب نہیں ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ عہد نامہ کوئی چیز نہیں ہوتا۔ عہد کی پابندی آپس میں ضروری ہے دوسروں کے ساتھ جو عہد کیا جائے اُسے صرف اس وقت تک بجانا چاہیئے۔ جبتک عہد شکنی کی طاقت پیدا نہ ہو۔ دیکھو اگر ہم نے مسلمانوں کو اپنے شہر سے نکال نہ دیا تو وہ سارے مدینہ پر قابض ہو جائیں گے۔ سارے شہر کو مسلمان بنالیں گے۔ تمہارے معبودوں کو توڑ ڈالینگے۔ کیا تم اسے گوارا کر سکو گے؟

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ کبھی گوارا نہ کریں گے۔

عبداللہ نے کہا۔ اگر گوارا نہیں کرنا چاہتے تو مسلمانوں کو اپنے شہر سے نکال دو! چند آوازیں آئیں۔ ضرور نکال دیں گے!

ایک پُر جمال آواز آئی۔ کبھی نہ نکال سکو گے"! سب اس پر جلال آواز کو سُنکر حیران ہوئے۔ سب نے ایک ساتھ نظریں اُٹھا اُٹھا کر اس طرف دیکھا۔ جسطرف سے یہ آواز آئی تھی۔ اس طرف سے آنحضورؐ نہایت شان و وقار سے تشریف لاتے نظر آئے۔ آپ تنہا آرہے تھے۔ آپ عبداللہ بن ابی کے قریب آکر ٹھہرے آپ نے قدرے بلند آواز سے کہا:۔

اہل یثرب! قریش مکہ تمہیں دہوکہ دیکر مسلمانوں سے لڑانا چاہتے ہیں۔ سوچو تم مسلمانوں سے عہد و اقرار کر چکے ہو کہ متفق و متحد ہو کر رہو گے۔ کبھی ان سے نہ لڑو گے اگر تم اہل مکہ کے فریب میں آگئے۔ اور عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے لڑے تو اول تو ساری دنیا میں بدعہد مشہور ہو جاؤ گے۔ کوئی تمہاری کسی بات کا اعتبار نہ کرے گا۔ ہر قبیلہ۔ ہر خاندان۔ ہر شخص تم کو بنظر استحقار دیکھے گا۔ دوسرے اگر تم مسلمانوں سے لڑے تو تمہارے ہی بھائی۔ تمہارے ہی ہموطن۔ تمہارے ہی ہم قبیلہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ تمہیں یا تم انھیں قتل کرو گے اسطرح تم سب برباد ہو جاؤ گے اور پھر اہل

کہ یا اور لوگ تمہارے شہر پر قبضہ کر لیں گے۔ تمہیں غلام بنا لیں گے کیا تم اس ذلت کو گوارا کر لو گے۔ میرے خیال میں کبھی نہ کر سکو گے۔ تمہارے لیئے مناسب یہی ہے کہ جو اقرار کر چکے ہو۔ اس پر قائم رہو۔ اگر مکہ والے مدینہ پر حملہ کریں تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان کا مقابلہ کرو۔ اگر تم نے متفق و متحد ہو کر مقابلہ کیا تو یقیناً فتح تمہاری ہو۔

تمام لوگ نہایت غور اور توجہ سے حضورؐ کی تقریر سن رہے تھے۔ جب حضورؐ خاموش ہوئے۔ تو معقول پسند لوگوں نے کہا۔ بیشک آپ نے بہت ٹھیک کہا۔ ہمیں ایسی میں کشت و خون کر کے اپنی قوم کو اس قدر کمزور نہ بنا لینا چاہیئے۔ جس سے دوسرے لوگوں کو ہمیں غلام بنانے کی تحریص پیدا ہو۔ ہمیں عہد نامہ کی پابندی کرنا چاہیئے۔

عبداللہ کی امیدوں پر ایک مرتبہ پھر اوس پڑ گئی۔ شاہی کا خواب پھر سراب خیال ثابت ہوا۔ اُس نے جرأت کر کے کہا۔ لوگو! تم اہل مکہ کا مقابلہ کر سکو گے

چند جوشیلے لوگوں نے کہا۔ کیوں نہ کر سکیں گے۔ ہم بزدل نہیں ہیں۔ ہماری رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا ہے۔ جو ہمارے بزرگوں کی رگوں میں دوڑتا تھا۔ ہم لڑیں گے اور آخر وقت تک لڑیں گے۔ یا تو فتحیاب ہوں گے۔ یا میدان کارزار میں مردانہ وار لڑ کر جان دے دیں گے۔ غلامی کی زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

عبداللہ سمجھ گیا کہ اب اس کا افسوں کارگر نہ ہو گا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ لوگ تو اٹھ اٹھ کر چل دیئے۔ آنحضورؐ بھی چلے آئے۔ مکہ کا وفد ناکام واپس لوٹ گیا۔

اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حضورؐ پر وحی نازل ہوئی کہ جو لوگ گھر سے بے گھر کیئے گئے وطن سے نکالے گئے ان پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ کفار سے جہاد کریں۔ جہاد میں بڑا ثواب ہے۔

مسلمان اس نزول وحی سے کمال خوش ہوئے۔ اب تک آنحضور صلعم انھیں جنگ کی اجازت نہ دیتے تھے۔ صبر کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ اب مسلمان سمجھ گئے کہ انھیں

لڑنے کی اجازت دی جائے گی۔ اور جو لوگ انھیں ستائیں گے۔ انھیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا:۔

حقیقت یہ ہے کہ اب تک مسلمان ظلم و ستم برداشت کر رہے تھے۔ بے وطن بے گھر بن گئے تھے۔ عزیز و اقارب چھوٹ گئے تھے۔ انھیں خاموش دیکھ کر کفار کی چیرہ دستیاں بڑھ گئیں اور وہ مسلمانوں کو بزدل سمجھنے لگے تھے:۔

مسلمان اور تو تمام مصائب و شدائد برداشت کر سکتے تھے۔ لیکن بزدلی کے اتہام کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس سے انکی رُوح کو خاص صدمہ ہوتا تھا۔ اب اس نام نہاد اتہام کی تردید کا موقعہ آگیا تھا۔ وہ خوش ہو گئے کہ اب برابر کا جواب دے سکیں گے۔

ایک روز آنحضورؐ مع صدیق اکبرؓ۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت سعدؓ بن معاذ۔ حضرت اسیدؓ اور چند دیگر اصحابی مسجد میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک مسلمان اعرابی پریشان حال مسجد میں آئے اور آنحضورؐ کو سلام کر کے بولے یارسول اللہ! آج کرز بن جابر مکہ کے مشہور سردار نے ہماری چراگاہ پر چھاپہ مارا اور بہت سے اونٹ لیکر چلدیا۔

حضورؐ نے دریافت کیا۔ اس کے ساتھ کس قدر آدمی تھے؟

اعرابی نے کہا۔ تقریباً تین سو آزمودہ کار نوجوان تھے"!

حضورؐ نے کہا۔ اہل مکہ کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ وہ تین سو میل چل کر مسلمانوں کی چراگاہ پر حملہ کر کے اعلان جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ مسلمان بہت بزدل اور ڈرپوک ہیں۔ خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے وہ نہیں جانتے۔ مسلمان کس قدر بہادر۔ کس قدر جری اور نڈر ہیں۔ وہ وقت قریب آرہا ہے۔ جب کہ دنیا مسلمانوں کی بہادری کا لوہا مانے گی۔ سلاطین عالم مسلمانوں کا نام سُنکر لرز جایا کریں گے۔ دنیا کی بہادر اقوام مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گی۔

آنحضورؐ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور روئے منور سے جلال ٹپک رہا تھا۔

آپ کچھ برہم معلوم ہو رہے تھے۔

یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ صحابہؓ نے آپکو کسی قدر غصہ کی حالت میں دیکھا۔ لیکن یہ کیفیت بہت جلد دور ہو کر پھر چہرہ مبارک سے نرمی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ نے حضرت حمزہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یا عم! آپنے سُنا ہو گا کہ مکہ والوں کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سر کردگی میں ملک شام سے آ رہا ہے،،

حضرت حمزہؓ نے کہا۔ ہاں! میں نے سُنا ہے تمام مدینہ میں اسکی شہرت ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ مسلمان کفار سے جنگ کریں۔ مگر مکہ والوں کی دراز دستیوں نے مجبور کر دیا ہے۔ اب بغیر جنگ کیئے گذارہ نہیں کھوز بن جابر نے ہماری چراگاہ پر حملہ کر کے اعلان جنگ کر دیا ہے۔ ہمیں اس علان کو قبول کر لینا چاہئیے

آج تک حضورؐ نے کبھی لڑائی کا ارادہ نہ فرمایا تھا۔ صحابہ کرام کو جنگ کی اجازت دی تھی۔ مگر اس وقت کی آنحضورؐ کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ آپ جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام جنگ کے لیئے تلے بیٹھے تھے۔ ان پر اس قدر مظالم ہوئے تھے کہ وہ بہت تنگ آ گئے تھے۔ انتقام لینا انسانی سرشت میں داخل ہے۔ ایک خود انسان یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ اگر کوئی شخص اُسکے ایک گال پر طمانچہ مارے تو وہ دوسرے گال کو اُسکے سامنے پیش کر دے اور پٹنے کے لیئے خاموش کھڑا رہ جائے۔

انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مُکہ مارے تو جواب میں ایک ہی مکہ اُس کے مارا جائے۔ اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے اور یہ تعلیم عین انسانی فطرت کے موافق ہے مسلمان حضورؐ کو آمادہ بہ جنگ دیکھ کر نہایت مسرور ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کہا! کیا حضورؐ! ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ ہم کفار مکہ کا اعلان جنگ قبول کر لیں:۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہمیں اعلان جنگ قبول کر لینا چاہئیے۔ اب تک ہم نے ظلم و ستم

برداشت کرکے دنیا میں صبر واستقلال کی نظیر قائم کردی ہے۔ اب ہمیں بہادری اور دلیری کی بھی نظیر قائم کردینی چاہیئے۔ تاریخ عالم میں ایک ایسی زندہ یادگار چھوڑنی چاہیئے۔ جس کا تذکرہ قیامت تک قائم رہے۔ لیکن اس کا خیال ضرور رکھنا چاہیئے۔ کہ بہادری ظلم کے درجہ پر نہ پہنچنے پائے۔ مسلمانوں کی تلواریں مظلوم اور بے کسوں پر کبھی نہ اٹھیں۔ ہمیشہ ظالموں اور مغروروں کی سرکوبی کریں۔

حضرت صدیق رضؓ نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

حضرت حمزہ رضؓ نے دریافت کیا۔ آپ نے ابوسفیان اور اُسکے قافلہ کا تذکرہ فرمایا تھا؟ حضورؐ نے کہا ہاں میں نے اس لیئے یہ ذکر کیا تھا۔ کہ ہمیں ابوسفیان اور اُس کے قافلہ پر حملہ کرنا چاہیئے۔ اس حملہ سے میرا منشاء یا مدعا محض تخویف و تادیب ہے تاکہ مکہ والے سمجھ لیں کہ اگر وہ ہم پر دراز دستیاں کرینگے۔ تو ہم انکی تجارت ملک شام سے بند کردینگے اگر وہ ناعاقبت اندیشانہ چیرہ دستیوں سے باز آجائیں تو پھر ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ باز نہ آئیں اور برابر اپنی کوششوں میں مصروف رہیں تو پھر ہمکو بھی جارحانہ جہاد کیلئے تیار رہنا چاہیئے

حضرت سعدؓ بن معاذ نے۔ حضورؐ اہل مکہ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ظلم وستم سے دستبردار ہوجائیں گے۔ مجھے سراب خیال ہے وہ ایسے سرکش اور ضدی ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک مسلمانوں کے درپئے آزار رہیں گے۔ ہم اب تک خدا اور خدا کے رسولؐ کے حکم کے منتظر تھے آج ہم کو عزم جہاد کا حکم ہوگیا ہے۔ اب دنیا دیکھ لے گی۔ کہ مسلمان بزدل ہیں یا بیشہ شجاعت کے شیر ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ یاد رکھو مسلمان کبھی بزدل نہیں ہوسکتا۔ جو شخص موت اور زندگی کو خدا کیطرف سے سمجھتا ہے۔ اس کا بزدل ہونا کیا معنے۔ بزدل وہ ہوتے ہیں۔ جو موت سے ڈرتے ہیں۔ جو لوگ موت سے نہیں ڈرتے وہ بزدل نہیں ہوسکتے۔

حضرت علیؓ نے کہا۔ حضورؐ ہمیں ابوسفیان اور اسکے قافلہ پر حملہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی جادے"؟

حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں میں حملہ کرنیکی اجازت دیتا ہوں۔ لیکن اس مہم پر سارے مسلمان روانہ نہ ہوں۔ صرف تھوڑے سے مہاجرین اور کچھ انصار جائیں:۔

حضرت حمزہ رضؓ نے کہا۔ جس قدر مجاہدین کو آپؐ اجازت دیں گے اسی قدر جائیں گے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ صرف ساٹھ آدمی منتخب کر لو! یہ لوگ ابلغ کی طرف جائیں۔ اور ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کریں۔

مسلمانوں کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ ابوسفیان کے ہمراہ کس قدر آدمی ہیں۔ مگر یہ جانتے تھے کہ جس قدر بھی آدمی ہوں گے۔ سب جنگجو اور مسلح ہونگے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہر شخص سپاہی ہوتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ابوسفیان قریش کا رئیس ہے۔ مقتدر سردار ہے اس کے ساتھ قافلہ کی حفاظت کیلئے لشکر کا ہونا ضروری ہے۔ ان دونوں باتوں سے اُنھوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اُس کے ساتھ کافی جمعیت ہو گی اور ساٹھ آدمی اسکی جمعیت کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ مگر ان میں اس قدر جوش اور ذوق جہاد تھا۔ کہ انھوں نے قلت و کثرت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جہاد پر روانہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ مگر اس پر طرفہ یہ ہوا۔ کہ ہر مسلمان جہاد پر جانیکے لیئے متمنی نظر آنے لگا

آپ نے یہ کیفیت دیکھ کر خود ہی ساٹھ لوگوں کو منتخب کر کے عبیدہ بن الحرث کو ان پر سردار مقرر کر کے سبز رنگ کا علم عطا فرما کر ابوسفیان کے قافلہ کی طرف روانہ کر دیا۔

اس اسلامی لشکر کی روانگی کو کفار مدینہ اور یہود نے حیرت کی نظروں۔ چونکہ یہ لشکر ابو سفیان پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوا تھا اور مسلمانوں نے اس کی روانگی میں جنگی احتیاطیں ملحوظ نہیں رکھی تھیں۔ اس لیئے عام طور پر اسکی روانگی کی شہرت ہو گئی۔ ابوسفیان کو بھی معلوم ہو گیا۔ لہذا وہ راستہ سے کترا کر اپنے قافلہ کو نکال لے گیا اور ضمضم بن عمرو کو مکہ کیطرف دوڑایا اور کہلا دیا

کہ مسلمانوں کے حملہ کا خطرہ ہے۔ فوراً کمک روانہ کی جائے

رابغ میں پہنچکر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قافلہ راستہ سے بچکر نکل گیا۔ چونکہ انھیں قافلہ کے تعاقب کا حکم نہ تھا۔ اس لیئے وہ لوٹ آئے۔

اگرچہ اس مہم سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی فائدہ یا نقصان نہ ہوا۔ جنگ تک نوبت نہ آئی۔ مگر ایک بات ضرور ہوئی کہ مسلمانوں کا رعب کفار پر قائم ہو گیا۔

اس لشکر کی واپسی کے چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ مکہ سے ایک زبردست لشکر مسلمانوں سے لڑنے کے لیئے مدینہ آرہا ہے۔ اس لشکر کی آمد کا حال سن کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ حضورؐ نے ایک مجلس شورے منعقد کی۔ تمام مہاجرین اور انصار کو طلب کیا۔ جب سب آگئے تو آپؐ نے فرمایا۔

مسلمانو! کفار نہیں چاہتے کہ مسلمان امن وامان سے رہیں۔ اسلام کی ترقی انکی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو فنا کر ڈالنے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ ان کا زبردست لشکر بڑے سازوسامان کے ساتھ آرہا ہے۔ گویا مکہ نے اپنے جگر گوشے اور منتخب بہادر لوگ تمہاری طرف بھیجے ہیں۔ سوچ سمجھکر بتاؤ ان کا مقابلہ کرنیکے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم جنگ کے متمنی تھے خدا نے جہاد کا حکم صادر فرما دیا ہے۔ حضورؐ نے لڑائی کی اجازت دیدی۔ مکہ والے لڑنیکے لیئے آرہے ہیں۔ ہم مقابلہ کے لیئے تیار ہیں۔ ہماری تلواریں اور ہمارے مضبوط بازو انھیں بتا دیں گے کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا ہنسی کھیل نہیں ہے۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ میدان جنگ بہادروں کا گہوارہ راحت ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کو جس قدر مسرت جنگ کرنیسے ہوتی ہے۔ اور کسی بات سے نہیں ہو سکتی۔ مکہ والوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ کہ مسلمان کس قدر دلیر ہیں۔

حضرت مقداد رضؓ نے کہا۔ اہل مکہ کو اپنی بہادری پر زعم ہے۔ لیکن بہت جلد انھیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ مسلمان شیر ہیں اور شیروں کا مقابلہ لومڑیاں نہیں کر سکیتں۔ لہذا آپؐ ہم کو مقابلہ کی اجازت دیں۔

حضرت عبداللہ بن صدیق رضؓ نے کہا۔ یا رسولؐ اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنھوں نے حضرت موسٰےؑ سے کہدیا تھا۔ کہ فاذھب انت و ربک فقاتل انا ھوھنا قاعدون یعنی تو اور تیرا رب دونوں کفار سے جاکر لڑو ہم تو یہیں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔" ہم صرف آپؐ کے حکم کے منتظر ہیں ہم کو مقابلہ کی اجازت دیجئے۔ ہم دشمنانِ اسلام سے آخری دم تک لڑیں گے۔

یہ تمام لوگ جنھوں نے اظہار رائے کیا مہاجرین تھے۔ حضورؐ نے انکی باتیں سنکر فرمایا مسلمانو بتاؤ کفار مکہ سے لڑائی کے متعلق تمہارا کیا مشورہ ہے۔

چونکہ انصار میں سے اس وقت تک کسی نے اظہار خیال نہ کیا۔ اس لیے حضورؐ کے مکرر استفسار پر انصار سمجھ گئے کہ حضورؐ کا روئے سخن انکی طرف ہے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا۔ شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟

حضورؐ نے فرمایا! ہاں!

حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کو خدا کا رسُول یقین کرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کا رسولؐ۔ ہمارا ہادی۔ اسلام کا علمبردار کفار کے مقابلہ کیلئے جائے اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں۔ کفار مکہ ہماری طرح انسان ہیں اگرچہ ان کی جمعیت زیادہ ہے۔ لیکن ہم ان سے ڈرنے اور مرعوب ہونیوالے نہیں۔ ہم ان سے لڑیں گے اور آخری سانس تک لڑیں گے۔ لڑنا تو کوئی بات ہی نہیں۔ جس قدر ہم ایسے حضورؐ کے فدائی ہیں۔ کہ اگر آپؐ کا ذرا بھی ایماء پائیں تو سمندر میں کود پڑیں۔

حضرت ابوایوب نے کہا۔ کیا ہم جنگ سے اس لیے ڈر کر پیچھے رہ جائیں گے۔ کہ ہم

اور کمزور ہیں۔ بخدا نہیں! ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کبھی لڑائی سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔ لڑنا تو ہماری عین تمنا ہے۔ جس بزدل اور مکار قوم نے خدا کے رسول اور مسلمانوں کو ستایا ہے ہم اس سے اسوقت تک لڑیں گے۔ جبتک دم میں دم باقی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ یہ سوچ لو! کہ تم کمزور ہو۔ کم ہو۔ پوری طرح مسلح بھی نہیں ہو سکتے۔ نہ تمہارے پاس زرہ بکتر ہیں۔ نہ سب کے پاس تمام ہتھیار ہیں نہ گھوڑے ہیں نہ کسی کی امداد و استعانت کی توقع ہے۔ بے سر و سامانی کی حالت میں اپنے قوت بازو کے بھروسہ اور خدا کی امداد کے سہارے پر دشمنوں سے لڑنا ہوگا۔ کیا تم تیار ہو؟۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ ہم خدا پرست ہیں۔ خدا پر اعتماد رکھتے ہیں اسکی اعانت کے بھروسہ پر ہم صرف اہل مکہ ہی کا نہیں۔ بلکہ سارے عرب ستان کا مقابلہ کرنے پر تیار ہیں۔ ہماری قلت۔ بے سر و سامانی۔ دشمنوں کی کثرت اور ان کے پاس سامان حرب کی فراوانی ہمارے ارادہ کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ ہم لڑیں گے۔ اور انشاء اللہ دشمنوں کو قتل کر کے ان پر فتحیاب ہوں گے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا۔ حضورؐ پروردگار عالم نے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ جو مسلمان کفار سے لڑ کر شہید ہوگا۔ وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اس سے زیادہ خوش قسمت کون مسلمان ہو سکتا ہے۔ جو جہاد کرے کفار سے لڑے شہید ہو کر بہشت میں داخل ہو جائے اب اور ہمیشہ مسلمان جہاد کو ذریعۂ نجات سمجھیں گے۔ ہماری تو یہ تمنا ہے کہ ہم کفار سے لڑیں اور شہید ہو جائیں۔ شہادت سے بڑھ کر اور کونسا ثواب ہے۔

حضورؐ نے فرمایا! مسلمانو! واقعہ یہی ہے کہ جہاد سے بڑھ کر کوئی ثواب کا کام نہیں ایک مجاہد جب جنگ کیلئے تیار ہو کر گھر سے نکلتا ہے۔ تو خدا اسکے تمام گناہ معاف کر کے بہشت میں اُسکے لئے ایک مکان مقرر فرماتا ہے۔ اگر مجاہد شہید ہو جاتا ہے تو حوریں اور فرشتے اُسکی روح کو خدا کے سامنے لیجا کر پیش کرتے ہیں۔ خدا اُسے نوازتا ہے

اور فرما دیتا ہے۔ کہ اُسے بہشت میں لیجاؤ۔ بہشت میں وہ نہایت آرام وسکون اور تسکین قلب سے رہنے لگتا ہے۔ اور اگر مجاہد فتحیاب ہوکر واپس لوٹتا ہے۔ تو غازی بنجاتا ہے۔ میری اُمت کا جو فرد جب کبھی جہاد کریگا۔ خدا اُس کے لیئے بہشت کے دروازے کھولدے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ مہاجرین اور انصار جنگ کیلئے تیار ہیں۔ مسلمانو اجاؤ جلد تیاری کرو۔ اور صبح کوچ کیلئے آمادہ ہوکر آؤ۔

مسلمان اُٹھ اُٹھکر چلے گئے۔ حضورؐ بھی اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ تمام مسلمانوں نے تیاریاں شروع کیں۔ نہایت ذوق اور بڑے جوش وخروش سے تیاریاں کرنے لگے۔

کفار مدینہ نے بھی اہل مکہ کے حملہ کا حال سُن لیا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنا نہ چاہتے تھے۔ بلکہ اس بات کے متمنی تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو شکست ہو اور اسلام دنیا سے رخصت ہو جائے۔ حالانکہ یہ انکی غلطی تھی۔ مسلمانوں کی شکست پہ مدینہ کی بربادی لابدی تھی۔ اہل مکہ مدینہ پر لشکر کشی کر کے مدینہ کو کھنڈر بنا دیتے۔

بدطینت انسانوں کی یہ فطرت ہے کہ جس درخت کے سایہ میں وہ آرام کرتے ہیں اُسے کاٹنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ چاہے اُس کے کاٹنے سے انھیں مصائب وتکالیف ہی کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے:۔

تمام دن اور ساری رات مسلمانوں نے تیاری کی دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی سب تیار ہوکر مدینہ سے باہر قبا کے قریب آکر جمع ہو گئے:۔

آنحضور اشراق کی نماز پڑھکر تشریف لائے۔ آپ نے مسلمانوں کے مجمع کو دیکھا ان میں بہت سے ایسے کمسن لڑکے دیکھے جنکی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں۔ تیرہ تیرہ۔ چودہ چودہ سال کی عمر کے تھے۔ جو شوق جہاد اور جوش شجاعت میں چور ہوکر آغوش مادر اور دوش پدر کو چھوڑ کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کودنے کے لیئے گھروں سے نکل آئے تھے

آپ نے ان کمسن بچوں کو دیکھ کر کہا۔ چھوٹے بچے واپس لوٹ جائیں ایسے کمسن بچوں کا جنگ میں جانا مناسب نہیں ہے"۔

صغیر سن لڑکے حضورؐ کا یہ ارشاد سنکر افسردہ خاطر ہو گئے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے کہا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم جہاد کے ثواب سے محروم رہ جائیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ تم ابھی کمسن ہو! تم نہیں جانتے کہ جنگ کی آگ کیسی سخت اور کس قدر تیز ہوتی ہے۔ جب وہ بھڑکتی ہے۔ تو ہر اس شخص کو جو اسکے قریب آ جاتا ہے جلا ڈالتی ہے۔

لڑکے نے کہا۔ حضورؐ! ہم خدا کی خوشنودی حاصل کرنیکے لیئے جنگ کی۔ آگ میں کودنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم لڑکو شہید ہو جائیں تو کیا ہم کو بہشت نہ ملے گا۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ضرور ملے گا۔ شہادت عورت۔ مرد۔ بچے۔ بڈھے سب کو جنت میں لیجائے گی۔ لیکن میرے بچو! مجھے اندیشہ ہے کہ شاید تم آتش حرب کو مشتعل دیکھ کر خوفزدہ ہو جاؤ۔

لڑکے نے سن کر کہا۔ حضور اطمینان رکھیں ہم ڈرنے والے نہیں۔ خدا کی قسم جوش جہاد نے ہماری رگوں میں خون دوڑا کر ہم کو شیر دل اور نڈر بنا دیا ہے۔ ہم مرتے دم تک کبھی خوفزدہ نہ ہونگے۔

ایک اور لڑکے نے کہا۔ اے شہنشاہ دین! ہم اور آتش جنگ سے خوفزدہ ہو جائیں۔ ناممکن ہے۔ ہماری عین تمنا جنگ کرنیکی ہے۔ بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ حضورؐ اور ہمارے تمام بزرگ مدینہ میں آرام اور اطمینان سے بیٹھے رہیں۔ اور ہمیں اجازت دیں کہ ہم کفار مکہ کا مقابلہ کرنیکے لیئے میدان جنگ میں نکلیں"!

حضورؐ نے فرمایا۔ میرے نونہالو۔ تمہارا یہ جوش لائق صد ہزار تحسین ہے ہر مسلمان ہر مسلم مرد و عورت اور ہر مسلم بچہ کے دل میں جہاد کا ایسا ہی شوق ہونا چاہیئے۔ جیسا تمہارے

دلوں میں ہے۔ یہ قوت ایمان کی روشن دلیل ہے۔ لیکن جس جنگ کو ہم جا رہے ہیں۔ یہ پہلی جنگ ہے۔ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ نتیجہ کیا ہو۔ اس لیئے تم واپس ہی چلے جاؤ۔ تو اچھا ہے،،

چند لڑکوں نے کہا۔ ہم فرمانبردار ہیں۔ حضورؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ لیکن ہم کو بڑا صدمہ ہوگا۔

حضورؐ نے حیرت سے بچوں کے شوق جہاد کو دیکھا۔ آپ خاموش ہو کر سوچنے لگے کچھ دیر کے بعد آپؐ نے نیزہ لیا۔ اس پر نشان لگایا اور لڑکوں سے کہا۔ اچھا میرے پرجوش بچو! تم میں سے جس کسی کا قد اتنا بلند ہوگا۔ جتنا نیزے پر نشان لگا ہوا ہے۔ وہ مجاہدین کی جماعت میں شریک کر لیا جائے گا۔ اور جس کا قد اس سے چھوٹا ہوگا۔ اسے واپس لوٹنا پڑے گا۔

حضورؐ نے تمام بچوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ سب آپکے پاس آ گئے۔ یہ تقریباً ساٹھ تھے۔ آپ نے ان کے قد ناپنا شروع کیئے۔

چونکہ یہ سب چھوٹی عمر کے تھے۔ اس لیئے اُن کے قد بھی چھوٹے تھے۔ حضورؐ ناپتے جاتے تھے اور چھوٹے قد والوں کو الگ کھڑے کرتے جاتے۔ جب چالیس پچاس لڑکے نے نیزہ حضورؐ سے لیکر اپنا ہاتھ نشان پر رکھ کر خود ہی اپنا قد ناپا۔ وہ ایک مٹھی چھوٹا تھا۔ اس لیئے جلدی سے پنجوں پر کھڑا ہو کر۔ اُس نے کہا۔ حضورؐ دیکھیئے میرا قد پورا ہے۔

حضورؐ نے اسکی اس ہوشیاری کو دیکھا۔ آپ مسکرائے اور مسکرا کر بولے تمہاری ہوشیاری قابل داد ہے۔ تمہارے جوش جہاد نے تم کو یہ ہوشیاری سکھائی ہے۔ لہذا تمہیں اجازت ہے۔ تم مجاہدین کی جماعت میں شریک ہو جاؤ۔

یہ لڑکا اس قدر خوش ہوا۔ جیسے اسے کوئی دولت مل گئی۔ وہ خوش خوش مجاہدین میں جا ملا۔ اس لڑکے کا نام رافع بن خدیج تھا۔ اس کے بعد اور لڑکوں نے بھی اسکی تقلید کی۔ لیکن جب پر کھڑے ہونے پر بھی کوئی نیزہ پر بنائے ہوئے۔ نشان تک نہ پہنچ سکا۔

مجبوراً تمام لڑکے واپس لوٹ گئے۔ اب حضورؐ نے مجاہدین کے لشکر کا جائزہ لیا تو کل تین سو دس آدمی تھے۔ ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے۔ زرہ بجز ایک بھی نہ تھی۔ کسی مجاہد کے پاس پورے ہتھیار نہ تھے۔ اگر کسی کے پاس تلوار تھی۔ تو نیزہ نہ تھا۔ نیزہ تھا۔ تو تلوار نہ تھی۔ تیر کمانیں بھی کم تھیں :۔

حضورؐ نے ایک ایک اونٹ پر تین تین چار چار آدمیوں کو سوار کرایا خود اپنے اونٹ پر بھی دو تین آدمی سوار کر لیئے پھر بھی کثیر التعداد لوگ پیدل رہ گئے۔

اسی بے سروسامانی کی حالت میں لشکر نے دوپہر سے قبل مکہ کیطرف کوچ کیا۔ حضرت صدیق رضؓ نے وہ علم جو آنحضورؐ نے عبیدہ کیلئے بنایا تھا۔ اپنے ہاتھ میں لیکر پھریرا اڑا دیا۔

آٹھواں باب (۸)

جنگِ بدر

ابو سفیان نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنکر ضمضم بن عمرو کو اس لیئے مکہ بھیجا تھا کہ وہ اسکی امداد کیلئے آجائیں۔ ضمضم نے مکہ میں جاکر ابو سفیان کا پیغام مکہ والوں کو پہنچا دیا۔ فوراً کفار قریش نے مجلس شوریٰ کا انعقاد فرمایا

چونکہ قریش کے مایہ ناز شوکت و قوت کا سبب ملک شام سے تجارت تھی اور مسلمانوں کے حملہ سے اس تجارت کے بند ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس لیئے مجلس شوریٰ نے طے کر دیا۔ کہ فوراً ابو سفیان کی اعانت اور مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے عظیم الشان لشکر روانہ کیا جائے۔

فوراً نہایت زور و شور اور بڑی شد و مد سے تیاریاں ہونے لگیں۔ تمام مکہ میں ہلچل شروع ہو گئی۔ ایک دن اور ایک رات کی کد و کاوش سے ایک ہزار کفار کا لشکر کا سالار اعظم ابو جہل مقرر کیا گیا۔

اس لشکر میں مکہ کے قریب قریب تمام مشہور سردار اور آزمودہ کار جنگجو شریک تھے۔ عتبہ۔ شیبہ۔ ولید۔ حنظلہ۔ عبیدہ۔ عاصی۔ حرث۔ طعیمہ۔ زمعہ۔ عقیل ابو البختری۔ مسعود۔ ابو قیس۔ نبیہ۔ منبہ۔ نوفل۔ سائب۔ رفاعہ سب تھے۔ یہ وہ

لوگ تھے۔ جنکی امارت و بہادری کی تمام عرب میں دھاک تھی۔

اس لشکر میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے۔ سینکڑوں جنگجو زرہ بکتر پہنے تھے۔ تمام لوگ تمام ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

یہ لشکر نہایت شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ کفار مکہ نے سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ عظیم الشان لشکر مسلمانوں کا کلی استیصال کر کے بہت جلد واپس آجائے گا۔

کوچ و قیام کرتا ہوا یہ لشکر جب ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ طے کر چکا تو معلوم ہوا کہ ابو سفیان معہ اپنے قافلہ کے بخیریت مکہ پہنچ گیا۔ چونکہ اس لشکر کا مقصد ابو سفیان کی حمایت تھی۔ اس لیئے بعض لوگوں کی رائے ہوا کہ واپس لوٹ چلنا چاہیے۔ لیکن ابو جہل نے کہا کہ ہمیں مسلمانوں کو فنا کر کے واپس لوٹنا چاہیئے۔ چنانچہ اس رائے پر سب متفق ہو گئے اور لشکر برابر کوچ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مکہ سے دو میل کے فاصلے بدر کے مقام پر پہنچا۔

بدر ایک کنوئیں کا نام تھا۔ کنوئیں کے قریب گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں کا نام بھی بدر تھا۔ مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ جانیوالے قافلے اسجگہ قیام کیا کرتے تھے۔

بدر مکہ سے اسی میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ بدر سے مکہ کی طرف جو قطعہ زمین تھا۔ وہ بلند اور مسطح تھا۔ اور مدینہ کی جانب والا قطعہ نشیبی اور ریتلا تھا۔

کفار کا یہ عظیم الشان لشکر مکہ کی جانب بلند اور مسطح قطعہ زمین پر اسطرح خیمہ زن ہوا۔ کہ کنواں وسط لشکر میں آگیا۔

اس لشکر کے ساتھ عرب کی حسین اور پریجمال گانے اور ناچنے والی عورتیں بھی تھیں جس جگہ یہ لشکر فرو کش ہوتا رقص و سرور کی محفلیں گرم ہو جائیں۔ شراب کا دور چلنے لگتا۔

چونکہ اس لشکر نے تقریباً سوا دو سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ اس لیئے سپاہی تھک گئے تھے۔ انھوں نے کئی روز بدر کے مقام پر رفع کسل کیلیئے قیام کیا۔

جس روز لشکر بدر سے روزانہ ہونیکی تیاریاں کر رہا تھا۔ اسی روز ایک شتر سوار دوڑا ہوا آیا۔ اور اس نے پکار کر کہا۔ یا اہل قریش مجاہدین اسلام کا لشکر آگیا۔ ہوشیار ہو جاؤ اور اپنی حفاظت کرو۔

کفار مکہ نے روانگی کا قصد ملتوی کر دیا اور تمام سردار اور رئیس لشکر اسلام کی آمد کا نظارہ کرنے کیلئے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے۔

یہ ریت کا ٹیلہ اس قدر بلند تھا۔ کہ اس کے چاروں طرف کے دیگر تمام ٹیلے اس سے نیچے تھے:۔

جب ان لوگوں نے مدینہ منورہ کی طرف نظر کی تو اس طرف سے لشکر اسلام نہایت شان و وقار سے آتا نظر آیا اونٹ اگرچہ تھوڑے تھے۔ مگر دُور تک بکھرے پڑے تھے قدم قدم نہایت استقلال سے آ رہے تھے، سب سے آگے حضرت صدیق اکبرؓ اسلامی علم اٹھائے آ رہے تھے۔ پرچم بڑے رعب و داب سے ہوا میں لہرا رہا تھا۔ آفتاب کی شعاعوں میں اہل اسلام کے ہتھیار چمک رہے تھے۔ لشکر اسلام کچھ فاصلہ پر آ کر رک گیا۔ اور بدر کے نشیبی اور ریتیلے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔

بدر میں صرف ایک ہی کنواں تھا۔ اور اس کنوئیں پر کفار مکہ کا قبضہ تھا۔ اس لئے سب سے پہلے مسلمانوں کو پانی کی دقت محسوس ہوئی۔ جب لشکر خیمے نصب کر کے فارغ ہی ہوا۔ تو مسلمانوں نے آنحضورؐ سے پانی کی نایابی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے فرمایا تیمم کر کے نماز پڑھو۔ اور خلوص دل سے باران رحمت کی دعا مانگو۔

تمام مسلمانوں نے تیمم کیا۔ نماز پڑھی اور سچے دل سے گڑگڑا کر باران رحمت کی دعا مانگی۔ انسان اگر دل سے! سچے دل سے، خلوص نیت سے۔ رجوع قلب سے خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر دعا مانگے۔ تو رحمت خداوندی کو جوش آجاتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر دعا قبول ہو جاتی ہے چنانچہ مسلمانوں کی دعا بھی مستجاب ہوئی۔ ظہر کے بعد ہی بادل کی ہلکی ہلکی بدلیاں اٹھ اٹھ کر

فضا میں تیرنے لگیں۔

عصر کے وقت تمام بدلیاں مل کر گھٹا بن گئیں۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو ایک صاف ستھرے نشیبی مقام پر ایک بڑا تالاب کھودنے کا حکم دیا۔ تمام مسلمان تالاب کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں تالاب تیار ہو گیا:۔

جس وقت تالاب کھودا جا رہا تھا۔ اسی وقت ترشح شروع ہو گیا تھا۔ ننھی ننھی بوندیں پڑنے لگیں۔ جب تالاب تیار ہو گیا۔ تو بارش ہونے لگی۔ اس کثرت سے بارش ہوئی کہ جل تھل بھر گئے۔ تالاب لبریز ہو کر چھلک گیا۔

عرب میں بہت کم بارش ہوتی ہے۔ مگر جب ہوتی ہے تو اچھی طرح ہوتی ہے چنانچہ خوب بارش ہوئی۔ مغرب سے ذرا پہلے سے بارش شروع ہوئی تھی اور عشاء کے بعد تک ہوتی رہی۔

مسلمانوں نے خیموں کے اندر عشاء کی نماز پڑھ کر کھجوریں کھائیں۔ بارش کا پانی پیا اور خدا کی رحمت و مہربانی کا شکریہ ادا کر کے سو رہے۔ صبح جب وہ اٹھے تو مطلع صاف تھا۔ بادل کا کہیں نشان نہ تھا۔ ریتلی زمین پانی پڑنے سے سخت ہو گئی تھی۔ تالاب پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھی۔ ابھی وہ نماز سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ کفار مسلح ہو کر میدان میں صف بستہ ہو گئے۔ جس میدان میں کفار صف بستہ ہوئے بارش ہونے کی وجہ سے اس میں دلدل ہو گئی تھی۔ گھوڑوں کے سم دلدل میں دھنسے جا رہے تھے:۔

مسلمان بھی نماز سے فراغت کر کے مسلح ہو ہو کر میدان میں نکل نکل کر صف بستہ ہونے لگے۔ آنحضورؐ نماز پڑھ کر خیمہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اور سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہ رب العزت میں عرض کرنے لگے۔

اے خالق مطلق! اے کارساز عالم!! مسلمان صرف تیرے بھروسہ پر تیرے حکم کے مطابق گھروں سے نکل کر میدان جنگ میں آئے ہیں۔ باری تعالےٰ تجھے پوچھنے والے۔ تیرا نام لینے والے۔ تیرے نام پر مر مٹنے والے تعداد میں کم اور قوت میں کمزور ہیں خداوند عالم! یہ پہلا معرکہ ہے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو ہزیمت دے کر شرمسار نہ کرنا اے قدرت والے تو ذرہ کو آفتاب اور آفتاب کو ذرہ بنا سکتا ہے۔ عزت و عظمت تیرے ہاتھ ہے مسلمانوں کو غریب و بیچارہ مسلمانوں کو مفلس و بیوطن مسلمانوں کو عزت دے۔ فتح دے۔ انہیں نواز ان کی حمایت کر۔ پروردگار عالم! دشمنانِ اسلام کو اپنی قوت پر اپنی شان و شوکت پر اپنے بمول پر بھروسہ ہے۔ ناز ہے۔ فخر ہے۔ غرور ہے۔ مسلمانوں کو صرف تیرا سہارا ہے۔ تجھ سے اُمید ہے انہیں مایوس نہ کرنا۔ اللہم ان تہلک ھذہ العصابۃ من اھل الایمان الیوم فلا تعبدُ فی الارض ابدًا۔ یعنی الٰہی اگر تو نے مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنیوالا کوئی باقی نہ رہے گا۔ حضورؐ سجدہ میں پڑے ہوئے رو رو کر دعا مانگ رہے تھے۔ دعا مانگنے سے آپؐ کے قلب کو قدرے تسکین سی ہو گئی۔ آپؐ پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد آپکی آنکھ کھلی آپؐ اُٹھے اور مسکراتے ہوئے خیمہ سے باہر نکلے۔

مسلمان آپؐ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ آپؐ کو آتے دیکھ کر انہوں نے اللہ اکبر کا زوردار نعرہ لگایا۔ آپؐ آہستہ آہستہ نہایت اطمینان سے چل کر اسلامی لشکر میں پہنچے۔ آپ نے آہستہ سے فرمایا۔ مسلمانوں۔ فتح مبارک ہو۔ خدا کا حکم نازل ہو گیا۔ کہ کفار ہزیمت کھا کر بھاگیں گے اور مسلمان فتحیاب ہونگے۔

مسلمان اور مسلمان ہی کیا۔ ہر وہ شخص جو آپؐ سے واقف تھا۔ خوب جانتا تھا کہ حضورؐ جو کچھ کہتے ہیں۔ سچ کہتے ہیں۔ آپ کا ارشاد سن کر مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی۔

حضورؐ نے فتح کی خوشخبری اس وقت سنائی جب کہ ابھی جنگ شروع بھی نہ ہوئی تھی مسلمان کفار کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے تہائی تھے۔ اور سامان حرب کے اعتبار سے ۱/۱۰۰ سو میں سے ایک حصہ بھی نہ تھے۔

کفار تمام زرہ پوش - جوان - توانا - آزمودہ کار اور جنگجو تھے آلات حرب سے پورے طور پر مسلح تھے۔

مسلمان فاقہ زدہ - ناتوان - بیمار اور ضعیف تھے۔ زرہ پوش ایک بھی نہ تھا۔ معمولی ہتھیار بھی سب کے پاس پورے نہ تھے مسلمانوں اور کفار کا برابر کا مقابلہ نہ تھا۔ اس حالت میں بھی فتح کی خوشخبری ایک عجوبہ بات تھی۔

حضورؐ نے میدان جنگ میں آکر سب سے پہلے صفیں مرتب کیں۔ ہر صف بالکل سیدھی کر دی۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ آپؐ اس کے اشارے سے تسویہ صفوف فرماتے تھے

جب تمام صفیں سیدھی ہوگئیں تو حضورؐ نے فرمایا۔ مسلمانو! تم جنگ میں ابتداء نہ کرنا۔ کفار کی کثرت سے نہ گھرانا۔ خدا نے تمہاری اعانت کا وعدہ کر لیا ہے لہٰذا فتح تمہاری ہوگی۔

دونوں لشکر آمنے سامنے صف بستہ ہوگئے تھے۔ ایک وسیع میدان درمیان میں چھوٹا ہوا تھا۔ ہر دو فریقین کے علم ہوا میں لہرا رہے تھے۔ آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ چونکہ رات کو بارش ہو چکی تھی۔ اس لئے آفتاب کی شعاعیں طلائی رنگ کی تھیں۔ سنہری دھوپ نمناک ریت پر پھیلی ہوئی تھی ہوا میں خنکی تھی۔ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔

کفار نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ پرے باندھے کھڑے تھے۔ فریقین عالم سکوت میں کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد کفار کے لشکر میں سے تین آزمودہ کار جنگجو نکل کر میدان جنگ میں آئے۔

ان تینوں میں عتبہ اور شیبہ حقیقی بھائی ربیعہ کے بیٹے تھے۔ اور تیسرے ولید حضرت خالدؓ کے باپ تھے۔ تینوں نہایت بہادر۔ بڑے جوشیلے اور جنگجو تھے۔ تینوں نے ھل من مبارز ؟" کا نعرہ بلند کیا۔

ان تینوں کا مقابلہ کرنیکے لئے لشکر اسلام میں سے انصار کے تین نوجوان نکلے۔ ان میں عوف رضؓ۔ معوذ رضؓ دو حقیقی بھائی عفرا کے بیٹے اور تیسرے عبداللہ بن رواحہ تھے۔ جب یہ تینوں کفار کے سامنے جاکر کھڑے ہوئے تو عتبہ نے اُن سے دریافت کیا۔ من انتم یعنی تم کون ہو؟

حضرت عوف نے جواب دیا۔ رھط من الانصار۔ یعنی ہم انصار ہیں۔ عتبہ نے بڑا سامنہ بناکر نہایت تکبرانہ انداز میں کہا۔ مالنا بکم من حاجت۔ یعنی ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ کفار مکہ ہی کیا تم تمام عرب نام و نسب پر فخر کرتے تھے کفار مکہ مدینہ والوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ چونکہ مکہ میں خانہ کعبہ تھا۔ اور قریش اسکے متولی تھے اس لئے وہ تمام قبائل کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے۔

عتبہ نے چلا کر کہا۔ محمد اخرج الینا الکفاءُ نامن قومنا

یعنی اے محمدؐ ہمارے مقابلہ کے لئے ہماری قوم کے لوگوں کو بھیجو!

آنحضورؐ نے حضرت حمزہ رضؓ۔ حضرت عبیدہ اور حضرت علی رضؓ کیطرف اشارہ کیا۔

یہ تینوں بزرگ مردانہ وار بڑھے اور میدان جنگ میں نکل کر کفار کے مقابلہ میں جاکر کھڑے ہوئے۔ عوف رضؓ۔ معوذ رضؓ اور عبداللہ واپس لوٹ گئے۔ ان تینوں شہسواران اسلام کو دیکھ عتبہ نے کہا۔ ہاں ہم تم سے لڑیں گے۔ لیکن کیا تم ہماری قوت و شوکت کو نہیں دیکھ رہے ہو۔ کیا تم کو خیال ہے کہ تم ہم سے لڑ کر کامران و فتحیاب ہو جاؤگے یا گرفتار

ہو کر غلام ہو گے۔

حضرت حمزہ رضؓ کو عتبہ کی لاف زنی نہایت ناگوار گذری۔ انھوں نے کہا۔ عتبہ قوت وشوکت پر گھمنڈ نہ کرو۔ خدا میں وہ طاقت وقدرت ہے۔ کہ کمزور کو قوت والے پر فتح دیتا ہے۔ مچھر جیسی ناچیز ہستی سے نمرود جیسے باسطوت بادشاہ کو ہلاک کرا دیتا ہے۔ تمہاری قوت وشوکت ہی کیا ہے۔ عنقریب تم اپنے غرور کا انجام دیکھ لو گے۔

ولید کو حضرت حمزہ رضؓ کی گفتگو سن کر طرارہ آگیا۔ اس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ خدا ایک نیا پیدا ہستی ہے۔ جسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہمارا کیا لگاڑ سکتا ہے۔ تمہیں۔ تمہاری قوم کو اور تمہارے ممدو معاونین کو جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ پہاڑ میں سر مارنے سے پہاڑ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ سر ہی کا نقصان ہوتا ہے۔

حضرت علی رضؓ نے کڑک کر کہا۔ ولید حد سے نہ بڑھو۔ باتیں بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تلوار نکالو اور مقابلہ پر آجاؤ۔

فوراً عتبہ۔ شیبہ اور ولید نے تلواریں نکال نکال کر بلند کیں۔ حضرت حمزہ رضؓ۔ حضرت عبیدہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے بھی تلواریں نکال لیں۔ ایک ایک شخص نے ایک ایک شخص کو منتخب کر لیا۔ ہر شخص اپنے حریف کیطرف لپکا!!

صاف وشفاف تلواریں بلند ہو کر سنہری دھوپ میں چمکیں۔ دشمنوں کی طرف جھکیں۔ ڈھالوں سے ٹکرائیں اور پھر اٹھیں۔

ولید۔ عتبہ اور شیبہ کو اپنی بہادری اور جنگجوئی پر غرہ تھا۔ ناز تھا۔ لہذا وہ بڑے جوش وخروش سے لڑ رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں کمال بہادر و آزمودہ کار اور تمام عرب میں انکی بہادری کی شہرت تھی۔

حضرت علی رضؓ ولید کے مقابلہ میں تھے۔ ولید نہایت بہادر اور جنگ جو تھے۔ تجربہ

کار تھے۔ حضرت علیؓ نو عمر تھے۔ کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لہذا کسی طرح سے بھی برابر کا مقابلہ نہ تھا۔

ولید کو خیال۔ خیال ہی نہیں۔ بلکہ یقین تھا کہ وہ حضرت علی رضؓ کو قتل کر ڈالے گا۔ شیر خدا کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ اس نے نہایت جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا۔ حضرت علی کرم نے تجربہ کاروں کی طرح نہایت استقلال سے اس کا حملہ روکا۔ اور اللہ اکبر۔ پُرزور نعرہ لگا کر خود بھی حملہ کر دیا۔

ولید نے تلوار اٹھتے اپنی طرف جھکتے دیکھی۔ اس نے جلدی سے ڈھال سامنے کر دی تلوار ڈھال کاٹ کر خود پر آئی۔ خود کا کچھ حصہ اڑا کر اٹھی۔

یہ بڑی قوت اور بڑی طاقت کا کام تھا۔ فولادی ڈھال کو کاٹ کر آہنی خود کو تلوار سے کاٹ ڈالنا معمولی بات نہ تھی۔ مگر حضرت علی کرم شیر خدا تھے۔ شیروں سے زیادہ ان میں طاقت تھی ان کے بازو فولاد سے زیادہ سخت اور شیر سے زیادہ قوی تھے۔ ان کی قوت بازو دیکھ کر ولید حیران و طائف ہو کر رہ گیا۔

ابھی ولید حیران ہی تھا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تلوار پھر اٹھی۔ پھر بلند ہوئی۔ اس مرتبہ تلوار کی جھلک میں ولید کو موت کا بھیانک چہرہ نظر آیا۔

ولید کی ڈھال ناکارہ ہو چکی تھی۔ اس نے جلدی سے ڈھال پھینک کر تلوار پر وار روکنا چاہا مگر اپنی تلوار اٹھانے بھی نہ پایا تھا۔ کہ حضرت علیؓ کی تلوار اسکی گردن پر پڑی۔ گردن ککڑی کی طرح کٹ کر دور جا گری۔ بے سر لاش چکر کھا گھوڑے سے نیچے گرا اور تڑپنے لگا۔ خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ زمین خون سے لالہ زار بن گئی۔

ولید وہ شخص تھا۔ جسے اپنی شان و عظمت پر غرہ تھا۔ طاقت و قوت پر گھمنڈ تھا۔ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی میں کوشش کرتا رہا تھا۔ گھر سے یہ تہیہ کر کے آیا تھا۔ کہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹا کر واپس لوٹوں گا۔ مگر اسے یہ علم نہ تھا۔ کہ خدائی طاقت اُسے

محصور کر کے قتل گاہ کیطرف کھینچے لیے جا رہی ہے۔

وہ مغرور سر جسمیں فخر و غرور بھرے ہوئے ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہونیکے لیئے کٹ کر زمین پر گرنے والا ہے:۔

سر کٹ کو گرا اور گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا گیا۔ بے سر لاشہ تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا۔ جو وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ میں مصروف تھے۔ اُسی وقت حمزہ رضؓ عتبہ پر حملہ کر رہے تھے۔ عتبہ بھی نہایت بہادر اور مشہور جنگجو تھا۔ اُس نے بڑے جوش اور پوری قوت سے حضرت حمزہ رضؓ پر حملہ کیا:۔

حضرت حمزہ رضؓ نے نہایت صبر اور پورے استقلال سے اسکا حملہ روکا اور جب وہ دوسرے حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ تو حضرت حمزہ رضؓ نے بڑھکر تلوار سے حملہ کیا۔

عتبہ اس حملہ کی مدافعت کے لیئے تیار نہ تھا۔ تلوار اسکی گردن پر پڑی اور شہ رگ کاٹتی ہوا کی طرح داہنی طرف سے بائیں طرف نکل گئی۔ سر کٹ کر دور جا گرا۔ دھڑ نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ خون بہہ بہکر سفید ریگ زار کو سرخ کرنے لگا۔

شیبہ نے عبیدہ پر حملہ کیا تھا۔ شیبہ بڑا بہادر اور آزمودہ کار تھا۔ اُس نے پوری قوت سے حملہ کیا عبیدہ نے ڈھال پر اس کا وار روکا۔ شیبہ کی برق دم تلوار نے ڈھال کو کاٹ ڈالا۔ عبیدہ پیچھے ہٹے۔ شیبہ نے بڑھکر ایک اور حملہ کیا۔ عبیدہ اس حملہ کو نہ روک سکے۔ تلوار بائیں جانب سے شانے کو کاٹتے ہوئے گردن کے ایک چوتھائی حصّہ تک تیرتی چلی گئی۔

عبیدہ زخمی ہو کر گرے شیبہ انھیں قتل کرنیکے لیئے گھوڑے سے کودا۔ حضرت علی رضؓ نے دیکھ لیا۔ انھوں نے اُسکی طرف لپکتے ہوئے ڈپٹ کر کہا۔ خبردار شیبہ آپہنچا ہے۔

شیبہ فوراً زخمی شیر کیطرح گرج کر حضرت علی کرم کیطرف پلٹا اور پلٹتے ہی اُس نے ایک پر زور حملہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا حملہ روک کر خود بھی حملہ۔ شیبہ

ذوالفقار کی بجلی جیسی چمک دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس کی آنکھیں جھپک گئیں ابھی آنکھیں اچھی طرح کھلنے بھی نہ پائی تھیں۔ کہ تلوار اسکی گردن پر پڑی اور سر کٹ کر دور جا گرا۔

کفار کے تین بہادر اور شیر دل جنگجو کمزور اور نحیف مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ ان کے مارے جانے سے کفار کو بیحد رنج والم لاحق ہوا۔ اور مسلمانوں کو فرحت و مسرت حاصل ہوئی۔

عبیدہ شدید طور پر زخمی ہو گئے تھے۔ زخم سے خون کثرت سے بہہ رہا تھا۔ وہ اس قدر نحیف و نڈھال ہو چکے تھے۔ کہ اُٹھنا اور اٹھ کر چلنا ناممکن ہو گیا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں گود میں اٹھایا اور چلے اور آنحضورؐ کے روبرو انہیں جا لٹایا۔ آنحضرت نے اسلام کے اس فدائی کو دیکھا۔ عبیدہؓ نے آنکھیں کھولیں حضورؐ کو دیکھا۔ اشارہ سے سلام کیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں ان پر نزاع کی حالت ہو گئی حضورؐ فوراً اسکے اوپر جھک گئے۔ آپ کی حالت سے عیاں تھا۔ کہ آپ کو عبیدہ کی وجہ سے بے کلی اور اضطراب ہے آپ نے کہا اے اسلام کے فدائی منزل آخرت کے مسافر!! الوداع۔

لوگ سمجھ گئے کہ عبیدہ کا آخری وقت آپہنچا۔ عبیدہ نے پھر آنکھیں کھولیں پھر حضورؐ کو دیکھا مسکرائے کچھ کہنا چاہا۔ مگر موت نے کچھ کہنے نہ دیا۔ زبان بند ہو گئی ہچکی آئی اور مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر لیا۔

تمام مسلمانوں کو نہایت قلق ہوا۔ حضورؐ کے بشرے سے بھی غم کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ مسلمانو! مجھے اور خدا کو مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ کاش! کفار ہم پر لشکر کشی نہ کرتے۔ لیکن خدا کو اپنے نیک بندوں کی آزمائش منظور ہے۔ بہشت کا راستہ تلواروں کے سایہ میں سے ہے شہدا کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جنت کا پروانہ فقط شہدا کے لیئے ہے......

. . . . ابھی آنحضورؐ کی گفتگو پوری نہ ہوئی تھی۔ کہ کفار کے لشکر کو حرکت ہوئی۔ پیدلوں اور سواروں کے دستے بڑھے۔ حضورؐ نے عبداللہ کی لاش ایک طرف رکھوادی اور مسلمانوں کو بھی بڑھنے کا اشارہ کیا۔

مسلمان جوش میں آکر بڑھے۔ اللہ اکبر کے پرزور نعروں کے ساتھ بڑھے کفار بھی بڑے جوش و خروش سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا تلواریں میانوں سے کھینچ لی گئیں۔ صاف و شفاف تلواریں جگمگائیں۔ بجلی کی طرح کوندیں اور انسانی ہستیوں کو خاک بسر کر ڈالنے کیلئے انسانوں پر جھکیں۔ جنگ عمومی شروع ہو گئی۔ کفار مسلمانوں میں اور مسلمان کفار میں گھس گئے۔

مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ سر فروش کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ چونکہ مسلمان تھوڑے بہت ہی تھوڑے۔ صرف تہائی۔ پھر پورے طور پر مسلح بھی نہ تھے۔ کفار بہت زیادہ تھے۔ ہر طرح سے مسلح تھے۔ انھیں زعم تھا۔ یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ مگر جب مقابلہ ہوا مسلمانوں سے سابقہ پڑا جنگ کی آگ مشتعل ہو گئی تو مسلمانوں کے جوش و قوت اور اسلوب جنگ کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ مسلمان تر نوالہ نہیں ہیں۔

ابوجہل۔ حنظلہ۔ عاصی۔ حرث۔ طعیمہ۔ زمعہ۔ عقیل۔ ابوالبختری نوفل اور سائب وغیرہ سب نہایت بہادر اور پختہ کار جنگجو تھے۔ کمال جوش اور بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی ان کے ہم مذہب اشرار کفار بھی پوری جوانمردی سے مصروف جنگ تھے۔

مسلمان اس جوش و خروش۔ بے باکی۔ بے خوفی۔ اور دلیری سے لڑ رہے تھے ۔۔۔ نے آج تک کسی کو اس طرح لڑتے نہ دیکھا تھا۔ خصوصاً حضرت صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت حمزہؓ کمال جانبازی سے

جنگ کر رہے تھے۔ اُن کی تیغیں و شمشیریں تلواریں بجلی کیطرح کوند رہی تھیں۔ جسکے سر پر اُن میں سے کسی کی تلوار پڑتی تھی۔ اُسے بغیر کاٹے نہ چھوڑتی تھی۔ وہ جس پر جھپٹ کر حملہ کرتے تھے۔ موت اُسے اپنی آغوش میں لے لیتی تھی۔

جب کہ جنگ کی آگ زور شور سے مشتعل تھی۔ اور جانباز مجاہد جوش و غضب سے حملے کر رہے تھے۔ آنحضور ایک طرف کھڑے میدان جنگ کا نظارہ فرما رہے تھے حضورؐ دیکھ رہے تھے۔ کہ مسلمان کم ہیں اور دشمن زیادہ ہیں۔

دشمنوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا ہے آپؐ خدا کی امداد کا انتظار کر رہے تھے اور ہمہ تن نظارہ جنگ میں محو تھے۔ کہ دو آدمیوں نے آکر سلام کیا۔

آپؐ نے ان کی طرف دیکھا۔ ایک ان میں حذیفہ اور دوسرے ابو جبل تھے یہ دونوں مکہ کے رہنے والے تھے۔ حضورؐ نے سلام کا جواب دیکر دریافت کیا کہ تم دونوں کب اور کیسے آئے،،

حذیفہ نے جواب دیا۔ حضورؐ ہم چھپ کر مکہ سے نکلے اور مدینہ کیطرف چلدیئے راستہ میں کفار نے ہمیں روکا اور واپس مکہ جانے پر زور دیا۔ ہم نے جب کہا کہ ہم لڑائی میں شرکت کیلئے نہیں جا رہے ہیں۔ تب انھوں نے اجازت دی۔ لہذا اب ہم حاضر ہوئے ہیں ہمیں بھی جنگ کی اجازت دیجئے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ حذیفہ! تم کفار سے عہد کر چکے ہو کہ لڑائی میں شریک نہ ہوگے۔ اس عہد کو نبھانا چاہیئے۔ اسلام اور مسلمانوں کی شان یہی ہے کہ اپنا عہد پورا کیا جائے۔ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کو امداد کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ کہ تم بدعہدی کرو۔ تم دونوں یہاں سے ہٹ کر دور کھڑے ہو جاؤ حذیفہ نے کہا۔ حضورؐ! کوئی قوم کسی زمانہ میں بھی جنگ کے وقت کسی عہد کی پابندی نہیں کرتی لہذا ہم بھی کیوں کریں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ خدا نے مسلمانوں کو وفائے عہد کا حکم دیا ہے۔ مسلمانوں پر اس حکم کی پابندی لازمی ہے۔ جو اقوام خدا کے وجود سے منکر ہیں۔ وہی سزا وار عہد شکنی کی مرتکب ہوتی ہیں۔

حذیفہ خاموش ہو گئے وہ اور ابو حل دونوں وہاں سے فاصلہ پر جا کھڑے ہوئے اس وقت جنگ پورے زور شور سے ہو رہی تھی۔ تلواروں کی جھنکار۔ قومی نعروں کی آواز اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے تمام میدان گونج رہا تھا۔ چونکہ رات بارش ہوئی تھی اس لیئے ریت نمناک ہو رہا تھا۔

سرفروش دوڑ دوڑ کر جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ تلواریں جلد جلد بلند ہو رہی تھیں چونکہ وہ خون میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس لیئے خون کے چھینٹے اڑا رہی تھیں

جب کہ ہنگامہ کارزار گرم تھا۔ آنحضرت نے باواز بلند کہا۔ مسلمانو۔ انشاءاللہ تم فتحیاب ہو گے۔ دیکھو۔ آل ہاشم اور ابو البختری کو قتل نہ کرنا۔ آل ہاشم تو اپنی خوشی سے نہیں آئے۔ مجبور کر کے لائے گئے ہیں۔ اور ابو البختری نے تنسیخ عہد نامہ کی کوشش کی تھی۔ مسلمانوں پر اس کا یہ احسان ہے۔

جو مسلمان قریب تھے۔ انھوں نے آپؐ کا یہ حکم سنا اور جو دور تھے ان تک مسلمانوں نے یہ حکم پہنچا دیا۔

اتفاق سے محذر بن زیادہ کے مقابلہ میں ابو البختری آگیا۔ محذرؓ نے کہا ابو البختری میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ہم کو تم سے لڑنے کا حکم نہیں ہے"

ابو البختری نے کہا۔ محذرؓ تم مجھ سے خوف کھاتے ہو۔ بہادر ہو تو مقابلہ میں آؤ۔ محذرؓ کو بڑا غصہ آیا۔ مگر نافرمانی کے خیال سے انھوں نے ضبط کیا اور کہا ابو البختری! مسلمان سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈر سکتا۔ اگر ہمیں تم سے لڑنے کا حکم ہوتا۔ تو میری تلوار تمہارے سر پر پڑتی،۔۔

یہ کہہ کر محذرؓ ایک اور کافر کی طرف متوجہ ہوئے انھوں نے تلوار اٹھا کر اس پر حملہ کیا کافر نے ڈھال سامنے کر دی۔ برق وش تلوار ڈھال کو کاٹ کر پیشانی پر پڑی۔ پیشانی کی پھانک کھل کر خون کی فوار بہنے لگی۔

ابوالبختری نے کیفیت دیکھ کر محذرؓ پر حملہ کیا۔ محذر تلوار بلند کر چکے تھے وہ اس کافر کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ جسکی پیشانی مجروح ہو گئی تھی۔ انہوں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ ابوالبختری بیچ میں آگیا۔ تلوار اُسکے سر پر پڑی سر کی پھانک کھل گئی۔ ابوالبختری مردہ ہو کر گرا محذرؓ کو اُسکے قتل ہونیسے بڑا افسوس ہوا۔

جسوقت ابوالبختری قتل ہوا ہے۔ ٹھیک اسی وقت اُمیہ اور اس کا بیٹا علی دونوں لڑائی سے تنگ آکر جان بچانیکے لیئے سراسیمہ پھر رہے تھے۔

حضرت بلالؓ نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔ وہ ان کیطرف جھپٹے۔ کئی اور مسلمان بھی اُن کے ساتھ لپکے۔ حضرت بلالؓ نے بلند آواز سے کہا:

اے طاغوت کی پرستش کرنیوالو ٹھہرو! آج تم ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتے اپنی امداد کیلئے آج اپنے ان معبودوں کو پکارو جنہیں تم پوجتے رہو۔

اُمیہ نے حضرت بلالؓ کو دیکھا۔ وہ گھبرایا اور خوف و دہشت سے اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا:۔

اُمیہ وہ شخص تھا۔ جس نے مسلمانوں پر عموماً اور حضرت بلالؓ پر خصوصاً انتہائی مظالم کیئے تھے۔ ایک زمانہ میں بلالؓ اُس کے غلام تھے۔ اُس نے ان کو رسی سے باندھ کر ڈلوایا تھا۔ گرم ریت پر لٹا کر بھاری پتھر سینہ پر رکھ کر طرح طرح کے مظالم کیئے تھے۔

وہ حضرت بلالؓ کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ آج وہ اس سے انتقام لیں گے۔ انتقام کے خوف نے اُسے اور اُسکے بیٹے کو متوحش و ہراساں بنا دیا۔

حضرت بلالؓ تلوارے کر بڑھے۔ ان کے ہمراہی مسلمان بھی تلواریں سونت سونت

کر لیکے۔ اُمیہ اور علیؓ نے بھی تلواریں کھینچ لیں۔ ایک نے دوسرے پر تلوار سے حملہ کیا۔
حضرت بلال رضؓ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ اُنکی بے پناہ تلوار اُمیہ کے سر پر پڑی۔ سر کے دو ٹکڑے کرکے حلق تک اتر گئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور مردہ ہو کر گرا اودھر ایک انصاری نے اسکے بیٹے علی کو قتل کر ڈالا۔ جس وقت ان دونوں کے لاشے زمین پر گرے۔ ٹھیک اسی وقت کچھ کفار گھوڑے دوڑاتے اسطرف سے گذرے اُمیہ کا کالا لاشہ ٹاپوں سے کچلا جاکر پارہ پارہ ہو گیا۔

جنگ اس وقت بھی نہایت شدومد سے ہو رہی تھی۔ کفار بڑھکر جنگ کر رہے تھے مسلمان بھی جوش وغضب میں بھرے ہوئے نہایت دلیری اور بے خوفی سے لڑ رہے تھے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ متخاصمین جی توڑ کر لڑ رہے تھے۔ موت کی چکی نہایت سرعت سے گھوم رہی تھی۔ ہر شخص غضب آلود ہو رہا تھا۔ چونکہ مسلمان تعداد میں تہائی تھے۔ پیدل لڑ رہے تھے۔ اس لئے کفار ہر حملہ میں انھیں پیس ڈالنا چاہتے تھے۔ ہر حملہ میں بجائے خود یہ سمجھ لیتے تھے۔ کہ مسلمان اب منہزم ولپسپا ہوئے اب قتل وگرفتار ہوئے۔ اب قریش کی فتح کا ڈنکا بجا۔

اس وقت تک کفار قریش ہی کا پلہ بھاری تھا۔ اگر مسلمان نہایت جوش پورے استقلال اور بڑی بے خوفی سے لڑ رہے تھے۔ لیکن برابر کا مقابلہ نہ ہونیکی وجہ سے وہ دبے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

جس وقت لڑائی بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ ایک صحابی عمیرہؓ بن الحمام انصاری کیخدمت میں آئے۔ وہ کھجوریں کھاتے آرہے تھے۔ انھوں نے آتے ہی حضورؐ سے دریافت کیا یا خاتم النبیین اگر میں کفار سے لڑتا ہوا مارا جاؤں تو کیا میں فوراً جنت میں چلا جاؤں
حضورؐ نے جواب دیا۔ ہاں۔۔۔۔۔۔ تم ہی کیا جو مسلمان لڑائی میں شہید ہوگا اُسے جنت ملیگی۔ یہ اللہ تعالٰے کا انعام جاری رہیگا۔

عمیرؓ نے اسیوقت بقیہ کھجوریں پھینک دیں۔ اور تلوار کھینچ کر دشمنوں پر جا پڑے۔ ایک تو وہ خلقی بہادر تھے۔ دوسرے شوق شہادت اور حصولِ جنت کی تمنا نے انہیں اور بہادر بنا دیا تھا۔ لہٰذا وہ لڑے اور اس جوش سے لڑے کہ دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ جو سامنے آگیا اُسی کو قتل کر ڈالا۔ حرث اور زمعہ دونوں کفار نہایت بہادر اور جنگجو سردار تھے۔ دونوں عمیرؓ کے سامنے آگئے۔ اور دونوں نے ایک ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔

عمیرؓ نہایت پھرتیلے اور آزمودہ کار تھے۔ انہوں نے پینترا بدل کر جلدی سے حرث پر حملہ کیا۔ تلوار حرث کی گردن کاٹ کر اٹھی۔ عمیرؓ جلدی سے کود کر پیچھے ہٹے۔ اور فوراً اچھل کر زمعہ پر جا ٹوٹے۔ ابھی زمعہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ تلوار اس کے سر پر پڑی۔ اور اس کے سر کے دو ٹکڑے کر کے حلق کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

کفارِ مکہ عمیرؓ کی یہ پھرتی اور اس قدر دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عمیرؓ نے ان دونوں کو قتل کر کے سامنے کی صف پر حملہ کر دیا۔ پہلے ہی حملہ میں سامنے والے کو اور پھر بائیں طرف والے کو قتل کر ڈالا۔

وہ اس پھرتی سے تلوار چلاتے تھے۔ کہ وہ اٹھتی تو معلوم ہوتی تھی۔ لیکن سروں پر پڑتی یا سروں اور حلقوم کو کاٹتی نظر نہ آتی تھی۔ وہ جس طرف حملہ کرتے تھے۔ ایک دو کو ضرور قتل کر ڈالتے تھے۔

وہ کچھ ایسے جوش و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے۔ کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے تھے۔ اتفاق سے وہ ایک کافر پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے پشت کی طرف سے تین آدمیوں نے ان پر ایک ساتھ تلواریں ماریں۔ ان کے پاس نہ زرہ تھی نہ خود۔ تینوں تلواریں ان کے سر پر پڑیں۔ سر کی قاشیں کھل گئیں۔ خون کی دھار بہنے لگی۔ وہ نڈھال ہو گئے۔ مگر اس حالت میں بھی پلٹ کر انہوں نے حملہ کیا۔ اور تین حملہ آوروں میں سے ایک کو مار گرایا۔ ساتھ ہی خود بھی گرے لیکن گرتے گرتے بھی ایک دوسرے کافر کو گرا کر اس کے سینہ پر چڑھ گئے۔ اور اس زور سے

اس کے حلقوم کو دانتوں سے کاٹا۔ کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

اب عمیرؓ میں اٹھنے کی بھی ہمت نہ رہی۔ ان پر حالت نزع طاری ہو گئی۔ اس حالت میں تیسرے کافر نے ان کے تلوار ماری۔ زخم کاری لگا۔ اور شوق شہادت کے تمنائی عروس اجل سے ہم کنار ہو کر جنت کی طرف راہی ہوئے۔

جنگ اس وقت بھی نہایت شور سے ہو رہی تھی۔ کفار مسلمانوں پر اور مسلمان کفار پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ تلواریں جلد جلد چل رہی تھیں۔ انسانی اعضا کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ دار و گیر صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مختلف آوازوں سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔

ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ متخاصمین کے پرچم ہوا میں لہرا رہے تھے۔ آفتاب کی شعاعیں جنگجو دلیروں اور ان کے ہتھیاروں پر پڑ پڑ کر چمک رہی تھیں۔

لڑائی انتہائی جوش و غضب اور پورے شدومد سے ہو رہی تھی۔ جنگ کے فدائی شہادت کے تمنائی بڑی سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ آلات جنگ کی جھنکار زخمیوں کی چیخ و پکار اور قومی نعروں کی آوازے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ فضا تھرا رہی تھی۔

خون آلودہ تلواریں ہر طرف بلند ہو ہو کر خون کے چھینٹے اڑا رہی تھیں۔ ابوجہل بڑے شوق سے لڑ رہا تھا۔ وہ خود اوڑھے ہوئے تھا۔ زرہ پہنے تھا۔ غرق آہن تھا۔ ایک ہاتھ میں ڈھال اور ایک میں تلوار لئے پورے جوش اور غضب کے جلال سے لڑ رہا تھا۔

وہ بہادر تھا۔ بہادر شخص کی اولاد تھا۔ بہادر قوم کا چشم و چراغ تھا۔ کمال بہادری سے لڑ رہا تھا۔ حضرت معاذؓ نے ابوجہل کو دیکھا۔ وہ بڑھ کر اس کے مقابلے میں آ گئے۔ ابوجہل نے معاذؓ پر حملہ کر دیا۔

ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔ معاذؓ پیدل تھے۔ وہ اچھل کر الگ جا کھڑے ہوئے۔ ابوجہل کا وار خالی گیا۔

چونکہ ابوجہل جوشیلا تھا۔ اس لئے اسے وار خالی جانے پر غصہ آیا۔ اس نے گھوڑا

بڑھا کر پھر حملہ کیا۔ معاذؓ نے اس کا وار ڈھال پر روکا۔ اور جلدی سے خود بھی حملہ کیا۔ ان کی برق وش تلوار بجلیاں گراتی بڑھی۔

ابوجہل نے برق دم تلوار سے بچنے کی کوشش کی لیکن نہ بچ سکا۔ تلوار اس کی پنڈلی پر پڑی۔ اور پنڈلی کو کاٹتی ہوئی گھوڑے کے پیٹ کو زخمی کر کے نکل گئی۔ پنڈلی کے کٹ جانے سے ابوجہل کے تمام بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اس کا چہرہ شدت درد سے زرد اور بھیانک ہو گیا۔ جسم کانپنے لگا۔ ادھر گھوڑا زخمی ہو کر الف ہو گیا۔ ابوجہل سے سنبھلا نہ جا سکا۔ وہ گھوڑے سے نیچے گرا۔ اس کے گرتے ہی معاذؓ نے خوش ہو کر بڑے جوش سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا۔

ابھی وہ اسی سرور و شادمانی میں غلطان تھے۔ کہ ان کے بائیں شانے پر تلوار پڑی۔ بازو کٹ کر لٹک گیا۔ انہیں ایسا معلوم ہوا۔ جیسے کہ اسے شانہ کے زخم نے جلا ڈالا ہو۔ انہوں نے پلٹ کر تلوار مارنے والے کو دیکھا۔ اس طرف ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تلوار تولے کھڑا نظر آیا۔ عکرمہ نے کہا۔ معاذ! میں نے تم سے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا۔

معاذؓ نے کہا۔ او بزدل مکار۔ انتقام اس طرح سے نہیں لیا جاتا۔ اگر تو بہادر ہوتا۔ تو سامنے آکر لڑتا۔ لیکن ...... بہادری تجھ سے چھو تک بھی نہیں گئی ہے۔ نامرد! تو نے بےخبری کے عالم میں مجھ پر حملہ کیا۔ لیکن کیا تو یہ سمجھتا ہے۔ کہ میں زخمی ہو کر تجھ سے انتقام نہ لے سکوں گا۔ یہ ناممکن ہے:

"انتقام لوں گا۔ اور ضرور لوں گا۔"

یہ کہتے ہی معاذؓ نے عکرمہ پر جھپٹ کر حملہ کیا۔ عکرمہ نے جلدی سے ڈھال سامنے کر دی۔ معاذؓ تو شدید طور پر زخمی ہو چکے تھے۔ ان کا بایاں ہاتھ شانہ کے قریب سے کٹ کر لٹک گیا تھا۔ مگر انہیں زخمی ہونے کا خیال نہ تھا۔ انہوں نے نہایت زور اور قوت سے عکرمہ پر حملہ کیا۔

عکرمہ نے ڈھال سامنے کر دی۔ تلوار ڈھال پر پڑی۔ ڈھال کو پھاڑتے ہوئے نکلی۔

گردن پر آکر رکی ۔ اور گردن میں گہرا زخم لگاتی اٹھی ۔ عکرمہ بدحواس ہو کر بھاگا ۔

جنگ اس وقت بھی نہایت شدومد اور شور سے ہو رہی تھی ۔ سرفروش جوش و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے ۔ خون آشام تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں

کفار مکہ مسلمانوں کو کچل ڈالنا چاہتے تھے ۔ وہ بڑھ بڑھ کر اور جوش و طیش سے بھر بھر کر حملے کر رہے تھے ۔ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں یا پیچھے ہٹا دیں مسلمان گویا گوشت و پوست کے نہ تھے ۔ بلکہ بڑے استقلال ! بڑے جوش اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے ۔ انکی خونخوار تلوار جبکے سر پر پڑتی سر و تن کا فیصلہ کیئے بغیر نہ اٹھتی : ۔

اس وقت آفتاب نصف النہار کو عبور کر گیا تھا ۔ آفتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا ۔ دہوپ میں غضب کی تمازت پیدا ہو گئی تھی ۔ سرفروش پسینہ میں نہا گئے تھے : ۔

آنحضورؐ میدان جنگ کے کنارہ پر کھڑے منظر رزم و بزم دیکھ رہے تھے ۔ آپکے چہرہ مبارک سے افسردگی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے : بجبینی ٹپکی پڑتی تھی آپؐ نے آسمان کیطرف دیکھ کر پرجلال آواز میں کہا ۔

خدایا ! تیری امداد کہاں ہے ؟ وہ مدد کہ جس کا تو نے وعدہ فرمایا تھا ۔ اے خدائے کارساز ! مسلمان تھک چکے ہیں ۔ اگر تو نے استمداد نہ کی تو عجیب نہیں کہ شکست کھا جائیں ! میرے معبود ! مسلمانوں کی جلد امداد کر ۔ مظلوموں ۔ بے کسوں ۔ کمزوروں کی خبر لے : ۔

ابھی حضورؐ یہ فرما ہی رہے تھے ۔ کہ شرق کیطرف سے بادل اُٹھا اور بدر کی پہاڑی پر چھا گیا ۔ کچھ کفار پہاڑی پر بیٹھے جنگ کا تماشہ دیکھ رہے تھے ۔ انھوں نے اپنے سر کے قریب سے بادل کو گزرتے دیکھا ۔

بادل آہستہ آہستہ گذر رہا تھا۔ اور میدان جنگ کیطرف بڑھ رہا تھا۔ بادل کے اندر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ تمام کفار حیران ہو کر بادلوں کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا۔ بڑھو اور جلدی آگے بڑھو۔

اس آواز نے کفار کے دلوں میں ہلچل ڈالدی وہ خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔ بے اختیار ان کی آنکھیں جھک گئیں۔ مگر ایک شخص بادل کیطرف دیکھتا رہا ہے اتفاقاً ایک جگہ سے بادل پھٹ گیا۔ اس شخص نے ایک سبز پوش سوار کو بہترین سبز رنگ کے گھوڑے پر سوار جاتے دیکھا۔

اس سبز پوش کو دیکھ کر اسکا دل لرزنے لگا۔ آنکھیں بھیانک طریقہ پر پھٹی کی پھٹی رہگئیں۔ چہرہ زرد ہو کر سیاہ پڑ گیا۔ اُس نے زور سے چیخ ماری اور دہم سے زمین پر گرا۔

اُسکے ہمراہی اسکی چیخ کی آواز سنکر چونکے اسکی طرف دوڑے اور اُسکے اوپر جاکر جھکے۔ جب انہوں نے اسے ٹٹول کر دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔

جنگ اس وقت بھی پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ خون آلودہ تلواریں جلد از جلد ہو ہو کر انسانوں کو کاٹ رہی تھیں۔ صدائے دار و گیر سے تمام میدان گونج رہا تھا۔ انسانی اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ جگہ جگہ خون چکدے پڑ پڑ کر جم گئے تھے۔

اب تک کفار مکہ بہت سے سردار اور سر برآوردہ لوگ مارے جا چکے تھے لیکن اُن کی جمعیت اب بھی زیادہ تھی۔ وہ اب بھی بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

مسلمان کفار کی صفوں میں گھسے ہوئے نہایت جانبازی سے جنگ کر رہے تھے چونکہ جنگ عمومی ہو رہی تھی۔ اس لیئے نہ صفیں قائم رہی تھیں اور نہ ترتیب و ضابطہ

باقی رہا تھا۔ جو مسلمان جہاں تھا۔ اسی جگہ دنیا و مافیہا سے بے خبر لڑائی میں مصروف تھا۔

حضرت عمر رض۔ حضرت علی کرم اللہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رض۔ حضرت حمزہ رض۔ معاذ رض (جن کا بایاں بازو کٹ کر لٹک گیا تھا۔) حضرت ابوایوب۔ حضرت سعد رض حضرت اسید رض سب نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ وہ جس پر حملہ کرتے اُسے قتل کیئے بغیر نہ چھوڑتے۔ جس طرف رخ کرتے لاشوں پر لاشے ڈالتے نکل جاتے

حضرت معاذ رض کا ہاتھ کٹ کر لٹک رہا تھا۔ صرف ایک تسمہ سے الجھا ہوا تھا ہاتھ کٹ جانے سے تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر انھیں تکلیف کی پرواہ تک بھی نہ تھی وہ برابر جنگ کر رہے تھے۔ بغیر ڈھال کے بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔

چونکہ لٹکا ہوا ہاتھ حملہ کرنے میں خارج تھا۔ اس لیئے انھوں نے اُسے پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے جھٹکا دیا۔ تسمہ ٹوٹ کر ہاتھ نیچے گر گیا۔

یہ معمولی بات نہ تھی۔ بڑی دلیری کا کام تھا۔ دیکھا یہ جاتا ہے۔ کہ جب کسی انسان کا کوئی عضو زخمی ہو جاتا ہے۔ تو شدت درد و کرب سے وہ انسان اس عضو کو نہ خود ہاتھ لگاتا ہے۔ اور کسی کو لگانے دیتا ہے۔ یہ بات صرف مسلمانوں ہی کو حاصل تھی۔ کہ وہ کسی زخم کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بڑے بڑے زخموں کو معمولی سمجھتے تھے تھے۔

اتفاق سے حضرت عمر رض۔ حضرت صدیق رض۔ حضرت علی رض تینوں مل گئے۔ تینوں نے مل کر حملہ کیا۔ نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ جو کافر سامنے آیا۔ اُسے قتل کر ڈالا کفار نے ان کا حملہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن وہ شیرانِ اسلام کے حملہ کو نہ روک سکے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

حضرت حمزہ رض اور حضرت بلال رض نے دوسری طرف سے حملہ کیا ان دونوں کا

حملہ بھی نہایت سخت تھا۔ انھوں نے بھی کفار کو پیچھے ہٹا دیا۔ قلب لشکر میں معاذ رض۔ سعد رض۔ اسید رض اور دوسرے سربرآوردہ لوگ تھے۔ انہوں نے بھی سنبھل کر حملہ کیا۔ کفار ان متواتر حملوں کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر بھاگے۔

اب تمام مسلمانوں نے بڑے جوش اور پوری قوت سے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگا کر حملہ کر دیا۔ کفار تمام محاذات سے میدان چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انھیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

کافروں نے میدانِ جنگ چھوڑ دیا۔ کچھ قتل ہو گئے اور اکثر گرفتار کر لیے گئے اور کچھ بھاگ گئے۔

یہ وہ حیرت انگیز پہلی جنگ تھی۔ جس میں مسلمانوں کو کامل فتح حاصل ہوئی اور کفار کو شکست فاش نصیب ہوئی۔

یہ وہ جنگ تھی جس میں مسلمان ایک تہائی کی تعداد میں تھے اور اس قدر بے سرو سامان تھے۔ کہ کوئی بھی پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح نہ تھا۔ زرہ بکتر تو ایک کے پاس نہ تھی۔

یورپ آج تک مسلمانوں کی اس فتحیابی پر حیرت کرتا ہے۔ صرف یورپ ہی نہیں۔ بلکہ دنیائے جہاں کے مورخ متحیر ہیں۔

مسلمان بھی اس فتح کو حیرت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی فتح خدائی امداد سے ہوئی۔ مادہ پرست یورپ اسکو کیا سمجھ سکتا ہے جب کفار ہزیمت خوردہ ہو کر بھاگ گئے۔ اور ان کی بڑی تعداد گرفتار ہو گئی۔ تو حضور سجدہ میں گر گئے۔ آپ نے کہا۔ اے رب العزۃ! تیرا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا! آج تو نے مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔ اسلام کا بول بالا کر دیا۔

میں اور تمام مسلمان تیرے شکر گزار ہیں۔

آنحضورؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ آپ کی منور پیشانی خاک آلود ہو گئی تھی۔ آپ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے میدان جنگ کی طرف دیکھا۔ مسلمان قیدی کفار کو جمع کر کے کشاں کشاں چلے آرہے تھے۔

اس وقت آپؐ کے پاس عبداللہ بن مسعود کھڑے تھے۔ آپؐ نے ان سے کہا۔ عبداللہ! میدان جنگ میں گھوم پھر کر دیکھو کہ ابوجہل کی لاش میدان میں موجود ہے یا نہیں:۔

عبداللہ سر اطاعت خم کر کے چلے۔ انھوں نے کفار کی لاشوں کا معائنہ کرنا شروع کیا۔ بڑی دیر کی کدو کاوش کے بعد ابوجہل نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا ملا اس کا تمام جسم خاک و خون میں لتھڑا ہوا تھا۔

عبداللہ نے بلند آواز سے کہا۔ اے دشمن خدا! تو نے دیکھا۔ کہ خدا نے تجھے کیسا ذلیل کیا،،

ابوجہل نے آنکھیں کھولیں۔ اُسکے لب خشک ہو رہے تھے۔ اُس نے نحیف آواز سے دریافت کیا۔ کیا مسلمانوں کو شکست ہوئی؟

عبداللہ نے جواب دیا۔ نہیں مسلمانوں کو ان کے خدا نے فتح دی ہے۔

ابوجہل کی آنکھوں سے حیرت اور استعجاب کا اظہار ہوا۔ اس نے کہا۔ کیا اہل مکہ کو شکست ہوئی۔ نہیں کبھی نہیں۔ یہ غیر ممکن ہے۔ ہماری تعداد زیادہ تھی۔ ہمارے سردار زیادہ تھے۔ ہمارے سوار زیادہ تھے۔ ہمارے زرہ پوش زیادہ تھے لہذا فتح ہماری ہوئی ہوگی۔

عبداللہ نے تلوار بلند کرتے ہوئے کہا۔ مردود ازلی! تیرے ہمراہیوں کو شکست فاش ہوئی ہے۔ لے سنبھل میں تجھے دوزخ میں بھیجتا ہوں۔ کافر خود سر! تو نے مسلمانوں

کو بے وجو تختہ مشق ستم بنایا ہے۔ دوزخ میں جاکر آگ کا ایندھن بننا۔
ابوجہل کا دل ڈوب گیا۔ موت اسکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ خشک لب خود خوف والم سے سکڑ گئے۔

عبداللہ نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ اسکی گردن دھڑ سے جدا ہوگئی۔ انھوں نے اس کا سر اٹھایا اور حضور صلعم کے سامنے لاکر رکھدیا۔

تمام مسلمان ابوجہل کا سر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ حضور نے فرمایا افسوس ابوجہل تو نہ خود چین سے رہا اور نہ مسلمانوں کو تونے چین سے رہنے دیا۔ اور مغرور ہستی آج تیرے کبر و نخوت کا خاتمہ ہوگیا۔ کاش تو مسلمان ہوجاتا۔ یا مسلمانوں سے بغض وحسد کا برتاؤ نہ کرتا۔

اس کے بعد حضور صلعم نے تمام شہداء کو ایک جگہ جمع فرمایا اور انھیں بڑے اعزاز کے ساتھ دفن کرادیا۔ کفار کی لاشوں کو بھی ایک بڑے گڑھے میں دبوادیا ان تمام کاموں سے فراغت کر کے لشکر اسلام مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔

نواں باب (۹)

غزوۂ سویق

گزشتہ باب میں جس حیرت ناک جنگ کے واقعات ہم نے بیان کیئے ہیں۔ وہ ۲ھ میں واقع ہوئی تھی۔ اِس جنگ میں اہل مکہ بڑے ساز و سامان بڑے حشم خدم۔ بڑے جاہ و جلال سے آئے تھے۔ انھیں مسلمانوں کی قلت اور بے سر او سامانی کا حال معلوم تھا۔

۔ وہ یہ سمجھ کر آئے تھے کہ مسلمانوں کو قتل کر کے اسلام کا خاتمہ کر دینگے۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کا حامی وہ خدا ہے جو پروردگار عالم ہے۔ جسکے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا:۔

چنانچہ جب جنگ ہوئی اور جنگ کا نتیجہ برامد ہوا تو کفار کا غرور ٹوٹ گیا۔ انھیں شکست ہوئی۔ نہایت ذلت آفریں شکست۔ ان کے بڑے بڑے نامور سردار۔ بڑے بڑے مغرور رئیس میدان جنگ میں کام آئے:۔

اس جنگ کی کچھ یہی حیرت انگیز بات نہیں۔ کہ مسلمانوں کی قلیل التعداد جماعت نے کثیر التعداد کفار کو شکست دے دی۔ بلکہ سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ مسلمان صرف چودہ شہید ہوئے اور کفار تین سو سے زیادہ مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار کر لیئے گئے اور جس قدر کفار قریش کا سامان تھا۔ تمام مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا۔

اسلامی لشکر مظفر و منصور ہو کر نوائے کامیابی اڑاتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف روانہ

ہوا۔ جب یہ لشکر مقام صفرا میں پہنچا تو آنحضورؐ نے تمام مال غنیمت مجاہدین اسلام میں بحصہ مساوی تقسیم کر دیا۔

نضر بن حارث قبیلہ بنو عبدالدار کا ایک متنفس۔ سرکش اور اسلام دشمن تھا۔ اُسے مسلمانوں سے عداوت بر تھا۔ اُس نے مسلمانوں پر بے حد سختیاں کی تھیں۔ مقام صفرا میں وہ حضورؐ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

یہ شخص قید تھا۔ اور قید کی حالت میں بھی حضورؐ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہتا تھا۔ عرب کا یہ جنگی قانون تھا۔ کہ جس قدر قیدی لڑائی میں ہاتھ آتے سب کے سب بے دریغ قتل کر دیئے جاتے۔

چنانچہ کفار اور مسلمانوں کا یہ عام خیال تھا کہ تمام قیدی قتل کر دیئے جائینگے۔ مگر آنحضورؐ نے ابھی ان کے قتل کا حکم نہ دیا تھا۔ بلکہ قیدیوں کے محافظوں کو ہدایت کر دی تھی کہ قیدیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دیں پہلے انھیں کھانا کھلا دیں۔ پانی پلا دیں۔ پھر خود کھاویں۔ یوں مسلمان حضورؐ کے اس حکم کی کماحقہ تعمیل کر رہے تھے۔

ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے پاس کسی قسم کا سامان بھی نہ تھا۔ نہ سامان حرب تھا۔ نہ رسد تھی۔ صرف جَو کا ستو اور کھجوریں کھانے کے لئے اور معمولی ہتھیار لڑنے کے لئے تھے لیکن اب کفار کی شکست نے انھیں ہتھیاروں گھوڑوں اور کسی قدر دوسرے سامانوں کا مالک بنا دیا تھا کچھ غلہ بھی ہاتھ آ گیا تھا۔ مگر وہ اس قدر نہ تھا۔ کہ تمام مسلمانوں کو تقسیم کر دیا جاتا۔ بہت تھوڑا تھا لہذا آنحضورؐ نے اُسے غرباء میں تقسیم کر دیا تھا۔

ابی الیسرہؓ ایک صحابی مدینہ کے رہنے والے انصاری تھے۔ وہ دس آدمیوں کے گروہ پر سردار تھے۔ ان کے سپرد ابو عزیز قیدی کو کیا گیا تھا۔ ابو عزیز رؤسائے قریش میں سے تھا۔ حضرت مصعبؓ کا بھائی تھا۔

یہ حضرت مصعبؓ وہی ہیں۔ جنھیں حضورؐ نے مکہ سے مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا تھا۔ اور جنکی سعی

جمیلہ سے مدینہ میں اسلام پھیلا تھا۔

حضرت مصعبؓ ابی لیسرہؓ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا بھائی ابی لیسرہ تم جانتے ہو جو قیدی تمہارے سپرد ہے وہ کون ہے؟

ابی لیسرہ نے کہا۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ مکہ کا باشندہ ہے"۔

حضرت مصعبؓ نے کہا۔ تم نہیں جانتے سنو۔ یہ ایک مالدار عورت کا بیٹا ہے۔ مگر بڑا چالاک ہے۔ اگر تم نے اسکی نگرانی میں ذرا بھی غفلت کی تو وہ فوراً بھاگ جائے گا۔

ابو عزیز نے اپنے حقیقی بھائی مصعبؓ کیطرف دیکھ کر کہا۔ بھائیصاحب کیا ایک حقیقی بھائی کے لیئے یہی مناسب ہے۔ جو آپ کر رہے ہیں۔ میں تو آپ کے آنے سے سمجھا تھا۔ کہ آپ میری رستگاری میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

حضرت مصعبؓ نے کہا۔ ابو عزیز۔ تو میرا بھائی نہیں ہے۔ اگر میرا بھائی ہوتا تو مسلمان ہو جاتا۔ میرا بھائی یہ ہے۔ جو تیری حفاظت کر رہا ہے"۔

ابو عزیز خاموش ہوگیا۔ لشکر اسلام نے مقام صفراء سے کوچ کیا۔ جب یہ لشکر مقام عرق انطبہ میں پہنچا۔ تو یہاں عقبہ بن ابی معیط کو جو سرکش کافر تھا قتل کیا گیا۔ یہ شخص بھی قید تھا۔ اور قید کی حالت میں دشنام طرازی سے باز نہ آتا تھا۔

لشکر اسلام مقام در مقام کوچ و قیام کرتا مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مدینہ میں مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست کی خبر پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔ مدینہ کے مسلمان اس فتح کی خبر کو سنکر نہایت مسرور ہوئے تھے۔ وہ بڑی بےصبری سے فاتح مسلمانوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ اور کافر و یہود نہایت مغموم اور متفکر نظر آنے لگے تھے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ روز آفرینش سے ہی اسلام شیطان صیرت انسانوں کی نظروں میں کھٹکتا رہا ہے۔ کفار نے ہر زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کے کلی استیصال کی جد و جہد کی۔ مگر اسلام کا استیصال نہ کبھی ہوا نہ مسلمان مٹے۔ بلکہ ہر ابتلار کے بعد اسلام ایک نئی آن بان

سے نمودار ہُوا۔

بالآخر وہ دن بھی آگیا جس دن فاتح مسلمان مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تمام مسلمانوں نے اس لشکر کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ تمام مدینہ مسرت و انبساط کی صداؤں سے گونج اٹھا ہر طرف سے نعرہائے مسرت سنائی دینے لگے۔

مدینہ کے در و دیوار سے سرور شادمانی جھلکنے لگی۔ مدینہ کے کافر اور نواح مدینہ کے یہودی مسلمانوں کو مسرور دیکھ کر بغض و حسد سے جل رہے تھے۔

مسلمان مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تو یہودی سخت ناخوش اور غمگین نظر آنے لگے۔ کفار مدینہ مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے۔ وجہ یہ تھی۔ کہ جنگی قیدیوں میں مکہ کے بڑے بڑے ذی عزت لوگ شامل تھے۔ مثلاً عباس بن عبد المطلب یعنی آنحضورؐ کے عم محترم۔ عقیل حضرت علی کرم اللہ کے بھائی۔ نوفل بن حارث۔ ابوالعاص آنحضورؐ کے داماد۔ ابوعزیز۔ سہیل بن عمرو۔ یہ سب لوگ روسائے مکہ سے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ذی عزت۔ ذیجاہ لوگ تھے۔

یہ سب کھجوروں کی رسیوں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کی حراست میں مدینہ کی گلیوں کو طے کر رہے تھے۔ خدا نے ان کو غرور توڑ دیا تھا۔ ان کا غرہ مٹ گیا تھا۔ آج وہ ذلیل قیدیوں اور بدترین غلاموں کے زمرہ میں شامل تھے۔ یہ نہایت عبرت ناک منظر تھا۔ اور لوگ اس سے عبرت حاصل کر رہے تھے۔

ان قیدیوں میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جنہوں نے مسلمانوں کو ستایا تھا۔ شعب ابوطالب میں تین سال تک قید رکھ کر انواع و اقسام کی لرزہ براندام اذیتیں دی تھیں۔ ہجرت کے وقت مہاجرین کا مال و اسباب لوٹ لیا تھا۔ بیوی اور بچے چھین لئے تھے۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ مسلمان جوش انتقام میں ان سب کو قتل کر ڈالتے مگر اسلام نے عربوں کی فطرت ہی بدل دی تھی۔ وہ ذاتی عناد کو فراموش کر چکے تھے۔ اب انکی دشمنی

صرف اللہ کے واسطے رہ گئی۔

آنحضورؐ نے قیدیوں کے محافظوں کو ان کے آرام کا خیال رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ تمام مسلمان قیدیوں کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ خود ستو پیتے۔ کھجوریں کھاتے اور روٹیاں پکاپکا کر قیدیوں کو کھلاتے۔

ابوعزیز جو حضرت معصبؓ کے بھائی تھے۔ بیان کرتے تھے۔ کہ ان کے محافظ خود کھجوریں کھاتے تھے اور انھیں روٹیاں پکا پکا کر دیتے تھے

۔ چند مرتبہ انھوں نے روٹیاں اپنے کسی محافظ کو دیں۔ اُس نے دوسرے کو دیں۔ دوسرے نے تیسرے کے حوالے کیں تیسرے نے چوتھے کے سپرد کر دیں۔ اور چوتھے نے پھر ابوعزیز ہی کو دے دیں۔ قیدی لوگ مسلمان کا یہ ایثار دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں پہنچکر قیام کیا۔ کفار مدینہ مسلمانوں کی فتح سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انھوں نے مسلمانوں کو چھیڑنا اور ان پر آوازے کسنا۔ پھبتیاں اڑانا بند کر دیا۔ نیز اکثر لوگ برضا درغبت خود مسلمان بھی ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی جو مسلمانوں اور حضرت محمدؐ کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ جو مدینہ کا متفقہ طور پر حکمران بنایا جانے والا۔ جسکے لیئے تاج زریں تیار کرالیا گیا تھا۔ جسکی شاہی مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے معرض التوا میں پڑ گئی تھی۔ جو مسلمانوں کی ترقی کو حسد اور خوف کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ مسلمانوں کے پاس آکر معہ تین سو آدمیوں کے مسلمان ہو گیا۔

وہی ایک ایسا شخص تھا۔ جسکی وجہ سے بہت سے لوگ رُکے ہوئے تھے۔ اُسکے مسلمان ہوتے ہی سینکڑوں اور آدمی بھی مسلمان ہو گئے۔

کچھ دنوں کے بعد آنحضورؐ نے مسجد نبوی میں مجلس شوریٰ منعقد کی۔ تمام مسلمان جمع ہوئے قیدی بھی بلائے گئے۔ سب لوگوں کے آنے پر حضورؐ نے فرمایا۔

مسلمانو! حمد و تعریف کے قابل وہی ذات پاک اسی کے ہاتھ میں ہے۔ فتح و شکست اسی کے اختیار ہے۔ تم نے دیکھا اور اچھی طرح سے دیکھا۔ کہ تم کفار کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے تہائی تھے۔ اور سامان حرب کے لحاظ سے تہائی تھے

مگر خدا نے تم کو فتح دی۔ مال غنیمت تمہارے ہاتھ لگا۔ قیدی تمہارے ہاتھ آئے۔ میں نے اس وقت اس لیئے تم کو بلایا ہے۔ کہ تم سب مل کر قیدیوں کے متعلق مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔

قیدی ایک طرف مغموم متفکر بیچارے بیٹھے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ عربوں کا آئین یہ ہے۔ کہ تمام جنگی قیدیوں کو بیدردی سے قتل کر دیا جائے۔ انھیں یقین تھا کہ وہ بھی قتل کیئے جائیں گے۔ قتل کے خوف نے انہیں لرزہ براندام کر رکھا تھا۔

حضرت حمزہ رضؓ نے فرمایا۔ جنگی قیدی غلاموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں غلاموں کیطرح یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے۔ اس سے مشرکوں پر مسلمانوں کا رعب پڑے گا۔ اور وہ آئندہ مسلمانوں سے برسر پیکار ہونے میں احتیاط رکھینگے۔

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا۔ میری تو یہ رائے ہے کہ ان قیدیوں میں جو قیدی جس مسلمان کا عزیز قریب ہے۔ وہی اسکو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالے۔ تاکہ مشرکوں اور کافروں کو معلوم ہو جائے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ اور اُسکے رسولؐ کی محبت قرابت و عزیزداری کے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں تمام رشتے ہیچ ہیں۔

حضرت صدیق رضؓ نے کہا۔ عربوں کا جنگی قانون تو یہی ہے۔ کہ تمام قیدی قتل کر ڈالے جائیں۔ مگر عفو و کرم بھی کوئی چیز ہے۔ ان قیدیوں کو رہا کر کے ہمیں لطف و مہربانی کی ایک نظیر قائم کرنی چاہیئے۔ اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کی محبت قائم ہو جائیگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ یہ قیدی وہ ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں پر اس قدر مظالم کیئے ہیں۔ کہ دنیا میں ان کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ ایسے شقی القلب اور ظالموں

کو رہا کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ انھیں قتل کر ڈالنا ہی چاہیئے۔

حضرت مصعب رضؓ نے کہا۔ غور کیجیے اور سوچیئے کہ اگر خدانخواستہ مسلمان ان کفار کے ہاتھوں میں قید ہو جاتے تو کیا وہ بغیر قتل کیئے چھوڑ تے۔ بخدا ایک ایک کو قتل کر ڈالتے۔ لہٰذا ہمیں بھی انھیں قتل کر ڈالنا چاہیئے۔

حضرت صدیق رضؓ نے کہا۔ یہ تو امر واقعہ ہے کہ جو مسلمان کسی کافر کے ہاتھ میں قید ہو جاتا۔ وہ فوراً اُسے قتل کر ڈالتا۔ لیکن وہ بغیض کافر و مشرک ظالم ہیں بے رحم ہیں۔ جلاد ہیں۔ ہمیں اُن جیسا نہ بننا چاہیئے۔ مسلمانوں کی شان یہی ہے کہ وہ عفو و کرم کریں۔ ورنہ پھر ان میں اور ہم میں فرق ہی رہے گا۔

حضرت عمر رضؓ نے کہا۔ یا اخی۔ کیا تم بھول گئے کہ تم پر اور تمام مسلمانوں پر ان قیدیوں نے کس قدر سختیاں کی ہیں۔ کس قدر مظالم کیئے ہیں۔ تم اپنی رحمدلی سے عفو و کرم کی تلقین کر رہے ہو۔ مگر ...... مناسب یہی ہے۔ کہ اب سب کو قتل کر ڈالا جائے۔

حضرت صدیق رضؓ نے کہا۔ میری رائے قتل کرنے کی نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو یہی مناسب ہے کہ ان قیدیوں سے حسب استطاعت زر فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ اس زر فدیہ سے مسلمان اپنی حالت درست کر سکیں گے

آنحضورؐ خاموش بیٹھے موافق و مخالفت آرائن رہے تھے۔ جب گفتگو نے طول کھینچا تو حضورؐ نے فرمایا۔

مسلمانو یہ صحیح ہے کہ ان مشرک قیدیوں نے مسلمانوں پر وحشیانہ اور سنگدلانہ مظالم کیئے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ اگر یہ ہم میں سے کسی کو گرفتار کر لیتے تو بغیر قتل کیئے نہ چھوڑتے۔ مگر ہمیں ان کی تقلید نہ کرنا چاہیئے۔ اگر ہم بھی وہی کریں۔ جو انھوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ تو پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا رہا۔ لطف و کرم اور عفو و مہربانی اچھی چیزیں ہیں اور یہ مسلمان ہی کیلئے ہیں۔

ایک مسلمان کی یہ شان ہونی چاہیے کہ وہ جب میدان جنگ میں نکلے تو خونخوار شیر بنکر نکلے. مر جائے. مگر جنگ میں جو قدم بڑھے اُسے پیچھے نہ ہٹائے. لیکن جب فتحیاب ہو جائے. تو دشمنوں سے نرمی اور مہربانی کا سلوک کرے. میں بھی قیدیوں پر لطف و مہربانی کو پسند کرتا ہوں. میری بھی یہی رائے ہے کہ ان قیدیوں سے زرفدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے

جب آنحضورؐ نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا. تو کسی کو چون و چرا کرنے کی گنجائش نہ رہی سب نے آپ کی رائے کا اظہار کر دیا.

آپؐ نے تمام قیدیوں کی فہرست تیار کرائی. اور جو قیدی جس حیثیت کا تھا. اس پر اسی زرفدیہ قائم کر دیا. مثلاً عباس پر جو آپ کے عم محترم تھے. چار ہزار درہم. ابوعزیز. جو حضرت مصعبؓ کے بھائی تھے. تین ہزار درہم. سائب پر دو ہزار درہم عائد کیئے گئے. اسی طرح سے ہر ایک قیدی پر ایک ہزار درہم سے لیکر چار ہزار درہم تک عائد کر دیئے گئے چنانچہ قیدیوں نے اس فدیہ کو منظور کر کے مکہ قاصد روانہ کیا. تاکہ وہ سب کا زرفدیہ لے آئے.

بہت سے قیدی ایسے بھی تھے جو نادار تھے. اور وہ زرفدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے. انھیں بلا کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا گیا. البتہ ان میں سے چند لوگ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے. روک لیئے گئے اور ان سے کہا گیا. کہ وہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور رہا ہو جائیں

چنانچہ انھوں نے مسلم بچوں کو تعلیم دینا شروع کی. ان تمام معاملات کے طے ہوتے ہی مجلس شوریٰ برخاست کر دی گئی. اور مسلمان اپنے اپنے کام میں لگ گئے.

ایک روز ماہ ذی الحجہ ۲ھ کی چوتھی تاریخ کو آنحضور صلعم مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے. بہت سے صحابی حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے. کہ چند مسلمان لپکے ہوئے آئے اور آپکے پاس آکر بولے.

یا رسول اللہ. کم بخت ابوسفیان جنگ بدر کا انتقام لینے کے لیئے حملہ آور ہوا ہے

اس کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے۔

حضورؐ نے کہا۔ اچھا تم شہر میں منادی کر دو کہ قریش مکہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ از روئے عہد نامہ مسلمان۔ کفار۔ یہودی تمام اُنکے مقابلہ کیلئے نکلیں

فوراً وہ لوگ واپس لوٹ گئے اور شہر میں منادی کرنے لگے۔ مسلمان جہاں کہیں تھے منادی کی آواز سن سنکر دوڑ دوڑ کر آنے لگے۔ مگر کافر اور یہودی ایک بھی نہ آیا۔ حالانکہ جو عہد نامہ انھوں نے لکھا تھا۔ اس میں یہ شرط تھی۔ کہ جب کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو تینوں اقوام متفقہ طور پر مقابلہ کریں گی۔ دراصل کفار اور یہود در پردہ مسلمانوں کے دشمن تھے چاہتے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمان مٹ جائیں۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں سینکڑوں مسلمان مسجد نبوی کے سامنے جمع ہو گئے۔ حضورؐ بھی ان میں آملے۔ آپ کفار اور یہود کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن جب عرصہ گزر گیا اور ان میں سے کوئی نہ آیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور یہود نقض عہد کرنا چاہتے ہیں۔ خیر کچھ پرواہ نہیں۔ وہ اگر بدعہدی کرتے ہیں۔ تو کرنے دو۔ مسلمانو! تم ابوسفیان کے مقابلہ کے لئے چلو

تمام مسلمان نہایت جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ حضورؐ کا حکم سنتے ہی روانہ ہوئے۔ مدینہ کی گلیوں کو طے کر کے باہر نکلے۔ کفار اور یہودی اپنے مکانات کی چھتوں پر کھڑے ہوئے مسلمانوں کی روانگی کا منظر دیکھنے لگے۔

مسلمان مدینہ سے نکل کر کھجوروں کے باغوں کی طرف چلے ابھی شیرانِ اسلام نے تھوڑا ہی سا فاصلہ طے کیا تھا۔ کہ چند مسلمان باغوں کی طرف سے آتے ہوئے ملے انھوں نے آنحضور صلعم کے سامنے آکر کہا۔

یا رسول اللہ! سفاک ابوسفیان نے حضرت سعید بن عمرو انصاری اور

اُن کے ایک ساتھی کو کھیتوں میں کام کرتے ہوئے قتل کر ڈالا۔

حضورؐ کو مسلمانوں سے بے حد محبت تھی۔ جب کسی مسلمان کے بیمار ہونے یا اور کوئی تکلیف ہو جانے کی خبر سنتے تو بے چین ہو جاتے

اس کی عیادت کو جاتے۔ تیمار داری کرتے۔ جو مسلمان شہید ہو جاتا۔ آپؐ کو افسوس ہوتا۔

چنانچہ حضرت سعیدؓ اور ان کے ہمراہی کے قتل ہونے کی خبر سنکر آپؐ کو بڑا ملال ہوا۔ آپؐ نے دریافت کیا۔ سنگدل ابوسفیان اور اس کا لشکر کہاں ہے۔

ایک شخص نے جواب دیا۔ حضورؐ وہ اسلامی لشکر کی آمد کا حال سن کر مکہ کیطرف بھاگ گیا۔

حضورؐ نے چند مسلمان کو ہدایت کی کہ وہ حضرت سعیدؓ اور اُن کے ہمراہی ساتھی کو دفن کر دیں اور لشکر کو تیزی سے چلنے کا حکم دیا۔

مسلمان جوش و طیش سے بھر کر تیزی سے روانہ ہوئے۔ جب وہ کھجوروں کے باغوں کو طے کر چکے تو انھیں ستو کے تھیلے پڑے ہوئے ملے

یہ تھیلے ابوسفیان لشکر کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے پھینکتا چلا گیا تھا۔ راستہ میں دور تک تھیلے پڑے ہوئے تھے۔ مسلمان ان تھیلوں کو اٹھاتے چلے گئے۔

انہوں نے کدرا کے مقام تک کفار کا تعاقب کیا۔ یہاں پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ ابوسفیان دور نکل گیا ہے۔ اس کا ہاتھ آنا دشوار ہے۔ لہذا حضورؐ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ اور بغیر کسی خونریزی کے وہ مدینہ میں واپس لوٹ آئے

چونکہ مسلمانوں کو اس مہم میں ستو کے تھیلے ہاتھ آئے تھے۔ اور عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ غزوہ سویق کے نام سے مشہور ہوا۔ نیز تاریخوں میں بھی اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دسواں باب

(ایک اور جنگ)

عتبہ جنگِ بدر میں حضرت حمزہ کے ہاتھوں سے قتل ہو گیا تھا۔ عتبہ کی بیٹی ہندہ مکہ میں تھی۔ اسکی شادی ابوسفیان سے ہوئی تھی۔ جب اُس نے اپنے باپ کے قتل ہونیکی خبر سنی تو کمال سوگوار اور رنجیدہ خاطر ہوئی۔ اُس نے اپنے شوہر کو انتقام پر اُبھارا۔ چنانچہ ابوسفیان دو سو شتر سواروں کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے چلا۔ لیکن مسلمانوں کے آنے کی خبر سُنکر ستو کے تھیلے گراتا ہوا بھاگ آیا۔ مسلمانوں نے کدر کے مقام تک اس کا تعاقب کیا۔ جب دیکھا کہ وہ دُور نکل گیا ہے۔ تو واپس لوٹ کر مدینہ میں پہنچیں گئے۔

اگرچہ اس واقعہ میں جنگ کی نوبت نہ آئی۔ لیکن مکہ والوں کے بھاگنے اور مسلمانوں کے تعاقب کرنے سے کفار مدینہ اور یہودیوں کو بڑا رنج وحسد ہُوا۔

چنانچہ یہودیوں نے کہنا شروع کیا کہ مکہ کے لوگ بزدل ہیں۔ وہ مسلمانوں سے ڈر جاتے ہیں۔ اگر کبھی مسلمانوں کو یہودیوں سے لڑنا پڑ گیا۔ تو دنیا دیکھ لیگی۔ کہ یہودی کس قدر بہادر ہیں اور وہ کس طرح مسلمانوں کو زیر کرتے ہیں۔

یہود سود خوار تھے۔ مالدار تھے۔ تمام مدینہ کے عرب ان کے مقروض تھے ہر قلعہ میں ان کا کافی لشکر تھا۔ اس لیئے انھیں زعم تھا۔ چونکہ مسلمانوں کو دن دُونی اور

رات چوگنی ترقی ہورہی تھی۔ اس لیئے وہ سمجھنے لگے تھے۔ کہ مستقبل میں ان کے لیئے عظیم خطرہ کا باعث ہوجائیں گے۔ اس لیئے وہ چاہتے تھے۔ کہ مسلمانوں کو مٹا ڈالیں۔ اور جو خطرہ انکے اعزاز وجاہ میں حائل ہونے والا ہے اسے مٹادیں۔

چونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ اسلام کی ترقی آنحضورؐ کے باعث ہورہی ہے حضورؐ کا اقتدار روز افزوں بڑھتا جاتا ہے۔ اس لیئے انھوں نے آنحضرت صلعم کی قبولیت اور اثر مٹانے کے لیئے دشنام طرازی شروع کی۔ جب حضورؐ کے پاس آتے ہتک آمیز بیہودہ کلمات کہتے۔ زبان کو توڑ مروڑ کر ایسے الفاظ کہتے جسکے معنی بدل جاتے۔ مثلاً۔ السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) کے بجائے رعون (احمق) ہے۔ کہتے۔ وہ صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے تھے۔ بلکہ خفیہ جلسے کرتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور مٹانیکے منصوبے باندھ کرتے"

آنحضورؐ صلعم انھیں سمجھاتے تھے۔ وعظ وتلقین کرتے تھے۔ لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ گستاخانہ سرکشی میں بے باک ہوتے چلے جارہے تھے ایک مرتبہ حضورؐ ان کے اس مجمع خاص میں پہنچے جو مسلمانوں کیخلاف کوششیں کرنیکے لیئے منعقد کیا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یا بنی اسرائیل! مجھے افسوس ہے۔ کہ تم اہل کتاب ہو تمہاری کتابوں میں میرے نبی ہونیکی پیشین گوئیاں درج ہیں۔ اور تم میری نبوت کی تصدیق نہیں کرتے۔ مجھے جھٹلاتے ہو۔ اسلام سے دشمنی تم پر عذاب الٰہی نازل نہ کردے۔ جو انجام ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کا ہوا ہے۔ کہیں وہی انجام تمہارا بھی نہ ہو۔

یہودی آپؐ کی باتیں سن کر ہنس پڑے۔ ایک شخص نے کہا آپؐ اپنے خدا سے کہیں کہ وہ ہم پر اپنا قہر وغضب کی جلدی آرزو نہ کرو۔ جب اس کا عذاب نازل ہوگا۔ تو پھر تم کو کہیں پناہ نہ ملے گی"۔

ایک دوسرے یہودی نے کہا۔ اطمینان رکھو! ہم تمہارے پاس تمہارے خدا کے عذاب سے بچنے کے لیے التجا کرنے نہ آئیں گے۔

حضورؐ نے فرمایا! لیکن بے کار فساد کرنے میں کیا رکھا ہے۔ فضول جنگ مول لینے سے کیا فائدہ ہے۔ خود بھی آرام اور اطمینان سے رہو۔ اور مسلمانوں کو بھی آرام و اطمینان سے رہنے دو۔

ایک بڈھے یہودی نے کہا۔ ہمارا اطمینان اور آرام تم نے اور تمہاری قوم نے کھو دیا۔ ہم کیسے دیکھیں کہ تمہاری قوم ترقی کرے۔ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ یا تو تم مدینہ سے نکل جاؤ۔ یا ہماری اطاعت قبول کرو۔

آنحضورؐ صلعم نے کہا۔ دیکھو تم ہمارے ساتھ معاہدہ کر چکے ہو۔ عہد نامہ کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اسی بڈھے نے کہا۔ عہد نامہ کوئی چیز نہیں۔ ہم تمہارے اور تمہاری قوم کیخلاف ہیں اور جب تک تم یہاں رہو گے۔ ہماری دشمنی ترقی کرتی رہے گی۔

حضورؐ نے ہر چند انھیں سمجھایا۔ لیکن وہ نہ سمجھے۔ بلکہ نہایت گستاخانہ گفتگو کرتے رہے۔ مجبوراً حضورؐ واپس آئے۔

چونکہ حضورؐ نہ چاہتے تھے۔ کہ مدینہ میں خوں کی ندیاں بہیں۔ جنگ و پیکار کی آگ مشتعل ہو۔ امن و امان خاک میں مل جائے۔ اس لیئے آپؐ نے مسلمانوں کو محتاط رہنے اور یہودیوں سے احتراز کرنے کی ہدایت کر دی۔ مگر یہودی گویا کہ جنگ کے بھوکے تھے۔ وہ مسلمانوں کو چھیڑتے تھے۔ لڑائی پر تلے پھرتے تھے۔ مسلمان آنحضورؐ صلعم کے حکم کیوجہ سے درگذر کرتے رہتے تھے:۔

ایک روز بنی قینقاع کی بستی میں بازار لگا ہوا تھا۔ دوکانیں سج رہی تھیں۔ خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ مرد عورتیں۔ بچے بازار کی سیر کرتے

پھر رہے تھے۔ جس زمانہ کا حال ہم قلم بند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں پردہ کا حکم نہیں ہوا تھا۔ عورتیں بے نقاب بازاروں اور محلوں میں گھومتی پھرا کرتی تھیں:۔

ایک انصار کی نوجوان عورت دودھ بیچنے کے لیے گئی۔ دودھ فروخت کر کے وہ ایک یہودی سُنار کی دکان پر کچھ خریدنے کھڑی ہوگئی۔ عورت شکیل تھی۔ یہودی نے اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ نوجوان حسینہ نے ایک چیز پسند کر کے اسکی قیمت دریافت کی:۔

یہودی سنار نے کہا۔ اے رشک قمر! اگرچہ یہ چیز تم کو پسند ہے۔ تو تمہاری نذر ہے یہ میری طرف سے تحفہ قبول کرو۔

نوجوان حسینہ کو اسکی گفتگو ناگوار گذری۔ اُس نے کہا۔ تحفہ عزیزوں یا دوستوں کو دیا جاتا ہے۔ میں تمہاری نہ عزیز ہوں۔ نہ دوست۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سُنار نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ۔ ۔ تم اے رشک مہ خوبی تم نے میرے جذبات میں ہلچل ڈالدی ہے تمہارے بیتظیر حسن نے میرا متاع صبر لوٹ لیا ہے۔ تمہارے خدنگ نظر نے میرے دل کو زخمی کر دیا ہے۔ میں تمہاری نگاہ لطف کا امیدوار ہوں یہ چیز کیا میں اپنا تمام اندوختہ تمہاری نذر کرنے کے لیئے تیار ہوں۔

نوجوان حسینہ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی۔ یہودی نے لپک کر اس کا آنچل پکڑ کر کہا۔ اے حسن و خوبصورتی کی تصویر! میرا دل چرا کر میرے سینہ پر خنجر ابرو سے چرکہ لگا کر کہاں جا رہی ہو"؟

نوجوان حسینہ نے بگڑ کر کہا۔ دیکھو! میرا آنچل چھوڑ دو

یہودی نے کہا۔ چھوڑ دوں گا۔ اگر تم مجھے میرا دل واپس کر دو۔

ایک گرجتی ہوئی آواز آئی۔ بدبخت شخص ہٹ جا

یہودی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک انصاری طیش و غضب میں بھرے ہوئے کھڑے نظر آئے۔ انھوں نے کہا۔ عورتوں کو چھیڑنا شرافت سے بعید ہے۔ یہ کمینے لوگوں کا

کام ہے،،

یہودی نے کہا۔ اس خوبصورت عورت نے میری چیزیں چرائی ہیں۔ میں اُسے نہیں چھوڑ سکتا:۔

عورت نے کہا۔ یہ جھوٹ بولتا ہے،،

اس عرصہ میں بہت سے یہودی جمع ہو گئے۔ انصاری نے کہا۔ بتاؤ اس نے کیا چرایا ہے؟

ایک یہودی نے انصاری پر تلوار سے حملہ کرتے ہوئے کہا۔ تمہاری یہ جرات کہ تم ہمارے محلہ میں۔ ہماری بستی اور بازار میں آکر ہماری قوم کے افراد کو دھمکا رہے ہو؟

انصاری نے بھی جلدی سے تلوار کھینچ لی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ تلوار بلند کرتے یہودی کی تلوار اُن کے سر پر پڑی۔ سر سے خون بہنے لگا۔

جسطرح زخمی شیر غضبناک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے انصاری بھی مجروح ہو کر مزید غضبناک ہو گئے۔ انھوں نے جلدی سے حملہ کیا۔ پہلے ہی حملہ میں حملہ آور یہودی واصل جہنم ہو گیا۔

یہودی کے قتل ہوتے ہی تمام یہودیوں میں ہیجان برپا ہو گیا۔ لہذا سب نے تلواریں کھینچ کھینچکر تنہا انصاری پر حملہ کیا۔ بہت سی تلواریں ایک ساتھ ان کے سر پر پڑیں اور وہ شہید ہو کر گرے

نوجوان حسینہ نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو! آج تمہاری عزت خطرہ میں پڑ گئی ہے یہودی دولت وطاقت کے گھمنڈ میں تمہاری عورتوں کی آبرو لینا چاہتے ہیں۔ کیا تم اُسے گوارا کر لوگے؟

عورت کی بلند آواز فضائے آسمان میں گونجی۔ جسکے ساتھ ہی چند مسلمان بھی اُس جگہ جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک بھائی کو مقتول ایک عورت کو یہودیوں کے مجمع میں محصور دیکھا۔ انھیں غصہ آگیا۔ جوشِ غضب سے آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

اگرچہ وہ تھوڑے تھے۔ بہت ہی تھوڑے آٹے میں نمک کی مثال پھر غیر مسلح تھے صرف ایک ایک تلوار اور ایک ایک ڈھال ان کے پاس تھی۔ لیکن وہ مسلمان تھے۔ اور ایک مسلمان کو جب جوش و غصہ آجاتا ہے۔ تو اسے قلت و کثرت۔ مسلح و غیر مسلح کی پرواہ نہیں رہتی۔

چنانچہ مسلمانوں نے بغیر پس و پیش کے تلواریں سونت لیں وہ سب ایک جگہ جمع ہوئے اور ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ بدبخت یہودیو! آج تم نے ایک مسلم عورت کو چھیڑ کر ایک مسلمان کو شہید کر کے شیرانِ اسلام کو بیدار کر دیا ہے۔ اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت دی ہے۔ جو غبار جو کینہ۔ جو حسد تمہارے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔ تم نے اُسے نکالنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تم کو زعم ہے۔ کہ تم دولت مند ہو۔ زرہ پوش ہو۔ کثیر التعداد ہو۔ آہن پوش لشکر رکھتے ہو۔ اسی لئے تم نے اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ ہم تمہارے اعلان کو منظور کرتے ہیں۔ آؤ ہمارے سامنے مردِ میدان بن کر آؤ۔ بلاؤ ہمارے مقابلہ کیلئے اپنا زرہ پوش لشکر بلاؤ۔ آج تم نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ ہمارے یا تمہارے مٹنے ہی سے بجھے گی۔

مسلمان زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس تھے۔ سب کے سب جوش و غضب میں بھرے ہوئے تلواریں نکالے کھڑے تھے۔ نوجوان حسینہ کو انھوں نے اپنے پس پشت لے لیا تھا۔

یہودی گویا جنگ کے لیئے تیار ہی تھے۔ انہوں نے اپنا تمام لشکر بلا لیا۔ یہ لشکر سات سو آزمودہ کار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ جمیں تین صد زرہ پوش با غرق آہن تھے۔

یہودیوں کے بڑے بڑے سردار۔ بڑے بڑے ذی حشمت اور ذی عزت لوگ آآکر جمع ہو گئے۔ بازار بند کر دیا گیا۔ اور یہودیوں نے نہایت نظام کے ساتھ متفقہ طور پر مسلمانوں پر حملہ کیا:۔

یہودیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کوئی گنتی ہی نہ تھی۔ پھر نہ وہ زرہ پوش تھے اور نہ پورے طور پر مسلح۔ مگر ان میں جوش تھا۔ غیرت تھی۔ وہ مقابلہ کے لیئے تیار ہو گئے۔ انھوں

نے ایک چھوٹا حلقہ قائم کر لیا۔ اس طرح کہ ان کی پشتیں اندر کیطرف اور رخ یہودیوں کے سامنے ہو گئے۔

یہودیوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لیکر نہایت سختی سے حملہ کیا برق پاش تلواریں آفتاب کی شعاعوں میں جگمگاتی اٹھیں۔ آنکھوں کو خیرہ کرتی جھکیں۔ شور وغل شروع ہوا۔ جنگ ہونے لگی۔

جو مسلمان بازار کے انتہائی سروں پر تھے۔ وہ شور وغل سُنکر لپکے۔ جہاں جنگ ہو رہی تھی۔ وہاں آئے اور یہودیوں کی صفوں کو چیر کر مسلمانوں میں جا ملے۔"

یہودیوں کو اپنی قوت وطاقت پر گھمنڈ تھا۔ مسلمانوں کو کم اور غیر مسلح دیکھ کر ان کی جرأت اور بڑھ گئی تھی۔ وہ بے باکی اور بے خوفی سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے

مسلمان بھی نہایت جوش وغضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے۔ وہ جس زرہ پوش پر حملہ کرتے۔ خود سے نیچے گردن پر تلوار مارتے۔ سر کٹ کر دور جا گرتا۔ ہر زرہ پوش کے مرنے پر وہ اللہ اکبر کا پُر زور نعرہ لگاتے۔ انھوں نے کئی غرق آہن یہودیوں کو مار ڈالا۔

یہودی جوش وطیش میں آآکر حملے کرتے تھے۔ ہر حملہ اس یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ کسی نہ کسی مسلمان کو شہید کر دیں گے۔ لیکن جب اُن کا حملہ رد ہو جاتا۔ تو وہ اور بھی غصہ میں بھر جاتے اور غضبناک ہو کر پھر حملہ کرتے

مسلمان نہایت استقلال۔ بڑے صبر۔ پوری جرأت سے سر جھکائے۔ جدال وقتال میں مصروف تھے۔ اس جنگ کی شہرت عام ہو گئی۔ بنی قنقاع کی بستی سے نکل کر مدینہ میں بھی پہنچی۔ مسلمانوں کو بڑا تذبذب ہوا۔

آں حضور صلعم نے اس خبر کو سُنکر کہا۔ افسوس یہودیوں نے ناعاقبت اندیشی کی۔ آج مدینہ کے امن وامان کو خاکستر کر دیا۔ اس پر وعظ نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا

اب صبر نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانو! اپنے بھائیوں کی مدد کے لیئے چلو۔

فوراً ہر طرف سے مسلمان دوڑ پڑے۔ تلواریں۔ نیزے۔ ڈھالیں غرضیکہ جسے جو ہتھیار ملا لیکر چلا آیا۔ جب ان کا شمار کیا گیا۔ تو تین سو آدمی ہوئے۔ حضور ان سفروشان اسلام کو لے کر چلے۔ حضرت صدیق رضؓ نے علم اٹھایا۔ پرچم اسلام ہوا میں لہراتا چلا۔

بنی قینقاع کی بستی میں مٹھی بھر مسلمان کثیر التعداد یہودیوں سے برابر سر پیکار تھے۔ لیکن وہ اس قدر کم تھے۔ کہ اگر یہودی ہمت کر کے ان کے اوپر جا پڑے تو وہ کچلے جاتے۔ مگر خدا نے انھیں وہ جوش و قوت عطا کیا تھا۔ کہ کئی گھنٹے گزر جانے پر بھی اب تک برابر لڑ رہے تھے۔ لیکن اب پہلے جیسی پھرتی اور چابکدستی نہ رہی تھی۔ متواتر لڑنے اور دشمنوں کے وار روکنے سے قوی مضمحل ہو گئے تھے۔ قوت جواب دے چکی تھی

یہودیوں نے ان کے اضمحلال کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے۔ کہ مسلمان چراغ سحری ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کو جوش دلا کر حملہ کرنے پر برانگیختہ کر دیا۔ یہودیوں نے سمٹ کر پر زور حملہ کیا۔

مسلمانوں نے مدافعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر وہ اعضاء کی شکستگی اور مضمحل ہونے کے باعث اس جوش و قوت سے حملہ نہ روک سکے۔ جس سے اب تک روکتے رہے تھے۔ پھر بھی انھوں نے بڑی جرأت سے مدافعت کی۔ مگر یہودیوں کی تلواروں نے ان میں سے بیشتر لوگوں کو زخمی کر دیا۔

ان کا حصار قائم نہ رہ سکا۔ یہودیوں نے ایک اور پُر جوش حملہ کر کے انھیں منتشر کر دیا۔ یہ وقت مسلمانوں کے لیئے نہایت نازک تھا۔ ایک ایک مسلمان دس دس بیس بیس یہودیوں میں گھر گیا تھا۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی تھی۔ ہر شخص اپنے حال میں اسیر تھا۔ مگر اس پر بھی مسلمان شیروں کی طرح بپھر رہے تھے۔ جسطرف جو بھی حملہ کرتا تھا۔ دو چار یہودیوں کو قتل کیئے بغیر نہ چھوڑتا تھا۔

مسلمانوں کی دلیری. جرأت ۔ بہادری قابل داد تھی ۔ اگر تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو مسلمانوں کی مردانگی کے مثل شاذ ہی واقعات ملیں گے!

اب یہودیوں نے یقین کر لیا تھا ۔ کہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے ۔ انھوں نے ہر طرف سے سمٹ کر حملہ کیا ۔ ہر مسلمان نے بھی یقین کر لیا تھا ۔ کہ موت لابدی ہے ۔ شہادت یقینی ہے ۔ مگر اس یقین پر بھی وہ آسانی سے مرنے کو تیار نہ تھے ۔ ہر شخص ، ہر حملہ کا بڑی دلیری سے جواب دے رہا تھا ۔ مگر اب وہ اس قدر تھک چکے تھے ۔ کہ تلوار بھی مشکل سے اٹھتی تھی ۔

نوجوان حسینہ بھی رزم گاہ میں موجود تھی ۔ وہ جانتی تھی ۔ کہ موجودہ جنگ اس کی ہی کی وجہ سے ہو رہی تھی ۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ مسلمان موت کے کنارہ پر پہنچ گئے ہیں ۔ وہ مضطرب ہو گئی ۔ اس نے خلوص دل سے دعا مانگی ۔ اے رب العزۃ مسلمانوں کی امداد کر ۔ کمزور مسلمانوں کو ظالم یہودیوں کے ہاتھوں سے بچا لے ۔

اے خدا! اے واحد مطلق ۔ اے کارساز عالم ۔ غیب سے اسلام کا نام بلند کرنے والوں کی مدد فرما تجھے سب کچھ قدرت ہے ۔ تو مردہ کو زندہ کر سکتا ہے مسلمانوں کی اعانت کر ۔

ابھی اس کے نازک لبوں سے یہ دعائیہ الفاظ نکل ہی رہے تھے ۔ کہ اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعرہ کی آواز آئی ۔ مسلمانوں اور یہودیوں نے پلٹ پلٹ کر ابھر ابھر کر دیکھا انہیں مسلمانوں کا لشکر نہایت تیزی سے آتا نظر آیا ۔

مسلمانوں کی قوت رفتہ عود کر آئی ۔ انہوں نے سنبھل کر حملہ کیا ۔ یہودی پیچھے ہٹ کر آنیوالے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے دور تک پھیل گئے یہ آنے والا لشکر آنحضور کے زیر قیادت آرہا تھا ۔

اس آنے والے اسلامی لشکر نے اللہ اکبر کا پُر زور نعرہ لگایا اور ساتھ ہی ایک کوہ شکن حملہ کر دیا ۔ ان کی پُر پاش شمشیریں بلند ہوئیں ۔ یہودیوں کی ڈھالیں اٹھیں اور جنگ مغلوبہ

شروع ہوگئی۔

مسلمان طیش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ نہایت جوش اور پورے استقلال سے حملے کر رہے تھے۔ اگرچہ یہودیوں نے ان کے حملے کو روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن وہ مسلمانوں کے حملے کو نہ روک سکے۔ بست کو پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

مسلمان انھیں دباتے۔ مارتے ہٹاتے ان کے پیچھے لگے چلے گئے۔ جو مسلمان پہلے سے لڑ رہے تھے۔ انھوں نے بھی سنبھلکر پر زور حملہ کیا وہ بھی درمیانی یہودیوں کو کاٹتے چھانٹتے آنیوالے مسلمانوں سے جا ملے۔

یہودیوں کو ان کے سرداروں اور معزز لوگوں نے جوش و غیرت دلا کر بڑھایا وہ طیش میں آکر بڑھ رہے۔ بڑے جوش سے حملہ آور ہوئے۔ نہایت خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔

ہر طرف تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ کر خون برساتی نظر آنے لگیں۔ زخمی چلا رہے تھے۔ متخاصمین قومی نعرے لگا رہے تھے۔ شور و غل اس قدر برپا تھا۔ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

یوں تو ہر مسلمان شیر بنا ہوا بڑے جوش سے لڑ رہا تھا۔ لیکن حضرت صدیق رض حضرت عمر رض۔ حضرت علی رض۔ حضرت حمزہ رض۔ حضرت سعد رض اور انھیں وضع کے دوسرے لوگ بڑی دلیری۔ بڑے جوش۔ بڑی پھرتی سے لڑ رہے تھے۔

وہ جسطرف حملہ کرتے صفوں کی صفیں درہم برہم کر دیتے۔ اور جسکے اوپر حملہ کرتے اُسے بغیر قتل کرنیکے نہ چھوڑتے تھے۔ اور ان کی شمشیریں قضائے مبرم بنی ہوئی تھیں وہ جس سے چھو بھی جاتی تھیں۔ اسے وہیں کشتہ کر کے گرا دیتیں۔

یہودیوں کو اپنی شجاعت و مردانگی پر غرہ تھا۔ اپنے بہادروں کی دلیری پر غرور تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ دنیا جہاں میں ان سے زیادہ بہادر کوئی قوم نہیں۔ اس لیے

انھوں نے جنگِ بدر میں مسلمانوں کے فتحیاب ہونے پر کہا تھا۔ کہ مکہ والے بزدل تھے۔ جو شکست کھا کر بھاگ گئے۔ جس روز ہم سے سابقہ پڑے گا۔ اس روز مسلمانوں کو قدرِ عافیت معلوم ہو جائے گی۔ لیکن۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج جب مسلمانوں سے واسطہ پڑا تو حیران رہ گئے۔

مسلمان گویا لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ ان پر تلواریں بہت کم اثر کرتی تھیں۔ مگر اس پر بھی یہودی بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔

آنحضور علم کے سایہ میں کھڑے میدان جنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ خاموش تھے۔ آپکے منور چہرہ سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ آپؐ اس خون ریزی کو پسند نہیں فرماتے۔

دراصل یہودی جنگ پر تلے ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے الجھنا چاہتے تھے۔ آج ان کی قوم کے ایک شریر فرد نے ایک عصمت مآب مسلم حسینہ کو چھیڑ کر خون ریزی اور خون آشامی کی آگ روشن کرکے بدترین مثال قائم کردی تھی۔

جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ انسانی اعضاء کمال بے دردی سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون زمین پر بہہ رہا تھا۔ سر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں نے اس حملہ کی مدافعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن یہودی لشکر کا سیلاب انھیں بہا کر پیچھے ہٹاتا لے گیا۔

چند قدم پیچھے ہٹ کر مسلمان سنبھلے انھوں نے اللہ اکبر کا پُرزور نعرہ لگا کر حملہ کیا۔ یہ حملہ نہایت سخت ہوا۔ یہودی سورماؤں کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے انھیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ متعدد یہودی قتل ہو ہو کر گرے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت صدیقؓ حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ نے پورے جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا۔

ان کی تلواروں نے پہلے ہی حملہ میں دس بارہ یہودیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈالدیا۔ شور وغل پہلے سے المضاعف ہوگیا۔

تمام مسلمانوں نے۔ نہایت جوش سے ایک حملہ کیا۔ یہودی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ کچھ دُور تو وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ مگر جب مسلمانوں نے انھیں اور دبایا اور اُن کے بہت سے آدمی نذر اجل ہو گئے تو پشت دے کر بھاگے۔

نہایت بے ترتیبی سے بھاگے۔ مسلمان اُن کے تعاقب میں دوڑے سامنے ہی بنی قینقاع کا قلعہ تھا۔ تمام یہودی سمٹ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ پہرہ والوں نے پھاٹک بند کر لیا۔

مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ ہی قلعہ میں داخل ہونے کی جدوجہد کی۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ یہودی قلعہ میں گھس کر محصور ہو گئے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا

یہ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ مسلمانوں نے اس سختی سے نگرانی کی کہ قلعہ کے اندر چڑیا بھی اڑ کر نہ جا سکی۔ چونکہ یہودیوں کو اس قدر طویل محاصرہ کی توقع نہ تھی۔ اس لیے انھوں نے رسد کا سامان اکٹھا نہ کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسد ختم ہو گئی اور یہودی فاقہ سے مرنے لگے۔

آخر الامر سولھویں روز یہودیوں نے خود ہی قلعے کا پھاٹک کھول دیا۔ اور بغیر کسی شرط کے قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

مسلمان فاتحانہ حیثیت سے قلعہ میں داخل ہوئے۔ آنحضورؐ صلعم نے حکم صادر کر دیا کہ کوئی یہودی ہتھیار نہ باندھے۔ جو ہتھیار بند یہودی ملے فوراً قتل کر دیا جائے اس لیے تمام یہودی غیر مسلح شرم و خجالت سے سر جھکائے راستوں میں کھڑے ملے۔

آج یہودیوں کے فخر و غرور کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ان کا مایۂ ناز قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ وہ نہتے کھڑے تھے۔ ڈر رہے اور کانپ رہے تھے۔ موت انکی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔

وہ جانتے تھے۔ کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ عرب کا یہی آئین ہے۔ انھیں خوف ہی نہیں۔ بلکہ یقین تھا۔ کہ وہ بھی سب کے سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ موت کی دہشت سے ان کے چہرے زرد اور بھیانک ہو رہے تھے۔

آنحضور صلعم نے یہودیوں کی اسیری کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے ایک سرے سے تمام یہودیوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

کئی گھنٹے گرفتاری میں صرف ہو گئے۔ جب تمام یہودی گرفتار کر لیئے جا چکے تو حضورؐ انھیں اپنے ہمراہ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔

گیارہواں باب (۱۱)

"دوشیزۂ صحرا"

حارثہ اور اُن کے ہمراہی سارا دن سوتے رہے۔ شام کو جبکہ آفتاب افق مغرب میں روپوش ہونے والا تھا۔ وہ اُٹھے۔ ضروریات سے فراغت کر کے کھانے کا انتظام کرنے لگے۔ ٹڈیاں بھون بھون کر کھانے لگے۔ انھوں نے قیدیوں کو بھی ٹڈیاں کھلائیں۔

جب سب کے سب کھانا کھا چکے تو حارثہ نے قیدیوں سے دریافت کیا۔ تمہارے وہ ناسپاس ہمراہی کہاں ہیں۔ جنھوں نے ہماری عدم موجودگی میں ہماری قیام گاہ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔

قیدیوں میں سے کسی نے اسکی اس بات کا جواب نہ دیا۔ اُسے بڑا طیش آیا۔ اُس نے کڑک کر کہا۔ نامرد! بزدلو! بولو بتاؤ تمہارے اور ساتھی کہاں ہیں۔

ایک قیدی نے کسی قدر جرأت کر کے کہا۔ ہم کو معلوم نہیں۔ ہم ان سے عرصہ سے بچھڑے ہوئے ہیں۔

حارثہ کو اس جواب سے اور غصہ آیا۔ اُس نے پُر غضب ہو کر کہا۔ بزدل ہونیکے ساتھ ہی بنی قحطان کے لوگ جھوٹ بھی بولنے لگے ہیں۔

تمام قیدیوں کے چہرے سرخ ہو گئے۔ ان میں سے چند لوگوں نے کہا۔ ہم جھوٹے نہیں

جھوٹ نہیں بولتے۔ سچ کہہ رہے ہیں۔ عرصہ ہوا جب ہم اتفاقی طور پر اُن سے الگ ہو گئے تھے۔

وہ کیا اتفاق تھا؟ حارثہ نے بے اعتباری کی نظروں سے قیدیوں کو دیکھ کر دریافت کیا۔

ایک قیدی نے جواب دیا۔ ہم سب ایک جگہ قیام پذیر تھے۔ ہمارے خیمے دُور تک نصب ہوتے چلے گئے تھے۔ رات کو مہتاب کی روشنی میں ہم چاندنی رات کو لطف اٹھا رہے تھے۔

دفعتاً ہم نے سُنا کہ بنی بجر قریب آ گئے ہیں۔ ہم سب بدحواس ہو گئے۔ جلدی جلدی خیمے اکھاڑے اور جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ نکلا۔ ہم اس طرف نکل آئے اور دوسرے لوگ خدا جانے کس طرف جاتے رہے۔

چونکہ قیدی کا لب و لہجہ مظہر حق و صداقت تھا۔ اس لئے حارثہ کا غصہ جاتا رہا اُس نے دریافت کیا۔ کچھ تم کو جمیلہ کا حال معلوم ہے؟

قیدی نے کہا۔ شاید تم اُس جمیلہ کا ذکر کر رہے ہو۔ جسے اس کا باپ زندہ دفن کر گیا تھا۔ اور تم اُسے نکال لائے تھے۔

حارثہ نے کہا۔ ہاں میں اسی کو دریافت کر رہا ہوں۔

قیدی نے کہا۔ وہ تو ستم روزگار ہو گئی ہے۔ حسن وجمال کی دیوی بن گئی ہے اس کی ہوشربا آنکھوں نے ہزاروں لوگوں کو دیوانہ بنا دیا ہے۔

حارثہ نے کہا۔ میں یہ نہیں دریافت کرتا۔ وہ لڑکی خوبصورت ضرور ہے۔ لیکن...

. . . .

قیدی نے قطع کلام کرتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ خوب تعریف کی آپ نے۔ جناب وہ خوبصورت ہے . . . .

لات و عزیٰ کی قسم چاند کا ٹکڑا ہے۔ نہیں بدر کامل ہے۔ اس کی منور چہرہ سے نور کی شعاعیں نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ رخسارے گلابی اور شاداب ہیں۔ گیسو سیاہ اور کمر سے زیادہ دراز ہیں۔ آنکھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حارثہ نے قطع کلام کر کے کہا۔ میں تعریف نہیں سنتا۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم کرنا ہے۔ کہ وہ ہے کہاں؟

قیدی نے کہا۔ یا اخی! جس نے اُسے ایک مرتبہ دیکھا ہے۔ اسکی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ اور جب ایک دفعہ تعریف شروع کر دیتا ہے۔ تو چاہتا ہے کہ اس کے عضو کی مفصل تعریف کرے۔

اسکی سیاہ اور مستانہ آنکھیں رسیلی ہیں۔ جنمیں زہریلا پن بھرا ہوا ہے۔ وہ بلا ارادہ تیر نظر چلاتی رہتی ہے۔ لب باریک اور مثل کمال ہیں۔ دانت چھوٹے سفید اور نہایت خوبصورت سینہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حارثہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ پھر وہی تعریف! میں سمجھ گیا کہ وہ بہترین حسینہ ہے۔ رشک ماہ بہار وہ ہے۔ پیکر ناز ہے۔ سرو سہی ہے۔ لیکن ہے کہاں۔

قیدی نے متانت بھرے انداز سے کہا۔ اب تم نے کچھ کچھ سمجھا ہے۔ وہ اور تمہاری بیوی سعدیٰ اور تمہارے سردار عدی کی بیٹی رقیہ تینوں ہمارے سردار کے پاس ہیں۔

حارثہ نے دریافت کیا۔ اور تمہارا سردار کہاں ہے؟

قیدی نے کہا۔ اُسے ہبل ہی نہیں جانتا ہے۔

حارثہ۔ تم کو علم نہیں ہے۔

قیدی۔ نہیں ہم اس سے اس رات کو جس کا ہم نے ذکر کیا بچھڑ گئے تھے۔ ہمیں سال بھر سے زیادہ بچھڑے ہوئے ہو گیا۔ ہم سمجھ لئے ریگ زار میں بھٹکتے پھر رہے

ہیں۔ نہ معلوم وہ کہاں ہیں:۔

حارثہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ کچھ وقفہ کے بعد اُسنے کہا اچھا ہم کو انھیں تلاش کرنا چاہیے۔ لیکن تم کو ہم اپنے ساتھ کیسے رکھ سکتے ہیں۔

قیدی یہ سنکر ڈر گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ حارثہ انھیں قتل کر ڈالنا چاہتا ہے لہٰذا انھوں نے عاجزی بھرے لہجہ میں کہا۔

ہم پر رحم کرو۔ ہم قسم کھاتے ہیں۔ کہ کبھی تمہارے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے اور تمہارے خلاف کوئی سازش نہ کریں گے۔

حارثہ نے کہا۔ آج تم مجھ سے رحم کی درخواست کرتے ہو۔ مگر جب تم ہمارے قبیلہ پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔ ہمارے زن و فرزند کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ اس وقت تم کو ان پر رحم نہ آیا۔

قیدی نے کہا۔ حضور اس معرکہ میں ہم شریک نہ تھے۔ ہم بے گناہ ہیں۔

حارثہ پھر سوچنے لگا۔ ایک معمر قیدی نے کہا۔ یا اخی کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بات سن لیجئے۔

حارثہ نے دریافت کیا کیا؟

قیدی نے کہا۔ یہ سچ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی تمہارے قبیلہ پر تاخت کرنے نہ گیا تھا۔ ہم اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ نہیں بول رہے ہیں۔ ایک مرتبہ چند اوباشوں نے مست شباب جمیلہ کو ستانا چاہا۔ تو ہم نے اس کی حمایت کی تھی۔ اگر جمیلہ مل گئی تو وہ ہمارے قول کی تصدیق کرے گی۔ ہم جمیلہ کے نام پر تم سے رحم کی درخواست کرتے ہیں۔

حارثہ نے کہا۔ میں تمہاری درخواست کو منظور کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم نے کبھی دھوکہ دینے کی کوشش کی تو وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

قیدی نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیئے۔ ہم کبھی دھوکہ نہ کریں گے۔ اگر ہم دھوکہ دیں گے تو آپ فوراً ہمیں قتل کر ڈالنے کا حق رکھتے ہیں۔

حارثہ نے کہا۔ اچھا! تم ہمارے ساتھ چلو۔

فوراً خیمے اکھاڑ اکھاڑ کر اونٹوں پر لادے گئے۔ سب لوگ اونٹوں پر سوار ہو ہو کر چلے۔

چاندنی رات تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ ریگ زار پر چاندنی نے سفید چادر بچھا رکھی تھی۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ نہایت فرحت بخش منظر تھا۔ اونٹ اپنی مخصوص رفتار سے جگالی کرتے چلے جا رہے تھے۔

جوں جوں رات ڈوبتی جاتی تھی خنکی بڑھتی جاتی تھی۔ دن بھر تپنے والا ریت سرد ہوتا چلا جا رہا تھا۔

حارثہ اور اسکے ہمراہی اور بنی قحطان کے قیدی کجاووں میں بیٹھے تھے۔ نصف رات تک تو وہ جاگتے رہے۔ آدھی رات کے بعد سب سو گئے۔ اونٹ جس طرف منہ اٹھا چلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو چاندنی پھیکی پڑ گئی۔

مشرق کیطرف سے سپیدۂ صبح نے اٹھکر عالم کو منور کرنا شروع کر دیا۔ نسیم سحری کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے چلنے لگے۔ اس وقت یہ لوگ کسمائے ہوئے آنکھیں کھول کر اٹھے ادہر ادھر جھانک کر دیکھا۔ سامنے انھیں ایک پہاڑی نظر آئی۔ پہاڑی کے دامن میں آبادی کے نشان دیکھے۔ انہوں نے اونٹ روک لیئے۔ اونٹوں کی قطار دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

چونکہ عرصہ کے بعد آج انھوں نے آبادی دیکھی اس لیئے انھیں بڑی مسرت ہوئی وہ سب کے سب اونٹوں سے کود پڑے۔ ریگ زار پر کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے ان کی نظر ریت پر جا پڑی۔ ریت پر بڑے بڑے خون کے سرخ دھبے پڑے ہوئے تھے

ان دہموں کو دیکھ کر یہ لوگ حیران رہ گئے۔

چونکہ یہ سب رات بھر سوتے رہے تھے۔ اس لیئے یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ اس وقت کہاں آ گئے ہیں۔

ابھی یہ لوگ بحالت از خود رفتگی میں ہی کھڑے تھے۔ کہ بکریوں کا گلہ سامنے والی پہاڑی کی گھاٹی سے نکل کر میدان میں پھیلنے لگا۔ جب آخری بکری بھی میدان میں آ گئی تو ایک دوشیزہ صحرا نمودار ہوئی۔

یہ لڑکی نوجوان تھی۔ اس کا رنگ گندمی تھا۔ چہرہ سے عفت وعصمت اور معصومیت کا جلال ظاہر تھا۔ اُسکے دراز گیسو کی سیاہ لٹیں سینہ کے دونوں طرف سیاہ سانپوں کی طرح بل کھاتے ہوئے پڑی تھیں۔ نازک ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا نیزہ تھا۔

اس نے گھاٹی سے نکل کر اس قافلہ کو دیکھا۔ اُسکے چہرہ کی شان کہہ رہی تھی کہ وہ انھیں دیکھ کر کچھ حیران نہیں ہوتی۔ البتہ بکریاں اونٹوں اور آدمیوں کو دیکھکر کچھ خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

حارثہ اس لڑکی کی طرف بڑھا۔ اُس کے پاس پہنچکر رکا۔ آہستہ سے اس سے پوچھا۔ پیاری لڑکی۔ یہ کونسا مقام ہے۔ جہاں اس وقت ہم کھڑے ہیں۔

لڑکی نے شرمیلی نظروں سے حارثہ کو استعجاب بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ آپ اس مقام کو نہیں جانتے۔

حارثہ نے کہا۔ نہیں...!

لڑکی۔ شاید تم یہاں پہلی ہی مرتبہ آئے ہو۔

حارثہ۔ ایسا ہی خیال ہے:۔

لڑکی۔ آپ کہاں سے آرہے ہیں؟

حارثہ۔ ہم خود نہیں جانتے۔ کہ ہم کہاں سے آرہے ہیں:!

لڑکی نے حیرت بھری نظروں سے حارثہ کو دیکھ کر کہا۔ آپ نہیں جانتے . . . تت . . . تت . . . تت . . . یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

حارثہ نے سنجیدگی کے لہجہ میں کہا۔ پیاری لڑکی۔ ہم مدتوں تک صحرائے لق و دق میں بھٹکتے پھرتے رہے ہیں۔ پورے پانچ سال کی دشت نوردی کے بعد آج یہ آبادی نظر آئی ہے۔ اس آبادی اور اس مقام کا کیا نام ہے۔

لڑکی نے کہا۔ اس مقام کا نام بدر ہے!!

حارثہ نے کہا۔ بدر؟ .. .. اوہ اب میں سمجھ گیا۔ یہاں تو میں چند مرتبہ پہلے بھی آچکا ہوں۔ مگر بدر کی دوشیزہ! یہ ریگ زار پر خون کے سے سرخ دھبے کیسے پڑے ہیں؟

لڑکی نے کہا۔ چند ماہ ہوئے جب یہاں مدینہ کے مسلمانوں اور مکہ کے بت پرستوں کی جنگ ہوئی تھی۔

حارثہ۔ کیا مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہوئی تھی؟

لڑکی۔ نہیں۔ یا عم۔ اگرچہ مسلمان تھوڑے تھے۔ اور بت پرست بہت زیادہ تھے تاہم فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی! مکہ کے تمام رئیس اور بڑے بڑے سردار جو شریک جنگ تھے مارے گئے:۔

حارثہ۔ تعجب ہے،،

لڑکی۔ بڑا تعجب ہے۔ عرب کے گوشہ میں اس جنگ نے تہلکہ ڈال دیا ہے۔

حارثہ۔ کیا مکہ والوں نے مسلمانوں سے انتقام نہیں لیا؟

لڑکی۔ سنا ہے ابوسفیان مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ مگر مسلمانوں کے خوف سے بھاگ گیا

حارثہ۔ تو یہ بڑی بزدلی کی بات ہے۔

لڑکی۔ ہاں ایسی بزدلی جو مکہ والوں سے پہلے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھی۔

حارثہ۔ اچھا پیاری بیٹی۔ تمہارا شکریہ۔

حارثہ لوٹا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اُس نے سب سے مخاطب ہو کر کہا۔ ہمیں اس جگہ قیام کرنا چاہیئے۔ یہ بدر کا مقام مشہور ہے۔ چونکہ عام طور پر لوگ بدر کے نام سے واقف تھے۔ جانتے تھے۔ کہ یہ مشہور مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اس لئے سب کو اس مقام پر آجانے سے بڑی خوشی ہوئی۔

فوراً اونٹ بٹھائے گئے۔ اور اسباب اتارا جانے لگا۔ سب سے پہلے خیمے نصب کیے گئے۔ سامان خیموں میں رکھ دیا گیا۔

ان سب کاموں سے فراغت کر کے لوگ ضروریات سے فارغ ہونے کیلئے منتشر ہو گئے۔ لڑکی ریت کے اونچے ٹیلے پر بیٹھکر بکریوں کو نگہبانی کرنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر میں آفتاب افق مشرق سے جھانکنے لگا۔ اس کی جگمگاتی ہوئی شعاعیں لڑکی کے منور چہرہ پر لوٹنے لگیں۔ اس سے اس کا خوبصورت چہرہ چمک اُٹھا۔

اس عرصہ میں حارثہ کے ساتھی ضروریات سے فراغت کر کے کھانا پکانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

بارہواں باب (۱۲)

"قریش کا عظیم الشان لشکر"

جب مقام بدر پر اہل مکہ کے شکست کی خبریں پہنچی تو تمام شہر پر اداسی کی گھٹا چھا گئی - ہر مرد - ہر عورت - ہر بچہ غمزدہ اور پریشان حال نظر آنے لگی .

اوّل اوّل تو مکہ والوں کو شکست کا یقین ہی نہ آیا . سب نے یہ بے پر کی خبر اڑادی ہے . بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہزار آزمودہ کار جنگجو نوجوانوں کو صرف تین سو مسلمان شکست دے دیں . پھر ایسی شکست جسمیں مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار نذر اجل ہو جائیں لیکن جب بدر کے مفرورین آئے اور انھوں نے جنگ کی مفصل روئیداد اور شکست کی پوری تفصیل سنائی تو مکہ والوں کے دلوں پر غم و غصہ کا طوفان اُمنڈ آیا .

چونکہ مسلمان اس لشکر میں ہر طبقہ - ہر قبیلہ - ہر خاندان کے لوگ شامل تھے . اس لیئے سب ہی کو رنج و افسوس ہوا .

عرب میں یہ قاعدہ تھا . کہ مرنے والوں کا پورے چالیس دن تک غم کیا جاتا تھا . عورتیں ایک جگہ جمع ہو کر بین کیا کرتی تھیں . سر کے بال کھول کر سوگوار صورت بنا کر سینہ کوبی کرتی تھیں :-

چنانچہ عورتوں نے ایک بڑی مجلس ماتم منعقد کرنے کی تیاری کی ابولہب کو خبر ہوئی تو اس نے منع کر دیا . کہ کوئی مجلس اعزا منعقد نہ کی جائے . اس سے مکہ میں رہنے والے مسلمانوں

کو خوشی ہوگی۔

صرف یہی نہیں بلکہ اس نے عورتوں اور مردوں کو رونے اور گریہ زاری کرنے سے منع کر دیا
ابولہب کو اس شکست کا ایسا صدمہ ہوا کہ وہ بیمار ہو گیا۔ اور ایسا بیمار ہوا۔ کہ اسکی زندگی کے لالے پڑ گئے۔

ہر چند اس کا علاج معالجہ کیا گیا۔ مگر ؏۔

مرض بڑھتا گیا۔ جوں جوں دوا کی !" روز بروز حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ آخر ایک ہفتہ کے بعد ہی مر گیا۔

اہل مکہ کے لئے اسکی موت نہایت شاق گذری۔ سب کو کمال رنج ہوا۔ اب صرف ابو سفیان ہی مکہ میں ایسا شخص رہ گیا تھا۔ جو سب سے بڑا سردار سمجھا جاتا تھا۔ وہ جوش وطیش میں آکر دو سو آزمودہ کار نوجوان لیکر مدینہ پر چڑھ آیا۔ مگر مسلمانوں کے آنے کی خبر سُنکر بھاگ آیا۔ اور بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے تھیلے گرا آیا۔

جب وہ شکست کھا کر مکہ میں داخل ہوا۔ تو تمام مکہ والوں نے اسے حقارت کی نظروں سے دیکھا۔ خود اُسکی بیوی ہندہ نے اُسے لعنت ملامت کی۔

ہندہ ابو سفیان کی بیوی اور عتبہ کی بیٹی تھی۔ اس کا باپ اور بھائی دونوں جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ اُسکے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت حمزہ ؓ نے اُس کے باپ کو قتل کیا ہے۔

وہ حضرت حمزہ کا نام سُنکر برانگیختہ ہو جاتی تھی۔ اُس نے چند شاعروں سے اپنے باپ اور بھائی کے مرثیے اور نوحے لکھوائے تھے۔ جو رات دن ان مرثیوں اور نوحوں کو پڑھ کر آنسو بہایا کرتی۔

ہر چند ابو سفیان نے اُسے سمجھایا۔ تسلی دی۔ لیکن اُس کے جوش انتقام کی آگ روز بروز بھڑکتی رہی۔ اُس نے کپڑے بدلنے۔ عطر لگانا اور سنگار بناؤ۔ وغیرہ کرنا بالکل چھوڑ دیا

ابوجہل - نوفل - ولید اور دوسرے سرداران مکہ جو بدر میں مارے گئے تھے۔ انکی بیویاں بھی ہندہ کی طرح سوگوار رہتی تھیں۔

ایک روز جب ابوسفیان گھر کے اندر آیا۔ تو اُس نے اپنی بیوی ہندہ کو روتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہندہ کے پاس پہنچا۔ اُسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ میری شریک حیات اس قدر غم کرنے سے کیا فائدہ کیوں کڑھ کڑھ کر اپنی جان ہلکان کیے جاتی ہو۔

ہندہ نے کہا۔ آہ! کیوں غم نہ کروں۔ کیوں نہ کڑھوں۔ کیوں نہ روؤں میرا پیارا باپ۔ میرا عزیز بھائی دونوں مارے گئے ہیں۔ کوئی اتنا نہیں کہ ان کا انتقام لے سکے۔ ان کی روحیں بھٹکتی پھر رہی ہیں۔

ابوسفیان نے دریافت کیا۔ تم کیا چاہتی ہو؟

ہندہ نے آنسو بھری نظریں اٹھا کر ابوسفیان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

میں ... ... چاہتی ہو کہ میرے بھائی اور باپ کا انتقام لیا جائے۔

ابوسفیان ۔ انتقام لیا جائے گا۔

ہندہ ۔ کب

ابوسفیان ۔ عنقریب ابھی عرب کے تمام قبائل کو دعوتِ شرکت دُونگا۔ شاعروں اور نقیبوں کو اطراف ملک میں بھیجوں گا۔ اور عظیم الشان لشکر تیار کر مدینہ پر لشکر کشی کر دوں گا۔

ہندہ ۔ میں چاہتی ہوں کہ اس مرتبہ عورتیں بھی لشکر کے ساتھ چلیں۔ اگر ہم نہ لڑ سکینگی تو کم از کم مردوں کو جوش و غیرت دلاتی رہیں گی۔

ابوسفیان ۔ نہایت مناسب ہے۔ تم عورتوں کو چلنے پر آمادہ کرو۔

اب ہندہ نے رونا موقوف کر دیا۔ ابوسفیان بھی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اُس نے

اسی روز شاعروں اور نقیبوں کو روانہ کر دیا۔ اور مکہ کے لوگوں کو خود جنگ کے لیئے بر انگیختہ کرنے لگا۔

ابوسفیان ملک شام میں تجارت کیلئے گیا تھا۔ بہت سے تاجروں نے مال تجارت اُسکے ساتھ کر دیا تھا۔ جب وہ واپس آیا۔ تو پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ منافع میں لایا تھا۔

یہ تمام منافع سوداگروں کو نہ دیا گیا۔ بلکہ جنگ عظیم کی تیاریوں میں صرف کیا جانے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اطراف ملک سے لوگوں کی آمد آمد شروع ہو گئی۔ بنو کنانہ اور اہل تہامہ اس جنگ میں شرکت کے لیئے آئے تھے۔ قریش مکہ کے تمام حلیف قبائل پورے ساز و ساماں کے ساتھ اُنکی مدد کے لیئے آ گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں عظیم الشان لشکر فراہم ہو گیا ادھر ہندہ نے مکہ کی تمام عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کو لشکر کے ہمراہ چلنے پر آمادہ کر لیا۔

اس مرتبہ اہل مکہ نے بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا۔ ہر کہ دمہ میدان جنگ میں جانے اور مقتولین۔ بدر کا انتقام لینے کے لیئے آمادہ ہو گیا۔

شعراء اور نقیبوں نے قریش اور قریش کے حلیف قبائل میں جوش انتقام کی آگ مشتعل کر دی۔ کفار مکہ نے یہ تہیہ کر لیا۔ کہ اس جنگ میں یا تو وہ مٹ جائیں گے یا مسلمانوں کو مٹا دیں گے۔

ایک روز ابوسفیان نے تمام لشکر کا جائزہ لیا۔ تین ہزار آزمودہ کار جنگجو۔ نبرد آزما بہادر سرفروشی کے لیئے تیار ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر لشکر دیکھ کر کمال مسرور ہوا۔

جب وہ لشکر کا جائزہ لے کر مکان پر پہنچا تو اُسے ایک شخص ملا جو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ابوسفیان کے غلام نے اُس شخص سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

یا سیدی! یہ مدینہ منورہ سے ایک شخص آیا ہے۔ آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ ابوسفیان نے مدینہ سے آنے والے شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ تم کون ہو؟ اور کس لیئے آئے ہو۔

نو وارد نے جواب دیا۔ حضور میں قاصد ہوں۔ مدینہ کے بت پرستوں کا پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں۔"

ابوسفیان۔ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟

قاصد۔ عبداللہ بن ابی نے!

ابوسفیان۔ سنا ہے عبداللہ مسلمان ہو گیا ہے۔

قاصد۔ وہ مصلحتاً مسلمان ہو گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ مدینہ کے تمام لوگ عبداللہ کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ ان کے لیئے ایک زریں تاج بھی تیار کرا لیا گیا تھا۔ تجویز یہ ہو رہی تھی۔ کہ ایک بڑا جلسہ کر کے تاج پوشی کی رسم ادا کر دی جائے۔ اس اثناء میں مسلمان پہنچ گئے اور رسم تاجپوشی معرض التوا میں پڑ گئی۔

ابوسفیان۔ ہاں! مجھے یہ تمام واقعات معلوم ہیں

قاصد۔ عبداللہ کو مسلمانوں کی آمد سخت ناگوار گذری۔ لیکن مدینہ کے سربر آوردہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور اسلام دن بدن مدینہ میں پھیل رہا تھا۔ اس لیئے وہ خاموش رہے۔ اور مصلحتاً خود بھی مسلمان ہو گئے۔

ابوسفیان۔ لیکن تمہاری سفارت کو اس سے کیا تعلق ہے؟"

قاصد۔ میں نفس مطلب پر آ رہا ہوں۔ وہ مع اپنے تین سو ہمراہیوں کے اس لیئے مسلمان ہوئے ہیں۔ کہ جب موقعہ پائیں۔ اسلام سے منحرف ہو کر اپنے آبائی مذہب میں لوٹ آئیں اور اعلان کر دیں کہ اسلام میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ مذہب محض

ایک ڈھکوسلہ ہے۔ اس طرح اور لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ وہ بھی بد دل ہو کر بُت پرستوں میں شامل ہو جائینگے یہ طریقہ ہے مسلمانوں کی قوت کمزور کرنے کا :۔

ابو سفیان۔ لیکن اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے ؟۔

قاصد۔ یہ بات اس وقت کی جائے گی جب آپ مدینہ پر حملہ آور ہونگے۔ اس سے تمام مسلمانوں میں دل شکستگی اور بد دلی چھا جائیگی۔ اور وہ آپکا مقابلہ نہ کر سکینگے۔ کوشش یہ کی جائیگی۔ کہ مسلمان مدینہ سے باہر نکل کر نہ لڑیں۔ بلکہ مدینہ ہی میں رہیں۔ اور آپ کے لشکر کو رات کے وقت مدینہ میں داخل کر کے مسلمانوں کا قتل عام کرا دیا جائے۔

ابو سفیان اس تجویز کو سُن کر نہایت خوش ہوا۔ اُس نے کہا۔ یہ نہایت اچھی تدبیر ہے اس طرح سے یقیناً مسلمانوں کا کلی استیصال ہو جائیگا

قاصد نے کہا۔ یقیناً۔ میں اس لیئے ہی آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہوں۔ کہ آپ جلد از جلد لشکر کشی کریں اور مسلمانوں پر فتحیاب ہو کر عبداللہ کی رسم تاج پوشی ادا کر دیں۔

ابو سفیان نے کہا۔ ایسا ہی ہو گا۔ تم اپنے آقا عبداللہ کو اہل مکہ کی طرف سے اطمینان دلادو کہ ان کی تکمیل آرزو میں انتہائی کوشش کریں گے۔ آج تم ٹھہرو۔ کل صبح چلے جانا پرسوں ہم عظیم الشان لشکر لے کر روانہ ہو جائیں گے۔

ابو سفیان چلا گیا۔ قاصد کو ابو سفیان کے غلام نے ایک مکان میں فروکش کیا۔ اور دوسرے روز یہ قاصد عازم مدینہ ہو گیا

قاصد کے چلے جانے کے بعد ابو سفیان نے لشکر کے سرداروں کو مطلع کر دیا۔ کہ کل لشکر مدینہ کی جانب روانہ ہو جائے گا۔

لوگ اس اعلان یا اطلاع کو سن کر تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو تمام لشکر مسلح ہو کر مکہ سے باہر نکلا۔ یہ عظیم الشان لشکر دور تک پھیل گیا۔ بنی عبدالدار کا ایک شخص علم لیئے ہوئے تھا۔ اور علم کا پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا۔

جب کہ لشکر کوچ پر آمادہ تھا۔ ایک مختصر دستہ عورتوں کی فوج کا آیا۔ اس دستہ کی سردار ہندہ ابو سفیان کی بیوی تھی۔ وہ اور تمام عورتیں فوق البھڑک پوشاک پہنے ہوئے تھیں۔ اس دستہ کو دیکھ کر تمام لشکر میں جوش و غیرت کی لہر دوڑ گئی:

ابھی عورتوں کا دستہ آکر کھڑا ہی ہوا تھا۔ کہ پندرہ بیس نوجوان لڑکیاں دف ہاتھوں میں لیے آئیں اور لشکر کے سامنے کھڑی ہو کر نہایت خوش الحانی سے گانے لگیں۔ وہ کعب بن اشرف کی مشہور نظم گا رہی تھیں۔ اس نظم کا یہ مطلب تھا۔ کہ وہ بہادر تھے۔ جو بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے مذہب پر فدا ہو گئے۔ انھوں نے اپنی قوم اور اپنے مذہب کی لاج رکھ لی انسان کا نام روشن ہو گیا۔ آج مکہ کے بہادر شیر دل ان کا انتقام لینے کیلئے روانہ ہو رہے ہیں۔ یہ شیر ہیں۔ شیروں کی اولاد ہیں۔ اس وقت تک واپس نہ لوٹیں گے۔ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے۔ آج قریش کی وہ دوشیزہ لڑکیاں جو کبھی کسی لشکر کو رخصت کرنے کیلئے گھروں سے باہر نہیں نکلیں مکہ کے شیروں کو رخصت کرنے آئی ہیں۔۔۔

اے سرفروشو اور جانبازو جاؤ اور مسلمانوں کو مٹا کر واپس لوٹو۔

اس نظم کو لڑکیوں نے کچھ ایسے لہجہ میں گایا کہ ہر شخص سرفروشانہ جذبہ سے سرشار ہو کر جھومنے لگا۔

لے کعب بن اشرف ایک یہودی تھا۔ جب اس نے سنا کہ بدر کے مقام پر مسلمانوں کو فتح ہوئی تو وہ آتش حسد سے جل گیا۔ اس نے کہا۔ کہ اب مدینہ رہنے کا لطف نہیں رہا۔ چنانچہ وہ مکہ میں آگیا تھا۔ یہاں آکر اس نے مقتولین بدر کے مرثیے اور نوحے لکھے جو زبان زد عوام ہو گئے۔ سچ پوچھو تو اہل مکہ کو اسکی نظموں نے انتقام لینے پر برانگیختہ کیا تھا وہ قادر الکلام شاعر تھا۔ بعد میں اس نے مسلم عورتوں کے نام عشقیہ اشعار میں استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے آنحضور کے قتل کی سازشیں شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ صحابی نے آنحضورؐ سے اسکے قتل کی اجازت لے کر اس کے گھر جا کر اسے قتل کر ڈالا تھا۔ (صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

جب لڑکیوں نے گانا بند کیا تو عورتیں محملوں میں سوار ہوئیں۔ ابو سفیان نے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ طبل جنگ بجا اور سفر دشمن کا یہ عظیم الشان لشکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔

تیرہواں باب (۱۳)

(لشکر اسلام کا کوچ)

بنی قینقاع کے یہودیوں کی شکست نے مسلمانوں کو مدینہ اور نواح مدینہ میں اور بھی مشہور کر دیا۔ عام یہودیوں کو بنی قینقاع کی ہزیمت اور مسلمانوں کی فتحیابی سے بھی افسوس ہوا اور غصہ بھی آیا۔ مگر وہ خاموش رہے۔ اور انتظار کرنے لگے۔ کہ مسلمان یہودی قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔

یہودی صدیوں سے نواح مدینہ کے علاقہ جات پر قابض تھے۔ چونکہ وہ متمول تھے۔ تمام عربی قبائل ان کے مقروض تھے۔ اس لیئے سب اُن سے دبتے تھے۔ اس دبنے یا لحاظ کرنے سے یہودیوں کے دماغ میں یہ فتور آمیز خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہ عرب اُن کی شجاعت و مردانگی کا لوہا مانے ہوئے ہیں۔ اور وہ ان سے ڈرتے ہیں۔ لیکن آج جب تین سو مسلمانوں کو سات سو یہودیوں پر فتح ہوئی۔ تو ان کا غرور ٹوٹ گیا۔ اور وہ سمجھنے لگے کہ عربوں کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اگرچہ یہودیوں کے قبائل الگ الگ آباد تھے۔ ان کی بستیاں انکے قبیلوں کے نام سے موسوم تھیں۔ مگر وقت اور ضرورت پڑنے پر سب کے سب متفق و متحد ہو جاتے تھے۔

آج یا اس موقعہ پر انھوں نے مل کر مقابلہ کرنے کی اس لیئے ضرورت نہ سمجھی کہ مسلمان صرف تین سو تھے۔ اور یہودی سات سو۔

انھوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ یہودی مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دینگے۔ مگر جب بنی قینقاع کے قلعہ پر مسلمان قبضہ کر چکے اور اس قلعہ کے تمام یہودی گرفتار کر لیئے گئے

تو تمام یہودیوں کو فکر ہوا اور انھوں نے فوراً مجلس شوریٰ منعقد کی اور حالات حاضرہ پر تبادلہ خیالات کرنے کے لیئے جمع ہوئے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ عبداللہ بن ابی سے کہا جائے کہ وہ آنحضورؐ سے قیدیوں کی سفارش کرے۔ ان کی جان بخشی کرائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیئے ایک وفد عبداللہ کے پاس بھیجا گیا۔

عبداللہ بظاہر مسلمان ہو چکا تھا۔ مگر اس کا دل کفر کی طرف مائل تھا۔ وہ درپردہ اسلام اور مسلمانوں کیخلاف تھا۔ اُس نے قریش مکہ کے پاس قاصد بھیجکر انھیں مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔

یہودیوں کے وفد سے اُس نے ملاقات کی اور اظہار ہمدردی کر کے قیدیوں کی سفارش کرنے کا وعدہ کر لیا۔

ایک روز علی الصباح وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ جان نثار صحابی آپ کے گرد بیٹھے تھے۔ بدر کے قیدیوں نے جس قاصد کو زر فدیہ لینے کے لیئے مکہ بھیجا تھا۔ وہ واپس آیا تھا۔ اور سب کا زر فدیہ ہمراہ لایا تھا حضورؐ زر فدیہ لیکر قیدیوں کو رہا فرما رہے تھے۔ زر فدیہ حضرت طلحہؓ اور حضرت صدیق شمار کرتے تھے۔ جب سب کا فدیہ دے کر تمام قیدی چھوڑے جا چکے تو ابوالعاص باقی رہ گئے۔

ابوالعاص حضورؐ کے داماد تھے۔ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے انکی شادی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ بدر کے مقام پر کفار مکہ کے ساتھ جنگ کرنے آئے تھے۔ لہٰذا اوروں کے ساتھ وہ بھی گرفتار کر لیئے گئے تھے۔

آنحضورؐ نے قاصد سے دریافت کیا۔ کیا ابوالعاص کا فدیہ نہیں لائے؟۔

قاصد نے جواب دیا۔ لایا ہوں۔ حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار اتار دیا ہے

یہ کہتے ہی قاصد نے ایک بیش قیمت ہار حضورؐ کے سامنے رکھدیا

حضورؐ ہار دیکھ کر کچھ مغموم سے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ۔ اس ہار کو دیکھ کر حضورؐ! آزردہ خاطر کیوں ہو گئے۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اس لیئے کہ یہ ہار حضرت خدیجہؓ مرحومہ کا ہے۔ زینب کے پاس یہ اس کی ماں کی یادگار تھی۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ حضورؐ اس ہار کو حضرت زینب کے پاس واپس کردیں ابوالعاص کو بغیر زرفدیہ لیئے چھوڑ دیں

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اگر تم اس بات کو مناسب سمجھتے ہو تو زینبؓ کو اسکی ماں کی یادگار واپس کردی جائے۔

عبداللہ بن ابی نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اور لوگوں سے تو زرفدیہ لیا جائے اور ابوالعاص کو بغیر فدیہ لیئے چھوڑ دیا جائے۔

حضرت عمرؓ کو عبداللہ پر غصہ آیا۔ آپ نے کڑک کر فرمایا! عبداللہ! کیا تم منافق ہو۔ کیا تم کو آنحضورؐ کے ملال سے مسرت ہوتی ہے

اس روز سے عبداللہ کا نام منافق مشہور ہو گیا۔ ہر شخص عبداللہ کے نام کے ساتھ منافق کا لفظ ملاکر "عبداللہ منافق" کہنے لگا۔ اور اس نام سے اس کی شہرت ہو گئی۔ تاریخوں میں بھی اس کا نام عبداللہ منافق لکھا ہوا ہے۔ ہم بھی آئندہ اسے عبداللہ منافق لکھیں گے۔

عبداللہ نے کہا۔ عمرؓ تمہیں بہت جلد غصہ آجاتا ہے۔ سوچو تو سہی۔ کیا یہ انصاف ہے کہ اوروں سے تو زرفدیہ لیا جائے۔ اور آنحضرتؐ کے داماد کو بغیر فدیہ لیے رہا کردیا جائے۔

دراصل عبداللہ منافق کا منشا یہ تھا۔ کہ کسی طرح مسلمانوں میں تفرقہ ڈالدے۔ وہ عقلمند اور چالاک شخص تھا۔ خوب سمجھتا تھا کہ جب تک مسلمانوں میں اتفاق ہے کوئی قوت انہیں زیر نہیں کرسکتی۔ اس لیئے اس نے ایسا لب لہجہ اختیار کیا جس سے ان مسلمانوں کے دلوں میں جن کے عزیز دل

کیطرف سے زر فدیہ ادا ہوا تھا۔ یہ خیال جاگزین ہو جائے۔ کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے انصاف پسندی سے کام نہیں لیا۔ اس سے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائیگا۔

لیکن کوئی مسلمان بھی اس کا ہمنوا نہ ہوا۔ بلکہ سب نے ہی اسے برا کہنا اور ڈانٹنا شروع کیا۔ چنانچہ حضرت مصعبؓ نے جن کے حقیقی بھائی ابو عزیز کا فدیہ ادا ہوا تھا کہا ہم سب مسلمان حضورؐ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اگر حضورؐ ابو العاص کو بغیر فدیہ کے رہا کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ بلکہ اگر حضورؐ تمام زر فدیہ بھی ابو العاص کو دے کر رخصت کر دیں۔ تو ہم اور بھی خوش ہونگے۔ عبداللہ تم منافقانہ باتیں نہ کرو۔ اس سے معصیت کی بو آتی ہے۔

حضرت صدیقؓ نے کہا۔ عبداللہ! تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم عرب مسلمان ہو کر بھی سابقہ جہالت پر قائم ہیں۔ بخدا نہیں ہم مسلمان ہو کر جہالت کو چھوڑ چکے ہیں۔ آنحضورؐ کو سچا رسول مانتے ہیں۔ حضورؐ کے ارشاد کو بمنزلہ حکم کے سمجھتے ہیں۔ لہذا حضورؐ کو تمام و کمال حق حاصل ہے۔ کہ جس کے ساتھ جو رعایت چاہیں۔ کریں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا۔ عبداللہ تم نے اپنی جہالت سے منافقانہ گفتگو کر کے تمام مسلمانوں کے قلوب کو ٹھیس لگائی ہے۔ ہم حضورؐ کے فدائی ہیں۔ ہمارا کام حضورؐ کے ہر حکم کی اطاعت کرنا ہے۔ اگر حضورؐ تمام قیدی قتل کر ڈالتے اور ابو العاص کو چھوڑ دیتے۔ ہمیں اس وقت بھی کہنے کا حق نہ تھا۔ تم کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا۔ مسلمانو! میں عبداللہ کو خوب جانتا ہوں۔ اس کے دل میں ہنوز مرض کفر موجود ہے۔ یہ اب تک اپنی شاہی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اسکا منشا مسلمانوں میں نفاق ڈال کر اپنا مطلب حاصل کرنا ہے۔

اگر یہ مسلمان نہ ہوتا۔ تو سب سے پہلے میری تلوار اس کی گردن پر پڑتی۔ عبداللہ منافق سمجھتا تھا۔ کہ اس کی گفتگو سے مسلمان برانگیختہ ہو کر اس کی ہمنوائی کرینگے۔ لیکن جب اس نے دیکھا۔ کہ ہر شخص اسے برا کہنے لگا۔ تو اس نے کہا۔

مسلمانو! مجھے خیال نہ تھا۔ کہ تم کو میری بات ناگوار گزرے گی۔ میں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ بات نہ کہی تھی۔ بلکہ اس سے میرا منشا یہی تھا۔ کہ اگر رعایت کی جائے تو سب کے ساتھ کسی ایک کیساتھ رعایت کرنا قرین انصاف نہیں۔ مگر جب تم اسے مناسب سمجھتے ہو۔ تو میں بھی جائز قرار دیئے دیتا ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ نے کہا۔ عبداللہ تم واقعی منافق ہو۔ اب بھی تم ایسی ہی گفتگو کر رہے ہو جس سے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے۔ اگر تم آئندہ محتاط نہ رہو گے۔ تو تمہارا سر اڑا دیا جائیگا

عبداللہ خاموش ہو گیا۔ آنحضورؐ نے ابوالعاص کو ہار دے کر کہا۔ ابوالعاص یہ ہار زینبؓ کو دے کر کہہ دینا۔ کہ تمام مسلمانوں نے اس کی والدہ کی یادگار اسے واپس کر دی ہے۔

چونکہ ابوالعاص جنگ بدر کے آخری قیدی تھے جب وہ بھی چھوڑ دیئے گئے۔ تو عبداللہ منافق نے کہا۔ آج یہودیوں کے متعلق بھی فیصلہ کر دینا چاہیئے۔ بے کار قیدیوں کا صرفہ اٹھانے سے کیا حاصل"۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ بے شک یہودیوں کے متعلق بھی اگر حضورؐ فیصلہ کرنا مناسب سمجھیں تو کر دیں:۔

آنحضورؐ نے کہا بشورہ دو کہ یہودیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔؟

حضرت علی کرم اللہ نے کہا۔ یہودیوں نے باوجود سمجھانے اور نصیحت کرنیکے۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے۔ وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ چونکہ یہودیوں نے بلاوجہ جنگ مول لی۔ بلاوجہ مسلمانوں پر یورش کی۔ اس لئے وہ سب کے سب قتل کر ڈالے جائیں۔

حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا۔ یہ یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ ان کا قتل کر ڈالنا ہی مناسب ہے۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ مجھے بھی افسوس ہے کہ یہودیوں نے نہایت ناعاقبت اندیشی کی لیکن قتل

عبد اللہ منافق نے کہا حضورؐ منبع جود وسخا ہیں۔ بحر لطف وکرم ہیں۔ اگر حضور یہودیوں کو بغیر زر فدیہ چھوڑ دینگے۔ تو حضورؐ کے رحم وکرم کی شہرت ہو جائیگی۔

حضرت صدیقؓ نے کہا مسلمانوں کو ستانے والے بلا وجہ لڑنے والے اگر بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ تو اور لوگوں کی جرأت بڑھ جائیگی۔ اور وہ پہلے سے بھی زیادہ نڈر اور بیباک ہو جائینگے۔ اس لئے میری رائے میں تو ان کو قتل کر ڈالنا ہی انسب ہے"۔

عبد اللہ نے کہا حضور! قتل کر ڈالنا تو آسان ہے۔ مگر ایک رسولؐ کی شان کے یہ شایاں نہیں ہے۔ کہ وہ تمام قیدیوں کو بے دردی سے قتل کر ڈالے۔ آنحضورؐ نے کہا۔ عبد اللہ! کیا تم یہودیوں کو بلا فدیہ لئے آزاد کرانا چاہتے ہو؟

عبد اللہ نے کہا۔ ہاں! میرا یہی منشا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا تمام قیدی رہا کئے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں جلاوطنی کی سزا دی جاتی ہے۔

عبادہؓ تم تمام قیدیوں کو اپنی حراست میں لے کر وہ خیبر نکال آؤ لیکن قیدیوں سے یہ اقرار کرالو۔ کہ وہ زندگی بھر مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔

تمام قیدی بلائے گئے۔ انہوں نے حلف اٹھایا۔ کہ وہ زندگی بھر مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش نہ کرینگے۔ اور نہ کسی سازش میں شریک ہونگے۔ اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے۔

اس حلف لینے کے بعد وہ سب عبادہؓ کی معیت میں جلاوطن کر دیئے گئے۔ چونکہ اب دوپہر ہو گئی تھی۔ اس لئے حضورؐ اٹھ کر اپنے ان حجروں میں تشریف لیگئے۔ جو مسجد کے قریب حضورؐ اور حضورؐ کے اہل وعیال کے لئے تعمیر کئے گئے تھے۔

حضورؐ کے تشریف لے جانے کے بعد مسلمان اٹھے۔ اور اپنے اپنے مکانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز کے بعد مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہوا۔ کہ کفار مکہ نہایت کر و فر شان وشوکت سے عظیم الشان لشکر لے مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آرہے ہیں۔ حضورؐ

اس خبر کو سنکر کچھ افسردہ خاطر ہو گئے۔ آپ نے فوراً مجلس شوریٰ منعقد کی۔ دارالعلوم کہیئے۔ یا کونسل خانہ۔ جو کچھ بھی تھی مسجد نبوی تھی۔ ہر کمیٹی۔ ہر جلسہ۔ ہر مجلس مسجد میں ہی ہوتی تھی۔ چنانچہ مجلس شوریٰ بھی مسجد ہی میں منعقد کی گئی۔ جب تمام سربرآوردہ مسلمان آ گئے تو حضورؐ نے فرمایا۔

مسلمانو! کفار مکہ جنگ بدر کا انتقام لینے کے لیئے پوری جمعیت اور پورے جوش سے آ رہے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ کفار مکہ مسلمانوں کو امن و اماں سے نہیں رہنے دیتے میں جنگ کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔ لیکن واقعات جنگ پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس مرتبہ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ مدینہ میں رہکر ہی کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن یہ میری القطاعی رائے نہیں ہے۔ اگر کثرت رائے میری رائے کیخلاف ہو تو میں اسی پر ہی عمل کروں گا۔ سوچ سمجھ کر خوب غور کر کے بتاؤ کہ مناسب کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ اگر حضورؐ کا یہ حکم ہے کہ مدینہ میں رہکر ہی مقابلہ یا مدافعت کی جائے تو کسی مسلمان کو کچھ کہنے کی جراُت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر مشورہ طلب کیا جاتا ہے تو میری رائے میں یہ مناسب ہے کہ ہم مدینہ سے نکل کر کفار کا مقابلہ کریں۔ کیونکہ مدینہ میں رہکر مدافعت کرنیسے کفار کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ مسلمان ڈر گئے۔

حضرت حمزہ رضؓ نے کہا۔ میری بھی یہی رائے کہ مدینہ سے نکل کر ہی کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔

عبداللہ منافق نے کہا۔ مسلمانوں۔ کیا تم خدا کے رسولؐ کی رائے کیخلاف کرنا چاہتے ہو۔ ہرگز ایسا نہ کرو۔ حضورؐ کی یہ رائے نہایت انسب ہے کہ ہم کو مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کی تیاریاں کرنا شروع کیں۔

ناظرین! بھولے نہ ہونگے۔ کہ عبداللہ کا قاصد کفار مکہ کے پاس گیا تھا۔ اور یہ طے کر آیا تھا۔ کہ وہ یعنی عبداللہ اسبات کی کوشش کرے گا۔ کہ مسلمان مدینہ ہی میں

محصور ہو کر مقابلہ کریں اور وہ موقعہ پا کر رات کو فتنت کفار کو مدینہ میں داخل کر کے مسلمانوں پر شبخون مارنے میں مدد دے گا ۔ اس لیئے اس نے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کی رائے دی ۔

حضرت طلحہ نے کہا ۔ میری رائے میں مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنا اس وجہ سے بھی مناسب نہیں ہے کہ ہمیں یہودیوں پر اطمینان نہیں ۔ ممکن ہے یہ لوگ کفار قریش سے ساز کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچیں

زبیر بن العوام نے کہا ۔ میری رائے بھی یہی ہے ۔ کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے ۔ چونکہ کثرت رائے یہی تھی کہ مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر کیا جائے اس لیئے حضورؐ نے اعلان کر دیا ۔ کہ آج ہی لشکر اسلام جمعہ کی نماز پڑھکر روانہ ہوگا ۔ تمام مسلمان اس اعلان کو سُن کر خوش ہوئے سب نہایت شوق سے تیاریاں کرنے لگے ۔

جمعہ کی نماز کے بعد آنحضورؐ زرہ پہن کر اور مسلح ہو کر باہر تشریف لائے ۔ اس وقت بعض لوگوں کا خیال تھا ۔ کہ انہوں نے حضورؐ کی رائے سے خلاف کیا ہے کہیں یہ معصیت نہ ہو ۔ اور اس معصیت کا وبال ان پر یا انکی وجہ سے دوسرے مسلمانوں پر نہ پڑے ۔ اس لیئے انھوں نے عرض کیا کہ حضورؐ ہم سے غلطی ہو گئی ۔ ہم نادم ہیں اگر حضورؐ پسند فرمادیں ۔ تو ہم مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کریں ۔

حضورؐ نے فرمایا ۔ نہ یہ غلطی ہے ۔ نہ معصیت ۔ نہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کرنے کا میرا حکم تھا ۔ لیکن میں نے رات خواب دیکھا کہ میری تلوار کی تھوڑی سی دھار گر گئی ہے اس لیئے مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے ۔ مگر کثرت رائے نے جب یہ طے کر دیا ہے ۔ کہ مدینہ سے باہر نکل کر ہی مقابلہ کیا جائے تو یہی انسب ہے

مسلمان خاموش ہو گئے ۔ تمام اسلامی لشکر کو کوچ پر متعین تھا ۔ اس مرتبہ ایک ہزار جانباز رایت اسلام کے زیر سایہ کھڑے تھے ۔ حضورؐ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا

لشکر اسلام آہستہ آہستہ بڑھا۔ جب یہ لشکر قبا سے آگے بڑھا۔ تو عبداللہ منافق نے باواز بلند اپنے ہمراہیوں سے خطاب کر کے کہا۔

میرے جانبازو! مسلمان نشہ شجاعت میں اس قدر چور ہیں۔ کہ وہ اپنے نیک و بد کو بھی نہیں سوچ سکتے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ مدینہ ہی میں رہکر مدافعت کریں مگر انھوں نے میری رائے نہ مانی اور مدینہ سے باہر نکل آئے مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے مقابلہ میں جانا اپنی زندگیوں کو قربان کرنا ہے۔ میں کسی طرح بھی یہ مناسب نہیں سمجھتا اس لیئے میں واپس لوٹتا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ واپس لوٹ چلو۔

وہ اور اسکے تین سو ہمراہی لشکر اسلام سے علیحدہ ہو کر واپس لوٹ گئے۔ عبداللہ منافق کا یہ خیال تھا کہ اسکے واپس لوٹنے سے مسلمان بھی دل شکستہ ہو کر واپس لوٹ آویں گے یا سب مسلمان نہ لوٹیں گے تو سو پچاس ضرور اس کا ساتھ دینگے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ ایک مسلمان بھی اس کے ساتھ واپس نہ آیا۔ اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے تھے۔ یہ مختصر لشکر نہایت جوش اور بڑی شان سے احد کے راستہ پر روانہ ہوا۔

چودہواں باب (۱۴)

"جنگِ اُحد"

لشکر اسلام نہایت شان و دبدبے بڑے جوش و خروش سے کوچ کر رہا تھا۔ اس لشکر میں صرف سات سو فروش مجاہد تھے۔ ان سات سو ۷۰۰ میں بھی پچاس۔ ساٹھ پندرہ پندرہ سولہ سولہ سال کے بچے تھے۔ جو جوش شجاعت اور شوق شہادت و جہاد میں گھروں سے نکل آئے تھے۔

تمام لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے۔ اسی یا نوے اونٹ تھے۔ چونکہ یہ لشکر جمعہ کی نماز کے بعد مدینہ سے روانہ ہوا تھا۔ اس لیئے قبا سے آگے بڑھکر عصر کا وقت آگیا۔ حضور ؐ نے لشکر اسلام کو روک کر نماز پڑھی۔ نماز سے فراغت کر کے پھر روانہ ہوئے۔

ابھی مجاہدین اسلام نے چار ہی میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے کفار کا لشکر دور تک خیمہ زن نظر آیا۔ خیموں کی قطاریں افق تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آفتاب کی سنہری شعاعیں خیموں پر لوٹ رہی تھیں۔

یہ مقام جہاں کفار مکہ خیمہ زن تھے "وادئے احد" کے نام سے مشہور تھا۔ قریب ہی ایک پہاڑی تھی۔ جس کا نام احد تھا۔ لشکر اسلام احد سے کچھ آگے بڑھکر پہاڑی کے دامن میں جا اترا:۔

کفار مکہ نے دور سے مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل دونوں ایک اونچے ٹیلا پر چڑھ کر اسلامی لشکر کی آمد کا نظارہ دیکھنے لگے۔

مجاہدین اسلام کی تعداد تھوڑی تھی۔ کفار مکہ تھوڑے سے مسلمانوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ابوسفیان نے کہا۔ ہبل کی قسم ہمارے سامنے قتل ہونے کیلئے آئے ہیں۔ وہ ہم سے چوتھائی بھی نہیں ہیں۔ مجھے تو اُن کا لشکر بے حقیقت معلوم ہونے لگا ہے۔

عکرمہ نے کہا۔ یا عم! مسلمانوں اور ان کے لشکر کو حقیر خیال نہ کرو۔ میں نہیں سمجھا کہ لڑائی کیوقت ان میں کس بلا کی طاقت آجاتی ہے۔ ایک ایک مسلمان دس دس بیس بیس دشمنوں سے لڑتا ہے۔ آپ بدر کے مقام پر موجود تھے۔ میں تھا میں ان کی حیرت ناک جنگ کا تماشہ دیکھ چکا ہوں

ابوسفیان نے کہا۔ عکرمہ مسلمان بھی تو ہماری طرح انسان ہی ہیں ہماری ہی قوم سے ہیں۔ ہم سے زیادہ بہادر نہیں ہو سکتے تم دیکھو گے کہ کس آسانی سے انھیں قتل کیا جائے گا۔ آؤ اب آفتاب ڈوبنے لگا ہے۔ خیموں میں چل کر آرام کریں۔ دونوں ٹیلہ سے اُتر کر خیموں کی طرف چلے گئے۔ اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ مسلمان مغرب کی نماز پڑھنے کیلئے وضو کر رہے تھے۔

جب سورج بالکل چھپ گیا۔ تو مسلمانوں نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھکر کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ حضورؐ کھلے ہوئے میدان میں ایک کمبل پر بیٹھے تھے۔ آپؐ کے چاروں طرف آگ روشن تھی۔ مسلمان کھانا پکا رہے تھے۔ افق مشرق سے چاند جھانکنے لگا تھا۔

ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ چاند کے عکس نے میدان میں کافی روشنی کر دی تھی۔

اس وقت ایک عرب خاتون نے قریب آکر آنحضورؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے خاتون کی طرف غور سے دیکھ کر استعجاب بھرے لہجہ میں کہا ام عمارہ تم کہاں ؟

ام عمارہ کا نسبی نام بنت کعب تھا۔ وہ جوان العمر تھیں۔ انھوں نے کہا۔ حضورؐ! میں آپکو میدان جنگ میں آتے دیکھ کر نہ رہ سکی۔ لشکر کے پیچھے پیچھے لگی چلی آئی۔ کیا حضورؐ میرا یہ قصور فرمادیں گے۔

حضور نے فرمایا۔ ام عمارہ۔ تم کو تنہا نہ آنا چاہیئے تھا۔ ایسا ہی تھا۔ تو دو چار اور عورتوں کو ساتھ لے آتیں۔ ایک وقت آئے گا۔ جب کہ مسلمانوں کی عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش میدان جنگ میں نکل کر لڑیں گی۔

جہاد کا ثواب عورتوں۔ مردوں اور بچوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ جہاد سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں ہے۔ جب کوئی مجاہد فی سبیل اللہ کے جہاد کے لیئے گھر سے نکلتا ہے۔ تو پروردگار اُس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شہید ہو جاتا ہے تو جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ اچھا تم ٹھہرو۔ اپنے قبیلہ کے لوگوں میں جاکر ٹھہرو۔ تمہاری یہ جرأت وہمت قابل صد ستائش ہے۔

ام عمارہ چلی گئیں۔ مسلمانوں نے کھانا کھایا۔ عشا کی نماز پڑھی اور سو گئے۔ صبح بہت سویرے اُٹھے۔ حضرت بلال رضؓ نے نہایت خوش الحانی سے اذان دی۔ مسلمانوں نے ضروریات سے فارغ ہو کر نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر مسلح ہوئے۔ اور میدان جنگ میں آکر صف بستہ ہونے لگے۔

حضورؐ نے سب سے پہلے پچاس تیر اندازوں کو منتخب کر کے حضرت عبداللہ بن جبیر انصاری کو ان پر افسر مقرر کیا اور انھیں اُحد کی گھاٹی پر متعین فرماتے ہوئے حکم دیا۔ کہ جب تک تم کو کوئی دوسرا حکم نہ دیا جائے۔ اُس گھاٹی کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

بات یہ تھی کہ احد کی اس گھاٹی سے اندیشہ تھا۔ کہ دشمن عقب سے آکر حملہ نہ کر دے

حضورؐ نے میدانِ جنگ کے اس نازک مقام کو تاڑ لیا تھا۔ اور سب سے پہلے اُس کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ اب حضورؐ نے صفوفِ جنگ آراستہ کیں۔ میمنہ پر حضرت زبیرؓ بن العوام کو اور میسرہ پر حضرت منذرؓ بن عمرو کو مامور فرمایا۔ حضرت حمزہؓ کو مقدمۃ الجیش مقرر فرمایا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم دیا۔ حضرت ابو دجانہؓ کو اپنی خاص تلوار عطا فرمائی۔

حضرت ابو دجانہؓ حضورؐ کی تلوارِ خاص لے کر بڑے خوش ہوئے۔ وہ مسرت و انبساط میں غرق ہو کر اکڑ اکڑ کر چلنے لگے۔

حضورؐ نے ابو دجانہ کو دیکھ کر فرمایا۔ فخر و غرور سے اکڑ کر چلنا خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن کفار کے مقابلہ میں میدانِ جنگ کے اندر اسطرح چلنا جائز ہے۔

جب کہ مسلمان صفیں مرتب کر رہے تھے۔ کفار بھی صفوفِ جنگ کی ترتیب میں مصروف تھے۔ ابو سفیان نے خالد بن ولید کو سو سواروں کا ایک دستہ دے کر میمنہ پر اور عکرمہ بن ابی جہل کو سو سواروں پر افسر مقرر کر کے میسرہ پر مقرر کیا۔ یہ دونوں ابھی تک مسلمان نہ ہوئے۔ طلحہ کو جو قبیلۂ بنی عبدالدار سے تھا، علم دیا۔

جب کہ اس طرح مردوں کی صفیں مرتب کی جا رہی تھیں۔ ہندہ نے مردوں کے پیچھے عورتوں کی صفیں قائم کیں۔ وہ صفیں مرتب کر کے ایک سیاہ فام حبشی غلام کے پاس آئی۔ اس غلام کے پاس آئی۔ اس غلام کا نام وحشی تھا۔ وحشی جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس وقت آقا و غلام دونوں ایک ہی جگہ کھڑے تھے۔

ہندہ نے وحشی سے کہا۔ وحشی سُنا ہے! کہ تم حربہ چلانا خوب جانتے ہو!

حربہ ایک قسم کا چھوٹا نیزہ ہوتا تھا۔ وحشی حربہ پھینکنے میں بڑا ماہر تھا۔ تمام عرب میں اس کی شہرت تھی۔ وحشی نے خادمانہ طریقہ پر سر جھکا کر کہا۔ یا سیدہ! مجھے فخر ہے کہ میں حربہ چلانا جانتا ہوں۔

ہندہ نے کہا۔ وحشی سنو! میرے باپ اور بھائی کو حضرت امیر حمزہؓ نے بدر

بدر کے مقام پر قتل کیا ہے۔ انتقام کی آگ میرے سینہ میں جوش زن ہے۔ میں نے قسم کھائی ہے۔ کہ حمزہؓ کا کلیجہ کھاؤں گی۔ میری قسم کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔

وحشی نے کہا۔ میں حکم کا بندہ ہوں

ہندہ نے اپنی خوبصورت چمکیلی آنکھیں وحشی کے سیاہ فام چہرہ پر گاڑ کر کہا۔ میں جانتی ہوں کہ تم اپنے حربہ سے حمزہؓ کو قتل کر ڈالو۔ اگر تم نے انھیں قتل کر دیا۔ تو دیکھو تو دیکھو میرے اس زیور کیطرف دیکھو۔۔

ہندہ سنہرے اور روپہلے زیورات سے لدی ہوئی تھی۔ وحشی نے حریصانہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔ ہندہ نے کہا۔ میں تمہیں یہ تمام زیور اتار کر دے دوں گی۔

وحشی کی آنکھوں سے جوش مسرت کا اظہار ہونے لگا۔ اُس نے کہا اس قدر یا سیدہ جب تو میں مالدار بن جاؤں گا۔ شاید میں اپنے آقا کو اپنی قیمت دے کر آزاد ہو سکوں

جبیر نے کہا۔ وحشی! اگر تم نے حمزہ کو مار ڈالا۔ تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔

وحشی فرط مسرت سے ناچنے لگا۔ اُس نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری قسمت کا ستارہ عروج پر آنے والا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ موقعہ پاتے ہی حمزہؓ کو قتل کر ڈالوں گا۔

ہندہ نے کہا۔ بس تو تم آزاد ہو جاؤ گے اور میرا سارا زیور تمہاری ملکیت ہو گا

ہندہ واپس لوٹ کر عورتوں کے دستہ میں غائب ہو گئی۔ وحشی جبیر بن مطعم کے ساتھ لشکر میں جا ملا۔ اسوقت آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ آفتاب کی ترچھی شعاعوں زرہ بکتروں۔ نیزوں۔ تلواروں اور دوسرے جنگی ضربوں پر پڑ پڑ کر جگمگا رہی تھیں ابھی جنگ کا آغاز نہ ہوا تھا۔ دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ خاموش کھڑے تھے۔

کفار قریش کے لشکر میں چند نو عمر حسین لڑکیاں دف ہاتھوں میں لے کر آئیں۔ وہ صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر تھر کنے اور دف بجانے لگیں۔

یہ تمام لڑکیاں خوبصورت تھیں۔ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھیں۔ وہ نہایت پیارے انداز سے دف بجا رہی تھیں۔ انکی نازک انگلیاں عجب اور پیارے انداز سے دف پر پڑ رہی تھیں۔ وہ نہایت پیارے انداز سے دف بجا رہی تھیں۔ دف کی سامعہ نواز آواز سرفروشوں کو مسحور کر رہی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے سریلی آواز میں دلفریب لہجہ میں ایک پرجوش نظم گانا شروع کی۔

تمام لڑکیاں خوش گلو تھیں۔ نظم کا مطلب یہ تھا آج احد کی پہاڑیوں کے سامنے مکہ کے شیر آئے ہیں۔ یہ وہ شیر ہیں جنکا نام سنکر دنیا کانپتی ہے۔ جن کی ہیبت سارے جہان پر طاری ہے۔ مکہ کے سرفروش مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لئے نہایت جوش سے آئے ہیں۔ اپنی قومی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے مذہبی دیوتاؤں پر انسانی قربانی چڑھانے کے لئے سر بکف ہو کر آئے ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ان بہادروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اس نظم نے کفار قریش کے جوش کو المضاعف کر دیا۔ ہندہ نے ان نوجوان لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں۔ اور لشکر کے عقب میں کھڑی ہو کر نہایت پرجوش لہجہ میں گانے لگیں۔

اب کفار قریش کے لشکر میں طبل جنگ بجا۔ نہایت زور و شور سے مختلف باجے بجنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ایک سوار کافروں کے لشکر سے نکل کر اسلامی لشکر کے قریب آیا۔ انصار نے اسے دیکھکر پہچان لیا۔ وہ ابو عامر مدینہ کا باشندہ قبیلہ اوس سے تھا۔ اپنی قوم میں بڑا بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ جب مدینہ میں مسلمان آئے۔ اور اس کے قبیلہ کے زیادہ تر لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ آتش رشک و حسد سے جل بھن گیا تھا۔ اس نے مدینہ چھوڑ دیا اور مکہ میں جا کر رہائش اختیار کی۔

اب جب کہ کفار مکہ نے مدینہ پر یورش کی تو وہ اس خیال سے اس لشکر کے ہمراہ آیا تھا۔ کہ اپنے قبیلہ والوں کو سمجھا کر۔ ڈرا کر اسلام سے منحرف کر کے کفار کا قوت بازو بنا دے۔ چنانچہ اُس نے میدان میں آکر کہا۔

اے قبیلۂ اوس کے غیرت مند فرزندو! میں آج تمہاری بہبودی کیلئے تمہارے پاس آیا ہوں۔ دیکھو اس مکہ کے لشکر کو دیکھو! تم سے کس قدر زیادہ ہے۔ مکہ اور نواح مکہ کے تمام ذی عزت اور بہادر لوگ اس لشکر میں شامل ہیں۔ یہ عہد کر کے آئے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا استیصال کئے بغیر واپس نہ لوٹیں گے۔ فتح یقیناً ان کی ہوگی۔ مسلمان شکست کھا کر بھاگیں گے۔ تم مسلمانوں اور مسلمانوں کے رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر مکہ کے لشکر میں آجاؤ۔ مدینہ کی حکومت تمہارے سپرد کر دی جائیگی۔

سعد بن معاذؓ نے فرمایا۔ اے قبیلۂ اوس کے بزدل بیٹے۔ تم نہیں جانتے۔ کہ مسلمان قلت و کثرت کی پرواہ نہیں کرتے۔ فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے دیتا ہے۔ تمہاری قوم تم کو نصیحت کرتی ہے کہ تم کافروں کا ساتھ چھوڑ کر اسلام میں پناہ لو۔ اگر تم نے کافروں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ تو تمہارا ذلت آفریں انجام عنقریب ہے۔

ابو عامر نے کہا۔ سعدؓ! کیوں اپنی قوم کو تباہ کراتے ہو۔ ضد نہ کرو۔ آؤ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دو اور ہم میں شامل ہو جاؤ۔

اسیدؓ بن حضیر نے کہا۔ ابو عامر اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ قبیلۂ اوس کے لوگ تمہارے ڈرانے سے خوفزدہ ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ تو تم غلطی پر ہو۔ مسلمانوں کی شان تمہارے خیال سے بہت بالاتر ہے۔ ہم رسولِ خدا کا ساتھ اپنی زندگی کے آخری سانس تک دیں گے۔ ہاں تم اگر ہم میں شامل ہونا چاہو تو ہم تمہارا خیر مقدم کرنے پر تیار ہیں۔

ابو عامر نے جوش میں آکر کہا۔ بدبختو! تمہارا ہولناک انجام قریب ہے۔ تمہاری ضد تمہیں یقیناً تباہ کر دے گی۔

ایک نوجوان انصاری نے باواز بلند کہا۔ ابو عامر! یاوہ گوئی نہ کرو۔ ورنہ تیر اترے حلقوم کے پار ہو جائے گا۔

ابوعامر ڈر گیا۔ وہ فوراً واپس لوٹ کر کفار کے لشکر میں جا ملا۔ اب ابوسفیان نے لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میمنہ اور میسرہ کے دستے دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ مقدمتہ الجیش آگے تھا۔ قلب تینوں متذکرہ بالا دستوں سے کسی قدر پیچھے تھا۔ ابوسفیان قلب میں گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ عورتوں کے دستے قلب کے پیچھے تھے۔ کفار کا لشکر نہایت نظام اور ترتیب سے آہستہ آہستہ بڑھا۔ حضورؐ نے بھی لشکر اسلام کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ مجاہدین اسلام بیرونی جوش و خروش سے آگے بڑھے

دونوں لشکر اسطرح بڑھ رہے تھے۔ جیسے پانی کا سیلاب دو مختلف سمتوں سے ہموار زمین پر آہستہ آہستہ بہکر ایک خوفناک آواز کے ساتھ ٹکرانے والا ہو!!

بڑھتے بڑھتے دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا۔ جانبازو دلیروں سے فضا گونج گئی آتش جنگ مشتعل ہو گئی۔ قضا انسانوں کے سروں پر منڈلانے لگی۔

چونکہ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیئے دونوں نے اس شدت سے حملے کیے کہ پہلے ہی حملہ میں صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ کفار مسلمانوں میں اور مسلمان کفار میں گھس گئے۔

تلواریں جلد جلد اٹھکر سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ ہاتھ۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے اور ٹھوکریں کھانے لگے۔ خون زمین پر بہنے لگا۔ اگرچہ مسلمان تعداد میں ایک چوتھائی کے تخمینہ سے تھے۔ اور سامان جنگ میں ان کا عشر عشیر بھی نہ رکھتے تھے۔ مگر جوش بمقابلہ غنیم کے کہیں زیادہ تھا۔ جوش اسلام ہی انھیں ٹھوکے دے دے کر سرفروشی پر آمادہ کر رہا تھا۔

مسلم مرد۔ جوان۔ بڈھے۔ بچے سب جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے ان کی خون آشام تلواریں حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اٹھ رہی تھیں۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے ہر شخص یہ چاہتا تھا۔ کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے دشمنوں کا صفایا کر دے

ہر مسلمان جوش میں ڈوبا ہوا بڑی سرفروشی سے لڑ رہا تھا۔ کفار بھی پورے جوش اور

پورے عزم وثبات سے حملے کر رہے تھے۔

قومی نعروں کی آواز۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے تمام میدان گونج اٹھا۔ جنگ اس شدومد سے ہو رہی تھی۔ کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ ہر شخص اپنے حال میں اسیر دنیا و ما فیہا سے بے خبر لڑائی میں مصروف تھا۔

یوں تو تمام مسلمان بڑے جوش وغضب سے لڑ رہے تھے۔ مگر حضرت عمر رض حضرت طلحہ رض۔ حضرت زبیر رض۔ حضرت سعد رض۔ حضرت ابودجانہ رض۔ حضرت صدیق رض۔ حضرت علی رض حضرت حمزہ رض۔ کمال دلیری اور بے خوفی سے دشمنوں کی صفوں میں گھسے جنگ کر رہے تھے ان میں سے ایک بھی واقف نہ تھا۔ کہ وہ لڑتے ہوئے کہاں تک پہنچ گئے۔ کن سے لڑ رہا ہے۔ اور کس قدر آدمی اس پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔

ان بزرگوں میں سے ہر شخص بڑی پھرتی اور چابک دستی سے حملہ کر رہا تھا۔ وہ ہر اس شخص کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔ جو ان کے سامنے آجاتا تھا۔ انھوں نے لشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ لاشوں پر لاشیں ڈالدی تھیں۔ خون کا دریا بہا دیا تھا۔ انسانی اعضاء کو کاٹ کاٹ کر تمام میدان میں بکھیر دیا تھا۔ مگر کفار اس قدر زیادہ تھے۔ کہ قتل ہونے پر بھی ان میں کمی نہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک کے مرنے پر دوسرا اسکی جگہ لے لیتا تھا۔ اس وجہ سے لڑائی برابر نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔

کفار قریش بھی کمال جانبازی۔ پوری دلیری۔ بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ غیظ وغضب میں بھر کر حملے کرتے تھے۔ ہر حملہ میں یقین کر لیتے تھے۔ کہ مسلمانوں کو قتل کر کے پسپا کر دیں گے۔ لیکن جب وہ حملہ کر کے پیچھے ہٹتے تھے۔ تو کسی نہ کسی مسلمان کی تلوار اس کا خاتمہ کر دیتی تھی۔ اور وہ قتل و پسپائی کی حسرت دل میں لیئے موت سے ہم کنار ہو جاتے تھے:۔

کفار کو مسلمانوں کی جسارت۔ دلیری۔ بیباکی بے خوفی پردہ رہ کر غصہ آ رہا تھا لیکن

سخت غضبناک ہو ہو کر حملہ کرتے پر بھی مسلمانوں کی برقبار تلواریں انھیں پیچھے ہٹا دیتی تھیں۔

حضرت علیؓ اس جوش سے لڑ رہے تھے۔ کہ کفار کو ان کی نوجوانی اور ان کے جوش کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ وہ جس پر حملہ کرتے جھکے اُوپر جھپٹتے اُسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتے۔ انہوں نے بیشمار کفار کو جام اجل پلا دیا تھا۔ ابو دجانہ آنحضورؐ کی شمشیر خاص لیئے بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ وہ ہر ایک حملہ میں ایک دو کفار کو واصل جہنم کر ڈالتے اور پھر حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے۔ انھوں نے کفار کی تمام صفوں کو جو ان کے سامنے تھیں پھاڑ ڈالا تھا۔ وہ ذرا تھم حملے کرتے دشمنوں کو خاک و خون میں لٹاتے انکی صفوں کے پار ہو گئے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ کہ قلب لشکر کے پیچھے کفار نے عورتوں کے دستے قائم کیے تھے عورتیں مسلح کھڑی ہوئی لوگوں کو جوش و غیرت دلا رہی تھیں۔ چند نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں جوشیلی نظمیں گا رہی تھیں۔ حضرت ابُو دجانہ قلب لشکر کو چیر کر عورتوں کے دستوں میں جا پہنچے وہ اس قدر جوش و غضب میں سرشار تھے۔ کہ انہوں نے یہ محسوس ہی نہ کیا کہ وہ عورتوں کے دستوں میں آ گئے ہیں۔ انکی خون آشام تلوار خون کے چھینٹے برسا رہی تھی۔ وہ اب بھی برابر حملے کر رہے تھے۔

عورتیں انھیں حملے کرتے دیکھ کر ڈریں۔ سہمیں۔ گھبرائیں۔ اور خوفزدہ نگاہوں سے انھیں دیکھ دیکھ کر ادھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ ابُو دجانہ کو اب بھی خبر نہ ہوئی۔ کہ وہ کہاں نکل آئے ہیں اور کن پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے تلوار اٹھائی اور حملہ کیا۔ اتفاق سے انکی تلوار کی زد پر ہندہ آ گئی۔ ابو سفیان کی بیوی۔ اُس نے اپنے سر پر تلوار بلند ہوتے دیکھی۔ موت اسکی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ لب کانپنے لگے۔ خوف سے آنکھیں حلقوں کے اندر گھس گئیں۔ اُس نے بے اختیار ایک دلدوز چیخ ماری۔

ابُو دجانہ چیخ کی آواز سُنکر چونکے۔ سنبھلے۔ ہندہ کو دیکھتے ہی تلوار مڈ کی آہستہ سے بولے ہیں۔ یہ کہاں میں آ گیا! عورتوں میں۔ کیا میں عورتوں سے لڑ رہا ہوں۔ ان کے بزدل

مرد کہاں گئے۔ بھاگ گئے۔ کہیں میں نے کسی عورت کو قتل تو نہیں کر ڈالا۔ رسولِ خدا کی تلوار عورتوں کے خون سے آلودہ نہیں ہونی چاہیئے۔

انھوں نے اپنے اردگرد دیکھا۔ انھیں ہر طرف عورتیں سراسیمگی سے بھاگتی نظر آئیں۔ کسی عورت کی لاش زمین پر پڑی دکھائی نہ دی۔ ہندہ ابھی تک اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے۔ خوف و دہشت سے نیم مردہ بنی کھڑی تھی۔ ابو دجانہ نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے کسی عورت کو قتل نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو میری بہادری کو دھبہ لگ جاتا۔

انھوں نے ہندہ کو پہچان لیا۔ ہندہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ عتبہ کی بیٹی جاؤ۔ میں تم کو چھوڑتا ہوں۔

یہ سُنکر ہندہ کی جان میں جان آگئی۔ اُس نے مشکورانہ نظروں سے ابو دجانہ کو دیکھا اس عرصہ میں وہ اُسکے پاس سے جا چکے تھے۔ اُس نے کہا۔ شریف انسان۔ شکریہ کا ایک لفظ سنے بغیر چلا گیا۔ کیا تم مسلمان ایسے ہی شریف ہو۔

اس عرصہ میں ابو دجانہ نے کفار پر حملہ کر کے ان سے خون ریزی جنگ شروع کردی جو کافر اُنکی طرف مخاطب ہوا۔ جس نے ان پر حملہ کیا یا کرنا چاہا۔ اسی کو انھوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جبکہ ابو دجانہ مار کاٹ میں مصروف تھے۔ حضرت حمزہ رضؓ بھی کمال دلیری اور جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ انکی بے پناہ تلوار کافروں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ رہی تھی۔ جس پر وہ حملہ آور ہوتے تھے۔ وہی قتل ہو کر خاک و خون میں لوٹنے لگتا۔

ان کے پرجوش اور دلیرانہ حملوں کو دیکھ دیکھ کر کفار گھبرا گئے جس طرف حملہ کرتے کفار دب جاتے۔ سامنے سے ہٹ جاتے۔ انھوں نے دو چار دشمن ہی نہیں۔ پچاس ساٹھ کافروں کو واصلِ جہنم کر دیا تھا۔ وہ اس جوش و طیش سے مغلوب ہو کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ انھوں نے صفوں کی صفیں الٹ دی تھیں۔ اب وہ مشرکین کے علمبردار

اُسطرف بڑھے۔

کفار ان کے ارادہ کو سمجھ گئے۔ وہ راستہ میں حائل ہو گئے۔ لہٰذا ہر طرف سے سمٹ کر ان پر حملہ آور ہوئے۔

حضرت حمزہ رضؓ نے دو دستی تلوار چلانی شروع کی اور اس پھرتی سے چلائی کہ مشرکین حیران رہ گئے۔ انھیں تلوار نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ بجلی کی طرح ایک چمکدار لکیر سی نظر آتی تھی۔ انھوں نے چشم زدن میں تمام حملہ آوروں کو مار کاٹ کر بھگا دیا اور علمبردار کیطرف بڑھنا شروع کیا۔

انھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مشرکین کے علم کو سرنگوں کیئے بغیر نہ چھوڑیں گے اس ارادہ کی تکمیل کے لیئے وہ انتہائی جوش و غضب میں بھر کر حملہ آور ہوئے۔ اگرچہ کفار نے قدم قدم پر آپ رضؓ کا مقابلہ کیا۔ مگر جو مقابل آیا۔

مقتول ہو کر فی النار جہنم ہوا۔ جسکو آپ رضؓ کی تلوار کی ہوا بھی لگ جاتی وہی لمبا لیٹ گیا مشرکین نے سمجھ لیا تھا۔ کہ حضرت حمزہ رضؓ علمبردار پر حملہ کر کے اس کے علم کو سرنگوں کرنا چاہتے ہیں۔

علم کا سرنگوں ہونا شکست کے مترادف تھا۔ اس لیئے وہ قدم قدم پر حضرت حمزہ رضؓ سے الجھنے اور انھیں روکنے لگے۔ لیکن حضرت حمزہ رضؓ رکنے والے نہ تھے۔ وہ رکنے کے لیئے نہ بڑھے تھے۔

ایک مسلمان کا قدم بڑھ کر واپس نہیں لوٹتا لہذا وہ بھی ہر رکاوٹ کو دور کرتے ہر مشرک کو سامنے سے ہٹاتے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑھکر علمبردار کے قریب ہی جا پہنچے

کفار قریش نے علمبردار کو بچانے کے لیئے اُنکے گرد حلقہ ڈال لیا۔ انھیں نرغہ میں لے کر چاروں طرف سے تلواروں اور نیزوں کی بارش شروع کر دی۔

حضرت حمزہ رضؓ نے اس جوش اور اس پھرتی سے حملے کیئے کہ کفار کے چھکے چھوٹ گئے

ایک دو نہیں۔ پانچ سات کفار کشتہ ہو کر گرے۔ اب انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت سختی سے اپنے گرد کھڑے ہونے والے کافروں پر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملہ میں دو مشرکین کو مار ڈالا۔ پھر دوسرا حملہ کیا ایک اور مشرک مارا گیا۔ تیسرے حملہ میں کفار پیچھے ہٹ گئے۔ اب آپؓ نے بڑھ کر علمبردار پر حملہ کیا۔ علمبردار بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا لہٰذا علمبردار نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دینا شروع کیا۔

حضرت حمزہؓ نے اُسکے حملہ کو روک کر نہایت جوش اور پوری قوت سے تلوار ماری تلوار کاری پڑی۔ علمبردار کا سر کٹ کر دُور جا گرا۔ مشرکوں کا علم خاک پر گر پڑا۔

اب حمزہؓ لوٹے۔ نہایت دلیری اور جوش سے لڑتے ہوئے لوٹے وہ جوش جہاد میں اس قدر سرشار ہو رہے تھے۔ کہ سوائے حملہ کرنے کے حملہ روکنے کی طرف مائل نہ تھے وہ ابھی تھوڑی ہی دُور چلے تھے۔ کہ داہنی طرف سے ایک چھوٹا سا نیزہ آکر داہنے پہلو میں لگا اور بائیں پہلو سے پار ہو گیا۔

آپ کا جسم کانپا۔ آنکھیں اُوپر کو چڑھ گئیں۔ آپ شہید ہو کر گرے نیزہ وحشی نے چلایا تھا۔ وہ حضرت حمزہ کو شہید ہو کر گرتے دیکھتے ہی ہندہ کو خوشخبری پہنچانے کے لیئے دوڑ گیا۔

مشرکین حضرت حمزہؓ کی دلیری دیکھ چکے تھے۔ وہ ان سے اس قدر نفرت کرنے لگے تھے۔ کہ اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب وہ شہید ہو کر گرے تو چند شریر بزدلوں نے انکی لاش پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ گھوڑوں نے لاش کو پامال کر کے مثلہ کر دیا۔

اس وقت بھی جنگ ہر محاذ پر نہایت خون ریزی اور جوش سے ہو رہی تھی۔ جانباز نہایت سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ شمالی افق سے جنوبی افق تک تلواریں اٹھتی اور جھکتی نظر آ رہی تھیں۔ خون کے چھینٹے اُڑ رہے تھے۔ کبھی کبھی سر کٹ کٹ کر گیندوں کی طرح اچھلنے لگتے تھے

زخمی چلا رہے تھے۔ سرفروش قومی بہادر نعرے لگا رہے تھے۔ ہر طرف اس قدر شور و غل بپا تھا۔ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

ابو سفیان نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔ وہ جوش و غیرت دلا دلا کر اپنے لشکر کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ حضرت حنظلہ رضؓ نے دور سے آگے اُسے دیکھا۔ وہ اس کی طرف لپکے!۔

چونکہ حنظلہ رضؓ اور ابو سفیان کے درمیان بیچ سینکڑوں مشرکین حائل تھا۔ اس لیے انھوں نے پہلے اُن مشرکوں کا صفایا کرنا شروع کیا۔ انکی شمشیر جوہر دار ایسی خطرناک تھی۔ کہ جس کے سر پڑتی۔ دو ٹکڑے کیے بغیر نہ چھوڑتی۔ وہ نہایت پھرتی سے داہنے بائیں سامنے حملے کر کرکے کفار مکہ کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔

بت پرست ان کے حملوں کو رد کرتے تھے۔ مگر کوئی کوشش کارگر نہ ہوتی تھی جو کوئی بھی بڑھکر ان کے سامنے آیا۔ ان کی خارا شگاف تلوار نے اُسے کاٹ کر ڈال دیا۔ لہذا انھوں نے کثیر التعداد مشرکوں کو کاٹ کاٹ کر ڈال دیا۔

ایک مرتبہ انھوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ اکثر کفار کو قتل کیا۔ صف کی صف کو الٹ کر ابو سفیان کے قریب پہنچگئے!!

ابو سفیان نے انھیں دیکھا۔ وہ انھیں غیظ و غضب سے بھرا ہوا دیکھ کر گھبرا گیا سہم کر پیچھے ہٹا۔ حنظلہ رضؓ نے بڑھ کر وار کیا۔ قریب تھا کہ اُن کی تلوار ابو سفیان کا خاتمہ کر دے کہ پیچھے سے شداد بن اسود لیثی نے حملہ کر کے اسطرح سے تلوار ماری کہ داہنے شانہ سے داخل ہو کر بائیں شانہ سے پار نکل گئی۔

حضرت حنظلہ رضؓ کا سر دُور جا کر گرا اور لاش زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ ابو سفیان نے گھوڑا دوڑا کر ان کی لاش کو روند ڈالا۔

حضرت علی رضؓ ابھی تک بڑی جانکاہی اور سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ وہ دشمنوں کو مارتے

کاٹتے اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں مشرکین کا علم سرنگوں پڑا تھا۔ ان کے اس جگہ پہنچتے ہی ایک شخص نے علم اٹھایا۔

ابھی وہ اچھی طرح علم کو اٹھانے بھی نہ پایا تھا۔ کہ حضرت علیؓ کی تلوار اس کے سر پر پڑی اور وہ کشتہ ہو کر گرا۔ اس کے گرتے ہی علم پھر زمین پر آرہا۔

چونکہ اقوام کا طرۂ امتیاز علم ہی ہوتا۔ علم ہی کے سایہ میں جانباز سرفروشی کیا کرتے ہیں۔ جان دے دیتے ہیں۔ مگر علم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ علم کا سرنگوں ہونا شکست کے مترادف سمجھا جاتا ہے:۔

میدان جنگ میں لڑائی کے وقت جب کوئی علم زمین پر گر جاتا ہے۔ تو اس فریق کا لشکر دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ مشرکین میں سے ایک اور شخص نے علم اٹھایا۔ اور علمبردار کی حفاظت کیلئے ایک دستہ متعین ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے علم کو ایستادہ دیکھا۔ انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ علم کے محافظ دستہ سے بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا۔ بڑی خون ریزی جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت علیؓ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ شیر خدا غضبناک ہو ہو کر حملے کر رہے تھے ہر حملہ میں ایک دو کافروں کو ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ مگر جیسے کہ حضرت علیؓ نے ارادہ کر لیا تھا۔ کہ علمبردار کو قتل کر دینگے۔ بعینہٖ کفار نے بھی ارادہ کر لیا تھا۔ کہ علمبردار کو بچا دینگے اور حضرت علیؑ کو قتل کر ڈالیں گے۔

حضرت علیؓ تنہا تھے۔ تنہا مشرکین کے نرغہ میں کمال دلیری اور جوش و پھرتی سے لڑ رہے تھے۔ انھوں نے چشم زدن میں پچاس ساٹھ کافروں کو مار کر علمبردار کو بھی مار ڈالا تھا۔

کفار کا جھنڈا پھر گرا پڑا تھا۔ یا گرا دیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر کفار کو بڑا جوش آیا ان میں سے ایک بہادر شخص نے پھر علم اٹھایا۔ پھر اس کے گرد مشرکین نے حصار قائم کر لیا

حضرت علی رضؓ نے پھر اس حصار پر حملہ کیا۔ پھر خون آشام جنگ شروع ہوگئی۔ ہاتھ، پیر سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

حضرت علی نوجوان تھے۔ پرجوش تھے۔ خدا نے لازوال قوت عطا کی تھی۔ لہذا وہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ ان کے پاس زرہ بکتر نہ تھی۔ وہ ہر وار کو ڈھال پر روکتے تھے۔ اور ہر حملہ کرنیوالے پر حملہ کر کے اُسے قتل کر ڈالتے تھے۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے آٹھ علمبرداروں کو قتل کر ڈالا۔

جس کافر نے علم اٹھایا وہی موت سے ہم کنار ہوا۔ مشرکین حضرت علی رضؓ کا جوش۔ طرز جنگ اور قوت بازو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انھوں نے اعتراف کیا۔ حضرت علی رضؓ واقعی شیر خدا ہیں۔ بجز خدا کے شیر کے اور کسی میں یہ قوت نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ اس طرح سے لڑے۔ جس طرح سے حضرت علی رضؓ لڑ رہے تھے۔ اُن کی بے پناہ تلوار جس کے سر پر پڑی سینہ تک اترتی چلی گئی۔

حضرت نضر رضؓ بن انس۔ حضرت سعد بن الربیع۔ حضرت بلال رضؓ۔ حضرت کعب رضؓ۔ حضرت صدیق رضؓ۔ حضرت عمر رضؓ۔ حضرت زیاد رضؓ۔ حضرت عمارہ رضؓ بن زیاد نے مل کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ جس صف پر حملہ آور ہوئے اُسے پلٹ دیا۔ جس طرف کا رُخ کیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے

وہ شیروں کی طرح بپھر گئے۔ انھوں نے چشم زدن میں سینکڑوں مشرکین کو چیر پھاڑ کر زمین پر ڈال دیا۔ ایسی خون ریز جنگ کی کہ دُور تک لاشوں پر لاشے ڈالتے چلے گئے۔

ہر محاذ پر تمام مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے لڑ رہے تھے۔ خون آشام تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں۔ خون کے چھینٹے اُڑ اُڑ کر اس طرح گر رہے تھے جیسے خون کی بارش ہو رہی ہو۔ صدائے دار و گیر سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔

اب آفتاب نصف النہار پر آ گیا تھا۔ دھوپ ہر چیز کو تپا رہی تھی۔ جانباز و سرفروش

پسینہ میں شرابور ہو رہے تھے ۔

مسلمانوں نے جوش میں آکر اللہ اکبر کا پُرزور نعرہ لگا کر نہایت شدت حملہ کیا ۔ اس حملے نے مشرکین کے قدم اکھاڑ دیئے ۔ وہ پیچھے ہٹے ۔ مسلمانوں نے ایک اور حملہ کیا ۔ اگرچہ کفار نے اس حملہ کو روکنے کیلئے پورا زور اور اپنی تمام طاقت صرف کر دی ۔ لیکن شیرانِ اسلام کے حملہ کو نہ روک سکے ۔ اور پیچھے ہٹے ۔ مسلمانوں نے انتہائی قوت سے ایک اور حملہ کیا : ۔

اب مشرکین کے قدم اکھڑ گئے ۔ وہ بُری طرح پسپا ہوئے ۔ اپنی بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگنے لگے ۔ مسلمان اُن کے تعاقب میں دوڑے مشرکین کے سارے لشکر میں بدحواسی اور سراسیمگی چھا گئی ۔ ہر شخص جان بچا کر بھاگنے لگا ۔ تمام لشکر میں بھگدڑ پڑ گئی ۔ عورتوں کے دستے بھی بدحواسی کے ساتھ بھاگنے لگے ۔

عورتوں کی جرنیل ہندہ بھی بھاگی ۔ وہ نوجوان عورتیں جو دف بجا بجا کر سپاہیوں کو لڑنے کی ترغیب دے رہی تھی ۔ دف پھینک کر بھاگیں ۔

اس وقت مشرکین کے لشکر میں بڑی بدحواسی طاری تھی ۔ ہر مرد عورت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے ۔ مسلمان ان کے تعاقب میں ان کے سروں پر تلواریں مارتے دوڑ رہے تھے ۔

مرد چلا رہے تھے ۔ عورتیں چیخ رہی تھیں ۔ بھاگتے بھاگتے وہ اپنے خیموں سے بھی آگے نکل گئے ۔ مسلمانوں نے دور تک لاشیں بچھا دیں ۔

چونکہ کفار کو پوری پوری ہزیمت ہو گئی تھی ۔ ان کے سردار ۔ ان کے جرنیل ۔ ان کا سالارِ اعظم ابوسفیان سب بھاگ نکلے تھے ۔ اس لیئے مسلمانوں نے ان کے کیمپ پر چھاپہ مارا اور اُن کے خیموں کو لوٹنا شروع کیا ۔

مشرکین بدحواسی سے دُور تک بھاگے چلے گئے۔ اتنی دور کہ وہ مسلمانوں کی گرفت سے باہر نکل گئے۔ عورتیں بھی گرتی پڑتی ان کے پاس جا پہنچیں۔ اس کے بعد وہ ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔

(۱۵)

پندرہواں باب

فخرِ عالم نرغۂ اعداء میں

کفار قریش ہزیمت کھا کر نہایت بدحواسی سے بھاگے تھے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے انھیں ان کے خیموں سے دور دھکیل دیا تھا جب کفار کے قدم ہی نہ جمے اور وہ دور تک بھاگتے ہی چلے گئے۔ تو مسلمانوں نے ہزیمت یافتہ کافروں کے خیمے لوٹنا شروع کر دیئے۔ تمام مسلمان ادھر ادھر سے سمٹ سمٹ کر ان کے کیمپ پر جا پڑے۔ ان کی ہر چیز لوٹی اور پامال کی جانے لگی۔ مسلمانوں کا وہ محافظ دستہ جو آنحضور کے حکم سے اُحد کی گھاٹی میں حضرت عبداللہ کی سرکردگی میں متعین کیا گیا تھا۔ مشرکین کو شکست پا کر بھاگتے ہوئے دیکھ کر اُن کے تعاقب میں چلنے لگا۔

حضرت عبداللہ نے انھیں روک کر کہا۔ مسلمانو! کیا کرتے ہو۔ ! حضور ؐ کا حکم ہے کہ [illegible] ! اس جگہ ٹھہرے رہو۔ اسجگہ سے حرکت نہ کرو۔ تم اسجگہ کو چھوڑتے ہو۔ یہ نافرمانی [illegible] ہے۔

چند لوگوں نے جواب دیا۔ مشرکین کو شکست ہو گئی ہے۔ ان کا جھنڈا میدان جنگ میں سرنگوں پڑا ہے۔ مسلمان ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ممکن ہے۔ مشرکین

پڑیں۔ اور ہماری امداد کی ضرورت پیش آئے۔

حضرت عبداللہ نے کہا۔ مگر ہم کو تاکید کی گئی ہے۔ ہم اس جگہ سے حرکت نہ کریں:۔

ایک مجاہد نے کہا۔ یہ حکم اور یہ تاکید لوقاتِ جنگ تک کے لیئے تھی۔ مگر اب فتح ہو چکی ہے۔ اس لیئے اب ہمارا اس جگہ ٹھہرنا بے کار ہے۔

یہ کہتے ہی تمام مجاہدین چلے اور تعاقب کرنے والے مسلمانوں میں جا ملے۔ صرف پانچ آدمی اس جگہ رہ گئے۔ تمام میدان جنگ میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کفار کے جو لشکر والے ادھر ادھر رہ گئے تھے۔ وہ چن چن کر مارے جا رہے تھے۔ میدان کے گوشہ گوشہ میں مسلمان پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کفار کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے۔ بہت سے مشرکین جان بچانے کے لیئے لاشوں کے برابر لیٹ گئے تھے۔

آفتاب پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ تیز دھوپ ہر چیز کو گرما رہی تھی۔ عبداللہ بن جبیر مع اپنے چار ہمراہیوں کے برابر گھاٹی کے کنارہ پر کھڑے میدان جنگ کیطرف دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنی۔ وہ متحیر ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے:۔

آواز گھاٹی سے آرہی تھی۔ عبداللہ رضؓ نے اپنے ہمراہیوں سے دریافت کیا تم بھی گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُن رہے ہو"

ایک مجاہد نے کہا۔ ہاں سن رہے ہیں۔ بہت تیزی سے گھوڑے آرہے ہیں:۔

عبداللہؓ۔ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔

مجاہد۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ شاید کفار مکہ ہوں

یہ سب لوگ نہایت غور اور توجہ سے گھاٹی کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں گھاٹی کے دوسری طرف سے سواروں کا دستہ آتا نظر آیا۔

عبداللہ نے ان لوگوں کو پہچان لیا۔ یہ کفار قریش کا فوجی دستہ تھا۔ خالد بن ولید

کی سرکردگی میں آ رہا تھا۔ خالد اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

بات یہ ہوئی کہ جب مسلمان مشرکین کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور گھاٹی کے محافظ بھی چلے گئے۔ تو خالد نے دور سے گھاٹی کو خالی دیکھ لیا۔ وہ اس کی اہمیت سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے اپنے سو سواروں کا دستہ لیا اور ایک میل کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے پیچھے پہنچے۔ اور وہاں سے مجاہدین اسلام کی نظروں سے بچتے ہوئے گھاٹی میں داخل ہو گئے۔ اب گھاٹی سے نمودار ہوئے۔ انھوں نے آتے ہی عبداللہ اور ان کے ہمراہیوں پر حملہ کر دیا۔

عبداللہ نے فوراً تلوار میان سے کھینچ لی۔ ان کے ساتھیوں نے بھی تلواریں کھینچ کر بلند کیں۔ اور دشمنوں پر پل پڑے۔ جنگ شروع ہو گئی۔

یہ بڑی جرات اور دلیری کا کام تھا۔ کہ صرف پانچ آدمی سو دشمنوں سے لڑنے لگے۔

اگر یہ گھاٹی تنگ ہوتی تو یہ پانچ بہادر خالد اور ان کے ہمراہیوں کو اس وقت تک روکے رکھتے۔ تا آنکہ اُنھیں امداد پہنچ جاتی۔ لیکن گھاٹی کشادہ تھی۔ کئی سوار بیک وقت گذر سکتے تھے۔ اس "وہ کافروں کے اس طوفان کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے

خالد اور ان کے ہمراہیوں نے نہایت جوش سے یورش کی تھی۔ وہ اپنی رَو میں عبداللہ اور ان کے چاروں ساتھیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جانا چاہتے تھے۔ مگر یہ پانچوں مجاہدین سدِ سکندری کی طرح ڈٹ گئے۔

انھوں نے بڑے استقلال سے اُن کا حملہ روک کر۔ بڑے جوش سے خود بھی حملہ کر دیا۔ تلواریں جلد جلد بلند ہو کر سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ ہاتھ۔ پیر۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون پتھروں پر بہنے لگا۔

مجاہدین اسلام نہایت غیظ و غضب سے بپھرے ہوئے بل جل کر بڑی چستی اور چابک دستی سے لڑ رہے تھے۔ انھوں نے دس بارہ مشرکین کو فی النار جہنم کر دیا تھا

خالد کو بڑا غصہ آ رہا تھا۔ وہ جوش و غضب میں بھرے ہوئے کھڑے دیکھ رہے تھے
انھوں نے اپنے ساتھیوں کو جوش و غیرت دلاتے ہوئے بڑھایا۔ ان کا یلغار بڑھا۔
مسلمانوں نے روکنا چاہا۔ لیکن وہ پوری قوت صرف کرنے پر بھی نہ روک سکے۔ پیچھے ہٹے اور پیچھے ہٹتے ہوئے تین مجاہد شہید ہو گئے۔
اب صرف دو اسلامی شیر رہ گئے۔ دونوں نے جوش و غضب سے بھر کر حملہ کیا۔ غضبناک شیروں کی طرح دشمنوں پر جا ٹوٹے۔ اکثر و بیشتر مشرکین کو واصل جہنم کر دیا۔
خالد نے بڑھ کر حملہ کیا۔ انھوں نے چوتھے مسلمان کو بھی شہید کر دیا۔ اب ان پانچ مجاہدین میں سے تن تنہا عبداللہ ہی باقی رہ گئے۔
عبداللہ نے طیش میں آ کر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملے میں دو کافروں کو مار ڈالا۔ اس کے بعد جب وہ پینترا بدل کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ تو ایک مشرک نے پیچھے سے ان کے تلوار ماری۔
تلوار کاری پڑی۔ وہ شدید طور پر زخمی ہو کر گرنے لگے۔ مگر گرتے گرتے سنبھلے اور پلٹ کر اپنے اوپر حملہ کرنے والے پر حملہ کیا اور تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔
وہ گرا خود بھی اسکے اوپر گرے۔ خالد نے اپنے ہمراہیوں کو بڑھایا۔ مشرکوں کے گھوڑے مجاہدین اسلام کی نعشوں کو روندتے ہوئے نکل گئے۔
چونکہ اب میدان صاف ہو گیا تھا۔ کوئی روکنے والا باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے مشرکین تیز روی کے ساتھ پہاڑی سے نیچے اترنے لگے۔
کچھ مسلمان آنحضورؐ کے قریب کھڑے تھے۔ انھوں نے خالد اور ان کے ہمراہیوں کو پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے دیکھ لیا۔ اب ان سب نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا:۔
اس نعرہ کی آواز کو ان مسلمانوں نے سُنا۔ جو مشرکین کا تعاقب کر رہے تھے۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ انھیں احد کی پہاڑی سے کفار کا لشکر اترتا نظر آیا۔

چونکہ حضرت محمدؐ پہاڑی کے دامن میں چند مسلمانوں کے ہمراہ کھڑے تھے۔ اس لیئے مسلمانوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں کفار ان پر حملہ نہ کردیں۔ وہ فوراً پلٹے اور نہایت تیزی سے حضور ﷺ کی اعانت اور حفاظت کے لیئے بڑھے

عکرمہ نے مسلمانوں کو واپس ہوتے دیکھ لیا۔ اُس نے للکار کر اپنے ہمراہیوں کو ندا کا جب وہ سب اُسکے گرد آ جمع ہوئے تو اُس نے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ بڑی تیزی سے مسلمانوں کے تعاقب میں دوڑا

ابوسفیان جو ابتک بھاگا جارہا تھا۔ رکا۔ اُس نے کفار کو جمع ہونیکا حکم دیا تمام اہل مکہ اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ تمام کفار کو ساتھ لے کر نئے جوش اور نئی ہمت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ تمام حملے یکے بعد دیگرے خلاف توقع اچانک طور پر ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغہ میں آ گئے۔ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی۔ کوئی ترتیب اور صف بندی باقی نہ رہی۔ انکی جمعیت منتشر ہو گئی۔ تھوڑے تھوڑے مسلمان بہت بہت کفار کے نرغہ میں آ گئے۔ ہر طرف سے ہر جگہ پر تلواریں برسنے لگیں۔ نہایت خون ریز اور صبر آزما جنگ ہونے لگی۔

کفار نہایت جوش سے حملے کر رہے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کی ترتیب باقی نہ رہی تھی انکی جمعیت میں انتشار اور سراسیمگی پیدا ہو گئی اس لیئے کفار مکہ نے ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مگر مسلمان بھی کوئی تر نوالہ نہ تھے۔ اگرچہ وہ کفار کے نرغہ میں آ گئے تھے۔ پریشان خاطر ہو گئے تھے۔ لیکن ہر محاذ پر کمال استقلال اور پورے جوش سے لڑ رہے تھے۔ اب میدان جنگ نہایت طویل و عریض ہو گیا تھا۔ ہر طرف خون آشام تلواریں اُٹھ اُٹھ کر خون فشانی کر رہی تھیں۔

چونکہ خالد اور اُن کے ہمراہی تمام مسلمانوں اور آنحضور ﷺ کے درمیان حائل ہو گئے تھے اور ہر مسلمان آنحضور ﷺ کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لیئے جنگ نہایت خون ریز

ہو رہی تھی۔ سرفروش نہایت جوش و خروش سے مصروف پیکار تھے۔ جانباز ہتھیلی پر سر لئے مشغول جدال و قتال ہے۔

آنحضور کے گرد صرف بارہ صحابی تھے۔ آپ کے قریب حضرت مصعبؓ بن امیر اسلامی علم لئے کھڑے تھے۔ خالد بن ولید کے ہمراہیوں نے آپ کو اور آپکے ہمراہیوں کو اپنے زرغہ میں لے رکھا تھا۔ آپ کے گرد نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ کفار مسلمانوں کو گھیر کر قتل کرنا چاہتے تھے۔ آنحضور کو قتل کرنے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اور نہایت جوش سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان اپنی ہستی سے بیگانہ وار آنحضور کو بچانے کے لئے اپنی طاقت سے زیادہ جدوجہد کر رہے تھے۔ بڑی پھرتی۔ بڑے جوش اور بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے۔ وہ ہر اس کافر کو جو قریب آنے کی کوشش کرتا تھا تلوار کی دھار سے اجل دے کر موت کی نیند سلا دیتے تھے۔

آنحضور صلعم نہایت استقلال سے صحابہؓ کے درمیان کھڑے جنگ کا منظر ملاحظہ فرما رہے تھے۔

جنگ کی چکی نہایت تیزی سے گھوم رہی تھی۔ تلواریں جلد جلد چل رہی تھیں۔ اعضائے انسان کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔

خالد اور ان کے ہمراہی بڑھ بڑھ کے حملے کر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے گھوڑے بڑھاتے تھے۔ مگر جب مسلمان بڑھ کر سنبھل کر جوش و طیش میں آ کر حملہ کرتے تھے۔ تو وہ پیچھے ہٹ جاتے تھے۔

حضرت مصعبؓ ایک ہاتھ میں علم لئے اور دوسرے ہاتھ میں تلوار سنبھالے بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے مشرکین کو تعداد کثیر میں داخل جہنم کر دیا تھا۔

ایک مرتبہ وہ جوش میں آکر بڑھے ۔ وہ خالد کو جانتے تھے ۔ انہیں قتل کرنے کے لئے بڑھ رہے تھے ۔ کئی کافروں کو مارتے کاٹتے خالد کے قریب پہنچ گئے ۔

انہوں نے تلوار اٹھائی ۔ پورے جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا ۔ خالد نے ڈھال پر ان کا وار روکا ۔ تلوار نے ڈھال کو پھاڑ ڈالا ۔ خالد پیچھے ہٹے ۔ حضرت مصعبؓ اور بڑھے ۔ انہوں نے پھر حملہ کرنا چاہا ۔ اس عرصہ میں پیچھے سے کفار کے ایک مشہور سوار ابن قمیہ لیثی نے آکر حملہ کیا ۔

چونکہ حضرت مصعبؓ خالد کی طرف ہمہ تن متوجہ تھے ۔ اس لئے وہ ابن قمیہ کے حملہ کو نہ روک سکے ۔ تلوار ان کے سر پر پڑی جو سر کے دو ٹکڑے کرتی ہوئی حلق تک اتر گئی ۔ حضرت مصعبؓ شہید ہو کر گرے ۔ علم بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا ۔

چونکہ حضرت مصعبؓ بھی حضورؐ کے ہم شبیہ تھے ۔ اس لئے ابن قمیہ نے سمجھا ۔ کہ رسولِ خدا ہی کو قتل کر ڈالا ۔ چنانچہ اس نے بلند آواز سے کہا ۔ قَدْ قَتَلْتُ مُحَمَّدً یعنی میں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے ۔

اس آواز کو سنکر مشرکوں نے مسرت و شادمانی کے نعرے لگائے ۔ فرطِ مسرت سے اچھلنے کودنے لگے ۔ ہر مشرک نے بلند آواز سے کہا ۔ حضرت محمدؐ صلعم قتل کر دیئے گئے ۔

مسلمان ان پیہم آوازوں کو سنکر حیران و ششدر رہ گئے ۔ وہ بحرِ رنج و الم میں ڈوب کر ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگے ۔ لڑنا بھول گئے ۔ غم میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے خدا کے محبوب کو اسلام کے مجدد کو خدا کے رسول کو ڈھونڈنے لگے ۔

کفار نے مسلمانوں کو اس سراسیمگی اور حیرانی سے ادہر ادہر دیکھتے ہوئے محسوس کر کے نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا ۔ مسلمانوں کو تلواروں کی باڑہ پر رکھ لی ۔

مسلمان سنبھلے ۔ ہوش میں آئے ۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے کہا ۔ مسلمانو! اگر ہمارا مطلوب خدا کا محبوب ۔ اسلام کا حامی شہید ہو گیا ۔ تو اب لطف زندگی کیا باقی رہا ۔ لڑو اور لڑ کر

شہید ہو جاؤ۔

مسلمانوں نے جوش میں آکر پوری قوت سے حملہ کیا۔ ہر طرف سے تلواریں بلند ہوئیں۔ جوش وغضب کا طوفان امنڈ آیا۔ سر وتن کے فیصلے ہونے لگے۔ انسان کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ اور خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

کعبؓ بن مالک بڑے جوش وغضب میں بھرے ہوئے کفار کو قتل کرتے اس طرف بڑھ رہے تھے جس طرف آنحضورؐ کھڑے تھے۔ انہوں نے ہر اس شخص کو قتل کر ڈالا جو سدّ راہ ہوا۔

مارتے کاٹتے وہ آنحضور صلعم کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے حضورؐ کو صحابہؓ کے درمیان کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ جوش مسرت سے اچھل پڑے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔

مسلمانو! خدا کا شکر ہے۔ کہ رسولؐ خدا زندہ وسلامت موجود ہیں

آنحضورؐ کے گرد نہایت شدت سے جنگ ہو رہی تھی۔ سینکڑوں کفار کے مقابلہ میں بارہ صحابہ حلقہ کئے موت سے بنرد آزما ہو رہے تھے۔ کعبؓ بھی ان میں شامل ہو گئے انھوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا۔ اکثر وبیشتر مشرکین کو قتل کرتے ہوئے سامنے کے لوگوں کو بہت حد تک پیچھے ہٹا دیا۔

اب آنحضورؐ صلعم نے نہایت اونچی آواز سے فرمایا۔ الی عباد اللہ انا رسول اللہ یعنی خدا کے بندو! میری طرف آؤ۔ میں خدا کا رسول ہوں۔

مسلمانوں نے اس آواز کو سنا۔ ان کے دلوں سے غم وفکر کا بوجھ دور ہو گیا۔ مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے پژمردہ چہرے شگفتہ ہو گئے۔ وہ ہر طرف سے سمٹ کر آپؐ کی طرف بڑھنے لگے۔

عام طور پر کفار سمجھ رہے تھے۔ کہ آنحضورؐ شہید ہو گئے حضورؐ کی آمد نے انھیں نکھا دیا

کہ حضورؐ حیات ہیں۔ وہ بھی ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر آنحضورؐ صلعم کی طرف بڑھنے لگے

اب وہ مقام جہاں حضورؐ تشریف فرما تھے۔ لڑائی کا مرکز بن گیا۔ بڑی خون ریز جنگ ہونے لگی۔ مسلمان کفار پر اور کفار مسلمانوں کے اوپر برس پڑے۔ گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ انسان کھیرے ککڑی کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

اوّل تو مسلمان تھوڑے تھے۔ پھر منتشر ہو رہے تھے۔ متفق و متحد ہو کر کفار کے حملوں کا جواب دے سکتے تھے۔ مگر جو مسلمان جس جگہ تھا۔ بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔

آنحضرت صلعم کے گرد حضرت صدیق رضؓ۔ حضرت عمر رضؓ۔ حضرت علی رضؓ۔ حضرت ابودجانہ۔ حضرت سعد وقاص۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ۔ حضرت زبیر رضؓ حضرت عبدالرحمان بن عوف۔ حضرت عمارہ رضؓ حضرت زیادؓ تھے۔ اور حضرت ام عمارہ نے بھی اپنے دستِ نازک میں تلوار اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ سایہ کی طرح حضورؐ کے ہمراہ تھیں۔

خالد اور اس کے ہمراہی آنحضورؐ صلعم کے ساتھیوں پر ٹوٹے پڑے تھے۔ وہ ان کے حصار کو توڑنا چاہتے تھے۔ مگر مسلمان تھے کہ آہنی دیوار کی طرح جمے کھڑے تھے بڑے جوش۔ بڑے استقلال۔ بڑی بہادری سے مشرکوں کے حملے روک کر جوابی حملے کر رہے تھے۔

عکرمہ بن ابی جہل نے بھی حضورؐ کی آواز سن لی تھی۔ وہ معہ اپنے ہمراہیوں کے نہایت جوش و خروش سے حضورؐ کے ہمراہیوں پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زیاد رضؓ اور حضرت عمارہؓ ان ہر دو مجاہدین نے بڑے استقلال سے ان کا حملہ روک کر خود بھی حملہ کر دیا۔

ان ہر دو شیران اسلام کی تلواروں نے دس بارہ کافروں کو چشم زدن میں واصل جہنم کر ڈالا۔ چونکہ وہ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے شمشیر زنی کرتے ہوئے اپنے مرکز سے آگے بڑھ گئے۔

مشرکین نے ان دونوں کو نرغہ میں لے کر ہر طرف سے ان پر تلواروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ دونوں پھرتی سے چاروں طرف اچھل اچھل کر لڑتے اور وار کرتے رہے۔ انھوں نے بہت سے کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اتفاق سے حضرت زیاد رض کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ جھکے ان کے جھکتے ہی دس بارہ تلواریں ان کے اوپر پڑیں۔ ان پیہم تلواروں نے ان کے جسم کو قیمہ بنا دیا۔ وہ شہید ہو کر گرے۔ حضرت عمارہ نے دیکھا۔ انھیں جوش آ گیا۔ انہوں نے غیظ و غضب سے بھر کر حملہ کیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں چار کافروں کے سر بھٹے کی طرح اڑا دیئے۔

کفار نے ان پر بھی چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ متعدد تلواریں ان کے سر پر بلند ہوئیں۔ انھوں نے سامنے والے دو کافروں کو قتل کر دیا۔ جبکہ وہ پینترا بدل کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ کئی مشرکین نے ان پر حملہ کر کے انھیں بھی شہید کر دیا۔

اب کفار کی یورش ذات گرامی کی طرف تھی۔ انکی تمام تر توجہ حضور کے گرد حلقہ کرنے والوں کو منتشر یا ہلاک کرنیکی طرف مائل ہو گئی تھی۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں کفار نے اس مختصر گروہ پر حملہ کر دیا تھا۔ لیکن صحابہ بھی سدِ سکندری یا دیوار آہنی بن گئے تھے۔ وہ ہر حملہ کا جواب نہایت استقلال اور جوانمردی سے دے رہے تھے۔

خالد نے اپنے ہمراہیوں میں سے پچیس آدمی علیحدہ کر کے انکو تیر افگنی کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے ایک بلند مقام پر پہنچکر حضورؐ کی جماعت پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔

اس تیر اندازی سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچنے لگا۔ ہر شخص تیروں سے مجروح ہو گیا چونکہ یہ اندیشہ ہو گیا تھا۔ کہیں کوئی تیر حضورؐ کے نہ جا لگے۔ اس لیئے حضرت ابو دجانہؓ حضورؐ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ گویا آپ نے اپنی پشت کو سپر بنا دیا۔

مدعا یہ تھا کہ جو تیر آئے وہ انکے جسم پر لگے۔ اگر منہ کفار کیطرف ہوتا تو ممکن تھا کہ تیر آتے دیکھ کر فطری طور پر جھجک ہوتی اور اپنا جسم بچانے کی وجہ سے کوئی تیر آنحضورؐ تک پہنچ جائے

وہ مردانہ وار کھڑے تھے۔ نیز اُن کی پشت میں آ آ کر لگ رہے تھے۔ اگرچہ تیروں کے لگنے سے انھیں تکلیف ہو رہی تھی۔ مگر اُن کے چشم و ابرو پر بل تک نہ آتا تھا۔ وہ اس طرح خندہ پیشانی سے کھڑے تھے۔ جیسے نہ اُن کے تیر لگ رہے تھے اور نہ انھیں تکلیف ہو رہی تھی۔

ایسے جاں نثار خادم۔ ایسے خلوص دل سے محبت کرنے والے صحابی شاید ہی کسی نبی یا رسولؐ کو ملے ہوں۔ جیسے آنحضورؐ کو ملے تھے۔ حضرت موسٰے علیہ السلام سے ان کے صحابیوں نے کہہ دیا تھا۔ کہ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے جا کر لڑو۔ ہم نہیں لڑ سکتے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے حواریوں نے دشمنوں کے سپرد انھیں اس لیئے کر دیا تھا۔ کہ انھیں صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ مگر آنحضورؐ کے صحابی حضورؐ پر پروانہ وار فدا تھے۔ حضورؐ کے لیئے اپنی جان۔ اپنا مال۔ اپنی اولاد قربان کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

چونکہ اب کفار کی تمام تر توجہ حضورؐ اور حضورؐ کے جاں نثار صحابی کیطرف تھی۔ اس لیئے جنگ بھی اسی جگہ زور و شور سے ہو رہی تھی۔ گنتی کے چند مسلمان بڑی جوانمردی اور شجاعت و لبسالت سے لڑ رہے تھے۔ لیکن دشمنوں کے متواتر حملوں اور پیہم یورشوں کی وجہ سے حضورؐ کے گرد آپؐ کے جاں نثار خدام کا حصار قائم نہ رہ سکا تھا۔ مشرکین نے سرفروشانہ حملے کر کر کے حصار توڑ دیا تھا۔ مسلمان متفرق ہو کر کمال جانبازی اور بہادری سے لڑ رہے تھے

عبداللہ بن ہشاب زہری ہمراہیاں خالد میں ایک مشہور شہ سوار اور آزمودہ کار سپہ سالار تھا۔ وہ مسلمانوں سے بچتا ہوا۔ آنحضور صلعم کے قریب پہنچا۔ حضور اس وقت دوسری طرف متوجہ تھے۔ عبداللہ بن شہاب نے حضورؐ کے قریب پہنچکر آپؐ پر وار کیا آپکا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔

چونکہ ابو دجانہ آپ کی طرف منہ کیئے کھڑے تھے۔ اور عبداللہ ابو دجانہ کی پشت کی طرف سے آیا۔ اس لیئے انھوں نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔

جب عبداللہ نے حملہ کر کے حضورؐ کو زخمی کر دیا۔ تو ابو دجانہ نے جوش میں آ کر

اس پر حملہ کیا۔ ان کی خارہ شگاف تلوار عبداللہ کا خود کاٹ کر کئی انچ سر میں اتر گئی وہ زخمی ہو کر پیچھے ہٹا۔ ابودجانہؓ اُسکے تعاقب میں دوڑے۔ وہ ڈر کر مشرکین کے غول میں جا گھُسا۔

چونکہ ابودجانہ جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیئے وہ مشرکین کو قتل کرتے ہوئے عبداللہؓ کے پیچھے ہی لگے چلے گئے۔

عبداللہ بن شہاب ان سے ایسا ڈر گیا تھا۔ کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیئے کفار کے ایک غول سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں چھپا پھرتا تھا۔ ابودجانہؓ اس کے پیچھے پھر رہے تھے۔ وہ اُسے قتل کرنا چاہتے تھے۔ بالآخر وہ بھاگ کر ابوسفیان کے لشکر میں جا گھسا اور سب سے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

اگرچہ اب ابودجانہؓ اس کا تعاقب نہ کر رہے تھے۔ لیکن وہ کچھ ایسا خوف زدہ ہو گیا تھا۔ کہ اپنے ہی آدمیوں کو ابودجانہ سمجھ کر ڈر جاتا تھا۔

اب آنحضورؐ صلعم تنہا رہ گئے۔ تمام مسلمان ان سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ یا علیحدہ کر دیئے گئے تھے۔ اور وہ ہر جگہ کمال شجاعت سے لڑ رہے تھے۔ اب آنحضرت کے پاس صرف حضرت ام عمارہ رہ گئی تھیں۔ یا قریب ہی حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح لڑ رہے تھے۔ ابن قمیہ لیثی جس نے حضرت مصعبؓ کو شہید کیا تھا۔ حضورؐ کی طرف شمشیر بکف ہو کر لپکا۔ حضرت ام عمارہؓ نے اُسے جھپٹتے ہوئے دیکھ لیا۔ انھوں نے بلند آواز سے کہا۔ او کافر خبردار آگے قدم نہ بڑھانا۔

یہ کہتے ہی اُس نے نہایت جانبازی سے ابن قمیہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اسکی زرہ پر تلوار پڑ کر اچٹ گئی۔ حضرت ام عمارہؓ نے پے در پے حملے کیئے مگر کوئی ایک وار بھی کارگر نہ ہوا۔

ابن قمیہ نے جوش میں آکر عمارہؓ کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ چونکہ نہ وہ زرہ پہنے ہوئے تھیں

نہ اُن کے پاس ڈھال تھی۔ اس لیے وہ اُسکے حملے کو نہ روک سکیں۔ ان کا ہاتھ شانہ کے قریب سے زخمی ہوگیا۔

اب ابن قمیہ آنحضرت کیطرف بڑھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اُسے دیکھ لیا۔ اگرچہ وہ کفار کے غول میں محصور تھے۔ ہر طرف سے ان پر حملے کیئے جارہے تھے۔ وہ بڑی پھرتی سے حملوں کو روک رہے تھے۔ مگر ابن قمیہ کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تڑپ گئے۔

انھوں نے پوری قوت اور پورے جوش سے کفار پر حملہ کرکے انھیں مارنا کاٹنا شروع کیا۔ چشم زدن میں پانچ سات کافروں کو بچھا دیا۔

وہ حضورؐ کی حفاظت کیلئے آپکی طرف بڑھے۔ انھوں نے بلند آواز سے مسلمانوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ مسلمانوں! خدا کا رسولؐ نرغۂ اعداد میں آگیا۔

اس آواز کو سن کر مسلمان چونکے۔ سنبھلے۔ وہ اپنے مقابل والوں کو قتل کرتے ہوئے حضورؐ کی طرف بڑھے۔ اس عرصہ میں ابن قمیہ حضورؐ کے قریب پہنچ گیا اُس نے تلوار اٹھا کر پوری طاقت سے حملہ کیا۔ تلوار حضورؐ کے خود پر پڑی۔ خود کے دو حلقے آنکھ سے نیچے کی ہڈی میں گھس گئے۔ اب ابن قمیہ نے دوسرا وار کرنا چاہا لیکن حضرت ابوعبیدہؓ اُسکے قریب پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے للکار کر کہا۔ او کافر سنبھل!

ابن قمیہ گھبرا گیا۔ وہ پیچھے ہٹا۔ ابوعبیدہ نے جوش میں آکر اُس پر حملہ کیا۔ انکی کوہ شکن تلوار نے دوہری زرہ پھاڑ ڈالی اور شانہ کے قریب زخم کرکے ہنسلی کی ہڈی توڑ گئی۔ ابن قمیہ نے خوف ناک چیخ ماری وہ سخت خوفزدہ ہو کر بھاگا۔ ابوعبیدہؓ نے اس کا تعاقب کرنا چاہا۔ مگر آنحضور صلعم نے انھیں روک دیا۔

اب ابوعبیدہ آنحضورؐ کے قریب پہنچے۔ حضورؐ کو مجروح دیکھ کر تڑپ گئے حضورؐ اب بھی نہایت استقلال اور شان استغنا سے کھڑے تھے۔ زخمی ہونے پر بھی

حضورؐ کے چہرہ سے ملال یا افسردگی کے آثار ظاہر نہ تھے۔

حضرت ابوعبیدہ نے خود کو جو حضورؐ کی آنکھوں کے نیچے ہڈی میں گھسا ہوا تھا۔ دانتوں سے پکڑ کر کھینچا۔ ہر چند زور لگایا۔ مگر خود نہ نکلا۔ یہاں تک کہ زور لگاتے لگاتے ابوعبیدہؓ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

بڑی جدوجہد اور کدوکاوش کے بعد خود نکالا گیا۔ خود کے نکلتے ہی خون کا فوارہ بہنے لگا۔ آنحضورؐ اپنے چہرہ مبارک سے خون صاف کرتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے کیف یفلح القوم خضبوا وجہ نبیھم الدم وھو یدعوھم الی اللہ۔ یعنی وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے۔ جس نے اپنے نبیؐ کے چہرہ کو اس لیئے خون سے رنگا کہ وہ انہیں اللہ کیطرف بلاتا ہے۔

ابھی حضورؐ یہ فرماہی رہے تھے۔ کہ ایک شریر بدمعاش نے حضورؐ کے ایک پتھر کھینچ مارا اس سے حضورؐ کا ہونٹ زخمی ہو کر نیچے کا ایک دانت شہید ہوگیا۔ حضورؐ پیچھے ہٹے پیچھے ایک گڑھا تھا۔ حضورؐ گڑھے میں گر گئے۔ اس عرصہ میں حضرت صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ اور چند دوسرے صحابہ کرام اپنے مدمقابلوں کو تہ تیغ کر کے حضورؐ کے پاس آگئے۔

فوراً حضرت علیؓ نے حضورؐ کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ نے اٹھا کر باہر نکالا۔ آپ کا چہرۂ مبارک خون سے تر ہو رہا تھا۔ حضرت صدیقؓ نے اپنی عبا کے دامن سے خون پونچھنا شروع کیا۔ حضرت طلحہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! اس بدکیش قوم کے حق میں بددعا فرمایئے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں طلحہؓ۔ میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ ایک رسولؐ کی یہ شان نہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ قوم کے مظالم سے تنگ آکر بددعا کر کے تمام قوم کو غضب الٰہی میں مبتلا کرادے:۔

جنگ اس وقت بھی نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ سر و تن کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون پانی کیطرح بہہ رہا تھا۔ حضورؐ نے حضرت صدیق رضؓ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ہو سکے تو اُحد کی پہاڑی پر چڑھ چلو!

حضرت صدیق رضؓ نے کہا۔ حضورؐ! تشریف لے چلیں۔ ہم جاں نثاران خادم آپکے ہمراہ ہیں۔ حضورؐ احد کی طرف بڑھے۔ حضرت صدیق رضؓ نے باواز بلند کہا۔ مسلمانو! اُحد کی پہاڑی پر چڑھ چلو۔

اس آواز کو سُنکر تمام مسلمان اُحد کی طرف بڑھنے لگے۔ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام بھی اسی طرف بڑھے۔ پہاڑی قریب ہی تھی۔ تھوڑی ہی جد وجہد میں یہ سب پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مسلمان بھی ادھر ادھر سے سمٹ سمٹا کر اُحد کی گھاٹی پر آنے لگے۔ اس طرح لڑائی کا ایک محاذ قائم ہو گیا۔

ابو سفیان نے دیکھا۔ کہ مسلمان بہترین مقام پر پہنچکر سرفروشانہ جنگ میں مشغول ہو گئے وہ بھی پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ آنحضور صلعم نے حضرت عمر رضؓ سے کہا۔ دیکھو کفار کو پہاڑی پر چڑھنے سے روک دو۔

حضرت عمرؓ چند اصحابہؓ کو اپنے ہمراہ لیتے ہوئے بڑھے۔ اور نہایت جوش سے کفار پر حملہ آور ہوئے۔ اگرچہ ابو سفیان اور اس کے ہمراہیوں نے اوپر چڑھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر سرفروش اور جانباز مجاہدین نے انہیں ایک قدم بھی نہ بڑھنے دیا۔ بلکہ ایسے شدید حملے کئے۔ کہ کفار کو نیچے دھکیل دیا۔ اسپر بھی ایک کافر ابی بن خلف جو آنحضورؐ کو قتل کر ڈالنے کا عہد صمیم کر کے آیا تھا۔ مردانہ وار بڑھا۔ اور حضورؐ پر حملہ آور ہوا۔

حضورؐ نے حضرت حارث کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس پر وار کیا۔ نیزہ کی اَنی اس کی ہنسلی پر یعنے گردن کے نیچے کی ہڈی میں لگی۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ نہایت بدحواس ہو کر شور و غل مچاتا۔ بچاؤ۔ بچاؤ کی رٹ لگاتا دوڑا چلا گیا۔ کفار اُسے اس طرح غل مچاتے اور بدحواس بھاگتے دیکھکر ہنسے۔ اگرچہ اس کا زخم معمولی تھا۔ مگر اسی معمولی زخم نے اس کی جان لی۔ یہی ایک

بدبخت شخص ہے۔ جو آنحضور کے ہاتھ سے قتل ہو کر فی النار جہنم ہوا۔

اب تمام مسلمان اِدھر اُدھر سے جمع ہو ہو کر کفار کو مارتے کاٹتے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ چونکہ کفار پہاڑی سے نیچے اور مسلمان پہاڑی کے اوپر تھے۔ اس لئے اب جنگ بند ہو گئی۔ ابوسفیان نے بلند آواز سے دریافت کیا۔ فی القوم محمد! یعنی تم لوگوں میں محمدؐ ہے؟

کسی نے اسکی بات کا جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر دریافت کیا۔ فی القوم ابوبکر رضؓ یعنی کیا تم لوگوں میں ابوبکر رضؓ ہیں؟ اب بھی سب خاموش رہے۔ اُس نے پھر پوچھا فی القوم عمرؓ۔ یعنی کیا تم لوگوں میں حضرت عمر رضؓ ہیں؟"

حضرت عمر رضؓ نے چلا کر کہا۔ او دشمن خدا یہ سب زندہ ہیں وہ وقت قریب ہے جب تو رسوا ہوگا۔ ابوسفیان نے فخریہ لہجہ میں کہا۔ اُعلُ ھبل! اعل ھبل یعنی ہُبل کی جے ہُبل کی جے!! آنحضورؐ نے حضرت عمر رضؓ سے کہا۔ اسے جواب دو۔ اللہ اعلیٰ واجل یعنی اللہ بلند و برتر ہے"!

چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے یہی جواب دیا۔ ابوسفیان نے کہا۔ لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم یعنی عزیٰ ہمارا بُت یا خدا ہے۔ تمہارا نہیں۔

حضرت عمر رضؓ نے آنحضرت صلعم کے ارشاد کے موافق جواب دیا۔ اللہ مولٰنا ولا مولیٰ لکم۔

یعنی اللہ ہمارا والی ہے۔ تمہارا والی نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ اب ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر کے مقام پر ہوگا۔

حضرت عمر رضؓ نے آنحضورؐ کے حکم کے بموجب کہا۔ نعم ھو بیننا و بینکم موعد یعنی اچھا ہمیں تمہارا یہ وعدہ منظور ہے

اُس کے بعد ابوسفیان نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ کفار واپسی کا اذن سنکر نہایت خوش ہوئے۔ وہ فوراً لوٹے اور مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مسلمان

اُحد کی پہاڑی پر کھڑے کفار کی واپسی کا منظر دیکھنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام کفار۔ اپنے مقتولین کو میدان جنگ میں چھوڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

سولہواں باب

جوشِ عقیدت

جب کہ مسلمان نرغہ اعدا میں آگئے تھے اور کفار نے انھیں ہر طرف سے گھیر لیا تھا ہر جگہ نہایت خون ریز جنگ ہو رہی تھی۔ اسوقت کفار قریش کی عورتیں مسلمان شہدا کے ناک اور کان کاٹتی پھر رہی تھیں۔ گویا اسطرح وہ اپنے جذبات منافرت کا اظہار کر کے انتقام لے رہی تھیں۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی کو وحشی نے بتا دیا تھا۔ کہ اُسنے اپنے حربہ سے حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کر دیا۔ ہندہ نے فوراً اپنا تمام زیور اتار کر اُسکے حوالے کر دیا اور اُس کے ہمراہ سید الشہدا کی لاش پر پہنچی۔ اُس نے جوش انتقام سے حضرت حمزہ رضؓ کے ناک اور کان کاٹ کر لاش کا مسلہ کر دیا۔ اور سینہ چیر کر جگر نکالا۔ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے جگر منہ میں رکھ کر چبانے لگی۔ مگر نہ چبا سکی۔ اگل دیا۔ اس واقعہ سے اس کا نام جگر خوار مشہور ہو گیا۔ تاریخوں میں ہندہ جگر خوار لکھا جاتا ہے۔

جب مسلمان احد کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور ابوسفیان آئندہ سال بدر کے مقام پر لڑنے کا وعدہ کر کے مع اپنے لشکر کے واپس چلا گیا۔ تو آنحضور صلعم نے شہدا کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کا تمام لشکر پہاڑی سے اتر کر شہدا کو اٹھا کر ایک

جگہ جمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔ بہت سے مسلمانوں کی نعشیں پارہ پارہ کر دی گئی تھیں۔ مگر حضرت امیر حمزہؓ کی لاش کے اس قدر ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ کہ بمشکل تمام جمع کئے جا سکے۔

ابھی مسلمان شہدا کو ڈھونڈھ ڈھونڈ کر جمع ہی کر رہے تھے۔ کہ مدینہ کی جانب سے چند مسلمان اور ان کے حلقہ میں ایک عورت آتی نظر آئی۔ چونکہ مدینہ یہاں سے صرف تین چار ہی میل تھا۔ اس لئے مدینہ میں میدانِ جنگ کی تمام و کمال خبریں پہنچ چکی تھیں۔ مرد اور عورتیں دریافت احوال کے لئے چل پڑے تھے۔

یوں تو سب اپنے اپنے عزیز و اقارب کی بابت معلوم کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ مگر ان سب کو سب سے زیادہ آنحضور کی خیریت معلوم کرنے کی لو لگی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے جو عورت میدانِ جنگ میں پہنچی۔ وہ حضرت حمزہؓ کی حقیقی ہمشیرہ اور حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ تھیں۔ ان کی آنکھیں پرآب تھیں۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ فرطِ غم سے جھکی جا رہی تھیں۔ انہیں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر تو پہنچ گئی تھی۔ وہ اپنے بھائی کی لاش دیکھنے آئی تھیں۔

آنحضورؐ نے حضرت صفیہؓ کو دیکھا۔ آپؐ نے حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا۔ اپنی والدہ کو روکو۔ انہیں حضرت امیر حمزہؓ کی لاش کے پاس جانے دو۔

حضرت زبیرؓ نے بڑھکر اپنی والدہ سے کہا۔ امی جان! میدان جنگ میں کیوں چلی آئیں۔ حضرت صفیہؓ کے بشرہ سے غم و الم کا اظہار ہو رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ بیٹا! میں اپنے بھائی کی لاش دیکھنے آئی ہوں۔

حضرت زبیرؓ نے کہا۔ مگر رسولِ خدا چاہتے ہیں۔ کہ تم ان کی لاش نہ دیکھو۔

حضرت صفیہؓ نے آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ آہ مجھے معلوم ہے۔ کہ میرے شیر دل بھائی کی لاش کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ آنکھیں نکال لی گئی ہیں۔ ناک اور کان کاٹ ڈالے گئے۔ اور سینہ چیر کر جگر نکالا گیا ہے

ہیں اس کی لاش پر رونے یا بین کرنے نہیں آئی ہوں - بلکہ دعائے مغفرت مانگنے آئی ہوں - اور دیکھنے آئی ہوں - کہ میرے شیر دل بھائی نے کوئی زخم پشت پر تو نہیں کھایا -

حضرت زبیرؓ نے کہا - اچھا ٹھہرو! میں حضورؐ سے اجازت لے لوں -

حضرت صفیہؓ نے فرمایا - تم اپنے ہمراہ مجھے بھی لے چلو - میں خود ان سے اجازت لے لوں گی -

حضرت زبیرؓ - حضرت صفیہؓ کو اپنے ہمراہ لے کر آنحضور صلعم کی خدمت میں پہنچے حضورؐ نے دیکھا - حضرت صفیہؓ غم سے نڈھال ہو رہی تھیں اور چلتے ہوئے ٹھوکریں کھا رہی تھیں - بنا بریں اپنے لختِ جگر حضرت زبیرؓ کا سہارا لے کر چل رہی تھیں -

حضرت امیر حمزہؓ آنحضور صلعم کے چچا تھے - شفیق چچا - جب ابوجہل نابکار نے حضورؐ کے پتھر مار کر آپ کو مجروح کر دیا تھا - اور آپؓ نے اس خبر کو سُنا تھا - تو برافروختہ ہو کر ابوجہل کے سر پر آپؓ نے کمان کھینچ ماری تھی - اور اسی روز مسلمان ہو گئے تھے -

آنحضورؐ صلعم کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی - آپ کو بھی حضرت امیر حمزہؓ کے شہید ہو جانے کا بیحد قلق تھا - حضرت صفیہ نے آپؐ کے حضورؐ میں پہنچکر کہا -

یا رسول اللہ - مجھے معلوم ہے کہ درندہ صفت اہل قریش نے میرے بھائی کی لاش کو پارہ پارہ کر دیا ہے - میں نوحہ کرنے کے ارادہ سے نہیں آئی - بلکہ اپنے شیر دل بھائی کا آخری دیدار کرنے اور دعائے مغفرت مانگنے آئی ہوں - مجھے میرے بھائی کی لاش دیکھنے کی اجازت عطا فرمائی جاوے

حضورؐ صلعم نے فرمایا - یا بنت عم تم کیا دیکھو گی - جب دیکھنے کی چیز ہی باقی نہیں رہی -

حضرت صفیہؓ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا - میں شیر اسلام کو دیکھوں گی - وہ جس حالت میں بھی ہو - صبر کرنا جانتی ہوں "

حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا دیکھ لو۔ لیکن بین نہ کرنا۔

حضرت صفیہ رضؓ واپس لوٹیں۔ پہاڑی کے دامن میں حضرت حمزہ رضؓ کی لاش پڑی تھی لاش پر چادر روی ہوئی تھی۔ حضرت صفیہ رضؓ لاش کے قریب پہنچ گئیں۔ حضرت زبیر رضؓ ساتھ تھے۔ انھوں نے لاش کے اوپر سے چادر ہٹائی۔ حضرت صفیہ رضؓ نے سید الشہداء کی لاش کو دیکھا۔

جناب امیر رضؓ کی لاش پارہ پارہ ہو رہی تھی۔ گوشت و بوٹی بریدہ سے آنکھیں نکلی ہوئی تھیں۔ حضرت صفیہ آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر تڑپ گئیں۔

مگر اگرانہوں نے ضبط و صبر سے کام لیا۔ لیکن بھائی کی محبت جوش کر آئی۔ کلیجہ ٹکڑے ہو گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب عظیم اُمنڈ آیا۔

انھوں نے بھرآئی آواز سے کہا۔ آہ بھائی .. .. .. میرے شیر دل بھائی۔ .. .. .. تم مجھ سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ظالموں نے تمہاری لاش کو پارہ پارہ کر دیا۔ تم آرام و آسائش کی دائمی نیند سو گئے .. ..

حضرت صفیہ رضؓ رو رہی تھیں۔ حضرت زبیر رضؓ بھی رو رہے تھے۔ حضرت زبیر رضؓ نے کہا۔ امی جان۔ تم بین کر کے آنحضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔

حضرت صفیہ رضؓ چونکیں۔ انھوں نے دوپٹہ کے آنچل سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ اُف شدت غم نے آنحضورؐ صلعم کے حکم کی نافرمانی کرادی۔ خدا مجھے معاف کرے اب میں نہ روؤں گی نہ بین کروں گی۔

یہ کہہ کر وہ نہایت استقلال سے کھڑی ہو گئیں۔ انھوں نے فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے ہاتھ اٹھا کر دعائے مغفرت کی۔

اس عرصہ میں مسلمانوں نے شہداء کی لاشیں لا کر ایک جگہ جمع کر دی تھیں اور انہیں

دفن کرنے کیلئے گڑھے کھودنے لگے تھے۔

جب گڑھے یا قبریں تیار ہو گئیں تو ایک ایک قبر میں دو دو لاشیں دفن کی جانے لگیں۔ تمام شہداء کو دفن کر کے سارے مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے۔ سب نے شہداء کیلئے دعائے مغفرت کی۔

اب آنحضور صلعم نے مسلمانوں کو مدینہ کیطرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ مجاہدین اسلام علم اسلام کے سائے میں آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ میدان جنگ کے واقعات کی خبر مدینہ میں پہنچ گئی تھی۔ مدینہ کی طرف سے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے غول آ رہے تھے۔

سب سے پہلے حضرت مصعب رضؓ بن عمیر کی بیوی ملیں حضرت مصعب رضؓ اسلامی لشکر میں علمبردار تھے۔ اور وہ شہید ہو گئے تھے۔ انکی بیوی کا نام حمنہ رضؓ تھا۔ وہ جحش کی بیٹی تھی۔

حضرت حمنہ رضؓ نے ایک اعرابی سے میدان جنگ کے واقعات دریافت کیے۔ اعرابی نے کہا۔ حمنہ رضؓ تمہارے ماموں حضرت امیر حمزہ رضؓ شہید ہو گئے

حمنہ نے کہا۔ خدا انھیں مغفرت کرے!

اعرابی نے کہا۔ تمہارے بھائی عبداللہ بن جحش بھی شہید ہو گئے!"

حمنہ نے کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اعرابی نے کہا اور تمہارے شوہر مصعب رضؓ بن عمیر بھی شہید ہو گئے

یہ سُن کر حضرت حمنہ رضؓ بے قرار و پریشان سی ہو گئیں۔ اور بے اختیار ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضور صلعم نے انکی یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔

ہر شریف عورت کو اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ شوہر بیوی کا مجازی خدا ہے۔

لشکر اسلام آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ مدینہ سے آنے والے بھی لشکر میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ کچھ دُور چل کر انصاری کی ایک نوجوان خاتون پریشان حال آتی ہوئی ملی۔ وہ سخت بے قرار اور مضطرب تھی۔

جب وہ لشکر کے قریب آئی تو ایک شخص نے اُسے پہچان کر کہا۔ یا بنت عم! افسوس تمہارے والد شہید ہو گئے"

عورت نے دریافت کیا۔ آنحضور صلعم تو بخیریت ہیں۔

اسی شخص نے کہا۔ ابھی اور سُنو۔ تمہارے بھائی بھی شہید ہو گئے۔

عورت کے چہرہ سے اب بھی ملال کے آثار نہ ہوئے۔ البتہ جو اضطراب پہلے سے تھا۔ وہی اب بھی رہا۔ اُس نے پھر دریافت کیا آنحضور صلعم کی خیریت کا حال سناؤ

اسی شخص نے کہا۔ اب آخری روح فرسا خبر بھی سُن لو۔ یعنی تمہارے شوہر بھی شہید ہو گئے۔

یہ سن کر عورت کا چہرہ کچھ پھیکا سا پڑ گیا اور بدن میں کسی قدر تھرتھری گئی۔ آواز کانپنے لگی۔ انھوں نے پھر پوچھا۔ خدا کے لیئے آنحضورؐ کا حال سناؤ۔

اس اثناء میں آنحضرت صلعم کی سواری قریب آ گئی۔ اعرابی نے کہا۔ دیکھو حضورؐ تشریف لا رہے ہیں۔

عورت نے حضورؐ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ چمکنے لگا۔ اُس نے کہا۔ خدا کا شکر ہے ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ میں نے حضورؐ کو دیکھ لیا۔ جب آپؐ سلامت ہو تو تمام مصائب ہیچ ہیں۔

اعرابی نے اس خاتون کے حسنِ عقیدت اور جوش محبت کو حیرت سے دیکھا! خاتون بھی حضورؐ کے جلو میں روانہ ہوئی۔

لشکر اسلام نہایت ضبط و اہتمام سے مدینہ کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ مدینہ کی طرف

سے لوگوں کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا۔ عورتیں مرد اور بچے سب ہی آرہے تھے۔ ہر عورت ہر مرد ہر بچہ سب سے پہلے حضورؐ کی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا۔ اور اُس وقت تک بے قرار رہتا تھا۔ جب تک کہ حضورؐ کی خیریت معلوم نہ کر لیتا اور زیارت نہ کر لیتا تھا۔

شمع رسالت کے پروانے کھنچے چلے آرہے تھے۔ اور حضور صلعم کی زیارت کر کے تسکین قلب حاصل کر رہے تھے۔

چونکہ مدینہ قریب ہی تھا۔ اس لئے عصر کے بعد لشکر اسلام مدینہ میں داخل ہوا، سب سے پہلے سب نے عصر کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر مجروحین کی مرہم پٹی کی جانے لگی۔

یہ مشہور جنگ پندرہ ۱۵ ارشوال بروز شنبہ ۳ھ میں وارقصول میں واقع ہوئی

(۱۷)

ستارہواں باب

اسلام کے فدا کار مبلغ

اگرچہ مسلمان اُحد کے مقام پر بھی کفار کو شکست دے چکے تھے۔ مشرکین بدحواس ہو کر مال واسباب اور اپنی عورتوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ان بھگوڑوں کا سامان لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اُحد کی گھاٹی میں جو دستہ عبداللہ بن جبیر رضؓ کی معیت میں متعین کیا گیا تھا۔ کفار کو شکست پا کر بھاگتے ہوئے دیکھ کر اور مسلمانوں کے ساتھ وہ دستہ بھی تعاقب میں دوڑ پڑا:۔

خالدؓ نے جب اس گھاٹی کو خالی دیکھا تو وہ اس طرف سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمان ان کے مقابلہ کے لیے لوٹے۔ عکرمہ اور ابوسفیان نے یکے بعد دیگرے نئے جوش اور نئی ہمت سے حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلمان نرغۂ اعدا میں آگئے۔ پھر بھی وہ سراسیمہ اور بدحواس نہ ہوئے لڑے اور خوب لڑے۔ تاریخیں شاہد ہیں کہ باوجود بے سروسامانی اور ترتیب وضابطہ یا یک جہتی اور صف بندی نہ ہو سکنے کے بھی مسلمانوں نے وہ شجاعت ومردانگی کے جوہر دکھائے کہ دشمن تک بھی تحسین وآفرین کہے بغیر نہ رہ سکے۔

آخرالامر کفار فتح سے مایوس و ناکام ہو کر واپس جانے پر مجبور ہوئے۔ اس جنگ میں قریب قریب تمام مسلمان مجروح۔ خود سرورِ کائنات۔ فخرِ موجودات کے بھی اکثر زخم آئے

جو مسلمان مدینہ میں رہ گئے تھے۔ انھیں بڑا جوش و طیش آیا۔ انھوں نے تہیہ یا عزم بالجزم کر لیا۔ کہ آئندہ جنگ میں وہ مشرکین سے بالضرور انتقام لیں گے۔

عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ ظاہری طور پر مسلمان ہوا۔ لیکن در پردہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی کی تدابیر میں مصروف رہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا استیصال کلی ہو جائے اور وہ مدینہ سے نکل جائیں۔ تاکہ مدینہ والے اُسے یعنی عبداللہ کو بادشاہ منتخب کر لیں۔

اس نے علی الاعلان کہنا شروع کر دیا۔ کہ مسلمانوں نے ہماری یہ بات کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرو۔ نہ ماننے پر آخر الامر نقصان اٹھایا۔ اچھا ہوا۔ ہم نہ گئے تھے۔ ورنہ ہم بھی نقصان اٹھاتے۔

مسلمانوں کو اس کی اور اُسکے ساتھیوں کی اس قسم کی باتیں سُن سُنکر رنج ہوتا تھا۔ کچھ صحابہ نے آنحضورؐ صلعم سے عرض کی کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمراہی منافق ہیں۔ لہذا ہم کو ان سے لڑنے کی اجازت دیجیئے۔ ورنہ یہ لوگ مار آستین ثابت ہوں گے۔ اور دشمنوں سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

حضورؐ صلعم نے فرمایا۔ عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں؟۔ اگر یہ صحیح ہے کہ وہ سب کے سب منافق ہیں۔ ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہے مگر جب تک کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہیں گے۔ اسوقت ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی جائے گی۔

لوگ خاموش رہے۔ لیکن عامۃ الناس مسلمانوں نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمراہیوں سے ربط و ضبط کم دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد خیر البشرؐ کو معلوم ہوا کہ طلحہ بن خویلد اور سلمے بن خویلد ہر دو بھائیوں نے قطن کے مقام پر تمام مشرکوں کو جمع کیا ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں۔

حضور صلعم نے ابو سلمہ رض مخزومی کو ڈیڑھ سو مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ ان شریروں کی گوشمالی کے لیئے روانہ کیا اور انھیں ہدایت کردی۔ کہ تا وقتیکہ وہ لوگ نہ لڑیں تم اپنی طرف سے ابتدائے جنگ نہ کرنا۔

جب ابو سلمہ قطن کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ خویلد کے دونوں بیٹے مجاہدین اسلام کی آمد کی خبر سن کر فرار ہوگئے اور ایسے بدحواس ہوکر بھاگے کہ اپنے مویشی تک بھی نہ لے جاسکے مسلمان اُن کے مویشیوں کو ہانک لائے اور سال غنیمت لے کر مدینہ میں واپس آگئے۔

چند روز کے بعد آنحضور صلعم کو معلوم ہوا کہ سفیان بن خالد ہذلی ایک نہایت سخت اور سرکش کافر نے وادی عرفات کے قریب عرفہ کے مقام پر مشرکین کو جمع کرنا شروع کردیا ہے۔ اس کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے۔

حضور صلعم نے عبد اللہ بن انیس کو تنہا روانہ کیا۔ اور فرمایا کہ سفیان کو سمجھانا۔ کہنا جنگ اچھی نہیں۔ نہ ہم اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ نہ وہ ہم پر حملہ کا قصد کرے۔

عبد اللہ بن اُنیس رض پانچ محرم سنہ ۴ ھ کو روانہ ہوئے۔ عرفہ میں پہنچکر انھوں نے دیکھا کہ سفیان ہذلی نے اچھا خاصا لشکر جمع کرلیا ہے۔ عبد اللہ نے اُسے جاکر سمجھایا۔

اُسے سخت ناگوار گذرا۔ اُس نے بگڑ کر کہا۔ میں نے قصد کرلیا ہے۔ کہ مدینہ فتح کرکے رہوں گا۔ ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

عبد اللہ بن اُنیس خاموش ہوگئے۔ رات کو جب وہ چلنے لگے۔ تو پھر سفیان کے پاس گئے۔ اسوقت وہ تنہا بیٹھا۔

عبد اللہ نے کہا۔ سفیان! میں جارہا ہوں! مجھے افسوس ہے کہ تم نے مصالحت کا ہاتھ نہ بڑھایا۔ جنگ کسی حالت میں بھی اچھی نہیں ہوتی۔ نہ معلوم تم کیوں اچھا سمجھتے ہو۔"

سفیان نے کہا۔ جنگ ہماری گھٹی میں داخل ہے۔ تمہارا نبی (حضرت محمد صلعم) بزدل ہے

لڑنے سے بچتا ہے۔ لہٰذا تم کو بھی لڑنے سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ جس قوم کی وہ تعمیر کر رہا ہے۔ وہ قوم بزدل ہو گئی ہے۔ سنو! عبداللہ میں تمہارے نبیؐ کو قتل کر ڈالنے کی قسم کھا چکا ہوں۔ بغیر اُسے قتل کیے نہ مانوں گا۔ میں تمہارے پیچھے ہی آؤں گا۔ اور ایسا زبردست لشکر لاؤں گا۔ جو سارے مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا:۔

عبداللہ بن انیس کو اُسکی گفتگو سنکر طیش آگیا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں پیشانی کی رگیں پھول گئیں انھوں نے غضبناک لہجہ میں کہا:۔

ذلیل بت پرست! دنیا کے کتے! تیری یہ مجال کہ آنحضورؐ صلعم کی شان بے پایان میں ایک مسلمان کے سامنے گستاخانہ باتیں کہے۔ خدا کی قسم۔ کوئی مسلمان جس کے دل میں شمہ برابر بھی ایمان ہے۔ آنحضورؐ کی اہانت برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تجھے اپنی شجاعت و مردانگی پر ناز ہے تو تلوار سنبھال اور میرے مقابلے پر آجا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمان اور سب باتیں برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن خدا اور اُسکے رسولؐ کی اہانت برداشت نہیں کر سکتا:۔

جس شریر لفنگوں نے زبان دراز شیطانوں نے جب کبھی خدا یا رسول خدا کی شان میں گستاخی کی ہے۔ کسی نہ کسی مسلمان نے انکی سرکوبی ضرور کر دی ہے۔ تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں۔ واقعات زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

عبداللہ بن انیس کو اس قدر غصہ آیا۔ کہ وہ بغیر اس بات کا خیال کیے ہوئے کہ دشمنوں کے گھر میں۔ غنیم کے نرغہ میں۔ بڑے بہادر دشمن کے سامنے تنہا موجود ہیں انہ دیار جوش وغضب سے بھر کر وہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے

سفیان نے بھی جلدی سے تلوار کھینچی اور کود کر عبداللہ کے سامنے آگیا۔ سامنے آتے ہی اُس نے تلوار سے حملہ کیا۔ عبداللہ نے نہایت پھرتی سے آزمودہ کاروں کی طرح حملہ روکا اور جوش میں آکر خود بھی حملہ کر دیا:۔

سفیان نے جلدی سے اپنی تلوار پر عبداللہ کی تلوار روکی۔ اسکی تلوار ٹوٹ گئی وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور دیوار کا سہارا لیکر انتہائی خوفزدہ نظروں سے عبداللہؓ کو دیکھنے لگا عبداللہؓ نے کہا۔ بدبخت اجل رسیدہ! آخر تیرا وقت آہی پہنچا تو نے تیلی کا نتیجہ دیکھا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اُس نے تلوار ماری۔ سفیان کا سر کٹ کر دُور جا گرا عبداللہؓ نے اس کا سر اٹھایا اور چپکے سے اس کے گھر سے نکل کر اونٹ پر سوار ہوکے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

صبح جب کفار نے سفیان کا بے سر لاشہ دیکھا تو گھبرا کر منتشر ہو گئے۔ عبداللہؓ ۲۲ محرم ۴ھ کو مدینہ پہنچے اور سفیان کا سر حضورؐ کے قدم مبارک پر جا ڈالا۔

حضورؐ نے فرمایا! افسوس سفیان! ہوا و حرص کا شکار بن گیا۔ اس کے بعد اس کے سر کو دفن کرا دیا۔

جس روز عبداللہؓ مدینہ میں واپس آئے اُسی روز مکہ سے ایک وفد آیا۔ اس وفد میں قبیلہ عضل وقارہ کے سات آدمی تھے۔ یہ لوگ عاصمؓ بن ثابت کے مکان پر پہنچے اور اُسی جگہ فروکش ہو گئے۔

چند روز کے بعد عاصم نے ان سے اُن کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ جب سے کفار قریش کو بدر اور اُحد کے مقامات پر شکست ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ اسلام کی طرف جھک گئے ہیں۔ ہمارے قبائل کی کثیر تعداد نے اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم اس لیے آئے ہیں کہ کچھ مبلغ ہمارے ساتھ مکہ بھیجدیجئے۔ تاکہ وہ تشنہ لوگوں کو تعلیم اسلام سے سیراب کر کے مسلمان بنالیں۔

عاصم نے کہا۔ نہایت اچھی بات ہے۔ تم میرے ساتھ حضورؐ کیخدمت میں چلو

یقین ہے کہ وہ کچھ معلمین آپ کے ساتھ بھیجدیں گے!

دوسرے شخص نے کہا۔ عاصم! ہم بجائے کسی اور کے پاس جانے کے تمہارے پاس اس لیئے آئے ہیں کہ تم نیک دل ہو۔ مسلمانوں کے حامی اور اسلام کے فدائی ہو۔ ہماری عرضی داشت سُن کر حضور صلعم سے ہماری سفارش کرنے پر تیار ہو جاؤ گے . . . .

عاصم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں تیار ہوں۔ ضرور بالضرور حضورؐ سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔

تیسرے شخص نے کہا۔ یا اخی ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ مکہ چلیں۔ یقین ہے۔ کہ آپ کی تقریر سن کر بہت سے لوگ مسلمان ہو جاویں گے۔

عاصم نے کہا۔ ہم مسلمانوں میں کوئی مسلمان بغیر حضورؐ صلعم کے حکم کے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اگر حضورؐ نے مجھے اجازت دے دی۔ تو میں تمہارے ساتھ ضرور چلونگا

پہلے شخص نے کہا۔ اجازت حاصل کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ جب حضورؐ سے مکہ چلنے کے لیئے کہو گے۔ تو یقین ہے۔ وہ ضرور اجازت دے دیں گے۔

عاصم نے کہا۔ مجھے تم سے ایک گونہ محبت ہو گئی ہے۔ میں تمہاری وجہ سے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

دوسرے نے کہا۔ اچھا تو اُسی وقت آنحضرت صلعم کی خدمت میں چلو" چلو" عاصم نے جواب دیا اور وفد کے ہفت آدمیوں کے ساتھ مل کر عاصم بھی مسجد نبوی کیطرف چل کھڑے ہوئے۔

عام طور پر مسلمانوں کو مکہ کے اس وفد کی آمد کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی تک اُسکے آنے کا معلوم نہ ہوا تھا۔

جب یہ سب لوگ مدینہ میں پہنچے تو حضورؐ کو مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے

دیکھا۔ آپ کی گرد حضرت صدیق رض۔ حضرت عمر رض۔ حضرت علی رض۔ حضرت سعد رض حضرت بلال رض۔ حضرت ابو عبیدہ رض اور چند دوسرے صحابی بیٹھے تھے۔

مکہ کے وفد نے قریب پہنچکر نہایت ادب سے سرور کائنات فخر موجودات کو سلام کر کے مصافحہ کیا۔ حضور صلعم نے سلام کا جواب دیکر اُنھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ سب بیٹھ گئے۔ تو آپ نے دریافت فرمایا یا معشر القریش تم مکہ سے چل کر تین صد میل کا فاصلہ طے کر کے کس لیئے آئے ہو۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ ہم قبائل عقل و قارہ کے لوگ ہیں۔ ہمارے قبائل داخل اسلام ہونا چاہتے ہیں۔ ہم اس وجہ سے گرامی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ کہ حضور صلعم ہمارے ہمراہ چند مبلغ بھیجدیں۔ تاکہ وہ ہمیں اور ہماری قوم کو اسلام سکھائیں۔ اغلب یقین ہے کہ ہماری تمام قوم مشرف باسلام ہوجائے گی۔

حضور نے دریافت کیا۔ ابوسفیان اور عکرمہ کون سے خیال میں ہیں؟

اس شخص نے جواب دیا۔ حضور وہ جنگ کی تیاریاں میں مصروف ہیں وہ بدر کے مقام پر دوبارہ لڑنے کا وعدہ کر کے گئے ہیں۔ لہذا وہ اپنا معاہدہ پورا کیئے بغیر ہرگز آرام نہ کریں گے۔

حضور صلعم نے صحابہ کرام سے تخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ نے اس وفد کے آنے کی وجہ معلوم کرلی مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔

حضرت عمر رض نے کہا۔ مجھے ان کی گفتگو سے فریب کی بو آتی ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ یہ لوگ کوئی سازش کر کے آئے ہیں۔ اور مسلمانوں کو کسی نئی مصیبت میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ اگر ان کے قبائل مسلمان ہونا چاہتے ہیں تو یہاں چلے آئیں۔

امیر وفد نے کہا۔ بخدا! ہم کوئی سازش کر کے نہیں آئے۔ ہمیں اس میں

بھی کوئی عذر و بہانہ نہیں کہ ہماری قوم یہاں آ جائے۔ مگر آپ سمجھ سکتے ہیں، کہ ساری قوم کا یہاں آنا دشوار ہے۔ یہاں وہی لوگ آ سکیں گے جن کے دلوں میں اسلام کا شوق و شغف حد سے بڑھ گیا ہے۔

حضرت صدیق نے کہا۔ بے شک ساری قوم اس قدر دور و دراز فاصلہ پر نہیں آ سکتی۔ مناسب یہی ہے کہ کچھ مبلغ ان کے ساتھ روانہ کر دیئے جائیں۔

حضرت علیؓ نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ البتہ ابو سفیان اور عکرمہ کیطرف اندیشہ ہے۔

امیر وفد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اندیشہ نہ کیجئے۔ ہم مبلغین کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ اگر ابو سفیان یا عکرمہ ہماری ذمہ داری کو توڑنا چاہیں گے تو ہماری ساری قوم ان پر حملہ کر دے گی۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ مسلمانوں کو کسی اندیشہ کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور جو بات ہونے والی ہے۔ وہ بالضرور ہو کر رہے گی۔ مسلمان پابند تقدیر ہیں۔ تقدیر سے مفر نہیں۔ ہمیں ضرور مبلغ بھیجنے چاہئیں:۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جب فخر عالم کا حکم ہے۔ تو اب چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے:۔

عاصم نے کہا۔ اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں مکہ جانے کو تیار ہوں،،

فخر عالم نے فرمایا۔ اگر تم تیار ہو تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ ایک تم ہو نو آدمی اور منتخب کر لو۔ اور کل صبح کی نماز پڑھکر ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔

عاصم اجازت ملنے سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا۔ میں حضورؐ کے سامنے نام پیش کیئے دیتا ہوں۔ مزید بن ابی مزید۔ عبداللہ بن طارق۔ خالد بن البکیر۔ معقب بن عبیدہ۔ خبیب بن عدی۔ زید بن الدثنہ ان کے علاوہ تین آدمی

اور منتخب کروں گا

حضورؐ نے فرمایا! تم نے اچھے لوگوں کا انتخاب فرمایا ہے۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں خدا کے ہاتھ فروخت کر دی ہیں۔

اب عاصم مع قریشی وفد کے اٹھکر چلے گئے۔ انھوں نے جاتے ہی ان لوگوں کو جنھیں انھوں نے منتخب کیا تھا۔ اطلاع دے دی ان لوگوں نے تیاری شروع کر دی

آنحضورؐ نے حضرت سعدؓ سے دریافت کیا۔ تم نے ابوبراء کی بابت کچھ سُنا ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ حضورؐ میں ابوبراء کو جانتا ہوں۔ وہ مالک بن جعفر کے بیٹے اور نجد کے مشہور رئیس ہیں۔ آج کل وہ مدینہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں

آنحضورؐ نے کہا۔ آج ابوبراء یہاں آنے والے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اُن کے سامنے اسلام پیش کروں۔

حضرت سعدؓ نے کہا۔ حضورؐ صلعم اگر ابوبراء مسلمان ہو گئے تو تمام نجد مسلمان ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ ابوبراء کا بھتیجہ عامر بن الطفیل ہے اور عامر کا اثر و رسوخ تمام نجد والوں پر ہے۔ ابوبراء کے مسلمان ہونے سے عامر بن حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گا۔ اور ان دونوں کے مسلمان ہونے سے نجد کے تمام قبائل مسلمان ہو جائیں گے۔

ابھی اس قدر ہی گفتگو ہونے پائی تھی۔ کہ سامنے سے چند اعرابی آتے نظر آئے ان میں سے ایک اعرابی نہایت شاندار اور سن رسیدہ تھا۔ سب سے آگے وہی آ رہا تھا۔

حضرت سعد نے انھیں دیکھتے ہی حضورؐ صلعم سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا حضورؐ وہ ابوبراء آ پہنچے۔ سب سے آگے ابوبراء ہیں اور اُن کے پیچھے اُن کے مصاحب ہیں۔

حضورؐ ابوبراء کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ کے اٹھتے ہی تمام صحابہ کرام بھی کھڑے ہو گئے۔

ابوبراء نے قریب آ کر سلام کیا۔ حضور صلعم نے سلام کا جواب دے کر انھیں اپنے قریب بٹھایا۔ پہلے حضورؐ بیٹھے۔ پھر ابوبراء اور ان کے بعد بقیہ تمام بھی بیٹھ گئے۔

کچھ دیر تو اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ موسم اور فصل وغیرہ کا حال پوچھا جاتا رہا۔ اس کے بعد آنحضورؐ نے ابوبراء سے فرمایا یا ابن عم میں آپؐ کے سامنے آج وہ مذہب پیش کرتا ہوں۔ جو خدا کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس خدا کی طرف جو خالق کائنات ہے۔ ذرہ ذرہ جسکی صفت اور قدرت کا مظہر ہے۔ جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ جس کے لیئے نہ موت ہے نہ نیند ہے نہ اونگھ ہے۔

یہ وہ مذہب ہے جسکی تلقین ہمارے جدِ اعظم حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت جبرائیل نے کی تھی۔ جسکی تجدید انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں۔ اس مذہب کا نام اسلام ہے اور اسلام کے پیرو مسلمان کہلاتے ہیں۔ تم آؤ خدا کے پسندیدہ مذہب میں داخل ہو جاؤ۔

ابوبراء نہایت غور اور توجہ سے حضور صلعم کے ارشادات عالیہ سنتے رہے جب آنحضور صلعم خاموش ہوئے تو ابوبراء نے کہا۔

میں اسلام کی تعلیم کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن میں نجد کا رئیس ہوں۔ اور میرا بھتیجہ عامر بن الطفیل بھی رئیس ہے۔ نجد کے لوگ زیادہ سخت اور زیادہ خود دار ہیں اندیشہ ہے کہ اگر میں تنہا مسلمان ہو جاؤں۔ تو وہ میرے درپے آزار ہو جائیں گے اس لیئے اگر آپ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیں۔ اور وہ نجد چل کر اہل نجد کو وعظ ونصیحت کریں۔

تو میرا خیال ہے۔ کہ میری ساری قوم مسلمان ہو جائے گی۔ پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔

حضور صلعم نے فرمایا۔ آپ کی بات تو معقول ہے۔ لیکن مسلمانوں کی

وحفاظت کا کون ذمہ دار ہوگا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ کی قوم مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائے
ابوبراء نے کہا۔ جن مسلمانوں کو میں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا۔ اُن کی حمایت وحفاظت کا بھی میں ذمہ دار رہوں گا۔ آپ اس کا مطلق اندیشہ نہ کریں۔

آنحضورؐ سوچنے لگے۔ حضرت صدیقؓ نے کہا۔ یا رسول اللہؐ۔ اگرچہ ابوبراء رئیس قوم ہے۔ مگر تمام اہل نجد اس کے اطاعت گذار نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے بھتیجے عامر بن الطفیل کا زیادہ اثر ورسوخ ہے اور عامر بڑا ضدی۔ بڑا مکار اور بڑا جاہ پسند شخص ہے لہٰذا اس کی طرف سے اندیشہ ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائے۔

ابوبراء نے کہا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ عامر میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ لیکن ایک خوبی بے نظیر ہے وہ یہ کہ وہ اپنے بزرگوں کا ادب و لحاظ کرتا ہے۔ میری بات مانتا ہے۔ علاوہ اس کے نجد کے تمام قبائل اُس کے زیر اثر نہیں ہیں۔ اس بات کا مطلق اندیشہ نہ کیجئے۔ وہ میری حمایت توڑنے کی جرأت نہ کرے گا۔

حضورؐ صلعم نے دریافت فرمایا۔ تمہارے ساتھ کس قدر لوگوں کو بھیجا جائے؟ ابو براء نے کہا۔ چونکہ میں صرف نجد ہی میں تبلیغ کرانا نہیں چاہتا۔ بلکہ فراح نجد کے تمام قبائل کو اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہوں اس وجہ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ کم از کم ساٹھ ستر آدمی ہونے چاہئیں۔ مگر یہ سب لوگ خوش الحان قاری اور قرآن کریم کے حافظ ہوں۔ مذہب اسلام سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ اچھے مقرر ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ ایسے ہی لوگ بھیجے جائیں گے:۔

آپؐ نے ستر اصحاب کا انتخاب فرمایا۔ یہ سب لوگ حافظ قرآن اور مقرر خوش بیان تھے۔

ان میں عمرو رضؓ بن امیہ خمیری بھی تھے۔ جو نہایت بہادر اور بڑے ہوشیار تھے۔ کمال خوش الحان بھی تھے۔ منذر بن عمرو کو ان لوگوں پر سردار مقرر کر دیا گیا۔

چونکہ ابو براء اگلے ہی روز نجد جانے والے تھے۔ اس لیئے منتخب شدہ صحاب کو ہدایت کر دی گئی۔ کہ وہ ان کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہو جائیں

چنانچہ دوسرے دن وشں آدمی نوبکہ والوں کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ دوسرے اور ستر اصحاب ابو براء کے ہمراہ نجد روانہ ہو گئے۔

(۱۸)

اٹھارہواں باب

"دغاباز قاصد"

تمام مسلمان۔ سارا عرب۔ کل عربی قبائل اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ اہل مکہ عموماً اور اہل قریش خصوصاً مسلمان کے سخت ترین دشمن ہیں۔ بدر و اُحد کی جنگ میں ان کے رئیس قوم مارے جا چکے تھے۔ جسکی وجہ سے نفرت و عداوت کے جذبات اور گہرے ہو گئے تھے۔

کسی مسلمان کا جان و مال مکہ میں محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ ہر قدم پر اندیشہ تھا۔ ہر مشرک سے خدشہ تھا۔ گو یا مکہ کا چپہ چپہ اور در و دیوار مسلمانوں پر تنگ اور وہاں کے لوگ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ لیکن ان اہم باتوں کو جانتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے بھی دس فدا کاران اسلام بلا کسی خوف و اندیشہ کے جان ہتھیلی پر رکھ کر تبلیغ اسلام کے لئے دشمنوں کے شہر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

وہ سارے دن ریگ زار میں سخت دھوپ اور بادسموم کے بدن کو جھلسا دینے والے تیز جھونکوں میں سفر کرتے رہے۔ رات کو ایک ریت کے ٹیلہ پر آرام کیا۔ کھانا کھایا۔ نماز پڑھی اور سو رہے۔

صبح بہت سویرے بیدار ہوئے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر صبح کی نماز پڑھی اور

پھر سفر پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن سفر پر روانہ ہونے سے پہلے جب انھوں نے تمام آدمیوں کو شمار کیا۔ تو وفد والوں میں سے ایک آدمی کم تھا۔

سب کو حیرت ہوئی کہ ایک شخص کہاں غائب ہو گیا۔ انھوں نے خیال کیا کہ شاید وہ ضروریات سے فراغت کرنے کے لیے کہیں دور نکل گیا ہے۔ اور ابھی تک واپس نہیں آیا:۔

سب اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک انتظار کیا کہ دوپہر کا وقت ہو گیا آفتاب نے نصف النہار پر آ کر اپنی گرم اور تیز شعاعیں ڈال ڈال کر ریگ زار کو تپا دیا گرم ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ بگولے اٹھ اٹھ کر ریت کو چکر دینے لگے۔ فضا غبار آلودہ ہو گئی۔ آفتاب باد تند کے ساتھ اٹھنے والے ریت کے نیچے چھپ گیا۔

یہ تمام لوگ ٹیلہ کی آڑ میں بیٹھے اپنے گم شدہ ساتھی کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ باد سموم کے جھونکے بند ہو گئے۔ آفتاب مجلّہ، مغرب میں ڈوبنے لگا۔

اب ان سب لوگوں کو تشویش ہوئی۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ ان کا ساتھی سارا راستہ بھول گیا۔ اور باد سموم نے اُسے بھٹکا کر کسی اور طرف نکال دیا:۔

تعجب یہ تھا۔ کہ گم شدہ آدمی کا اُونٹ گم تھا۔ جس سے یہ خیال ہوتا تھا۔ کہ وہ اونٹ کے اُوپر سوار ہو گیا ہے۔ لیکن کہاں گیا اور کیوں گیا یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھیں۔

رات کو ان لوگوں نے اسی جگہ قیام کیا اور دوسرے روز سب اسکی تلاش میں روانہ ہوئے۔ سارے دن جستجو کرتے پھرتے۔ مگر اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔ تھک کر شام کو پھر اسی جگہ آ گئے۔ جہاں سے چلے تھے:۔

اب سب نے سمجھ لیا۔ کہ یا تو وہ شخص کہیں ریت میں دب گیا ہے یا اونٹ اُسے کسی اور طرف لے گیا ہے۔ اب مزید تلاش بے سود بے کار ہے۔ لہٰذا مجبوراً یہ لوگ تیسرے

دن مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ مختصر قافلہ دن بھر سفر کرتا اور رات کو کسی ٹیلہ پر ٹھہر کر آرام کرتا۔ کئی دن سفر کرنے کے بعد ایک روز مقام رجیع پر پہنچا۔ اس مقام پر قبیلہ ہذیل آباد تھا۔

یہ جگہ پتھریلی تھی۔ اس کے قریب ہی سے پہاڑی کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ پہاڑی کی جھلسی ہوئی۔ سیاہ چٹانیں دُور تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔

جب یہ لوگ اس جگہ پہنچے تو انھوں نے اس شخص کو سامنے سے آتے دیکھا جو گم ہو گیا تھا۔ عاصم نے اُسے دیکھ کر فرط مسرت کے جوش میں کہا۔

یا اخی۔ تم کہاں چلے گئے تھے۔ ہم سب تمہاری گم شدگی سے پریشان ہو گئے تھے

اس اعرابی کی آنکھوں سے مکاری و فریب کاری کی چمک نمودار ہوئی۔ اُس نے کہا۔ میں آپ سے آگے ہی چلا آیا تھا۔ اس لیئے ایک ضروری کام انجام دینا تھا۔

عاصم نے کہا۔ اگر آنا ہی تھا۔ تو کم از کم ہم کو اطلاع دے کر آتے۔ ہم پریشان تو نہ ہوتے۔

اعرابی نے ہنس کر کہا۔ اب آپ کی پریشانی دُور ہو جائے گی ؟!

عاصم اس کی گفتگو سے کچھ چونکے انھوں نے اسکی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اس کی چہرہ سے شقاوت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ کہ سامنے سے تقریباً دو سو نوجوان تلواریں ہاتھوں میں لیئے انکی طرف بڑھتے نظر آئے ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ جو تیزی سے دوڑی چلی آ رہی تھی۔

عاصم اور تمام مسلمانوں نے بیک نظر ان آنے والوں کو دیکھا۔ خبیب رضؓ بن عدی نے عاصم رضؓ سے خطاب کرتے ہوئے کہا،،

عاصم تمہارے مہمانوں نے دغا دی

عاصم رضؓ نے کہا۔ بے شک فریب دیا۔ مکاری کی مسلمانو! آؤ۔ اس قریب کی پہاڑی

پر چڑھ چلو۔

یہ کہتے ہی عاصمؓ پہاڑ کی طرف چلے۔ تمام مسلمان ان کے ساتھ ہو لیئے ابھی یہ لوگ چند ہی قدم گئے تھے۔ کہ اہل وفد نے تلواریں میانوں سے کھینچکر ان پر حملہ کر دیا۔

امیر وفد نے کہا۔ کہاں جاتے ہو۔ تمہاری موت تم کو اس جگہ کھینچکر لائی ہے۔

مسلمانوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔ عاصمؓ نے کہا دغا بازو آج تک کسی اعرابی نے اپنی حمایت کو نہیں توڑا تھا۔ لوگ جان دے دیتے تھے۔ لیکن اپنی پناہ میں لینے والے پر آنچ نہ آنے دیتے تھے۔ لیکن آج تم نے عربوں کی قوم کو بٹہ لگا دیا۔ نامرد۔ بزدلو سنبھلو۔ موت تمہاری آئی ہے۔

یہ کہتے ہی پہلے عاصمؓ پھر دوسرے مسلمان اہل وفد پر ٹوٹ پڑے وفد والوں نے پہلے ہی حملہ کر دیا تھا۔ تلواریں چلنے لگیں اور جنگ شروع ہو گئی۔

مسلمانوں نے جلد جلد حملہ کر کے دو کافروں کو مار ڈالا۔ باقی مشرک زخمی ہو کر پیچھے ہٹے۔ مسلمان لپک کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔

اس عرصہ میں دو سو نوجوان اس جگہ آ پہنچے۔ جہاں جنگ ہوئی تھی۔ یہ لوگ اپنے دو ساتھیوں کو مقتول اور باقیوں کو مجروح دیکھ کر سخت غضبناک ہوئے۔ وہ شور بے تمیزی بپا کرتے ہوئے مسلمانوں کی طرف بڑھے

مسلمان پہاڑی پر پہنچ گئے تھے۔ کفار پہاڑی کے نیچے جا کر کھڑے ہوئے انھوں نے دیکھا کہ مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے تلواریں سونتے کھڑے ہیں کافروں نے سمجھ لیا کہ مسلمان آسانی سے ان کے قابو میں نہ آئیں گے۔ لڑیں گے اور آخری دم تک لڑیں گے۔

دو آدمیوں کو قتل کر چکے ہیں۔ نہ معلوم اور کس قدر لوگوں کو مار ڈالیں اس لیئے انہوں نے دہوکہ سے کام لینا چاہا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

مسلمانو! ہمارا قصد تم پر حملہ کرنے یا تم کو مار ڈالنے کا نہ تھا۔ بلکہ ہم تم کو آزماتے تھے کہ اگر مکہ والوں نے تم پر حملہ کیا۔ تو تم ان کے مقابلہ میں ٹھہر سکو گے یا نہیں ہو۔ بہادر قوم کے بہادر افراد ہو۔ آؤ۔ ! پہاڑی سے نیچے اُتر آؤ۔ ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہارے حامی و مددگار رہیں۔

عاصم نے کہا۔ کمینو دغابازو۔ تم ہم کو فریب دینا چاہتے ہو! ہم تمہارے دھوکہ میں آنے والے نہیں۔ ہم لڑ کر مر جائیں گے۔ مگر تمہارے دام فریب میں نہ آئیں گے۔

اب وہ عورت جو دو سو جوانوں کے ساتھ بھاگتی آ رہی تھی۔ آگے بڑھی اور اس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو! سُنو میں دغاباز لوگ جو میرے ساتھ ہیں۔ تم سب کو گرفتار کرنا یا مار ڈالنا نہیں چاہیئے۔ میں صرف عاصم کی دشمن ہوں۔ تم سے صرف عاصم کو چاہتی ہوں۔ عاصم کو میرے حوالے کر دو۔ اور تم سب چلے جاؤ۔ کوئی تم سے تعرض نہ کرے گا۔

خبیب رضؓ نے دریافت کیا۔ او خوبصورت ڈائن! عاصم کے ساتھ تیری دشمنی کی کیا وجہ ہے؟

عورت نے کہا۔ میرا نام سلافہ تھا۔ میں سعد کی بیٹی ہوں۔ میرے دو بیٹوں کو عاصم نے جنگ اُحد میں قتل کیا ہے۔ میں اس سے اپنے بیٹوں کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔

خبیبؓ نے کچھ کہنا چاہا۔ سلافہ نے انھیں روک کر کہا۔ اسے میری بات سُنو۔ اس وفد کو مکہ سے میں نے بھیجا تھا۔ اور تاکید کی تھی کہ عاصم کو اپنے ہمراہ ضرور لے کر آ دیں۔

لے۔ سلافہ بنت سعد کے دو بیٹے جنگ اُحد میں عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ سلافہ کو ان کے مارے جانے سے بڑا الم ہوا۔ لہٰذا اُس نے اعلان کیا تھا۔ کہ جو شخص عاصم کا سر کاٹ کر لائیگا وہ اُسے سو اونٹ انعام دے گی۔ وہ مالدار عورت تھی ۔ از تاریخ جہاں ۔ صادق ۔ صدیقی سردہنوی ؒ

میں نے عاصم کو لانے والے کے لئے یکصد اونٹ کا انعام مقرر کیا تھا۔ عاصم آگیا ہے۔ لہٰذا تم اُسے اب میرے حوالے کر دو۔ اور سب بخیریت واپس چلے جاؤ۔ لیکن اگر تم نے حماقت سے عاصم کو میرے حوالے نہ کیا۔ تو یہ لوگ تم سب کو قتل کر ڈالینگے اب تم یہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو۔ کہ عاصم کو میرے حوالے کر کے اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو۔ یا عاصم کا ساتھ دے کر مرنا منظور کرتے ہو؟

عاصم نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ برادرانِ اسلام سلاقہ نے یہ دام فریب مجھے اسیر کرنے کے لئے پھیلایا تھا۔ وہ مجھے چاہتی ہے۔ اگر میں اس کے پاس چلا جاؤں تو وہ تم کو آزاد کر دینے کا وعدہ کرتی ہے۔ میرے خیال میں تم مجھے اس کے حوالے کر دو اور اپنی جانیں بچا کر واپس چلے جاؤ۔

خبیبؓ نے جوش میں آکر کہا۔ عاصم! کیا تم ہم سے یہ توقع رکھتے ہو کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لئے تم کو ڈائن سلاقہ کے اور دغا باز کافروں کے حوالہ کر دیں گے۔ خدا کی قسم ہم زندگی کے آخری سانس تک بھی ایسا نہ کریں گے۔

ایک مسلمان اگر وہ واقعی سچا اور راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ تو وہ اپنے بھائی مسلمان پر آنچ نہ آنے دے گا۔ لبفضلہ تعالےٰ ہم سچے مسلمان ہیں۔ لہٰذا ہم کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتے۔

عاصم نے کہا۔ مسلمانو! سوچو! غور کرو! کہ ہم صرف دس آدمی ہیں۔ دشمن دو سو سے زیادہ ہے۔ اگر لڑائی شروع ہو گئی۔ تو ہم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا پھر کیوں نہ تم مجھے ان کے حوالے کر کے اپنی جانیں بچا لو۔

مرثد نے کہا۔ عاصمؓ! آج ہم اپنی جانیں تم کو ہلاکت میں ڈال کر بچا لیں مگر کل قیامت کے روز داور محشر کو کیا جواب دیں گے۔ جب کہ ہم سے پوچھا جائے گا۔ کہ تم اپنے ایک بھائی کو دشمنوں کے حوالے کر کے اپنی جانیں بچا کر کیوں بھاگ آئے تھے

اس وجہ سے ہم کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔

ہماری زندگی اور موت تمہارے ساتھ اور تمہاری زندگی اور موت ہمارے ساتھ ہے

عاصم نے کہا ۔ بخدا میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم سب واپس چلے جاؤ ۔ میری وجہ سے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

زید بن الدثنہ نے کہا۔ ہم میں سے کوئی بھی واپس نہیں جا سکتا ۔ کاتب تقدیر نے جو ہماری قسمتوں میں لکھ دیا ہے ۔ وہ پیش آکر رہے گا ۔

عاصم نے کہا ۔ انسان واقعیٔ قضا و قدر کا محکوم ہے ۔ اچھا اگر تم جانا نہیں چاہتے تو ان لوگوں سے کہدو کہ ہم عاصم کو حوالہ کرنے پر تیار نہیں ہیں ۔

خبیب رضؓ نے بلند آواز سے کہا ۔ اے ڈائن سلافہ ! ہم عاصم کو تیرے حوالے نہیں کر سکتے ۔

سلافہ نے کہا ۔ پھر سوچ لو ۔ موت کو زندگی پر ترجیح نہ دو ۔

عبداللہ بن طارق نے کہا ۔ ہم کافی غور و فکر کر چکے ہیں ۔ یہ فیصلہ بصد رد و کد کے بعد قرار پایا ۔

اب سلافہ پیچھے ہٹی اُس نے مشرکین سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا ۔ دلیرو ! بڑھو اور ان چند گنتی کے مسلمانوں کو جو اپنی بے وقوفی سے پہاڑی کو اپنا مدفن بنانا چاہتے ہیں قتل کر ڈالو ۔

سنو اور خوب گوش ہوش سے سنو ! جو شخص عاصم کا سر کاٹ کر لائے گا ۔ اُسے سو اونٹ انعام دوں گی

یہ سنتے ہی کفار دور تک پہاڑی کے دامن میں پھیل گئے ۔ اور پہاڑی پر چڑھنے لگے ۔ مسلمان کل دس تھے ۔ وہ اتنی دور تک نہ پھیل سکتے تھے ۔ جتنی دور تک مشرکین پھیل گئے تھے ۔ نہ کوئی ایسی چٹان تھی ۔ جسے پس پشت لے کر وہ مقابلہ

کی تیاری کرتے۔ اور نہ ایسی جگہ تھی۔ کہ وہ گول دائرہ قائم کر لیتے:۔

انھوں نے ایک چھوٹی سی صف قائم کی اور مدافعت کے لیئے تیار ہو گئے۔ مشرکین نہایت غیظ و غضب کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ مسلمان لڑیں گے اور موت کی لڑائی لڑیں گے۔

انھیں بدر اور اُحد کی لڑائی مسلمانوں کی شجاعت و دلیری کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیئے وہ مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت ہوشیاری سے بڑھ رہے تھے۔

انھیں خوف تھا کہ کہیں مسلمان خود ہی لپک کر حملہ نہ کر دیں۔ جب یہ لوگ مسلمانوں کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ تو انھوں نے تلواریں میانوں سے کھینچکر بڑے جوش اور پوری قوت سے حملہ کر دیا۔

مسلمان پہلے ہی سے بے خبر نہ تھے۔ لہذا انھوں نے بھی نہایت صبر و استقلال سے ان کے حملہ کو روکا۔ تلواریں بجلی کی مانند کوندتی ہوئی بلند ہوئیں۔ سیاہ ڈھالوں پر جھکتی نظر آئیں۔

تلواروں کی جھنکار اور متخاصمین کے قومی نعروں کی آواز سے تمام وادی کوہ گونج اٹھی۔ مسلمان بہ نسبت کفار کے اس قدر کم تھے۔ کہ مشرکین کے مقابلہ میں انکی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ مگر جوش ایمان نے ان میں ایسی قوت اور ایسی جرأت پیدا کر دی تھی۔ کہ وہ قلت و کثرت کا خیال کیئے بغیر فروشانہ جنگ لڑ رہے تھے۔

وہ جسطرف جھپٹ کر حملہ کرتے تھے۔ دو چار کو واصل جہنم کر کے واپس لوٹتے تھے ہر مسلمان بیشۂ شجاعت کا شیر بنا ہوا تھا اور شیر کی طرح جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا مشرکین بھی کمال دلیری اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔ وہ بھی بڑھ بڑھکر جوش و طیش میں آ آکر حملے کر رہے تھے۔ مگر باوجود اپنی کثرت اور پوری قوت سے حملہ کرنے کے بھی وہ مسلمانوں کو ایک انچ پیچھے نہ ہٹا سکے تھے۔

بلکہ ہر حملہ میں دو چار حملہ آور اور مشرکین ہی ڈھیر ہو جاتے تھے۔ اس سے انھیں اور بھی غصہ آتا تھا۔ اور جوش و غضب میں بھر کر وہ پھر حملہ کرتے تھے۔

جنگ نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔ اعضائے انسان کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون پتھروں پر بہہ رہا تھا۔ زخمی چلا رہے تھے۔ سرفروش قومی نعرے لگا رہے تھے۔ تیز تلواروں کی جھنکار کی آواز دور تک جا رہی تھی اور اس وقت ہوا نہایت تیز و تند ہو گئی تھی۔

باد صرصر کے تیز جھونکے ریت۔ گرد و غبار اور کنکریاں اٹھائے پھر رہے تھے سرفروش متخاصمین کے چہرے۔ کپڑے اور آنکھیں گرد و غبار سے اَٹ گئے تھے۔ ہلکے ہلکے بادلوں کے سفید سفید ٹکڑے آسمان پر بکھر گئے تھے۔ تیز ہوا انھیں بھی بکھیرے دیتی پھر رہی تھی۔

آفتاب عالم تاب نے سفید بادلوں کا نقاب اپنے روئے منور پر ڈال لیا تھا دھوپ کی چمک اور تیزی کم ہو گئی تھی۔ آسمان غبار آلود ہو گیا تھا۔ لوگوں نے یقین کر لیا تھا۔ کہ یا تو آندھی آنے والی ہے۔ ایسی آندھی جو پہاڑ نما ریت کے تودوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کر دے گی۔ یا بارش ہو گی۔ یا ممکن ہے باد و باراں کا طوفان اپنی قوت سے عرب کے اس حصہ پر حملہ آور ہو!

لڑنے والوں کو نہ آندھی کا خوف تھا۔ نہ بارش کا خدشہ۔ نہ باد و باراں کے طوفان کا اندیشہ

وہ لڑ رہے تھے اور موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے۔ تلواریں جلد جلد بلند ہو ہو کر سر و تن کے فیصلے کر رہی تھیں۔ چونکہ مسلمان کم تھے۔ اس لیے بہت تھوڑی جگہ محاذ جنگ قائم تھا۔ ان جگہ جنگ بڑے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ بہادر آدمی سرفروشی کر رہے تھے:۔

عبداللہؓ بن طارق اس جوش سے لڑ رہے تھے۔ کہ انھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی جھپٹ جھپٹ کر۔ اُچھل اُچھل کر حملے کر رہے تھے۔ ہر حملہ میں ایک دو کافروں کو واصل جہنم کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ جب وہ حملہ کرنے کے لئے جھپٹ کر اپنے ساتھیوں سے کچھ دور آگے نکل گئے۔ تو کفار نے ان کو چاروں طرف بڑھکر نرغہ میں لے لیا۔ ہر طرف سے ان پر تلواروں کی بارش ہونے لگی۔

عبداللہ بڑی طرح سے گھر گئے۔ سمجھ گئے کہ موت پیغام شہادت لیے کر آگئی ہے مشرکوں کا حصار توڑ کر نکل جانا غیر ممکن ہے۔

انھوں نے حیرت انگیز پھرتی اور تحیر خیز چابکدستی سے چاروں طرف تلوار چلانا شروع کر دی۔ ڈھال پھینک دی۔

کفار کا جوش۔ انکی حیرت انگیز پھرتی دیکھ کر آئینہ وار رہ گئے۔ کافی دیر تک عبداللہ اسی طرح لڑتے رہے۔ انھوں نے بہت سے حملہ آور مشرکین کو قتل کر کے پتھروں کی چٹانوں پر ڈال دیا۔

جس تحیر خیز چابک دستی سے وہ جنگ کر رہے تھے۔ اس نے بہت جلد ان کے بازو شل کر دیئے۔ زیادہ جدوجہد کرنے سے ان کا دم پھول گیا۔ طاقت و توانائی نے جواب دے دیا۔ ان تمام کمزوریوں کے باعث حملوں میں بھی سستی آگئی۔

کفار جو ان سے ڈر کر۔ متوحش کناں پیچھے ہٹ ہٹ کر حملے کر رہے تھے۔ چونکہ عبداللہؓ ڈھال پھینک چکے تھے۔ اس وجہ سے حملہ آوروں کی تلواریں انھیں نقصان پہنچانے اور زخمی کرنے لگیں۔

ان کے سر و سینہ اور شانوں پر متعدد گہرے زخم لگے۔ زخموں سے خون بہہ بہا کر انھیں مضمحل کرنے لگا۔

اگرچہ وہ اب بھی انتہائی قوت اور پورے جوش سے لڑ رہے تھے۔ مگر اب پہلے جیسی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ صرف جوش ہی جوش باقی رہ گیا تھا۔ مگر جوش بغیر طاقت کے کیا کام دے سکتا تھا۔ تاہم وہ زخمی شیر کی طرح جوش وغضب میں بھر بھر کر حملے کر رہے تھے۔ ہر حملہ میں ایک نہ ایک کافر کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

ان کے گرد وپیش یا تو لاشیں پڑی تھیں۔ یا مجروح کفار پڑے اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔

ایک مرتبہ وہ حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ وہ چار ہی قدم جھپٹے تھے۔ کہ ایک لاش سے ٹھوکر کھائی۔ ٹھوکر کھاتے ہی جھکے!"

ان کے جھکتے ہی متعدد تلواریں اُن کے جسم پر پڑیں۔ ہر تلوار گہرا زخم لگا کر مجروح کرتے ہوئے نکلی چلی گئی۔

تمام بدن زخموں سے چور ہو گیا۔ ہر زخم سے خون کا فوارہ ابل آیا۔ ضعف بڑھ گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اٹھنا یا اٹھکر کھڑا ہونا دشوار ہو گیا۔ مگر وہ اٹھے۔ اٹھتے ہی حملہ آور ہوئے۔ پوری قوت سے حملہ کیا۔ سامنے والے دو کافروں کو قتل کر کے اپنی پشت کی طرف لوٹے۔

اب طاقت نے بالکل جواب دے دیا۔ لڑکھڑا کر گرے۔ گرتے ہی مشرکین نے تلواروں سے ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ وہ شہید ہو گئے۔ مشرکین نے مسلمانوں کو متفرق کر کے ہر مجاہد کو نرغہ میں لے لیا تھا۔ ہر مسلمان اپنی حالت میں اسیر تھا۔

ایک کو دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی۔ مگر جو مسلمان جہاں تھا۔ وہاں کمال دلیری اور پورے جوش سے لڑ رہا تھا۔

کفار نے سمجھ رکھا تھا۔ کہ وہ بہت جلد ان گنتی کے چند مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے

زیادہ کدو کاوش سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مگر مجاہدین اسلام کی دلیرانہ جنگ نے انھیں واضح طور پر بتا دیا۔ کہ کمزور اور قلیل التعداد مسلمان آسانی سے اُن کے قابو نہ آئینگے انھیں حیرت تھی کہ مسلمانوں میں اس قدر جوش و قوت کیسے پیدا ہو گئی ہے کس چیز نے انھیں اس قدر دلیر اور جری بنا دیا ہے کہ وہ بیس گناہ دشمنوں سے بڑی بے خوفی و بے باکی سے لڑ رہے ہیں۔ بہت کچھ غور و فکر کرنیکے باوجود بھی وہ اس عقدہ کو حل نہ کر سکے۔

وہ کافر تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ نہیں جانتے تھے۔ کہ مسلمان خدا پرست ہیں۔ خدا پرستی نے انھیں جوش و قوت سے بہرہ اندوز کر دیا ہے۔
مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا چند روزہ ہے۔ زندگی عارضی ہے۔ لڑنے کے بعد اصلی زندگی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہی عقیدہ مسلمان کے جوش کا محرک ہوتا ہے۔ اور وہ اسی جذبہ کے ماتحت ایسے کام کر گذرتا ہے۔ جو دنیا کو حیرت میں ڈال دیتے۔
جو قومیں موت سے ڈرتی ہیں۔ اُنکی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ اور پست ہمت انسان کبھی معراج ترقی پر نہیں پہنچ سکتا:۔
مسلمان بڑے جوش اور کمال دلیری سے لڑ رہے تھے۔ انکی خونخوار تلواریں مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار رہی تھیں۔ ہر مسلمان نے پانچ پانچ سات سات کافروں کو موت سے ہم آغوش کر ڈالا تھا۔
جنگ پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ سلافہ ایک اونچی چٹان پر کھڑی تھی۔ اِس نے بلند آواز سے کہا۔
دلیر عربو۔ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو ہم دوش اجل کر دو۔ اور عاصم کو قتل کر کے اس کی کھوپڑی میرے سامنے لاؤ۔ میں نے قسم کھائی ہے۔ کہ اسکی کھوپڑی میرے سامنے لاؤ۔ میں نے قسم کھائی ہے۔ کہ اسکی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں گی۔ میری قسم پوری

ہونی چاہئیے۔

معلوم ہوتا تھا۔ کہ تمام کفار سلاقہ کا احترام کرتے تھے۔ جن لوگوں نے سلاقہ کی آواز سُنی۔ انھوں نے بیک آواز ہو کر کہا۔

محترم سلاقہ! تمہاری قسم پوری کی جائے گی۔ عاصم کا سر کاٹ کر تمہارے روبرو پیش کیا جاوے گا۔

مسلمانوں نے بھی یہ باتیں سُن لی تھیں۔ انھوں نے کہا۔ جبتک ایک مسلمان بھی زندہ ہے اس وقت تک سلاقہ کی قسم ہرگز ہرگز منت تکمیل نہ ہونے پائے گی۔

عاصم نے بھی یہ گفتگو سنی تھی۔ انھوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ خدائے عزوجل! میں تیری حرمت و کبریائی کا واسطہ دے کر تجھ سے التماس کرتا ہوں کہ مرنے کے بعد میرے سر کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔

یہ کہتے ہی انھوں نے اطمینان قلب سے کفار پر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملہ میں دو کافروں کے سر اڑا دیئے۔ سامنے حملہ کر کے داہنی طرف پلٹے ایک کافر کو اس طرف قتل کر ڈالا۔

جب وہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ تو ان کا پیر پھسل گیا۔ اور وہ گرتے گرتے تلوار کا سہارا لے کر رُکے۔

ابھی وہ کھڑے نہ ہوئے تھے۔ کہ چاروں طرف سے کفار نے ان پر تلواریں ماریں

لے۔ سلاقہ نے قسم کھائی تھی۔ کہ وہ عاصم رضؓ کی کھوپری میں شراب بھر کر پیئے گی۔ اس قسم کو پورا کرنے کے لیئے اُس نے اپنی قوم کو توجہ دلائی۔

(از تاریخ جہاں)

(صادق۔ صدیقی۔ سردہنوی)

تلواروں نے اُن کے بدن کا قیمہ کر دیا۔ انھوں نے پھر بھی کھڑا ہونے کی کوشش کی جب کہ وہ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ ایک کافر کی تلوار اُن کی گردن پر پڑی۔ سر کٹ گیا۔ بے سر لاشہ گر کر تڑپنے لگا۔

چونکہ لڑتے لڑتے دیر ہو گئی تھی۔ اس لیئے تمام مسلمان زخموں اور تھکاوٹ سے چُور ہو گئے تھے۔ اس پر بھی وہ مقدُور بھر بلکہ مقدور سے بھی زیادہ طاقت سے لڑ رہے تھے۔ لیکن کب تک لڑتے اور کب تک طاقت ساتھ دیتی بالآخر نڈھال ہو گئے۔

کفار نے جوش و غضب میں آ آ کر حملے کیئے اور مسلمانوں کو شہید کرنا شروع کر دیا۔ عاصم اور عبداللہ پہلے شہید ہو چکے تھے۔ چھ آدمی اب شہید ہو گئے۔ اب صرف دو مسلمان حبیبؓ بن عدی اور زید بن الدثنہ باقی نہ رہ گئے۔ یہ دونوں ابھی تک مصروف جدال و قتال تھے۔ جو کافر ان کے پاس آتا۔ اسی کے سر و تن میں فراق ابدی ڈال دیتے تھے۔

جس پر جھپٹ کر حملہ کرتے اُسے قتل کیئے بغیر نہ چھوڑتے۔ وہ دونوں خونخوار شیر اور ان کی تلواریں موت کا کوڑا بنی ہوئی تھیں۔ مشرکین ان سے خائف ہو کر دُور دُور رہنے لگے تھے۔

ایک مرتبہ خبیبؓ نے بڑھ کر ایک کافر پر حملہ کیا۔ ان کی خار اشگاف تلوار اس کے سر پر پڑی۔ سر کے دو ٹکڑے کر کے حلق تک اتر گئی۔

انھوں نے جلدی سے تلوار کھینچی اور دوسرے کافر پر حملہ کیا۔ اُس نے تلوار سامنے کر دی۔ خبیب کی تلوار اس کی تلوار سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ خبیبؓ ہنستے رہ گئے۔

کفار کو موقع مل گیا۔ انھوں نے بڑھ کر انھیں نرغہ میں لے لیا کئی مشرک دوڑ

کر اُن سے لپٹ گئے۔ کشتی ہونے لگی۔

خبیبؓ تنہا تھے۔ اور مشرک وش بارہ! کچھ دیر تو وہ لڑتے رہے۔ مگر جب دیکھا کہ اُن سے سر براہ ہونا مشکل ہے تو آپ ایک کافر سے لپٹ گئے اور اس کی پسلیوں کو اس قدر دبایا۔ کہ کئی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ وہ چیخنے لگا۔ اور چیختے ہی چیختے مر گیا۔

اب کفار نے خبیبؓ کو پکڑ کر رسیوں سے جکڑ دیا۔ زید ابھی تک لڑ رہے تھے نہایت جوش میں آ آکر حملے کر رہے تھے۔

ایک مرتبہ جب وہ حملہ کرنے کے لیئے جھپٹے۔ ایک لاش سے ٹھوکر کھا کر گر گئے۔ کفار اُن کے اوپر لوٹ پڑے۔ انھوں نے انھیں دبوچ لیا اور قابو میں کر کے انھیں بھی رسیوں سے جکڑ دیا۔

اس طرح سے دس مسلمانوں میں آٹھ شہید ہو گئے۔ اور دو گرفتار کر لیئے گئے۔ کفار میں سے اکیاسی آدمی مقتول ہوئے۔ تیرہ شدید طور پر زخمی ہوئے۔ جنکے بچنے اور جان بر ہونے کی اُمید نہ تھی۔ اکیس آدمی خفیف طور پر مجروح ہوئے۔

اس وقت ہوا کا طوفان اس قدر تیز ہو گیا تھا۔ کہ یوں معلوم ہوتا تھا۔ یعنے انسان اور پتھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے بڑے بڑے سنگریزے گیندوں کی طرح اچھل اچھل کر کہیں سے کہیں جا جا پڑے تھے۔ آسمان پہلے زرد رنگ میں رنگا گیا۔ پھر آتشی رنگ نمودار ہوا۔ اور کچھ وقفہ کے بعد اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔

ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ فتحمند کفار ہوا کے طوفان سے بچنے کے لیئے چٹانوں کی آڑ میں چھپ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ ایسی سخت آوازیں آنے لگیں۔ جیسے ایک ساتھ کئی کئی توپیں چھوٹ جائیں

اس ہولناک آواز سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ کفار نے اپنے دامنوں کی دھجیاں پھاڑ پھاڑ کر کانوں ٹھونس دیں۔

اب آنکھوں کو خیرہ کرنے والی بجلی کی چمک پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ لوگوں کا خیال صحیح نکلا۔ بادو باراں کا طوفان اُمنڈ آیا۔ جس میں بجلی کی چمک اور کڑک نے ہولناک اضافہ کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد موسلادہار بارش شروع ہوگئی۔ ہوا کا شور لمحہ بہ لمحہ ترقی پر تھا۔ بجلی کی کڑک دل ہلائے دیتی تھی۔ بارش کا طوفان شور کو المضاعف کر رہا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ساکنانِ ملاءِ اعلےٰ مٹھی بھر مسلمانوں کی شہادت پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہے ہیں۔

بارش اس کثرت سے ہوئی کہ پانی کا سیلاب مرنے والوں کے سروں اور لاشوں کو بہائے گیا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ معمولی وزن کے پتھر بھی سیلاب کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد بادو باراں کا طوفان بے تمیزی رکا۔ بجلی کی کڑک اور چمک بند ہوئی۔ فضا ساکن ہوئی۔ کفار کی جان میں جان آئی۔

وہ اٹھے اور چٹانوں کے پیچھے سے نکلے اور اپنے کپڑوں کو نچوڑ نچوڑ کر پہاڑی سے نیچے اترنے لگے۔

سلافہ اپنی قسم بھول گئی۔ اس نے عاصم کا سر تلاش نہیں کیا۔ وہ بادو باران کے طوفان سے خوفزدہ ہوگئی تھی۔ یا اُس نے سمجھ لیا تھا۔ کہ اب عاصم کے سر کا ملنا غیر ممکن ہوگیا۔

جب یہ لوگ پہاڑی سے نیچے اترے تو انھوں نے اب بھی پانی کے سیلاب کو

زرد و شور سے نشیب کی طرف رواں دیکھا۔

وہ پانی میں گھس کر راستہ طے کرنے لگے۔ مسلمان اسیروں کو انھوں نے اپنے درمیان میں لے لیا:۔

سلاقہ کا چہرہ خوف و دہشت سے زرد ہو رہا تھا۔ تمام مشرکوں کے چہروں سے بھی خوف و ہراس مترشح تھا۔ وہ اس تیزی سے پانی کو چیرتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

انھیں خدشہ تھا کہ کہیں دوبارہ باد و باراں کا طوفان آ کر انھیں ہلاک نہ کر ڈالے۔ اگرچہ مسلمان بھی متفکر و مغموم تھے۔ لیکن خوف و دہشت کی علامات ان کے چہروں سے ظاہر نہ ہو رہی تھیں۔ وہ دونوں کفار کی حراست میں ان کے ساتھ چل رہے تھے۔

اُنیسواں باب (۱۹)

"وحشیانہ سنگدلی"

جس وقت ابوبراء ستر صحابہ کو ہمراہ لے کر نجد روانہ ہوئے تھے۔ اسی وقت آنحضورؐ نے ابوبراء کے مشورہ سے اُسکے بھتیجہ عامر بن الطفیل کو ایک خط لکھ کر حرامؓ بن ملجان کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔

اس خط کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ عامر کو معلوم ہو جائے کہ جو مسلمان آرہے ہیں وہ ابوبراء اس کے چچا کی حمایت و امان میں ہیں۔

عامر نوجوان اور مغرور شخص تھا۔ اُسے اسلام اور مسلمانوں سے خدائی بیر تھا جوں جوں وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کی خبریں سنتا تھا۔ آتش حسد سے جلتا تھا اس میں اس قدر طاقت نہیں تھی۔ کہ وہ مدینہ پر لشکر کشی کرتا۔ مگر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے منصوبے باندھا کرتا تھا۔

ایک روز وہ بیر معونہ پر کھڑا تھا۔ اور دس بارہ اس کے ہم مشرب لوگ اُسکے ہمراہ تھے۔ بیر معونہ ارض بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان واقع تھا۔ اس نواح میں بنو عامر اور بنو سلیم دو زبردست قبائل آباد تھے۔ ان قبیلوں کی وجہ سے اس سرزمین کا نام ان قبائل ہی کے نام سے موسوم ہو گیا تھا۔

عامر نے ایک اعرابی کو ایک اونٹ پر سوار آتے دیکھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا:۔

تم اس شتر سوار اعرابی کو دیکھ رہے ہو۔

تم لوگوں نے اس شتر سوار کو دیکھ لیا تھا۔ سب نے کہا۔ ہاں دیکھ رہے ہیں شاید وہ مدینہ سے آ رہا ہے۔

عامر نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ عجیب نہیں یہ مسلمان ہو اور میرے پاس کوئی پیغام لا رہا ہے

ایک شخص نے اس سے دریافت کیا۔ فرض کرو۔ وہ مسلمان ہوا۔

عامر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہبل کی قسم اگر وہ مسلمان ہوا تو بغیر کچھ کلام کرنے کے قتل کر ڈالوں گا۔ جس وقت میں اشارہ کروں تو سب اُسے لپٹ جانا۔

سُنا ہے کہ یہ مسلمان بہادر زیادہ ہوتے ہیں۔ لہذا اُسے لڑنے کا موقعہ ہی نہ دینا۔ ورنہ وہ ایک دو کو ضرور بالضرور ختم کر ڈالے گا۔

اس عرصہ میں شتر سوار اُن کے قریب آ گیا۔ یہ حرم رضؓ بن ملحان تھے جو کہ آنحضور صلعم کا خط لے کر آئے تھے۔ وہ عامر سے واقف تھے۔

انہوں نے اُسے پہچان لیا۔ عامر ان کو نہ جانتا تھا۔

حرم رضؓ نے عامر کے پاس پہنچکر کہا۔ یا سیدی! میں آپ کے پاس آیا ہوں۔

عامر نے کہا۔ میرے پاس؟ ۔۔۔۔۔۔

حرم رضؓ نے کہا۔ آپ نے حضرت محمدؐ کا نام سُنا ہوگا۔

عامر نے قطع کلام کر کے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔ ہاں سُنا ہے۔ جسے اس

کے وطن والوں نے مکہ سے نکال دیا ہے۔ اور جو مدینہ والوں کو ساتھ لے کر اپنی قوم اپنے خاندان اور اپنے قبیلہ والوں سے لڑ رہا ہے۔

حرم نے کہا۔ شاید آپ کو یہ بھی علم ہوگا۔ کہ لڑائیاں کیوں ہوئیں۔ زیادتی کس کی ہے:۔

عامر نے کہا۔ مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت محمدؐ نے ایک نیا مذہب جاری کر کے ملک و قوم کے اندر فتنہ ڈال دیا ہے۔

حرم نے کہا۔ آپ کو غلط اطلاع پہنچی۔ آنحضورؐ صلعم جس مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ وہ نیا مذہب نہیں ہے۔ وہ وہی مذہب ہے۔ جو ہمارے آپ کے اور ساری دنیا کے باوا آدم کا مذہب تھا۔

جو حضرت نوح کا مذہب تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت موسےٰ کلیم اللہ حضرت عیسےٰ روح اللہ۔ سب اس مذہب کی تلقین کرتے چلے آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مذہب کا نام اسلام اور اسلام میں داخل ہونے والوں کا نام مسلمان رکھا تھا۔

اسلام خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے آنحضورؐ خدا کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔ حضورؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا۔

عامر نے دریافت کیا۔ یہ تم آنحضورؐ صلعم کسے کہتے ہو؟

حرم نے کہا۔ مسلمان حضرت محمدؐ کا نام بوجہ ان کی حرمت و تقدس کے کم لیتے ہیں۔ صرف آنحضور صلعم کہہ دیتے ہیں۔

عامر۔ کیا تم مسلمان ہو؟

حرم۔ ہاں میں مسلمان ہوں اور آنحضور کا خط تمہارے پاس لایا ہوں۔

عامر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وہ اچانک بڑھے اتنے میں کہ حرمؓ

معاملہ کی نوعیت سمجھ گئی۔ انہیوں نے بڑھ کر انھیں اپنے قابو میں کر لیا۔ عامر نے اُن سے کہا۔

او کتے مسلمان! تمہارا کیا نام ہے؟

خرمؒ نے فرمایا۔ بزدل۔ کمینہ میرا نام حرمؒ ہے۔ میں ملجان کا بیٹا ہوں۔ دغاباز ذلیل اگر دعویٰ بہادری کا ہے تو مقابلہ کر"۔

عامر نے کھسانہ ہو کر قہقہہ لگایا۔ اس نے کہا"۔

ملجان کے بیٹے۔ تجھے بھی اپنی بہادری پر غرّہ ہے خیر میں مانے لیتا ہوں۔ کہ بہادر ہو۔ مگر حرمؒ کسقدر حماقت ہے۔ کہ تم اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔

حرمؒ نے کچھ کہنا چاہا۔ عامر نے ہاتھ کے اشارے سے اُنھیں خاموش رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا:۔

سنو حرم! مجھے معلوم ہے۔ کہ مسلمان بے باک اور گستاخ ہوتے ہیں میں نہیں چاہتا۔ کہ تم کوئی ایسی بات کہو۔ جو میرے دل کو مجروح کر دے۔

میری تو آرزو یہ ہے۔ کہ تم اسلام چھوڑ دو۔ اور اپنے آبائی مذہب پر آجاؤ اگر تم کو یہ خوف ہو۔ کہ تمہارے اسلام چھوڑنے کی وجہ سے مسلمان تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ اور تم کو کوئی نقصان پہنچائیںگے۔ تو میں تم کو اپنی حمایت میں لیتا ہوں

دنیا کی کوئی طاقت میری امان میں ہوتے ہوئے تم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ میں تم کو دو سو اونٹ اور پانچسو بکریاں دوں گا۔ دو غلام تمہاری خدمت کے لیے۔ سونا چاندی خرچ کرنے کے لئے اور ایک اچھی چراگاہ تمہارے مویشیوں کے چرنے کے لئے تم کو دے دوں گا۔ نیز تم کو اختیار دیا جائیگا۔ کہ تم میرے قبیلہ کی جس عورت یا لڑکی کو پسند کرو اس سے تمہاری شادی کر دوں۔ تمہاری زندگی امیرانہ طور پر بسر ہو گی۔ بولو

تم کو یہ تمام شرائط منظور ہیں۔؟

حرمؓ نے فرمایا! عامر! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں یا کوئی اور مسلمان کسی لالچ یا مصیبت میں آکر اسلام کو چھوڑ دے گا۔ تو تم نے غلط سمجھا ہے کبھی کوئی مسلمان ایسا نہ کرے گا۔ دنیا چند روزہ ہے۔ دنیا کا عیش و آرام بھی عارضی ہے۔ دائمی زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد جسے آرام و سکون حاصل ہوا۔ اس نے سب کچھ پالیا لیکن جسے مرنے کے بعد تکلیف ہوئی۔ اس نے زندگی کا ماحصل کھو دیا۔

غور کیجئے! اگر آپ کا غلام آپ کی نافرمانی کرے تو کیا آپ اس غلام سے مسرور و شادکام ہوں گے؟ میں سمجھتا ہوں۔ کہ آپ اُس سے ناخوش ہو کر اُسے سخت سزا دیں گے۔ اسی طرح خدا ان بندوں سے کیسے خوش ہو سکتا ہے۔ جو اُسے چھوڑ کر بتوں یا دوسری چیزوں کو پوجتے ہیں۔ اسکی نافرمانی کرتے ہیں۔

ایسے لوگ خدا کے غضب میں اسیر ہونگے۔ ڈرو اس دن سے جبکہ محشر احکم الحاکمین حقیقی ہر انسان سے اسکی زندگی کے اعمال و افعال کا حساب لے گا۔ . . . . . .

عامر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں وعظ و نصیحت سننا نہیں چاہتا۔ یہ دریافت کرتا ہوں۔ کہ تم اسلام چھوڑنے پر تیار ہو یا نہیں۔

حرم نے دلیرانہ انداز سے کہا۔ میں اسلام نہیں چھوڑ سکتا!!

عامر نے برافروختہ ہو کر کہا۔ اگر تم نے اسلام نہ چھوڑا تو تجھے قتل کر ڈالا جائیگا

حرمؓ۔ کچھ پرواہ نہیں؟

عامر نے غضبناک ہو کر تلوار میان سے کھینچی اور پر غیظ لہجہ میں کہا۔

حرمؓ! اسلام چھوڑ دے ورنہ اس تلوار سے تیرا سر اڑا دیا جائیگا۔

حرمؓ نے فرمایا۔ عامر! میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ کوئی مسلمان کسی لالچ۔ کسی خوف یا تکلیف سے متاثر ہو کر اسلام کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔

عامر نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ تو کیا انکار ہے۔؟

حرم رض نے فرمایا۔ ہاں انکار ہے۔ اور تادم واپسیں انکار ہی رہے گا۔

عامر نے تلوار کا وار کیا۔ حرم رض نے سر جھکا دیا۔ تلوار گردن پر پڑی حرم شہید ہو کر گر پڑے۔

عامر نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔

اس بدبخت کی لاش سامنے والے میدان میں ڈال دو کوؤں چیلوں اور گدھوں کی خوراک بن جائے گی۔

ایک بدبخت نے انکی لاش گھسیٹ کر میدان میں ڈال دی

عامر نے تلوار صاف کر کے میان میں رکھی اور حرم رض کے عمامہ کو کھولا اس میں خط بندھا ہوا تھا۔ عامر نے خط کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔

یہ خط محمد صلعم رسول اللہ کیجانب سے عامر بن الطفیل کے نام ہے

بعد سلام کے معلوم ہو کہ میں اس خدا کا فرستادہ نبی اور رسول ہوں۔ جو کائنات عالم کا خالق ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ خود روز جزا کا مالک ہے۔ دنیا و جہاں کا رب ہے۔ وہی پرستش کے قابل وسزاوار ہے۔

میں تم کو اور تمہارے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ۔ خدا کی بندگی شروع کر دو۔ شراب خوری۔ قمار بازی۔ زناہ کاری اور تمام دوسرے عیوب ترک کر دو۔ تمہارے محترم چچا ابو براء یہاں آئے تھے میں ان کے ہمراہ ستر صحابہ

بھیج رہا ہوں۔ جو شکوک اور غلط فہمی تم کو یا تمہارے قبیلہ کو ہو۔ اُن سے تبادلہ خیالات کر کے رفع کر لینا۔ اگر ان سے تسلی نہ ہو۔ تو مدینہ آجاؤ یہاں تمہارے ہر قسم کے شکوک دور کر دیئے جائیں گے"۔

عامر نے خط پڑھ کر کہا۔ کس قدر گستاخانہ خط ہے۔ قسم ہے ہبل کی میں ان تمام مسلمانوں کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ جو میرے چچا کے ہمراہ آ رہے ہیں۔ کیا تم لوگ میری اعانت کرو گے۔

ان میں سے ایک شخص نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا۔

آپ جانتے ہیں کہ آپ کے قبیلہ بنو عامر پر آپ کے چچا ابو براء کا زیادہ اثر و رسوخ ہے۔ اور وہ مسلمانوں کو اپنی امان میں لے کر آ رہے ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ اپنے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں کو برانگیختہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ابھاریے۔

عامر نے کہا۔ نہایت مناسب ہے۔ اچھا آؤ قبیلہ کے سربرآوردہ افراد کو مسلمانوں کے قتل پر آمادہ کریں۔

یہ سب لوگ چلے۔ یہ قبیلہ اگرچہ بادیہ نشین نہ تھا۔ مگر برخلاف اس کے بستی میں آباد ہونے کو بھی پسند نہ کرتا تھا۔ میدان میں خیموں کے اندر ان کی عورتیں اور بچے ریگ زار پر بیٹھے تھے۔

تلواریں۔ تیر اور نیزے ان کے پاس رکھے تھے۔ جنھیں وہ صیقل اور صاف کر رہے تھے۔ عامر کو دیکھتے ہی وہ سب لوگ خطیماً کھڑے ہو گئے۔ عامر اُن کے قریب پہنچا سلام و دعا کے بعد بیٹھ گیا۔ اور غرض منصب زبان پر لایا

خیمہ کے باہر بیٹھے ہوئے لوگ قبیلہ کے سردار معلوم ہوتے تھے۔ اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔

عامر! تم کہتے ہو۔ کہ مسلمان تمہارے چچا کی امان و حمایت میں ہیں۔ ہم تمہارے چچا کی بات کو نہیں توڑ سکتے!۔

یہ بڑی بات ہے۔ تم کو بھی اس میں کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ ابوبرا تمہارے بزرگ ہیں۔ اس کے علاوہ ہم عربوں کا یہ سوشل قانون ہے۔ کہ جب ہم کسی کو اپنی حمایت میں لے لیتے ہیں۔ تو زندگی کے آخری سانس تک اس کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوتے۔

یہ بات سخت ترین معیوب ہے کہ ہم اپنی حمایت کو توڑ ڈالیں تم ہمارے قبیلہ کو اس فعل کا ارتکاب کر کے بدنام نہ کرو۔

عامر سمجھ گیا کہ اس کی قوم کے لوگ اس کا ساتھ نہ دیں گے۔ وہ خفا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور بنو سلیم کے خیموں پر پہنچا۔

قبیلہ بنو سلیم میں رعل۔ ذکوان اور عصبہ سربرآوردہ لوگ تھے۔ اتفاق سے وہ تینوں ایک ہی جگہ بیٹھے تھے۔

جب عامر نے اُن سے تمام واقعہ بیان کر کے ان سے اعانت کی درخواست کی تو رعل نے کہا!"

اگرچہ یہ بڑی بات ہے کہ ہم ابوبرا کی حمایت میں نقص ڈالیں۔ مگر ہم تمہارا بھی احترام کرتے ہیں۔ تم نے ہمارے خیموں پر آ کر ہم سے اعانت کی درخواست کی ہے۔ ہم تمہاری درخواست مسترد کر کے تم کو مایوس نہ کریں گے۔

ذکوان نے کہا۔ بلاشبہ ہم تمہاری امداد و اعانت کریں گے۔ لیکن اگر مسلمانوں سے لڑے تو فساد بڑھ جانے کا احتمال ہے۔

اول تو مسلمان ہی بڑے بہادر اور جوشیلے ہوتے ہیں۔ ان کا قابو میں آنا مشکل ہے دوسرے ممکن نہیں اغلب ہے کہ ابوبراء کی وجہ سے تمہارا قبیلہ انکی حمایت پر تیار ہو جائے

اس لیئے مناسب یہی ہے کہ مسلمانوں کو فریب سے قتل کر دیا جائے۔

عصبہ نے کہا۔ بے شک ہم کو ایسا ہی کرنا سود مند رہیگا اور وہ اس طرح کہ ایک روز تمام مسلمانوں کی دعوت کی جائے۔ اور موقع پاکر انھیں قتل کر ڈالا جائے

عامر نے کہا۔ تدبیر تو جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔ مگر میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو ہم دوش قضا کر دیں۔

رعل نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ جب مسلمان آجائیں۔ تو آپ کا فرض ہے۔ کہ ہم کو مطلع کر دیا جائے۔

ذکوان نے کہا۔ نہ صرف اطلاع دی جائے۔ بلکہ انکی ضیافت کیلیئے چند اونٹ اور بکریاں کچھ آٹا بھی بھیجدیا جائے!

عامر نے کہا۔ میں یہ سب انتظام کر دوں گا۔

اس بحث و بتز کے بعد عامر اٹھکر چلا گیا۔ چند ہی روز کے بعد مسلمان ابو براء کی معیت میں آگئے۔

قبیلہ بنو عامر نے انکی مدارات کرنا شروع کر دی۔ عامر نے بنو سلیم کو اطلاع پہنچا دی اور ضیافت کا سامان بھی بھیجدیا۔

ایک روز رعل۔ ذکوان اور عصبہ تینوں ابو براء کے پاس پہنچے اور مسلمانوں کی دعوت کرکے انھیں اسی رات کو اپنے خیموں پر آنے کے لیئے کہہ آئے۔

مغرب کی نماز پڑھکر ابو براء اور عامر مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لیکر بنو سلیم کے خیموں پر پہنچے؛

ایک وسیع میدان میں دور تک خیمے نصب تھے۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نے چاندنی کی سفید چادر ریگ زار پر پھیلا رکھی تھی۔ ریت کے ذرے چاندنی میں چمک رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار اور فرحت بخش جھونکے چل رہے تھے۔ نہایت دلفریب

منظر تھا۔ ایک شاندار خیمہ کے سامنے کمبلوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔
اس فرش پر سوا سو فرزندان بنو سلیم بیٹھے خوش گپیاں ہانک رہے تھے۔ وہ ابو براء عامر اور مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ذکوان نے بڑھ کر کہا۔
بنو سلیم کے لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ان کے خیموں پر نجد کے معزز رئیس ابو براء اور عامر معہ اپنے شریف مہمانوں کے تشریف لائے۔ میں اپنے قبیلہ کی طرف سے آپ تمام معززین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔
رعل نے کہا۔ اگر ہمارے معزز مہمان پسند فرمائیں گے۔ تو آج ہم اپنی عورتوں سے ایسا سامع نواز گانا سنوائیں گے۔ جو آج سے پہلے ان خیموں میں کسی نے نہیں سُنا۔
عامر نے کہا۔ معزز میزبانوں ہم تمہاری عزت افزائی کیلئے تمہارے خیموں پر نہیں آئے۔ بلکہ تمہاری مشہور مغنیہ عورتوں کا گانا سننے آئے ہیں دیکھیے اہماری لڑکیوں نے گانے میں کس قدر کمال حاصل کر لیا ہے۔
ابو براء اور عامر نیز تمام ہمراہ آمدہ مسلمان فرش پر بیٹھ گئے۔ قبیلہ بنو سلیم کے لوگ رنگ رلاؤ اُن کے سامنے آ بیٹھے۔
ذکوان اس جگہ سے جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ چند نوجوان اور حسین اور فریب زاہد لڑکیوں کو ہمراہ لے کر آیا:۔
یہ دوشیزہ حسینان عرب ہاتھوں میں دف لیے ہوئے تھیں۔ اُن کی لمبی لمبی سیاہ زلفیں گندھی ہوئی اُن کے گداز اور ابھرے ہوئے سینوں کے ہر دو جوانب اس طرح سے آویزاں تھیں۔ جیسے دو سانپ پیچ و خم کھائے ہوئے پڑے ہوں
تمام زاہد فریب لڑکیاں حسین اور شوخ تھیں۔ وہ آ کر ایک طرف بیٹھ گئیں

اور رمل کے اشارہ کرنے پر سب نے دف بجائے اور باہم دلکش آواز سے گانا شروع کر دیا۔

جب ان کی سریلی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہونا شروع ہوئیں۔ تو سننے والوں نے اندازہ کر لیا۔ کہ وہ گانے میں تمام و کمال ملکہ رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ خوش گلو اور خوب گا سکتی ہیں۔

انھوں نے ایک نظم شروع۔ جس میں ہبل۔ لات و عزیٰ اور یعوق وغیرہ کی تعریف تھی۔

یہ تمام بت تھے۔ جنھیں اہل عرب عموماً پوجا کرتے تھے۔ حسین مغنیہ دوشیزہ کی روح پرور آوازوں نے تمام حاضرین کو مسحور اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ لیکن مسلمان بتوں کی تعریف سن سن کر مغضوب ہو رہے تھے۔

جب نظم ختم ہوئی تو منذر بن عمرو نے کہا۔ اے اہل عرب اے بنو سلیم کے ہوش مند فرزندو! اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی تعریف و پرستش کرنا چھوڑ دو۔

اب اس خدا کی تعریف و توصیف بیان کرو۔ اس خدا کی پرستش کرو۔ جو رب العالمین ہے جو واحد ہے۔ بڑی قدرت والا ہے۔ جس نے زمین و آسمان۔ سورج چاند اور ستارے بنائے ہیں۔

جو خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ پانی برساتا ہے۔ باغوں میں میوہ دار درخت اور ان میں وقت آنے پر میوہ لگاتا ہے۔ نیز خشک زمین پر سبزہ اگاتا ہے۔ وہ بڑا مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ذکوان نے کہا۔ معزز مہمانوں ٹھہرو! ہم تمہاری باتیں پھر کسی دوسرے وقت سنیں گے۔

اب عورتوں نے پھر گانا شروع کیا۔ اس مرتبہ جو نظم انھوں نے شروع کی اس میں حرب الفجار کا مذکور تھا۔ اس جنگ میں لڑنے والے بہادروں کی تعریف تھی نہایت اچھی نظم تھی۔ لوگوں کے جذبات کو انگیختگی اور ہیجان میں لانے والی نظم تھی۔ نہایت پراثر تھی۔ قریب قریب تمام حاضرین اس سے متاثر ہوئے

تھوڑی دیر بعد عشاء کی نماز کا وقت آگیا۔ منذر بن عمرو نے کہا!

اب ہمارے عبادت کرنے کا وقت آگیا ہے۔ ہم کو پانی دے دیا جائے تاکہ ہم وضو کر کے نماز پڑھ لیں۔

رعل نے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا۔ وہ دوڑ کر پانی کے مشکیزے اٹھا لائے مسلمانوں نے وضو کرنا شروع کر دیا۔

عامر نے ذکوان کو علیحدہ لے جا کر کہا۔ یا اخی! مسلمانوں کو اس وقت قتل کر ڈالو۔ جب وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔

ذکوان نے فرمایا۔ مناسب ہے۔ لیکن ابو براء کا اندیشہ ہے۔

عامر نے کہا۔ مناسب ہے۔ اندیشہ نہ کرو۔ رعل سے کہو۔ وہ اسے باتوں میں لگا کر ان خیموں کی طرف لے جائے۔ جو سامنے والے کھجوروں کے سایہ میں نصب ہیں۔

ذکوان نے کہا۔ آپ نے خوب تدبیر بتائی

اب ذکوان بڑھا۔ اس نے گانے والی عورتوں کو رخصت کر دیا۔ اور رعل کو علیحدہ لے جا کر کہا۔

تم ابو براء کو سامنے والے خیموں کی طرف لے جاؤ۔ ہم مسلمانوں کو اسی وقت ہی قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جب کہ وہ نماز پڑھیں گے،،

رعل بے حد خوش ہوا۔ وہ ابو براء کے پاس آیا اور اس نے کہا۔

یاسیدی! آئیے اتنے میں کہ مسلمان نماز پڑھیں۔ اتنے میں آپ اور میں ان خیموں تک چلیں۔ جو کھجوروں کے سایہ میں نصب ہیں۔

ابوبرا نے فرمایا۔ ہاں چلو۔

اس کے بعد وہ دونوں آہستہ آہستہ چلے۔ مسلمانوں نے وضو سے فراغت کی اور نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

ذکوان نے اپنے ہمراہیوں سے آہستہ سے کہا۔ تمہاری آب دار تلواریں کہاں ہیں۔

سب نے اپنے اپنے دامنوں کے نیچے سے تلواریں نکال لیں۔ صاف و شفاف تلواریں چاندنی میں نکل کر بجلی کی طرح چمکنے لگیں۔

ذکوان نے کہا۔ یہی موقع ہے۔ جب یہ لوگ سجدہ میں جائیں۔ تم فوراً ان پر ٹوٹ پڑو۔ اور ایک لمحہ ضائع کئے۔ بغیر سب کو قتل کر ڈالو۔

سب نے آہستہ سے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ ہمارے سردار

یہ کہہ کر وہ بڑھے اور مسلمان کے قریب تین طرف جا کھڑے ہوئے۔ جب مسلمان سربسجود ہوئے تو سب نے اچانک اُن پر حملہ کر دیا۔

تمام کفار مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے اور جلدی جلدی انھیں قتل کرنے لگے۔

مسلمان نماز پڑھ رہے تھے۔ سنگدل۔ دغاباز۔ کمینوں کی تلواریں ان کے سروں پر پڑیں۔ سر کٹ کٹ کر الگ ہو گئے۔ لاشیں تڑپنے لگیں۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

تمام مسلمان شہید ہو گئے۔ صرف عُمروبن رضؓ اُمیہ کسی طرح سے بچ گئے۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اٹھتے ہی ایک عرب سے لپٹ گئے۔

انھوں نے اس عرب کا گلا اس زور سے دبایا کہ اس کی آنکھیں اُبل آئیں۔ روح پرواز کر گئی اور وہ کشتہ ہو کر دھڑام سے زمین پر آ رہا

کئی آدمی عمرو کی طرف جھپٹے۔ عامر نے کہا اسے قتل نہ کرو۔ بلکہ گرفتار کر لو۔ میری والدہ نے ایک غلام آزاد کرانے کی منت مانی ہوئی ہے۔ میں اس کے سر کے بال منڈوا کر اسے آزاد کر دوں گا۔ کیونکہ میری والدہ کی منت بھی پوری ہو جائے گی۔

اس اثناء میں چند لوگوں نے بڑھ کر عمرو کو پکڑ لیا۔ فوراً قینچی سے ان کے سر کے بال تراش کر انھیں آزاد کر دیا گیا۔

عمرو اسی وقت وہاں سے چل پڑے۔ اس طرح ستر مسلمانوں کو سفاک اور وحشی بنو سلیم نے بدمعاش عامر کے کہنے سے شہید کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد ابو براء اس جگہ آئے۔ انھوں نے بنو سلیم کو مسلمانوں کی لاشیں اٹھا اٹھا کر لے جاتے دیکھ کر دریافت کیا:

دغا باز کمینو! کیا تم نے میری حمایت توڑ دی۔ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا؟

ذکوان نے کہا۔ یا سیدی۔ افسوس نہ کیجئے یہ لوگ ہم کو ہمارے دین سے منحرف کر کے بددین بنانے آئے تھے۔ ان کا قتل کر دینا ہی بہتر اور ضروری تھا۔

ابو براء نے کہا۔ تم نے برا کیا۔ بہت برا۔ مجھے میرے خاندان کو میرے قبیلہ کو بٹہ لگا دیا تاریخوں میں میرا نام برائی کے ساتھ لکھا جائے گا۔ تمام عرب میں بدنام ہو جاؤں گا۔

رعل نے کہا۔ آپ ان باتوں کو مطلق خیال نہ کریں۔ تاریخ کوئی چیز نہیں۔ فضول لوگ معاشرتی۔ تمدنی۔ سیاسی۔ مذہبی اور جنگی واقعات لکھتے چلے جاتے ہیں

اگر کوئی مورخ ہماری تاریخ لکھنے بیٹھے گا۔ تو وہ ہمارے تاثرات مذہبی کی تعریف کرے گا۔ لکھے گا کہ قبیلہ بنو سلیم نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی پوری پوری

کوشش کی تھی - یہ ہماری تعریف ہوگی نا کہ برائی ۔

ابو براء کو کمال صدمہ تھا - اس کے چہرہ سے رنج وغم کے آثار ظاہر تھے - اس نے کہا :-

رعل تم نے نہیں میرے بھتیجہ عامر نے میری امان کو توڑا ! مجھے دنیا کی نظروں میں حقیر کردیا

میں اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکوں گا - لیکن ایک بات کہے دیتا ہوں - کان کھول کر سن لو

جس مذہب کے آج تم خلاف ہو رہے ہو - جن لوگوں کو آج تم موت کے گھاٹ اتار

رہے ہو - وہ مذہب سارے عرب - نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا میں چھا جائے گا -

اس کے ماننے والے دنیا کے کثیر حصہ پر قابض ہوں گے - دنیا بھر کی اقوام - بڑی

بڑی سلطنتیں تہ و بالا ہو جائیں گی - تم سب اور تمام تمہارا قبیلہ اسلام کا حلقہ بگوش

ہوگا - عرب ستان سے بت پرستی کا جنازہ اٹھ جائے گا - - - - - - - - -

رعل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا - اطمینان رکھیئے - ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا

ابو براء نے قدرے جوش وغضب سے بھر کر کہا - ایسا ہی ہوگا - یہ نوشتہ تقدیر

ہے - جو امٹ ہے - کیا تم کو معلوم نہیں کہ جس قدر اسلام اور مسلمانوں کو نیست ونابود

کرنے کی کوشش کی گئی - اس سے مزید اسلام پھیلا اور مسلمان بڑھتے رہے -

اسلام کی تعلیم بھی ایسی ہی ہے کہ جو بھی سنتا ہے - حلقہ بگوش اسلام ہوئے

بغیر نہیں رہتا - افسوس تم نے اچھا نہ کیا - بے گناہ مسلمانوں کو بڑی بے دردی اور

سفاکی سے قتل کر ڈالا

ابو براء افسردہ خاطر ہو کر وہاں سے چلا گیا - رعل - ذکوان اور عصبہ نے مسلمانوں

شہداء کی لاشیں میدان میں پھینکوا دیں -

ء ابو براء کو اس بات سے بڑا رنج ہوا کہ اس کی امان میں اس کے بھتیجہ نے فتور ڈالا - اس حادثہ کا اس پر کچھ ایسا

اثر ہوا کہ چند ہی روز بعد وہ مرگیا - اس کے انتقال ایک ہفتہ کے بعد ہی عامر بن الطفیل بھی مرض طاعون

سے ہلاک ہوگیا ۔ از تاریخ جہاں : صادق - صدیقی - سردھنوی)

بیسواں باب (۲۰)

بربرانہ درندگی

اسلام کو بدنام اور مسلمانوں پر اتہام لگانے کے لیئے کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ مسلمانوں نے اقوام عالم کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا۔ گویا دنیا کے اندر مسلمان سب سے زیادہ طاقت ور قوم تھی۔ جو باد صرصر کی طرح اُٹھی اور اندھی کی طرح سارے عالم پر چھا گئی۔

اسلام کے سیلاب نے ہر مذہب والوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا دیا۔ عربوں کی تلواروں نے دنیائے جہاں کے بہادروں کو خاک وخون میں ملا دیا۔ یہ کم فہمی یا عدم واقفیت نہیں تو اور کیا ہے"؟

تاریخ اس بات کا ایک مسلمہ ثبوت ہے۔ جس قدر اسلام اور مسلمانوں پر سختیاں ہوئیں۔ غیر برداشتہ ابتلاء آئے۔ مصائب کا نزول ہوا۔ کسی مذہب اور کسی قوم پر بھی ایسے شدائد ومصائب نازل نہ ہوئے۔ لیکن متعصب لوگ اس بات کو نہیں مانتے۔

حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور کریں۔ ٹھنڈے دل سے تاریخوں کا مطالعہ کریں۔ واقعات کو پڑھیں۔ تو انہیں معلوم ہو جائے۔ کہ اسلام ایسے لوگوں سے شروع ہوا۔

جنھیں کسی قسم کی بھی قوت حاصل نہ تھی ۔ کمزور، مفلس اور بے یار لوگ مشرف باسلام ہوئے۔

اس وجہ سے ان پر بے انتہا سختیاں کی گئیں۔ ایسی سختیاں جن کے سننے ہی سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلمان ہر زمانہ میں تختۂ مشق بنائے جاتے رہے۔ جو مذہب کسی بادشاہ سے شروع ہوا۔ اُسکی تبلیغ ہمیشہ تلوار کے زور سے ہوتی رہی۔ مگر جو مذہب غریبوں سے شروع ۔ اس میں کبھی تلوار است[illegible] نہ کی گئی۔

مسلمانوں نے اس وقت تلوار اٹھائی ۔ جب انھیں دنیا میں زندہ رہنا دوبھر نظر آنے لگا۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود کسی پر چڑھ نہیں گئے ۔ بلکہ دوسرے ان پر حملہ آور ہوئے اور چار و ناچار انھوں نے مدافعت کی ۔

البتہ حیرت افزا یہ بات ضرور ہے کہ وہ قلیل التعداد اور کمزور ہوتے ہوئے اس جوش و خروش اور بہادری سے لڑے کہ دشمن پر انکی بہادری کا سکہ بیٹھ گیا اور دنیائے جہاں کی اقوام میں انکی مردانگی کی شہرت ہو گئی ۔

غالباً اس دلیری اور شجاعت ہی سے متاثر یافتہ ہوتے ہوئے غیر اقوام نے تبلیغ کو تلوار کا ذریعہ بتا دیا ۔ حالانکہ یہ ان کا خیال ہی خیال ہے ۔ کیونکہ واقعات سے ان کی تردید کا کافی ثبوت مل رہا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ انسان تلوار سے اس وقت تک ڈرا کرتا ہے ۔ جب تک تلوار اُس کے سر پر بلند رہتی ہے۔ مگر اقوام عالم مسلمانوں کی تلوار سے خوفزدہ ہو کر مسلمان ہو جاتیں مگر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جو قوم ۔ جو قبیلہ ۔ جو خاندان یا جو شخص بھی مسلمان ہوا وہ پھر اپنے مذہب میں واپس نہیں لوٹا ۔

ایک یہی بات سب سے بڑی دلیل اس امر کی ہے کہ اسلام تلوار زور سے نہیں پھیلا اپنے تاثرات و افعال حسنہ کی بدولت عالمگیر مذہب ہونے کی وجہ سے صاف اور سادہ

اصول ہونے کی بنا پر دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ آج دنیا میں جس قدر اسلام کے پرستار۔ اسلام کے شیدائی۔ اور اسلام کے فداکار موجود ہیں کسی دوسری قوم کے لوگ موجود نہیں :۔

دنیا کا کوئی ملک۔ کوئی خطہ اسلام اور مسلمانوں سے خالی نہیں ہے۔ مسلمانوں نے جس قدر قربانیاں کی ہیں۔ جس قدر مصیبتیں اٹھائی ہیں کسی دوسری قوم نے نہ اس قدر قربانیاں کیں۔ نہ اس قدر مصائب و آلام اٹھائے۔

سلافہ کے دو بیٹے جنگ احد میں حضرت عاصم کے ہاتھوں سے مارے گئے تھے اس نے عاصم رضؓ سے انتقام لینے کے لیئے عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔

یہ وفد دھوکہ دے کر دس مسلمانوں کو ہمراہ لایا۔ ان میں ایک عاصم بھی تھے۔ رجیع کے مقام پر قبیلہ ہذیل کے دو سو نوجوانوں نے حملہ کر کے آٹھ مسلمانوں کو شہید کر دیا دو مسلمان خبیب رضؓ اور زید رضؓ گرفتار ہو گئے۔

سلافہ نے قسم کھائی تھی۔ کہ وہ حضرت عاصم کے کاسۂ سر میں شراب بھر کر پیئے گی لیکن قدرت نے اس کی قسم شرمندہ تکمیل نہ ہونے دی۔ طوفان باد و باراں آیا اور سر دن کو بہا کر لے گیا۔

سلافہ خبیب رضؓ اور زید رضؓ کو ہمراہ لے کر مکہ میں داخل ہو گئی۔ مکہ والوں کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت اور نفرت تھی۔ لہٰذا انھوں نے گرفتار کرنے والوں کو معقول معاوضہ دے کے ہر دو قیدیوں کو حارث بن عامر کے گھر میں قید کر دیا۔ اور حارث کو یہ ہدایت کر دی۔ کہ وہ انھیں بھوکا اور پیاسا رکھے اس وقت تک کھانے کے لیئے کچھ نہ دے۔ تاوقتیکہ وہ اسلام سے نہ پھر جائیں چنانچہ حارث نے سختی سے اس حکم پر عمل کیا۔ اُس نے کھانا اور پانی

قطعاً بند کر دیا۔

عرب گرم ملک ہے۔ گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ بغیر پانی کے انسان دو روز تک بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ کھانا اور پینا بند ہونے سے خبیبؓ اور زیدؓ کو شدید تکلیف ہوئی۔ مگر خدا کے ان نیک بندوں نے۔ اسلام کے جانثاروں نے نہایت صبر و شکر سے اس مصیبت کا مقابلہ کیا۔

انسانوں سے تو کیا بلکہ خدائے قدوس سے بھی بھوک اور پیاس کی شکایت نہ کی: کئی روز بے آب و دانہ گزر گئے۔

ایک روز حارث اور صفوان بن اُمیہ خبیبؓ اور زید کے پاس آئے۔ دیکھا۔ تو ان دونوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ نقاہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔

آنکھیں حلقوں میں گھس گئی تھیں۔ چہرے پیلے اور سست سے ہو گئے تھے۔ لبوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ بھوک اور پیاس نے انہیں زندگی سے دور اور موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔

حارث نے ان دونوں سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا:۔

مسلمانو! ہم دونوں قریش کے فرستادہ تمہارے پاس آئے ہیں۔ اگر تم دونوں اسلام چھوڑ دو۔ اور اپنے آبائی مذہب میں داخل ہو جاؤ۔ تو جس چیز کی تم خواہش کرو تم کو دے دی جائے۔

خوشنما مکانات۔ سرسبز باغات۔ اونٹ بکریاں۔ سونا۔ چاندی۔ عورتیں خواہ وہ کسی قبیلہ سے ہوں۔ الغرض جو کچھ کہ تم اپنے منہ سے چاہو گے۔ سب کچھ تم کو مل جائے گا ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

خبیبؓ نے دریافت کیا۔ لیکن اگر ہم اسلام نہ چھوڑینگے "؟

حارث نے جواب دیا۔ تو ایک ایک دانہ اور پانی کے ایک ایک قطرہ کے لیئے ترس ترس کر مرجاؤ گے:۔

زیدؓ نے جوش سے مسحور ہوکر فرمایا۔ ہمیں اسی طرح مرنا منظور ہے۔

حارث نے کہا۔ حماقت نہ کرو (حضرت) محمد (صلعم) کے پاس کیا رکھا ہے۔ وہ بے در۔ بے گھر اور مفلس و نادار ہیں۔ لہٰذا وہ تم کو کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اِس فضول تگ و دو میں کیوں اپنی عزیز ترین متاع زندگی اور واپس نہ آنے والی جوانی کو تباہ و برباد کر رہے ہو۔

خبیبؓ نے فرمایا۔ اگر تم نے یہ سمجھا ہے۔ کہ ہم یا دوسرے مسلمان کسی حرص و آز کے دام تزویر کے صید ہوکر مسلمان ہوئے ہیں۔ تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ کوئی شخص کسی لالچ یا جبر و اکراہ کے خوف سے مسلمان نہیں ہوا برعکس اس کے نہ کسی لالچ اور خوف سے مرعوب ہوکر کوئی شخص اسلام چھوڑ سکتا ہے:۔

ہم لبغور سوچ سمجھ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس پر قائم رہیں گے:۔

صفوان نے کہا، خبیبؓ سوچو اور چشم بصیرت کھول کر مکرّر غور کرو۔ کہ ایسے مذہب کو اختیار کرنے سے کیا فائدہ جو تمہاری کچھ بھی امداد نہ کرسکے۔ جس خدا تعالےٰ کو تم پُوجتے ہو۔ وہ تمہاری خبر بھی نہیں لیتا۔ جس شخص کے تم پیرو ہو۔ وہ تمہاری حمایت اور نہ تم کو اس سے کسی قسم کی امداد پہنچنے کی توقع ہے۔ پھر کیوں بے سود اپنی جانیں تلف کرتے ہو:

خبیبؓ نے فرمایا۔ خدا مسلمانوں کی آزمائش کرتا ہے۔ ہم اس کے

فدائی اور شیدائی ہیں۔ ہماری فداکاری ہم کو مجبور کرتی ہے۔ کہ ہم اس امتحان میں کامیاب ہوں۔

صفوان! دُنیا سرائے فانی ہے۔ زندگی چند روزہ ہے۔ موت لابدی اور یقینی ہے۔ اور مرنے کے بعد خدا بڑے بزرگ و برتر کے سامنے جانا ہے۔ زندگی کے اعمال و افعال کا حساب دینا ہے"۔

وہاں نہ دولت کام آئے گی نہ دنیاوی عزّ و جاہ! اگر کچھ کام آئیں گے تو پرہیزگاری وغیرہ کام آئیں گے۔ پھر کس زندگی پر خدا کی نافرمانی کر کے خدا کے قہر و غضب کو جھنجھلایا جائے۔

حارث نے بگڑ کر کہا۔ "گویا تم موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہو"؟

خبیب رضؓ نے کہا۔ ہاں ہم مشرکانہ اور ملحدانہ زندگی کو خدا کی یاد میں موت آنے سے اچھا نہیں سمجھتے ہیں

انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی روزی رساں ہے۔ اور خدا ہی عزّت دیتا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں سانس لیتا ہے۔ کسقدر احسان فراموش ہے۔ کہ اس خدا کو چھوڑ کر ان خداؤں کی پرستش کی جائے۔ کہ جو نہ تو بول سکتے ہیں۔ نہ حرکت کر سکتے ہیں۔ نہ سُن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ گویا کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

حارث نے طیش و غضب سے مغلوب ہو کر کہا"!

اچھا تم اپنی موت کا انتظار کرو۔ کل تمہاری زندگیاں ختم کر دیجائینگی۔

خبیب رضؓ اس کے یہ قہر آلود الفاظ سُنکر خاموش ہو گئے۔ حارث اور صفوان چلے گئے۔

اس وقت آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ دُھوپ کھجوروں کے درختوں

پر اور مکانوں کی دیواروں پر پھیلنے لگی تھی۔

ابھی حارث اور صفوان کو مظلوم قیدیوں کے پاس سے گئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ حارث کا چھوٹا بچہ چھڑی ہاتھ میں لیئے ہوئے کھیلتا ہوا آیا۔ اور خبیبؓ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

خبیبؓ نے اُسے پیار و محبت سے بلایا۔ بچہ جھٹ ان کے پاس آ گیا۔ اُنھوں نے اس سے چھڑی لیکر الگ رکھ دی۔ اور اُسے اپنے زانو پر بٹھا کر اس سے باتیں کرنے لگے۔

بچہ چھوٹی عمر کا تھا۔ ابھی بولنا سیکھا تھا۔ اس نے کہا۔

عُمو! تم زنجیریں پہنے کیوں بیٹھے ہو۔ چچ۔

خبیبؓ نے فرمایا۔ ہم کو تمہارے اَبا نے قید کر رکھا ہے۔

بچہ نے پوچھا کیوں ؟

خبیبؓ نے کہا۔ اس لیئے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ کو پوجتے ہیں"

بچہ نے دریافت کیا۔ اللہ کہاں ہے ؟۔

خبیبؓ نے کہا۔ وہ ہر جگہ ہے۔ وہاں آسمان پر رہتا ہے"

بچہ نے کہا۔ مجھے آسمان پر لے چلو!۔

خبیبؓ نے کہا۔ بیٹا تم آسمان پر نہیں جا سکتے۔

بچہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کہ کسی عورت کے چیخ مارنے کی آواز آئی۔ خبیبؓ نے اور بچہ نے ایک ساتھ نظریں اٹھا کر دیکھا۔

حارث کی بیوی یعنی بچے کی والدہ سامنے کھڑی فرط غم والم سے کانپ اور رو رہی تھی۔

بچہ نے کہا۔ میری اَمّی جان رو رہی ہیں"۔

عورت لرزتے ہوئے اور گریہ کناں ان کی طرف بڑھی۔ اس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔

اے خدا رسیدہ مسلمانو! میرا ایک ہی بچہ ہے۔ اُسے مار کر میری زندگی تلخ نہ کر دینا"۔

خبیبؓ نے کہا۔ محترم خاتون! آپ کسی قسم کا غم و فکر نہ کریں۔ اگرچہ ہم خوب سمجھتے ہیں۔ کہ تم ہمارے دشمن ہو۔ ہمیں بھوکا پیاسا رکھ کر مارنا چاہتے ہو۔ لیکن ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے دل میں رحم و مروت کا جذبہ ہے۔ ہم تمہارے اس گوشہ جگر اور تسکین قلب کو مار کر تمہارے دل کو صدمہ نہ پہنچائیں گے۔

ہمارے دشمن تمہاری قوم کے بڑے آدمی ہیں۔ یہ بچہ معصوم ہے۔ کوئی مسلمان کسی بچہ کو قتل نہیں کیا کرتا۔

عورت نے کہا۔ نیک دل مسلمانو! میرے بچہ کو مجھے واپس دے دو۔ میں عمر بھر تمہاری مشکور و ممنون رہوں گی"۔

عورت کو یہ یقین نہ تھا۔ کہ مسلمان اس کے بچّہ کو چھوڑ دیں گے۔ وہ سمجھ رہی تھی۔ کہ یہ محض طفل تسلی ہے۔ جو لوگ کئی دن سے بھوکے پیاسے ہیں۔ جنہیں قتل کر دیئے جانے کی دھمکی دی جا چکی ہے۔ وہ دشمن کے بچہ کو کیوں چھوڑنے لگے۔

عورت اب بھی زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ ذرا فاصلہ پر آ کر دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے دوپٹہ کا آنچل پھیلا کر کہا:۔

مسلمانو! اپنے نبی صلعم کے طفیل میرا بچہ مجھے واپس دے دو۔ آہ! اگر تم نے اُسے مار ڈالا۔ تو میں بے موت مر جاؤں گی۔

بچہ نے حضرت خبیبؓ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہ امی جان بھلا کیوں رو رہی ہیں؟"

خبیبؓ نے کہا۔ تمہاری امّی کو خطرہ ہے۔ کہ کہیں ہم تم کو مار نہ ڈالیں "

بچہ نے کہا! تم مجھے کیوں مار ڈالو گے"!۔

عورت نے کہا۔ میرے بچہ تیرا باپ اور تیری قوم ان مسلمانوں کی دشمن ہے۔ کیا عجب ہے۔ کہ جوشِ انتقام میں تجھے قتل کر ڈالیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہائے تو ان کے پاس چلا آیا"۔

خبیبؓ نے کہا۔ خاتون! مت روؤ! پیارے بچہ اپنی امّی جان کے پاس چلے جاؤ۔ دیکھو وہ بہت مضطرب اور پریشان ہے"۔

بچہ نے کہا! میں کیوں چلا جاؤں۔ امّی جان! تم مت روؤ! میں آجاؤں گا۔ آپ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔

عورت نے کہا۔ آجا۔ میرے بچہ! میرے پاس آجا"۔

خبیبؓ نے بچہ کو کھڑا کر کے چھری اٹھائی۔ عورت کا کلیجہ دہل گیا۔ وہ حسرت ویاس کی تصویر بن کر دیکھنے لگی۔

فرطِ رنج وقلق سے اس کے آنسو خشک ہو گئے۔ وہ سمجھ گئی۔ کہ اب چھری اس کے معصوم بچہ کے حلقوم پر چلنے والی ہے۔ اس پر سکراتِ موت کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

خبیب نے چھری بچہ کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ پیارے بچہ جاؤ۔ اپنی امّی جان کے پاس چلے جاؤ۔

بچہ چلا۔ اور اس کی والدہ آغوش کشادہ ہو کر بڑھی۔ اس نے لپک کر بچہ کو اٹھا کر سینہ سے لگالیا۔ اس کا سر اور منہ چومنے لگی۔ اس نے مشکورانہ نظروں سے خبیبؓ کو دیکھ کر کہا!۔

مظلوم مسلمانو! تمہارا شکریہ۔ ہزار ہزار شکریہ۔ کوئی قوم کسی دشمن کے بچہ پر ایسی قدر

کریمانہ الطاف نہیں کر سکتی۔ جس قدر تم نے کی۔ تمہارے نبیؐ نے جہاں خدا پرستی اور پرہیز گاری کی تعلیم دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مہر و محبت کی بھی تلقین کی ہے۔

عورت بچہ کو سینہ سے لگائے واپس چلی گئی۔ ابھی وہ پورا صحن بھی طے کرنے نہ پائی تھی کہ صفوان۔ حارث۔ ابوسفیان۔ عکرمہ اور کئی دیگر اہل قریش آئے اور زیدؓ اور خبیب کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔

صفوان نے کہا۔ آج میں نے تمہارے قیمت روسائے قریش کو ادا کر کے تمہیں خرید لیا ہے۔ میرا باپ اُمیہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ لہٰذا میں اپنے باپ کے خون کے عوض آج تم دونوں کو قتل کروں گا۔

حضرت زیدؓ نے کہا۔ ایک مسلمان کی خواہش شہادت سے زیادہ اور کسی چیز کی نہیں ہو سکتی۔ میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ آج دنیائے رنج والم کو چھوڑ کر ابدی آرام و راحت کی جگہ پہنچ جاؤں گا۔

حارث نے کہا۔ مگر تم بچ سکتے ہو۔ اگر اسلام کو چھوڑ دو"!

حضرت زیدؓ نے فرمایا۔ اسلام زندگی کے آخری دم نہ چھوٹے گا۔

صفوان نے کہا۔ نسطاس اس کی زنجیر کھول کر اسے حدود حرم سے باہر لے چلو نسطاس صفوان کا زر خرید غلام تھا۔ وہ بڑھ کر زنجیر کھولنے لگا۔ خبیب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انھوں نے فرمایا!"

زید میں تو سمجھتا تھا۔ کہ تم سے پہلے میں شہید کیا جاؤں گا۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ بے درد۔ سفاک۔ وحشی اور ناخدا ترس کافر مجھے پہلے نہیں بلکہ تم کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہیں۔

حضرت زیدرضؓ نے مسکرا کر کہا۔ پیارے بھائی خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ملنے کا آرزومند تھا۔ میری زندگی وصال خدا میں حائل تھی۔ آج زندگی کی دیوار منہدم ہو جائے گی

اور قطرہ دریا میں جا ملے گا۔

؎ مدت سے امیر اُسکے ملنے کی تمنا تھی !

آج اُس نے بُلایا ہے لینے کو قضا آئی

لسطاس نے زید کی زنجیر کھول لی تھی۔ وہ اُٹھ کھڑے ہو گئے تھے۔ خبیبؓ بھی اُٹھے اور انھوں نے فرمایا:۔

میرے خوش نصیب بھائی! ملک عدم کے مسافر! آؤ آخری مرتبہ بغل گیر ہو لو۔ میں بھی تمہارے پیچھے ہی پیچھے آؤں گا۔

دونوں بغل ہو کر ملے۔ خبیبؓ نے کہا۔ زیدؓ تم سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ سے ملو گے تو اُن سے میرا سلام کہہ دینا!"

زید نے کہا۔ ضرور کہوں گا! اچھا بھائی سلام!"

خبیبؓ نے سلام کا جواب دیا۔ لسطاس زنجیر پکڑ کر چلا۔ رؤسائے قریش اُس کے پیچھے چلے۔ اگرچہ خبیبؓ نے بہت کچھ ضبط و تحمل سے کام لیا۔ لیکن پھر بھی ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک ہی آئے۔

مسلمان! اگر وہ واقعی مسلمان ہے۔ سچا اور پکا مسلمان ہے۔ اپنے مسلمان بھائی کو مصیبت۔ تکلیف یا موت کے کنارہ پر دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا!

خدا تم اور خدا کے رسول نے مسلمانوں میں جو جوشش واخوت یا بھیا چارہ قائم کر دیا ہے۔ وہ اثر پذیر ہونے پر مجبور کرتا ہے۔

جب زیدؓ دور نکل گئے تو خبیبؓ نے آنسو پونچھے اور کہا۔ خدایا زیدؓ کو فردوس بریں میں جگہ دیجو اور مجھے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

۔۔ ۔۔ اے میرے خدا مجھے بھی اپنے نیک بندوں کا صدقہ اپنے حبیب محترم کے طفیل سے فردوس میں داخل کیجو:۔

زیدؓ جب حارث کے گھر سے باہر نکلے۔ تو انہوں نے سینکڑوں آدمیوں کو راستہ کے سروں پر باہر کھڑے دیکھا۔ وہ سمجھ گئے۔ کہ مکہ کے باشندے ان کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے اُمنڈ آئے ہیں"۔

نسطاس زنجیر پکڑے آگے آگے جا رہا تھا۔ زیدؓ زنجیروں میں جکڑے ہوئے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے روسائے قریش اور ان کے پیچھے عامتہ الناس" ہبل کی جے" کے نعرے لگاتے جا رہے تھے۔

ان پیہم نعروں کی آوازیں سُن کر لوگ بے تحاشہ بھاگ کر آ رہے تھے۔ اور اس مجمع میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ حدود حرم سے باہر آتے آتے ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو گیا۔

حرم سے باہر ایک وسیع میدان تھا۔ اس میدان میں کفار مکہ گول دائرہ کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ اور درمیان میں زیدؓ کو کھڑا کیا گیا۔

ابو سفیان بڑھکر زیدؓ کے پاس پہنچا۔ اُس نے کہا؛

زیدؓ تمہارا آخری وقت آ پہنچا۔ اب کوئی دم میں نسطاس کی شمشیر آبدار تمہاری حیات مستعار کا خاتمہ کر دے گی۔ کیا یہ اچھی بات نہ تھی۔ کہ اس وقت تم اپنے مکان پر اپنے اہل وعیال میں آرام سے بیٹھے ہوتے۔ اور ہم تمہارے بجائے محمدؐ کو تلوار کے گھاٹ اُتارتے۔

زیدؓ نے فرمایا۔ ہم پر اور ہمارے اس آرام پر حیف ہے۔ کہ اپنے اہل و عیال میں اپنے گھر پر آرام سے بیٹھے ہوں اور آنحضور صلعم کے پائے مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔

خدا تعالیٰ کی قسم کوئی مسلمان اس بات کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا حضورؐ کے پسینہ آنے سے یہ بہتر ہے کہ ہمارا خون بہہ جائے۔ اور ہم آنحضور

کی اہانت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

ابوسفیان نے کہا۔ ہُبل کی قسم میں نے کوئی کسی کا ایسا دوست آج تک نہیں دیکھا۔ جیسے محمدؐ کے دوست ہیں۔ مجھے اور مجھ ہی کیا دنیا بھر کو محمدؐ پر ان کے جانثار اصحابی اور غم گسار دوستوں پر رشک آتا ہے۔

صفوان نے کہا۔ زیدؓ اب بھی اسلام چھوڑ دو۔!

زیدؓ نے کہا۔ آفتاب اگر مشرق کے بجائے مغرب سے اور مہتاب مغرب کے بجائے مشرق سے نکلنے لگے۔ تب بھی یہ غیر ممکن ہے کہ میں اسلام سے دست کش ہو جاؤں :۔

اب صفوان نے نسطاس کی طرف اشارہ کیا۔ نسطاس نے تلوار اٹھائی۔ زیدؓ نے سر جھکا کر کلمہ طیبہ پڑھا۔ تلوار ان کی گردن پر پڑی۔ سر کٹ کر گرا۔ اور ساتھ ہی لاش بھی گری :۔

حضرت زیدؓ شہید ہو گئے۔ مشرکوں نے ان کی شہادت پر زور زور سے "ہبل کی جے"، کے نعرے بلند کیئے!

جب زیدؓ شہید ہو گئے۔ تو ابوسفیان نے کہا۔ کیوں نہ خبیبؓ کو بھی آج ہی سُولی دے دیا جائے۔

عکرمہ نے کہا۔ لوگوں کو عبرت دلانے کے لیئے اس سے بہتر اور کونسا موقع ہو سکتا ہے۔

ابوسفیان نے اپنے غلاموں کو سولی کھڑا کرنے کا حکم دیا۔ غلاموں نے لمبے لمبے شہتیر لا کر کھڑے کر دیئے۔ اور ان کے سرے کھجور کے مضبوط رسوں سے باندھ دیئے۔

جب اس طرح سے سولی تیار ہو گئی۔ تو ابوسفیان نے حجیر بن ابی اہاب

کو حضرت خبیبؓ کے لانے کا حکم دیا۔ وہ چند لوگوں کو ہمراہ لے کر چلا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت خبیبؓ کو لے گیا"

ابوسفیان نے حضرت خبیبؓ سے کہا"!۔

دیکھو خبیبؓ تمہارے لیئے سولی کھڑی کر دی گئی ہے۔ تمہارے ساتھی کی لاش زمین پر پڑی ہے۔ اب تمہارا نمبر ہے۔ اگر تم اب بھی اسلام چھوڑ دو ہبل کی پناہ میں آجاؤ۔ تو تمہارے لیئے ہر وہ چیز مہیا کر دی جائے گی۔ جس کی تم خواہش کرو گے۔!

خبیبؓ نے کہا۔ کیا تم یا تمہارے خدا مجھے ابدی زندگی دے سکتے ہیں!

ابوسفیان نے کہا۔ یہ غیر ممکن ہے۔ موت اور زندگی کسی دوسری طاقت کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

خبیبؓ نے فرمایا! پھر تم اس کو کیوں نہیں پوجتے۔ جسکے قبضہ میں موت اور زلیست کا اختیار ہے۔ جو قادرِ مطلق ہے۔ جسے ذرہ ذرہ کا حال معلوم ہے۔ خالق کائنات ہے۔ جو دنیائے جہان کے ہر ذی روح کے قلوب کی باتوں سے باخبر ہے"۔

ابوسفیان نے کہا۔ آخر تو مسلمان ہے۔ اور مسلمان کبھی اسلام سے نہیں پھرتا۔ لہذا اب باتوں میں کیوں وقت ضائع کیا جائے۔

خبیبؓ نے فرمایا۔ بے شک مسلمان کبھی کسی لالچ اور خوف سے اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔ جب میں نے اسلام کو اختیار کیا تھا۔ تو مجھے افسوس ہوا تھا۔ کہ میں سب سے پہلے مسلمان کیوں نہ ہو گیا تھا۔

ابوسفیان نے بگڑ کر کہا اب مسلمان ہونے کا مزا چکھنا! جبیرا اُسے سُولی پر چڑھا دو۔ اور پندرہ نیزہ بازوں سے کہو۔ کہ وہ اپنے نیزوں سے اس کے بدن

کو چھید ڈالیں :-

خبیب نے فرمایا - ابو سفیان! کیا تو آخری وقت مجھے نماز ادا کرنے کی اجازت دے گا -

ابو سفیان نے کہا - کچھ حرج نہیں - اتنے میں کہ ہمارے نیزہ باز آئیں تو نماز سے فراغت کر لے :-

خبیب رض نے کہا - اچھا ذرا سا پانی مجھے وضو کرنے کیلئے منگا دو -

ابو سفیان نے اپنے ایک غلام کو اشارہ کیا - وہ پانی لایا - خبیب رض نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے -

اتنے میں کہ انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی - پندرہ نیزہ باز نیزے تانے ہوئے آ گئے - جب وہ نماز پڑھ چکے تو - .. ..

.. .. .. ابو سفیان نے مجیر کو اشارہ کیا - اُس نے خبیب رض کے ہاتھ کھجور کی مضبوط رسی میں باندھ کر انھیں سولی پر لٹکا دیا -

عکرمہ نے نیزہ بازوں کو اشارہ کیا - وہ نیزے تان تان کر بڑھے اور انھوں نے حضرت خبیب کے جسم کو کچوکے دے دے کر چھیدنا شروع کر دیا

حضرت خبیب رض کے جسم پر نیزے کچوکے جا رہے تھے - انھیں تکلیف ہو رہی تھی - لیکن ان کے منہ سے اُف تک کا ہارنہ ہوتا تھا - کچوکوں کی تکلیف کو ہونٹ دانتوں میں دبا کر برداشت کر رہے تھے -

یہ کچھ کم بہادری اور جرأت کی بات نہ تھی - ایسی بہادری کی مثالیں تاریخ عالم میں کہیں دستیاب نہیں ہوتیں :-

ان کے جسم پر اس قدر نیزہ بازی کی گئی - کہ آخر الامر اُن کی روح قالب سے پرواز کر گئی اور جسد خاکی سولی پر لٹکا رہ گیا -

سفاک وحشیوں اور ناخدا ترس ظالموں نے اس طرح ایک مسلمان کی
تڑپا تڑپا کر جان لی :۔

آفتابِ عالم

حصّہ چہارم

باب اوّل (۱)

غزوۂ بنو نضیر

عامر بن الطفیل کے کہنے سے بنو سلیم نے ستر مسلمانوں کو بے قصور بے گناہ نماز پڑھتے ہوئے بڑی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ صرف ایک ہستی عمرو بن امیہ باقی بچے تھے جنکے سر کے بال تراش کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ عمرو بیر معونہ سے پاپیادہ چلے انھیں اپنے ساتھیوں کے شہید ہو جانے کا غم و ملال اور صدمہ تھا۔ جو لوگ شہید کئے گئے وہ سب حافظ اور قاری تھے۔ قرن اولے کے مسلمان آپس میں اس قدر محبت رکھتے تھے گویا وہ سب حقیقی بھائی تھے۔ اگر ایک مسلمان کے کانٹا لگتا تھا۔ تو دوسرے کے دل میں درد پیدا ہو جاتا تھا۔ لہذا عمرو کو بھی ستر مسلمانوں کے شہید ہو جانیکا بڑا قلق ہوا تھا راستہ چلتے وہ روتے رہتے تھے۔ بار غم سے کمر جھک گئی تھی۔

رنج کرتے کرتے بدن گھل گیا تھا۔ چہرہ سست ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں کے اندر گھس گئی تھیں۔ تعجب تھا کہ اس صدمہ سے وہ زندہ کیسے بچ رہے تھے۔

چونکہ وہ غم برداشت کرتے کرتے مضمحل اور کمزور ہو گئے تھے۔ اس لئے قدم جلد جلد نہ اٹھتے تھے۔ مشکل سے سفر طے کر رہے تھے۔ اس پر مستزاد یہ فکر دامن گیر تھا۔ کہ جس سرزمین وہ سفر کر رہے ہیں۔ اس پر وہی بے درد وحشی آباد تھے۔

جلے ہم مذہبوں نے بے گناہ مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔ اور جو خبث باطنی کی وجہ سے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔ ہر قدم پر اندیشہ تھا۔ کہ کوئی سفاک انھیں بھی شہید نہ کردے۔

عمرو کو موت کی پرواہ نہ تھی۔ وہ اس غم آلود زندگی سے تنگ آئے ہوئے تھے البتہ وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ آنحضورؐ کو مسلمانوں کے انجام کی خبر ہو جائے۔ اس لئے وہ وحشی بت پرستوں کی نظروں سے بچتے ہوئے سفر کررہے تھے۔ کئی روز کے بعد انہوں نے ارض بنو عامر اور صحرائے بنو سلیم کو طے کیا۔ اب کسی قدر اندیشہ کم ہوگیا اور وہ بے فکری سے سفر کرنے لگے۔ کسی غم و فکر کا اثر زیادہ عرصہ تک نہیں رہتا۔ قدرت نے یہ طریقہ مقرر کردیا ہے۔ کہ جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے۔ غم والم میں بھی کمی ہوتی جاتی ہے۔

چنانچہ عمرو کا غم بھی کم ہونے لگا۔ ایک روز شام کے وقت جبکہ باد صر کے تیز جھونکے دن بھر چلنے کے بعد مدہم پڑ گئے تھے۔ آفتاب مغرب کی طرف اس قدر جھک گیا تھا کہ اُسکی سیدھی شعاعیں جو ریگ زار کو گرماتی رہی تھیں۔ ترچھی ہو کر کچھ بے ضرر ہو چلی تھیں۔ عمرو ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ریت کے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔

وہ ٹیلوں کے دامن میں آہستہ آہستہ چلے جارہے تھے۔ کہ انھیں باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ چونک پڑے انہوں نے آواز کی طرف اپنے کان لگا دیئے۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اب وہ ہماری قوم کے لیئے ایک مستقل خطرہ بن گئے ہیں۔ بدر اور احد کی جنگ نے انھیں عرب شان بھر میں مشہور کردیا ہے۔ اگر ان کی ترقی کی یہی رفتار رہی تو یقیناً وہ تمام مذاہب کو اپنے اندر جذب کرلیں گے اور ہمارا مذہب مٹ جائے گا۔

دوسری آواز آئی اس میں کوئی شبہ نہیں نہ معلوم عربوں کو کیا ہوگیا ہے۔ کہ وہ اپنا

آبائی مذہب چھوڑ چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے چلے جارہے ہیں۔ وہ تو جنگ چھڑ گئی ہے اگر مسلمانوں کو امن و عافیت سے تبلیغ کا موقعہ مل جاتا تو چند ہی دنوں میں سارے عرب کو مسلمان کر لیتے اور پھر ہماری قوم کو بھی مسلمان ہونا پڑتا۔

پہلے شخص نے کہا۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ جنگ کی وجہ سے ہماری قوم میں مسلمانوں کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات بڑھ گئے ہیں اور ان جذبات نے انھیں مسلمان ہونے سے روک دیا ہے:۔

عمروؓ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے یہ جگہ جہاں عمروؓ کھڑے ہوئے ایک فلک نما تو دہ ریت کا دامن تھا۔ اس جگہ سے راستہ غرب کی جانب گھوم گیا تھا۔ عمرو ننتے تھے۔ تنہا تھے باتیں کرنے والوں کی آواز سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ آنے والے دو آدمی ہیں اور چونکہ ہر مسافر یا عرب کا ہر شخص ہر وقت تلوار اور نیزہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس لیے عمرو نے بھی سمجھ لیا تھا۔ کہ آنیوالے عربوں کے پاس تلوار اور نیزے ضرور ہوں گے۔ یہ ان دونوں کی گفتگو سے پتہ چل گیا تھا۔ کہ آنیوالے بت پرست ہیں۔

چند قدم کے فاصلے پر ریت کے ٹیلہ کا کچھ حصہ گھونگھٹ کی طرح آگے کو بڑھا ہوا تھا عمرو جلدی سے لپک کر گھونگھٹ کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ چند ہی ثانیہ کے بعد دو عرب تلواریں حمائل کیئے اور نیزے ہاتھوں میں لیئے ہوئے آئے اور عمرو کے برابر سے ہو کر نکلے دونوں باتیں کرتے ہوئے جارہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارا قبیلہ بنی سعد پھر بھی غنیمت ہے اس قبیلہ تک اسلام کا اثر نہیں پہنچا۔ دوسرے نے کہا۔ مگر قبیلہ بنی النضیر جسکی شاخ ہمارا قبیلہ ہے

پہلے نے کہا سختی سے اپنے آبائی مذہب پر قائم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ مسلمانوں سے معاہدہ کر کے ان کا حلیف بن گیا ہے۔

دوسرے نے کہا۔ مگر وہ درپردہ اسلام اور مسلمانوں کے کلی استیصال کی جدوجہد میں مصروف رہا کرتے ہیں۔

چیلے نے کہا۔ سختی سے اپنے آبائی مذہب پر قائم ہے یہ اور بات ہے کہ وہ مسلمانوں سے معاہدہ کر کے ان کا حلیف بن گیا ہے۔

دوسرے نے کہا۔ مگر وہ در پردہ اسلام اور مسلمانوں کے کلی استیصال کی جدوجہد میں مصروف رہا کرتے ہیں۔

پہلے نے کہا ہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس وقت مسلمانوں کا خاتمہ کردیں۔ اگر مسلمانوں کا ہادی جسکو وہ لوگ خدا کا رسولؐ بتاتے ہیں (نعوذ باللہ) کسی طرح سے مارا جائے تو اسلام کا خاتمہ ہوجائے۔

اب وہ دونوں باتوں کی رو میں عمروؔ سے آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے عمرو کو نہیں دیکھا عمرو نے بڑھنے کا ارادہ کیا! ابھی وہ ایک قدم بھی نہ بڑھے تھے کہ کچھ سوچکر بیٹے اور دبے قدموں دونوں مسافروں کی طرف چلے اُن کے قریب پہنچکر اچھلے اور ان میں سے ایک کی کمر پر لات ماری۔ چونکہ دونوں مسافر بے فکری سے چلے جارہے تھے۔ اس لیئے عمرو کے لات لگانے سے دونوں خوف ودہشت سے اچھل پڑے جسکے لات لگی تھی۔ وہ تو گر پڑا اور دوسرا سخت خوفزدہ نگاہوں عمرو کی طرف دیکھنے لگا۔

عمرو نے ان دونوں کی حیرت اور خوف سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے جلدی سے بڑھکر اس شخص کے ہاتھ سے جو خوفزدہ نظروں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ نیزہ چھین لیا اور تحیر خیز عجلت سے اسکے سینے پر نیزہ مارا جس سے کہ نیزہ چھینا تھا نیزہ سینہ پر پڑا۔ انی سینہ توڑ کر پشت کے پار نکل گئی وہ ایک روز نیہ چیخ کے ساتھ گرا۔ اس اثناء میں دوسرا مسافر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

خوف وحیرت سے وہ بھی مبہوت سا ہو رہا تھا۔ عمرو نے جلدی سے نیزہ کھینچکر پھر مارنا اس عرب نے دیکھ لیا۔ اس نے بھی نیزہ اٹھایا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ نیزہ مارتا۔ اس کے سینہ پر بھی نیزہ مارا اس کے سینے پر بھی نیزہ لگا اور انی اس کا بھی سینہ چھید کر پشت کے پار نکل گئی۔

اس نے بھی ایک دلخراش آہ کی اور نیزہ پر گر کر جھو لنے لگا۔

عمرو نے نیزہ نکالا۔ دونوں کے ہتھیار لیئے اور چل کھڑے ہوئے۔ کئی شبانہ روز چل کر مدینہ منورہ میں پہنچے۔ سیدھے مسجد نبوی میں گئے۔ آنحضور معہ چند صحابہ کے مسجد میں رونق افروز تھے۔ عمرو کو دیکھتے ہی کچھ حضورؐ مضطرب سے ہو گئے۔ جب عمرو نے قریب پہنچکر سلام کیا۔ تو حضورؐ نے سلام کا جواب دے کر دریافت کیا۔ عمرو! تم تنہا کیسے آئے۔ تمہارے اور ساتھی کہاں ہیں۔

عمرو کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ ظالم اور دغا بازوں نے نہایت سفاکی سے انہیں شہید کر دیا۔ حضورؐ اس خبر بد کو سنکر بہت زیادہ بے قرار ہو گئے انہوں نے مضطربانہ لہجہ میں دریافت کیا۔ کیا واقعہ ہوا عمرو!

عمرو نے مختصراً تمام کیفیت سنا دی۔ تمام صحابہ اور خود رسولِ خدا کو رنج و قلق ہوا۔ سب کے چہرے غم و حسرت میں ڈوب گئے۔ حضورؐ نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ اور اُسی کیطرف لوٹ کر جانیوالا ہے)

حضورؐ کے پاس بیٹھنے والوں میں حضرت صدیقؓ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور دیگر چند ایک صحابہ تھے۔ حضرت علی کرم کو جوش آگیا۔ آپ نے کہا۔ یا رسول اللہ بنو عامر اور بنو سلیم نے غداری کی ہے۔ نہایت سفلہ پن اور درندگی کا ثبوت دیا ہے۔ ان وحشی کمینوں کی سرکوبی کے لئے مجھے اجازت دیجئے۔

حضور خاموش رہے دراصل حضورؐ کے قلب پر اس بد خبر نے بے حد صدمہ پہنچایا تھا۔ آپ غم و الم پر غالب آنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کے چہرہ سے بھی جلال کے آثار ہویدا تھے۔ آپؓ نے کہا۔ خدا کے محترم رسولؐ۔ یہ ایسا حادثہ عظیم ہوا ہے۔ جس نے ہمارے قلوب شق کر دیئے ہیں۔ ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ ہم کو اجازت دیجئے۔ کہ ہم ان دغا باز مکاروں سے انتقام لیں۔

تمام صحابہ کے چہرے سُرخ ہو رہے تھے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے سب کے چہروں پر سرسری نظر ڈالی۔ اور کچھ وقفہ کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ خدا ان دغابازوں کو خود سزا دے گا۔ مسلمانو! یہ حادثہ واقعی ناقابلِ برداشت ہے۔ مگر تم کو صبر و ضبط بھی سیکھنا چاہیے۔ لہٰذا صبر کرو۔ کیونکہ واللہ مع الصابرین (اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اب عمرؓو بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے ان سے اُنکے سفر کے حالات دریافت کیے۔ انہوں نے مجملاً تمام واقعات بیان کر دیئے۔ قبیلہ بنی سعد کے دو کافروں کو مار ڈالنے کا واقعہ بھی کہہ سُنایا آپ نے اس واقعہ کو سُنکر کہا۔ عمرؓو دانستگی میں تم سے غلطی ہو گئی۔ عمرؓو نے دریافت کیا: حضورؐ کیا غلطی ہوئی ہے؟ آنحضورؐ نے فرمایا۔ وہ دونوں آدمی قبیلہ بنی سعد سے تھے۔ اور ہم سے معاہدہ کر گئے تھے۔

عمرؓو نے عرض کی۔ یا رسُول اللہ! تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ لیکن میں بے قصور ہوں۔ کیونکہ مجھے ان کے معاہدہ کا حال معلوم نہ تھا۔ خدا میری اس غلطی کو معاف کرے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں تم سے نادانستگی میں غلطی ہوئی۔ ہمیں ان کے قبیلہ کو ان دونوں کا خونبہا ادا کرنا چاہیئے۔ قبیلہ بنی سعد، قبیلہ بنو نضیر کی ایک شاخ ہے۔ چلو بنو نضیر سے مشورہ کر کے خون بہا ادا کر دیں۔

قبیلہ بنو نضیر یہودی تھا۔ قبیلہ بنو سعد بھی یہودی تھا۔ بنی نضیر مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر اپنے قلعہ میں رہتا تھا۔ مدینہ میں جتنے قبائل آباد تھے سب نے اپنے اپنے نام سے یا تو محلے موسُوم کر لیے تھے یا قلعے بنا لیے تھے۔

آنحضورؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علی کرم اور حضرت عثمانؓ کو ساتھ لیا۔ اور بنی نضیر کے قلعہ کی طرف تشریف لے چلے۔ مدینہ منوّرہ میں حضورؐ نے تشریف لاتے ہی عہدنامہ مرتب کر کے غیر مسلموں کو اپنا ہم عہد بنا لیا تھا۔ اگرچہ غیر مسلمو

نے کبھی اس عہد کی پرواہ نہ کی۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی طرف سے نقض عہد نہ کیا۔ بلکہ عہد نامہ پر قائم رہے۔ اور دوسروں کو قائم رکھنے کی ہر ممکن سعی کی"!۔

اس عہد نامہ ہی کی وجہ سے حضورؐ قبیلۂ بنی نضیر سے قبیلۂ بنی سعد کو خون بہا ادا کرنے کے لیے مشورہ کرنے تشریف لے گئے تھے۔ جب آپؐ قلعہ بنو نضیر میں پہنچے۔ تو تمام سربر آوردہ یہودی حضورؐ کی پیشوائی کے لیے قلعہ سے باہر نکل آئے :۔

سلام دعا کے بعد آپؐ نے فرمایا معزز یہودیو! تم مسلمانوں کے ہم عہد ہو۔ جو روسائے بنو نضیر آنحضورؐ سے یہ سُنکر کچھ خوف زدہ سے ہو گئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ رات دن آنحضورؐ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے منصوبے باندھا کرتے تھے۔ انھیں خوف ہوا۔ کہ شاید آنحضورؐ کو ان کے مشوروں کی اطلاع ہو گئی۔ اور آپ تحقیق حال کے لیے تشریف لائے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کی طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اور قبیلۂ بنی نضیر میں ان کے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ اسلئے وہ بہت گھبرائے ان میں سے ایک شخص نے کہا :۔

ہاں! ہم حضور کے ہم عہد ہیں۔ اور اپنے عہد پر قائم ہیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ اے بنو نضیر کے محترم لوگو! ایک مسلمان نے نادانستگی سے قبیلۂ بنی سعد کے دو آدمی قتل کر ڈالے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اور قبیلہ بنی سعد کے درمیان ہو کر مقتولین کے ورثاء کو خون بہا ادا کر دیں :۔

یہ سُنکر قبیلہ بنو نضیر نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے کہا۔ حضورؐ یہ کونسی بڑی بات ہے! قبیلہ بنی سعد ہماری ایک شاخ ہے۔ ہم جس طرح ان سے کہیں گے۔ وہ راضی ہو جائینگے۔ آپ مطمئن رہیں! ہم یہ معاملہ طے کرا دیں گے۔

باتیں کرتے ہوئے یہ لوگ قلعہ کے دروازے پر جا پہنچے۔ ایک یہودی نے یہاں پہنچ کر کہا۔ حضورؐ ہم عرصہ سے آپکی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ ہماری آرزو ہے کہ

حضور ہماری دعوت قبول کر کے ماحضر تناول فرمائیں۔!

حضورؐ نے فرمایا۔ کچھ مضائقہ نہیں مجھے تمہاری دعوت منظور ہے"!۔

یہودی آپؐ کو اور آپکے ہمراہی مسلمانوں کو ساتھ لیکر ایک بڑے مکان کے اندر پہنچے اس مکان کے پشت کی دیوار قلعہ کی فصیل تھی۔ فصیل کی منڈیر پر ایک بڑا پتھر رکھا ہوا تھا جو آدھے کے قریب دیوار سے باہر لٹک رہا تھا۔

مالک مکان نے جلدی سے قالین لاکر فصیل کے نیچے اس انداز سے بچھایا جس سے کہ اگر کسی طرح پتھر اپنی جگہ سے سرک کر گرے۔ تو نیچے بیٹھنے والوں کے اوپر آکر پڑے اور انہیں کچل ڈالے۔ آنحضورؐ اور آپکے چاروں ہمراہی قالین پر بیٹھ گئے۔ کچھ لوگ ان کے سامنے ان سے کسی قدر فاصلے پر اس طرح سے بیٹھ گئے۔ گویا وہ حضورؐ کا ادب واحترام کر رہے ہیں۔

چند یہودی وہاں سے چلے گئے۔ وہ برابر والے مکان کے اندر پہنچے اور رازدارانہ طریقہ پر مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے کہا۔ آج قسمت نے یاوری کی ہے۔ ہمارا اور ہماری قوم کا دشمن۔ ہماری عزت وحشمت نیز ہمارے مذہب کا دشمن خود ہی ہمارے پاس چلا آیا ہے۔ یہ خدائے بزرگ کی مہربانی ہے۔ آج ہمیں اس کا اور اس کے ان ساتھیوں کا جن پر اُسے اعتماد ہے خاتمہ کر کے اپنی قوم اور اپنے مذہب کو آئندہ کے خطرات سے بچانا ہے۔ کوئی طاقتور اور ہوشیار شخص فصیل کے اوپر چڑھ جائے۔ اور اس پتھر کو جو فصیل سے آگے نکلا ہوا جھول رہا ہے۔ لڑھکا دے۔ تو مسلمانوں اور اُسکے نبی کا خاتمہ ہو جائے۔ ایک نوجوان یہودی نے خوشی سے تالی بجا کر کہا۔ خوب تجویز سوچی ہے۔ نہایت مناسب تجویز ہے۔ میں ابھی اس پتھر کو جا کر گرا دیتا ہوں۔ ایک سن رسیدہ یہودی نے جس کا نام سلام بن مشکم تھا۔ کہا میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔ سوچو ایک مسلمان سے دو غیر مسلم

ناواقفیت میں قتل ہو گئے ہیں۔ مسلمان ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کے لیے آئے ہیں یہ لوگ اپنے قول کے پکے اور عہد کے پابند ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کے ساتھ دغا نہ کرنا چاہیئے۔ عجب ہے کہ ہمارا فریب ہم پر ہی اُلٹ پڑے ۔

ایک طاقتور نوجوان یہودی نے جس کا نام عمرو بن حجاش تھا۔ کہا۔ سلام! بزدلی کی باتیں نہ کرو۔ اسلام کا سب سے بڑا خطرہ یہودیوں ہی کے لیئے ہے۔ اس وقت ہم اس خطرہ کو مٹا ڈالنے پر قادر ہیں۔ پھر کیوں نہ مٹا ڈالیں؟

سلام نے کہا۔ سنو! ہماری مذہبی کتابوں میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کی پیش گوئیاں مرقوم ہیں۔ عربستان میں ان کے مبعوث ہو کر تبلیغ کرنے کی بابت لکھا ہوا ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ وہی ہوں۔

اُدھیڑ عمر کے ایک اور یہودی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ وہ نبی ہماری قوم میں ہونگے۔ بت پرستوں میں نہ ہونگے۔ عمرو بن حجاش نے کہا۔ سنو! اسلام اگر یہ واقعی نبی ہیں تو خدا کسی ذریعہ سے اُنھیں ہمارے ارادہ کی خبر کر دے گا۔ اور وہ بچ جائینگے۔ اگر نبی نہیں ہیں تو کچلے جائیں گے۔ اور عرب ایک فتنہ سے چھٹکارا پا جائے گا۔

سلام نے کہا۔ لیکن یہ بھی جانتے ہو کہ اگر یہ واقعی نبی ہوئے اور خدا نے انہیں بچا لیا۔ تو پھر ہمارا اس قلعہ میں رہنا دوبھر ہو جائیگا۔

عمرو بن حجاش نے کہا۔ اسکی پرواہ نہ کرو۔ عبداللہ بن ابی جو بظاہر مسلمان ہو گیا ہے۔ مجھ سے اور چند دیگر لوگوں سے کہا ہے۔ کہ ہم اس قوم یا اس قبیلہ کا ساتھ دینگے۔ جو حضرت محمدؐ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اندیشہ نہ کرو۔ اگر یہ بچ گئے تو انہوں نے ہم پر یورش کی۔ تو عبداللہ بن ابی اور اس کا قبیلہ نیز اس کے قبیلے کے حلیف قبائل ہمارا ساتھ دینگے۔ اور پھر ہم اعلانیہ مسلمانوں سے لڑ کر اُنھیں مدینہ منورہ سے نکال دینگے۔ سلام نے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو جاؤ قسمت آزمائی کرو۔

یہ سنتے ہی فوراً عمرو بن جحاش مکان کی چھت پر چڑھ کر فصیل کی منڈیر پر جا پہنچا۔ اور جھکا ہوا پتھر سرکانے کیلئے بڑھا۔ آنحضورؐ اور آپ کے جاں نثار صحابہ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہودی آپکو معروف تکلم کیے ہوئے تھے۔ اور حضور خندہ پیشانی سے باتیں کر رہے تھے۔ دفعتاً حضورؐ کے چہرۂ انور سے کچھ کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپکے اُٹھتے ہی صحابہ بھی کھڑے ہو گئے۔ یہودی بھی اُٹھ بیٹھے۔ ایک بڑھے یہودی نے آنحضورؐ سے دریافت کیا:۔

کہاں چلے یا محمدؐ! کیا کوئی ضروری کام یاد آگیا۔ حضور نے قدرے ترشروئی سے کہا۔ دغا باز یہودیو! تم نے میرے اور میرے صحابہ کے قتل کرنے کے لیئے سازش کی تھی۔ اپنے ایک آدمی کو ہمارے اُوپر پتھر گرانے کیلئے فصیل پر چڑھایا۔ خدا نے مجھے تمہارے منصوبہ کی اطلاع دے دی ہے۔ اب یا تو تم دس روز کے اندر اندر تجدید عہد نامہ کر دو یا اس قلعہ سے نکل جاؤ:۔

ایک ذی عزت یہودی نے کہا۔ سنو محمدؐ! ہم تم سے یا تمہاری قوم کے لوگوں سے مطلق نہیں ڈرتے۔ ہمیں اعتراف ہے۔ کہ ہم نے تم کو مار ڈالنے کی تدبیر کی تھی۔ تم کو کس طرح خبر ہو گئی۔ اب تو تم بچ گئے۔ مگر یاد رہے۔ کہ جب ہمارا قابو چلے گا۔ ہم تم کو مار ڈالیں گے:۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اطمینان رکھو۔ خدا میری اور مسلمانوں کی حفاظت کرے گا۔ اگر تم تجدید عہد نامہ یا قلعہ سے نکل جانے کیلئے تیار نہیں ہو تو جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ کل مسلمان تمہارے قلعہ کا محاصرہ کر لیں گے:۔

ذی عزت یہودی نے استہزاء کے طور پر کہا۔ ضرور محاصرہ کیجئے۔ مگر یاد رکھیئے۔ بنو نضیر کا قلعہ مسلمانوں کی قبروں کے کام آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے غضبناک ہو کر کہا۔ یہودی گستو کل معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ قلعہ کس قوم کی قبروں کا کام دیتا ہے:۔

اُس کے بعد آنحضور معہ صحابہ کے تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے مشورہ کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ایک قاصد عبداللہ بن ابی کے پاس حصول امداد کیلئے بھیج دیا گیا۔ شام کے وقت عبداللہ کا جواب آیا۔ کہ اگر تم قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑو۔ تو تمہاری امداد کی جا سکتی ہے۔ یہودی دیکھ اور سن چکے تھے۔ کہ مسلمانوں نے جنگ بدر اور اُحد میں کفار مکہ کو شکستیں دی تھیں۔ وہ میدان میں نکل کر لڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ دوسرے روز جبکہ آفتاب کو طلوع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ کہ مدینہ منورہ کی طرف سے رایت اسلام بڑے کرّ و فر کے ساتھ لہراتا ہوا قلعہ بنو نضیر کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ مجاہدین اسلام اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے اسلامی علم کے سایہ میں بڑے جوش و خروش سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ یہودیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اور فصیل پر سپاہیوں کو چڑھا دیا۔ پتھروں کے ٹکڑے اور سنگباری کا تمام سامان فصیل پر پہنچا دیا۔ لشکر اسلام نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور چاروں طرف سے پیشقدمی شروع کر دی۔ یہودیوں نے فصیل کے سوراخوں سے تیر اندازی شروع کر دی۔ اس کثرت سے اور اس قدر جلد جلد تیر پھینکنے لگے کہ مسلمانوں کو ایک دم ہی بڑھنا دشوار ہو گیا۔ لہٰذا وہ رُک گئے۔ اور تیروں کا جواب تیروں سے دینے لگے۔ مگر یہودی فصیل کی اُونچی دیوار کے عقب میں کھڑے تھے:۔ سوراخوں میں سے جھانک کر تیر برسا رہے تھے۔ اُنھیں مسلمانوں کے اُن تیروں سے جو اِن پر برسائے جا رہے تھے۔ کوئی اندیشہ نہ تھا۔ وہ نہایت اطمینان سے کھڑے تیروں کی بارش کر رہے تھے۔ مسلمان نیچے کھڑے ہوئے کھلے میدان میں بغیر کسی جائے پناہ اور آڑ کے کھڑے تھے۔ انھیں یہودیوں کے تیروں سے نقصان پہنچ رہا تھا۔ کئی مسلمان مجروح ہو گئے تھے۔ لیکن باوجود مجروح ہونے کے وہ برابر میدان جنگ میں کھڑے تیر افگنی کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے شرقی جانب اور حضرت صدیق رضؓ نے غربی جانب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شمالی جانب کی کمان اپنے ہاتھوں میں لے رکھی تھی

ان میں سے ہر شخص کا یہی ارادہ تھا۔ کہ وہ بڑھ کر سب سے پہلے قلعہ کی دیوار کے نیچے پہنچ جائے۔ لیکن ان پر اس کثرت سے تیر برسائے جاتے تھے کہ ان کا اس جگہ کھڑا رہنا بھی دشوار ہو گیا تھا تاہم وہ بڑے استقلال سے کھڑے تیروں کا جواب دے رہے تھے۔

جنوب کی طرف خود آنحضور تشریف فرما تھے۔ اور وہ بھی بڑھنے کی جدوجہد میں معروف تھے۔ مسلمان نہایت قادر اندازی سے تیر افگنی کر رہے۔ انہوں نے تاک تاک کر سوراخوں میں تیر مارنا شروع کیے۔ اگرچہ فاصلہ زیادہ تھا۔ فصیل اونچی تھی اور سوراخ بلندی کے انتہائی کناروں پر تھے۔ اس لیئے بہت کم تیر سوراخوں میں داخل ہوتے تھے۔ لیکن جو تیر سوراخوں میں گھس جاتے تھے۔ ناک کو چھید ڈالتے تھے۔ مجروح یہودی چلا اٹھتے تھے۔ وہ تڑپ کر ہٹ جاتے تھے اور اُن کی جگہ نئے یہودی آجاتے تھے۔

سارے دن میدان کارزار گرم رہا۔ لیکن مسلمان قلعہ کے نزدیک نہ پہنچ سکے۔ آفتاب غروب ہونے پر جنگ بند ہوگئی دوسرے روز پھر گذشتہ روز کی طرح جنگ شروع ہوئی لیکن آج بھی تمام دن لڑنے پر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اسی طرح سے لڑتے لڑتے پندرہ روز گذر گئے اس عرصہ میں یہودیوں کی رسد کا سامان ختم ہو گیا اور وہ بھوکے مرنے لگے۔ بالآخر انہوں نے عاجز ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آنحضورؐ نے اس شرط پر صلح منظور کی کہ یہودی قلعہ چھوڑ کر جلاوطن ہو جائیں۔ اور بجز ہتھیاروں کے زر نقد اور سامان اور خانہ داری جس قدر وہ لیجا سکتے ہیں لے جائیں۔

یہودیوں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ جنگ بند کر دی گئی۔ انہوں نے سامان اکٹھا کر کے اونٹوں پر لادا۔ جو سامان وہ نہ لے جا سکتے تھے۔ اُسے تلف کر دیا۔ مکانات مسمار کر دیئے گئے۔ تاکہ مسلمان قلعہ میں آکر آباد نہ ہو سکیں اور نہایت حسرت سے قلعہ کے در و دیوار کو تکتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ قلعے کا دروازہ کھولا گیا۔ یہودیوں کے غول کے غول جنمیں عورتیں مرد اور بچے سب ہی تھے۔ مال و اسباب سے لدے ہوئے نکلے اور درہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے

جب تمام یہودی چلے گئے تو اسلام کے فدائی قلعہ میں داخل ہوئے نیز منہدم شدہ مکانات کا ڈھیر رہ گیا تھا۔ کہ یہاں کبھی آبادی تھی ہی نہیں یہ دیکھ کر مسلمانوں کو بڑی عبرت ہوئی۔ انہوں نے ہتھیار فراہم کیے اور شام کے وقت مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس جنگ کا نام غزوہ بنو نضیر مشہور ہو گیا۔

دوسرا باب (۲)

گمشدہ جمیلہ

حارثہ معہ اپنے ہمراہیوں اور قیدیوں کے "بدر" کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اُس نے کئی روز اسی مقام پر قیام کیا جس میں وہ جاکر اترا تھا۔ وہ قبیلہ بنی قحطان کا سراغ لگا رہا تھا۔ ہر راہ روسے۔ ہر قافلہ والوں سے بنی قحطان کو دریافت کرتا۔ لیکن کوئی بھی اُسے اس کا صحیح پتہ نہ دے سکا۔ جس نے اُس کے قبیلہ بنی بجر پر تاخت کی تھی۔ جو اُسکی بیوی سعدی اُسکی منہ بولی بیٹی جمیلہ اُس کے قبیلہ سردار عدی کی بیٹی رقیہ اور دوسرے بچوں نیز عورتوں کو پکڑ کرلے گیا تھا۔ عرصہ تک کی تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی قحطان حمر الاسد میں خیمہ زن ہے۔ یہ معلوم کرکے ان لوگوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ ایک روز جبکہ آفتاب غروب ہوگیا۔ تو انہوں نے اسباب باندھا اونٹوں پر سوار ہوئے اور حمر الاسد کی طرف چل پڑے۔ حمر الاسد مدینہ سے آٹھ میل اور بدر سے کافی فاصلے پر تھا۔ متواتر کئی شب چلنے کے بعد یہ لوگ حمر الاسد کے قریب پہنچے۔

چونکہ ان لوگوں کو اندیشہ تھا۔ کہ کہیں بنی قحطان کو اُنکی آمد کا حال معلوم نہ ہوجائے اور وہ بھاگ کر کہیں دوسری جگہ نہ چلے جائیں۔ اس لیے وہ آفتاب نکلنے پر ریت کے تودوں کے پیچھے چھپ گئے اور اس وقت تک چھپے۔ جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہوگیا۔ جب رات ہوگئی اور چاند اپنی پوری آب وتاب سے افق مشرق سے نکل کر ایک

زار پر جلوہ فگن ہو گیا۔ تو یہ لوگ کمین گاہ سے نکلے اور ریت کے ٹیلوں کی آڑ لیتے ہوئے حمرا کی طرف بڑھے۔ حمرا یہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا۔ لیکن اونچے اونچے ٹیلے سدِّ راہ ہونیکی وجہ سے نظر نہ آتا تھا۔ دن میں عربستان اگر نمونہ دوزخ بن جاتا ہے۔ تو ریت کو بہت دلفریب نظر آتا ہے۔ خصوصاً چاندنی رات میں جبکہ چاندنی ٹھنڈی اور سفید چادر پھیلا دیتی ہے۔ ریت ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور سفید چاندنی میں سفید ریت جگمگا نے لگتا ہے:۔

دور تک پھیلا ہوا ریت کا سمندر سفید چاندنی میں نہایت ہی دلکش معلوم ہو رہا تھا۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ اونٹوں پر سوار بڑھے چلے جا رہے تھے۔ اونٹوں کے پاؤں سے اٹھنے والا ریت خاموش چاندنی کو مکدّر کرتا چلا جا رہا تھا۔ چونکہ یہ لوگ راستہ سے نہ چل رہے تھے۔ بلکہ ٹیلہ کی آڑ لیکر بڑھ رہے تھے۔ اس لئے چکر دار راستہ طے کرنیکی وجہ سے گئی گھنٹے سفر کرنے پر بھی ابھی حمرالاسد سے دور تھے:۔

بڑھتے بڑھتے یہ لوگ ایک نہایت بلند ٹیلہ کے دامن میں پہنچے۔ چونکہ قرب و جوار میں آبادی کے نشانات نہ تھے۔ نہ چرند و پرند قریب تھے۔ اس لیئے فضا نہایت خاموش تھی۔ اور ان سفر کرنیوالوں کی خاموشی نے اور بھی سکوت کو بڑھا دیا تھا۔ حتےٰ کہ اونٹوں کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

ابھی یہ قافلہ بڑے ٹیلہ کے سامنے پہنچا بھی نہ تھا۔ کہ انھیں کسی انسان کے کھانسنے کی آواز آئی۔ یہ سب حیران اور مستعد ہو کر سامنے کی طرف سے آئی تھی۔ یہ سب لوگ گوش بر آواز ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد پھر کوئی آواز نہ آئی۔ جس سے انھیں خیال گذرا کہ شاید ان کے کانوں نے دھوکہ دیا ہو۔ اس عرصہ میں اونٹ ٹیلے کے نیچے پہنچ گئے تھے اور ان کی لمبی قطار ٹیلہ کے نیچے سے شمال کی طرف گذر رہی تھی۔ اس طرف ٹیلہ کا کچھ حصہ تقریباً نصف فرلانگ آگے کو بڑھا ہوا تھا۔ جبکہ یہ اس بڑھے ہوئے حصہ کو عبور کر رہے تھے۔ تو انہوں نے کسی کی چیخ کی آواز سُنی۔

یہ سب چوکنے ہو گئے اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑا کر دیکھنے لگے کہیں اور کسی طرف بھی انہیں انسانی صورت نظر نہ آئی۔ حالانکہ اس طرف میدان صاف اور کھلا ہوا تھا اور چاندنی میں میدان کا ریت سفید پانی کی طرح دُور تک پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ حارثہ نے اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

کیا تم نے بھی چیخ کی آواز سنی تھی۔ یا میرے ہی کانوں کو دھوکہ ہوا؟

ایک ادھیڑ عمر کے عرب نے کہا دھوکہ نہیں ہوا۔ آواز آئی! کسی لڑکی کے چیخنے کی آواز تھی۔ نہ معلوم کس آفت زدہ پر کون ظلم کر رہا ہے۔

حارثہ نے کہا اونٹوں کو روک دو اور اُتر اُتر کر ٹیلہ پر چڑھ کر تفتیش کرو۔ فوراً اونٹ روک دیئے گئے۔ اور سب لوگ کود کود کر نیچے اُتر آئے اور نیزے لیکر اُنکے سہارے لیتے ہوئے ٹیلے پر چڑھنے لگے۔ یہ لوگ دُور تک پھیل گئے؛

چونکہ ٹیلے کا کنارہ بہت کم ڈھلوان تھا۔ اس لئے اوپر چڑھنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ نیزوں کو ریت میں گاڑ گاڑ کر اور قدم جما جما کر کسی قدر آگے کی طرف جھکے ہوئے نہایت خاموشی سے اُوپر چڑھ رہے تھے۔

اس ٹیلہ پر جگہ جگہ دراڑیں تھیں۔ متعدد جگہوں سے ریت پھسل پھسل کر ہوا میں اُڑ گیا تھا۔ کہیں کہیں سے پانی نے ریت کو بہا دیا تھا۔

حارثہ تیزی سے چڑھ رہا تھا۔ وہ چڑھتے چڑھتے ایسی جگہ پہنچا۔ جہاں ٹیلے کا کنارہ ختم ہو گیا تھا۔ اور دوسری طرف ناہموار۔ گہرے اور وسیع شگاف تھے۔ وہ اس طرف اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نظر ادھر اُدھر تھی! نیچے کی طرف نہ دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً اُسکے پاؤں کے نیچے سے ریت پھسلا؛

اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ لیکن نہ سنبھل سکا۔ بے اختیارانہ طریقہ پر پھسلتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ اس کے پاؤں کسی انسان کی کھوپڑی پر جا کر رُکے۔ یہاں

وہ سنبھلا۔ اور ریت کا سہارا لیکر رُکا۔ مگر فوراً ہی کسی نے اُن کے پاؤں کو ہاتھوں سے جھٹکا دیا۔ اور وہ پھر پھسلنے لگا۔ اور اب وہ مسطح زمین پر آ کر رُکا یہاں اس نے سُنا۔ کہ کوئی شخص نہایت غصہ کی حالت میں کہہ رہا ہے:۔

نامعقول۔ پاجی پھسل کر میرے ہی سر پر گر پڑا!

نمرُود نے یہ خیال نہ کیا کہ میری گردن میں جھٹکا آجائے گا۔ توڑ دوں سر بدبخت ازلی کا! اس عرصہ میں حارثہ اچھی طرح سے سنبھلکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس نے کہا:۔

یا اخی معاف کرنا میں نادانستگی سے پھسل پڑا! کسی نے طیش آلود لہجہ میں کہا۔ معاف کرنے کا بچہ اگر تجھے سنبھلنا نہ آتا تھا۔ تو آسمان پر چڑھا ہی کیوں تھا۔ پاجی! تیرے پاؤں اس زور سے میرے سر پر آ کر لگے۔ کہ درد ہونے لگا ہے!۔

ٹھہر میں تیرا خاتمہ کر کے تجھے نادانستگی سے پھسلنے کی سزا دیتا ہوں:۔

حارثہ نے کہا! مجھے یقین ہے کہ آپ کے چوٹ نہیں آئی ہو گی:۔

اس شخص نے جل کر کہا۔ بھلا چوٹ کیوں آنے لگی۔ آرام پہنچا ہے۔ آرام مردود تو آسمان کے اوپر سے تو گرا ہے۔ اور تاک لگا میرے سر کے اوپر گرا اور پھر طرفہ یہ کہ کہتا ہے۔ کہ چوٹ نہیں آئی ہو گی۔ اگر میں تیرے اوپر اتنی بلندی سے اچانک آ کر گرا تو بتا تیرے چوٹ آتی یا آرام پہنچتا:۔

یہ کہتے ہی اس نے بڑھکر حارثہ کا گریبان پکڑ لیا۔ اور اُسے اپنی طرف کھینچا جس سے حارثہ کسی قدر جھک گیا۔ حارثہ نے کہا۔ دراصل مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ مگر۔ " " غلطی بھی کچھ نہیں ہوئی۔ پاؤں کے نیچے سے ریت پھسل گیا۔ اور میں لڑھک کر تمہارے اوپر آ گرا!۔

اُس شخص نے آگ بگولہ ہو کر کہا۔ مگر کم بخت! یہ تجھے کس نے کہا تھا۔ کہ ۔۔ لگا کہ میرے ہی سر کے اوپر گرنا؟

حارثہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اور یہ آپ سے کس نے کہا تھا۔ کہ عین ٹیلہ کے نیچے کھڑے ہونا۔ آدمی کو کبھی ایسی جگہ کھڑا نہ ہونا چاہیئے :۔

یہ سنکر اس آدمی کو بڑا طیش آیا۔ اُس نے کہا۔ ایک تو قصور کیا، اور اوپر سے نصیحت کرتا ہے۔ سُن او پاجی! میں خوب سمجھتا ہوں کہ تو میرا مضحکہ اُڑا رہا ہے۔ لے سنبھل تیری اجل آپہنچی :۔

یہ کہتے ہی اُس نے حارثہ کا گریبان چھوڑ دیا اور تلوار بلند کی۔ جب تک حارثہ جھکا رہا۔ تو اُسکے چہرے پر چاندنی نہ پڑی تھی۔ اب جونہی اُسکی صورت دیکھی تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹا۔ اور اس نے کہا حارثہ! تم ہو"!۔

حارثہ نے بھی اُسے پہچان لیا۔ اُس نے کہا۔ عجل! تم آدھی رات کے وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟۔

عجل نے کہا۔ کچھ نہیں حارثہ تم جانتے ہو۔ کہ میں عاشق مزاج ہوں اور عشق میری گھٹی میں پڑا ہُوا ہے۔ جس کا فر ادا کو دیکھتا ہوں۔ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہوں لیکن آہ! ... ... لیکن ایک بری پیکر نے مجھے بالکل دیوانہ بنا دیا ہے اُسکی محبت نے میری راتوں کی نیند اور دنوں کا آرام کھو دیا ہے۔ ہر وقت ... ... ہاں! ہر وقت اسی ستم روزگار کا خیال رہتا ہے۔ اُف حارثہ! میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ میری محبت نے مجھے کہیں کا نہ رہنے دیا ... ... لیکن نہیں، یہ میری حماقت ہے۔ کہ میں محبت کی بُرائی کر رہا ہوں۔ دراصل محبت نے میری روشن اور تابناک زندگی کا پہلو میرے سامنے کر دیا ہے۔ میرا مستقبل روشن تر نظر آرہا ہے ... ...

عجل از خود رفتہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنا سارا حال سُنانیکی فکر میں تھا۔ حارثہ کو الجھن سی ہو رہی تھی۔ اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ کیا مطلب ہے

آپ کا اس سے؟ عجل نے کہا، میرا مقصد یہ ہے۔ کہ میں ایک حور جمال دوشیزہ پر فدا ہو گیا ہوں اس تک رسائی مشکل تھی"!۔

ہر چند اس عربدہ جو اور چاند کے ٹکڑے سے بات کرنیکی کوشش کی مگر ناکام رہا۔۔۔ ۔ ۔ ۔ آج ہاں آج میری قسمت کا ستارہ چمکا۔ مقدر نے ساتھ دیا۔ اور میں اس کا فرادا کو باندھ لایا۔ حارثہ! وہ ایسی حسین اور خوب صورت ہے کہ تم اُسکے رُوئے تاباں کو دیکھکر چاند کی طرف کبھی نہ دیکھو:۔

حارثہ نے دریافت کیا۔ وہ کس قبیلہ سے ہے۔ اس کا کیا نام ہے۔ عجل نے جوابدیا۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کس قبیلہ سے ہے مگر بنی قحطان کی نگرانی میں ہے اور کا نام جمیلہ ہے۔ حارثہ چونک پڑا۔ اور اُس نے زور دیتے ہوئے کہا۔ جمیلہ؟

عجل نے کہا۔ ہاں جمیلہ! دوست کیا تم اُسے جانتے ہو ضرور جانتے ہوگے اُسکے حُسن کی آج سارے عرب میں شہرت ہے:۔

حارثہ نے دریافت کیا وہ کہاں ہے؟۔

عجل نے سامنے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہاں وہ بندھی پڑی ہے۔ لیکن کم بخت بڑی باعصمت ہے۔ میری بات نہیں مانتی۔ ضد کر رہی ہے۔ چلو ذرا تم اُسے سمجھاؤ۔ حارثہ بے تابی کے ساتھ اس طرف چلا۔ جس طرف عجل نے اشارہ کیا تھا۔ عجل اُسکے پیچھے ہو لیا۔ دونوں ایک عمیق غار میں پہنچے:۔

یہاں پہنچ کر حارثہ نے دیکھا۔ کہ ایک نہایت حسین لڑکی بندھی پڑی ہے اس نے جھک کر جلدی جلدی اُسکے بند کھولے۔ لڑکی آنا دہو کر اُٹھی کھڑی ہوئی حارثہ کی جب اُسکے منور چہرہ پر نظر پڑی۔ تو اس کا حُسن بلیح دیکھکر حیران رہ گیا۔

کچھ ثانیہ کے بعد اس نے اپنی دُور کر کے کہا۔ جمیلہ! میری بیٹی جمیلہ۔ تم

نے مجھے پہچانا؟ جمیلہ نے غور سے حارثہ کو دیکھا۔ اُس نے کہا ہاں پہچان لیا
آہ! تم وہ ہو جس نے مجھے پرورش کیا ہے۔
یہ کہتے ہی وہ حارثہ کی آغوش میں آپڑی۔ حارثہ نے اُسے سنبھالا اور
عجل حیرت وخوف بھری نظروں سے اُن دونوں کو دیکھنے لگا:۔

تیسرا باب (۳)

"عیسائیوں کی پرورش"

یہ امر مسلّمہ ہے۔ کہ آنحضورؐ یا مسلمانوں نے کبھی جنگ و پیکار کی خواہش نہیں کی۔ بلکہ اُسکے برعکس ہزاروں سختیاں سہیں۔ بے شمار مظالم برداشت کیے۔ پھر بھی جنگ وفساد سے احتراز کرتے رہے۔ چونکہ حضورؐ جنگ سے سخت متنفر تھے۔ فرماتے تھے۔ کہ اگر خدا عربوں کو عقل دے۔ تو وہ کبھی نہ لڑیں۔ لڑنیوالوں یا لڑائی چاہنے والوں کو اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ اس لیے حضورؐ کے صحابہ کرام بھی جنگ کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ حقیقت میں انسان اگر واقعی انسانی صفات سے متصّف ہے۔ تو وہ کبھی جنگ کی خواہش نہیں کرسکتا۔

جو قومیں مرض جوع الکلب میں گرفتار ہیں۔ وہی جنگ کی متمنی ہوتی ہیں کس قدر افسوسناک بات ہے۔ کہ اپنے ہم جنسوں وحشی جانوروں کی طرح چیر پھاڑ کر اُنکی املاک پر قبضہ کیا جائے۔ سلیم الطبع انسان کبھی جنگ و پیکار کو پسند نہیں کرتے۔ دنیا بھر میں امن وامان دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن بدسرشت اور اوباش انسان جنکی طبیعت میں کمادی۔ مکاری اور شرارت بھری ہوئی ہوتی ہے ہمیشہ لڑائی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں۔ نہ دوسروں کو آرام سے بیٹھنے دیتے ہیں۔ یہی حال عرب کے مشرکوں، بت پرستوں اور یہودیوں کا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانا چاہتے تھے۔ اسلیئے بلاوجہ۔ بلاکسی معقول سبب کے

مسلمانوں سے جا اُلجھتے تھے۔ آنحضورؐ کے زمانہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں سب کی ابتداء کفار کی جانب سے ہوئی۔ اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی مدافعت کے طور پر لڑنا پڑا۔ جب بنو نضیر کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اور مسلمان مدینہ میں واپس آ گئے تو خبر سُنی کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے قبائل شرارت وفساد پر آمادہ ہیں اور وہ عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں، یہ دونوں قبائل قبیلہ غطفان کی شاخیں تھیں۔ جو علاقہ نجد میں آباد تھے۔ چونکہ نجدیوں کے قبیلہ بنو سلیم نے ستر بےگناہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس لیئے تمام مسلمانوں کو اُنکی طرف سے بڑا رنج تھا۔

اب جبکہ یہ خبر عام طور پر سُنی گئی کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو آنحضورؐ نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور بہت جلد صرف چار سو مجاہدین کا لشکر لے کر نجد کی طرف تشریف لے گئے:۔

چونکہ اب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اسلیئے آنحضورؐ نے عثمان ابن عفان کو مدینہ کی حکومت تفویض کر دی تاکہ آنحضورؐ کی عدم موجودگی میں مدینہ کا انتظام والنصرام بدستور رہے۔ یہ مختصر لشکر اسلام علاقہ نجد میں داخل ہو کر ایک پہاڑی کو طے کرنے لگا۔ نہ معلوم اس پہاڑی کے پتھر کس قسم کے تھے۔ کہ ان پر چلنے کی وجہ سے مسلمانوں کے جُوتے ٹوٹ گئے۔ مجاہدین اسلام ننگے پاؤں چلنے لگے۔ مگر جب پاؤں زخمی ہونے لگے۔ تو انہوں نے پاؤں پر لپیٹ لیئے۔ آخر خدا خدا کر کے یہ پہاڑی ختم ہوئی۔ اور مسلمان ایک نخلستان میں پہنچے:۔

اس نخلستان میں کچھ مُشرک عرب موجود تھے۔ جو ادھر اُدھر کچھ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو دیکھ کر سخت خوفزدہ ہوئے۔ اور انہوں نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمان اُنکے بُشروں سے اُنکے ارادہ کو بھانپ گئے تھے۔ وہ

دوڑ کر اُنکے پاس پہنچے۔ اور اُنھیں گرفتار کر کے ان سے ان کا احوال پوچھنے لگے:۔

ابھی ان مشرکوں نے کچھ بتایا نہ تھا۔ کہ آنحضور صلعم بھی اسجگہ پہنچ گئے حضورؐ نے ان سے دریافت کیا۔ تم کون لوگ ہو؟۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا، ہم قبیلہ بنو سلیم سے ہیں۔ آنحضورؐ کے چہرہ سے کسی قدر درشتی کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے پھر پوچھا۔ اسی قبیلہ بنو سلیم سے جسکے فرزندوں نے ستر بے گناہ مسلمان شہید کر دیے ہیں؟ اس شخص نے سر جھکا کر کہا۔ جی ہاں اسی قبیلہ سے لیکن حضور! ہم بے گناہ ہیں۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اُس بزدلانہ اور وحشیانہ قتل میں شریک نہ تھے"۔

جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ یہ اس قبیلہ کے لوگ ہیں۔ جس سے بے گناہ ستر مسلمانوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر ڈالا تھا۔ تو سب جوش و غضب سے بھر گئے۔ اور تمام غضبناک نگاہوں سے اُنھیں دیکھنے لگے:۔

بنو سلیم کے فرزندوں نے مسلمانوں کی غیظ بھری نظریں دیکھیں۔ وہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے۔ آنحضورؐ نے دریافت کیا! تم یہاں کیا کر رہے تھے ایک شخص نے لرزاں آواز میں جواب دیا۔ حضورؐ یہاں بنو محارب اور بنو ثعلبہ کا لشکر موجود تھا۔ جو اسلامی لشکر کے آنیکی خبر پا کر فرار ہو گیا۔ ہم یہاں اسلیئے آئے تھے۔ کہ شاید وہ لوگ کچھ چیزیں چھوڑ گئے ہوں۔ اور ہم اُنھیں پا سکیں لیکن۔۔

۔۔ آہ ۔۔ ۔۔ ۔۔ حضور صلعم نے پوچھا! لیکن کیا"؟

اس شخص نے کہا۔ لیکن نہیں جانتے تھے۔ کہ موت ہمیں نخلستان میں لیئے جاتی ہے۔ اے مسلمانوں کے ہادی۔ اے اسلام کے ہیرو۔ اے مدینہ کے بادشاہ ہم سب بے قصور ہیں۔ ہمیں معاف کر دو۔ یہ کہتے ہی وہ شخص رونے لگا۔ اور اس کے ساتھی بھی رونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے جوش میں آ کر کہا۔ بدبخت بزدلو۔ اب موت کو قریب دیکھکر روتے ہو۔ لیکن جب تمہاری قوم مسلمانوں کو قتل کر رہی تھی

اس وقت انجامِ کار سے خبردار نہ تھی ۔

ایک شخص نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ آہ! ہم خبردار نہ تھے ۔ فوری جوش نے ہمیں اندھا کر دیا تھا ۔ عامر کے ہاں بدبخت اور بدقماش عامر نے ہمارے قبیلہ کو بر انگیختہ کر دیا اور ہم نے ناسمجھی سے ستر بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا ۔ مگر حضورؐ ہمارے قبیلہ میں پھوڑے والی بیماری پھوٹ پڑی ۔ اور ہر وہ شخص مر گیا ۔ جو مسلمانوں کے قتل میں شریک تھا ۔ منحوس عامر بھی اسی موذی مرض کا شکار ہو گیا ۔

اس خدا نے جس کی تم پرستش کرتے ہو مسلمانوں کا انتقام لے لیا ۔ تم ہم پر رحم کرو ۔ آہ! ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہاں پہنچ کر اس شخص کی آواز گلوگیر ہو گئی ۔ اور وہ زار و نزار رونے لگا ۔ حضرت صدیقؓ نے طیش میں آ کر کہا ۔ بدبختو! اب روتے ہو ۔ موت قریب آ گئی ہے ۔

آنحضورؐ نے فرمایا: نہیں صدیقؓ انہیں کچھ نہ کہو ۔ ان کے قتل کرنے سے کیا ہے ان کے بچے یتیم ہو جائیں گے ۔

حضرت علی کرم نے فرمایا: حضور اس قدر خدا ترسی؟ آنحضور صلعم نے فرمایا: ہر اس شخص پر جو رحم کا خواستگار ہو ۔ مہربانی کرو ۔ خصوصاً ان دشمنوں پر جو عاجزی کریں ۔ یہ بھی ایمان کا ایک جزو ہے ۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر ۔
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

حضرت علی کرم نے کہا: ہم حضورؐ کے فرمانبردار ہیں ۔ جو حکم ہو گا ۔ اس کی تعمیل کریں گے

آنحضورؐ نے فرمایا ۔ انہیں آزاد کر دو ۔ فوراً اہلِ بنو سلیم کو چھوڑ دیا گیا ۔ وہ دعائیں

؎ عربوں نے طاعون کا نام پھوڑے والی بیماری رکھا تھا ۔ اس مرض میں پہلے بخار ہوتا ہے اور پھر گلٹی نکلتی ہے ۔ صادق صدیقی ۔

دیتے ہوئے چلے گئے۔ چونکہ یہ معلوم ہو گیا تھا۔ کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ فرار ہو گئے ہیں
اسلیئے لشکر اسلام واپس لوٹ گیا۔ تاریخوں میں اس مہم کا نام غزوۂ ذات الرقاع
مرقوم ہے۔ یہ واقعہ جمادی الاوّل ۴ھ میں واقع ہُوا:۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا۔ کہ گذشتہ سال ابُوسفیان اُحد کے مقام پر اور
آئندہ سال مقام بدر پر لڑائی کی دعوت دے گیا تھا۔ چونکہ سال ختم ہو چکا تھا۔
اسلیئے مکہ سے خبریں آنے لگیں۔ کہ قریش مکہ جنگ کی عظیم الشان تیاریاں
کر رہے ہیں۔ لہذا حضورؐ نے بھی تیاریاں شروع کر دیں۔ چند ہی روز کے بعد معلوم ہوا کہ
مکہ کے بہترین بہادر اور جنگجو لوگ ابوسفیان کی سرکردگی میں بدر کی طرف چل پڑے
ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی خبر گرم ہوئی کہ اس مرتبہ کفار مکہ بڑے حشم و خدم۔ ساز و سامان اور
جمعیت سے آئے ہیں۔ اور ان کا ارادہ فیصلہ کن جنگ کرنیکا ہے۔ یا تو اس جنگ میں اسلام
اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ یا مشرکین مکہ کا! ان خبروں کو کفار مدینہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے
تھے۔ عبداللہ بن ابی منافق مسلمانوں کو ڈراتا پھر رہا تھا۔ یہودی بھی بغلیں بجا رہے تھے:۔

مکہ سے ایک شخص نعیم بن مسعود آیا تھا۔ وہ مدینہ کا رہنے والا تھا۔ اُسے عبداللہ بن
ابی نے مکہ بھیجا تھا۔ تاکہ ابوسفیان کو جنگ کیلئے آمادہ کرے۔ اُس نے بیان کیا۔ کہ سارا
مکہ اور نواح مکہ کے تمام قبائل متفق و متحد ہو کر اُمڈ آئے ہیں۔ ایسا کثیر لشکر اور اس قدر
ساز و سامان سے آراستہ عرب کی زمین میں کبھی نہیں آیا۔ جیسا کہ بدر کی طرف مسلمانوں
سے لڑنیکے لئے آ رہا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ مسلمان ان خبروں کو سُن سُن کر
متفکر اور متردد ہوتے۔ چنانچہ مسلمان کچھ فکرمند ہونے لگے:۔

حضرت عمرؓ مسلمانوں کا تفکّر و توحش دیکھکر بگڑ گئے۔ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں
حاضر ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد بیٹھ گئے۔ اور کچھ وقفہ کے بعد بولے! کیا آپ
نے وہ تمام واقعات سُن لیئے ہیں جو مدینہ کے کُوچہ کُوچہ میں مشہور ہو رہے ہیں"!

حضورؐ نے دریافت کیا کیسے واقعات؟

حضرت عمرؓ نے کہا۔ کفارِ مکہ کی حملہ آوری کے!۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ سُنے ہیں مگر تمہاری اس سے کیا منشا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ حضورؐ خدا کے رسُول نہیں ہیں؟

آنحضور صلعم نے فرمایا! ہاں میں خدا کا رسُول ہُوں"!

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ پھر مسلمان متفکر و متوحش کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا گذشتہ جنگوں میں خدا کے مسلمانوں کی مدد نہیں کی ہے۔ کیا اب خدا ہماری امداد نہ کرے گا۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا! عمرؓ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ کمزور طبیعتوں کے آدمی وحشتناک خبروں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ لیکن قوی دل والے کسی بات سے متاثر نہیں ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ کیا حضورؐ نے جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے

آنحضورؐ نے فرمایا۔ عمرؓ اگر کوئی ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ چلے گا۔ میں جب بھی تنہا حسب وعدہ بدر کے مقام پر پہنچ جاؤنگا۔ وہ مسلمان ہی نہیں۔ جو کفار سے ڈر یا دب جائے۔ اس کے تو یہ معنی ہیں۔ کہ ہم کو خدا پر بھروسہ نہیں ہے۔ تو خدا پرست کہاں رہے خدا پرست نہ رہتے ہوئے مسلمان کیسے کہلا سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ اپنا اطمینان کر کے چلے آئے۔ انہوں نے آتے ہی اعلان کر دیا۔ کہ مسلمانو! جنگ کی تیاری کرو۔ حضورؐ نے فرما دیا ہے۔ کہ اگر تم میں سے ایک فرد بھی نہ جائیگا۔ تو آنحضورؐ تنہا کفار مکہ کے مقابلہ میں بدر کے مقام پر جائیں گے۔

یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ حضورؐ جنگ کیلئے تشریف لے جاتے۔ اور آپ کے صحابہؓ پیچھے رہ جاتے لہذا سب نے اس اعلان کے سنتے ہی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب حضورؐ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ تو ڈیڑھ ہزار مجاہدین اسلامی علم کے نیچے جمع ہو گئے۔

مسلمانوں کا اس قدر لشکر کبھی پہلے کسی جنگ پر نہیں گیا تھا۔ مدینہ کے کفار اور

یہودی اس عظیم الشان لشکر کو دیکھکر حیران رہ گئے۔ عبداللہ بن ابی منافق اس جنگ میں شریک نہ ہوا۔ بلکہ اس نے صاف کہدیا۔ کہ بدر میں مرنے کیلئے کون جائے۔

بات دراصل یہ تھی۔ کہ مسلمانوں کے کلی استیصال کیلئے در پردہ جدوجہد کر رہا تھا۔ مشرکوں اور کافروں کا ہمدرد تھا۔ اسے معلوم ہوگیا تھا۔ کہ ابوسفیان اس مرتبہ بڑے جاہ وجلال سے آرہا ہے۔ وہ ابوسفیان کا حلیف تھا۔ سچ پوچھو تو اس نے ہی مکہ والوں کو لڑائی کے لیئے برانگیختہ کیا تھا۔ اسلیئے وہ دانستہ جنگ میں شریک نہ ہوا۔ اسلامی لشکر نہایت شان و دبدبہ سے کوچ وقیام کرتا ہوا بدر کے مقام پر پہنچا۔ اس عظیم الشان لشکر کی تمام عرب میں دہوم مچ گئی۔

جس طرف سے یہ لشکر گزرا قبائل نے خوف وہراس کی نظروں سے اُسے دیکھا۔ اس لشکر کی جمعیت اور سامان کی خبریں ابوسفیان اور اس کے لشکر والوں کو بھی پہنچ گئیں۔ وہ دیکھ چکے تھے۔ کہ گزشتہ لڑائیوں میں مسلمان تہائی اور چوتھائی ہوتے ہوئے بھی اس دلیری اور سرفروشی سے لڑے تھے۔ کہ کفّار کے بنائے کچھ نہ بنا تھا۔ مسلمان فتحیاب ہوئے تھے۔ اور اُنھیں یعنی کافروں کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا تھا۔ اس لیئے کافروں کے چھکے چھوٹ گئے۔ دل ٹوٹ گئے۔ ہمتیں شکستہ ہوگئیں۔ اور وہ مقام عسفان تک آکر نہایت خوف وہراس سے مکہّ کی طرف بھاگ پڑے۔ جب یہ بھگوڑا لشکر مکہ میں داخل ہوا۔ تو عورتوں نے طعنہ دیا کہ یہ صرف ستّو پینے گئے تھے۔ ورنہ مرجاتے لیکن مسلمانوں سے ڈر بغیر لڑے بھڑے ہرگز واپس نہ آتے۔

مسلمان ایک ہفتہ تک کفار مکہ کا انتظار کرتے رہے۔ آٹھویں روز ایک شخص معبد خزاعی نے آکر اطلاع دی۔ کہ مشرکوں کا لشکر عسفان کے مقام تک آکر واپس لوٹ گیا ہے۔

مجبوراً لشکر اسلام بھی لوٹ آیا۔ اس غزوہ بدر صغریٰ ہے۔ یہ آخر ماہ رجب

سنہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

بدر سے واپس آکر مسلمان تبلیغ وتدریس میں مصروف ہو گئے۔امسال بارش کثرت سے ہوئی۔زراعت پیشہ لوگ زراعت کے کام میں لگ گئے۔یہاں تک کہ ۴ھ ختم ہو کر ۵ھ شروع ہوا۔

ماہ ربیع الاول ۵ھ میں آنحضور صلعم کو اطلاع ملی۔کہ سرحد شام کے مقام دومتہ الجندل کا عیسائی بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ابتک جو لوگ مسلمانوں کے خلاف تھے۔وہ عرب کے مشرک اور مدینہ کے یہودی تھے۔لیکن اب تک ایک تیسرا دشمن اور پیدا ہو گیا تھا۔

حالانکہ نہ مسلمانوں نے عیسائیوں کو ستایا تھا۔نہ کسی عیسائی سلطنت پر یورش کی تھی۔اور نہ عیسائیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ تھا۔

آنحضور صلعم غور کرنے لگے۔وجہ یہ تھی۔کہ دومتہ الجندل مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر ملک شام کی سرحد پر واقع تھا۔وہاں سے دمشق صرف پانچ منزل رہ جاتا تھا۔

اتنے دور و دراز فاصلے پر لشکر کشی کرنا مناسب معلوم ہوتا تھا۔کیونکہ یہ بھی اندیشہ لگا ہوا تھا۔کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان سرحد شام کی طرف جائیں۔اور عربستان کے مشرک یا نواح مدینہ کے یہودی مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیں۔

ابھی آنحضور اسی کشمکش و پیچ میں تھے۔کہ خبریں موصول ہوئیں۔یعنی دومتہ الجندل کا مسیحی بادشاہ رہزنی اور ڈکیتی کرنے لگا ہے۔عربوں کا جو قافلہ اُسکی قلمرو میں سے ہو کر گذرتا ہے۔وہ اُسے لوٹ لیتا ہے۔

چونکہ یہ نیا دشمن زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔اور اُسکی چیرہ دستی و رہزنی سے زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔اسلئے آنحضور نے لشکر کی فراہمی

شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ایک ہزار مجاہدین نے سبیل اللہ کا لشکر فراہم ہو گیا۔ حضورؐ نے سباع بن عرطفہ غفاری کو مدینہ کا گورنر بنا کر اور خود فراہم شدہ لشکر لے کر دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہوئے :۔

قبیلہ بنی عذرہ کا ایک شخص بطور راہبر ہمراہ لیا۔ رہبر نہایت ہوشیار اور شام کے تمام راستوں اور مقامات وغیرہ سے خوب واقف تھا۔ لشکر اسلام رات کو سفر کرتا۔ اور دن کو قیام کر دیتا۔ چونکہ آنحضورؐ نے خواہش ظاہر کی تھی۔ کہ لشکر کی نقل وحرکت کی خبر دشمن کو نہ ہو۔ اسلیے تمام احتیاطی تدابیر عمل میں لائی جا رہی تھیں :۔

ایک دن عذری رہبر نے آنحضورؐ سے کہا۔ یا سیدی دومتہ الجندل یہاں سے ایک منزل رہ گیا۔ لیکن دشمنوں کی چراگاہ اس جگہ سے بالکل قریب ہے۔ اگر رائے عالی ہو تو چراگاہ پر حملہ کر کے ان کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا جائے :۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مناسب ہے۔ اس سے دشمنوں پر ہمارا رُعب بیٹھ جائے گا۔ رات کو عشا کی نماز پڑھ کر لشکر چلا۔ ابھی دو تین میل ہی چلا تھا۔ کہ ایک سبزہ زار میں جا پہنچا۔ یہاں چھوٹے اور بڑے درخت کثرت سے کھڑے تھے :۔

چاندنی رات تھی۔ چاندنی درختوں کی شاخوں اور پتوں سے چھن چھن کر سبزہ زار پر پڑ رہی تھی۔ مویشی اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ کچھ چر رہے تھے۔ کچھ جگالی کر رہے تھے۔ مویشیوں کے محافظ پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ یہی عیسائیوں کی چراگاہ تھی :۔

مسلمانوں نے مویشیوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ مویشی گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ تو محافظوں کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھے۔ اُٹھتے ہی مسلمان نظر آئے وہ کانپ گئے اور گھبرا کر بھاگنے لگے :۔

مسلمانوں نے اُن کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ تمام محافظ قتل کر دیے گئے

صرف ایک یا دو شخص ہی بھاگ کر اپنی جانیں بچا سکے۔ چونکہ رات اب نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا۔ کہ دومۃ الجندل بہت قریب رہ گیا ہے۔ اسلیئے آنحضور صلعم نے لشکر کو قیام کرنے کا حکم دیا:۔

مجاہدین اسلام کمریں کھول کھول کر سبز سبز گھاس پر پڑ گئے۔ کچھ لوگ سامان اور مویشیوں کی نگرانی پر مقرر کر دیئے گئے۔ اور وہ نیزے ہاتھوں میں لے کر پہرہ دینے لگے:۔

صبح آفتاب طلوع ہونے سے قبل آنحضور صلعم اُٹھے۔ تمام مسلمان بیدار ہوئے سب نے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر کمربستہ ہوئے اور چل دیئے:۔

دوپہر کے وقت دومۃ الجندل میں پہنچ گئے۔ مسلمانوں کا خیال تھا نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا۔ کہ عیسائی شہر یا قلعہ سے باہر استقبال یا مقابلہ کے لیئے تیار ملیں گے۔ لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جبکہ انہوں نے کسی ایک عیسائی کو بھی شہر سے باہر نہ دیکھا:۔

دومۃ الجندل ایک شہر تھا۔ نہایت وسیع تھا۔ بادشاہ یا والی اکیدر بن عبدالملک تھا۔ مسلمان بے باکانہ

خالی تھا۔ ایک متنفس بھی کہیں نظر نہ آتا تھا:۔

ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ راستے سڑکیں دکانیں اور مکانات وغیرہ سب خالی تھے۔ کہیں کہیں کتے گھومتے ہوئے نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کو تعجب ہوا کہ یہ لوگ شہر چھوڑ کر کہاں چلے گئے:۔

جبکہ مسلمان مکانوں کے سامنے سے گذر رہے تھے۔ اُنہوں نے ایک مکان کی چھت سے ایک عیسائی کو جھانکتے ہوئے دیکھا۔ فوراً ایک شخص مکان کے

اندر گھس گیا۔ اور تھوڑی دیر میں ایک عیسائی کو ہمراہ لایا۔ جو بیم و رجا کی نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔

یہ شخص آنحضور صلعم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آنحضور صلعم نے اُس سے دریافت کیا۔ تمہارا بادشاہ اکیدر بن الملک کہاں ہے۔

مسیحی نے جواب دیا۔ حضور وہ دمشق کی طرف بھاگ گیا ہے"!۔

آنحضور صلعم نے پوچھا۔ کیا اُسے ہمارے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔

عیسائی نے کہا۔ ہاں حضور اس کے جاسوسوں نے آپ کے آنے کی خبر کئی دن پیشتر سے ہی دے دی تھی۔ اُس نے شہر والوں کو شہر خالی کر کے چلے جانے کا حکم دے دیا تھا۔

چنانچہ پرسوں تمام شہر والے اپنا اپنا سامان لے کر چلے گئے تھے۔ صرف فوج باقی رہ گئی تھی۔ رات چراگاہ سے دو آدمی آئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے بادشاہ کے آنے کی اطلاع کی۔ بادشاہ گھبرا گیا۔ اور اسی وقت فوج لے کر بھاگ گیا۔ آنحضور صلعم نے اس مسیحی سے دریافت کیا۔ تم کیوں نہیں بھاگے؟

عیسائی نے کہا۔ اس لئے کہ مجھے موقعہ نہ مل سکا!

آنحضورؐ نے فرمایا۔ کہ اچھا تم کو آزاد کیا جاتا ہے۔ جہاں جی چاہے۔ چلے جاؤ۔

عیسائی نے آنحضور صلعم کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہاں سے چلا گیا۔ مسلمان گھروں کے اندر گھس گئے۔

گھروں میں مٹی کے ٹوٹے پھوٹے برتن یا وہ سامان تھا۔ جو مسیحی اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے۔ کچھ غلہ بھی تھا۔

مسلمانوں نے تمام غلہ اور وہ سامان جو قابلِ استعمال تھا۔ اپنے قبضے میں کر لیا۔ آنحضور نے شہر سے باہر مسلمانوں کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان ایک مرغزار میں خیمہ زن ہو گئے۔

اب آنحضور صلعم نے چند چھوٹے چھوٹے دستے ادہر اُدہر روانہ فرمائے۔ عیسائی مسلمانوں سے کچھ ایسے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ کہ وہ اپنے دیہات وقصبات وغیرہ چھوڑ چھوڑ کر دمشق کی طرف بھاگ گئے تھے:۔

کسی ایک جگہ بھی کوئی مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آیا۔ اس وجہ سے سرحد شام پر مسلمانوں کا رعب وداب بیٹھ گیا:۔

چند روز دومۃ الجندل میں قیام کر کے حضور اکرم واپس لوٹے ایک روز جبکہ ایک سبزہ زار میں مسلمان قیام پذیر تھے۔ ایک شخص عینیہ بن حصین حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوا:۔

یہ اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے نہایت ادب سے آنحضور صلعم کو سلام کیا۔ اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ آنحضور صلعم نے اُس سے دریافت کیا:۔

عربی برادر! تمہارا نام کیا ہے:۔

اس نے جوابدیا۔ میرا نام عینیہ ہے۔ میرے باپ کا نام حصین ہے۔ اور میں اپنے قبیلہ کا سردار ہوں":۔

آنحضور صلعم نے دریافت کیا تم کس لیئے آئے ہو عینیہ!

عینیہ نے عرض کیا۔ حضورؑ! میرے پاس مویشی بہت زیادہ ہیں۔ اونٹوں اور بکریوں کی نیز گھوڑوں کی اس قدر بہتات ہے۔ کہ میں اس نواح میں مویشیوں کا بادشاہ کہلاتا ہوں۔ ہر سال یہاں کثرت سے بارش ہوتی تھی جس سے مویشیوں کے لیئے چارہ افراط سے ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن امسال بارش نہیں ہوئی۔ چارہ کا قحط پڑ گیا ہے۔ گذشتہ سال چارہ کا جس قدر ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ سب ختم ہو چکا۔ اب میں سخت پریشان ہوں"؟۔

آنحضور صلعم نے پوچھا! تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟۔

عنیبہ نے کہا۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ مدینہ میں خُوب بارش ہوئی ہے۔ وہاں چارہ کی بُہتات ہے چراگاہیں سرسبز اور شاداب ہوگئی ہیں۔ میری آرزُو ہے۔ کہ حضور میرے مویشیوں کو مدینہ کی چراگاہوں میں چرنیکی اجازت عطا فرمادیں۔ میں اُسکے معاوضہ میں معقول رقم حضُور کی نذر کروں گا۔ حضور اکرم نے مُسکرا کر فرمایا!

عنیبہ! تم کو اجازت ہے۔ کہ جس قدر مویشی چاہو مدینہ منورہ کی چراگاہوں میں بھیج دو۔ کوئی تم کو روک ٹوک نہ کریگا۔ اور نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جائیگا!

عنیبہ نے آنحضُور کے چہرہ پُرجمال کو مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا! حضُور کی اس بے پایاں عنایت کا صد ہزار شکریہ!!

عنیبہ اُٹھ کر چلا گیا۔ آنحضور صلعم نے بھی لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ مجاہدین نے تمام سامان اور خیمے اونٹوں پر لاد ے۔ اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے اس مہم کا نام غزوۂ دومتہ الجندل ہے"!۔

چوتھا باب

خونریز جنگ

تاریخ اسباب کی شاہد ہے۔ کہ مسلمان کبھی کسی قوم یا کسی ملک پر بلا وجہ حملہ آور نہیں ہوئے۔ ہر مرتبہ جنگ کے لئے انہیں مجبور کیا گیا۔ ہر قوم نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کی مسلمانوں کو تنگ کرنے اور پرستارانِ توحید کو راہ مستقیم سے ہٹانے کے لئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن خدا پرست مسلمان کسی طرح سے بھی خدا پرستی سے باز نہ آئے۔

جب آنحضورؐ سرحد سے واپس لوٹے۔ تو مشرک عربوں اور مسلمانوں سے عداوت و عناد رکھنے والے یہودی کو بڑا افسوس ہُوا۔ وہ سمجھ رہے تھے۔ کہ تمام ملک شام میں ٹڈی دل عیسائی بکھرے پڑے ہیں۔ مسلمان حضرت عیسٰی کو خدا کا بیٹا نہیں بتلاتے۔ اس وجہ سے عیسائی ان سے نفرت کرتے ہیں اور انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ یقیناً وہ مسلمانوں کو فناہ کے گھر اتار دینگے۔ اور ایک مسلمان کو بھی زندہ نہیں چھوڑینگے۔ اگر کوئی واپس بھی آئے گا۔ تو مسلمانوں کی تباہی کی خونچکاں داستان سنانے کے لئے آئیگا۔ مگر جب انہوں نے سنا۔ کہ دومتہ الجندل کے عیسائی بلا مقابلہ کئے فرار ہو گئے۔ تو انہیں ان کی بزدلی پر بڑا غصہ آیا۔

اب انہوں نے پھر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ہم بار بار اور واضح طور پر لکھ آئے ہیں کہ عربستان کے وسیع ملک میں یا تو عرب آباد تھے۔ یا یہودی۔

اگرچہ یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں آنحضور صلعم کے نبی مبعوث ہونے کی پیشین گوئیاں درج تھیں۔ لیکن وہ سمجھتے ہیں۔ کہ نبی آخرالزمان ان ہی کی قوم میں پیدا ہوں گے۔

چونکہ حضورؐ قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے۔ اس لئے یہودیوں کو سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے آنحضورؐ کی نبوت سے انکار ہی نہ کیا۔ بلکہ آپ کے دشمن ہو گئے۔ اور آپ کی ایذا رسانی میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے لگے۔

عرب بت پرست مشرک تھے۔ وہ خدا کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ بتوں ہی کو سب کچھ مانتے اور جانتے تھے۔ لہذا وہ بتوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے۔

یہودیوں سے زیادہ وہ حضورؐ اکرم کی دشمنی پر اتر آئے۔ ان دونوں قوموں نے مل کر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ لیکن قرونِ اولے کے مسلمان لائق صد ہزار تحسین ہیں۔ انہوں نے نہ کسی ابتلا کا خیال کیا۔ کسی مصیبت سے نہ گھبرائے۔ ہر صعوبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ نہ قوم کی شکایت نہ دشمنوں کا گلہ۔ نہ خدا سے شکوہ کیا۔ ہر آزمائش میں پورے اترے۔

یہودیوں اور عربوں نے براعظم عرب میں۔ عربستان کے ذرہ ذرہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اکسا رکھا تھا۔ تمام عربی قبائل کو برانگیختہ کر دیا گیا۔ اور یہودیوں نے عیسائیوں کو بھی جا ابھارا۔

حالانکہ عیسائی اور یہودی آپس میں کبھی اتفاق سے نہ رہے تھے۔ گویا ہمیشہ ان بن رہی تھی۔ مگر مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے دونوں قومیں شیر وشکر ہو گئیں۔ یہودیوں کا مشہور قبیلہ بنو نضیر جب سے جلا وطن ہو کر شام اور خیبر کی طرف چلا گیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف مسلسل کوششوں اور ریشہ دوانیوں کا جال بچھا دیا تھا۔

تمام یہودی اور سارے عرب قبائل کو مسلمانوں کی بیخ کنی پر آمادہ کر دیا تھا۔ ایک زبردست وفد جس میں حی بن اخطب۔ سلام بن ابی الحقیق سلام بن کنانہ وغیرہ جیسے یہودی

سردار شامل تھے۔ مکہ روانہ ہُوا۔ تاکہ قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دے۔

جب سے مسلمان دومۃ الجندل سے واپس آئے تھے۔ نت نئی افواہیں سن رہے تھے۔ کبھی مشرکین مکہ کے حملہ آور ہونے کی خبر سنتے کبھی عیسائیوں کی یورش کی اور گاہے یہودیوں کے بڑھنے کی خبریں آئیں اور کبھی یمن و نجد کے قبائل کے حملہ کی۔

مسلمان ایسے مستقل مزاج تھے کہ وہ ان پیہم خبروں کو سننے سے ذرہ بھر بھی ہراساں یا پریشان خاطر نہ ہوتے تھے۔ بلکہ نہایت اطمینان سے تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔

مدینہ اور نواح مدینہ کے غیر مسلموں کو مسلمان بنا رہے تھے۔ اسلام کو پھیلتے اور مسلمانوں کو بڑھتے دیکھ کر مشرکوں اور کافروں کے سینوں پر سانپ سے لوٹ رہے تھے۔

چونکہ امن اور اطمینان کے زمانہ میں مسلمانوں کے تبلیغ کرنے کا زیادہ موقعہ ملتا تھا۔ اس لئے کفار کوشش کرتے تھے۔ کہ مسلمان امن و اطمینان سے نہ رہیں۔ ہمیشہ اور ہر وقت جنگ و پیکار میں اُلجھے رہیں۔

چنانچہ انہوں نے بنو المصطلق کے یہودیوں کو ابھار دیا۔ بنو المصطلق کا بادشاہ حارث بن ضرار ایک تجربہ کار، چالاک اور خونخوار شخص تھا۔ اس نے اپنے قبیلے کو منظم کر کے عربی قبائل کو اشتراک عمل کی دعوت دی۔

متعدد قبائل اس کے شریک کار ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے زبردست جمعیت فراہم کر لی۔ آنحضور صلعم کو اس کے ارادہ کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے حضرت بریدہؓ بن حصیب کو تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔

انہوں نے واپس آکر بیان کیا۔ کہ حارث بن ضرار نے زبردست جمعیت فراہم کر لی ہے ہزاروں یہودی اور مشرک عرب اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ہیں اور وہ عنقریب مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے والا ہے!

آنحضور صلعم نے بھی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا جب مسلمان تیار ہو گئے۔ تو آپ نے زیدؓ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور خود مجاہدین اسلام کو لے کر حارث کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔

اس اسلامی لشکر میں کل تیس گھوڑے تھے جن میں سے دس مہاجرین کے۔ اور بیسؓ انصار کے تھے۔ اس مرتبہ آنحضور صلعم نے مہاجرین اور انصار کے جدا جدا علم بنا دیئے تھے۔

انصار کا علم سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور مہاجرین کے علمبردار حضرت ابوبکرؓ تھے حضرت عمرؓ فاروق کو مقدمۃ الجیش مقرر کیا گیا تھا۔ اس مہم پر حضورؐ اکرم حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین کو بھی ہمراہ لے گئے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو ہر جنگ میں کامیابی ہوئی تھی۔ اور مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوتا رہا تھا۔

کیونکہ آنحضور نے یہی آئین مقرر فرمایا تھا۔ کہ جو لوگ جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ وہی مالِ غنیمت سے حصہ پا سکتے تھے۔ اس لئے اس مرتبہ مالِ غنیمت کی طمع میں عبداللہ بن ابی منافق بھی معہ اپنے منافقین کی حمایت میں شریک ہو گیا تھا۔

اگرچہ مسلمانوں کو اس کی اور اس کے رفقاء کی شرکت ناگوار گزری۔ خود اس کے بیٹے عبداللہؓ[1] کو بھی ناگوار گزری۔ مگر وہ مسلمان کہلاتے تھے۔ اس لئے ان کی تمام اسلامی حقوق حاصل تھے۔ اور وہ جہاد کی شرکت سے باز نہیں رکھے جا سکتے تھے۔

مسلمان دیکھ چکے تھے۔ کہ جنگ احد میں بھی عبداللہ بن ابی منافق معہ اپنی جماعت کے روانہ ہوا تھا۔ مگر راستہ ہی سے لوٹ آیا تھا۔ اس لئے انہیں خیال ہوا تھا۔ کہ وہ شاید اب بھی لوٹ آئے یا کوئی اور شرارت کرے۔ مگر وہ آنحضور صلعم کی وجہ سے خاموش تھے۔ اور آنحضورؐ منافقوں کے

[1] جس طرح مصر کا قاعدہ یا دستور تھا۔ کہ دادا کے نام پر پوتا کا نام رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح سے عرب میں بھی باپ کے نام پر بیٹے کا نام رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ منافق نے بھی اپنے بیٹے کا نام اپنے نام پر ہی عبداللہ رکھا تھا۔ (صادق صدیقی)

مسلمان کہلانے کی وجہ سے مجبور و معذور تھے۔

مسلمانوں کا لشکر جب اور جس طرف سے گزرتا تھا۔ غیر مسلموں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس لشکر کی آمد کی خبر سنکر ہی بادیہ نشین عرب ڈیرے خیمے لاد کر چلے گئے تھے۔ تمام نخلستان خالی پڑے رہ گئے تھے۔

قبیلہ بنو المصطلق مدینہ سے نو منزل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ لشکر اسلام منزل بہ منزل کوچ کر رہا تھا۔ ایک روز عصر کے وقت حضرت عمر فاروق نے جو مقدمۃ الجیش کے سردار تھے۔ ایک عرب کو دیکھا۔ کہ وہ کبھی ٹیلوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ کبھی کسی ٹیلہ کی آڑ سے کر جھانکنے لگتا ہے

حضرت عمرؓ نے ایک بڑے ریت کے ٹیلے کی آڑ لے کر اس طرف بڑھے مقدمۃ الجیش کا دستہ برابر کوچ کرتا رہا۔

حضرت عمرؓ بڑھتے بڑھتے اس ٹیلہ کے پاس پہنچ گئے۔ جس کے پیچھے عرب چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے دفعتاً بڑھ کر عرب کی گردن پکڑ لی۔ عرب اس اچانک افتاد سے سخت بدحواس اور سراسیمہ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا۔ تو کون ہے؟ اور اس ٹیلے کے پیچھے چھپ کر کیا دیکھ رہا ہے۔؟

عرب نے کہا: میں ایک مسافر ہوں۔ لشکر سے ڈر کر اس جگہ آچھپا ہوں"

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ ڈرنے کی وجہ!

عرب نے کہا۔ شاید مسلمان مجھے نقصان پہنچاویں۔

حضرت عمرؓ۔ کیا مسلمانوں نے کبھی بلاوجہ کسی کو نقصان پہنچایا ہے؟

عرب۔ نہیں!

حضرت عمرؓ۔ پھر تم کو کیوں خوف ہوا؟

عرب۔ یہ میری غلطی تھی!

حضرت عمرؓ نے غور سے عرب کو دیکھ کر کہا. غلطی! نہیں چالاکی کی تھی. کیا تم قبیلہ بنو المصطلق سے نہیں ہو؟

عرب حضرت عمرؓ کی معنی خیز نظریں دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ہاں! میں اسی قبیلے سے ہوں۔

حضرت عمرؓ نے گھورتے ہوئے کہا۔ او حارث کے جاسوس؟

عرب نے بے ساختہ پن سے کہا۔ جی ہاں! .... لیکن میں اپنی خوشی سے جاسوسی کرنے نہیں آیا۔ بلکہ مجھے زبردستی بھیجا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس کی گردن چھوڑ کر کہا۔ اچھا! تم رسول اللہؐ کے پاس چلو!

عرب کے لئے بجز سر اطاعت خم کرنے کے چارہ ہی کیا تھا۔ وہ ساتھ ہو لیا۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے ہمراہ لے کر آنحضور صلعم کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اور عرب کی تمام گفتگو گوش گزار کر کے کہا۔

حضور! یہ جاسوس ہے۔ اور جاسوس کی سزا آئین عرب میں قتل ہے۔ لہذا اس کے قتل کرنے کا حکم دیجئے۔

آنحضور صلعم نے کہا۔ بے شک عرب کا قانون جاسوسوں کے لئے سزائے موت تجویز کرتا ہے۔ لیکن اگر یہ مسلمان ہو جائے .... ہاں! اگر یہ اسلام قبول کرے۔ تو رہائی پا سکتا ہے!"

حضرت عمرؓ نے جاسوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہو حارث کے جاسوس. کیا تم اسلام قبول کرنے پر تیار ہو؟

جاسوس نے کہا۔ نہیں! میں کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا!

فوراً حضرت عمرؓ نے ایک مسلمان کو اشارہ کیا۔ اس نے تلوار کھینچی۔ اور جاسوس کا سر اڑا دیا گیا۔

ممکن ہے بعض فوجی قانون سے ناواقف لوگ یہیں کہ یہ ظلم تھا۔ لیکن واقعات کے جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ ہر زمانہ میں ہر ملک میں جاسوسوں کو قتل کی سزا دی جاتی رہی ہے۔ تہذیب وتمدن کے زمانہ میں بھی یہی قانون رائج ہے۔ جاسوس کو قتل کر کے حضرت عمرؓ اپنے دستہ میں آ گئے۔

تقریباً ایک ہفتہ سفر کرنے پر لشکرِ اسلام چشمہ مریسیع۔ کے کنارے پر جا کر خیمہ زن ہوا۔ اسی روز شام کے وقت حارث بھی اپنا عظیم الشّان لشکر لے کر دوسرے کنارے پر آ اُترا۔ رات کے وقت دونوں لشکر دونوں کناروں پر خاموشی سے ٹھہرے رہے۔ چونکہ مخالفین کو اندیشہ تھا۔ کہ کوئی فریق دریا کو عبور کر کے راتکو شبخون نہ مارے۔

اسلئے متخاصمین نے زبردست پہرہ مقرر کر دیا تھا۔ اور پہرے والے ساری رات جاگتے اور بیدار باش کی صدائیں لگاتے رہے"!۔

صبح جب کائنات بیدار ہوئی۔ اور صبح کی آمد کی خوشی سے ریگ زار کا ذرّہ ذرّہ شگفتہ ہو گیا۔ مشرق کی طرف سے دلفریب روشنی کی چادر بڑھکر ظلمت کو دور کرتی ہوئی عربستان پر چھانے لگی۔ تو مسلمان بیدار ہوئے اور ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھنے لگے۔

حارث اور اس کا لشکر بھی بیدار ہو کر ضروریات سے فارغ ہونے لگا جب مسلمان نماز پڑھ چکے۔ تو آنحضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا"!۔

عمرؓ! تم دریا کو پار کر کے حارث کے پاس جاؤ۔ اور اُسے اس کی قوم کو اس کے لشکر کو اسلام کی دعوت دو۔ لیکن نرم لہجہ میں یاد رکھو۔ نصیحت اگر درشت اور تیز لہجہ میں کی جائے۔ تو کبھی اثر نہیں کرتی۔ نرم لہجہ، شیریں بیانی۔ انسان کے دل میں گھر کرتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ سر تسلیم خم کر کے چلے۔ اگرچہ وہ جانتے تھے۔ کہ دریا کے پار دشمنوں کا اژدہام ہے۔ ان دشمنوں کا جو اُن کے دشمن۔ انکی قوم کے دشمن اور ان کے مذہب کے دشمن ہیں ::

دشمنوں کے نرغے میں تنہا جانا بڑے دل گردہ کا کام تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کی ہستی تھی۔ وہ سوائے خدا کے کسی کا خوف دل میں نہ آنے دیتے تھے۔ وہ بغیر کسی جھجھک کے دریا کے کنارہ پر پہنچے۔ اور اُسے عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ آپ کو دیکھ کر حارث معہ چند سر برآوردہ لوگوں کے آپ کے قریب آیا۔ پوچھا! عمرؓ کس لیئے آئے ہو؟ ::

حضرت عمرؓ نے کہا۔ میں ایک بات کہنے آیا ہوں۔ سنو! غور سے سنو۔ ٹھنڈے دل سے سنو! تم خوب جانتے ہو! میں میرا خاندان۔ میرا قبیلہ۔ میری قوم لات و عزیٰ ہُبل اور دوسرے بتوں کو پوجتے تھے"!

خدا نے اس خدا نے جو کائنات کا خالق ہے۔ مخلوق کا رازق ہے۔ لوگوں کے دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ ازل سے ہے ابد تک رہیگا۔ نہ اُسے نیند آتی ہے اور نہ اُسے آرام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو قادر مطلق ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی فنا و بقا ہے ::

اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیئے ایک رسول بھیجا۔ اُس حبیبؐ نے اُس رسول نے۔ اس نبی نے خدا کی توحید کا اعلان کیا۔ سعید ہستیاں۔ نیک روحیں کھینچ کھینچکر اسلام کی طرف جھکنے لگیں۔ میں بھی مسلمان ہو گیا ::

حارث! آج میں تمہیں۔ تمہاری قوم کو۔ تمہارے لشکر کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ آؤ توحید کے سائے میں آجاؤ۔ اسلام کی پناہ لو اور تمام مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ ::

حارث نے کہا! عمرؓ تم جانتے ہو۔ ہم یہودی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُمتی ہیں۔ ہماری کتابوں میں ایک نبی کے مبعوث ہونیکی پیشین گوئیاں تحریر ہیں۔ مگر وہ نبی یہ نہیں ہیں جن کے تم پیرو ہو!

وہ ہماری قوم میں ہوں گے۔ میں اُنھیں یعنی تمہارے نبی کو شاعر و کاہن تو کہہ سکتا ہوں۔ مگر نبی نہیں مان سکتا۔ اور جب میں اُنھیں نبی نہیں مانتا تو اسلام کیسے قبول کر سکتا ہوں۔
اب تم۔ تمہاری قوم تمہارا نبی میرے مقابلہ میں آ گئے ہو سمجھ لو کہ تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں جانے دُوں گا۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ حارث! ہم خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔ چاہتے ہیں کہ تم بھی امن و امان سے رہو اور ہمیں بھی چین سے رہنے دو فضول جنگ کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ ہم خدا پرستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس تعلیم کو قبول کر لو۔

حارث نے ترشروئی سے کہا۔ ناممکن ہے۔ کہ ہم تمہاری تعلیم قبول کریں۔ ہم تم سے لڑینگے۔ اور اس وقت تک لڑینگے۔ جب تک کہ ایک مسلمان بھی زندہ باقی رہے گا! حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہارا ستارۂ عروج زوال کے ابر میں آ گیا ہے۔ اچھا! تم لڑو اور اس وقت تک لڑو۔ جب تک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ نہ کر دے ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ خدا حق کی حمایت کرے گا"!

حضرت عمرؓ واپس لوٹ آئے۔ اور آنحضور صلعم کی خدمت میں باریاب ہو کر تمام گفتگو عرض کر دی۔ حضور اکرم نے لشکر کو دریا عبور کرنے کا حکم دیا۔

شیران اسلام دریا میں کود پڑے۔ ایک مختصر دستہ تیراندازوں کا دریا کے کنارے پر کھڑا کر دیا گیا۔ تاکہ اگر دشمنوں کی فوج مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کرے۔ تو ان پر تیروں کی بارش کر کے انھیں اپنی طرف متوجہ کر لیں۔

حارث نے مسلمانوں کو دریا میں کُودتے ہُوئے دیکھا۔ اُس نے اپنے لشکر کو کنارے سے دُور ہٹا کر صف بستہ کر دیا۔ مسلمان بھی دوسرے کنارہ پر پہنچکر اپنی صفوں کو مرتب کرنے لگے :۔

تیر اندازوں کا دستہ بھی آکر صف بستہ ہو گیا۔ سب سے آگے حضرت عمرؓ کا دستہ صف بستہ ہُوا۔ اُن کے عقب میں میمنہ پر حضرت صدیق اکبرؓ اور میسرہ میں حضرت سعدؓ بن عبادہ اپنے اپنے دستوں میں کھڑے ہو گئے :۔

قلب میں آنحضور صلعم متمکن ہُوئے آپکے ساتھ حضرت علی کرم حضرت بلالؓ اور چند دوسرے صحابہ تھے۔ حضور اکرم نے حضرت عمرؓ سے کہلا بھیجا۔ کہ جب تک دشمنوں کی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ ہو۔ اس وقت تک اپنی طرف سے آغاز نہ کریں۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے مسلح کھڑے تھے :۔

حارث قلب لشکر میں تھا۔ اُس کے قریب ایک خوبصورت نازنین روئے انور پر جالیدار نقاب ڈالے کھڑی تھی۔ یہ اس کی پریزاد بیٹی جوبریہ تھی"!

جوبریہ جس قدر حسین تھی ۔ اسی قدر شیر دل اور جنگجو تھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے ارادہ سے آئی تھی :۔

حارث نے اپنے لشکر کو اشارہ کیا۔ ان کا ٹڈی دل لشکر سیلاب کی طرح بڑھا۔ مسلمان بھی آہستہ آہستہ بڑھے۔ کچھ ہی عرصہ میں دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا۔ متخاصمین نے نیزے نکالے۔ اور ایک نے دوسرے پر حملہ کیا۔

نیزوں کی انیاں دُھوپ میں جگمگاتی ہوئی بڑھیں۔ انسانوں کے گوشت اور پوست میں پیوست ہوئیں اور خون آلودہ ہو کر لوٹیں۔ ہر شخص جوش و غضب سے بھر گیا۔ اپنی قوت سے زیادہ نبرد آزمائی میں سرگرم نظر آنے لگا :۔

ہوتے ہوتے یہ جوش اس قدر بڑھا۔ کہ نیزے پھینک کر تلواریں بجلی کی

طرح سے کوندتی ہوئی بڑہیں - اُنھیں ... انسانوں کے سروں سے بلند ہوئیں - فوراً سیاہ سیاہ ڈھالیں فضا میں اونچی ہوئیں - اور تلواریں ڈھالوں کے اوپر پڑیں :۔

جنگ شروع ہو گئی - نہایت خونریز ! ہر شخص اپنے مقابل سے لڑنے میں مصروف ہو گیا - برق وش تلواریں سرو تن کے فیصلے کرنے لگیں - اعضائے انسانی کٹ کٹ کر گرنے لگے - ریتیلے میدان میں خون پانی کی طرح بہنے لگا -

حارث کے لشکر نے حضرت عمرؓ کے دستہ پر حملہ کر دیا - جس جوش و خروش اور جس شدت سے حملہ کیا گیا تھا - اُس سے معلوم ہوتا تھا - کہ مسلمانوں کا یہ دستہ منہزم و پسپا ہو جائے گا - دشمنوں کے سیلاب کا مقابلہ نہ کر سکے گا :۔

اگر جیداری کر کے لڑا بھی تو بہت جلد مقتول و مجروح ہو کر خاک و خوں میں آغشتہ نظر آئے گا - مگر مسلمانوں کے اس دستہ نے دشمنوں کے سیلاب کو نہ صرف روک دیا بلکہ اس جوش و خروش سے مقابلہ کیا - کہ دشمن حیران رہ گئے :۔

ہر مجاہد لوہے کا ٹکڑا بن گیا - جو نہ مرنا جانتا تھا - نہ پیچھے ہٹنا بلکہ آگے بڑھنا - اور بڑھ کر حملہ کرنا جانتا تھا - جو شخص بھی جس مجاہد کے سامنے آ گیا - بغیر قتل کئے ہوئے نہ جانے دیا :۔

مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے کمال جیداری اور نہایت بے باکی سے لڑ رہے تھے - خصوصاً حضرت عمرؓ اس پھرتی اور تیزی سے پینترے بدل بدل کر لڑ رہے تھے - کہ حیرت ہوتی تھی :۔

وہ جس پر جھپٹ کر حملہ کرتے - جس کے اُچھل کر تلوار مارتے اُسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے - انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں دس بارہ کافروں کو موت کی آغوش میں پہنچا کر دائمی نیند سلا دیا :۔

کفار پر ان کا رُعب طاری ہو گیا - وہ ان سے بچنے اور ان کے سامنے سے

کترانے لگے۔ چونکہ اس وقت متخاصمین جوش وغضب سے بھرے ہوئے ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔ اسلئے کوئی ترتیب اور کوئی ضابطہ وغیرہ باقی نہ رہا تھا۔ مسلمان کافروں میں اور کافر مسلمانوں میں گھس گئے تھے۔ اور ہر شخص کمال جانبازی سے لڑ رہا تھا۔

حارث اور اُسکی بیٹی جویریہ گھوڑوں پر سوار ادھر اُدھر دوڑ دوڑ کر اپنے ساتھیوں کو تقریروں سے برانگیختہ کر کے جوش دلا دلا کر لڑائی پر اُبھار رہے تھے۔ کفار بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ غیظ وغضب میں آ آ کر پوری قوت سے تلواریں مار رہے تھے۔ لیکن ان کی تلواریں کارگر نہ ہوتی تھیں۔ یا تو مسلماں اُنھیں ڈھالوں پر روک لیتے تھے۔ یا تلوار کے اشارہ سے ان کے حملے رد کر دیتے تھے۔

آفتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ سفید مگر تیز دھوپ میدانِ جنگ میں پڑ رہی تھی۔ لڑنے والوں کے بدن پسینہ میں شرابور ہو رہے تھے۔ پیشانیوں سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ گرمی جسموں میں اضمحلال پیدا کئے دیتی تھی۔ لیکن تلوار اور خون سے کھیلنے والے گرمی اور تیز دھوپ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑے جوش اور تمام قوت سے لڑ رہے تھے۔

حارث کا تمام لشکر مسلمانوں پر حملہ آور تھا۔ اور مسلمانوں کا صرف مقدمۃ الجیش ان سے لڑ رہا تھا۔ ابھی تک سارے اسلامی لشکر نے شرکت نہ کی تھی۔ دفعتاً آنحضور صلعم نے اَللّٰہُ اَکْبَر کا پرزور نعرہ لگایا۔ تمام اسلامی لشکر نے اس جو ابھی تک جنگ میں شریک نہ ہُوا تھا۔ اس نعرہ کی تکرار کی۔

اس نعرہ فلک شگاف کی صدا نے میدانِ جنگ کو ہلا دیا۔ فضا تھرا گئی۔ بالکل ایسا معلوم ہُوا جیسے بھونچال آگیا ہو۔ اور اس کے اثر سے ہچکولے کھانے لگی ہو۔

حضرت عمر رض نے جلدی سے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ تو انہیں اسلامی لشکر بڑھتا ہُوا

نظر آیا حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا: مسلمانو! سارا اسلامی لشکر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ یہ بڑی غیرت کی بات ہے۔ کہ ہم دشمن کو منہزم و لپسپا نہیں کر چکے۔ اس سے ہم پر بزدلی کا اطلاق ہوتا ہے۔

قسم ہے خدائے قدوس کی کہ میں اس سبک سری کو کسی طرح سے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ بڑھو! اور مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے ان کافروں کو قتل کر ڈالو۔ یا لپسپا کر کے بھگا دو۔ بڑھو! اور خوب ہمت سے بڑھو!

حضرت عمرؓ کی اس مختصر تقریر نے ان کے دستہ کے لوگوں میں جوش کی روح پھونک دی۔ انہوں نے جوش سے بھر کر حملہ کیا۔ اور اس غضب کا حملہ کیا۔ کہ باوجود کفار کی مدافعت کے انہیں مارتے کاٹتے حارث اور اس کی بیٹی جویریہ کی طرف بڑھنے لگے۔

نہایت خون آشام جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں نہایت پھرتی سے بلند ہو ہو کر انسانوں کے خون میں تیرنے لگیں۔ ہاتھ۔ پیر۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ اور خون کا دریا بہنے لگا۔

حضرت عمرؓ غیظ و غضب سے بھر کر کافروں کو مارتے کاٹتے کفار کے علمبردار کی طرف بڑھے۔ ایک شخص صفوان نامی حارث کا علمبردار تھا۔ نہایت بہادر آزمودہ کار اور جنگجو تھا۔ اس نے حلف اٹھایا تھا۔ کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک علم کی حفاظت کرے گا۔

ہر قوم کو اپنا علَم عزیز ہوتا ہے۔ میدان جنگ میں زندگی سے زیادہ علم کی حفاظت کی جاتی ہے۔ کفار بھی علمبردار کو گھیرے ہو۔ علم کی حفاظت کر رہے تھے۔

جو مسلمان اسطرف بڑھتا تھا۔ یا تو اُسے شہید کر دیتے تھے۔ یا اس قدر مجروح کر دیتے تھے۔ کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ کئی مسلمان علمبردار کی طرف بڑھ چکے تھے۔ لیکن زخمی ہو ہو کر واپس لوٹنے پر مجبور ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ بڑی دلیری سے نیز بڑے جوش و غضب سے بڑھے تھے۔ انہیں ہر ہر قدم پر کفار نے روکا۔ لیکن انہوں نے ہر اس شخص کو مار ڈالا۔ جو سدِ راہ ہوا۔ وہ مارتے کاٹتے صفوان علمبردار کے قریب پہنچے:۔

کفار نے دیکھا۔ وہ سب تڑپ تڑپ کر ان کی طرف بڑھے۔ اور چاروں طرف سے ان پر حملہ آور ہوئے۔ بمتعدد تلواریں ان کے سر پر بلند ہوئیں۔ کیسا ہی بہادر کیسا ہی بے خوف اور کیسا ہی بے خوف اور کیسا ہی جانباز شخص کیوں نہ ہوتا۔ لیکن ایسے خوفناک منظر کو دیکھکر ضرور جھجک جاتا۔ مگر نہ جھجکے تو حضرت عمرؓ۔

انہوں نے نہایت پھرتی اور چابک دستی سے چاروں طرف تلوار چلا چلا کر کفار کو الگ ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ کفار مجروح ہو ہو کر ہٹے۔ حضرت عمرؓ صفوان کی طرف بڑھے۔ صفوان نے بھی تلوار نکال لی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حملہ کیا۔ اسیوقت اس نے بھی حملہ کیا۔ مگر اسکی تلوار حضرت عمرؓ کی ڈھال پر پڑی۔ اور حضرت عمرؓ کی تلوار اُسکے سر پر پڑی:۔

اُس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور کشتہ ہو کر گرا۔ اس کے گرتے ہی علم زمین پر آ رہا۔ کفار اپنا سرنگون دیکھکر خائف و ترساں ہو گئے۔ حارث اور جویریہ کے دل ڈوب گئے۔ اسی وقت مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ ان تازہ دم مسلمانوں نے جو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت سعدؓ کی معیت میں بڑھ رہے تھے:

کفار پہلے ہی سے ہراساں ہو رہے تھے۔ اس تازہ دم حملہ نے انہیں اور بھی خوفزدہ کر دیا۔ لہذا وہ پیچھے ہٹے اور مسلمانوں نے بڑھ کر دبایا۔ ان کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔

سینکڑوں کافر چشم زدن میں واصل جہنم کر دیئے گئے۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور ایسے رہ گئے۔ کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ حارث نے اپنے لشکر کو بھاگتے ہوئے

دیکھا۔ تو خود بھی بھاگ پڑا۔

اس کی بیٹی جویریہ بھی بے تحاشہ بھاگی ۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ انہوں نے سینکڑوں بھاگ بھاگ کر جان بچانے والے کافروں کو قتل کر کے دور تک میدان جنگ میں لاشیں بچھا دیں ۔

جن کافروں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے ۔ اور امان چاہی ۔ انہیں گرفتار کیا جانے لگا ۔ اتفاق سے جویریہ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی ۔ اور منہ کے بل زمین پر آرہی ۔ چند مسلمان اس کے قریب پہنچ گئے ۔ انہوں نے اُسے گرفتار کر لیا ۔ تھوڑی ہی دیر میں میدانِ جنگ کافروں سے پاک ہو گیا ۔ یا تو کفار مارے گئے ۔ یا گرفتار کر لئے گئے ۔

اب مسلمانوں نے کفار کے خیموں پر تاخت کی اور انہیں لوٹنے لگے ۔ تاریخوں میں اس جنگ کا نام غزوۂ المصطلق اور غزوۂ مریسیع ہے ۔ یہ جنگ ۵ھ میں واقع ہوئی ۔

پانچواں باب

"منافقین کی ریشہ دوانیاں"

جب مسلمان بنوالمصطلق کے خیموں کو لوٹ چکے تو انہوں نے دریا کے پار آکر اسی جگہ قیام کیا جہاں گذشتہ روز قیام کیا تھا۔ قیدی اور مال غنیمت اسی وقت مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ حارث کی بیٹی جویریہ[1] کو ثابت بن قیس نے اسیر کیا تھا۔ لہذا وہ انہیں کے حصہ میں دے دی گئی۔ یہ بات عبداللہ منافق کو ناگوار گذری۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ جویریہ اُسے دی جائے تاکہ وہ بیش قیمت پر اُسے اس کے والد کے حوالے کر سکے۔ لیکن جب جویریہ اُسے نہ ملی۔ تو خبث باطنی پر اُتر آیا۔ اور اُس نے تقسیم غنائم پر نہایت سختی سے اعتراض اور نکتہ چینی شروع کر دی۔ مسلمانوں کو اُسکی زبان درازی اور یہ مذلوجی حرکت سخت ناگوار گذری مگر وہ اب بھی اس لحاظ سے خاموش رہے۔ کہ حضورؐ نے اُسے اور اس کے منافق ساتھیوں کے خلاف کوئی حکم نہ دیا تھا۔ رات کو عشا کی نماز پڑھکر عبداللہ نے اپنے

---

[1] غزوہ مریسیع کے چند روز بعد جویریہ کا باپ مدینہ منورہ میں آیا۔ اور اس نے اپنی بیٹی کا زر فدیہ دیکر آزاد کرانے کی خواہش ظاہر کی۔ آنحضورؐ نے ثابت بن قیس کو جویریہ کا فدیہ دیکر اُسے آزاد کر دیا اور اس کے باپ کے ساتھ جانے کی رضا دیدی۔ مگر جویریہ نے اپنے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اور حضورؐ کی خدمت میں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آپؐ نے اس سے نکاح کر لیا۔ اُ ہات المومنین میں داخل ہو گئیں (صادق صدیقی)

خیمے میں ایک جلسِ مشاورت منعقد کی۔ اِس مجلس میں اُس نے اپنے ساتھیوں میں سے چند معزز لوگوں کو بُلایا۔ اور اُن سے کہا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ مسلمان دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ جس قبیلہ پر حملہ کرتے ہیں۔ اُسے زیر کر لیتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اس طرح سے وہ تمام ملک عرب پر قابض و متصرف ہو جائینگے۔ اور ہم ذلیل و حقیر ہو کر رہ جائینگے۔ کوئی ایسی تدبیر بتاؤ۔ جس سے مسلمان اِس بڑھتی ہوئی ترقی سے رُک جائیں"!۔

ایک گرگ باراں دیدہ نے کہا۔ صرف ایک تدبیر ہے کسی طرح سے مسلمانوں میں نفاق ڈالو۔ اور پھر نہ صرف ان کی ترقی ہی رُک جائے گی۔ بلکہ ان کا شیرازہ منتشر ہو کر وہ اس قدر کمزور ہو جائینگے۔ کہ جو قبیلہ چاہے گا۔ اُسے زیر کرے گا"۔

عبداللہ منافق نے کہا۔ بخدا نہایت اچھی تدبیر بتائی ہے۔ یہ وہ تدبیر ہے۔ جو کبھی پٹ نہیں پڑتی اور جس نے بڑی بڑی قوموں کا تختہ الٹ دیا ہے۔ لیکن کس طرح سے نفاق ڈالا جائے"؟۔

اسی بڈھے کھوسٹ نے کہا۔ یہ بات بھی میں بتاتا ہوں۔ ہم میں سے چند آدمی انصار کے پاس جائیں۔ اور ان کی بہادری کی تعریف کر کے کہیں کہ یہ فتح صرف تمہارے ہی دم سے ہوئی ہے۔ لیکن مہاجرین کہتے ہیں۔ کہ انکی وجہ سے ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اسی طرح سے چند لوگ مہاجرین کے پاس جائیں۔ اور ان سے کہیں کہ محض آپکی ہی وجہ سے یہ فتح ہوئی ہے۔ انصار کا دعوےٰ ہے کہ ان کی وجہ سے ہوئی ہے۔ یقین ہے کہ اس تدبیر سے انصار اور مہاجرین میں نفاق پیدا ہو جائیگا"۔

عبداللہ نے خوش ہو کر کہا۔ نہایت معقول تدبیر ہے۔ مگر اس میں ایک اضافہ اور کر دیا جائے"۔

لوگوں نے پوچھا! وہ کیا؟

عبداللہ منافق نے کہا۔ تم جانتے ہو۔ حضرت محمدؐ کو اپنی بیوی حضرت عائشہ صدّیقہ سے بے حد محبت ہے۔ حضرت عائشہ پر کوئی اتہام باندھو۔ اس سے مسلمانوں کے رسول کے دل کو صدمہ پہنچے گا۔ اور وہ اس صدمہ کی وجہ سے مہاجرین اور انصار میں اتفاق پیدا نہ کرا سکیں گے:۔

ایک شخص نے کہا۔ یہ کونسی بڑی بات ہے حضرت عائشہ نہایت نیک اور بھولی ہیں۔ وہ اکثر مسلمانوں سے باتیں کرلیا کرتی ہیں۔ کسی موقع پر اِن پر بہتان لگاکر فتنہ پیدا کردیا جائے گا:۔

عبداللہ منافق نے کہا۔ اچھا! تم اب خاموشی سے منتشر ہو جاؤ۔ اور ان مجوزہ تدابیر پر صبح ہی سے عملدرآمد شروع کردو:۔

منافقین خاموشی سے چلے گئے۔ دوسرے دن صبح ہی سے اُنہوں نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور شیطانی چالبازیوں کا آغاز کردیا۔ ان میں سے چند لوگ سادہ لوح انصار کے پاس پہنچے اور ادھر اُدھر کی گفتگو کے بعد ایک منافق بولا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس جنگ میں انصار نے کمال بہادری دکھائی:۔

سعدؓ بن عبادہ کس بے جگری سے لڑے ہیں۔ اور انہیں پر ہی کیا موقوف ہے خارجہؓ۔ ثابتؓ۔ غلیانؓ۔ زبیرؓ بن العوام۔ ابو ایوبؓ یہ تمام انصاری بڑے جوش اور بہادری سے لڑے۔ سچ پوچھو تو یہ فتح انصار ہی کے دم قدم سے ہوتی ہے:۔

دوسرے منافق نے کہا۔ تم کہے جاؤ۔ لیکن مہاجرین تو اسباب کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ۔ حضرت صدّیق اکبر۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور دوسرے مہاجرین کی سرفروشی سے فتح نصیب ہوئی ہے۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا۔ بھائی انصار ہوں یا مہاجرین دونوں خوب لڑے۔ دونوں ہی کد وکاوش سے فتح نصیب ہوئی ہے:۔

پہلے منافق نے کہا۔ ہم سب انصاریوں کا یہی خیال ہے۔ مگر اکثر مہاجرین کو اپنی ذات اور اپنے طبقہ پر بڑا غرور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انصار بھی ہوتے۔ تو فتح یقیناً ہماری ہی ہوتی"۔

چونکہ منافقین بھی مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اسلیئے وہ بھی انصار کہلاتے تھے۔ دوسرے منافق نے کہا۔ یہ ان کا بے جا ناز ہے۔ آج تک وہ انصار ہی کی بدولت ترقی کر رہے ہیں۔ کیا وہ اس بات کو بھول گئے ہیں۔ کہ جب مدینہ میں آئے تھے۔ تو ایک وقت کے کھانے کا سامان بھی اُن کے پاس نہ تھا۔ ہم نے ہر طرح سے ان کی اعانت کی۔ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر انھیں کھانے پینے کو دیا۔ آج وہ باتیں بناتے ہیں۔ خدا کی قسم! ہماری ہی بدولت انہوں نے آرام پایا ہے۔ ہماری ہی وجہ سے انھیں فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔ نیز ہمارے ہی دم قدم سے ان کا رُعب داب قائم ہوا ہے۔

سادہ لوح انصار کے دلوں میں مہاجرین کی طرف سے کدورت پیدا ہو گئی ان میں سے چند لوگوں نے کہا۔ بے شک یہی بات ہے۔ مہاجرین کی طاقت نہ پہلے تھی۔ نہ اب ہے۔ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ سب ہماری ہی وجہ سے ہے۔ جس روز ہم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ مہاجرین کچھ بھی نہ کر سکینگے"۔

دُوسرے منافق نے کہا۔ یہی بات ہے۔ میرے خیال میں ہم انصار کو مہاجرین سے چند روز کے لیئے عدم تعاون کر لینا چاہیئے۔ تاکہ ان پر حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور ان کے دماغوں سے انکی قوت و طاقت کا گھمنڈ نکل جائے"۔

ایک انصاری نے کہا۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ منافق نفاق کی چنگاری ڈال کر علیحدہ ہو گئے۔ انصار میں اس بات کا چرچا ہوا۔ ہر شخص مہاجرین سے کھینچنے لگا۔

ادہر منافقین کی دوسری جماعت نے مہاجرین کو جا اُبھارا۔ وہ بھی انصار سے کشیدہ ہو گئے۔ اِس کشیدگی کا یہ نتیجہ ہُوا۔ کہ مہاجر اور انصار میں بے لطفی پیدا ہو گئی۔ شکر رنجی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک فریق دوسرے فریق کو بُرا کہنے اور بُری نظروں سے دیکھنے لگا:۔

منافق اپنا افسوں کارکر ہوتے دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اُنہوں نے کوشش کی۔ کہ یہ نفاق کی چنگاری بُجھنے نہ پائے۔ بلکہ اندر ہی اندر پھیلتی رہے۔ اور اس قدر پھیلے۔ کہ اُس کے شعلے بلند ہو کر اسلام کی قومیت کی تعمیر کو جلا کر خاکستر دے اور مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے قعرِ مذلّت میں جا پڑیں:۔

نفاق ایسا تباہ کُن اثر اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ جس قوم یا جس ملک میں ڈیرے خیمے ڈالتا ہے۔ اس قوم اس ملک کو تباہ کیئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ کوئی قوم خواہ وہ کتنی ہی قلیل تعداد میں کیوں نہ ہو۔ اور کوئی ملک خواہ وہ کسی قدر چھوٹا کیوں نہ ہو۔ کبھی برباد نہیں ہوتے۔ جب تک ان میں نفاق کا گذر نہیں ہوتا"!

تاریخیں بتاتی ہیں۔ کہ بڑے بڑے حکمران فرمانروا اور طاقتور قومیں نیز وسیع ملک نفاق ہی کی لعنت میں گرفتار ہو کر چشم زدن میں فناہ ہو گئے۔ ہمیشہ ان ممالک واقوام نے ترقی کی ہے۔ جو اتفاق کی برکت سے بہرہ اندوز ہوتے رہے ہیں۔ بدقسمتی سے شیطان سیرت منافقین نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں انصار اور مہاجرین میں نفاق کی چنگاری ڈالدی اور وہ اندر ہی اندر سُلگنے لگی ہر

ہر انصاری ہر مہاجر سے کشیدہ خاطر ہو گیا۔ بڑے بڑے بزرگ اس رو میں بہہ گئے۔ اور انہوں نے اصل حقیقت کا سراغ نہ لگایا۔ ایک روز اس جگہ قیام کر کے دوسرے روز لشکر اسلام نے کوچ لیا۔ چونکہ انصار اور مہاجرین ایک دوسرے سے کھنچنے لگے تھے۔ اسلیئے ان میں اخوّت و محبت کی وہ جھلک

نظر نہ آتی تھی۔ جو اسلام کی شان اور مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہے ؎

دو تین منزل چل کر یہ لشکر ایک نخلستان میں خیمہ زن ہوا۔ مہاجر اور انصار اس قدر کشیدہ ہو گئے تھے۔ کہ وہ ایک دوسرے سے کلام نہ کرتے تھے

رات ہوتے ہی لشکر نے عشا کی نماز پڑھی اور کھانا کھا کر سفر کرنے لگا"۔

اتفاق سے حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لیئے نخلستان سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ٹیلہ کی آڑ میں بیٹھی لشکر کو کوچ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ چونکہ پردہ کرنے کا حکم خدا کی طرف سے نازل ہو چکا تھا۔ اسلیئے خواتین اسلام مسلمانوں سے پردہ کرتی تھیں ؎

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیئے ایک محمل تیار کیا گیا تھا۔ اور وہ اس محمل میں سوار ہو کر سفر کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے خیال کر لیا تھا۔ کہ جب محمل اونٹ پر رکھا جائیگا تو ان کی عدم موجودگی ظاہر ہو جائیگی۔ اور ان کی سواری کے محافظ ان کے انتظار میں رُک جائیں گے۔ اسلیئے وہ اطمینان سے رفع حاجت کرتی رہیں۔ جب فارغ ہو کر اٹھیں۔ تو ان کا ہار جھاڑی سے اُلجھ کر ٹوٹ گیا۔ اور موتی بکھر گئے ؎

یہ ہار ان کی ہمشیرہ کا تھا۔ چونکہ پرائی چیز تھی۔ اسلیئے وہ بیٹھ کر موتی چننے لگیں۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ تمام ریگ زار پر چاندنی کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔

حضرت عائشہؓ چاندنی میں موتی چن رہی تھیں۔ اس میں ان کا زیادہ وقت صرف ہو گیا۔ جب تمام موتی مل گئے۔ تو وہ چلیں اور نخلستان میں تشریف لائیں یہاں آکر دیکھا۔ تو تمام لشکر روانہ ہو چکا تھا ؎

آپکو بڑا فکر ہوا۔ آپ مدینہ کی طرف پیادہ پا روانہ ہوئیں۔ اس خیال سے کہ شاید لشکر تک پہنچ جائیں۔ لیکن ایک میل چلتی رہیں۔ اس پر بھی لشکر کا کوئی نشان

نظر نہ آیا۔ آپ رضؓ کو بڑا تردد ہوا:۔

چونکہ آپ کثرت سے روزے رکھتی تھیں۔ اسلئے دُبلی تھیں نقاہت اور کمزوری بھی بڑھی ہوئی تھی۔ آپ زیادہ چل نہ سکیں۔ اور سرراہ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئیں۔ آپؓ کو اس بات کا بڑا رنج ہوا تھا۔ کہ محمل برداروں نے محمل اونٹ پر رکھدیا اور یہ نہ دیکھا۔ کہ آپ اس میں سوار ہیں یا نہیں"!۔

بات یہ ہوئی۔ چونکہ حضرت عائشہؓ نازک اندام اور ہلکی پھلکی تھیں۔ اسلئے محمل برداروں کو یہ معلوم ہی نہ ہوا کہ آپؓ اُسکے اندر موجود ہیں یا نہیں۔ اُنہوں نے محمل اونٹ پر کس دیا۔ اور لشکر کے ہمراہ روانہ ہو گئے:۔

حضرت عائشہ تھوڑی دیر ٹیلہ پر بیٹھیں کیف آگیں چاندنی کا نظارہ کرتی اور ہوا کے خوشگوار جھونکوں سے لطف اندوز ہوتی رہیں:۔

وہ جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتیں ریتلا میدان دُور تک پھیلا ہوا اور اس پر چاندنی کی سفید چادر بچھی ہوئی نظر آتی تھی۔ جب بیٹھے بیٹھے زیادہ دیر ہو گئی تو نیند نے غلبہ کیا۔ آپؓ وہاں پر لیٹ گئیں۔ لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ تمام رات نہایت آرام سے سوتی رہیں۔ جب آنکھ کھلی تو سُنا کوئی کہہ رہا ہے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) یعنی جو کچھ ہے اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے"۔ ہائے یہ اُمّ المومنینؓ کیسے مرگئیں۔ حضورؐ اِسکی لاش کیسے چھوڑ گئے:۔

چونکہ سوتے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے روئے منور سے دوپٹہ کا آنچل سرک گیا تھا۔ اسلئے چہرۂ تاباں نظر آ رہا تھا۔ گیسوئے پیچاں بل کھا کر چاند سی پیشانی پر جھک آئے تھے:۔

حضرت عائشہ اس آواز کو سُنکر گھبرا گئیں جلدی سے اٹھیں اور منور چہرہ کو آنچل سے چھپا لیا۔ اُنہوں نے دیکھ لیا تھا کہ صفوان بن معطل اونٹ کی مہار پکڑے

سامنے کھڑے ہیں۔ صفوان بن معطل کے سپرد یہ خدمت تھی۔ کہ وہ لشکر کی قیام گاہ سے صبح کے وقت چلتے تھے۔ اور پڑاؤ کا خوب جائزہ لیتے تھے۔ کہ آیا کسی کی کوئی چیز پڑی تو نہیں رہ گئی ہے۔ اگر کسی کی کوئی چیز پڑی رہ جاتی تو وہ اُٹھا کر اس کے مالک تک پہنچا دیا کرتے۔ آج بھی وہ صبح ہونے کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر چلے آرہے تھے۔ اُنہوں نے ام المومنین رضی کو اس وقت دیکھا تھا یا سو وقت سے جانتے تھے۔ جب کہ پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اور ام المومنین پردہ نہ کیا کرتی تھیں۔

اُنہوں نے حضرت عائشہ رضی کو محوِ خواب دیکھ کر یہ خیال کیا تھا۔ کہ شاید آپ کا وصال ہو گیا۔ اسلئے انہوں نے آیۂ استرجاع پڑھی۔ اور اس آیۂ شریفہ کو سنکر ہی اُمّ المومنین کی آنکھ کھلی تھی۔ حضرت عائشہ رضی کو اٹھ کر بیٹھتے دیکھ کر صفوان بن معطل کو بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا! الحمد للہ! فوراً انہوں نے اونٹ بٹھایا اور ام المومنین کو سوار ہونے کے لئے کہا۔ ام المومنین نے ان سے کوئی بات نہ کی۔ وہ اٹھیں اور بدن کو چرائے ہوئے اونٹ کی طرف چلیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی بہت کم سخن اور شرمیلی تھیں۔ کسی سے بات تک نہ کرتی تھیں۔ لہٰذا آپ نے صفوان سے بھی کوئی بات نہ کی۔ چپ چاپ اٹھ کر اونٹ کے پاس آئیں۔ اور جوں توں کر کے سوار ہوئیں۔ صفوان نے مہار پکڑی اور پیادہ پا چل پڑے"!

یہ دونوں سارا دن سفر کر کے اس جگہ پہنچے جہاں لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ عصر کا وقت تھا۔ اگرچہ دھوپ اس وقت بھی تیز پڑ رہی تھی۔ مگر اسکی تمازت میں بہت کچھ کمی ہو گئی تھی۔ لشکر کے کنارہ پر منافقین کے آدمی خیمہ زن تھے۔ عبداللہ منافق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی کو تنہا اونٹ پر آتے دیکھا۔ اس وقت اُس کے پاس حسان بن ثابت شاعر اور مسطح بن اثاثہ بیٹھے تھے۔ عبداللہ منافق نے ان دونوں سے کہا تم دیکھتے ہو کہ حضرت عائشہ جو ام المومنین کہلاتی ہیں۔ تنہا صفوان کے ہمراہ آرہی ہیں؟

حسان نے کہا۔ ہاں دیکھا۔ اور دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ مسطح نے کہا: تعجب کی کیا

بات ہے۔ یقیناً حضرت عائشہ صدیقہ دیدہ و دانستہ پیچھے رہ گئیں۔ اور اَب صفوان کے ہمراہ آئی ہیں۔ عبداللہ منافق نے کہا۔ یہی میں بھی کہتا ہوں۔ آخر لشکر سے پیچھے اور تنہا رہ جانے کے کیا معنی؟۔

حسّان نے کہا۔ بڑا بُرا زمانہ آگیا ہے۔ نبی کی بیوی اور ایسی باتیں؟۔

مسطح نے کہا۔ کوئی ام المومنین ہو یا نبی زادی۔ عورت آخر عورت ہے۔ اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتی:۔

عبداللہ منافق نے کہا۔ بڑے شرم و غیرت کی بات ہے۔ اِس بات کو تمام انصار اور مہاجرین میں مشتہر کر دیا جائے۔

مسطح نے کہا۔ میں تو سب پہلے خدا کے رسُول سے یہ ماجرا کہتا ہوں۔ دیکھوں وہ کیا جواب دیتے ہیں"!۔

عبداللہ منافق بولا۔ ضرور کہو میں اور حسّان لوگوں سے اس کا چرچا کرینگے۔ جس بات کو میں چاہتا تھا۔ وہ آج نصیب ہوگئی۔ حضرت عائشہ کو بدنام کرنے کے لئے اس سے اچھا موقعہ اور کونسا ہو سکتا ہے:۔

اس قرار داد کے بعد یہ تینوں اُٹھے۔ اور شیطانی تبلیغ کرنے کے لئے لشکر میں گھس گئے۔ عبداللہ منافق اور حسّان شاعر نے لوگوں سے اِس بات کا تذکرہ شروع کر دیا۔ کہ اونٹ ابھی تک جا رہا تھا۔ اور حضرت عائشہؓ اس پر سوار نظر آ رہی تھیں۔ اسلئے لوگوں جیرت سے دیکھا۔ اور طرح طرح کے چرچے شروع کر دیئے:۔

مسطح سیدھا آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت آنحضورؐ خیمہ کے اندر بیٹھے تھے۔ اور کوئی آپ کے پاس نہ تھا۔ تنہا تھے۔ حسان نے جاتے ہی کہا۔

یا رسول اللہ خیمہ سے باہر نکلکر دیکھئے! ام المومنین حضرت عائشہ لشکر سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ اور اب صفوان کے ساتھ آئی ہیں:۔

آنحضورؐ کو یہ خبر سُن کر کچھ رنج ہوا۔ آپ نے فرمایا حسان! شاید وہ عائشہ نہ ہوں اور تم کو غلط فہمی ہوئی ہو۔"

حسان نے کہا۔ خدا کی قسم حضرت عائشہ ہیں۔ چل کر دیکھ نہ لیجیے۔ تنہا پیچھے رہ جانے اور صفوان کے ساتھ آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے جو یہ تو بڑے شرم کی بات ہے۔ بنی کی بیوی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

آنحضور صلعم بے اختیار اُٹھے۔ خیمہ سے باہر آئے اس وقت صفوان اونٹ کو بٹھا رہا تھا۔ حضرت عائشہ اونٹ پر سوار تھیں۔ حسان بھی پیچھے ہی خیمہ سے نکل آیا تھا۔ اس نے کہا۔ حضورؐ! دیکھا۔ یہ بات ام المومنینؓ کے شایان شان ہے؟۔

خدا کی قسم بُری بات ہے۔ تمام انصار و مہاجرین میں اس بات کا چرچا شروع ہو گیا ہے۔

حضرت عائشہ کو دیکھ کر اور حسان کی باتیں سُن کر آنحضور صلعم کے دل کو سخت اذیت پہنچی۔ آپؐ فکرمند ہو کر خیمہ کے اندر چلے گئے۔ حسان بھی پیچھے ہی پہنچا۔ اُس نے کہا۔ حضورؐ رنج نہ کیجیے۔ عورت پھر عورت ہے۔ ایسی عورتوں سے قطع تعلق بہتر ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا"!

حسان! اس وقت مجھے خلوت کی ضرورت ہے"؟۔

حسان چلا گیا۔ آنحضور صلعم غور و فکر میں مبتلا ہو گئے۔"

چھٹا باب (۶)

عصمت مآبی کی خدائی شہادت

چونکہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ دن بھر تیز دھوپ اور مسموم ہوا میں سفر کرتی رہی تھیں۔ اسلئے شام کے وقت اُنھیں بخار ہو گیا۔ اور ایسا سخت بخار ہُوا۔ کہ غافل ہو گئیں۔ رات کو جب لشکر نے کوچ کیا۔ تو اُنھیں محمل میں لٹا کر سفر شروع کیا گیا۔

عبداللہ منافق اور اُسکے شیطان سیرت حاشیہ نشیں حسان اور مسطح نے تمام لشکر میں کچھ ایسی تبلیغ کی کہ ہر شخص ام المومنین سے بدظن ہو گیا۔ اور تو اور خود آنحضور صلعم پر اِن دشمنان ناموس و ننگ کا جادو چل گیا۔ اور حضور اکرم بھی حضرت عائشہ ام المومنین سے کچھ کبیدہ خاطر ہو گئے:۔

چونکہ مدینہ اب قریب ہی رہ گیا تھا۔ اِسلئے دوسرے ہی دن یہ فاتح لشکر مدینہ میں داخل ہو گیا۔ مدینہ کے مسلمانوں نے اس لشکر کا نہایت پُرجوش خیر مقدم کیا:۔

جس وقت لشکر اسلام مدینہ منورہ میں داخل ہو رہا تھا۔ عبداللہ کا بیٹا عبداللہ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے اپنے باپ سے کہا۔ اے منافقوں کے سردار! تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے:۔

عبداللہ منافق کو یہ سُنکر بڑا غصہ آیا۔ اُس نے غضبناک ہو کر کہا۔ ناخلف تو مجھے روکتا ہے۔ کس وجہ سے؟۔

عبداللہ نے کہا۔ اس وجہ سے کہ تم منافق ہو۔ تمہارے دل میں کچھ اور ہے۔ اور

زبان پر کچھ اور! تم ظاہر و باطن یکساں نہیں رکھتے۔ تم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہو۔ اپنی شادی کے خواب دیکھتے ہو۔ تمہاری ذات سے کسی بڑے فتنہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے"!

عبداللہ منافق نے کہا۔ بدبخت! اگر تو میرا بیٹا نہ ہوتا۔ تو اس شمشیر آبدار سے تیرا سر اڑا چکا ہوتا"۔

عبداللہ نے کہا۔ تم مجھے قتل کر ڈالو۔ لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں نہ کرو۔ تمہاری سازشوں سے رسُول خدا کے دل کو اذیت پہنچے۔ تم نے انصار اور مہاجرین میں بے لطفی پیدا کر دی ہے۔ میں تم اور تمہاری جماعت کو ہرگز ہرگز مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا"!۔

عبداللہ منافق نے کہا! میرے گمراہ بیٹے! تجھے معلوم ہے۔ کہ تمام اہلِ مدینہ مجھے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے پر آمادہ تھے۔ میرے لئے تاج بنوایا جا چکا تھا۔ مجھے حکومت تفویض ہونے والی تھی۔ ان مسلمانوں کے آنے کی وجہ سے میری شاہی تعویق میں پڑ گئی ہے۔ اگر میں شاہی حاصل کرنیکی کوشش نہ کروں تو دنیا مجھے پست ہمت انسان کہے گی:۔

عبداللہ نے بگڑ کر کہا۔ مسلمانوں اور خدا کے رسُول کو نقصان پہنچا کر حکومت حاصل کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے:۔

عبداللہ منافق نے کہا۔ حصُولِ جاہ و سلطنت کے لئے کوئی کوشش حماقت آفرینی پر محمُول نہیں سمجھی جاتی:۔

اس عرصہ میں بہت سے مسلمان اس جگہ جمع ہو گئے۔ منافقین کا دستہ عبداللہ منافق کے ساتھ تھا۔ کسی طرح سے آنحضورؐ کو بھی اس واقعہ سے اطلاع ہو گئی۔ آپؐ فوراً واپس تشریف لائے:۔

آپ نے صورت حالات سے باخبر ہونے کے بعد فرمایا۔ عبداللہ! تم اپنے اور اُس کے ساتھیوں کو مدینہ میں داخل ہونے سے نہ روکو۔ یہ سب مسلمان ہیں:۔

عبداللہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ یہ منافق ہیں۔ مسلمانوں کے لباس میں مشرک ہیں۔ جاہ پسند حریص ہیں۔ ضمیر فروش غدار ہیں۔ انھیں اسلامی حقوق حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ نہیں ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ لیکن عبداللہ! یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔ نماز ادا کرتے ہیں۔ مسلمان کہلاتے ہیں۔ مسلمانوں کے بہی خواہ نہ ہوں۔ تاہم اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں۔ اسلئے اُنہیں وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو دوسرے مسلمانوں کو ہیں۔ اِن کا راستہ نہ روکو:۔

چند مسلمانوں نے کہا حضور یہ فریبی اور دغاباز ہیں۔ حریص اور خود غرض ہیں مسلمانوں میں نفاق ڈالنا چاہتے ہیں۔ ایسے منافقوں کو مدینہ منورہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مسلمانوں سنو جو شخص مسلمان ہے اور اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے ہم اُسے اپنی ہمت سے الگ نہیں کر سکتے۔ تم راستہ سے الگ ہٹ جاؤ اور عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے نہ روکو! اب کسے چون چرا کی تاب ہو سکتی تھی۔ سب لوگ علیحدہ ہو گئے:۔

آنحضور صلعم چلے اور آپ کے پیچھے عبداللہ اور اس کے ساتھی مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بخار ہو گیا تھا۔ وہ محمل میں آرام فرمارہی تھیں۔ محمل حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پر جا کر رُکا:۔

حضرت عائشہ کو اتارا گیا۔ خیال یہ کیا گیا کہ راستہ کے کسل کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے۔ دو چار روز میں تکان دور ہونے کے بعد خود ہی بخار اتر جائیگا۔ لیکن ایک ہفتہ گزرنے پر بھی بخار میں کمی واقع نہ ہوئی:۔

اس سے قبل بھی اکثر حضرت عائشہ صدیقہ کو بخار آیا تھا۔ اور آنحضور نے ہر زمانہ میں ان کی تیمارداری کی تھی۔ گھنٹوں آپکے پاس بیٹھکر تسلی آمیز باتیں کرتے رہتے تھے۔ لیکن اِس مرتبہ آنحضور صلعم کبھی دو گھڑی کے لیئے بھی پاس نہ بیٹھے۔ عیادت کے لیئے تشریف لاتے تھے۔ گھر والوں کو سلام کہتے اور مکان کے صحن میں کھڑے ہو کر دریافت فرماتے"!۔

اے صدیق کے گھر والو! اب تمہاری بیمار کیسی ہے۔ لوگ جو کیفیت ہوتی۔ بیان کر دیتے۔ آپ واپس تشریف لے جاتے"!۔

حضرت عائشہ صدیقہ کو کچھ خبر نہ تھی۔ کہ ان پر کیا بہتان باندھا گیا ہے۔ وہ حیران تھیں کہ آنحضور صلعم کی بے التفاتی کیوں ہے۔ ایک تو وہ بیمار تھیں دوسرے آنحضور صلعم کی بے التفاتی کا رنج کرتیں :۔

اس سے مرض بڑھتا گیا۔ عورت کو قدرتاً شوہر سے محبت ہوتی ہے۔ عصمت مآب خواتین شوہر کو سرتاج مانتی ہیں۔ ان کے چشم و ابرو کے اشاروں پر چلتی ہیں:۔

ان کے بگڑے ہوئے تیور دیکھکر غمگین ہو جاتی ہیں۔ کوشش کرتی ہیں کہ ملال کی وجہ دریافت کر کے بنائے ملال دور کر دی جائے۔ ایسی خواتین سے خدا اور خدا کا رسُول خوش ہوتے ہیں۔ اور وہ جنت کی حقدار ٹھہرادی جاتی ہیں۔

جو بیبیاں اپنے شوہروں کو دق اور پریشان کرتی ہیں۔ ان کا کہنا نہیں مانتیں خدا اور خدا کا حبیب دونوں ان سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایسی بیبیاں دوزخ میں داخل کی جائیں گی :۔

حضرت عائشہ کو اپنی بیماری کی بالکل پرواہ تک نہ تھی۔ اُنھیں رنج تھا تو آنحضور صلعم کے برہمیٔ مزاج کا۔! جب آنحضور صلعم مکان میں تشریف لاتے تو

حضرت عائشہ کو اُمید ہوتی کہ شاید آنحضور صلعم اُن کے پاس آوینگے۔ لیکن جب آپؐ صحن سے ہی دریافت فرما کر چلے جاتے۔ تو حضرت عائشہ کے کلیجہ پر دھکا سا لگتا۔ دل بحرِ الم میں ڈوب جاتا۔ اور بیماری اور ترقی کر جاتی "!

حضرت عائشہ سخت حیران تھیں۔ کہ آخر اس بے التفاتی اور عدم توجہی کی کیا وجہ ہے۔ ان سے کیا غلطی سرزد ہوگئی ہے جس سے فخرِ عالم ناراض ہو گئے۔ ہزار غور کرتیں، بہت کچھ سوچتیں۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی :۔

یہ بات ایسی بھی نہ تھی۔ کہ کسی سے اِس کا تذکرہ کرتیں۔ نیک عورتیں اپنے گھر کی بات باہر نہیں نکلنے دیتیں، گھریلو باتیں کسی غیر کے سامنے بیان کرتے ہوئے شرمایا کرتی ہیں۔ یہ ایمان کی نشانی ہے :۔

وفا پرست اور شوہر کی فرمانبردار خواتین شوہر سے شکر رنجی کے واقعات کسی سے نہیں کہتیں، کیونکہ اس میں وہ اپنی۔ اپنے شوہر کی۔ سارے خاندان کی ہتک سمجھتی ہیں۔ بات بھی دراصل یہی ہے۔ اس سے اپنے گھر اور اپنے شوہر کے تعلقات غیروں پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور آخر میں پچھتانا پڑتا ہے :۔

شوہر کی شکر رنجی برائے چندے ہوتی ہے۔ مثل مشہور ہے۔ کہ میاں بیوی کی لڑائی ہی کیا۔ جب صلح ہو جاتی ہے۔ تو افسوس ہوتا ہے۔ کہ کیوں دوسروں سے شوہر کی کشیدگی کے واقعات بیان کیئے :۔

سچ پوچھو تو اس سے فائدہ بھی کچھ نہیں ہے۔ ایسی ہستیاں تو بہت کم ہوتی ہیں جو دور روٹھے ہوؤں کو منانے کی کوشش کریں۔ اور ایسے لوگ بھی کم ہوتے ہیں جو کسی کا دردِ دل سُنکر دل ہی میں رکھ سکیں۔ ہاں ایسی مخلوق زیادہ ہے۔ جو مذاق اڑائے اور ایسی عورتوں کو سارے زمانہ میں بدنام کردے۔ اس سے دُنیا کی رسوائی کے علاوہ عاقبت کی رسوائی باقی رہ جاتی ہے :۔

خدا بھی اُس خاتون سے ناخوش ہوتا ہے۔ جو اپنے خاندان یا اپنے شوہر کی باتیں دوسروں پر ظاہر کر دیتی ہیں۔ قیامت کے روز اُن کا یہ جُرم ساری خلقت کے سامنے بیان کیا جائے گا۔ اِس سے عاقبت میں رسوائی ہوگی۔ اور اگر شوہر نے اُس کے قصور کو معاف نہ فرمایا۔ تو سزا الگ ملے گی:۔

حضرت عائشہ نہایت سنجیدہ اور متین تھیں۔ صابر اور شاکر بھی تھیں۔ آنحضورؐ کی عدم توجہی پر سنجیدگی سے غور کرتیں۔ اور صبر و شکر کر کے خاموش رہ جاتیں:۔

ایک روز رات کو وہ قضائے حاجت کے لیئے مکان سے نکلکر میدانؔ کی طرف چلیں۔ ام مسطح ان کے ساتھ تھیں۔ مدینہ سے نکل کر ایک میدان میں رفع حاجت کی اور دونوں واپس لوٹیں۔ اتفاق سے ام مسطح کا پاؤں چادر میں اُلجھ گیا۔ اور وہ گر پڑیں:۔

چونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نحیف و نزار تھیں۔ ان میں ام مسطح کو اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ وہ کھڑی ہو گئیں۔ ام مسطح خود ہی اُٹھیں۔ اُٹھتے وقت بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ تعسَ مسطح (مسطح ہلاک ہو)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔ اے ام مسطح! یہ بڑی بُری بات ہے۔ کہ تم اس شخص کو بُرا کہتی ہو۔ جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے:۔

ام مسطح نے کہا نادان عائشہ! تجھے واقعات کا علم نہیں ہے۔ بھولی اور ناتجربہ کار خاتون کیا تو نہیں دیکھ رہی ہے۔ کہ آنحضور صلعم تجھ سے کبیدہ خاطر ہیں۔ حضرت

لہ جس زمانہ کا حال ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں بیت الخلاء گھروں میں نہ تھے۔ اگرچہ پردہ کا حکم آگیا تھا۔ لیکن معاشرت میں اس قدر ترقی نہ ہوئی تھی۔ عورتیں گھروں سے نکل کر رات کے وقت قضائے حاجت کے لیئے جنگلوں اور میدانوں میں جایا کرتی تھیں۔

(صادق صدیقی)

عائشہ نے کہا:۔

ہاں دیکھ رہی ہوں لیکن اس سے مسطح کا کیا تعلق! ام مسطح نے کہا غریب اور کم بخت عائشہ جب تو غزوۂ بنو المصطلق سے واپس آتے ہوئے ایک شب کو پیچھے رہ گئی تھیں اور صفوان کے ساتھ آئی تھی۔ اس مسطح اور اس کے رفقاء کار نے تجھ پر بہتان باندھا تھا۔ آنحضور صلعم اور تمام مسلمان اسی روز سے تجھ سے بدظن ہیں۔ یہ سنتے ہی عائشہ کے دل پر بجلی سی گری۔ وہ تھر تھر کانپنے لگیں۔ اور شرم و غیرت سے دل جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ دماغ میں سوزش ہوئی اور انہوں نے دلسوز آواز سے کہا۔ آہ! میرے خدا یہ رسوائی! اللہ میاں! اگر میں قصوروار ہوں تو مجھے دُنیا سے اٹھالے!۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ کہتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گریں۔ ام مسطح انکی یہ کیفیت دیکھکر گھبرا گئیں اور بے اختیار رونے لگیں۔ انہوں نے کہا۔ خدایا۔ ایسی نیک اور بھولی خاتون کو ابھی موت کی آغوش میں نہ جانے دیجیو"!۔

وہ ان کے پاس بیٹھکر اپنے آنچل اپنے آنچل سے انہیں ہوا دینے لگیں۔ چاندنی رات تھی۔ اور چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہُوا تھا۔ چاندنی ہر چیز پر جلوہ ریز ہو رہی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا چہرہ منور چاندنی میں سفید سفید چمک رہا تھا۔

حضرت عائشہ بیمار تھیں۔ کمزور تھیں۔ اس وقت اس جانکاہ خبر سے انہیں اور غم پہنچا۔ اور زیادہ غمزدہ ہو گئیں۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غم و الم کے ہجوم نے آپ کے جسم اطہر کا ایک ایک قطرہ خون چوس لیا۔

آپ بےحس و حرکت پڑی تھیں۔ سانس مشکل سے آرہا تھا چہرے کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ ام مسطح بالین پر بیٹھی زار و نزار رو رہی تھیں۔ انہیں اندیشہ نہیں۔ بلکہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ شاید حضرت عائشہ اس جانکاہ خبر سے جانبر نہ ہو سکیں۔ عرصہ تک بے ہوش

رہنے کے بعد انہیں ہوش آیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ اور ان کے لبوں سے کراہنے کے طور پر آواز نکلی۔ جب ذرا طبیعت ٹھکانے ہوئی۔ تو اٹھ کر بیٹھیں۔ اب ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ میرے علیم و بصیر خدا تو خوب جانتا ہے۔ کہ میں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ بلا قصور کے بدنام ہو گئی۔ یا بدنام کی جا رہی ہوں غیرت سے کٹ مرنے کا مقام ہے۔ کہ لوگ مجھ سے بدظن ہو گئے ہیں۔ آہ ...... کیوں تو مجھے موت نہیں دیتا! ...... ہائے کون مجھے بے قصور ثابت کرے گا۔ کون میری پاکدامنی کی شہادت دے گا۔

اللہ میاں! پیارے اللہ میاں تم سب کچھ جانتے ہو۔ جب میں بے قصور ہوں۔ تو کیوں میری بے گناہی ثابت کرے گا۔

حضرت عائشہ زار و نزار رو رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی ام مسطح بھی رو رہی تھیں۔ کچھ وقفہ کے بعد ام مسطح نے کہا۔ عائشہ نہ روؤ۔ مجھے یقین ہے۔ کہ خدا تمہاری بے گناہی ثابت کرے گا۔

حضرت عائشہ نے اپنے دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھے۔ اور ام مسطح کا سہارا لے کر کھڑی ہوئیں۔ وفور ضعف و غیرت سے ان کے پاؤں ڈگمگانے لگے۔ وہ ام مسطح کا سہارا لے کر چلیں، اور آہستہ آہستہ چل کر مکان میں پہنچیں۔ مکان میں جاتے ہی بستر پر پڑ کر پھر بے ہوش ہو گئیں۔

جب انہیں ہوش آیا۔ تو آفتاب جگمگا رہا تھا۔ سارے صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ تیمار دار پاس بیٹھے تھے۔ ام مسطح بھی بیٹھی تھیں۔ سب انہیں افسوس اور حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے آنکھیں کھولیں۔ اشارہ سے پانی مانگا۔ فوراً پانی دیا گیا۔ آپ نے پانی دیا۔ پانی پینے سے کچھ طبیعت سنبھلی۔ اسوقت آنحضور صلعم تشریف لے آئے۔ آج خلاف معمول حضور اکرمؐ اس کمرہ کے اندر آ گئے جہیں

ستم زدہ عائشہؓ پڑی تھیں۔ آپؐ نے دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر ام مسطح سے دریافت کیا:۔ ام مسطح! تمہاری بیمار کیسی ہے ؟۔

حضرت عائشہ نے حضورؐ اکرم کی آواز سُنی۔ بے قرار ہو کر حضورؐ کی طرف کروٹ لی حسرت آمیز نگاہ حضورؐ کے روئے مبارک پر نظر ڈالی۔ اور بے اختیار آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

جب کسی عصمت مآب خاتون کے دل پر چوٹ لگتی ہے، تو آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہا دیتی ہے۔ صنف نازک کے آنسوؤں کے قطرے اُسکے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں:۔

حضورؐ اکرم نے ان کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ اور جلدی سے اُس حجرہ سے یا کمرہ سے باہر نکل آئے، صحن طے کر کے مکان سے باہر نکلے۔ اور مسجد کی طرف چلے۔ راستہ میں حضرت علےؓ کرم اور حضرت اسامہؓ سے ملے۔ آپؐ انھیں ساتھ لیکر مسجد میں پہنچے۔ اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر اسامہؓ سے دریافت کیا۔ اسامہؓ تم نے وہ تمام باتیں سُنیں ہیں۔ جو عائشہؓ کے متعلق مشہور ہیں۔ اور تمہارا ان کے متعلق کیا خیال ہے ؟۔ اسامہؓ نے جواب دیا:۔

میں ان باتوں کو بہتان سمجھتا ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ حضرت عائشہ جیسی جلیل القدر ہستی سے سوائے خیر و خوبی کے کوئی اور بات سرزد ہو"!

آنحضورؐ نے حضرت علےؓ کرم سے استصواب فرمایا۔ علی کرم تم کیا کہتے ہو۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ حضور اسامہؓ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت صدیق اکبر کی بیٹی۔ قحافہ کی پوتی اور خدا کے رسول کی بیوی ہیں۔ ان کے متعلق کسی گناہ کا خیال کرنا بھی گناہ ہے یہ سب اتہام ہے۔ جو ان پر لگایا گیا ہے۔ حضور اس معاملہ کی وجہ بہت زیادہ مشوش نظر آتے ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ ہاں! میں بہت زیادہ فکرمند ہوں۔ نہیں جانتا۔ کہ کیا کروں۔

اور کیا نہ کروں ۔

حضرت علی رضؓ نے فرمایا حضور فکر و تردد نہ کریں ۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے علاوہ اور بہت سی عورتیں ہیں ۔ جو حضور اکرم کی ہمنشینی کو فخر سمجھتی ہیں ۔

آنحضور صلعم نے فرمایا ۔ مگر عائشہ صدیقہ ! ....

حضرت علی رضؓ نے فرمایا ۔ وہ بالکل بے گناہ معلوم ہوتی ہیں ۔ مزید اطمینان کے لئے اس کی خادمہ بریرہ سے دریافت فرمالیجئے !

آنحضور صلعم خاموش ہو گئے ۔ کئی روز کے بعد انہوں نے بریرہ کو طلب فرمایا ۔ جب وہ آئیں تو آنحضور نے پوچھا ۔ بریرہؓ عائشہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ۔

بریرہؓ نے کہا حضورؐ قیامت کے روز مجھے آپ کی شفاعت اور خدا کا دیدار نصیب ہو ۔ اگر میں ذرا بھی غلط کہوں ۔ یا جھوٹ بولوں حضرت عائشہ نہایت پاک دامن اور غیور ہیں ۔ بدمعاش اوباشوں نے ان پر بہتان باندھا ہے ۔ مگر وہ اس اتہام سے پاک و منزہ ہیں ۔

آنحضورؐ نے بریرہؓ کو رخصت کر دیا ۔ اگرچہ ان متواتر شہادتوں سے آپ کی تسلی ہو گئی تھی ۔ لیکن آپ ایسی گواہی چاہتے تھے ۔ جو حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کی ایسی شہادت دے سکے ۔ جس کی تردید ہی نہ ہو سکے ۔

کئی روز کے بعد آنحضور صلعم کے پاس ایک روز حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بیٹھے تھے ۔ آپؐ نے تینوں اصحاب سے دریافت کیا ۔ تمہارا عائشہ صدیقہ کے متعلق کیا خیال ہے ۔

تینوں نے یک زبان ہو کر کہا ۔ حضورؐ حضرت عائشہ کی پاکدامنی میں کسی کافر ہی کو شبہ ہوگا ۔ ان پر یہ طوفان اور بہتان باندھا گیا ہے ۔ بالیقین یہ افترا کافروں منافقوں اور بے دینوں نے پیدا کیا ہے ۔ یہ غیر ممکن ہے ۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ جیسی نیک خصلت

اور بھولی خاتون سے کوئی ناشائستہ فعل سرزد ہو۔

آنحضور بھی خاموش ہو گئے۔ اور روئے سخن بدل کر دوسری گفتگو شروع کر دی۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی۔ کہ آنحضور صلعم پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ کا روئے مبارک سرخ ہو گیا۔ آنکھیں چمکنے لگیں جسم اطہر پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ سب سمجھ گئے۔ کہ حضور پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد حضورؐ کی وہ کیفیت دور ہو گئی۔ آپ اپنے ہمنشینوں کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔

اس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے تھے۔ مجھ پر وحی کا نزول ہوا ہے۔ خدائے کون و مکان نے عائشہؓ کی معصومیت کی تصدیق کر دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بے صبری سے دریافت کیا:۔

اسوقت کیا وحی نازل ہوئی ہے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا۔ خدائے بزرگ و برتر ارشاد فرماتے ہیں۔

انّ الذین جاءو بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوہ شراً لکم بل ھو خیر لکم لکل امری منھم ما اکتسب من الاثم و الذی تولی کبرہ الخ۔ سورہ نور۔

یعنی تمہاری جماعت میں سے چند لوگوں نے بہتان کا طوفان اٹھایا ہے۔ تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو۔ بلکہ وہ اچھا ہے۔ ہر شخص جو کچھ کماتا ہے۔ وہ اسی کے لیے ہے اور جو شخص بڑی بات پر قائم رہے۔ اُسے بڑا عذاب پہنچے گا جس وقت مسلمان مردوں اور عورتوں نے اُسے سنا اُسکے متعلق اچھا خیال نہ کیا اور کیوں نہ انہوں نے کہا۔ کہ یہ بہتان ظاہر ہے۔ (الزام لگانے والے) کیوں چار گواہ نہ لائے۔ بس سمجھ لو یہ لوگ جھوٹے ہیں اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا۔ اور دنیا اور آخرت میں اسکی رحمت نہ ہوتی۔ تو جو بہتان تم نے شروع کیا ہے

اس سے سخت عذاب پہنچتا۔ جس وقت تم اس بات کو اپنے منہ اور زبانوں سے کہہ رہے تھے۔ جس کا تم کو علم نہ تھا۔ اور اس کے متعلق غلط گمان قائم کر لیا تھا۔ اور اُسے آسان سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ نزدیک اللہ کے بڑا ہے۔ اور کیوں نہ کہا تم نے جس وقت سُنا تھا۔ اس بُہتان کو کہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے۔ کہ ہم اس پر یقین کریں۔ نیز کیوں نہ کہا۔ کہ یہ بہت بڑا اتہام ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ کہ تم آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ایمان والے ایسا نہیں کیا کرتے"!

یہ صاف اور صریح آیات سُن کر تینوں بزرگ کمال خوش ہوئے۔ اور تینوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ خُدا کا شکر ہے کہ ہم نے اِس بہتان پر یقین نہیں کیا ہے۔ اور ہم خُدا کے غضب سے بچ گئے:۔

آنحضور صلعم نے اُسی وقت لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام مسلمان مسجدِ نبوی میں آ گئے۔ تو حضور اکرم منبرؐ پر تشریف لے گئے۔ آپؐ نے نہایت پُر اثر تقریر فرمائی۔ جب آپ نے حضرت عائشہ کے متعلق جو خدا کا کلام نازل ہُوا تھا پڑھا تو وہ سادہ لوح لوگ جو منافقوں کے کہنے میں آ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ پر شُبہ کرنے لگے تھے۔ بہت پشیمان ہوئے۔

وہ اسی وقت سر بسجُود ہو گئے۔ اور انہوں نے خداوند کریم سے اپنے گناہ کی معافی مانگی۔ اِس مجمع میں عبداللہ منافق اور اُس کے قریب کار مصاحب حسّان شاعر اور مسطح بھی موجُود تھے:۔

وہ یہ باتیں سُنکر اور مسلمانوں کی پشیمانی دیکھ کر بہت کڑھے۔ ان میں سے مسطح نے آہستہ سے کہا:۔

یہ تو بُرا ہوا تبلیغ کر کے جو پہاڑ ہم نے کھڑا کیا تھا۔ وہ ایک دم ریت کی دیوار کی طرح گر گیا:۔

عبداللہ منافق نے آہستگی سے کہا۔ فکر نہ کرو۔ اس سے ہماری اُمیدوں کا قصر منہدم نہیں ہو سکتا۔ ہوشیار معمار کی طرح ایوان اُمید تعمیر کرتے چلے جاؤ۔ کوئی عمارت تو ٹھہرے گی؛۔

اگر ڈیڑھ ماہ کے بعد آنحضور صلعم پر حضور اکرم کے خدا نے اصلی حقیقت منکشف کردی تو کیا ہُوا۔ اتنے عرصہ تک مسلمان متذبذب اور حضور اکرم متفکّر و پریشان تو رہے۔ اس عرصہ میں تبلیغ اسلام کا کام بھی نہیں ہو سکا اور یہ کچھ کم کامیابی نہیں ہے؛۔

حضور اکرم ابھی تک منبر پر رونق افروز تھے۔ جب مسلمان سجدوں سے فارغ ہوئے اور اظہار ندامت کے آنسو بہا چکے۔ تو آنحضور صلعم نے فرمایا۔

اتہام اور بُہتان بُری چیزیں ہیں۔ کسی بنی نوع انسان پر اتہام لگانا شیطانی فعل ہے۔ اس سے لوگوں کے دل مجرُوح ہوتے ہیں۔ دلوں کا مجرُوح کرنا خدا کے گھر کو منہدم کرنے کے مترادف ہے" !۔

جو اذیت دل کو پہنچتی ہے۔ اس سے روح کو صدمہ پہنچتا ہے۔ روح کے صدمہ سے تمام جسم متاثر ہوتا ہے۔ بہتان لگانے والوں سے خدا، خدا کے فرشتے۔ ساکنانِ ملاءِ اعلےٰ سخت بیزار ہوتے ہیں" !۔

چنانچہ اللہ بزرگ و برتر نے اتہام لگانے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

والذین یرمون المحصنٰت ثمّ لم یاتوا باربعة شھدآء فاجلدوھم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لھم شھادةً ابداً ج واولٰئك ھم الفٰسقون ٥

(سورۂ نور) یعنی جو لوگ پاکدامنوں کو تہمت لگاتے ہیں۔ اور چار گواہ نہیں لاتے ان کے اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ وہ لوگ فاسق ہیں۔

جب آنحضور صلعم نے یہ آیۃ تلاوت کی تو بہتان لگانے والے سخت خوفزدہ ہوگئے

سمجھ گئے کہ جو مذاق انہوں نے شروع کیا تھا۔ اسکی سزا اسّی درے ہیں۔ یہ سزا سخت تھی وہ کانپ گئے۔؀

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر کہا۔ یارسول اللہ بدکار منافقوں اور فاسقوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگا کر ان کے دل کو حضورؐ کے قلب کو اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو سخت اذیت پہنچائی ہے"!۔

خدائے عزوجل نے ایسے شیطان سیرت اوباشوں کے لئے اسّی دُرے سزا تجویز فرمائی ہے۔ کیوں نہ اتہام لگانے والوں کو یہ سزا دی جائے:۔

حضرت علیؓ نے کہا حضرت عائشہ پر جو اتہام لگایا گیا ہے۔ اِس سے صرف ام المومنین کی رسوائی ہی منظور یا مد نظر نہیں تھی۔ بلکہ اس سے مسلمانوں میں ایک فتنہ عظیم پیدا کر کے نفاق ڈالنا اور مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنا بھی مقصود تھا۔ نا اتفاقی پیدا کرنے والے کی سزا کم سے کم قتل ہونی چاہیئے۔ اس لئے ایسے فاسقوں اور منافقوں نیز مشترک خصلت مسلمانوں کو قتل کر ڈالنا چاہیئے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ بے شک ایسے شیطانوں کو قتل ہی کی سزا ملنا بہتر ہے!

آنحضور صلعم نے فرمایا۔

اگرچہ ایسے بدمعاش لوگوں کی یہی سزا ہونی چاہیئے۔ لیکن انسانی ہمدردی کا اقتضا یہ ہے۔ کہ اس مرتبہ انہیں معاف کر دیا جاوے۔ اور آئندہ کے لئے تنبیہ کر دی جائے۔

حسان اور مسطح نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ حضور اکرم! ہم بے شک گنہ گار ہیں۔ لیکن ہم سے یہ فعل لاعلمی کی حالت میں سرزد ہوا ہے:۔

"چونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ لشکر سے پیچھے رہ گئیں۔ اور صفوان کے ہمراہ تنہا آئی تھیں۔ اس لئے شیطان نے ہم کو ورغلایا۔ اور ہم بہک گئے! ہم نے ان

یہ بہتان لگایا۔ مگر خدائے قدوس نے بہتان کو بہتان ہی ثابت کر دیا۔

اگرچہ ہماری سزا قتل بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن حضور کمال رحم دل ہیں۔ یقین کامل ہے کہ حضور اپنی کریم النفسی سے اس مرتبہ ہمیں معاف کر دینگے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی معصومیت کی شہادت صاف و صریح طور پر خدا نے دے دی تھی۔ اس سے مسلمانوں کے شکوک مٹ گئے تھے۔ اب اتہام پر مہر تصدیق ثبت کر دی اس کے بعد منافقوں کو بھی کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی۔

حضرت عمرؓ نے آنحضور صلعم سے تخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ اے خدا کے برگزیدہ پیغمبر! خدا نے اپنے کلام میں بہتان لگانے والوں کے لئے جو سزا تجویز کی ہے۔ وہ بالضرور دریدہ دہن شیطانوں کو ملنی چاہیئے۔ مگر اس وقت حضورؐ نے عفو کرم سے کام لیا۔ تو آئندہ ایسے جرائم کا سدباب نہ ہو سکے گا۔

آنحضور صلعم نے کچھ سوچا۔ اور سوچنے کے بعد کہا۔ تم ٹھیک کہتے ہو عمرؓ شریعت پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اچھا اتہام لگانے والوں کے اسّی اسّی درے لگاؤ۔

یہ حکم سنتے ہی حسان اور مسطح تھرا گئے۔ خوف و دہشت سے ان کے چہرے زردی مائل ہو کر بھیانک سے معلوم ہونے لگے۔

اتہام لگانے والے چار آدمی تھے۔ چاروں کو بھری مجلس میں سزا دی گئی۔ کوڑوں کی مار نے بدن کی کھال ادھیڑ دی جس کام کو انہوں نے آسان اور مذاق سمجھا تھا۔ اور ان کی جان کے لئے عذاب ہو گیا۔

جسمانی اذیت و عقوبت کے علاوہ ذلت و رسوائی کی روحانی تکلیف بھی برداشت کرنا پڑی۔ اس کے بعد جلسہ برخاست کر دیا گیا۔ اور آنحضور صلعم حضرت صدیق اکبر کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ مکان میں داخل ہو کر سیدھے حضرت عائشہ صدیقہ کے کمرے میں پہنچے۔

حضرت عائشہ صدیقہ پر غفلت طاری تھی۔ وہ تیز بخار میں مبتلا تھیں۔ اور نحیف و نزار ہو چکی تھیں۔ کہ چادر اوڑھے ہونے پر بالکل یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے بستر پر چادر ڈال دی گئی ہو رہے۔

ام مسطح اب بھی ان کے بالین پر بیٹھی تھیں۔ حضور اکرم نے ام مسطح سے دریافت کیا کہ اب عائشہؓ صدیقہ کا کیا حال ہے۔

ام مسطح نے آنسوؤں کے چند قطرے گراتے ہوئے کہا۔ کوئی دم کی مہمان ہے۔

آنحضورؐ یہ سنکر گھبرا گئے۔ آپ نے دریافت کیا۔ مرض کی شدت ہے۔ یا کوئی اور شکایت ہے۔

ام مسطح نے جواب دیا۔ مرض تو ایسا سخت نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی روحانی تکلیف ہے۔

آنحضورؐ۔ کیا کچھ کھاتی پیتی ہیں؟

ام مسطح۔ کئی روز سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ صرف پانی کے چند قطروں پر زندگی گزار رہی ہے۔

آنحضور صلعم نے پوچھا! یہ بے ہوش کب سے ہیں۔

ام مسطح نے کہا۔ رات سے!

آنحضور صلعم بڑھے۔ جونہی حضور اکرم نے چادر کا پلہ پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ فوراً ہی حضرت عائشہ صدیقہ کو ہوش آگیا۔ انہوں نے خود ہی پلہ اپنے چہرہ سے سرکا کر حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اور نحیف آواز سے کہا!

میرے حضور! کیا میرا قصور معاف کر دیا؟

آنحضور صلعم پٹی پر بیٹھ گئے۔ اور آپ نے خندہ پیشانی سے قدرے متبسم ہو کر کہا۔ آپ کو عطیہ مبارک ہو۔ تمہاری پاکدامنی کی شہادت خدا نے دے دی ہے۔

تم پر اتہام باندھ لیا تھا۔ اور اتہام باندھنے والوں کو سزا دی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ میری روحانی اذیت دور ہو گئی۔

حضور صلعم نے کہا۔ عائشہؓ! میں تمہارے دل کو اذیت پہنچائی ہے۔ میں نادم ہوں یہ میرا قصور ہے۔ کیا تم میرے نادانستگی کے قصور کو معاف کر دو گی؟

حضرت عائشہؓ صدیقہ کے سفید چہرے پر جوش و شرم سے سرخی دوڑنے لگی۔ آپ نے فرمایا: میرے سرتاج! آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ واقعات نے آپ کو یقین کرنے پر مجبور کر دیا۔

آنحضور صلعم۔ بے شک یہ سچ ہے۔ لیکن مجھے تصدیق کرنا چاہیئے تھا۔ میں تصدیق نہ کر سکا۔ اور شک میں پڑ گیا۔ یہی میری غلطی ہے۔ اور اپنی غلطی کو قصور سمجھ کر معافی چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں نے معاف کر دیا۔ میرے حضور!

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ مکان جو کلبۂ احزان بنا ہوا تھا۔ دارالمسرت بن گیا:۔

ساتواں باب

کفار کی شوکت کا انتہائی مظاہرہ

قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جلاوطن ہو کر کچھ تو ملک شام میں چلے گئے تھے۔ اور کچھ خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ انھیں جلاوطنی کا بڑا رنج تھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہو گئے تھے۔ انھیں خوب معلوم تھا۔ کہ مشرکین عرب عموماً اور کفارِ مکہ خصوصاً مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ ذرا سی تحریک پر اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی پر آمادہ ہو جاتے ہیں:۔

چنانچہ ان کے بڑے بڑے لوگ مثلاً حی بن اخطب۔ سلام بن مشکم۔ کنانہ بن الربیع ہوذ بن قیس اور ابو عمارہ وغیرہ متفق و متحد ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ قریش مکہ کا اثر تمام عربی قبائل پر ہے۔ اگر ان کو جنگ پر ہموار کر لیا گیا تو سارے قبائل متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہونگے۔ اور پھر مسلمانوں سے آخری فیصلہ کن جنگ ہوگی۔ یا اس جنگ میں مسلمانوں کا کلی استیصال ہو جائیگا۔ یا مشرکین عرب ہمیشہ کے لئے دب جائینگے:۔

یہ وہ جانتے تھے۔ اور خوب جانتے تھے۔ کہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ اگر سارے مشرکین لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ تو مسلمانوں کو شکست یقینی ہے"!۔

مکہ میں پہنچکر انہوں نے اکابرین قوم سے ملاقات شروع کی۔ انھیں جنگ کی

ترغیب وتحریص دلائی۔ قریش مکہ گویا لڑائی کیلئے پہلے سے ہی آمادہ تھے۔ فوراً تیار ہو گئے:۔

انہوں نے چندہ کی فہرست کھول دی۔ والنٹیرز (رضاکار) بھرتی کرنے لگے شعراء اور مقررین اطراف ملک میں بھیجدیئے گئے جنھوں نے اپنی جادو بیانی سے تمام ملک میں جوش وغضب کی آگ بھڑکادی۔ ہر خاندان۔ ہر قبیلہ ہر بادیہ نشین اور ہر شہری عرب لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔ قرب وجوار سے لوگ مکہ میں آآ کر جمع ہونے لگے:۔

جب بڑی بھاری جمعیت فراہم ہو گئی۔ تو تمام قبائل کے سردار جمع ہو کر خانہ کعبہ میں پہنچے۔ اور سب نے اس بات پر حلف اٹھایا۔ کہ جب تک زندہ ہیں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت سے منہ نہ موڑینگے۔ اور اسلام کی بیخکنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے۔ نیز میدانِ جنگ میں جانے کے لیئے تیار تھے۔ ایک سعید روز لشکر کے کوچ کے لیئے مقرر کیا گیا۔ جب وہ دن آیا۔ تو مشرکین کا لشکر نہایت شان ودبدبہ کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف عازم سفر ہوا:۔

چونکہ خطیب اور مقرر اطراف ملک میں بھیجے گئے تھے۔ اسلیئے مشرک قبائل کے گروہ جوق در جوق آ رہے تھے۔ بنو سلیم۔ فزارہ۔ اشجع۔ بنو سعد اور بنو مرہ وغیرہ قبائل کے لوگ بھی آآ لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس طرح سے مقام مرا ظہران تک پہنچتے پہنچتے چوبیس ۲۴ ہزار کا عظیم الشان لشکر ہو گیا:۔

اگرچہ کفار نے کوشش کی کہ اس لشکر کی روانگی کا علم مسلمانوں کو اس وقت تک ہو جبتک کہ وہ مدینہ کے سامنے نہ پہنچ جائیں مگر یہ بات غیر ممکن تھی تمام ملک میں اس لشکر کی یورش کا چرچا ہو گیا۔ اور ہوتے ہوتے یہ خبر مدینہ میں بھی پہنچ گئی:۔

منافقین۔ یہودی اور کفار مدینہ اس خبر کو سُنکر کمال خوش ہوئے۔ اور انہوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا کلی استیصال ہو جائے گا۔ کیونکہ آج

تک جس قدر لشکر کشیاں ہوئیں ان میں اس قدر کفار شریک جنگ نہ ہوئے تھے۔ جس قدر اس لشکر کے ساتھ آرہے تھے۔ گویا انسانوں کا سیلاب سمندر کی جہاز شکن موجوں کی طرح اُٹھتا مدینہ کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا:۔

مسلمانوں کو جب اس لشکر کی آمد کا علم ہوا۔ تو قدرتاً ان کے دل متاثر ہوئے چونکہ انہیں کسی طرف سے کسی امداد وغیرہ کی اُمید نہ تھی۔ اور ان کی ساری تعداد بھی کفار کے لشکر کے مقابلہ میں چوتھائی بھی نہ تھی۔ لہذا ان کو بڑا فکر ہوا۔

آنحضور صلعم نے مدبرین اسلام کو بلا کر مجلس شورے منعقد کی۔ آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مسلمانو! کفر اسلام کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ کفار مسلمانوں کی بیخکنی کیلئے نت نئے عزم کر کے آتے ہیں:۔ اس مرتبہ تمام عرب نے اپنے منتخب اور بہادر جگر گوشے مسلمانوں کو دُنیا سے فناہ کرنے کے لئے مدینہ کیطرف روانہ کئے ہیں تمام مشرک قبائل متفق و متحد ہو کر ٹڈی دل کی طرح اُمڈ آئے ہیں:۔

یہ جنگ فیصلہ کن اور آخری معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ ہماری تعداد کم ہے۔ اور ہم کسی طرح سے بھی کفار کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے خصوصاً کھلے میدان میں لڑنا مسلمانوں کی طاقت سے باہر ہے:۔

مدینہ میں کوئی قلعہ بھی ایسا نہیں ہے۔ جس میں ہم پناہ لے سکیں۔ اور جنگ بھی ناگزیر ہے۔ ایسی صورت میں سوچ سمجھ کر مشورہ دو۔ کہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے بلا عظیم نقصان کے دشمنوں کا مقابلہ کیا جاسکے:۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مسلمان آجتک جتنی لڑائیاں لڑے ہیں۔ ان میں تعداد کی کثرت اور دنیوی قوت کو کوئی دخل نہ تھا۔ محض خدا کے بھروسے پر لڑتے رہے ہیں۔ اور خدا نے ہمیشہ ہر جنگ میں امداد فرمائی ہے۔ اب بھی خدا ہی پر بھروسہ رکھ کر جنگ شروع کر دیجئے۔ خدا مدد کرے گا۔ اگر خدا کو یہ منظور ہے کہ اس کا نام لینے

والے دنیا میں نہ رہیں۔ تو دُنیا کی کوئی قوت ہمیں نہیں بچا سکتی۔ لیکن اگر اسکی امداد شامل حال ہے۔ تو کفار کا آنے والا عظیم الشان لشکر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہمارا مرنا اور ہمارا جینا خدا اور صرف خدا کیلئے ہے۔ لہٰذا ہمیں بغیر کسی قسم کے خوف کے مردانہ وار مقابلے کے لیئے تیار رہنا چاہیئے:۔

حضرت علی کرم نے فرمایا۔ دنیا میں وہی قوم ترقی کر سکتی ہے۔ جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا جانتی ہے۔ ہر قربانی کیلئے تیار ہو جاتی ہے۔ دوسروں کا سہارا نہیں ڈھونڈتی۔ اسلام ہمیں غیر اللہ کی اعانت سے روکتا ہے۔ دشمن زیادہ ہیں تو ہوں۔ ہمارا کام لڑنا اور خدا کا کام اپنے پرستاروں کی امداد کرنا ہے۔ ہمیں بغیر کسی خوف اور اندیشہ کے لڑائی کے لیئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ جب ہم حق پر ہیں تو بالضرور خدا حق کی فتح کریگا۔ نہ ہمیں قلعہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی حصار کی حاجت"!۔

حضرت ابُو بکر صدیق اکبر نے فرمایا۔ جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہماری نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی خدا نے ہم کو مآل اندیشی کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے۔ کہ ہم مٹھی بھر مسلمان ٹڈی دل کفار سے کھلے میدان میں جا کر لڑیں۔ انسانی عقل کا یہ اقتضاء ہے۔ کہ ہم دور اندیشی سے کام لیں۔ اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں۔ جس سے اطمینان اور استقلال کے ساتھ جنگ جاری رکھ سکیں۔

ہمیں صرف کفار مکہ کے لشکر ہی کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ سب سے زیادہ خوف ان مارِ آستین دشمنوں کا ہے۔ جو مدینہ میں موجود ہیں۔ خود ہماری جماعت میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر مسلمان ہیں مگر در پردہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی کی تدابیر کرتے رہتے ہیں۔ ان منافقوں سے ہمیں بے پرواہ نہیں ہونا چاہیئے:۔

یہودیوں کا زبردست قبیلہ بنو قریظہ دشمنوں سے ساز باز کر رہا ہے۔ جس قدر یہ دونوں مارِ آستین خطرناک ہو سکتے ہیں اس قدر وہ لشکر جو آمادۂ پیکار ہے خطرناک

نہیں ہو سکتا۔ مناسب یہی ہے کہ کوئی ایسا حصار قائم کیا جائے جس کے اندر دشمن راہ نہ پا سکیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا :-

آپ جانتے ہیں۔ کہ میں فارس کا رہنے والا ہوں۔ فارس والے جب کسی سے جنگ کرتے ہیں۔ تو لشکر کے گرد خندق کھود لیتے ہیں۔ اس سے کسی قدر حفاظت ہو جاتی ہے اور اچانک حملوں کے اندیشے باقی نہیں رہتے۔ عرب میں خندق کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ خندق کیا چیز ہوتی ہے۔ اور کیسے تیار کی جاتی ہے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا۔ خندق اس گڑھے کو کہتے ہیں۔ جو لشکر کے چاروں طرف کئی گز چوڑا اور کئی گز گہرا کھودا جاتا ہے۔ بغیر خندق کو عبور کئے دشمن حصار کے اندر نہیں آسکتا۔ اور خندق کو عبور کرنا آسان نہیں ہوتا۔

آنحضور نے فرمایا۔ یہ رائے مناسب ہے۔ ہمیں ایک میدان میں خندق کھود کر حصار قائم کر لینا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ رائے تو معقول ہے۔ میرے خیال میں یہ مناسب ہے۔ کہ ہم مدینہ کے گرد خندق کھود ڈالیں۔ اس سے مدینہ محفوظ رہے گا۔ اور ہم اپنے گھروں میں رہتے ہوئے مدافعت کر سکیں گے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا نہایت مناسب ہے"!۔

چنانچہ اس قرار داد پر اتفاق ہو گیا۔ حضورؐ اکرم نے منادی کرا دی کہ مدینہ کے تمام باشندے خواہ وہ مسلمان ہوں یا مشرک و یہودی سب ملکر خندق کھود دیں۔ مسلمان تو سب منادی سنتے ہی آگئے۔ لیکن مشرک اور یہودی نہ آئے۔ بلکہ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم مسلمانوں کی کسی قسم کی امداد نہیں کر سکتے۔ حالانکہ بروئے عہد نامہ ان پر فرض عائد ہوتا تھا۔ کہ وہ خندق کھودنے اور کفار سے لڑنے میں ہر ممکن امداد کریں۔ کیونکہ عہد نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو سب

متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن مشرک اور یہودی یہ سمجھ کر کہ مسلمان کم اور کمزور ہیں۔ حملہ آور دشمن زیادہ اور طاقتور ہے۔ اس لئے فتح یقیناً کفار کی ہوگی۔ بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ خود غرض اور مکار قومیں جب دب جاتی ہیں تو گڑگڑا کر معافی چاہتی ہیں اور ہر بات جو ان سے کہی جائے۔ مان لیتی ہیں۔ لیکن جب ذرا بھی انہیں اپنی کامیابی کی امید ہو جاتی ہے۔ تو عہدنامہ کو ردی کاغذ کا ٹکڑا سمجھ کر اس سے منحرف ہو جاتی ہیں۔

چونکہ مشرکین مدینہ اور یہودی مکار۔ خود غرض اور دغاباز تھے۔ اس لئے بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ مسلمان ان کی بدعہدی سے ذرا نہ گھبرائے۔ نہ پریشان ہوئے۔ وہ خندق کھودنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

مدینہ کے ایک طرف پہاڑی تھی۔ پہاڑی کے نیچے ہی سے سنگی مکانات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان مکانات کی دیواروں نے قدرتی طور پر فصیل قائم کر دی تھی۔ مگر زیادہ حصہ کھلا ہوا تھا۔ اس کھلے ہوئے حصے میں آنحضور نے بنیرے کر دائرہ کھینچا۔ ہزاروں گز لمبا دائرہ کھینچا۔ اس دائرہ کے دس دس گز کے ٹکڑے کئے گئے۔ اور ہر ٹکڑا ایک ایک مسلمان کے سپرد کیا گیا۔ خود آنحضور کے حصہ میں بھی ایک ٹکڑا آیا۔

خندق کی کھدائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے اسی روز اور اسی وقت سے جب آنحضور نے دائرہ کھینچا۔ اور قطعات تقسیم کئے۔ کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ موسم سرما شروع ہو گیا تھا۔ سردی کڑاکے کی پڑنے لگی تھی۔ چونکہ دشمن بہت قریب آ گیا تھا۔ اس لئے شب و روز کام کیا جانے لگا تھا۔

آنحضور کے لئے ایک خیمہ ایستادہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی جب تھک جاتے تھے۔ تو حضور خیمہ میں استراحت فرما لیتے تھے۔ خندق نہایت تیزی سے کھودی جا رہی تھی۔ ہر شخص اپنا کام جلد سے جلد ختم کرنے کی فکر میں تھا۔ خندق پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری کھودی جا رہی تھی۔

جو مٹی نکلتی تھی ۔ اس کا خندق کے کنارے پر پشتہ باندھ دیا جاتا تھا ۔ اسطرح خندق کے کنارے پر ایک کچی فصیل سی قائم ہو گئی تھی !

مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد باقی نہ رہا تھا ۔ جو خندق نہ کھود رہا ہو ۔ خود آنحضور صلعم بھی خندق کھودنے میں مصروف تھے ۔

جبکہ یہ خندق کھودی جا رہی تھی ۔ تو سلمانؓ فارسی ۔ حذیفہؓ ۔ نعمانؓ اور تین اور اصحاب کے سامنے کچھ ہی گہرائی کے بعد ایک بڑا پتھر نکل آیا ۔ ہر چند ان چھ آدمیوں نے اُسے توڑنے کی کوشش کی ۔ مگر وہ نہ ٹوٹا ۔

فوراً ہی اس واقعہ کی آنحضور صلعم کو اطلاع دی گئی حضورؐ بھی پتھر کو دیکھکر کچھ مشوش ہوئے ۔ سلمانؓ فارسی نے کہا حضورؐ اکرم ! خندق کو ٹیڑھا کر دیجئے ۔ اتنا ٹیڑھا کہ جس سے یہ پتھر بیچ جائے ۔

آنحضورؐ نے فرمایا : نہیں خندق کو ٹیڑھا نہیں کیا جا سکتا ۔ کدال مجھے دے دو ۔ میں بھی زور آزمائی کر لوں ۔

آنحضورؐ خندق کے اندر اترے ۔ اور کدال لے کر پوری قوت سے پتھر پر ماری پہلی ہی ضرب سے پتھر میں شگاف پیدا ہو گیا ۔ اور ساتھ ہی ایک عجیب روشنی نکلی ۔ آپؐ نے اللہ اکبرؐ کا نعرہ لگایا ۔ اور پھر تمام صحابہؓ نے آپ کی تقلید میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا ۔

آپؐ نے پھر دوسری طرف لگائی ۔ پتھر اور پھٹ گیا ۔ پھر روشنی نکلی ۔ اور آپؐ نے پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا ۔ پھر تمام صحابہؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا ۔

اب آپؐ نے تیسری ضرب لگائی ۔ تو پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا ۔ اور اس مرتبہ بھی روشنی نکلی ۔ آپؐ نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا جس کے ساتھ تمام صحابہؓ نے پھر تکرار کی ۔

جب پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ۔ تو آنحضورؐ خندق سے باہر نکلے ۔ آپؐ کا چہرہ جوش مسرت سے چمک رہا تھا صحابہؓ نے استفسار فرمایا ۔ یا رسول اللہ پتھر ٹوٹتے وقت

یہ روشنی کیسی نکلی تھی۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ پہلی ضرب میں حضرت جبرائیل آئے۔ اور انہوں نے یمن کی کنجیاں مجھے دیں۔ دوسری ضرب میں ملک شام کی کنجیاں دیں۔ اور تیسری ضرب میں ملک فارس کی کنجیاں میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ تینوں ممالک فتح کرینگے۔

مُسلمانو! فتح مبارک ہو۔ ان زرخیز اور شاداب ممالک کی فتح جن پر عیسائی اور آتش پرست فخر کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ کہ یہ ممالک کب فتح ہونگے۔ خدا مسلمانوں پر اپنے لطف و کرم کی بارش کرے گا۔ مگر مجھے اس سے خوشی نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ جس قوم میں۔ زر۔ زمین اور زن افراط سے آجاتی ہیں۔ وہ قوم عیش و عشرت میں مشغول ہو کر خدا کو فراموش کر دیتی ہے۔ آہ! اگر مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ تو دوسری اقوام کی طرح سے یہ بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے!

خندق کی کھدائی کا کام شروع ہو گیا۔ مسلمان دن اور رات سرگرمی سے کھدائی کے کام میں مصروف تھے۔ آخر خدا خدا کر کے خندق تیار ہو گئی۔ خندق تیار ہونے پر جب دیکھا۔ تو سلسلۂ کوہ اور خندق کے درمیان بیضاوی شکل کا میدان بن گیا۔ یہ میدان اچھا خاصہ قلعہ نظر آنے لگا۔

تمام مشرک اور سارے یہودی اس خندق کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے۔ آنحضورؐ کے ارشادات جو احادیث کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ تمام مدینہ میں مشہور ہو جاتے تھے۔ حضورؐ اکرم نے جو فرمایا تھا۔ کہ ممالک یمن شام اور فارس کی کنجیاں ان کے حوالے کی گئی ہیں۔ اور ان ممالک کو مسلمان فتح کرینگے۔ تو مشرک اور یہودی ہنسے۔

انہوں نے کہا۔ کس قدر فریب کارانہ باتیں ہیں۔ یہ (حضرت محمدؐ) مسلمانوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ چوبیس ہزار دشمن جنگ کے لئے آ رہے ہیں اور آپ یمن و شام اور فارس کی فتح کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ خوشخبری اس لئے سنائی جا رہی ہے۔ تاکہ مسلمان جی توڑ کر لڑیں۔

لیکن وہ نہیں سمجھتے۔ کہ مسلمانوں کو اس مرتبہ فتح کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا شکست ہوگی۔ اور ذلت آفریں شکست جو تمام مسلمانوں کو فنا کر دے گی،

حقیقت میں یہ تعجب خیز بات تھی۔ کہ ایسی حالت میں جبکہ ٹڈی دل دشمن چڑھے چلے آ رہے ہیں۔ تمام ملک عرب دشمن پر تُلا ہُوا تھا۔ عرب کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کے خون کا پیاسہ تھا۔ بظاہر تباہی و بربادی پیش نظر تھی۔ ممالک یمن۔ شام۔ اور فارس کی فتح کی خوشخبری سنائی جا رہی تھی۔

جو قومیں خدا پر اعتماد نہ رکھتی ہوں۔ اور اس پر تمسخر و استہزا دنہ کرتیں تو اور کیا کرتیں؟ انہیں کیا خبر تھی۔ کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ جو اٹل ہے۔ ضرور پورا ہو کر رہیگا۔

چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں۔ کہ یہ پیشینگوئیاں حرف بحرف پوری ہوئیں یمن فتح ہُوا۔ شام پر قبضہ ہُوا۔ فارس پر تسلط ہُوا۔ یہ تمام ممالک تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلمانوں کے زیر نگین آ گئے اور آج صدہا سال گزر جانے پر بھی مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہیں۔

کفار کے ٹڈی دل لشکر کے آنے کی خبریں روزانہ آتی رہتی تھیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا رہتا تھا۔ کہ لشکر کفار میں ہر ہر قدم پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تمام مشرک قبائل کفار مکہ کے شریک کار ہو گئے ہیں۔ ان متوحش خبروں کے سننے سے بھی مسلمانوں کو کوئی بیم و رجا نہ ہُوا۔

ایک روز آنحضور صلعم کو معلوم ہُوا۔ کہ یحییٰ بن اخطب بنو قریظہ کے قلعہ میں انہیں شریک جنگ ہونے کی ترغیب دینے کے لئے آیا ہے۔ اور کعب بن اسعد نے جو اکابر قوم میں سے ہے۔ شریک ہونے کا اقرار کر لیا ہے۔

آپ نے فوراً اسعد بن مُعاذ اور سعد بن عبیدہ کو کعب کے پاس روانہ کیا۔ یہ دونوں بزرگ نصیحت و ہدایت کر کے شریک جنگ سے باز رکھنے کے لئے قلعہ بنی قریظہ میں گئے۔ اور کعب سے ملے۔

وہ بڑی بے رخی سے ان دونوں کے ساتھ پیش آیا۔ سعدؓ بن عیاذ نے کہا۔ کعب یہ کہاں کی شرافت ہے کہ تم اپنے پڑوسیوں کا ساتھ چھوڑ کر غیروں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔ ایسا نہ کرو۔

کعب نے کہا سنو سعدؓ مسلمان ہمارے مذہب کے خلاف ہیں۔ ہم کو ان سے عداوت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ہم نے مشترکہ طور پر ان کا مقابلہ نہ کیا تو ان کی تعداد اس قدر بڑھ جائیگی۔ کہ تمام عرب پر وہ آسانی سے تسلط کر سکیں گے۔

حکومت کرنے کے لئے ہم پیدا ہوئے ہیں۔ نہ کہ مسلمان! ان کی ترقی میں ہمارا تنزل مضمر ہے۔ پھر ہم کیسے ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں۔

سعدؓ نے کہا۔ مگر تم مسلمانوں سے عہد کر چکے ہو کہ ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاؤ گے جب کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا۔ تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔ اب بدعہدی کیوں کرتے ہو۔ کیا بدعہدی بھی شرافت میں داخل ہے؟

کعب نے کہا۔ عقلمند آدمی عہد نامہ کو کاغذ کا پرزہ سمجھتے ہیں۔ جب تک طاقت پیدا نہیں ہوتی۔ عہد نامہ کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جب طاقت بڑھ جاتی ہے۔ تو عہد نامہ چاک کر ڈالتے ہیں۔

سعدؓ نے کہا۔ سوچو! تمہاری بدعہدی پر زمانہ تمہیں کیا کہے گا۔

کعب نے کہا۔ زمانہ ہماری عقلمندی کی داد دے گا۔

سعدؓ نے ہر چند سمجھایا۔ مگر کعب نے کچھ نہ سمجھا۔ اور علانیہ مسلمانوں سے بیزاری اور دشمنی کا اظہار کیا۔ مجبور ہو کر یہ دونوں بزرگ واپس لوٹ آئے۔ اور آنحضورؐ سے تمام واقعات بیان کر دیئے۔

حضورؐ اکرم نے فرمایا۔ کچھ پرواہ نہ کرو۔ بنو قریظہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار رہے ہیں۔ ہمارا فرض سمجھانا تھا۔ لہذا سمجھا دیا۔ وہ نہیں سمجھتے۔ نقصان اٹھائیں گے۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ سامنے سے کفار کا لشکر آتا ہوا نظر آیا۔ گھوڑے اونٹ پیدل اور سوار سیلاب کی طرح بڑی شان و شوکت سے بڑھے چلے آرہے تھے۔ اکثر علم ہوا میں لہراتے آرہے تھے۔ جس شان اور جس رفتار سے یہ لشکر آرہا تھا۔ اس سے واضح ہوتا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کو بہالے جائے گا۔ تمام مسلمان مکانات کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ اور لشکر کی آمد کا نظارہ کرنے لگے۔

آٹھواں باب

"تائیدِ ایزدی"

کفارِ عرب کا لشکر نہایت شان و دبدبہ سے آ کر خندق کے سامنے رُک گیا۔ چونکہ عربوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس لئے وہ خندق کو دیکھ کر کمال حیران ہوئے۔ اور دیر تک حیرت و استعجاب سے اُسے دیکھتے رہے۔ اس لشکر میں متعدد سردار اور سپہ سالار تھے۔ ہر سردار اور ہر سپہ سالار کا علیحدہ علم تھا۔ سپہ سالارِ اعظم ابو سفیان تھا۔

ابو سفیان نے اپنا گھوڑا دوڑا کر مدینہ کے چاروں طرف گشت لگایا۔ اُسے کسی طرف کوئی راستہ ایسا نظر نہ آیا۔ جس سے لشکر مدینہ میں داخل ہو سکتا۔ مجبور ہو کر اس نے محاصرہ کا حکم دیا۔ ٹڈی دل لشکر مدینہ کے چاروں طرف فروکش ہو گیا۔

کفار کا یہ حملہ کفر کی انتہائی طاقت و شوکت کا مظاہرہ تھا۔ گویا اسلام کے مقابلہ میں کفر کی سب سے بڑی کوشش تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اہل و عیال کو ایک مضبوط اور پختہ گڑھی کے اندر حفاظت کی غرض سے ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور خندق کے کناروں پر مکانوں کی چھتوں پر۔ پہاڑی کے مورچہ پر مجاہدین کو متعین کر دیا۔ کئی روز تک کفار شش و پنج میں رہے۔ کہ کیسے اور کس طرف سے حملہ کریں۔ خندق کو عبور کرنا دشوار تھا۔ مکانوں کی چھتوں پر چڑھنا مشکل تھا۔ پہاڑ کی طرف سے کوئی راستہ نہ تھا۔ ہر طرف سے راستہ مسدود اور دشوار گزار تھا۔ کئی روز کے غور و خوض کے بعد یہی طے ہوا کہ خندق کے سامنے کھڑے ہو کر تیر اندازی کی جائے۔

چنانچہ ایک روز جبکہ آفتاب عالم تاب اپنی پوری درخشندگی کے ساتھ جلوہ ریز ہوا تو لشکر کفار مسلح ہو کر خندق کے سامنے صف بستہ ہو گیا۔ مسلمان بھی انہیں آمادہ جنگ دیکھ کر تیر و ترکش لے لیکر خندق کے دوسرے کنارے پر آکھڑے ہوئے۔ طرفین سے تیر اندازی شروع ہوئی۔

اس شدت اور اس کثرت سے تیر چلائے گئے۔ کہ بسا اوقات تیروں کے نیچے آفتاب چھپ چھپ گیا۔ لیکن یہ تیر اندازی بھی بے سود ہی رہی۔ کیونکہ اس تیر افگنی سے نہ کسی فریق کو نقصان پہنچا۔ نہ فائدہ۔

تمام دن بے کار تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ آفتاب غروب ہونے پر فریقین واپس لوٹ گئے۔ سردی شروع ہو گئی تھی۔ کڑا کے کا جاڑا پڑ رہا ہے۔ کفار کے لشکر میں کافی خیمے اور چھولداریاں تھیں۔ لیکن مسلمانوں کے پاس نہ خیمے تھے۔ نہ چھولداریاں تھیں۔

وہ کھلے میدان میں پڑتے تھے۔ اس لئے سردی سے انہیں تکلیف ہوتی تھی۔ وہ مکانوں میں جا کر شب باش ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ان کے مکان حصار کے اندر تھے۔ لیکن اسطرح سے خندق کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی۔ اور دشمن خندق کو عبور کر آتے۔

مسلمان خندق کی حفاظت کرنے کی وجہ سے ساری ساری رات جاگتے رہتے تھے۔

جس طرف سے مسلمانوں کو شبخون کا اندیشہ تھا۔ اسی طرف سے کفار کو بھی خطرہ تھا چنانچہ ان کی کثیر تعداد تمام شب بیدار رہتی تھی۔ دوسرے روز صبح ہوتے ہی وہ پھر مسلح ہوئے گزشتہ روز کفار نے تیر افگنی کر کے یہ دیکھ لیا تھا۔ کہ اس سے کسی فریق کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے انہوں نے آج خندق کے سامنے تیر اندازوں کا دستہ قائم کر کے کچھ جانبازوں کو خندق کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

انہیں ہدایت کر دی گئی۔ کہ وہ پیٹ کے رینگھ کر چلیں۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل ارشاد شروع کی۔ مسلمانوں نے ان کی اس کاروائی کو دیکھ لیا۔ اس طرف حضرت عمرؓ اور حضرت

علیؓ متعین تھے۔

حضرت عمرؓ نے فوراً اس طرف کے مسلمانوں کو دو حصوں میں منقسم کر دیا! ایک حصہ خندق کے پاس پشتہ کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور دوسرا حصہ ترکش اور کمان لے کر تیر افگنی کے لیئے آمادہ ہو گیا:۔

ابھی آفتاب کچھ زیادہ بلند نہ ہوا تھا۔ کہ ابو سفیان نے تیر اندازی کا حکم دیا۔ کفار نے تیروں کی باڑھ ماری۔ مسلمانوں نے ترکی جواب دیا۔ اس طرح طرفین سے تیر افگنی شروع ہو گئی۔

اس طرف تو تیر پھینکے جا رہے تھے اور اس طرف پیٹ کے بل رینگو رینگھ کر مشرک بڑھ رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کی نظروں سے بچتے ہوئے خندق کے کنارے پر پہنچ گئے۔

مشرکوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ مسلمانوں نے انھیں بڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حالانکہ مسلمان دیکھ چکے تھے۔ لیکن وہ دانستہ چشم پوشی کر رہے تھے۔

جب مشرکوں نے خندق کے اندر اترنا شروع کر دیا۔ تو اُن مسلمانوں نے جو پشتہ سے لگے بیٹھے تھے۔ قدرے ابھر کر تیر چلہ میں جوڑ کر ایک ساتھ اس طرح سے چھوڑے جیسے کہ وہ ایک ہی کمان سے نکلے ہوں

ان کے ان تیروں نے ان مشرکوں کو جو خندق میں اتر رہے تھے۔ یا خندق کے کنارے پر بیٹھے اندر اترنے کی سوچ رہے تھے۔ بسمل و مجروح کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے جو لوگ خندق میں اتر رہے تھے مردہ ہو کر خندق کے اندر جا پڑے اور جو لوگ کنارہ پر تھے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے۔

ان کے پیچھے ہٹتے ہی پشتہ کے قریب بیٹھنے والے مسلمان کھڑے ہو گئے۔ اور انھوں نے جلدی جلدی تیر چلا کر گھبرائے ہوئے مشرکوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

مشرکوں میں یہ حواس باختگی طاری ہوئی۔ وہ گھوڑے ہو ہو کر بے تحاشہ پیچھے کی طرف بھاگنے لگے۔ مسلمانوں کو موقعہ مل گیا۔ انہوں نے شدت سے تیر انگنی کر کے بھاگتے ہوئے مشرکوں کو قتل اور مجروح کرنا شروع کر دیا۔

اگر مشرکین عقل و تدبیر سے کام لیتے۔ تو جس طرح سے وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے آئے تھے۔ اسی طرح سے واپس لوٹ جاتے۔ مگر مسلمانوں کے اچانک حملہ نے ان کے ہوش معطل کر دیئے اور وہ کھڑے ہو کر بھاگنے لگے۔

اس طرح سے ان کے سینکڑوں آدمی نذر اجل ہو گئے۔ ان کی کثیر تعداد ضائع ہو گئی اور بہت کم لوگ اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے یہ بچنے والے بھی شدید مجروح ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کی اس کاروائی نے کفار کو مرعوب کر دیا۔ اس روز انھیں آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ تمام دن فاصلے پر کھڑے تیر پھینکتے رہے۔ شام کے وقت دونوں لشکر واپس لوٹے۔ آج کفار کو کافی سے زیادہ نقصان پہنچ گیا۔ اور وہ کسی قدر بد دل اور غمزدہ سے ہو گئے:۔

اگلے دن کفار مسلح ہو کر میدان جنگ میں نکلے۔ حالانکہ مسلمان صف بستہ ہو کر دوپہر تک کھڑے رہے اور ان کے حملے کا انتظار کرتے رہے۔ دوپہر کے بعد وہ بھی کمریں کھول کھول کر آرام کرنے لگے۔

بظاہر مسلمان بے فکر نظر آتے تھے۔ لیکن دراصل یہ بات نہ تھی۔ انھیں متعدد خطرے لاحق تھے۔ ایک خطرہ منافقوں کی طرف سے تھا۔ جو مسلمانوں میں ملے ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے اندیشہ تھا۔ کہ وہ کسی طرف کے مسلمانوں کو غافل پا کر دشمنوں کی رہبری کر کے ان کو خندق پار نہ لے آئیں:۔

دوسرا خطرہ ان یہودیوں کی طرف سے تھا۔ جو گویا مدینہ کے اندر ہی تھے اور

جنھوں نے دشمنوں سے سانباز کر لیا تھا۔ نہ معلوم وہ کس وقت اچانک مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی مشکلات کو اور بڑھا دیں۔

تیسرا خطرہ ٹڈی دل مشرکوں کی طرف سے تھا۔ جو مسلمانوں کا سختی سے محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ ان تمام خطروں اور اندیشوں کے علاوہ سامان رسد کی قلت سب سے زیادہ تکلیف دے رہی تھی۔

مدینہ کی تجارت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ غلہ کے بڑے سوداگر ہی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا بند کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو فاقوں تک کی نوبت آگئی تھی۔ اس پر شدت سرما کی تکلیف اور بھی مستزاد تھی۔ چونکہ مسلمان کھلے میدان میں پڑے تھے۔ سردی زیادہ تھی لبادے کم تھے۔ اس وجہ سے ان کے لیل ونہار بڑی سختی اور تکلیف سے گذر رہے تھے۔ کبھی سردی کی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی تھی۔ اور بھوک کی شدت بڑھ جاتی تھی۔

اگرچہ منافقوں کو ان میں سے کوئی بھی تکلیف نہ تھی۔ وہ یہودیوں کے دوست تھے اور یہودی انھیں برابر غلہ دے رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی فاقہ کی نوبت نہ آئی تھی اور چونکہ وہ شریک جنگ نہ تھے۔

اپنے گھروں میں اطمینان اور آرام سے سوتے تھے اس لیئے انھیں کسی بات کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ اگر کوئی تکلیف تھی تو وہ مدینہ سے باہر آنے جانے کی تھی۔ کیونکہ مسلمان کسی مدینہ والے کو باہر نہ جانے دیتے تھے۔

ہر طرف پہرہ قائم تھا۔ اور کوئی شخص بغیر مسلمانوں کے اذن کے باہر نہ جا سکتا تھا لیکن یہ قید کوئی تکلیف دہ نہ تھی۔ پھر بھی وہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں نے اپنے ساتھ ہمارا بھی عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے یا کرا دیا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ وہ بد دین اور گستاخ منافق طعنہ طرازی پر اتر آئے چنانچہ

مصعب بن قشیر منافق نے کہا۔ محمد یمن۔ شام اور ایران کی فتح کی خوشخبری اپنے دوستوں کو سنا رہے ہیں۔ لیکن مدینہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔

ہمارے خیال میں تو وہ اب مدینہ میں بھی رہ سکتے۔ عنقریب جلا وطن کرائے جائیں گے

ایک اور منافق نے کہا۔

مسلمان بھی کس قدر سادہ لوح اور بے وقوف ہیں کہ ایک شخص کی اس بات پر یقین کیئے بیٹھے ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو فتح کر لینگے۔ حالانکہ ان پر مدینہ کی زمین بھی تنگ ہو رہی ہے۔

ایک اور منافق نے کہا۔ جو لوگ پاخانہ پھرنے کے لیے باہر نہیں جا سکتے وہ یمن اور کسی دوسرے ملک کو کیا فتح کریں گے۔

یہ اور اسی قسم کی باتیں منافقین کہتے تھے۔ مسلمان ان باتوں کو سنتے تھے غصہ تو بہت آتا تھا۔ مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا دل گردہ تھا۔ کہ رات کی اوس۔ دن کی دھوپ بھوک اور پیاس کی شدت۔ رات کو حفاظت کی غرض سے جاگتے اور دن کو لڑنے کی سختیاں برداشت کر رہے تھے۔

یہ مسلمانوں کا ہی عزم و استقلال تھا۔ کہ وہ کفار کے مقابلہ۔ بنی قریظہ کے حملہ کا اندیشہ۔ منافقوں کا خطرہ نہایت صبر و شکر سے برداشت کر رہے تھے کوئی اور قوم ہوتی تو اس کے ثبات قدم کو لغزش آجاتی:۔

دشمنوں کے سامنے سر خم کر دیتی۔ لیکن نہ جھکے تو شیران اسلام نہ جھکے ہر سختی۔ ہر خطرہ۔ ہر تکلیف کا مقابلہ بڑی خندہ پیشانی اور استقلال سے کرتے رہے تاریخیں شاہد ہیں کہ ابتلا کے وقت مسلمانوں نے جس عزم صمیم اور استقلال سے کام لیا ہے۔ وہ اپنا آپ ہی نظر و عدیل ہے۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمان آج کل کے آرام طلب یا نام کے مسلمانوں کی طرح نہ تھے آج مسلمان ذرا سی تکلیف سے گھبرا جاتے ہیں۔ خدا کو چھوڑ کر قبروں کے سامنے گردنیں خم کر دیتے ہیں۔ خدا کو بھول کر طاغوتی طاقتوں ہی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہیں۔ موجودہ حالت میں خواہ وہ کتنی ہی ذلت آفریں کیوں نہ ہو۔ خوش و خرم رہتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس سے انہوں نے اپنے بزرگوں کے نام پر دھبہ لگا دیا ہے۔ اور وہ قوم کے ناخلف فرزند بن گئے ہیں۔ یا بن رہے ہیں۔

کہاں تو وہ بات تھی کہ مسلمان قیصر و کسریٰ جیسے زبردست بادشاہوں کے درباروں میں جا کر بے دھڑک کلمہ حق کہہ دیتے تھے۔ موت کا خوف۔ قید و بند کا خطرہ انھیں حق گوئی سے نہ روک سکتا تھا۔ کہاں اب یہ حالت ہے۔ کہ محض قید و بند کے خوف سے ہی ایمان فروشی کرنے لگتے ہیں۔

چاندی کے چند ٹکڑوں کے عوض مذہب کو بیچ دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی نکبت و پستی کا راز مسلمانوں کی عیش طلبی۔ خدا پر بد اعتمادی اور اسلام سے انحراف میں مضمر ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدا قادر ہے۔ بغیر اسکے حکم کے ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔

وہی قاضی الحاجات ہے۔ مگر ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ حاجات پوری کرنے والی حکومت ہوتی ہے۔

تمام خدائی طاقتیں حکومتوں کو حاصل ہیں۔ حکام کی نگاہ الطاف ہماری نکبت و پستی کا مداوا کر سکتی ہے۔ کیا ہمارے یہ خیالات اسلام سے بغاوت پر مبنی نہیں ہیں ہم نے اسلام سے غداری کی۔ خدا سے بغاوت کی۔ خدا کے رسول سے سرکشی کی نتیجہ یہ ہوا کہ خدا ناراض ہو گیا اور اُسنے ناراض ہو کر رفتہ رفتہ اپنے تمام انعامات ایک ایک کر کے واپس لے لیئے۔ اب نہ حکومت رہی نہ دولت نہ عزت رہی۔ نہ ہمت ہم

ہم دنیا کی بدترین قوم ہو کر رہ گئے۔ اگر ہم پھر ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے کائنات کے خالق کو خوش کریں۔

اور امر دنوا ہی پر سختی سے کاربند ہو جائیں۔ ہمیں تنظیم کی کیا ضرورت ہے۔ جب ہم حقیقت میں مسلمان ہو جائینگے۔ اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے لگیں گے۔ تو خود بخود ہی تنظیم ہو جائے گی۔

ہمارے اکثر خود غرض لیڈر شکم پروری یا عزہ جاہ حاصل کرنے کے لئے تنظیم و اتفاق کے نعرے لگاتے ہیں۔ مگر جو اصل مرض ہے۔ اُسے دور کرنیکی کوشش نہیں کرتے

ایک نقص ہم میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ وہ خود صحیح راستہ پر ہے۔ مگر دوسرے بھٹک گئے ہیں۔ انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان پہلے خود پکا مسلمان بن جائے اپنی اصلاح کرے دوسرے اسکی دیکھا دیکھی خود ہی اصلاح کرلیں گے۔

مشرکین عرب تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کئے رہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کو زیر کر لیا جائے۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ مجبور ہو کر انہوں نے پیغام بھیجا۔ کہ اگر مسلمان بنی قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں کو جنھیں انہوں نے جلاوطن کیا ہوا ہے۔ پھر مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دیں اور مدینہ کے باغات کی آمدنی کا بیسواں حصہ مکہ کے لوگوں کو دیتے تھے اور حضرت محمدؐ بتوں کی برائیاں بیان نہ کیا کریں تو محاصرہ اٹھا لیا جائے۔

اگرچہ مسلمان زندگی سے تنگ آ گئے تھے۔ سردی اور فاقہ نے ان کی ہمتوں کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ مگر انھوں نے ان شرائط پر صلح کرنے سے انکار کر دیا مشرکوں کو ان کے انکار کرنے پر بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے طے کر لیا۔ کہ صبح دن

نکلتے ہی سوار حملہ کرینگے۔ اور کوشش کرینگے۔ کہ گھوڑوں کو کودا کر خندق کے پار لے جائیں۔ چنانچہ دن نکلتے ہی تمام لشکرِ کفار نہایت جوش اور بڑی شان سے میدانِ جنگ میں نکل کر صف بستہ ہوا۔ مسلمان بھی مسلح ہو کر خندق کے کنارے پر آ گئے۔ مشرکین نے نہایت جوش سے حملہ کیا۔ ان کے سوار تیر برساتے ہوئے بڑھے۔

اگرچہ مسلمانوں نے ان کے روکنے کے لئے بڑی شدت سے تیر افگنی کی۔ مگر وہ ان کے سیلاب کو نہ روک سکے۔ وہ بڑھ کر خندق کے کنارے پر پہنچ گئے۔ اب انہوں نے گھوڑوں کے مہمیزیں لگائیں۔ انہیں تیز دوڑایا۔ اور خندق کود کر پار جانیکی کوشش کی۔

جس طرف حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تھے۔ اس طرف سے خندق کی چوڑائی کسی قدر کم تھی۔ تین گھوڑے کودا کر اندر پہنچ گئے۔ مگر دوسری جوانب سے اکثر و بیشتر سوار خندق میں گر گئے۔ گھوڑوں کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ سوار گر گر کر زخمی ہوئے۔ اور بعض مر گئے۔ اکثر گھوڑوں کے نیچے دب کر دم توڑنے لگے۔

وہ تین سوار جو خندق کے پار پہنچ گئے تھے۔ ان میں سے ایک کو تو حضرت عمرؓ نے ایک ہی حربہ سے ٹھکانے لگا دیا۔ دوسرے کو ایک انصار نے مار گرایا۔ تیسرا نہایت بہادر تھا۔ اس کا نام عمرو بن عبد تھا۔ وہ دو ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ کرم اس کی طرف جھپٹے۔ وہ بھی تلوار سونت کر حضرت علیؓ کرم پر ٹوٹ پڑا۔ دونو نہایت جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ چونکہ عمرو تجربہ کار تھا۔ اپنی قوت اور طاقت پر مغرور تھا۔ اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ حضرت علیؓ کرم کو زیر کر لینا معمولی بات ہے۔ مگر جب حضرت علیؓ کرم کا اندازِ جنگ دیکھا۔ تو اس کا تمام نشہ غرور ہرن ہو گیا۔

حضرت علیؓ کرم نے موقعہ پا کر تلوار کا پورا ہاتھ مارا۔ عمرو نے ڈھال پر روکا۔ لیکن حیدر کرار کے قوت بازو کا وار معمولی نہ تھا۔ تلوار ڈھال کاٹ کر شہ رگ کاٹ کر اترتی چلی گئی۔ اور عمرو شستہ ہو کر گرا۔

اتفاق سے حبیب کبریا محمد مصطفےٰ ادھر آ نکلے۔ انہوں نے بڑھ کر حضرت علی کرم کی پیشانی پر بوسہ دیا:-

اس عرصہ میں مسلمانوں نے تیروں کی بارش کر کے کفارِ مکہ کو پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کیا مشرکین نے اپنے کئی سواروں کو موت کی آغوش میں پہنچا کر واپس لوٹے۔ پھر انہیں بڑھنے یا حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

شام تک دور ہی سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ آفتاب غروب ہونے پر جنگ ملتوی ہو گئی جسوقت طرفین کے لشکر واپس لوٹ رہے تھے۔ اسوقت ہوا تیز چلنے لگی تھی۔ آسمان ابر آلود ہونے لگا تھا۔

لوگوں نے قیاس کر لیا تھا۔ کہ بادوباراں کا طوفان آنے والا ہے۔ یہ قیاس صحیح نکلا اور ہوا اسقدر تیز ہو گئی۔ کہ لشکر کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ آگ بجھ گئی۔ چھولداریوں کی میخیں اکھڑ گئیں۔ اور ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی۔

اس شدت سے بارش ہوئی جیسے آسمان پر کوئی پانی کا بند ہو اور وہ ٹوٹ گیا ہو مشکوں کے دہانوں کی طرح پانی پڑ رہا تھا۔ کفار بادوباراں کے اس طوفان کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔

ان کی تمام رسد اور دوسرا سامان پانی کا سیلاب بہا کر لے گیا۔ مسلمان بھی ہوا اور بارش سے بچنے کے لئے خندق کی نگرانی وغیرہ چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں میں جا گھسے۔ بنی قریظہ اور منافقین خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔

پچھلی رات کو طوفان تھما۔ مگر سردی بڑھ گئی۔ رسول خدا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ کو ہمراہ لے کر باہر نکلے۔ پانی اس کثرت سے پڑا تھا۔ کہ راستوں پر نہروں کی طرح سے بہہ رہا تھا۔

اتفاق سے حذیفہ بن الیمان بھی گھر سے نکل آئے۔ وہ ان تینوں بزرگوں کو دیکھ کر

بولے حضور! اس وقت کہاں جانے کا ارادہ ہے :-

آنحضور صلعم نے فرمایا حذیفہ! مجھے خداوند عالم نے خبر دی ہے۔ کہ کفار بد حواس ہو کر بھاگ گئے ہیں۔ لہٰذا میں خبر لینے جا رہا ہوں :

حذیفہؓ نے کہا۔ آپ نہ جائیں۔ میں ابھی خبر لاتا ہوں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اچھا جاؤ۔ حذیفہؓ روانہ ہو گئے۔ اس وقت بادل چھٹ چکا تھا۔ صبح صادق کا وقت ہو گیا تھا۔ حذیفہؓ نے خندق کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا۔ وہاں ایک مشرک کا بھی پتہ نہ تھا۔

وہ خوش ہوتے ہوئے واپس لوٹے۔ اور آنحضور صلعم کے پاس آ کر بولے۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میدان خالی پڑا ہے۔ ایک بھی کافر وہاں موجود نہیں ہے۔ سب کے سب بھاگ گئے :-

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مسلمانو! اب قریش مکہ سے کوئی خدشہ باقی نہیں رہا۔ انشاءاللہ اب وہ کبھی ہم پر حملہ نہ کر سکیں گے "

اس کے بعد مسلمانوں نے فجر کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر جب وہ خندق کے پاس پہنچے۔ تو دیکھا۔ کہ خندق پانی سے لبریز ہے۔ کفار کے خیمے اکھڑے پڑے تھے۔ مشرکین کا کہیں پتہ نہ تھا۔ تمام مسلمان نہایت مسرور تھے۔

وہ شادمان اور خوش ہو کر واپس لوٹے۔ منافقین اور بنی قریظہ کے یہودیوں کو کفار کی بزدلی اور دون ہمتی پر بڑا غصہ آیا۔

انہوں نے کہا۔ نامراد بزدل بھاگ گئے۔ اگر ہم انہیں ایسے پست ہمت سمجھتے۔ تو مسلمانوں سے ہرگز بگاڑ پیدا نہ کرتے۔

اب بنی قریظہ کو اپنا بڑا فکر ہوا۔ انہیں خدشہ ہوا۔ کہ مسلمان عہد شکنی پر انہیں سخت ترین سرزنش کریں گے۔

انہوں نے فوراً اپنے قلعہ کی درستی کر دی۔ یہ لڑائی غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ اور تاریخوں میں بھی اسی نام سے موسوم ہے۔

نواں باب

"کیفرِ کردار"

جب تمام اہلِ مدینہ نے مسلمانوں سے عہد کیا تھا۔ تو یہودیوں نے تین بڑے بڑے قبائل بنی قینقاع۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ بھی شامل ہوئے تھے۔ ان میں سے اول الذکر دو یعنے بنی قینقاع اور بنی نضیر بدعہدی کرنے کی سزا میں جلاوطن کئے جا چکے تھے۔ صرف بنی قریظہ باقی رہ گئے تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے بدعہدی کی۔

وہ جانتے تھے۔ اور خوب جانتے تھے۔ کہ مسلمان بدعہدی پر سرزنش ضرور کرینگے اس لئے انہوں نے قلعہ کی درستی اور مرمت شروع کرا دی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ یہودی ہی تھے۔ انہیں اسبات کا بڑا غم و افسوس تھا۔ کہ پیغمبر آخرالزمان ان کی قوم میں نہ ہُوا۔ حالانکہ وہ اور ان کے پیشرو بھی سمجھ رہے تھے۔

اگرچہ ان کی کتابوں میں خَتمُ المُرسَلِین کے مبعوث ہونے کی پیشنگوئیاں درج تھیں۔ تمام علامات اور نشانیاں صاف و صریح تحریر تھیں۔ جو کہ آنحضور صلعم میں وہ تمام موجود تھیں۔ مگر وہ سب کچھ جانتے اور سمجھنے کے باوجود محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ کی دشمنی مسلمانوں کی عداوت اور اسلام کی مخالفت میں اس لئے ڈوبتے چلے گئے تھے۔ کہ یہ نبی ان کی قوم میں نہ ہوئے تھے۔

جس وقت مسلمان غزوہ خندق سے واپس لوٹ کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے

تو اس وقت ظہر کا وقت تھا۔ تمام مسلمانوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی سرکارِ مدینہ نے اعلان کر دیا۔ کہ کوئی مسلمان جو غزوۂ خندق میں شریک تھا عصر کی نماز مدینہ میں نہ پڑھے۔ بلکہ بنی قریظہ کے قلعہ کے سامنے پڑھے۔

اس اعلان نے تمام مسلمانوں کو پھر کمربستہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ مسلمان تقریباً ایک ماہ تک محصور رہے تھے۔ اس عرصہ میں انہیں فاقے کرنے پڑے تھے۔ رات کی اوس۔ دن کی دھوپ۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے۔ شب بیداری۔ دن کی جنگ نے انہیں خستہ کر دیا تھا۔

انہیں آرام کرنے اور تازہ دم ہونے کی ضرورت تھی لیکن دربارِ رسالت سے بنی قریظہ پر لشکر کشی کا حکم ہو چکا تھا۔ اس حکم کی تعمیل ضروری تھی۔ تمام مسلمان جس طرح اور جس حالت میں میدانِ جنگ میں واپس آئے تھے۔ اسیطرح اور اسی حالت میں بنی قریظہ کے میدان مقابلہ میں جانے کیلئے تیار ہو گئے۔

مجاہدین کو روزینہ نہیں ملتا تھا۔ نہ تنخواہ ملتی تھی۔ اور نہ تمغہ ملتا تھا۔ وہ محض ثواب سمجھکر تنخواہ دار اور ملازموں سے زیادہ مطیع اور فرمانبردار تھے۔

اس مرتبہ علم حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا۔ اور وہ دو سو مجاہدین کا دستہ لیکر بطورِ ہراول روانہ ہوئے۔ ان کے عقب میں آنحضور صلعم معہ بقیہ تمام لشکر کے روانہ ہوئے۔ تمام مدینہ اس لشکر کشی کی شہرت سے گونج اٹھا۔ مشرکین اور منافقین نے حیرت و استعجاب سے مسلمانوں کو کوچ کرتے ہوئے دیکھا۔

حیرت کی وجہ یہ تھی۔ کہ مدینہ کے سب لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ اب مسلمان کچھ دن آرام کریں گے۔ اور تازہ دم ہو کر بنی قریظہ کو فہمائش کے لئے روانہ ہوں گے۔ یہی خیال بنی قریظہ کا بھی تھا۔

لیکن جب مسلمانوں نے ایک دن تو کیا۔ ایک رات بلکہ ایک گھنٹہ بھی آرام نہ کیا۔

توانہیں ان کی جفاکشی اور اپنے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری پر سخت حیرت ہوئی ۔ بنی قریظہ کو مسلمانوں کی لشکرکشی کی پہلے ہی سے اطلاع ہوگئی تھی۔

انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے فصیل پر سپاہیوں کو چڑھا دیا تھا ۔ اور تیروں کے گٹھے اور پتھروں کے ڈھیر فصیل کی چھتوں پر پہنچا دیئے تھے ۔

شام کے وقت سب سے پہلے حضرت علی کرم ہراول کے دستہ کے ساتھ قلعہ کے سامنے نمودار ہوئے ۔ بنی قریظہ نے انہیں دیکھا ۔ ان میں سے اکثر گستاخ اور دریدہ دہن اوباشوں نے مسلمانوں اور آنحضرت صلعم کو گالیاں دینا شروع کیں ۔ کمینہ، ذلیل اور بزدل لوگ کسی قوم کے بزرگوں کو برا کہا کرتے ہیں ۔

اس سے وہ اپنی خبث باطنی اور سفلہ پن کا اظہار کر کے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑا کرتے ہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمان ہمیشہ ان ذلت آفریں باتوں سے احتراز کرتے رہے ہیں :-

کبھی کسی قوم کے بزرگوں کو انہوں نے گالیاں نہیں دیں ۔ برا بھلا نہیں کہا ۔ کوئی مسلمان کسی قوم کے بزرگ کو کیسے برا کہہ سکتا تھا ۔ جبکہ خدا اور رسول کا یہ حکم ہے ۔ کہ کسی کو برا مت کہو ۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے ۔ کہ کسی کو گالی نہ دو ۔ شرع کا یہ فرمان ہے ۔ کہ کسی کی دل آزاری نہ کرو ۔ وہ مسلمان ہی نہیں ۔ جو کسی قوم کے بزرگوں کو گالیاں دے ۔ یا برا بھلا کہے ۔ یہ کام رذیلوں اور کمینوں کا ہے ۔

اس سے کسی بزرگ کی تضحیک نہیں ہوتی ۔ بلکہ برا کہنے والے کی اصلیت ظاہر ہوتی ہے ۔ جن لوگوں نے بزرگان اسلام کو برا کہنا شعار کر لیا ہے ۔ وہ انسانیت سے خارج ۔ شرافت سے معرا ۔ کمینہ اور سفلہ ہے ۔

وہ دنیا پر بار ہیں ۔ ننگ انسان ہیں ۔ شرافت سے ان کا دور کا لگاؤ بھی نہیں ہے

انسانیت ان کے کمینہ فعل پر لعنت بھیجتی ہے۔

کبھی کوئی انسان جو شرافت کا دعوے دار ہے۔ کسی کو برا نہیں کہہ سکتا۔ برا ہوئے لوگ ہی کہا کرتے ہیں۔ اور خود ان کے اندر برائیاں ہوتی ہیں۔ ہر شریف انسان ایسے بدبخت لوگوں کو ذلیل ترین سمجھنے پر مجبور ہے۔

مسلمانوں نے یہودیوں کی گالیاں سنیں۔ انہیں بڑا جوش آیا۔ چاہا۔ کہ فوراً حملہ کر دیا جائے۔ تاکہ ان دریدہ دہن اوباشوں کی گوشمالی ہو سکے۔ مگر انہیں ان کے ہادی نے حملہ کرنے کا حکم نہ دیا تھا۔

اس لئے وہ ضبط کر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اکرم معہ تمام اسلامی لشکر کے تشریف لے آئے۔ مسلمانوں کی آمد کا تانتا عشا کے وقت تک لگا رہا۔ وجہ یہ ہوئی۔ کہ اکثر مسلمان مدینہ میں داخل ہوتے ہی ظہر کی نماز پڑھنے سے قبل ہتھیار مکان پر رکھنے کے لئے چلے گئے تھے۔

انھیں جب آنحضور صلعم کے فرمان کا علم ہوا تو فوراً مسلح ہو ہو کر بنو قریظہ کے قلعہ کی طرف چلتے رہے۔ چنانچہ عشار کے وقت تک ان کی آمد جاری رہی۔

چونکہ آنحضور صلعم نے یہ اعلان فرمایا تھا۔ کہ جو مجاہدین غزوۂ خندق میں شریک تھے۔ وہ عصر کی نماز مدینہ میں نہ پڑھیں۔ اس لئے وہ مسلمان جو مدینہ میں عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ اور جنہیں آنحضور کے اس اعلان کا بعد میں علم ہوا تھا۔

انہوں نے بنی قریظہ کے قلعہ کے سامنے جا کر عشار کے وقت پہلے عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں۔ اور آنحضور نے ان کے اس کو جائز قرار دیا۔

عشار کی نماز پڑھ کر آنحضور صلعم نے قلعہ کے محاصرہ کا حکم دیا۔ مجاہدین اسلام قلعہ کے چاروں طرف پھیل گئے۔ اور رات ہی کو انہوں نے مورچے قائم کر لئے۔ صبح بہت سویرے بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور مسلح ہو کر میدان جنگ میں صف بستہ

ہو گئے۔

یہودیوں نے فلاخنوں کے ذریعے سے سنگباری شروع کی۔ مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے کر دیں۔ اور قلعہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔

چونکہ یہودی کثرت سے پتھر پھینک رہے۔ اس لئے زیادہ تعداد پتھروں کی ڈھالوں سے بچ کر مسلمانوں کے پیروں اور ٹخنوں میں لگ رہی تھی۔ پتھر خاردار تھے۔ اس لئے زخم ڈالتے جاتے تھے۔

بہت سے مسلمان زخمی ہو چکے تھے۔ مگر وہ زخموں کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ برابر پیش قدمی کر رہے تھے۔ اور ان کا ہر قدم قلعہ کی طرف بڑھتا جاتا تھا۔

جب یہودیوں نے دیکھا۔ کہ مسلمان تیروں کی زد میں آ گئے ہیں۔ تو انہوں نے فلاخن اندازی بند کر کے تیر افگنی شروع کر دی۔ اور اس کثرت سے تیر برسائے۔ کہ مسلمانوں کی پیشقدمی چند لمحے مسدود ہو گئی۔

مسلمان بھی اب ترکی بترکی جواب دینے لگے تھے۔ وہ بھی فصیل پر تیر پھینک رہے تھے۔ لیکن فصیل اونچی تھی۔ مسلمانوں کے تیر فصیل کی منڈیر سے ٹکرا ٹکرا کر گر پڑتے تھے۔

البتہ کبھی کبھی کوئی کوئی تیر اس شخص کے دماغ میں تراز و ہو جاتا تھا۔ جو فصیل سے سر ابھار کر مسلمانوں کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

چونکہ یہودی کثرت سے تیر پھینک رہے تھے۔ اس لئے مسلمان تیروں سے بچتے ہوئے قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ بسا اوقات گھنٹوں ایک ہی جگہ کھڑے ہوئے گذر جاتے تھے۔

شام تک اسی طرح جنگ کا سلسلہ قائم رہا۔ اگرچہ مسلمانوں نے ہر چند قلعہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔ لیکن تیروں کی کثرت نے فصیل کے نیچے نہ پہنچنے دیا۔

قلعہ کے چاروں طرف جنگ کے یہی آثار و قرائن تھے۔ حضرت علی کرم شمال کی جانب مصروف پیکار تھے۔ آپ اس حد تک جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ کہ آپ نے تیراندازی

کا خیال کیا۔ اور نہ سنگ اندازی کا۔

آپ اور آپ کے ہمراہی خاردار پتھروں اور پردار تیروں کو ڈھالوں پر روکتے ہوئے قدم قدم بڑھتے رہے۔

آپ نے عزم بالجزم کر لیا تھا۔ کہ قلعہ کے نیچے پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ یہودی آپ کے ارادہ سے آپ کی پیش قدمی کے آثار و انداز دیکھ کر واقف ہو چکے تھے۔

انہوں نے اس طرف سپاہیوں کی جمعیت بڑھا دی تھی۔ اور سپاہیوں نے اس شدت سے تیر اندازی شروع کر دی تھی۔ کہ مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پیدا ہو گئی تھی۔

آگے بڑھنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہو گیا تھا۔ مگر حضرت علی رضی کا قدم نہ رکا۔ شیر خدا تیروں کو ڈھال پر روکتے ہوئے اور ایک ہاتھ میں علم سنبھالے ہوئے برابر بڑھ رہے تھے اپنے سردار کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ دوسرے مسلمان پیچھے رہ جاتے وہ بھی تیروں کو روکتے زخمی ہوتے قدم بقدم بڑھے چلے آ رہے تھے۔ جنگ صبح ہی شروع ہو گئی تھی۔

سارے دن ہوتی رہی تھی۔ اب بھی جبکہ آفتاب تھکے ہوئے مسافر کی طرح سے حجلۂ مغرب میں آرام کرنے کے لئے قدم بڑھا رہا تھا۔

جنگ اسی شان اور اسی جوش سے جاری تھی۔ جس شان اور جس جوش سے شروع کی گئی تھی۔

حضرت علی رضی یہ چاہتے تھے۔ کہ کسی طرح قلعہ کے قریب پہنچ جائیں۔ اور یہودی یہ عزم کر چکے تھے۔ کہ کسی مسلمان کو بھی قلعہ کی فصیل کے پاس تک نہ آنے دیں گے۔ چونکہ آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔

دن ختم ہو کر رات چھا جانے والی تھی۔ اس لئے حضرت علی رضی نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت سرعت سے بڑھنا شروع کیا۔

نعرۂ تکبیر کی اس آواز نے گویا مجاہدین اسلام کو بیدار کر دیا۔ وہ چونکے سنبھلے اور اللہ اکبر کا پر ہیبت و جلال نعرہ لگا کر تیزی سے بڑھتے۔

یہودیوں نے مسلمانوں کی اس بے نظیر جسارت اور عدیم النظیر ہمت کو دیکھا۔ اگرچہ ان کے دست و بازو تمام دن کے فلاخن اندازی اور تیر اندازی نے شل کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی شکستگی اور تھکاوٹ وغیرہ کا قطعاً خیال تک بھی نہ کرتے ہوئے مزید شدت سے تیر اندازی شروع کر دی۔

مگر حضرت علی کرم نے جو قدم بڑھایا تھا۔ اسے پیچھے نہ ہٹایا۔ بلکہ اسے آگے ہی بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کے قریب پہنچ گئے۔

اسوقت آفتاب غروب ہو گیا اور شرقی جانب سے ظلمت شب کی سیاہ چادر اٹھکر آہستہ آہستہ مغرب کی طرف پھیلنے لگی۔

اسوقت آنحضور صلعم نے جنگ بندی کر دی اور ساتھ ہی اعلان کرا دیا۔ کہ مسلمان واپس لوٹ کر اسجگہ پہنچ جائیں۔ جہاں وہ شب گزشتہ شب باش ہوئے تھے۔ آنحضور صلعم کا یہ حکم حضرت علی کرم اللہ تک بھی پہنچ گیا۔

اگرچہ آپ چاہتے تھے۔ کہ رات ہی میں کو زنر کر قلعہ کے اندر پہنچ جائیں۔ نیز یہودیوں کو بھی یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔

وہ سمجھ گئے تھے۔ کہ مسلمان قلعہ کی دیوار توڑ کر اندر گھس آوینگے۔ وہ انتہائی خوف و ہراس سے مسلمانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مگر جب آنحضورؐ کا فرمان واپسی کے متعلق حضرت علی کرم اللہ تک پہنچا۔ تو وہ نافرمانی کے خوف سے فصیل کے نیچے کھڑے رہنے اور اسے توڑ کر قلعہ کے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ فوراً واپس لوٹ پڑے۔ یہودیوں نے ان کی واپسی کو اپنی خوش بختی پر محمول کیا۔ وہ ان کو واپس جاتے دیکھکر نہایت خوش ہوئے۔

لشکر اسلام محاذ جنگ سے ہٹ کر اپنی قیام گاہوں پر پہنچ گیا۔ مجاہدین نے کمریں

کھولیں۔ نمازیں پڑھی۔ کھانا پکایا اور کھانا کھا کر مصروف آرام ہو گئے۔

صبح پھر گذشتہ روز کی طرح میدان کارزار میں نکلے۔ سارے دن مصروف جدال و قتال رہے۔ گویا اس طرح سے انھیں لڑتے ہوئے پندرہ دن گزر گئے۔ اس پندرہ یوم کے عرصہ میں نہ کوئی قلعہ کے اندر جا سکا۔ اور نہ کوئی قلعہ کے اندر سے باہر آسکا۔

اگر یہودیوں کے پاس سامان رسد کافی تھا۔ لیکن تیروں اور سنگ ریزوں کی کمی ہونے لگی تھی۔ سامانِ حرب کی اس کمی نے ان کے حوصلے پست کرنا شروع کر دیئے تھے۔ انھوں نے کئی کارخانے تیروں کے تیار کرنے کے لئے قائم کر دیئے تھے۔ جو شب و روز تیر بنانے میں مصروف رہتے تھے۔ اور لکڑی کی کمیابی نے ان کارخانوں کو تیزی سے کام کرنے سے روک دیا تھا۔

یہ کیفیت دیکھ کر کعب بن اسد نے جو یہودیوں کا سردار اعظم تھا۔ ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔ تمام سرآوردہ یہودیوں کو بلایا گیا۔ حیی بن اخطب بھی قلعہ کے اندر موجود تھا۔ وہ بھی طلب کیا گیا۔ جب سب لوگ آ گئے۔ تو کعب نے کہا۔

اے بنی اسرائیل کے غیور فرزندو! جس بات کا خدشہ تھا۔ وہی سامنے آئی۔ ہم نے غلطی کی کہ اس عہد نامہ کو جو مسلمانوں سے کیا گیا تھا۔ توڑ ڈالا۔ دراصل ہم دھوکہ کھا گئے۔ قریش مکہ کے لشکر کی تعداد ہم نے دیکھ کر سمجھ لیا تھا۔ کہ وہ ضرور فتحیاب ہوں گے۔ اور مسلمان فنا ہو جائیں گے۔ لیکن قریش کی بزدلی نے جنگ کا پانسہ ہی بدل دیا۔ وہ طوفان باد باراں سے خائف ہو کر بھاگ گئے۔ اور ہمیں ان مشکلات میں مبتلا کر گئے۔ جس جوش اور جس جرأت سے مسلمان لڑ رہے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہم ان کا عرصہ تک مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ کسی نہ کسی دن قلعہ پر جا کر قابض ہو جائیں گے۔

ایسی صورت میں قوم کی فلاح کے لئے کوئی مناسب تجویز کی جائے

ثعلبہ بن سعید نے جو شرفائے یہود سے تھا۔ ہم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا ہے۔ خود مصیبت مول لی ہے اور خود مسلمانوں کو جنگ کا چیلنج دیا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا۔ کہ عہد نامہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کی مخالفت کرنا کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں ہے۔ لیکن کسی نے میری بات کو نہ مانا۔ اب نتیجہ سامنے ہے۔ اب بھی یہی کہتا ہوں۔ کہ خوب اچھی طرح سے سوچ سمجھ کر کوئی ایسی بات نکالیئے جس سے قوم کی فلاح ہو۔

حیی بن اخطب نے کہا۔ ہر قوم اور ہر شخص اپنی بہبودی چاہتا ہے۔ ہم نے عہد شکنی میں اپنا فائدہ سمجھا تھا۔ لیکن قریش کی بزدلی نے امید کے خلاف کر دیا۔ آپ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ مسلمانوں نے بنی قینقاع اور بنو نضیر کے قبائل کو جلاوطن کر دیا ہے اور ان کے قلعوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم سے یہ غلطی ہوئی۔ کہ ہم نے اسوقت اپنے بھائیوں کی امداد نہ کی اور خاموش بیٹھے ان کو جلاوطن ہوتے دیکھتے رہے۔ اگر ہم ان کا ساتھ دیتے اور تینوں قبائل متفق و متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے تو یقیناً جلاوطنی کی تکلیف سے بچ جاتے۔

چونکہ ہم مسلمانوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہے ہیں۔ اس لئے وہ ہم کو بھی جلاوطن کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ہمت و استقلال سے کام لیتے رہے۔ اور صلح کی طرف نہ جھکے۔ تو مسلمان محاصرہ سے تنگ آ کر خود ہی واپس لوٹ جائیں گے۔ اس لئے میرے خیال میں ہمیں نہ بزدلی ہونا چاہیئے۔ اور نہ صلح کی طرف جھکنا چاہیئے۔

اسد بن عبید نے کہا حیی! تم نے ہمیں عہد شکنی کی ترغیب دی۔ تم نے ہم کو مجبور کیا۔ کہ ہم مسلمانوں کے اس وفد کو جو ہمیں سمجھانے کے لئے آیا تھا۔ کورا اور سخت جواب دیا تھا۔

ہم تمہارے کہنے پر آ گئے۔ مسلمانوں سے بگاڑ کر بیٹھے۔ تم سمجھتے ہو۔ کہ مجاہدین اسلام محاصرہ سے تنگ آ کر چلے جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں کی روایات اور گزشتہ واقعات تمہارے اس خیال پر خط تنسیخ کھینچتے ہیں۔ وہ بغیر قلعہ فتح کئے ہرگز ہرگز نہ جائیں گے۔

اگر ہم اپنی ضد پر پڑے رہے اور صلح کی طرف نہ جھکے۔ تو نہایت زبردست نقصان اٹھائیں گے۔ لہذا میرے نزدیک تو صلح کر لینا بہتر ہے ؛

حیی نے کہا۔ اسد! تمہارا خیال غلط ہے مسلمان مہینہ دو مہینے محاصرہ کئے پڑے رہ سکتے ہیں۔ زیادہ عرصے تک نہیں۔

اسید بن سعید نے کہا۔ یہ تمہارا خام خیال ہے۔ مسلمان جس بات کا ارادہ کر لیتے ہیں اُسے پورا کئے بغیر نہیں مانتے وہ یا تو قلعہ کو فتح کرینگے۔ یا تمام عمر محاصرہ کئے پڑے رہیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے قصور کی معافی طلب کرو۔ اور جس طرح سے بھی ہو صلح کر لی جائے۔

حیی نے کہا۔ مگر مسلمان صلح ہی کیوں کرینگے۔

ثعلبہ نے کہا۔ مسلمانوں میں یہ خوبی بڑی زبردست ہے۔ کہ جب ان سے رحم کی التجا کی جاتی ہے۔ تو وہ فوراً رحم و کرم کی طرف جھک جاتے ہیں۔ ان کے ہادی برحق حضرت محمد مصطفےٰ خلق مجسم اور پیکر رحم و کرم ہیں۔

وہ خونریزی کو کسی طرح سے بھی پسند نہیں کرتے۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں۔ کہ مسلمانوں سے اچھی شرائط پر صلح کرا دوں گا۔

ایک اور یہودی نے کہا۔ لیکن ہم کو ہرگز صلح نہ کرنی چاہیے۔

حیی بن اخطب نے لوگوں سے استفسار کیا۔ کیا آپ سب اصحاب چاہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ ہرگز نہیں ہم بالکل صلح کرنا نہیں چاہتے۔

کعب نے کہا۔ اگر تم صلح کرنا نہیں چاہتے۔ تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر دو۔ اور قلعہ سے باہر نکل کر میدان میں لڑو۔ اگر فتحیاب ہوئے تو عورتوں اور بچے اور مل جائینگے اور اگر مارے گئے یا شکست ہوئی۔ تو ننگ و ناموس کی طرف سے بے فکر رہو گے۔

چند لوگوں نے کہا۔ یہ تو بڑی بے وقوفی کی بات ہو گی۔ ہم میں کون ایسا سنگ دل ہے

جو اپنی اولاد اور اپنے قبیلہ (بیوی) کو قتل کر ڈالے۔

کعب نے کہا۔ اگر یہ منظور نہیں۔ تو سنیچر کی رات کو مسلمانوں پر شبخون مارو۔ اور چونکہ وہ اس خیال سے کہ سنیچر کا دن ہماری قوم میں خاص احترام کا دن ہے۔ اس دن ہم لڑنا، شکار کھیلنا یا کوئی اور دنیا کا کام کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ بے فکر اور غافل ہوں گے۔ اور ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر کلی طور پر ان کا استیصال کر دینگے۔

یہودیوں میں سنیچر کا دن نہایت حرمت کا سمجھا جاتا تھا۔ اس روز وہ سوائے عبادت کے کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔ ان کے تمام کاروبار اور سارے دنیاوی معاملات بند رہتے تھے۔

چند لوگوں نے کہا۔ ہم سنیچر کے دن کی بے حرمتی بھی نہیں کر سکتے۔ یہ بات تمام باتوں سے خراب اور تکلیف دہ ہے۔

حیی بن اخطب نے کہا۔ میرے خیال میں ہمیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے۔ استقلال اور جرأت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور یہ طے پایا کہ جنگ کا جاری رکھنا ہی مناسب اور بہتر ہے۔ لیکن یہ مشورہ ثعلبہ۔ اسد۔ اسید کو ناگوار گذرا۔ وہ اسی وقت اٹھے۔ اور قلعہ سے باہر آ کر حضور صلعم کی خدمت میں پہنچے۔ اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد برابر محاصرہ قائم رہا۔ اور روزانہ جنگ ہوتی رہی۔

جب دس روز اور گذر گئے۔ اور تیروں اور سنگ ریزوں کی اس درجہ کمی ہو گئی۔ کہ مزید دو چار روز تک جاری رکھنا دشوار نظر آنے لگا۔ تو تمام یہودی گھبرا گئے۔ اور انہوں نے کعب پر صلح کرنے کے لئے زور ڈالا۔

چنانچہ کعب نے آنحضور صلعم کی خدمت میں پیغام بھیجا۔ کہ ہم قلعہ کو اور اپنی قوم کو اس شرط پر آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ کہ سعد بن معاذ جو سزا ہمارے لئے تجویز فرماویں

وہی سزا ہم کو دی جائے۔

آنحضور صلعم نے اس کی اس شرط کو قبول کر لیا۔ بنی قریظہ کے فوراً قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور خود ہی معہ اپنے اہل و عیال کے قلعہ سے باہر نکلا چلا آیا۔ ہر شخص جانتا تھا۔ کہ مسلمان سچ بولتے ہیں۔ ایفائے وعدہ کرتے ہیں۔ غداری اور بدعہدی کبھی نہیں کرتے۔ دشمنوں کو بھی ان کی ان باتوں کا اعتراف تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ بنو قریظہ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا تھا۔

آنحضور صلعم نے انہیں حراست میں لئے جانے کا حکم دے دیا۔ لہذا تمام یہودی حراست میں لے لئے گئے۔ چند م قلعہ کے اندر داخل ہو کر قلعہ پر قابض ہو گئے۔

چونکہ جنگ بند کر دی گئی تھی۔ اس لئے مجاہدین قلعہ کے تمام اطراف سے سمٹ سمٹ کر آنحضور صلعم کے پاس آ گئے تھے۔ جب یہاں آکر معلوم ہوا۔ کہ یہودیوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا ہے۔ تو قبیلۂ اوس کے چند انصار آنحضور صلعم کی خدمت میں پہنچے اور ان میں سے ایک شخص نے سرور کائنات فخر موجودات سے کہا۔

یارسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں جب ہمارے قبیلہ اوس اور ہمارے دشمن کے قبیلہ خزرج میں جنگ ہوتی تھی۔ تو بنو قریظہ ہمارے طرفدار رہتے تھے۔ اس لئے ہماری استدعا ہے کہ حضورؐ بنی قریظہ کے معاملہ میں ہمارے قبیلہ میں سے کسی کو منصف مقرر فرما دیں۔

آنحضور صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔ اطمینان رکھو۔ پہلے ہی تمہارے قبیلۂ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ کو منصف قرار دیا جا چکا ہے۔ بنی قریظہ نے بھی انہیں ہی اپنی طرف سے وکیل مطلق بنایا ہے۔

یہ سنکر قبیلۂ اوس کے تمام انصار نہایت خوش ہوئے۔ اور آنحضور نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ لشکر قیدیوں کو حراست میں لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

مشرکین اور منافقین نے غم وحیرت کی نظروں سے مسلمانوں کو بامراد اور فتحیاب آتے ہوئے دیکھا - اور رشک وحسد سے جل گئے ۔

لشکر اسلام مدینہ میں داخل ہو کر مسجد نبوی کے سامنے والے وسیع میدان میں پہنچا - قیدی لشکر کے وسط میں کھڑے کر دیئے گئے - آنحضور صلعم فرش کرا کر بیٹھ گئے چند اصحابہ بھی آنحضور صلعم کے پاس جا بیٹھے - اب چند لوگ سعد رضہ کو لانے کے لئے بھیجے گئے ۔

حضرت سعدؓ غزوہ خندق میں زخمی ہو گئے تھے - اور ایسے زخمی ہوئے تھے - کہ چل پھر نہ سکتے تھے - ان کے مسجد کے قریب ایک خیمہ ایستادہ کر دیا گیا تھا - اور وہ اس میں فروکش تھے ۔

انہیں لانے کے لئے ایک پالکی تیار کیگئی - اس پالکی میں انہیں سوار کرا کر قبیلہ اوس کے انصار ساتھ چلے - راستہ میں چند آدمیوں نے ان سے کہا -

آپ کو معلوم ہے - کہ بنی قریظہ نے ہمیشہ لڑائیوں میں ہمارا ساتھ دیا ہے - آج انہوں نے آپ کو اپنا وکیل (مددگار) بنایا ہے - لہذا بہتر ہے - کہ آپ ان کے ساتھ انتہائی رعایت کریں -

حضرت سعد نے فرمایا - میں عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرونگا ۔

جب ان کی سواری آنحضور صلعم کے پاس پہنچی - تو حضورؐ اکرم اور آپ کے صحابہ رضہ ان کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے - آنحضور صلعم نے اُٹھتے ہوئے فرمایا ! لوگو جب کوئی بزرگ یا رئیس قوم آیا کرے - تو اس کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہُوا کرو ۔

حضرت سعدؓ پالکی سے نکل کر فرش پر بیٹھ گئے - آنحضور صلعم اور تمام مسلمان بھی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے ۔

چونکہ تمام مدینہ اور نواح مدینہ میں اس بات کی شہرت ہو گئی تھی ۔ کہ بنی قریظہ نے حضرت سعدؓ کو منصف قرار دیا ہے ۔ اس لئے اطراف وجوانب سے لوگ فیصلہ سننے کے اُمڈ آئے تھے ۔ اور مسلمانوں کے چاروں طرف حصار باندھکر کھڑے ہو گئے تھے ۔

آنحضور صلعم نے حضرت سعدؓ سے کہا ۔ میں نے تمہارے دوستوں یعنی بنی قریظہ کا معاملہ تمہارے سپرد کر دیا ہے ۔ جو فیصلہ تم کرو گے اس پر عمل کیا جائیگا ۔

کعب نے کہا ۔ اے قبیلۂ اوس کے سردار! ہم نے تم کو اپنی طرف سے وکیل مطلق بنایا ہے ۔ جو فیصلہ تم کرو گے ۔ ہم اس پر کاربند رہیں گے ۔ ......

تم جانتے ہو ۔ اور اچھی طرح سے جانتے ہو ۔ کہ جب قبیلۂ اوس اور خزاج میں لڑائیاں ہوتی تھیں ۔ تو ہم ہمیشہ تمہارا ساتھ دیتے تھے ۔ ہم دیرینہ دوستی کے نام پر تم سے اپیل کرتے ہیں ۔ کہ ہماری دیرینہ رفاقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیجیئے گا ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ۔ سعدؓ آپ کو معلوم ہے ۔ کہ جب مسلمان محصور تھے ۔ تو اسوقت بنی قریظہ نے عہدنامہ کے خلاف غداری کر کے دشمن سے ساز باز کر لیا تھا ۔ اور جب انہیں سمجھانے کے لئے وفد بھیجا گیا تھا ۔ تو مسلمانوں کو ناتوان و کمزور اور حقیر سمجھ کر ان کے وفد کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کیا ۔ اور صاف طور پر یہ کہہ دیا ۔ کہ ہم رسولِ خدا کو نہیں جانتے ۔ اور نہ کسی عہد کے پابند رہنا چاہتے ہیں ۔ پھر اسی پر ہی اکتفا نہ کیا ۔ بلکہ مسلمانوں اور رسولِ خدا کو گالیاں دیں ۔ میں نہ صرف میں بلکہ ہر مسلمان اور ہر مسلمان ہی نہیں ۔ بلکہ ہر شریف انسان کی یہ خواہش ہے ۔ کہ آپ منصفانہ فیصلہ صادر فرمادیں ۔

حضرت سعدؓ نے کعب سے دریافت کیا ؛ تم نے مجھے منصف قرار دیا ہے ۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرو ۔ کہ میرے فیصلے کو منظور کرو گے ؛

کعب نے حلف اٹھا کر اقرار کیا ۔ کہ میں اور میری قوم تمہارے فیصلہ کو منظور کرینگے

اس کے بعد سعدؓ نے مسلمانوں سے بھی یہی اقرار لیا ۔ اور مسلمانوں نے بھی اقرار کیا ۔

حلف لینے کے بعد سعدؓ سوچنے لگے۔ یہودی مسلمان ۔مشرکین اور منافقین الغرض سب کے سب خاموش رہکر حضرت سعدؓ کی طرف دیکھنے لگے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد سعدؓ نے سر اٹھایا۔ اور ایسی آواز سے جو سب تک پہنچ سکے۔ ارشاد فرمایا۔

میں فیصلہ دیتا ہوں۔ کہ بنی قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ اسیران جنگ کا سا سلوک کیا جائے۔ اور ان کی املاک ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے۔

اس فیصلہ کے سنتے ہی بنی قریظہ۔ مشرکین اور منافقین حیران و ششدر رہ گئے۔ سعدؓ کا فیصلہ ان کی توقعات کے خلاف ہُوا۔

یہودی مرد اس فیصلے کو سُنکر رونے لگے۔ عورتیں۔ بچے چیخنے اور چلانے لگے۔ آج اُنہیں معلوم ہُوا کہ عہد نامہ کو کاغذ کا پرزہ سمجھنے کی سزا کیا ہوتی ہے۔ اور بد عہدی کس قدر ہولناک نتائج پیدا کرتی ہے

چنانچہ اس فیصلے کے بموجب تمام مرد قتل کر ڈالے گئے۔ عورتیں اور بچے غلام اور کنیزیں بنا کر مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دی گئیں۔ اور تمام املاک وغیرہ ضبط کر کے حسب معمول مسلمانوں میں بانٹ دی گئیں۔

اسطرح سے بنی قریظہ اپنی حماقت آفریں بدعہدی سے کیفر کردار کو پہنچے۔ اب مدینہ کی سرزمین سرکش۔ بدمعاش اور اسلام دشمن یہودیوں کے وجود سے پاک ہو گئی۔ اس جنگ کا نام غزوۂ بنی قریظہ ہے۔

دسواں باب

"انتقام"

جمیلہ حارثہ کی گود میں آپڑی۔ یہ وہی جمیلہ تھی۔ جسے بنی قحطان کے افراد اس وقت اٹھا لائے تھے۔ جب وہ عہد اوائل سے گزر کر زمانۂ شباب میں قدم رکھنے والی تھی۔ لیکن اب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ مست شباب ہو گئی تھی۔ اب جمیلہ وہ بچپن کی جمیلہ نہ تھی۔ بلکہ وہ اب شباب کی گہرائیوں میں آغوشِ حسن میں۔ الھڑ پنے کے جھولے میں جھولنے والی جمیلہ تھی۔ عالمِ جوانی نے اس کے حسن دل افروز کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

وہ لڑکپن میں ہی خوبصورت تھی۔ جوانی نے بے نظیر حسینہ بنا دیا تھا۔ اس کا گدرایا ہوا جسم۔ گداز سینہ۔ سڈول اعضا۔ جاذب نظر بن گئے تھے۔ اس کا چہرہ شعاعِ حسن سے جگمگا رہا تھا۔

رعنائی اور دلربائی نے اسے رشکِ حور بنا دیا تھا۔ ناممکن تھا۔ کہ کوئی اسے دیکھ کر اپنے قابو میں رہ سکتا۔ خدا نے فیاضی کے ساتھ اسے حسن عطا کر کے ملکۂ حسن بنا دیا تھا۔ حارثہ اسے دیکھ کر آئینہ وار حیران رہ گیا۔

وہ دیر تک اس کے حسین چہرہ اور شرمائی ہوئی نگاہوں کو دیکھتا رہا۔ جب اس کی حیرت دور ہوئی۔ تو اس نے کہا:۔

جمیلہ! کیا تم وہی جمیلہ ہو؟ .... جو چند روز ہوئے۔ لڑکپن کی گود میں کھیل رہی تھیں۔ میری آغوش میں پرورش پا رہی تھیں؟

جمیلہ نے شرمیلی نگاہوں سے دیکھ کر حیا افگن انداز سے کہا۔ ہاں! میں وہی جمیلہ ہوں .... جسے آپ نے بچایا تھا جبکہ میرا والد مجھے زندہ دفن کر گیا تھا۔

.... تم نے .... ہاں تم نے مجھے نکالا تھا ....

میرے بزرگ! .... میں تمہاری منہ بولی بیٹی جمیلہ ہوں۔ آفت نصیب جمیلہ ہوں۔

یہ کہتے ہی کہتے جمیلہ کی مست شباب آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حارثہ کچھ بے چین سا ہو گیا۔ اور اس نے کہا!

نہ رو میری بیٹی! نہ رو! تجھے کس نے ستایا ہے۔ اور کس نے تجھ پر ظلم کئے ہیں۔ جمیلہ نے اپنے دوپٹہ کی آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

مجھے میری قسمت نے ستایا ہے۔ جب سے ہم بنی قحطان میں آئے ہیں۔ ایک روز بھی آرام و اطمینان سے نہیں رہے۔ نہ میں! نہ رقیہ اور نہ میری والدہ سلمہ! .... آہ! وہ تو رنج کرتے کرتے بڑھیا ہو گئیں۔

حارثہ نے دریافت کیا۔ کہ بنی قحطان نے تم کو ستایا ہے جمیلہ نے کہا۔ ہاں! .... آہ وہ ہمیں لونڈیاں سمجھتے ہیں! ہم سے اس قدر مشقت لیتے ہیں۔ کہ ہم زندگی سے تنگ آجاتے ہیں۔

ہم کو آدھی رات کے وقت اٹھا دیا جاتا ہے۔ اناج پیسنے کو کہا جاتا ہے۔ صبح تک ہم اناج پیستی رہتی ہیں۔ آفتاب نکلتے ہی اون صاف کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ دوپہر تک اون صاف کرتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد کھانے پکانے کا کام ہوتا ہے۔

سارے قبیلہ کا کھانا ہم تینوں کو ہی پکانا پڑتا ہے۔ تیسرے پہر کو کھجوروں کی شاخیں کاٹ کاٹ کر کستہ علیحدہ کر کے کاٹتی ہیں۔ شام کے وقت رسیاں بٹتی ہیں۔ دن چھپے پھر کھانا پکاتی ہیں :-

آپ ہی کہئے۔ اس قدر مشقت کس طرح برداشت کی جا سکتی ہے۔ اگر کام خدانخواستہ دیر ہو جائے۔ یا ان کے حسب منشا نہ ہو۔ تو پھر دروں کی مار پڑتی ہے ... ... پیارے باپ! ہم سخت مصیبت میں ہیں۔ تم کہاں چلے گئے تھے۔ آہ! ... ... ابتک تم نے ہماری خبر نہ لی :۔

حارثہ کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔ اُسے بنی قحطان پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ لہٰذا اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

بنی قحطان کے ذلیل فرزندو! اب تم سے انتقام لوں گا ....

...... بیٹی جمیلہ! میں مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ ایسی مصیبت میں جس نے موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔ وہ تو کہو زندگی تھی۔ اِن ذلیل کتوں سے انتقام لینا تھا۔ بچ گیا، بتاؤ وہ ذلیل قبیلہ کہاں ہے؟

جمیلہ نے کہا۔ میں انہیں جانتی کہاں ہے۔ مجھے یہ شخص دھوکہ سے گرفتار کر کے لایا .... حارثہ جمیلہ کو دیکھ کر عجبل کو بھول گیا تھا۔ جمیلہ کے کہنے پر اب اسے اس کا دھیان آیا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ عجبل غائب ہو چکا تھا۔ حارثہ نے کہا! شیطان بھاگ گیا۔ خیر جانے دو! شاید بنی قحطان کے لوگ کہیں قریب ہی ہوں گے۔

جمیلہ نے کہا۔ ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے۔ جو شخص مجھے باندھ کر لایا تھا۔ کہتا تھا کہ بنی قحطان کے لوگ مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔

حارثہ :- وہ تمہیں کب اور کیسے پکڑ لایا۔

جمیلہ :- میں رفع حاجت کے لئے نخلستان سے باہر آئی تھی۔ غلطی یا حماقت سے دور نکل آئی۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں پھنس گئی۔ جب میں راستہ تلاش کر رہی تھی۔ تو یہ شخص دفعتاً مجھ پر آپڑا۔ اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر لے چلا۔

میں اس کی گرفت سے نکلنے کی جد وجہد کرتے کرتے بے ہوش ہو گئی۔ جب آنکھ کھلی۔ تو رات ہو گئی تھی۔ اور یہ شخص مجھے ستا رہا تھا۔ اگر تم تھوڑی دیر تک نہ آتے تو وہ ظالم مجھے ضرور مار ڈالتا۔

حارثہ نے غصہ سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ بدبخت! بدمعاش بچکر نکل گیا۔

. . . .

اس وقت حارثہ نے یاہ! یاہ!! کی آواز سنی۔ وہ چونکا اور خاموش ہو کر گوش برآواز ہو گیا۔

اس وقت رات نصف کے قریب آچکی تھی۔ فضا خاموش تھی۔ کائنات پر سکوت طاری تھا۔ چاند نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی منزلیں طے کر رہا تھا۔ چاند نے ریگزار کو روشن کر دیا تھا۔

اس قدرتی سکوت کو توڑتے ہوئے پھر یاہ! یاہ!! کی انسانی آواز آئی۔ حارثہ نے جمیلہ کو اپنی آغوش سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ جمیلہ آؤ۔ شاید بنی قحطان کے لوگ اونٹوں کو ہانکے لا رہے ہیں۔ بڑا اچھا موقعہ ہے۔ آج میں اس سے انتقام لوں گا۔

جمیلہ نے الگ کھڑے ہو کر۔ کیا تنہا ان کا مقابلہ کرو گے؟ نہیں نہیں! میں آپ کو ان درندہ صفت انسانوں کے سامنے تنہا نہ جانے دونگی۔ یہ کہتے ہی اس نے بڑھ کر حارثہ کی عبا پکڑ لی۔ حارثہ نے تسلی آمیز۔۔۔ انداز سے کہا۔ بیٹی! فکر نہ کرو۔ میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ بہت سے لوگ ہیں۔ چلو! جلدی چلو!! جمیلہ نے

ایک قدم بھی نہ اٹھایا۔ اُس نے دریافت کیا کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔ حارثہ نے کہا۔ اس ٹیلہ کے دوسری طرف ہیں۔ جلدی چلو۔ کہیں میرے پہنچنے سے پہلے جنگ شروع نہ ہو جائے۔ اب جمیلہ چلی۔ حارثہ تیزی سے اُسے اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا لے چلا دونوں ٹیلوں پر ٹیلے پھلانگتے ہوئے چلے اور لمبا چکر کاٹ کر بڑے ٹیلے کے دوسری طرف جا پہنچے۔ یہاں حارثہ کے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ چھپے ہوئے فلک نما اونچے ٹیلوں کے پیچھے اونٹوں کو چھپائے کھڑے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے آنیوالوں کو دیکھ لیا تھا۔ اور ان سے ڈر کر یا کسی مصلحت سے چھپ گئے تھے۔ آہستہ آہستہ حارثہ چل کر ان کے پاس پہنچا۔ اُسے دیکھتے ہی اُس کے ساتھی ایسے خوش ہوئے جیسے مدتوں کے بعد ان سے وہ اچانک آملا تھا۔ لیکن ! لیکن جب انہوں نے جمیلہ کو دیکھا تو اسکی خوبصورتی اور رعنائی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حارثہ نے اُن کے قریب جا کر آہستہ سے دریافت کیا تم نے اُن آنیوالوں کو دیکھا۔ ان میں سے چند آدمیوں نے کہا ہاں دیکھا ! یہ دشمن معلوم ہوتے ہیں۔ بنی قحطان کے لوگ ! ہم انھیں دیکھ کر آپ کی عدم موجودگی کی وجہ سے مصلحتاً اس طرف ہٹ آئے تھے۔ حارثہ نے پھر دریافت کیا۔ کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں ! چند آدمیوں نے کہا۔ کیوں نہیں ! ہمارے سامنے ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔

حارثہ ! میں نے دور سے دیکھا ہے۔ اُن کی تعداد زیادہ ہے۔

ایک شخص۔ شاید دوگنے کے قریب ہوں۔ لیکن ہم کیا پرواہ کر سکتے ہیں۔ وہ بزدل اور لٹیرے ہیں۔ ہمارے حملہ کرتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔

حارثہ۔ اچھا تو اونٹوں کو چھوڑ دو۔ ہتھیار سنبھال لو اور چلو

ایک شخص نے کہا۔ مگر یہ ناز آفریں دوشیزہ اس نے جمیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، حارثہ نے کہا یہ میری بیٹی ہے۔ اونٹوں کے پاس رہے گی۔

جمیلہ نے کہا. نہیں ابا میں آپکے ساتھ چلونگی. بزدل کمینوں سے انتقام لینے کیلئے

حارثہ نے کہا نور جیسی تجھے میں اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دے سکتا

دشمن زیادہ ہیں. ہم کم ہیں ہمیں نہیں معلوم کہ لڑائی کا نتیجہ کیا ہو اس لیئے قرۃ العین تم اونٹوں

کے پاس رہو. اگر تم دیکھو. کہ ہمیں شکست ہوئی ہے. تو تم اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ چلی جانا.

مدینہ میں ایک نبی ہے. حضرت محمد ان کا نام ہے. ان کے پاس جا کر ان کا مذہب اختیار

کر لینا. وہ دشمنوں سے تیری حفاظت کرینگے. اور عجب نہیں کہ ہمارا انتقام بھی لیں زیاً

جمیلہ نے کہا. میں نے سب کچھ سن کہا ہے. اس قبیلہ کے کچھ لوگ قریش مکہ کے ساتھ الی

سے لڑنے کے لئے مدینہ گئے تھے. مگر شکست کھا کر واپس آ گئے.

وہ حضرت محمد کی تعریف کرتے تھے. حارثہ نے کہا. ٹھیک ہے. ہم سب جب

مبتلائے مصیبت ہوئے اور ہم نے اُن کے خدا کو پکارا. اس نے ہماری امداد کی!

اچھا! اونٹوں کے پاس کھڑی ہو گئی. حارثہ اور اس کے ساتھی چلے تلواریں سونت سونت

کر زقند بھرتے چلے. سامنے سے اونٹوں کی لمبی قطار آ رہی تھی. کچھ لوگ اونٹ پر سوار

تھے کچھ اونٹوں کی مہار پکڑے یاہ! یاہ!! کی صدائیں لگاتے قدم قدم چلے آ رہے تھے.

جس راستہ سے وہ آ رہے تھے وہ اس ٹیلہ کے نیچے سے ہو کر گزرتا تھا. جس کے پیچھے

حارثہ اور اس کے سپاہی چھپے ہوئے تھے.

جب آنیوالے قافلہ کے لوگ ان کے سامنے آ گئے. تو یہ سب دفعتاً نکل پڑے.

حارثہ نے بلند آواز سے کہا. بنی قحطان کے بزدل لوگو! آل بکر کے مقابلے کیلئے نکلو.

اس آواز کو سنتے ہی آنیوالے لوگوں میں ابتری پیدا ہوئی. اونٹ روک دیئے گئے

لوگ خوف و ہراس سے حارثہ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے لگے. حارثہ نے فوراً

تلوار بلند کی. اور ایک شخص پر حملہ کیا. جو اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھا. پہلے ہی حملہ

میں اس کا سر تن سے جدا ہو گیا. اس عرصہ میں اس کے ساتھیوں نے بھی حملہ کر کے

کئی دیگر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

چونکہ اونٹوں کی قطاریں لمبی اور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے حارثہ کے ساتھی بھی دور تک پھیل گئے۔ اور میدان کارزار گرم ہو گیا۔ یہ قافلہ بنی قحطان ہی کا تھا۔ کچھ دیر تو وہ خوف و حیرت سے حارثہ اور اُس کے ساتھیوں کو دیکھتے رہے۔ مگر جب اُن کے آدمی قتل کئے جانے لگے۔ تو وہ بھی تلواریں لے لے کر اونٹوں سے کودے اور مقابلہ میں آ کر مصروف پیکار ہو گئے۔

حارثہ نہایت پھرتی سے لڑ رہا تھا۔ وہ بلند آواز سے کہتا جاتا تھا۔ بنی قحطان کے کتو! آل بنی بکر تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بنی قحطان اگرچہ پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ مگر بنی قحطان کے افراد کے سامنے انکی ایک پیش نہ جاتی تھی۔ وہ برابر قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے تمام مرد قتل کر ڈالے گئے۔ صرف عورتیں اور بچے چیخنے اور چلاتے رہ گئے۔

جب ایک مرد بھی زندہ باقی نہ رہا۔ تو جنگ موقوف کر دی گئی۔ عورتوں کو اونٹوں سے نیچے اتارا گیا۔ وہ روئیں۔ امان! امان!! کی صدائیں لگاتی۔ اُن کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ ان عورتوں میں رقیہ اور سلمےٰ بھی تھیں۔ سلمےٰ حارثہ کو دیکھتے ہی اس کی طرف جھپٹی اور پیارے شوہر کہہ کر اُس کے بازوؤں سے جا لگی

حارثہ نے اُسے اپنے سینہ سے لگا کر بھینچا پیار کیا اور آہستہ آہستہ اس کا سر تھپتھپا کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ تمام عورتوں کو اونٹوں پر سوار کراؤ اور چلو فوراً اُس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ عورتیں اونٹوں پر سوار کرائی گئیں۔ جمیلہ بنی بکر کے اونٹ وغیرہ بھی لائے گئے اور یہ سب لوگ بھی اونٹوں پر سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس طرح عرصہ کے بعد بنو بکر نے بنی قحطان سے انتقام لیا:۔

(11)

گیارہواں باب

احسان فراموشی کا انجام

قارئین کرام کو یاد ہوگا۔ کہ غزوہ دومتہ الجندل سے واپسی کیوقت عنیہ بن حصین نے آنحضور صلعم سے مدینہ کی چراگاہوں میں اپنے اونٹ چرانیکی اجازت حاصل کرلی تھی اور وہ کثیر التعداد اونٹ لے کر مدینہ کی چراگاہوں میں آگیا تھا۔

پورے ایک سال تک وہ اپنے اونٹ چراگاہوں میں نہایت اطمینان سے چراتا رہا۔ بلا کسی معاوضہ کے مسلمانوں نے اُس کے ساتھ یہاں تک رواداری اور مہمان نوازی کا سلوک کیا کہ اپنے مویشی ناکارہ چراگاہوں میں منتقل کر دیئے اور اُس کے اونٹوں کے لیے بہترین چراگاہوں کو چھوڑ دیں۔ نیز جس چیز کی اُسے ضرورت ہوتی تھی۔ مہیا کر دیتے تھے اُس کے مویشیوں کی حفاظت کرتے تھے۔

ستو اور کھجوریں تحفہ کے طور پر دیتے رہتے تھے۔ لیکن عنیہ چونکہ مشرک تھا۔ بت پرست تھا۔ مسلمانوں کی ترقی اور عروج دیکھ کر گڑھتا رہتا تھا۔ وہ اس فکر میں تھا۔ کہ کسی روز موقعہ پاکر مسلمانوں کے اونٹوں کو ہانک لے جائے۔

اتفاق سے ایک روز ایسا موقعہ اُس کے ہاتھ آگیا۔ چراگاہوں میں اونٹوں کی حفاظت کے لیئے بہت سے مسلمان رہا کرتے تھے۔

جمعہ کا دن تھا۔ لہٰذا وہ سب جمعہ پڑھنے کے لیئے مدینہ میں چلے گئے اور تمام چراگاہیں خالی رہ گئیں صرف ایک شخص بنو غفار معہ اپنی بیوی کے رہ گئے تھے۔

عینیہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا وہ غفاری کے پاس آیا اور اُسے دہوکہ سے قتل کر کے اسکی بیوی کو پکڑ کر مسلمانوں کے سارے اونٹ جمع کر کے لے چلا۔ جب وہ چراگاہوں سے نکلا تو عمر بن الاکوع نے دیکھ لیا

اُس نے کہا۔ عینیہ کیا تم مسلمانوں کے احسان کا معاوضہ دے رہے ہو کہ اُن کے اونٹ لیئے جا رہے ہو۔

عینیہ نے کہا سُنو عمرو کوئی غیر مسلم کبھی مسلمانوں کا زیر بار احسان نہیں ہو سکتا جب کبھی موقعہ پائے گا تم اور تمہاری قوم کو نقصان پہنچانے سے نہ چوکے گا۔ مدینہ کی چراگائیں ہماری تھیں تم نے زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔

ہم نے تمہیں اور تمہارے نبی کو دہوکہ دے کر ایک سال تک ان چراگاہوں سے فائدہ اٹھایا۔ اب اونٹوں کو لے جا رہا ہوں۔ تم ہمارا تعاقب نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

عمرو کو اس کی باتیں سن کر بڑا ہی غصہ آیا۔ لیکن وہ تنہا تھے اور عینیہ کے ساتھ سو سوا سو کفار تھے۔ وہ ان کا مقابلہ کسی طرح سے بھی نہ کر سکتے تھے۔ مگر غصہ کو ضبط نہ کر سکے کڑک کر بولے

احسان فراموش! عینیہ تجھے اس دغابازی کی سزا دی جائے گی۔ عینیہ نے بے حیائی سے ہنستے ہوئے کہا اور شاید اس غفاری عورت کے لیئے جانے کی بھی اب تک عمرو بن الاکوع نے اس عورت کو نہیں دیکھا تھا۔ عورت بندھی ہوئی تھی اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ عمرو یہ دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور انہوں نے فرمایا! بدمعاش! ظالم اس عورت کا بھی انتقام لیا جائے گا۔

عینیہ عیارانہ تبسم سے مسکراتے ہوئے چلا گیا! عمرو رضؓ تیز قدمی سے چلے۔ مدینہ میں پہنچے۔ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور آنحضور صلعم کی خدمت میں باریاب ہو کر بولے! آہ حضور صلعم اکرم دغاباز اور مکار عینیہ نے ہمارے احسانات کا یہ معاوضہ دیا ہے کہ بنو غفار کے ایک شخص کو شہید کر کے اس کی بیوی کو اسیر کر کے مسلمانوں کے تمام اونٹ لے کر چلا گیا۔

آنحضور صلعم کو اس خبر کے سنتے ہی پہلے تو بڑا غصہ آیا۔ پھر رنج ہوا۔ آپ فوراً اُٹھے۔ جس قدر صحابہ کرام آپکے پاس موجود تھے۔ وہ بھی کھڑے ہو گئے اور مسجد سے نکلے۔

اونٹ پر سوار ہوئے اور معہ صحابہ کرام کے عینیہ کے تعاقب میں روانہ ہو گئے آپ کی روانگی کے بعد مقداد بن رضؓ الاسواد۔ عباد بن البشر۔ سعد بن الزید عکاشہ بن محض۔ محرز بن فضلہ۔ ابو قتادہ وغیرہم بھی روانہ ہوئے اور آنحضور سے جا ملے اسلمہ رضؓ بن عمرو تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوئے۔

وہ عینیہ کی اس حرکت سے سخت خشمناک ہو رہے تھے۔ اس وجہ سے نہایت تیزی سے اونٹ دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ آنحضور صلعم جب تعاقب کرتے ہوئے چشمہ ذوقرو پر پہنچے۔ تو آپ نے سعد بن الزید کو سردار مقرر کر کے صحابہ کرام کی جماعت کو عینیہ کے تعاقب میں روانہ فرمایا اور خود چشمہ کے کنارے پر مقیم ہو گئے۔

اگرچہ عینیہ نہایت تیزی سے بھاگا چلا جا رہا تھا اور وہ حدود مدینہ سے باہر نکل کر اپنی حدود میں پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن اسلمہ رضؓ بن عمرو اُس کے قریب پہنچ گئے تھے لہذا انہوں نے دور ہی سے ڈپٹ کر کہا! بزدل۔ مکار دغاباز ٹھہر کہاں بھاگا جاتا ہے عینیہ نے پلٹ کو دیکھا۔ سلمہ رضؓ تنہا اونٹ بھگائے لیئے چلے آ رہے تھے۔

لہذا اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

ٹھہرو! صرف ایک شخص چلا آ رہا ہے اُسے بھی کیوں نہ قتل کر دیا جائے۔ اس کے تمام آدمی رُک گئے۔ البتہ پانچ یا سات آدمی اونٹوں کو برابر ہانکتے ہوئے چلے گئے۔

اسلمہ رضؓ عینیہ اور اس کے ہمراہیوں کے قریب پہنچے وہ اس قدر جوش اور طیش میں بھرے ہوئے تھے کہ بغیر اس بات کا خیال کیئے ہوئے کہ دشمن ایک سو پچیس کے قریب ہیں فوراً اونٹ سے اتر کر ان کے مقابلہ میں جا ڈٹے۔ عینیہ کے تلوار نکالی اور اُس کے ہمراہیوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔

اسلمہ رضؓ نے بھی تلوار کھینچی اور بغیر کسی قسم کے خوف و جھجک کے عینیہ پر حملہ کر دیا۔ عینیہ اس کی جسارت دیکھ کر حیران رہ گئے:۔

اتنے میں کہ اس کی جسارت دور ہوا اسلمہ رضؓ کی تلوار عینیہ کے سر پر پہنچ چکی تھی۔ عینیہ اسلمہ رضؓ کی برق وش تلوار اور اس کی چکاچوند پیدا کرنے والی دھار دیکھ کر گھبرا گیا۔ اُس نے جلدی سے ڈھال سامنے کر دی

لیکن ڈھال سامنے آنے سے پہلے تلوار اُس کے کاندھے پر پڑی اور اُسے مجروح کرتے ہوئے ہڈی کے پاس جا کر رُکی۔

عینیہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی وہ بزدل تھا۔ موت کے خوف سے بھاگ کر اپنے ہمراہیوں کے بیچ میں جا گھسا!

اُس کے کندھے کے زخم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا تھا۔ خون کو نکلتے ہوئے دیکھ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوتے جا رہے تھے۔

اس کے مقابلے سے ہٹتے ہی کئی کافروں نے بڑھ کر اسلمہ رضؓ پر حملے کیئے۔ اسلمہ نے بڑی پھرتی اور چابک دستی سے پینترے بدل بدل کر حملے روکے اور خود بھی

جھپٹ جھپٹ کر حملہ کیا۔

پہلے ہی حملے میں ایک کافر کا سر اڑا دیا۔ ابھی اس کا لاشہ گرنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ دوسرے پر اچھل کر وار کیا۔ اُس کا سر بھی اڑ گیا اور لاشہ گر کر تڑپنے لگا۔ گویا چشم زدن میں کفار کے دو آدمی مارے گئے۔

انھیں بڑا طیش آیا۔ وہ غصہ سے بھر کر اسلمہ رضؓ پر حملہ آور ہوئے۔ بیسیوں تلواریں جگمگاتی۔ سانپوں کی طرح سے زبانیں نکالتے ہوئے بڑھیں

اسلمہ رضؓ کے لیئے یہ نہایت نازک موقعہ تھا۔ خون کے پیاسے دشمن چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے تھے۔

یہ موقعہ ایسا نازک تھا۔ کہ مستقل سے مستقل مزاج انسان۔ بہادر سے بہادر جانباز بھی گھبرا جاتا۔ لیکن اسلمہ رضؓ نہ گھبرائے بلکہ بڑے اطمینان اور بڑی پھرتی سے اُن کے وار روکتے ہوئے ان کے نرغہ سے باہر نکل آئے اور باہر نکلتے ہی اچھل کر ایک کافر پر جا پڑے!

دوسرے پر تلوار سے وار کیا۔ پہلے آدمی کی کمر میں ایسا جھٹکا آیا۔ جیسے کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہو۔ وہ نیم مردہ ہو کر گرا اور دوسرے کی آدھی گردن کٹ کر لٹک گئی کفار آپ کی یہ جرات و دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔

وہ سمجھے تھے۔ کہ صرف ایک شخص ہی ان کے تعاقب میں آرہا ہے۔ اُسے گھیر کر مار ڈالنا کچھ بڑی بات نہیں ہے!

لیکن جب مقابلہ ہوا تو اُن کے تین آدمی قتل ہو گئے اور ایک آدمی کی کمر میں جھٹکا آنے سے ناکارہ ہو گیا۔ تو ان کی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

وہ سمجھ گئے کہ مسلمان جب کہ غضبناک ہوتا ہے۔ غصہ میں بھر جاتا ہے۔ تو اس میں شیر سے زیادہ قوت آجاتی ہے۔ اور وہ غیر مسلموں کو بھیڑ بکریوں کی طرح چیر پھاڑ ڈالتا ہے۔

عینیہ جس کے شانے سے اب بھی خون نکل نکل کر بہہ رہا تھا۔ اور جس کا چہرہ زرد اور ہونٹ خشک ہوتے چلے جا رہے تھے۔ کراہنے کی آواز میں بولا۔ لوگو! اس قاتل کو جلدی ٹھکانے لگا دو۔

اُسے کیا خبر تھی کہ اس کے ساتھی اسلمہؓ کو موت کا فرشتہ سمجھنے لگے ہیں اور اُن کے سامنے جاتے یا اُن پر حملہ کرتے ہوئے ان کی جان نکلتی ہے۔

اسلمہؓ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئی تھیں کچھ دیر تک تو انہوں نے انتظار کیا کہ شاید کفار ان پر حملہ کریں

مگر کافروں کو اتنی ہمت کہاں تھی۔ جب کفار حملہ آور نہ ہوئے تو اسلمہؓ خود ہی جھپٹے اور اپنی برق وش تلوار کو ہلاتے ہوئے اُن پر جا ٹوٹے

کفار انھیں حملہ کرتے دیکھ کر دب گئے۔ چند قدم پیچھے ہٹے اسلمہؓ نے بڑھ کر ایک مشرک پر بھرپور ہاتھ مارا۔

ان کی تلوار اس کا سر اڑا کر خون اگلتے ہوئے اٹھی ...... قدم پیچھے ہٹے۔ اور حیرت انگیز پھرتی سے داہنی طرف کو دے۔ جوش میں آ کر ایک اور شخص پر حملہ کیا اور جلدی سے اُس کا سر اڑا کر پیچھے ہٹے۔

کفار کچھ سہمے۔ کچھ حیران ہوئے اور قدرے جھجکتے ہوئے پیچھے ہٹے۔ لیکن فوراً ہی سنبھل گئے۔

اپنی بزدلی پر برہم ہوتے ہوئے بڑھے اور ایک وسیع دائرہ بناتے ہوئے اسلمہؓ کے چاروں طرف چھا گئے۔

اسلمہؓ کے چہرے سے اب بھی خوف و ہراس کے آثار ظاہر نہ ہوئے وہ گوشہ چشم سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس بات کے منتظر ہو گئے۔ کہ کس طرف سے اُن پر حملہ کیا جاتا ہے۔

ابھی کفار نے حملہ نہ کیا تھا۔ کہ مسلمانوں کی جماعت پہنچ گئی۔ انہوں نے دور ہی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر کفار کے ڈرپوک دلوں میں تہلکہ ڈال دیا۔ لیکن جب مسلمان اس میدان میں پہنچے تو عین اسی وقت عیینہ کی بھی کمک آ گئی۔

سینکڑوں مشرک اس کی مدد کے لیے آ گئے۔ عیینہ نے پہلے ہی سے تمام انتظامات وغیرہ کر لیے تھے۔

دونوں لشکر جب آمنے سامنے ہوئے تو صاف و شفاف تلواریں میانوں سے نکل نکل کر بلند ہوئیں اور انسانوں کے سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔

جنگ شروع ہو گئی۔ ہر فریق نہایت جوش اور بڑی جرات سے جنگ کرنے لگا۔ سرفروش کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ گویا خون کا دریا بہنے لگا۔

مسلمان کم تھے۔ کفار زیادہ تھے۔ پھر تھوڑا فرق نہ تھا۔ بلکہ ایک اور چار کی نسبت تھی۔ یعنی مسلمان کفار کا ۱/۴ تھے لیکن اس جوش اور پھرتی سے لڑ رہے تھے کہ کفار ورطۂ حیرت میں غرق ہو کر رہ گئے۔

ہر مسلمان بڑی چابک دستی سے ادھر اُدھر اُچھل اُچھل کر حملے کر رہا تھا۔ اور ہر حملہ میں کم از کم ایک کافر کو قتل کر ڈالتا تھا۔

اگرچہ مشرکین بھی بڑی جرات اور نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن جو جوش اور جو پھرتی اور دلیری مسلمانوں میں تھی۔ اس کا عشر عشیر بھی ان کا نہ تھا۔ ایک ہی گھنٹہ کی جنگ میں کفار کے تقریباً ساٹھ ستر آدمی مجروح اور قتل ہو کر گر پڑے۔

مسلمانوں میں مجروح تو کئی ہوئے لیکن شہید ایک بھی نہ ہوا۔ جو مسلمان مجروح ہو گئے تھے۔ وہ انتقام کے جوش میں اور بھی بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ان کی بے پناہ تلواروں نے کفار کے پرخچے اڑا دیئے۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور خون کی ندیاں بہا دیں۔

یہ کیفیت دیکھ کر کفار میں سراسیمگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ کئی مشرک قتل ہو کر گرے۔ بقیۃ السیف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیینہ بھی بھاگا۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ بھاگتے بھاگتے بھی کئی ایک کافر تہ تیغ کر ڈالے بالآخر جب وہ دور نکل گئے تو مسلمان لوٹ آئے اور واپس آکر غفاری کی عورت کے بند کاٹے۔

اُس کے منہ سے کپڑا نکالا۔ اونٹوں کو ایک جگہ جمع کیا اور واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عیینہ کے ساتھ اُس کے سینکڑوں اونٹ تھے۔ مسلمانوں نے ان اونٹوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

جب وہ چشمہ ذو قرد پر آئے تو آنحضور صلعم نے انھیں فتح پر مبارک باد دی اور ایک اونٹ ذبح کر کے پکایا اور کھانا کھا کر آرام فرمایا۔ دوسرے روز یہ مختصر لشکر یہ اسلامی دستہ مال غنیمت لے کر فاتحانہ جاہ و جلال سے مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہوا۔

(۱۲)

بارہواں باب

میثاق

کفار کی ریشہ دوانیاں مسلمانوں کو آرام واطمینان سے نہ بیٹھنے دیتی تھیں صرف مشرکین ہی مسلمانوں کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ یہودی سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ انہوں نے آنحضور صلعم کو شہید کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ لیکن بروقت حضور کو اسکی اطلاع ہوگئی اور آپ ان کے پھندے سے نکل آئے۔ مسلمانوں کی ترقی دیکھ دیکھ کر مشرکین یہودی عیسائی وزرتشی اور ہمہ آبادی غرضیکہ سب ہی رشک وحسد کی آگ سے جلے جا رہے تھے۔ اور ان کو خوف ورجا کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

چونکہ مسلمانوں کو ہر معرکہ میں فتح حاصل ہوتی تھی۔ اس لیئے ان کے خطرات اور بڑھ گئے تھے اور تمام مذاہب اسلام کیخلاف متحد ومتفق ہو کر مسلمانوں کی بیخکنی پر آمادہ نظر آنے لگے تھے۔ ایک عجیب بات تھی کہ جس قدر مسلمان سختیاں برداشت کر رہے تھے۔ ایک عجیب بات تھی۔ جس قدر انکی بیخکنی کی کوشش کیجاتی تھی اسی قدر وہ اور پکے ہوتے جاتے تھے۔ اور سعید روحیں اسلام کیطرف جھکتی چلی جاتی تھی۔ اسلام ایسے لوگوں سے شروع ہوا جنھیں کوئی قوت نہ تھی۔ جو اپنے ہمسایوں سے ڈرتے تھے۔ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ قوت بڑھنا شروع ہوئی اور اس قدر طاقتور ہو گئے تھے۔ کہ کفار کی شوکت وسطوت کو خیال میں نہ لاتے تھے۔ کفار

کو جو اسلام خطرہ تھا۔ وہ سامنے آرہا تھا۔

بُت پرستی آہستہ آہستہ سرزمین عرب سے معدوم ہوتی چلی جارہی تھی۔ اور توحید پرستی کا غلغلہ شروع ہو گیا تھا۔ گویا کفر کی تیرگی اسلام کے ضیا بار نیر تاباں سے چھپتی چلی جا رہی تھی۔ چونکہ اب مسلمانوں کی قوت وشوکت بڑھنے لگی تھی۔ اس لیئے آنحضور صلعم نے حبش کے اُن مہاجرین کو جو آغاز اسلام میں حبش میں جلاوطن ہو کر چلے گئے تھے بلانا چاہا۔

آپ نے عمرو بن اُمیہ کو حبش جانے اور مہاجرین کو اپنے ہمراہ لانے کا حکم دیا۔ عمرو تیار ہو گئے یا یوں سمجھو کہ ہر مسلمان ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ کہ ضرورت کیوقت جو کام چاہیے لے لیا جائے۔ اس لیئے عمرو رضؓ بھی پہلے ہی سے تیار تھے۔ اور حکم ہوتے ہی روانگی پر آمادہ ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ وہ شاہ حبش کے نام ایک خط لکھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جلدی سے کاغذ اور قلم دوات لیکر آگئے حضور اکرم امی تھے۔ لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے۔ جو کچھ آپ کو لکھوانا ہوتا تھا کسی خواندہ صحابی سے لکھوا لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھنا اور آنحضور صلعم نے لکھوانا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ترجمہ (شروع ہے اُس خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

یہ نامہ اللہ کے رسُول (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اَصحمہ نجاشی حبش [1] کے نام ہے تم پر سلامتی ہو۔

میں تعریف کرتا ہوں اس اللہ کی جو کائنات کا خالق ہے مالک القدوس ہے مومن یعنی ایمان عطا کرنیوالا ہے۔ جس سے کسی کا ذرہ بھر حال پوشیدہ نہیں ہے۔ جو اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان ہے۔ جو غیب کا حال جانتا ہے اے بادشاہ خداوند قدوس نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ مریم کے بیٹے اور خدا کے بندہ تھے۔ خدا کے حکم سے بی بی مریمؑ حاملہ ہوئیں اور جس طرح سے اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ کو بغیر ماں کے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا تھا۔ اسی طرح سے حضرت عیسےٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے نزدیک آسان ترین بات ہے۔ جب اُس نے دنیا وجہاں کو پیدا کیا ہے۔ تو کیا وہ کسی کو بغیر ماں یا بغیر باپ کے پیدا نہیں کر سکتا؟

اَے بادشاہ! جب خدا قادر مطلق ہے۔ تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ حضرت عیسےٰ خدا کا بندہ اور رسول تھے۔ خدا کے بیٹے نہیں تھے۔ نہ خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ اور نہ خدا کو بیٹے کی ضرورت ہے۔

---

[1] یہ خط عربی میں تھا۔ ہم نے ترجمہ پیش کیا ہے۔ مختلف تاریخوں میں مرقوم و محفوظ ہیں یہ سب سے پہلا تھا۔ جو ایک عیسائی بادشاہ کے نام روانہ کیا گیا تھا۔

(صادق۔ صدیقی۔)

اے بادشاہ! خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میری یہ تعلیم ہے۔
کہ اس خدا پر جو اکیلا ہے۔ جس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے۔ ایمان
لاؤ۔ بُری اور بےحیائی کی باتیں۔ مثلاً چوری۔ زناہ۔ غیبت۔ خیانت۔ اتہام
لگانا۔ اوباشی کرنا۔ اور نیز جس قدر دیگر بُرے کام ہیں۔ سب چھوڑ دو۔
اور خدا کی عبادت کرو۔ نیکی کی ترغیب دو۔ اتفاق سے رہو۔ ملک میں فساد نہ کرو
لوگوں پر رحم کرو۔ ہمسایوں کو نہ ستاؤ۔ اور جس قدر اچھے کام ہیں انہیں کرو!

اے بادشاہ! میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ خدائے واحد پر ایمان لاؤ۔
میرا اتباع کرو۔ سچے دل سے میری تعلیم کا اقرار کرو۔ میری رسالت مانو۔ کیونکہ
میں خدا کا رسول ہوں لہ

اللہ تعالٰے نے جو کتاب (قرآن مجید) مجھ پر نازل فرمایا۔ اس میں ارشاد فرمایا
ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

(اے نبی ہم نے تمہیں دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

اے بادشاہ! میں مشکور ہوں۔ کہ تم نے میرے چچیرے بھائی حضرت جعفر رضہ
طیار! اور مسلمانوں کی ایک مصیبت زدہ جماعت کو اپنے ملک میں ٹھہرایا۔ اور
اُنھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔

آخر میں پھر کہتا ہوں۔ کہ میں نے پیغام حق تمہارے پاس پہنچا دیا۔
جو مجھ پر فرض تھا۔ اب تم اپنا فرض ادا کرو۔ میری نصیحت مان لو۔ مسلمان ہو
جاؤ۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ چلتا ہے:۔

یہ خط لکھکر آنحضور نے اپنی مہر لگائی۔ اور حضرت عمرو رضہ کو روانہ کر دیا۔ یہ حقیقت
ہے۔ کہ عرب دنیا و جہاں سے الگ ایک غیر آباد ریگ زار میں رہتے تھے۔ بستے تھے۔

تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھے۔

نہ کبھی کسی بادشاہ کے حضور میں گئے تھے۔ نہ آداب شاہی سے واقف تھے۔ لیکن اسلام نے ان پر ایسا رنگ چڑھا دیا تھا۔ کہ متمدن اور مہذب بن گئے تھے۔ جاننے لگے تھے۔ کہ کس کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنا چاہیئے۔

یہ آنحضور صلعم کی تعلیم کا اثر تھا۔ گویا عربوں میں متمدن اور مہذب بننے کی صلاحیت تو تھی۔ لیکن اس کا موقعہ ہنوز نہ آیا تھا۔ اور اب جب موقعہ آیا۔ تو بادیہ نشین اور غیر مہذب گنوار عرب بڑے شائستہ اور مہذب بن گئے تھے۔

عمرو کے روانہ ہونے کے بعد آنحضور صلعم نے ایک شب کو خواب میں دیکھا۔ کہ صحابہ کرام کے ہمراہ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اگرچہ آنحضور ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آ گئے تھے۔

پانچسال ہجرت کو گزر چکے تھے۔ اس عرصہ میں کسی مسلمان کو بھی مکہ میں جانے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ لیکن زیارت حرم کی آرزو سب کو تھی :۔

اس خواب نے طواف کعبہ کی تحریک پیدا کر دی۔ آپ نے عمرو یعنے زیارت کعبہ کا عزم کر لیا۔ اور صحابہ کو مکہ چلنے کے لئے تیاری کا حکم دے دیا :

یہ فرمان سنکر مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ جب تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ تو ماہ ذیقعدہ ۶ھ میں ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ آپ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ کو رخصت کرنے کے لئے قریب قریب سارا مدینہ اُمڈ آیا۔ اور مشکورانہ نظروں سے سب نے آپ کو رخصت کیا۔ مسلمانوں کو خدا کے رسول کے ساتھ ایسی محبت ہو گئی تھی۔ کہ دو چار دن کی جدائی بھی شاق گزرتی تھی :۔

ہر مسلمان آپ پر پروانہ وار فدا تھا۔ گویا آنحضور صلعم شمع رسالت اور مسلمان اس شمع کے پروانے تھے۔

آنحضورؐ نے مدینہ ہی میں احرام باندھ لیا تھا۔ اور قربانی کے ستر اونٹ کوتل قافلہ سے آگے روانہ کر دیئے تھے۔ تاکہ دیکھنے والے دور ہی سے سمجھ لیں۔ کہ مسلمان لڑنے کے ارادے سے نہیں آرہے ہیں۔

یہ شان دار قافلہ نہایت شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ مشرکین اس قافلہ کو دیکھ کر ڈر گئے۔ اور انہوں نے بجائے خود یہ سمجھ لیا۔ کہ مسلمان مکہ میں اہل قریش سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں۔

اس خیال نے اس خود ساختہ خبر کو برقی پر لگا کر اطراف ملک میں پہنچا دیا۔ اور سارے ملک میں اضطراب و بے چینی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ بیم و رجا کی لہریں اٹھنے لگیں۔ مکہ میں بھی یہ خبر پہنچ گئی۔

اہل مکہ کو بڑا اضطراب ہوا۔ انہوں نے فوراً اطراف و جوانب میں قاصد دوڑا دوڑا کر جمعیت فراہم کرنا شروع کر دی۔ جب زائرین کا یہ قافلہ مقام ذی الحلیفہ میں پہنچا۔ تو آنحضور صلعم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو احتیاطاً بحیثیت جاسوس قریش کے ارادوں کی خبر معلوم کرنے کے لئے مکہ روانہ فرمایا۔ اور خود آہستہ آہستہ سفر جاری رکھا۔

جب آپ مقام عسفان میں پہنچے۔ تو خزاعی جاسوس مکہ سے واپس آکر باریاب ہوا۔ اس نے بتایا۔ کہ قریش مکہ اور دوسرے تمام مشرکین یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ مسلمان جنگ کرنے کے ارادے سے آرہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مقابلہ کرنے کے لئے نہایت زبردست جمعیت فراہم کر لی ہے۔

آنحضور صلعم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ

اکبرؓ نے فرمایا۔ اگرچہ ہم لوگ محض عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ جنگ کرنے کی نیت سے نہیں آئے۔ لیکن اگر کوئی شخص یا کوئی خاندان یا قبیلہ یا کوئی قوم ہمارے اور بیت اللہ شریف کے درمیان حائل ہونا چاہیئے۔ یا ہمیں روکنے یا باز رکھنے کے درپے ہو تو ہم کو ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ بے شک۔ اگر ایسا ہوا۔ تو ہم کو فوراً احرام کھول کر جنگ شروع کر دینا چاہیئے۔

حضرت علی کرم اللہ نے کہا۔ دنیا میں کسی شخص کو کعبۃ اللہ کی زیارت سے روکنے کا کسی فرد کو بھی حق نہیں ہے۔ اگر قریش ایسا کرینگے۔ تو ہم زندگی کے آخری سانس تک لڑینگے:۔

دیگر تمام صحابہ کرام نے بھی یہی رائے دی۔ آپ نے قافلے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ مکہ کے قریب پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ خالد بن ولید سواروں کا ایک دستہ لے کر مقام کراع الغمیم پر مقابلہ کے لئے آ گئے ہیں:۔

آنحضور صلعم نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔ اور کسی قدر داہنی جانب کترا کر سفر شروع کر دیا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ کفار اس قافلہ کی نقل و حرکت سے باخبر نہ ہوسکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زائرین کا یہ قافلہ اچانک مقام قراع الغمیم پر جا پہنچا۔ خالد بن الولید مسلمانوں کی یکایک آمد سے سراسیمہ ہو گئے۔ وہ مع اپنے سواروں کے دستہ کے بڑی بدحواسی سے بھاگے اور سیدھے مکہ میں جا کر دم لیا۔ اور مسلمانوں کی اچانک آمد کا حال کچھ اس انداز سے بیان کیا۔ کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی

زائرین کا قافلہ برابر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اس پہاڑی تک پہنچ گئے۔ جس کے دوسری جانب شہر مکہ کا نواحی میدان تھا۔ اور بعض سن لڑکیوں کے زندہ دفن کرنیکے کام آتا تھا۔ جس میں خدا جانے کتنی معصوم بچیاں آرام سے میٹھی نیند کے مزے

لے رہی تھیں ۔

قافلہ بدستور رواں رہا ۔ یہاں تک کہ وہ مقام حدیبیہ پر پہنچا ۔ اور آنحضورؐ نے قافلہ کو یہاں اترنے کا حکم دیا ۔ قافلہ رُک گیا اور اونٹ بٹھا دیئے گئے سامان اتارا گیا ۔ اور خیمے نصب کئے جانے لگے ۔

اب مسلمان کنوئیں کی طرف چلے تاکہ وضو کر کے سب سے پہلے نماز ادا کر لی جائے ۔ کنوئیں میں پانی کم تھا ۔ اور ذرا سی دیر کے بعد ختم بھی ہو گیا ۔

لوگوں کو پانی کی تکلیف ہوئی ۔ اور آنحضور صلعم سے شکوہ کیا گیا ! آپ نے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت بُرا ابن عازب کو دیا ۔ اور کہا ۔ کہ اس تیر کو کنوئیں میں ڈال دو ۔

حضرت براءؓ نے تیر کو اُسے بوسہ دیا ۔ اور کنوئیں میں جا کر ڈال دیا ۔ تیر گرتے ہی پانی نے جوش مارا ۔ اس قدر جوش کہ پانی اُبل کر کنوئیں سے باہر نکلنے لگا ۔ مسلمان اس معجزہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے :۔

سب نے نہایت اطمینان سے پانی صرف کرنا شروع کیا ۔ جتنا پانی لیتے تھے ۔ اتنا ہی پھر آموجود ہوتا تھا ۔ آپ کے قیام کے دوسرے دن قریش مکہ کی طرف سے بدیل بن ورقہ آنحضور صلعم کی خدمت میں روانہ ہوئے ۔ اور آنحضور سے دریافت کیا ۔

اے مسلمانوں کے ہادی ! آپ مکہ میں کس ارادے سے آئے ہیں ؟

آنحضور صلعم نے فرمایا ۔ کیا تم نے اونٹوں کی قطار نہیں دیکھی ؟ کیا تم نے نہیں سمجھا ۔ کہ وہ اونٹ قربانی کے ہیں ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش یہ سمجھ رہے ہیں ۔ کہ ہم لڑائی کے ارادہ سے آئے ہیں ۔"

یہ بالکل غلط ہے ! ہم احرام باندھے ہوئے ہیں ۔ قربانی کے اونٹ ہمارے ساتھ ہیں ۔ ہم ارادے حج کے آئے ہیں ۔ البتہ ....

اگر ہم کو حج کرنے سے روکا گیا تو پھر لڑائی لازمی ہے ۔ لیکن اس جنگ کی ذمہ داری مزاحمت

کرنے والوں پر ہوگی۔

بدیل یہ سُنکر لاجواب ہو گئے۔ ان کی تسلی ہو گئی۔ وہ مکہ میں واپس آئے۔ اور انہوں نے سب سے کہدیا۔ کہ اضطراب وخوف فضول ہے۔ مسلمان لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے۔ بلکہ حج کی نیت سے آئے ہیں۔

قریش کے سمجھدار یا اعتدال پسند لوگوں نے کہا۔ اس میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ کہ مسلمان حج کر کے واپس چلے جائیں۔ مگر واقعہ پسند یا انتہا پرست لوگ بولے ہم مسلمانوں کو حج بیت اللہ کے لئے بھی نہ آنے دینگے۔

بدیل کے کہنے سے اہل مکہ کی کچھ تشفی ہوئی۔ انہیں جو خوف اور اندیشہ تھا۔ وہ بدستور باقی رہا۔ انہوں نے حلیس بن علقمہ کو جو کنانی قبائل احابیش کا سردار اعظم تھا۔ قاصد بنا کر حال معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔

جب وہ مکہ سے باہر آیا۔ اور انہوں نے قربانی کے اونٹوں کی ایک لمبی قطار دیکھی تو راستہ ہی سے واپس لوٹ آیا۔ اور کہنے لگا۔ تم لوگ فضول ہی ڈر رہے ہو۔ مسلمان لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے۔ محض حج کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔

ایک شخص نے پوچھا۔ کیا آپ مسلمانوں سے ملے تھے ؟

جلیس نے کہا۔ تم بھی بے وقوف ہو۔ جب میں نے مسلمانوں کو احرام باندھے ہوئے اور قربانی کے اونٹوں کی قطار دیکھی پھر مسلمانوں سے پوچھنے کے لئے کیا جاتا۔ لہذا ظاہر ہے۔ کہ وہ لوگ حج کے ارادے سے آئے ہیں۔

ابوسفیان نے بگڑتے ہوئے کہا۔ تم جنگلی آدمی ہو۔ ان باتوں کو نہیں جانتے۔ اگر مسلمان حج کے ارادہ سے بھی آئے ہیں۔ تب بھی ہم انہیں مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے ؛۔

حلیس کو یہ سُنکر بڑا غصہ آیا۔ اور اس نے غضبناک ہو کر کہا۔

اگر تم مسلمانوں کو روکو گے۔ تو میں اپنے قبیلے کے تمام آدمیوں کو لے کر تم سے لڑوں گا:۔

ابوسفیان خوب جانتا تھا۔ کہ حلیس جو کہتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ اُسے خدشہ ہُوا۔ کہ یہ کنانی سردار کہیں بگڑ کر مسلمانوں سے نہ جا ملے۔ اس لئے اس نے چاپلوسی کے لہجہ میں کہا۔

حلیس! تم بھی مذاق میں بگڑ گئے۔ کیا میں نہیں جانتا۔ کہ تم کنانی قبائل احابیش کے سردار اعظم ہو۔ کافی جمعیت اپنے ساتھ رکھتے ہو۔ تمام عرب میں ذی عزت ہو۔ تمہاری شان میں کون گستاخی کر سکتا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو۔ کہ ہماری بے عزتی ہو۔ ہمارے معبودوں کی توہین ہو ہمارے مذہب کی تذلیل ہو۔ ہم بزدل اور ڈرپوک مشہور ہو جائیں۔ تو تم کو اختیار دیا جاتا ہے۔ کہ تم مسلمانوں کے پاس جاؤ۔ اور انہیں اپنے ساتھ مکہ میں لے آؤ۔ تمہاری وجہ سے کوئی شخص بھی انھیں حسد کی نظروں سے نہ دیکھے گا۔

حلیس نے کہا۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا۔ کہ کسی کی توہین و تذلیل ہو۔ مگر اپنی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تم مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دینا چاہتے۔ تو نہ دو۔ مگر کسی کو بزدل اور جنگلی کہہ کر توہین نہ کرو۔"

ابوسفیان نے کہا۔ واقعی! مجھ سے غلطی ہوئی۔ لہٰذا مجھے معافی دیجئے۔

حلیس نے کہا۔ اب مجھے کوئی شکوہ نہیں رہا۔

دونوں نے ہاتھ ملایا۔ تو صلح صفائی کر کے اپنے اپنے راستہ چلے گئے۔ کفار قریش نے یہ تہیہ کر لیا تھا۔ کہ مسلمانوں کو مکہ میں نہ گھسنے دینگے۔

اگرچہ ان کی زبردست جمعیت خاص حرم کے اندر موجود تھی۔ لیکن وہ جانتے تھے۔ کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے مکہ سے باہر نکل کر مجاہدین اسلام

پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

آنحضور صلعم نے اپنے آنے کی غرض و غایت واضح طور پر سمجھانے کے لئے حضرت خراش بن امیہ خزاعی کو تغلب نامی اونٹ دے کر قریش مکہ کے پاس روانہ کیا۔ اگرچہ مکہ کا بچہ بچہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔"

ہر شخص جانتا تھا۔ کہ قریش کے بھیڑیے مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ مگر خراش نے کسی خدشہ و بیم کی پرواہ نہ کی۔ اور بے دھڑک مکہ میں جا داخل ہوئے۔ اور سیدھے ابوسفیان کے پاس پہنچے۔

اسوقت ابوسفیان اپنے مکان کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے پاس عکرمہ۔ خالد عمرو بن العاص اور چند دیگر سر برآوردہ لوگ بیٹھے تھے۔ خراش اونٹ سے اتر کر ان کے پاس پہنچے۔ اور بلند آواز سے بولے:"

اے اہل قریش! حضرت محمد صلعم رسولِ خدا کا قاصد ہوں۔ اور آپ کو یہ بتانے کے لئے آیا ہوں۔ کہ ہم مسلمان لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں۔ محض زیارت کعبہ سے مشرف ہونے اور قربانی ادا کرنے کیلئے آئے ہیں۔

ایام حج میں کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کہ وہ لوگوں کو ادائیگی فریضہ حج سے باز رکھ سکے۔ عربوں کا یہ پرانا قانون ہے۔ اور ابھی تک اس پر عملدرآمد ہوتا ہے اس لئے ہمیں یقین ہے۔ کہ آپ ہماری مزاحمت نہ کرینگے۔ اور ہم کو حج کر لینے دینگے:۔

عکرمہ نے کہا۔ لیکن اگر ہم حج نہ کرنے دیں؟ ....

خراش نے قطع کلام کرتے ہوئے دلیرانہ انداز سے جواب دیا۔ تب ہم لڑیں گے۔ اور تم سب کو قتل کر کے کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔

یہ اہل مکہ کی ایسی کھلی توہین تھی۔ جو آج تک کسی نے کبھی نہ کی تھی۔ لہذا اہل قریش حضرت خراش کی صاف گوئی اور دلیری دیکھکر حیران رہ گئے۔ واقعی یہ حیرتناک بات تھی۔

حضرت خراشؓ تنہا تھے ۔ دشمنوں کے گھر میں تھے ۔

درندہ صفت انسانوں کے سامنے تھے ۔ جانتے تھے ۔ کہ وہ ذرا سی بات سے ناخوش ہو کر قتل کر ڈالیں گے ۔ لیکن .... موت کے خوف نے کلمۂ حق کہنے سے باز نہ رکھا !

چند ثانیہ کے بعد عکرمہ نے کہا ۔ او دریدہ دہن مسلم! تو ہم کو ڈرانے آیا ہے ۔ یاد رکھ تیری زندگی اور موت ہمارے ہاتھ میں ہے :

حضرت خراشؓ نے لاپرواہی کی شان سے کہا ! تم غلط کہتے ہو ! موت اور زندگی خدا کے قبضۂ اختیار میں ہے ۔ تم بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتے ۔ مشرک خدا کا نام سُنکر بھڑک اُٹھے ۔

اُن میں سے کئی آدمی اٹھے انہوں نے پہلے تغلب نامی اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور پھر حضرت خراشؓ کی طرف لپکے ۔"

حضرت خراشؓ نے تلوار کھینچ لی ۔ اور جوش و غضب سے بھر کر کہا ۔ کتو تم قاصد پر حملہ کرتے ہو ! اگر تم میں حمیت باقی نہیں رہی ہے ۔ اور میدان جنگ بھڑکانا چاہتے ہو ۔ تو آؤ لڑ لو ۔ لیکن یاد رکھو ۔ میں جس قوم کا قاصد ہوں ۔ وہ آندھی کی طرح تم پر ٹوٹ پڑے گی ۔ اور تم سب کو قتل کر ڈالے گی ۔

میرے خون کے قطرے تم اور تمہاری قوم کے لئے پیغامِ اجل ثابت ہوں گے ۔

حضرت خراشؓ کو شمشیر بکف دیکھ کر کفار کا جوش ہنڈیا کے ابال کی طرح دب گیا ۔ حلیس بھی اس مجلس میں موجود تھا ۔ اور اس نے کہا !

اے اہل قریش ! یہ کیا بے آئینی ہے ۔ کسی قاصد کو بزدل سے بزدل قوم بھی قتل نہیں کرتی ۔ تم یہ کلنگ کا ٹیکہ کیوں لیتے ہو ۔ لہٰذا ہرگز تم قاصد سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو ۔ اگر ہمت و جرأت ہے ۔ تو باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑو ۔

عکرمہ نے کہا۔ بے شک ہم کو قاصد کو قتل نہ کرنا چاہیئے۔ اس سے ہماری قوم کو داغ لگ جائیگا۔ اے مسلمانوں کے قاصد تم واپس جاکر اپنے رسُول سے کہہ دو۔ کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے"۔

حضرت خراش رضؓ نے تلوار میان میں ڈال لی۔ اور پیادہ واپس لوٹ کر آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ اور تمام واقعہ کہہ سُنایا"!

آنحضور صلعم نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرے خیال میں کسی ایسے شخص کو اتمام حجت کے لیئے روانہ فرمایئے۔ جسکے قبیلہ کے مکہ میں زیادہ ہُوں"۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا بے شک یہ آخری کوشش ہے۔ اور اُسے بھی کرلینا چاہیئے"۔

آنحضور صلعم نے دریافت کیا۔ تو پھر کس شخص کو بھیجا جائے؟۔

حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے فرمایا حضرت عمرؓ کو بھیج دیجیئے"!۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ مجھے جانے میں تو کوئی عذر نہیں ہے۔ مگر میرے قبیلہ بنو عدی کا ایک شخص بھی مکہ میں موجود نہیں ہے۔ اسلیئے میرا کیا اثر پڑیگا۔ اگر حضرت عثمانؓ کو بھیجا جائے۔ تو اچھا ہے۔ کیونکہ ان کے قبیلہ بنی اُمیّہ کے بہت سے بااثر اور طاقتور لوگ مکہ میں موجود ہیں!۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ یہی مناسب ہے۔ تم جاؤ اور اہلِ قریش کو سمجھا بجھا کر اِسباب پر آمادہ کردو۔ کہ وہ ہم کو حج کرنے دیں"!

حضرت عثمانؓ نے سر اطاعت خم کیا۔ اور اُٹھ کر اپنے خیمہ پر آئے۔ مسلح ہوئے۔ اور چل پڑے۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو راستہ ہی میں ابان بن سعید اُن کے قبیلہ کے بااثر سرداران سے ملے۔ اور ان کو اپنی حمایت میں لے کر عکرمہ کے

مکان پر پہنچے :۔

چونکہ مسلمان مکہؓ سے باہر خیمہ زن تھے۔ ہر وقت حملہ کا اندیشہ تھا۔ اسلئے کفار ہر وقت مستعد اور مشورہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی بہت سے با اثر لوگ عکرمہ کے پاس موجود تھے :۔

حضرت عثمانؓ نے تمام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے اہل مکہؓ یہ حج کا زمانہ ہے۔ جنگ کا نہیں۔ ہے۔ ہم مسلمان بھی اس زمانہ کا اسی طرح سے احترام کرتے ہیں۔ جس طرح سے تم کرتے ہو۔ ہم تم سب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی آل سے ہیں :۔

خانہ کو انہوں نے ہی تعمیر کیا تھا۔ اللہ کے حکم سے انہوں نے ہی اُسے مرجع خلائق بنایا۔ تمام عربی قبائل آزادانہ حج کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کو بھی حق ہے۔ کہ ہم عمرہ کریں۔ قربانی کریں۔ اور تم مزاحمت سے دستکش رہو۔

عکرمہؓ نے کہا۔ تم صحیح کہتے ہو۔ عثمان! ہر شخص کو حج کرنے کا پورا پورا حق ہے لیکن ہم .... مسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس میں ہماری توہین ہے۔ البتہ تم کو حج کرنے کی اجازت ہے۔ تم حج کر سکتے ہو۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا! میں تنہا حج نہیں کر سکتا۔

عکرمہ نے کہا۔ اچھا تم نظر بند کئے جاتے ہو۔ تا حکم ثانی مکہ سے باہر نہیں جا سکتے اور اگر تم اس کی خلاف ورزی کرو گے۔ تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔

کسی کو اس حکم کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور حضرت عثمان کو روک لیا گیا۔ جب حضرت عثمانؓ کئی روز تک واپس نہ لوٹے تو عام طور پر مسلمانوں نے خیال کر لیا۔ کہ شائد وہ شہید کر دیئے گئے۔

آنحضور صلعم کو اس بات سے بیحد رنج ہوا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اگر کفار نے عثمانؓ

کو شہید کر ڈالا ہے۔ تو جبتک انتقام نہ لینگے۔ واپس نہ لوٹینگے۔

آپ اسوقت ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ وہیں آپؐ نے بیعت لینا شروع کی۔ صحابہؓ کرام بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ سب نے بیعت کی۔ اس بیعت کا نام "بیعتِ رضوان" ہے۔ اور اس بیعت کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ خدائے قدوس فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ (جس وقت اے رسولؐ درخت کے نیچے مسلمانوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی۔ تو اللہ تعالےٰ اُن سے خوش ہوں گے)

یہ تھا مسلمانوں کی کامیابی کا راز۔ ہر کام خدا کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے۔ اور خدا اُن سے خوش ہو جاتا تھا۔ اور ان کی امداد فرماتا تھا۔ لہذا وہ کامیاب ہوتے تھے۔

جس وقت بیعت جاری تھی۔ اس وقت حضرت عثمانؓ بھی آ گئے۔ مسلمان ان کو دیکھکر کمال مسرور ہوئے۔ وہ بھی آنحضور صلعم کے پاس پہنچے۔ اور انہوں نے بھی بیعت کی۔ بیعت کرنے کے بعد انہوں نے تمام واقعہ سُنایا۔

مسلمانوں نے سمجھ لیا۔ کہ کفار مکہ بغیر لڑے نہ مانیں گے۔ اس لئے انہوں نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جبکہ جنگ کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔

تو ایک روز قبیلہ بنو ثقیف کا مشہور سردار عروہ بن مسعود آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت لوگ ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے وضو کر رہے تھے۔

آنحضور صلعم بھی وضو کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا جم غفیر آپکے گرد کھڑا تھا۔ اور وضو کا پانی زمین پر نہ گرنے دیتا تھا۔ عروہ مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھکر حیران رہ گیا۔ مسلمانوں نے وضو کر کے نماز پڑھی:۔

نماز پڑھکر آنحضور صلعم فرش پر بیٹھے۔ اور چند بزرگ صحابہ کرام بھی آپ

کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے عروہ کو طلب فرمایا۔ عروہ نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ اور آنحضور صلعم کے قریب بیٹھ گیا۔

آپ نے اس سے دریافت کیا۔ عروہ! تم کیسے آئے ہو"!۔

یا محمدؐ آپ نے قوم کے ٹکڑے کر دیئے۔ ملک میں ایک بڑا فتنہ پیدا کر دیا۔ آپ امّی ہیں۔ بھلا امی بھی کہیں رسُول ہو سکتا ہے۔ جو شخص لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو وہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ عروہ! تم مانو نہ مانو۔ لیکن میں خُدا کا رسُول ہُوں۔ امی ہُوں لکھنا پڑھنا نہیں جانتا یہ خدا کا انعام ہے۔ وہ جسے چاہے۔ عطا فرما دے۔ رہا فتنہ کا سوال! میں تم سے یا تمہاری قوم سے کبھی آمادۂ پیکار نہ ہوا۔ تم خود لڑنے کے لیئے بدر اور مدینہ کے مقامات پر گئے۔ اَب میں حج کرنے کے لیئے آیا ہوں۔ تم حج نہیں کرنے دیتے۔ بتاؤ فتنہ تم پیدا کرتے ہو یا میں؟۔

عروہ نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ آپ ہمارے معبُودوں کو بُرا کیوں کہتے ہیں؟۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ میں بُت پرستی سے منع کرتا ہوں۔ وہ شخص جو ذرا سی بھی عقل رکھتا ہے۔ سمجھ سکتا ہے۔ کہ اپنے ہاتھوں سے پتھر تراش کر اُنہیں پوجنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ بُت نہ خدا ہیں۔ نہ مظہر ذات خدا! خدا تو وہ ہے۔ جو خالق کل وجز ہے۔ قادر مطلق ہے۔ موت اور زندگی پر پُورا پُورا اختیار رکھتا ہے۔ عزّت و ذلّت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی پرستش کے قابل ہے۔ خدا کے باغی بندوں کو خدا کے سامنے جُھکانا کسی مذہب کے معبُودوں کو بُرا بھلا کہنا نہیں ہو سکتا:۔

عروہ جب بات کرتا تھا۔ تو ہاتھ پھیلا کر بات کرتا تھا۔ اور ہاتھ اتنی دور لیجاتا جس سے آنحضور صلعم کی ریش مبارک چھو جاتی تھی۔ آنحضورؐ کو اس گستاخانہ حرکت کا خیال بھی نہ تھا۔ لیکن صحابہ کرام کو سخت ناگوار گذر رہا تھا۔ عروہ نے پھر ہاتھ پھیلا کر کہا "لیکن آپ مکہ پر چڑھ کر کیوں آئے ہیں؟

آنحضورؐ نے فرمایا۔ میں لڑانے کے ارادے سے نہیں آیا۔ محض زیادت کعبہ سے مشرف ہونیکے لیئے آیا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ ہم سب احرام باندھے ہوئے ہیں۔ قربانی کے اونٹ ہمارے ساتھ ہیں۔ عروہ! مناسب یہ ہے کہ تم ہماری مزاحمت نہ کرو! اور ہم کو حج کر لینے دو:۔

عرؔوہ نے پھر ہاتھ پھیلایا اور اتنا بڑھایا کہ اُسکی اُنگلیاں آپکی ریش مبارک سے مس ہو گئیں۔ اُس نے کہا۔ لیکن ... ...

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے اسکی یہ گستاخی نہ دیکھی گئی۔ اُنھوں نے جلدی سے تلوار کھینچ کر شمشیر کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مار کر کہا تأدب یاعروہ یعنی اے عروہ ادب کر۔ عروہ باتوں کی رو میں ایسا منہمک ہو رہا تھا۔ کہ اُس نے مسلمانوں کی طرف نہ دیکھا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ مسلمان اسکی گستاخی سے کس قدر برہم ہو رہے ہیں۔ جب حضرت مغیرہ نے اُسے ادب کی تلقین کی تو وہ ہوشیار ہُوا اور اُس نے مسلمانوں کی طرف دیکھا۔ تمام مسلمانوں کے چہروں سے کبیدگی اور غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے:۔

اگرچہ عرؔوہ ڈرپوک نہ تھا۔ مگر مسلمانوں کی غضبناک صورتیں دیکھکر قدرے خائف ہو گیا۔ اس نے ہاتھ پھیلا پھیلا کر باتیں کرنا بند کر دیا۔ آنحضورؐ نے اُس سے فرمایا۔ عروہ تم اپنی قوم میں واپس جاؤ۔ اور ان سے کہو۔ کہ مناسب یہی ہے وہ ہم کو فریضۂ حج ادا کرنے دیں۔ یا ہم سے مصالحت کر لیں۔ اور اگر وہ اپنی ضد پہ اڑے رہے۔ تو مجبوراً ہم کو لڑنا پڑے گا۔ عروہ نے کہا۔ میں سمجھاؤنگا اور کل آپکو اس کا جواب ملجائے گا۔ اس کے بعد عروہ اُٹھا اور سلام کر کے روانہ ہوا:۔

اُس نے مسلمانوں کو رسُولِ خدا کا جو احترام کرتے دیکھا۔ اس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ چنانچہ اُس نے مکہ میں پہنچ کر اہل قریش سے کہا!۔

یامعشر القریش تم جانتے ہو۔ کہ میں سیاح جہانگرد ہوں دنیا کے بیشتر حصّہ کی سیاحت کئے ہوئے ہوں۔ ہرقلہ رُوم اور کاسرہ ایران کے دربار دیکھ چکا ہوں۔ بُلبل کی قسم میں کسی بادشاہ کو اپنی قوم اور اپنے لوگوں میں اسقدر محبوب اور ہر دلعزیز نہیں دیکھا جس قدر حضرت محمدؐ کو اپنے صحابہ میں پایا ہے۔ ہر شخص ہر وقت ان پر پروانہ وار جان فدا کرنیکو تیار رہتا ہے۔ انکے قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھانے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی شخص کسی مسلمان کے سامنے اُنکے بال کو تو ہاتھ لگا سکے۔ مناسب یہی ہے۔ کہ اُن سے صلح کرلو:۔

قریش نے مجلس شورےٰ منعقد کی۔ بعد بحث وتمحیص کے بعد یہی قرار پایا کہ صلح کرلی جائے۔ چنانچہ سہیل بن عمرو کو مختارِ کل بناکر بھیجا گیا۔ جب آنحضورؐ نے اُسے آتے دیکھا۔ تو صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ اب کام سہل ہو گیا ہے۔ کیونکہ سہیل بغرض صلح آیا ہے۔

چنانچہ سہیل آنحضورؐ کیخدمت میں باریاب ہوا جب وہ سلام کرکے بیٹھ گیا تو آنحضورؐ نے دریافت کیا۔ تم کس لیئے آئے ہو سہیل"؟۔

سہیل نے کہا میں مصالحت کرنیکے ارادہ سے آیا ہوں۔ بشرطیکہ آپ ہماری شرائط کو منظور فرمادیں:۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ اگر واقعی مصالحت کیلئے آئے ہو تو تمہاری شرائط منظور ہیں:۔

سہیل نے کہا میں تو صلح ہی کے ارادہ سے آیا ہوں"!۔

آنحضورؐ نے فرمایا اچھا اپنی شرائط بیان کرو۔

سہیل نے کہا میں پہلے یہ عرض کردوں کہ ہم اہلِ مکہ حضورؐ اور آپکے ہمراہیوں سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہوئے ہیں۔ اور نہ ہم ڈر کر صلح کرنے آئے ہیں۔ بلکہ محض اسلیئے

کہ ہم اور آپ ایک ہی قوم اور ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپس میں کشت وخون ہو۔ اسلیئے مصالحت پر آمادہ ہوئے ہیں:۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اگر تم آپس میں کشت وخون کرنے سے احتراز کرتے ہو تو بدر۔ اُحد اور مدینہ وغیرہ پر چڑھکر نہ آتے جنگ نہ کرتے اگر تم ہماری قوت سے خائف نہ ہوتے تو ہرگز ہماری پرواہ نہ کرتے۔ اور کبھی مصالحت کی طرف نہ جُھکتے لڑتے اور اس وقت تک لڑتے جبتک کہ ایک قوم کا بالکل صفایا نہ ہوجاتا۔ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہماری طاقت سے مرعوب ہوکر صُلح کرنے کے لیئے آئے ہو"!۔

سہیل نے ہنسکر کہا۔ "اچھا یونہی سہی۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ کوئی قوم جبتک دوسری قوم کی قوت کا اندازہ نہیں کرلیتی اپنے دعاوی سے دستبردار ہوکر مصالحت کی طرف نہیں جُھکا کرتی:۔

چنانچہ ہم بھی اس سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ لیکن کیا آپ صلح کرنا پسند کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے قدرے جوش میں آکر کہا۔ اگر میرا اختیار ہوتا تو میں بزدل اور مکار اہلِ مکہ سے کبھی صُلح نہ کرتا۔ لیکن رسُول خدا ایسے حلیم ایسے رحیم اور ایسے نیک دل ہیں۔ کہ وہ تمام دیرینہ مخالفتوں اور سنگدلانہ مظالم کو نظر انداز کرکے مصالحت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اب کسی مسلمان کو یہ مجال نہیں ہے کہ آنحضورؐ کے سامنے چوُن وچرا کرسکے:۔

سہیل نے کہا۔ عمرؓ تم ایام جاہلیت میں بھی بڑے سخت تھے۔ اور اب بھی سخت ہو۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ سہیل میرے ہمراہیوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو صلح کا خواہشمند نہ ہو۔ لیکن مجھے خونریزی پسند نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ساری قوم زندہ رہے پھلے پھوُلے اور خدا کو پہچان کر اسکی عبادت کرے۔۔

... خیر یہ جب ہوگا جب خدا کی مرضی ہوگی۔ تم شرائط بیان کرو۔ سہیل نے شرائط بیان کرنا شروع کردیں۔ حضور اکرم اور آپکے تمام صحابہ کرام غور اور توجہ سے سُننے لگے سہیل نے کہا۔ ہماری شرائط یہ ہیں"!۔

۱۔ مسلمان اس سال عمرہ نہ کرینگے اور نہ مکہ میں داخل ہونگے!۔

۲۔ آئندہ سال آکر عمرہ کرینگے۔ لیکن مکہ میں بجز تلوار کے اور کوئی ہتھیار اپنے پاس نہ رکھ سکیں گے اور تلواریں بھی نیاموں کے اندر ہوں گی۔ اور تین دن سے زائد عرصہ تک مکہ میں نہ ٹھہر سکیں گے:۔

۳۔ صلح کی معیاد دو سال ہوگی۔ اس عرصہ میں کوئی فریق دوسرے فریق کے جان و مال سے قطعاً تعرض نہ کرے گا باہم امن وامان سے رہیں گے:۔

۴۔ عرب کی ہر قوم اور ہر قبیلہ کو اختیار ہوگا کہ چاہے جس فریق کے ساتھ ہم عہد ہو جائے۔ ان ہم عہد قبائل پر بھی عہد نامہ کی جملہ شرائط قابل پابندی ہونگی:۔

۵۔ دونوں فریق دیگر قبائل کو اپنا ہم عہد اور حلیف بنانے میں آزاد ہونگے:۔

۶۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کی طرف چلا جائے گا۔ تو فوراً قریش کی جانب واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آئیگا۔ تو وہ واپس نہ کیا جائے گا"!۔

سہیل نے کہا۔ بس یہی شرائط ہیں اگر منظور ہوں تو عہد نامہ لکھوا کر اس کی دو نقلیں کروا دیجئے۔ ایک پر آپ دستخط کر کے میرے حوالے کریں۔ اور دوسری پر میں دستخط کر کے آپکے حوالے کردوں:۔

آنحضور شرائط سُن سنکر تبسم فرمارہے تھے۔ صحابہ کرام کو دیگر شرائط پر تو کوئی تعرض نہ ہوا لیکن چھٹی شرط شاق گزری۔ وہ اس خیال سے آنحضور صلعم

کی طرف دیکھنے لگے۔ کہ آپ اس شرط پر کوئی اعتراض کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ مگر سرورِ کائنات نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ آنحضور نے فرمایا۔ سہیل مجھے تمہاری تمام شرائط منظور ہیں:۔

حضرت علی کرم اللہ نے جلدی سے فرمایا۔ کیا چھٹی شرط بھی؟ آنحضور نے مسکرا کر فرمایا۔ ہاں! چھٹی شرط بھی علی کرم اللہ تم نہیں جانتے۔ کہ یہ شرط ہمارے لئے کس قدر مفید ہوگی۔

خیر سہیل! مجھے یہ تمام شرائط منظور ہیں۔ علی کرم اللہ تم عہدنامہ لکھنا شروع کرو۔

رسولِ خدا کے اس فرمان کے بعد کسی کو چون وچرا کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ فورًا کاغذ اور قلم دوات منگایا گیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ نے لکھنا شروع کیا۔ انہوں نے دستاویز کی پیشانی پر لکھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یعنی شروع ہے۔ اللہ کے نام سے۔ جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے

کفار خدا کے نام سے چڑتے تھے۔ سہیل نے اعتراض کرتے ہوئے کہا!

ہم خدا کو نہیں مانتے۔ نہ رحمٰن کو مانتے ہیں۔ لہذا اُسے کاٹ دو اور باسمک اللّٰھم۔ (یعنی شروع ہے نام معبودوں کے ساتھ لکھو!۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اچھا ایسے ہی لکھدو حضرت علے کرم اللہ نے بسم اللہ کاٹکر باسمک اللّٰھم لکھدیا۔ اور آگے لکھا یہ عہدنامہ ہے۔ محمد رسول اللہ اور۔ ۔

سہیل نے کہا۔ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ہم آپکو خدا کا رسول مان لیں تو جھگڑا ہی کیا رہا۔ ہم نہ خدا کو مانتے ہیں۔ اور نہ آپکو اس کا رسول مانتے ہیں پھر اس تحریر کو کیسے جائز قرار دیا جائے۔ آنحضورؐ نے دریافت کیا۔ اور کیا لکھوانا چاہتے ہو؟۔

سہیل نے کہا۔ آپکے والد کا نام آپکے نام کے ساتھ لکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ عرب میں قاعدہ ہے۔ آپ اس طرح سے لکھا دیں۔ یعنی محمدؐ بن عبداللہ"!۔

آنحضور نے حضرت علی کرم اللہ سے فرمایا - اچھا تم رسول اللہ کا نام کاٹ کر سیاہی کر دو۔
حضرت علی کرم اللہ نے کہا - یا رسول اللہ یہ میرے امکان سے باہر ہے - کہ میں آپ کا نام قلمزد کروں - آنحضور نے فرمایا کاغذ لاؤ - میں قلمزد کر دوں۔

یہ کہکر حضورؐ نے خود محمد رسول اللہ کاٹ کر محمدؐ بن عبداللہ لکھدیا - اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ نے لکھنا شروع کیا - تمام شرائط لکھ کر انہوں نے سہیل کو دکھایا سہیل نے پڑھکر کہا - ٹھیک ہے - اب اس کی دوسری نقل کر دو۔

حضرت علی کرم اللہ نے دوسری نقل شروع کی - ابھی یہ نقل تمام نہ ہوئی تھی - ایک نوجوان پریشان حال حضورؐ کے سامنے آکر کھڑا ہوا - یہ نوجوان سہیل کا بیٹا ابوجندل تھا - اس کے پاؤں پر بیڑیوں کے متعدد نشان تھے - اور بدن پر بھی کئی جگہ زخم تھے - اکثر زخم تازہ تھے - اور ان سے خون رس رہا تھا - ابوجندل کی صورت کہہ رہی تھی - کہ تختۂ مشق جفا بنایا گیا ہے - اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں - اُسے قید رکھا گیا ہے -

جسمانی ایذا پہنچائی گئی ہے - اُس کے سر کے بال غبار آلودہ اور پریشان تھے - چہرہ زرد - آنکھیں حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی تھیں - اس نے حضورؐ کے سامنے آتے ہی دردناک لہجہ میں کہا - فریاد ہے یا رسول اللہ - فریاد ہے -

آپ نے اور آپ کے ساتھ تمام صحابہؓ نے مغموم و ستم رسیدہ ابوجندل کو دیکھا - اسکی کیفیت دیکھ کر مسلمانوں کے دل ہل گئے - حضورؐ نے پوچھا - ابوجندل یہ تمہاری کیا کیفیت ہے؟

ابوجندل نے چشم پرنم ہو کر کہا - یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں - میرے ہم قوم میرے ہم قبیلہ! میرے عزیز و اقارب اور میرے باپ مجھ پر سختیاں کر رہے ہیں - تاکہ میں اسلام کو چھوڑ دوں - مرتد ہو جاؤں - اے خدا کے حبیب مجھے اس لئے کوڑوں سے مارا جاتا ہے - کہ میں کیوں خدا کا نام لیتا ہوں - میرے پاؤں میں اس لئے آہنی بیڑیاں ڈالی جاتی ہیں - کہ میں مسلمان کیوں ہوں - مجھے اس لئے تپتے ہوئے ریت پر کھڑا کیا جاتا ہے - کہ میں

اسلام کیوں نہیں چھوڑتا۔ اے خدا کے لاڈلے پیغمبر! اے مسلمانوں سے محبت و شفقت رکھنے والے نبی! مجھے ان درندہ صفت اور بے رحم انسانوں سے بچاؤ۔ اور مجھے اپنے ساتھ مدینے لے چلو!

سہیل نے غضبناک ہو کر کہا۔ کبھی نہیں ایسا ہو سکتا۔ میرے بیوقوف اور ضدی بیٹے تم کو میرے پاس رہنا ہوگا۔ اس وقت تک رہنا ہوگا۔ جبتک کہ تم یا تم اسلام کو چھوڑ دے یا تمہاری روح اس قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔ آنحضور صلعم نے کہا۔ ابوجندل! ہم عہد نامہ کی وجہ سے مجبور ہیں۔ تمہاری کچھ امداد نہیں کر سکتے۔ لہذا تم اپنے باپ کے پاس ....

حضرت عمر رض نے قطع کلام کرتے ہوئے فرمایا۔ لیکن حضور! ابھی عہد نامہ پر دستخط نہیں ہوئے ہیں۔ اور ابوجندل کی حالت کہہ رہی ہے۔ کہ اس پر سنگدلانہ اور وحشیانہ مظالم کئے گئے ہیں۔ حضور! اُسے وحشی اور درندہ صفت انسانوں کے ہاتھوں میں اس کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے نہ سونپیں۔

آنحضور نے فرمایا عمر رض عہد نامہ پر دستخط نہیں ہوئے۔ تو کیا ہے زبانی معاہدہ تو ہو چکا ہے۔ اور فریقین نے اُسے منظور کر لیا ہے۔ ہم کو زبانی عہد کے بھی خلاف نہیں کرنا چاہیئے۔ عہد نامہ کی چھٹی شرط کے بموجب ہم ابوجندل کے اس کے باپ سہیل کے سپرد کرنے پر مجبور ہیں۔

اس عرصہ میں عہد نامہ کی نقل بھی تیار ہو گئی۔ ایک پر حضور نے اور دوسرے پر سہیل نے دستخط کئے۔ اس کاروائی کے بعد حضور نے ابوجندل سے کہا۔ ابوجندل تم صبر و خاموشی سے مظالم برداشت کرو! میرے خیال میں تم اس بات کو گوارا نہ کروگے کہ خدا کا رسول بدعہدی کرے۔

ابوجندل نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ افسوس میری قسمت! لیکن حضور شاید میں

آپ کی دوبارہ زیارت کرنے کے لئے زندہ نہ رہوں ستمگر اہل قریش ضرور مجھے مار ڈالیں گے۔ لیکن موت کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کہ حضور کو لوگ بدعہد کہیں۔ اچھا حضور سلام۔

اب سہیل اٹھکر کھڑا ہوا۔ وہ ابوجندل کو ہمراہ لے کر چلا۔ اور چند ہی قدم میں کرنیزے کی انی سے اس کے کچوکے لگانا شروع کئے۔ مسلمان یہ کیفیت دیکھکر تڑپ گئے۔

ابوجندل نے بلند آواز سے کہا۔ خداوندا! آزمائش کرے میری آزمائش کرے۔ میں صبر کروں گا۔ تیرا ارشاد ہے۔ کہ تو صبر والوں کے ساتھ رہتا ہے۔ میرے بھی ساتھ رہیگا۔ کیا میرے لئے یہ فخر کم ہے۔ سہیل نے زور سے نیزہ مار کر کہا۔

کمبخت! خیالی خدا کا نام رٹے جاتا ہے۔ ابوجندل نے کہا۔ میں زندگی کے آخری سانس تک خدا کا نام لونگا۔ تم مجھے مار ڈالو۔ میرے جسم کے ٹکڑے کر دو۔ تو بھی پرواہ نہیں ہے۔

سنگدل سہیل نے پھر نیزہ مارا۔ اور ابوجندل کے جسم سے خون کا فوارہ نکلنے لگا۔ اسپر غشی طاری ہو گئی۔ اور وہ مخموروں کی طرح سے لڑکھڑانے لگا۔

یہ حالت دیکھکر مسلمانوں کے دل ہل گئے۔ جذبات رحم و کرم سے سینے لبریز ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو کا سیلاب جاری ہو گیا۔ اور قریب قریب تمام مسلمان رونے لگے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ گریہ کناں آنحضورؐ کے پاس آئے۔ اور بولے۔

یا رسول اللہ! کیا آپ نبیؐ برحق نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ لاریب میں نبیؐ برحق ہوں:-

حضرت عمرؓ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں۔

آنحضور صلعم۔ بے شک تم مسلمان ہو۔

حضرت عمرؓ۔ کیا اہل مکہ مشرک اور کافر نہیں ہیں۔

آنحضور صلعم۔ وہ ضرور مشرک اور کافر ہیں۔

حضرت عمرؓ۔ پھر ہم دین کے معاملہ میں ایسی ذلت کیوں گوارا کریں۔

آنحضور صلعم۔ اس لئے کہ خدا کی یہی مرضی ہے۔

حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ اور غم و درد بھری نظروں سے ابوجندل کو دیکھنے لگے۔ سہیل اب بھی اس کے نیزے مار رہا ہے۔ اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے گرتا پڑتا جارہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس ابوجندلؓ کاش تیری جگہ میں ہوتا۔ یہ نیزے میرے کچو کے جاتے۔ ہائے مظلوم! تجھے کون ان سنگدل وحشیوں کے ہاتھوں سے بچائے۔

خدایا! اے پیارے خدا۔ تو ہی ابوجندل کی امداد کر۔ اب ابوجندل نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ آنحضورؐ نے اس وقت احرام کھولنے اور قربانیاں کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے قربانیاں کیں۔ احرام کھولے۔ خط بنوائے اور ایک روز حدیبیہ کے مقام پر اور قیام کر کے دوسرے روز مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۱۳)
تیرہواں باب

یہودیوں کی شکست

مسلمانوں کی اہل مکہ سے مصالحت ہو گئی تھی۔ عہدنامہ میں بعض ایسی شرائط تھیں جن کو صحابۂ کرام ناپسند کرتے تھے۔ چھٹی شرط میں خصوصاً وہ اپنے آپ کو بالکل ہی دبا ہُوا پاتے تھے۔ محض حضورؐ کی وجہ سے انہوں نے ان شرائط کو منظور کر لیا تھا۔

اکثر مسلمان تو اس صلحنامہ کو اپنی شکست سمجھ رہے تھے۔ بات بھی یہی معلوم ہوتی تھی عہدنامہ کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی یہی سمجھتا تھا۔ کہ مسلمانوں نے اعتراف شکست کر کے مفتوح قوم کی طرح عہدنامہ لکھدیا ہے۔ لیکن قدرت نے انسان کو حال کے واقعات پر نظر رکھنے کی عقل و سمجھ عطا کی ہے۔ مستقبل اس کی نگاہوں سے بالکل ہی پوشیدہ رکھا ہے سچ پوچھیئے تو اسمیں خدا نے اپنے بندوں پر خاص عنایت کی ہے۔ کیونکہ اگر مستقبل کے واقعات انسان پر روشن ہو جایا کرتے تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ آنیوالے خطرات انقلاب عظیم پیدا کر دیا کرتے۔

مسلمان اس عہدنامہ سے مایوس اور دل شکستہ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے۔ اور چونکہ وہ اسبات کا خیال رکھتے تھے۔ کہ کوئی بات ایسی نہ ہو۔ جس سے آنحضورؐ کی طبع مبارک مکدر ہو جائے۔ اس لئے اپنے خیالات کا اظہار نہ کرتے تھے۔ بلکہ خاموش تھے۔ اثنائے راہ میں آنحضور صلعم پر وحی نازل ہوئی۔

نزول وحی کیوقت آنحضورؐ کا چہرہ اطہر سرخ ہو. جو صحابہؓ آپکے قریب تھے وہ دیکھ کر سمجھ گئے. کہ وحی نازل ہو رہی ہے. تھوڑے عرصہ کے بعد حضورؐ نے اطمینان کا سانس لیا اور مسکرا کر فرمایا.

مسلمانوں! مجھ پر ابھی وحی نازل ہوئی ہے. خدائے بزرگ و برتر نے مکہ والوں سے مصالحت کرنے کو "فتح" ظاہر کیا ہے. اس وقت مجھ پر سورہ فتح کا نزول ہوا. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. انا فتحنا لک فتحا مبینا ترجمہ بے شک ہم نے فتح دی تجھ کو فتح ظاہر! اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے. وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیکم وکان اللہ بما تعملون بصیرا.

ترجمہ - یعنی اور وہی ہے جس نے بند کئے تمہارے ہاتھ اُن سے یعنی مکہ والوں سے اور اُن کے تم سے مکہ کی سرحد پر اور تمہیں ان پر غالب کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا دیکھنے والا ہے. مسلمانو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. کہ اس صلحنامہ سے تم ہی مکہ والوں پر غالب ہے پھر ارشاد ہوتا ہے - لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رءوسکم و مقصرین لا تخافون فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحا قریبا.

ترجمہ. یعنی اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم یقیناً مسجد حرام میں داخل ہوگے. امن و اماں سے سروں کے بال کترواتے اور سروں کو منڈواتے ہوئے کوئی خوف نہ ہوگا. اللہ وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے!"

مسلمانو! مبارک ہو تم عنقریب مکہ کے اندر فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوگے مسجد الحرام میں پہنچو گے پھر کیسے؟ بالکل بے خوف ہو کر!

خدا اور خدا کے رسول کا کلام سن کر تمام مسلمان مسرور و مطمئن ہو گئے ان کی شکستہ دلی کافور ہو گئی اور یہ خیال بھی ان کے دلوں سے دور ہو گیا کہ انہوں نے شکست یافتہ قوم کی طرح مصالحت کی ہے:

مجاہدین اسلام تین سو کوس کا فاصلہ طے کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اہل مدینہ ان کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور جب مسلمانوں نے سُنا کہ اہل مکہ سے دس سال کے لئے مصالحت ہو گئی ہے تو وہ اور بھی خوش ہوئے۔ کیونکہ اب انہوں سمجھ لیا کہ امن و امان سے رہ کر تبلیغ اسلام کا کام کریں گے۔ مگر ابھی آنحضور صلعم کو مکہ سے واپس آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ کہ خیبر کے یہودیوں کے حملہ آور ہونے کی خبریں آنے لگیں

اگرچہ مشرکین مکہ کی طرف سے اطمینان ہوا تو خیبر کے یہودیوں سے اندیشہ لاحق ہو گیا چونکہ مدینہ سے بنو نضیر اور بنو قریظہ جلاوطن ہو کر خیبر میں اقامت گزیں ہوئے تھے۔ ان یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت و دشمنی کے آتشکدے شعلہ زن تھے۔ وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کی فکر میں تھے۔ اس لئے پہلے تو انہوں نے مشرکین مکہ کو جنگ کی ترغیب دی۔ مگر جب انہوں نے صلح کر لی۔ تو خود آمادہ جنگ ہوئے۔ اور خیبر کے تمام یہودیوں کو اپنا شریک کار کر لیا۔

جب آنحضور کو ان کے ارادوں کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے بھی تیاریاں شروع کر دیں۔ چونکہ اب اسلام کو یہودیوں کا ہی خطرہ باقی رہ گیا تھا۔ اس لئے آپ اس خطرے کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹانے کو تیار ہو گئے!

خیبر مدینہ سے دو سو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اور چونکہ یہودیوں نے مدینہ کے منافقوں کو بھی اپنا شریک بنا لیا تھا۔ اور وہی مسلمانوں کی جاسوسی کر کے ان کی نقل و حرکت کی خبریں یہودیوں کو پہنچا رہے تھے۔ اس لئے یہودی دو سو میل کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے مسلمانوں کے ذرا ذرا سے حال سے خبردار تھے۔

جب کہ مسلمان جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ تو ایک روز ایک شخص آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا۔ تم کون ہو۔ اور کہاں سے آئے ہو۔؟ اس شخص نے جواب دیا:-

یارسول اللہ! میرا نام ابوبصیر رضؓ ہے۔ مکہ کا رہنے والا ہوں۔ مسلمان ہوگیا ہوں اہل قریش نے مجھ پر اس قدر سختیاں کی ہیں کہ میں تنگ آکر بھاگ آیا ہوں اور حضورؐ سے پناہ لینے کے لیئے آیا ہوں۔

آپ کا چہرہ قدرے پژمردہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا ابوبصیر رضؓ! تم مکہ والوں کی منشاء کے خلاف یہاں آئے ہو۔ اگر انہوں نے صلح نامہ کی بناء پر تم کو طلب کیا تو کیا ہوگا؟

ابوبصیر رضؓ نے کہا۔ حضورؐ خدا کے لیئے آپ مجھے ان کے سپرد نہ کریں ورنہ وہ یقیناً مجھے مار ڈالیں گے!''

آپؐ نے فرمایا! مگر ہم وفائے عہد کی وجہ سے مجبور ہیں۔

ابھی ابوبصیر کچھ کہنے نہ پایا تھا۔ کہ دو اعرابی حاضر ہوئے ان کی شان کہہ رہی تھی کہ وہ سفر کیئے چلے آرہے ہیں۔ انہوں نے آنحضور صلعم کے قریب آکر سلام کیا اور ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

حضورؐ ہم مکہ کے رہنے والے ہیں۔ اہل قریش کے قاصد ہیں۔ یہ شخص ابوبصیر رضؓ مکہ سے بھاگ آیا ہے۔ ہم اسے لینے کے لیئے آئے ہیں۔ عہد نامہ کے بموجب آپ اسے ہمارے حوالے کریں۔

آنحضورؐ صلعم نے فرمایا! اچھا ٹھہرو ہم ابوبصیر رضؓ کو تمہارے ساتھ روانہ کردیں گے ابوبصیر رضؓ کا چہرہ فق ہوگیا۔ مکہ کے قاصدوں نے کہا۔ حضورؐ ہم کو قیام کرنے کا حکم نہیں ہے۔ ہم نے اسی وقت واپس لوٹنا ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اچھا جیسے تمہاری منشاء ابوبصیر رضؓ تم ان دونو کے ساتھ مکہ واپس جاؤ۔

ابوبصیر رضؓ نے کہا۔ حضور اکرم میں پناہ لینے کے خیال سے آپکی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے ان درندہ صفت وحشیوں کے سپرد نہ فرمایئے:۔

آنحضور صلعم نے فرمایا! انہیں ابو بصیر! ہم عہد نامہ کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ اگرچہ مجھے اسبات کا سخت رنج و قلق ہے۔ کہ میں ایک مسلمان کو کفار کی آغوش میں اس پر سختیاں کرنے کے لئے دے رہا ہوں۔ لیکن کیا کروں! مجبوری ہے۔ مسلمانوں کے لئے ایفائے عہد ضروری ہے۔ لہذا تم اُن کے ساتھ جاؤ۔

ابو بصیر نے آہ سرد بھری۔ اس کے چہرہ سے غم و حسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ مگر اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ فوراً مکہ کے دونوں قاصدوں کے ساتھ ہولیا۔ حضورؐ اسوقت تک اسے دیکھتے رہے۔ جبتک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

ابو بصیرؓ جانتا تھا۔ کہ مکہ میں اسکی موت اُسے کشاں کشاں لئے جا رہی ہے۔ لیکن کیا کرتا۔ مجبور تھا۔ ذی الحلیفہ کے مقام تک وہ زیر حراست چلا آیا۔ جب اس مقام پر ان تینوں نے قیام کیا۔ اور ایک صاف سے مقام پر بیٹھ گئے۔ تو ابو بصیرؓ نے قاصدوں سے دریافت کیا! دوستو! تم کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ پر الزام بغاوت لگا کر مجھے موت کے گھاٹ اتار دینگے۔ کیا تم قومی حق اور انسانی ہمدردی کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے آزاد کر سکتے ہو؟ دونوں نے بگڑ کر کہا۔

ہم اور کسی مسلمان سے ہمدردی کریں! بیوقوف! ہم تو وہ ہیں کہ اگر ہمارا قابو چلے۔ تو ہم تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں۔ سُن تیرا ایک ایک عضو کا ٹکڑا کھچے تڑپا تڑپا کر مارا جائیگا۔ ابو بصیرؓ نے کہا۔ اگر خدا کو یہی منظور ہے۔ تو چارہ ہی کیا ہے!

قاصدوں میں ایک شخص نے کہا۔ ابو بصیر! تو نے دیکھا۔ کہ مسلمانوں نے تیری کچھ بھی مدد نہ کی۔ خود رسولِ خدا نے تجھے ہمارے حوالے کر دیا۔ بیوقوف جن لوگوں کے بھروسہ پر تو مسلمان ہوا۔ اپنا آبائی مذہب چھوڑا۔ انہوں نے تجھے موت کی آغوش میں دھکیل دیا۔ کیوں نہیں تو اسلام چھوڑ دیتا۔

ابو بصیرؓ نے کہا۔ اسلام چھوڑ دوں یہ غیر ممکن ہے۔ اسلام میری رگ رگ میں سرایت کر

گیا ہے۔ آنحضور صلعم جو وعدہ جس شخص سے کر لیتے ہیں۔ اُسے پورا کرتے ہیں۔ ایفائے عہد کا انہیں بڑا خیال رہتا ہے۔ مجھے ان کی طرف سے کوئی ملال نہیں ہے۔ نہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی شکوہ ہے۔ اسلام میں جس قدر سختیاں مجھ پر نازل ہونگی۔ برداشت کروں گا۔ قاصد بولا۔ احمق! اس سے کیا فائدہ۔

ابو بصیرؓ نے کہا محض خدا کی خوشنودی اور نجات کی آرزو مدنظر ہے!

قاصد نے کہا۔ بس تو اس آرزو کو سینہ میں مقفل رکھ کر قبر کے تاریک تر گوشہ میں لے جانا۔

ابو بصیرؓ نے کہا۔ یہی میری خواہش ہے۔ ابو بصیرؓ نہتے تھے۔ قاصدوں کے پاس تلواریں تھیں۔ ابو بصیرؓ نے ایک قاصد سے کہا۔ کیا آپ نے نئی تلوار لی ہے؟ قاصد نے کہا۔ میں نے نہیں لی۔ مجھے عکرمہ نے دی ہے۔ نہایت اچھی تلوار ہے۔ یہ کہتے ہی اس نے تلوار میان سے نکالی۔ اور ابو بصیرؓ کو دے کر کہا۔ دیکھو کیسی عمدہ تلوار ہے؟

ابو بصیرؓ نے تلوار دیکھی۔ تعریف کی۔ دفعتًا اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ قدرت نے تلوار اس کے ہاتھ میں پہنچا دی ہے۔ اب اس سے کام لینا اس کے اختیار میں ہے۔

اس نے جلدی سے ایک قاصد پر حملہ کیا۔ اتنے میں کہ قاصد ہوشیار ہو۔ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ دوسرا قاصد یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گھبرا کر اٹھ بھاگا۔ اور سیدھا مدینے کی طرف ہو لیا۔ ابو بصیرؓ اس کے پیچھے دوڑے۔ دونوں آگے پیچھے دوڑتے ہوئے مدینہ میں پہنچے۔ بدحواس قاصد بھاگتا ہوا آنحضور صلعم کے پاس پہنچا۔ اور بلند آواز سے گویا ہوا۔ حضورؐ مجھے بچائیے۔

آنحضورؐ نے قاصد کو دیکھا۔ قاصد کے پیچھے ہی ابو بصیرؓ شمشیر برہنہ پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابو بصیرؓ ٹھہرو! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ ابو بصیرؓ نے کہا۔ حضور! آپ نے پابندی عہد کرتے ہوئے مجھے ان مشرکوں کے سپرد کر دیا تھا۔ لیکن میرے خدا نے پھر مجھے آزاد کر دیا۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ لیکن میں اسباب کو پسند نہیں کرتا۔ ابوبصیرؓ نے کہا۔ بہت خوب! میں حضورؐ سے رخصت لیتا ہوں؛ یہ کہتے ہی وہ چل دیا۔ قاصد یہ تمام و کمال واقعہ مشرکین مکہ کو سنانے کیلئے مکہ روانہ ہوگیا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضور اکرمؐ خیبر پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چند دنوں میں تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ حضور نے سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے خود سولہ سو مجاہدین جفاکش کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ کیا۔ اس مرتبہ اس لشکر میں دو سو سوار تھے۔ لشکر اسلام نہایت شان و دبدبہ سے روانہ ہوا۔ چونکہ یہودیوں کو دم بدم کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس لئے لشکر اسلام کی روانگی کا حال بھی معلوم ہوگیا۔

خیبر میں یہودیوں کے چند قلعے تھے۔ تمام قلعوں کی مرمت شروع کرا دی گئی تھی۔ اور ایک زبردست لشکر مقابلہ کے لئے فراہم کر لیا گیا۔ یہودیوں میں مرحب اور یاسر دو زبردست جنگجو آزمودہ کار بہادر سردار تھے۔ تمام عرب میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ تمام یہودیوں کو انکی دلیری پر ناز تھا۔ لشکر کے سالار اعظم وہی قرار دیئے گئے تھے۔ پہلے تو یہودیوں کا خود ہی مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ تھا۔ لیکن جب انہوں نے لشکر اسلام کے آنیکی خبر سنی۔ تو درہ خیبر میں مقابلہ کے لئے تیار ہو بیٹھے۔

ایک روز جبکہ آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا۔ یہودیوں نے اسلامی لشکر کو آتے دیکھا۔ اسلامی علم آفتاب کی سنہری شعاعوں میں ہوا سے اٹھکیلیاں کرتے ہوئے

ف: ابوبصیرؓ وہاں سے چلکر ساحل سمندر کے قریب بمقام عیص میں مقیم ہوگئے۔ ابوجندلؓ بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے بعد جو شخص مکہ سے مسلمان ہوتا بھاگ کر ابوبصیرؓ کے گروہ میں شامل ہوجاتا۔ رفتہ رفتہ انکا زبردست گروہ ہوگیا۔ اور انہوں نے قریش کے ان قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ جو ملک شام میں جاتے تھے۔ قریش اس گروہ سے اسقدر تنگ ہوگئے کہ انہوں نے عاجز ہو کر آنحضورؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا۔ کہ ہم اپنی خوشی سے چھٹی شرط کو منسوخ قرار دیتے ہیں اب جو شخص مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ جائیگا۔ ہم اُسے واپس نہیں لیں گے۔ آپ عیص والے مسلمانوں کو مدینہ میں اپنے پاس بلالیں۔ آپ نے انکی اس درخواست کو منظور فرمایا اور ابوبصیرؓ کے گروہ کو اپنے پاس بلالیا۔ اسطرح سے جو شرط قریش نے لکھی تھی۔ خود ہی اُسے منسوخ کرا دیا۔ (صادق صدیقی)

نہایت شان سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔

یہودی اپنے قلعوں سے باہر کھلے میدان میں فروکش تھے۔ اسلامی لشکر اس لشکر کے عین سامنے ایک میل کے فاصلے پر آ کر رک گیا۔ چونکہ اب آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ اس لئے مجاہدین نے خیمے نصب کئے۔ نماز پڑھی۔ اور آگ جلا کر کھانے پکانے کا انتظام کرنے لگے۔ مسلمانوں نے اس طرح سے اپنے لشکر کو فروکش کیا۔ کہ وہ اصل تعداد سے دوگنا معلوم ہونے لگا۔

تمام لشکر میں ہر خیمے کے سامنے آگ روشن کر دی گئی۔ یہودیوں کے لشکر میں بھی جگہ بجگہ آگ جل رہی تھی۔ دونوں لشکر رات بھر ہتھیار صیقل کرتے رہے۔ فریقین نے طلایہ گرد دستے مقرر کر دیئے تھے۔ اور وہ بغرض حفاظت رات بھر لشکر کے گرد چکر لگاتے اور ہوشیار باش کی صدائیں بلند کرتے رہے۔

صبح سویرے مسلمان بیدار ہوئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی ترنم ریز بلند آواز سے اذان کہی۔ اذان کی آواز خیبر کی پہاڑیوں اور قلعوں سے ٹکرا کر گونجی۔ ایک عجیب کیف آگیں سماں بندھ گیا۔ اذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان اٹھ بیٹھے۔

حوائج ضروری سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ اور آفتاب طلوع ہونے سے قبل ہی میدان جنگ میں نکل کر صف بستہ ہو گئے۔ یہودی بھی مسلح ہو کر صف آرا ہو گئے۔ دونوں لشکر تین فرلانگ کا وسیع میدان درمیان میں چھوڑ کر آمنے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ جب آفتاب کی پہلی کرن رقص کرتے ہوئے سبزہ زار پر پڑی۔ تو یہودیوں نے طبل جنگ بجایا۔ اور یہودیوں کے دونوں سردار مرحب اور یاسر گھوڑے دوڑا کر میدان میں نکلے۔

انکی شان سے ظاہر تھا۔ کہ وہ بڑے بہادر اور کمال جنگجو ہیں۔ انہوں نے میدان میں آتے ہی پکارا۔ اے اجل رسیدہ مسلمانو! ہمارے مقابلہ کے لئے سب سے بہادر لوگوں کو بھیجو۔ اگرچہ ان کے مقابلہ کے لئے ہر مسلمان آمادہ تھا۔ لیکن ہر مسلمان میں یہ جنگی

قانون تھا۔ کہ جبتک لشکر کا سردار کسی کی طرف اشارہ نہ کرتا۔ کوئی مقابلہ کے لئے نہ بڑھ سکتا تھا۔ اسی طرح سے جنگ مغلوبہ کے وقت بھی جبتک سردار تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ نہ لگاتا۔ عام حملہ نہ ہو سکتا تھا۔

اس لشکر کے سردار خود آنحضور تھے۔ مسلمان اُنکی طرف دیکھتے تھے۔ مجاہدین کے جوش کا یہ عالم تھا۔ کہ ہر شخص سبقت کا متمنی تھا۔ کہ آنحضور مجھ کو اجازت دیں۔ آنحضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ اور حضرت زبیرؓ بن العوام کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی یہ ہر دو بزرگ خوش ہو کر بڑھے۔ اور گھوڑوں کو اڑا کر میدان جنگ میں پہنچے۔

فوراً حضرت علی کرم اللہ نے مرحب کے اور حضرت زبیرؓ یاسر کے مقابلے پر جا ڈٹے مرحب نے حضرت علی کرم اللہ کو دیکھا۔ اور اس نے کہا میرے مقابلہ کے لئے آپ آئے ہیں آپ واپس جائیے اور کسی آزمودہ کار بہادر کو بھیجیئے۔

حضرت علی کرم اللہ نوجوان اور پستہ قد تھے۔ اس لئے مرحب نے خیال کیا۔ کہ وہ بہادر اور آزمودہ کار نہیں ہیں۔ حالانکہ حضرت علی کرم اللہ نے اپنی بے نظیر شجاعت اور عدیم المثال آزمودہ کاری کی وجہ سے دربار رسالت سے شیر خدا کا مفخر خطاب حاصل کر لیا تھا۔ وہ جب اور جس معرکہ میں نبرد آزما ہوئے۔ دشمنوں پر اپنی بہادری کا سکہ جما کر لوٹے۔

مرحب کی گفتگو سن کر مسکرائے آپ نے فرمایا! مرحب میری نوجوانی پر نہ جاؤ۔ میں متعدد معرکے سر کر چکا ہوں۔ بڑے بڑے بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ ہنگام وغا تم میری آزمودہ کاری اور بہادری کے قائل ہو جاؤ گے۔

مرحب نے کہا۔ اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو۔ تو آؤ۔ یہ کہتے ہی اس نے تلوار نکالی۔ حضرت علی کرم اللہ نے بھی تلوار میان سے کھینچی۔ مرحب نے گھوڑا بڑھا کر حضرت علی کرم اللہ پر حملہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ بھی گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ نے نہایت تجربہ کاروں کی طرح اس کے وار کو ڈھال پر روکا۔ مرحب اپنا وار خالی جاتے دیکھ کر برافروختہ ہو گیا۔

آج تک اسے ایسا موقعہ ہی نہ آیا تھا کہ اس نے کسی پر حملہ کیا ہو۔ اور اس کی خارا شگاف تلوار نے دشمن کو کاٹ کر نہ ڈال دیا ہو۔ لہذا اس نے طیش سے بھر کر پھر حملہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس کا یہ حملہ بھی رد کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ اس شان سے کھڑے تھے۔ گویا کہ وہ مرحب کو کھلا رہے تھے۔ یا اُسے فنونِ حرب سکھا رہے تھے۔ مرحب کو پھر غصہ آیا۔ اس مرتبہ اس نے پورے جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا۔

حضرت علی کرم اللہ نے اپنی پر قوت تلوار پر اس کی تلوار روکی اور ذرا سی اشارہ کر کے اسکی تلوار توڑ دی۔ مرحب گھبرا گیا اس نے جلدی سے گھوڑا پیچھے ہٹایا۔ حضرت علی مسکرائے۔ اگر وہ چاہتے تو مرحب پر حملہ کر کے اُسے قتل کر ڈالتے۔ مگر شیر خدا نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ نہتے دشمن پر وار کر کے اُسے قتل کر ڈالا جائے۔ لہذا آپ نے فرمایا۔ مرحب ذرا رہیں۔ تم دوسری تلوار نکال لو۔

مرحب نے مشکورانہ نظروں سے حضرت علی کرم اللہ کو دیکھ کر کہا۔ آپ کا شکریہ میدان جنگ میں کوئی بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسی مہربانی کا سلوک نہیں کر سکتا۔ یہ کہتے ہوئے اُس نے دوسری تلوار نکال لی۔ اور بڑھ کر حضرت علی کرم اللہ پر حملہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ نے بائیں ہاتھ میں ڈھال لے کر ڈھال پر تلوار روکی اور حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ برقبار تلوار سے اس پر حملہ کیا۔

مرحب کی آنکھیں جھپک گئیں۔ تلوار اس کے شانے پر پڑی۔ اگرچہ وہ زرہ پہنے تھا۔ خود اوڑھے تھا۔ خود اور زرہ میں گردن کی حفاظت کے لئے ایک چاندی کی زنجیروں کا جال پڑا تھا۔ مگر تلوار زنجیروں کو کاٹ کر ایک انچ کے قریب شانے کو مجروح کرتے ہوئے نکل گئی۔

مرحب کے شانہ سے خون کا فوارہ اُبلنے لگا۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ وہ ایک دم گھوڑا لوٹا کر بھاگا۔ حضرت علی رض نے جلدی سے تلوار میان میں ڈالی اور

اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔

اگرچہ مرحب سرپٹ گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ اور کسی قدر فاصلے پر نکل گیا تھا۔ مگر حضرت علیؓ کا گھوڑا ایسا تیز دوڑا کہ چشم زدن میں مرحب کے گھوڑے کے برابر پہنچ گیا۔

حضرت علی کرم اللہ نے برابر جا کر مرحب کی کمر پکڑی اور اُسے دبایا۔ مرحب کو ایسا معلوم ہوا جیسے پنجۂ موت اس کی کمر پر آ پڑا۔ اس کا چہرہ فرطِ خوف سے زرد پڑ گیا۔ دونوں گھوڑے برابر برابر تیز دوڑ رہے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر مرحب کو کھینچا۔ اتفاق سے اس کے دونوں پاؤں رکابوں میں سے نکل گئے۔ حضرت علی کرم اللہ نے اُسے کھینچ کر اٹھایا۔ اور چرخ دے کر زمین پر دے پٹخا۔ اس کا گھوڑا بغیر مرکب کے سرپٹ دوڑا چلا گیا۔ زمین پر گرتے ہی مرحب کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

حضرت علی کرم اللہ نے اپنا گھوڑا روکا۔ رُکتے رُکتے بھی گھوڑا دور نکل گیا۔

جب وہ واپس لوٹ کر مرحب کے پاس پہنچے۔ تو اُسے مردہ پایا۔ آپ آہستہ آہستہ میدان جنگ کی طرف چلے۔ جس عرصہ میں حضرت علی کرم اللہ اور مرحب کی جنگ ہو رہی تھی۔ حضرت زبیرؓ یاسر سے لڑ رہے تھے۔

یاسر بھی بڑا آزمودہ کار اور بہادر تھا۔ وہ نہایت ہوشیاری اور تجربہ کاری سے لڑ رہا تھا۔ اس نے موقعہ پا کر حضرت زبیرؓ کے شانے پر وار کیا۔ حضرت زبیرؓ نے بڑی پھرتی سے اس کا وار روکا۔ اور فوراً ہی اپنا وار بھی کر دیا۔

یاسر اس اچانک حملے سے خبردار نہ تھا۔ تلوار اس کے سر پر پڑی۔ اور برابر کی دو پھانکیں بناتے ہوئے حلق تک اتر گئی۔ وہ زور سے کانپا۔ اور نعرہ آہ کیے زمین پر گر پڑا۔

اس کا گھوڑا بھی خوفزدہ ہو کر لرزا اور بھاگنے کے لئے بڑھا۔ حضرت زبیرؓ نے

جلدی سے بڑھ کر اس کی لگام کی باگ پکڑلی۔ اور اُسے قابو میں کیا۔ اپنا گھوڑا چھوڑ دیا۔ اور جلدی سے اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

ان کا وفادار گھوڑا لشکر اسلام کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب یہودیوں نے دیکھا کہ اُن کے دونوں سردار مارے گئے۔ تو انھیں بڑا طیش و طرارہ آیا۔ تمام لشکر نے تیزی سے مسلمانوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اُنکے میمنہ، میسرہ اور قلب کو حرکت ہوئی۔ آنحضورؐ نے بھی تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر عام حملہ کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں کے میمنہ پر حضرت عمرؓ، میسرہ پر حضرت صدیق اکبرؓ اور قلب میں حضرت سعدؓ بن معاذ سپہ سالار تھے۔ ان تینوں بزرگوں نے اپنے دستوں کو بڑھایا۔ مسلمانوں کی کل تعداد پندرہ سو تھی۔ یہودیوں کا لشکر دس ہزار کے قریب تھا۔

پھر ان کا ہر سپاہی زرہ بکتر پہنے تھا۔ ہتھیار لگائے اور پچھ بنا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی زرہ نہ تھی نہ پورے ہتھیار تھے کسی کے پاس نیزہ تھا۔ تو کسی کے پاس تلوار تھی! الغرض یہودیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کوئی حقیقت نہ تھی!۔

اس وجہ سے یہودی سمجھ رہے تھے۔ کہ وہ مسلمانوں کو کچل کر رکھ دینگے۔ لیکن مسلمانوں میں ایسی جرأت اور استقلال تھا جو دوسری قوم میں نہ تھا۔ وہ خدا کے بھروسہ پر بڑھ رہے تھے۔

یہودیوں کے لشکر نے سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ اور حضرت زبیرؓ کو زغنہ میں لے لیا۔ یہ دونوں بزرگ ایک جگہ مل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ہر طرف سے ان دونوں پر تلواروں کی بارش ہونے لگی"!۔

دونوں شیر دل مسلمان یہودیوں پر ٹوٹ پڑے۔ دونوں نے گھوڑیوں کی باگیں ط کر پُر زور حملہ کر دیا۔ جوانِ دونوں ہی کے شایان شان تھا۔ دونوں کی پر جوش

تلواروں نے یہودیوں کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیئے

یہودی بڑے جوش اور بڑے طیش میں آکر حملے کر رہے تھے۔ لیکن جو شخص بھی ان دونوں کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ وہ اُسے موت کی آغوش میں پہنچا دیتے تھے۔

یہودیوں کے لشکر کا سیلاب اب بھی برابر بڑھ رہا تھا۔ ادھر مسلمان بڑھے چلے آرہے تھے۔ آخر دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا۔ تلواریں میانوں سے کھینچ گئی تھیں۔ صاف و شفاف تلواریں آفتاب کی شعاعوں سے جگمگاتی اٹھیں۔

انسانوں کے اوپر لوٹیں اور دور تک تلواروں کی باڑھ قائم نظر آنے لگی۔ جنگ شروع ہو گئی۔ سرفروش نہایت جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ آبدار تلواریں اور خون آشام نیزے سرو تن کے فیصلے کرنے لگے۔

قومی نعروں۔ تلواروں کی جھنکاروں اور زخمیوں کے شور و غل سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ یہودی زیادہ تھے۔ اس لیئے دُور تک پھیلے ہوئے تھے مسلمانوں کو بھی ان محاذ میں پھیلنا پڑا۔ حدِ نگاہ تک متخاصمین پھیلے ہوئے لڑتے نظر آرہے تھے۔ خون آشام تلواریں جلد جلد اُٹھ رہی تھیں اور موت بڑی سرعت سے اپنی کھیتی کاٹ رہی تھی۔

انسانوں میں باڑھ لگ گیا تھا۔ جانباز بہادر کٹ کٹ کر گر رہے تھے زخمی چیخ رہے تھے۔ سردار بلند آواز سے سپاہیوں کے دل بڑھا رہے تھے۔ خون آشام با قیامت خیز جنگ جاری تھی۔

متخاصمین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے ایک فریق دوسرے فریق کی صفوں میں جا گھسا تھا۔ ترتیب و نظام قائم نہ رہا تھا۔ صفیں ٹوٹ گئی تھیں۔ یہودی مسلمانوں میں اور مسلمان یہودیوں میں مخلوط ہو گئے تھے۔

میمنہ میں حضرت عمر رضؓ اور میسرہ میں حضرت صدیق رضؓ نہایت دلیری اور بڑے

جوش سے لڑ رہے تھے ۔ وہ جس طرف حملہ کرتے پرے کے پرے صاف کر دیتے اور صفوں کی صفیں الٹ دیتے :۔

اگرچہ یہودی بھی بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے ۔ مگر مسلمانوں کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ جاتی تھی ۔ جو شخص بھی کسی مسلمان پر حملہ کرتا اُسے واپس لوٹنا نصیب نہ ہوتا ۔

جس مسلمان پر جو شخص حملہ کرتا وہی اس کا حملہ روک کر اُسے قتل کر ڈالتا ۔ جا بجا لاشیں پڑی تھیں اور زخمی پڑے دم توڑ رہے تھے ۔ ہاتھ پاؤں اور سروں کے انبار لگے ہوئے تھے ۔

خون پانی کی طرح سے بہہ رہا تھا مرنے والوں کے ہتھیار بکھرے پڑے تھے میدان جنگ نہایت مہیب ہو گیا تھا ۔

سعد بن معاذ قلب میں تھے ۔ انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا ۔ یہودیوں کو مارتے کاٹتے ہوئے بڑھ رہے ۔ مسلمان اُن کے ساتھ چلے اس جوش سے چلے کہ یہودی پیچھے ہٹنے لگے !"

ادھر حضرت عمرؓ نے میمنہ سے اور حضرت صدیقؓ نے میسرہ سے دبایا تو یہودیوں کے قدم اکھڑ گئے ۔ وہ تیزی سے پسپا ہونے لگے ۔ یہودی سرداروں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے سپاہیوں کو غیرت دلائی ۔

یہودی رُک کے سنبھلے اور پھر ڈٹ گئے نہایت جانبازی سے لڑنے لگے یہودیوں کے پسپا ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے :۔

انہوں نے بڑھ کر نہایت پر جوش حملہ کیا ۔ ہر طرف خون آلود تلواریں بلند ہو ہو کر ان پر ٹوٹیں اور جلدی جلدی سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں ۔ دم کے دم میں یہودیوں کی صفیں کٹ کٹ کر گرنے لگیں ۔

یہ کیفیت دیکھ کر یہودیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ گھبرا کر لوٹے اور بڑی بدحواسی سے قلعوں کی طرف بھاگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زبیرؓ اب تک بڑی جوانمردی اور نہایت بہادری سے لڑ رہے تھے۔

انہوں نے اپنے ارد گرد کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ یہودیوں کو بھاگتے دیکھ کر وہ اُن کے تعاقب میں دوڑے اور بھاگنے والوں کو قتل کر کر کے زمین پر گراتے چلے گئے۔

تمام مسلمانوں نے بھی یہودیوں کا تعاقب کیا اور مارتے کاٹتے قلعہ صعب تک لگے چلے گئے۔ قلعہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہودی دوڑ دوڑ کر بڑی بے صبری اور بدحواسی سے قلعہ میں داخل ہو رہے تھے۔

چونکہ دروازہ تنگ تھا۔ اور یہودی زیادہ تھے۔ اور ہر شخص جان بچا کر قلعہ میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لیئے بڑی افراتفری پڑی ہوئی تھی چونکہ مسلمان تعاقب کیئے چلے آ رہے تھے۔ اس لیئے فصیل پر کھڑے ہوئے یہودیوں نے مسلمانوں پر سنگباری اور تیر افگنی شروع کر دی۔ اس وجہ سے مسلمان فصیل سے کچھ فاصلے پر آ کر رُک گئے۔

یہودیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ وہ نہایت تیزی سے قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ دیر تک ان کا تانتا لگا رہا۔ جب آخری یہودی بھی قلعہ میں داخل ہو گیا تو قلعہ کا دروازہ بند کر لیا گیا!''

چونکہ اب شام ہو گئی تھی۔ اس لیئے مسلمانوں نے فوراً ہی قلعہ کا محاصرہ نہ کیا۔ بلکہ وہ اپنے جائے قیام کی طرف لوٹ گئے۔

(۱۴)

چودھواں باب

"خیبر کی فتح"

یہودیوں کو اپنی کثرت پر زعم تھا۔ طاقت پر ناز تھا۔ اس لیئے وہ میدان کارزار میں نکل کر صف آرا ہوئے تھے۔ انھیں جاسوسوں کے ذریعے سے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ مسلمانوں کی تعداد کل ڈیڑھ ہزار ہے۔ اس تعداد میں ضعیف و کمزور اور نوجوان و ناتجربہ کار بھی شامل ہیں۔ پھر وہ پورے طور پر مسلح بھی نہیں"۔

یہودیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ ان دس ہزار میں تقریباً تین ہزار آہن پوش تھے۔ سامان حرب کی بھی کمی نہ تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا۔ کہ مسلمانوں کو پامال کر ڈالنا معمولی بات ہے۔ فتح بدر کے انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ بھی دیا تھا۔ کہ قریش مکہ کو شکست دینے سے بہادر نہیں کہلا سکتے۔ جس روز یہودیوں پر فتح پالیں گے۔ اس وقت بہادر کہلانے مستحق ہوں گے۔

چونکہ مسلمان مفلس تھے۔ دونوں وقت میں صرف ایک وقت ہی کھانا ملتا تھا۔ اس لئے نحیف و ناتواں معلوم ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے یہودی اُنھیں ناچیز سمجھتے تھے۔ مگر جب اُن سے مقابلہ ہُوا۔ اور اُنکے دو نامور سردار مرحب و یاسر مارے گئے اور بہت سے یہودی کام آئے تو اُن کی آنکھیں کھُلیں:-

غرور و نخوت کا پردہ اٹھا اور وہ مسلمانوں کے جوش و قوت کے قائل ہو گئے یہودیوں کو شکست ہوئی اور کھلی ہوئی شکست۔ ایسی شکست کر وہ سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ اپنے مردوں کو تو کیا ٹھکانے لگاتے زخمیوں کو بھی میدان کارزار سے اٹھا کر نہ لے جا سکے بزدلوں کی طرح بھاگے اور قلعہ میں محصور ہو گئے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے ایک نطارہ دوسرا شق۔ تیسرا قموص۔ چوتھا ناعم۔ پانچواں وطیح اور چھٹا صعب یہ سب قلعے قریب قریب ہی واقع تھے۔ قلعہ صعب ایسی جگہ واقع تھا۔ کہ اس سے تمام قلعوں کو امداد پہنچتی تھی۔ مگر سب سے زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعہ قموص تھا۔

مسلمانوں نے رات کو اپنی قیام گاہ پر قیام کیا۔ نہایت اطمینان سے ساری رات آرام کرتے رہے صبح سویرے بیدار ہو کر صبح کی نماز پڑھی اور قلعہ نطارہ کی طرف چلے یہودی کچھ ایسے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ کہ مسلمانوں کو قلعہ کی طرف آتے دیکھ کر بھاگے اور قلعہ قموص میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔

مسلمانوں نے بڑھ کر قلعہ نطارہ پر قبضہ کر لیا۔ اس قلعہ میں غلہ کے انبار لگے ہوئے تھے۔ شراب کے پیپوں کے پیپے بھرے رکھے تھے۔ فوراً ہی آنحضور پر وحی نازل ہوئی۔ کہ شراب گرا دو یہ مسلمانوں پر حرام کر دی گئی ہے۔ آپؐ نے تمام شراب موریوں میں ڈلوا دی اور فرمایا کہ مسلمانو! ہم پر شراب حرام کر دی گئی ہے۔ جو دنیا میں شراب پیئے گا۔ وہ قیامت کے روز حوض کوثر کے پانی سے محروم رہے گا۔ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ فرشتے اسے کھولتا ہوا پانی پلائیں گے۔ جس سے حلق اور آنتیں جل اٹھیں گے۔ اس کے منہ سے اس قدر تعفن آئے گا کہ دوزخ کے فرشتے بھی اس سے نفرت کریں گے۔ اب جو مسلمان شراب پیئے گا۔

اُس کے اسّی درے مارو۔ اور اگر کوئی مسلمان نادانستگی میں شراب پی لے۔ یا کوئی عادی شرابی توبہ کرے۔ تو خدا اس کا قصور معاف کر دیتا ہے۔ لیکن جو آدمی توبہ کرکے توبہ شکنی کرے گا۔ خدا اس سے بیزار ہو جائے گا۔

مسلمانوں کو رسد کی بے حد ضرورت تھی۔ خدا نے کافی غلہ دیا۔ انہوں نے قلعہ نطارہ پر عمل و دخل کر کے قلعہ شق کی طرف کوچ کیا۔ شق کے یہودی دیکھ چکے تھے کہ اہل نطارہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لہذا وہ بھی قلعہ میں نہ ٹھہر سکے۔ بدحواس ہو کر نکلے اور گھبرا کر قلعہ قموص میں جا گھسے اور مسلمانوں نے قلعہ شق پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ دو قلعے یکے بعد دیگرے بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ یہودیوں کو جرأت ہی نہ ہوئی۔ کہ وہ کسی قلعہ میں ٹھہر کر مقابلہ کرتے۔ حالانکہ اُن کی لاف زنیاں حد سے گزری ہوئی تھیں۔

وہ مدینے پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ جس طرح سے مسلمانوں نے انہیں مدینہ سے جلاوطن کیا تھا۔ اسی طرح سے وہ مدینہ فتح کر کے مسلمانوں کو جلاوطن کریں گے۔ لیکن جب مسلمان ان پر حملہ آور ہوئے۔ تو پہلی ہی لڑائی میں ان پر مسلمانوں کا ایسا رعب بیٹھ گیا کہ قلعہ پر قلعہ خالی کرتے چلے گئے۔

دونوں متذکرہ بالا قلعوں میں ٹھہر کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چونکہ قلعہ شق میں داخل ہوتے وقت شام ہو گئی تھی۔ اس لیئے مسلمانوں نے اس شب کو اسی قلعہ میں آرام کیا۔ دوسرے روز نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی قلعہ قموص کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ قلعہ دونوں مفتوحہ قلعوں سے زیادہ مضبوط اس قلعہ میں یہودیوں کے چیدہ چیدہ سردار اور آزمودہ کار سپاہی تھے۔ کنانہ بن الربیع ان کا سردار اعظم تھا۔ اس نے فصیل پر چاروں طرف سپاہی متعین کر دیئے تھے۔ سنگریزے

اور تیروں کے گٹھے انبار در انبار ڈلوا دیئے تھے۔

جب مسلمان قلعہ کے سامنے پہنچے۔ تو وہ اس کی فلک نما مضبوط عمارات کوہ پیکر برج اور رفیع الشان دروازے اور دروازوں پر موٹی موٹی آہنی چادروں سے منڈھے ہوئے کیواڑ کی طرح دیکھ کر حیران رہ گئے۔

یہ قلعہ نہایت بلند اور مضبوط تھا۔ چونے اور پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ کافی موٹے موٹے اور وزنی پتھر لگائے گئے تھے۔ پتھروں کو توڑ کر فصیل میں شگاف کرنا دشوار تھا۔

اس کا صدر دروازہ ساٹھ فٹ اونچا تھا۔ لکڑی کے موٹے موٹے کیواڑ چڑھے ہوئے تھے جن پر لوہے کی ۲ انچ موٹی چادر منڈھی ہوئی تھی۔ کیواڑوں کا وزن ساٹھ من تھا۔ خیبر میں یہی ایک قلعہ تھا۔ جس پر یہودیوں کو ناز تھا۔ اور جسے وہ ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔ اس قلعہ کا دروازہ درۂ خیبر کہلاتا تھا۔

اطراف و جوانب میں اس قلعہ اور قلعہ کے دروازہ کی شہرت تھی۔ مسلمان صدر دروازہ کے سامنے تقریباً ایک میل لمبا میدان چھوڑ کر فروکش ہو گئے۔ اس روز مسلمانوں نے حملہ نہ کیا۔ وہ قلعہ کو دیکھتے اُسے تسخیر کرنے کی تدابیر سوچتے رہے۔

حضرت عمرؓ۔ حضرت صدیق اکبر۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت بلالؓ۔ اور حضرت سعدؓ بن معاذ نے گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعہ کے چاروں طرف گشت کیا۔ لیکن کسی طرف کوئی موقعہ ایسا نظر نہ آیا۔ جہاں سے قلعہ پر زور پڑ سکے۔

اتفاق سے حضرت علی کرم اللہ کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں۔ وہ خیمہ سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ دھوپ کی چمک سے بچنے کے لئے آپ خیمہ ہی میں آرام فرمایا کرتے تھے۔

اس روز مسلمانوں نے حملہ نہ کیا۔ بلکہ تمام دن غور و تدبر کرنے میں صرف ہو گیا

دوسرے روز مسلمان مسلح ہو کر میدان میں نکلے - اور صفیں مرتب کر کے آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھے -

یہودیوں نے مسلمانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا - وہ بھی مستعد ہو گئے - مگر انہوں نے تیر اندازی یا سنگباری نہ کی - یہاں تک کہ مسلمان بالکل ان کے سامنے آ گئے - اور فصیل تھوڑے ہی فاصلے پر رہ گئی -

مسلمانوں کو حیرت تھی - کہ یہودی خاموش کیوں ہیں - کیوں تیر اندازی شروع نہیں کرتے - کیا وہ بغیر لڑے بھڑے قلعہ ہمارے سپرد کر دینے کا تہیہ کر چکے ہیں -

مسلمان برابر آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے - انسانوں کا سیلاب فصیل سے ٹکرانے کے لئے رواں تھا - جب مسلمان بالکل ہی فصیل کے قریب پہنچ گئے - تو یکایک پتھر کے ٹکڑوں اور تیروں کی بارش ان پر شروع ہو گئی - فصیل کے اوپر سے سنگریزے اور تیر اس کثرت سے آنے لگے - آفتاب تک ان کے نیچے چھپ گیا -

اس اچانک سنگ اندازی اور تیر افگنی نے مسلمانوں کی پیشقدمی روک دی - انہوں نے ڈھالوں پر تیروں اور پتھروں کو روکنا شروع کر دیا - لیکن ہزار کوشش کرنے پر بھی وہ تیروں سے نہ بچ سکے -

متعدد مسلمان مجروح ہو گئے - اکثر شدید ترین زخمی ہو گئے - مگر اس قدر مجروح ہونے پر بھی ان کے قدم پیچھے نہ ہٹے - چونکہ پتھروں کے خاروار ٹکڑے اور پردار تیر نہایت شدت سے برس رہے تھے - اس وجہ سے مسلمان آگے بھی نہ بڑھ سکتے تھے اور پیچھے ہٹنا بزدلی سمجھتے تھے - اس لئے اسی جگہ کھڑے کمال جانبازی کے ساتھ تیروں اور پتھروں کو روک رہے تھے -

حضرت عمرؓ ایک ہاتھ میں علم لئے دوسرے ہاتھ میں ڈھال پکڑے کھڑے سوچ رہے تھے - دیکھ رہے تھے - کہ مسلمان مجروح ہو رہے ہیں - آپ کو غصہ آ رہا تھا -

جوش آرہا تھا۔ چنانچہ آپ نے طیش میں آکر بڑھنا شروع کیا؛

یہودیوں نے شور وغل کر کرکے اور بھی شدت سے تیراندازی شروع کر دی۔ چونکہ حضرت عمرؓ بڑھ رہے تھے۔ اس لئے ان کی معیت میں تمام مجاہدین اسلام بھی آہستہ آہستہ بڑھنے لگے تھے۔

یہ بڑی جانبازی کا کام تھا۔ جان بوجھ کر موت کے منھ میں جانا شیر دل انسانوں کا کام ہے۔ مسلمانوں کا سیلاب دم بدم بڑھتا چلا جارہا تھا۔ یہودی شور وغل کر کر کے سنگریزے اور پھر برسا رہے تھے۔

تمام قلعہ، قلعے کے سامنے کا میدان گونج رہا تھا۔ یہودی حیرت سے مسلمانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ چونکہ کثرت سے تیراندازی اور سنگباری جاری تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو اسوقت تک ایک تیر بھی چلانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ وہ ابتک تیروں کو روکتے تھے۔

آخر بڑھتے بڑھتے مسلمان قلعہ کی فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ انہوں نے فصیل کو نیزوں اور کدالوں سے توڑنے کی کوشش کی۔ مگر سنگلاخ فصیل ہزار کوشش کرنے پر بھی نہ ٹوٹی

یہاں تک کہ اسی جدوجہد میں شام ہوگئی۔ آفتاب حجلہ مغرب میں چھپ گیا۔ اندھیرا پھیلنے کی وجہ سے مجبور ہوکر مسلمان واپس لوٹ گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے نماز پڑھی اور پھر مجروحین کی مرہم پٹی شروع کر دی۔

رات گذر کر جب دن نکلا تو مسلمان پھر مسلح ہوئے۔ آج حضرت صدیقؓ کو رایت اسلام دیا گیا۔ وہ جانباز مسلمانوں کا ایک دستہ لیکر بڑھے گذشتہ روز کی طرح آج بھی تمام دن دشمنوں کے تیر اور پتھر روکتے اور قدم قدم بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ عصر کیوقت فصیل کے نیچے جا پہنچے؛۔

آج حضرت صدیق رضؓ نے صدر دروازے کے توڑنے کی کوشش کی۔ مگر دروازہ اس قدر مضبوط تھا۔ کہ اس پر کوئی حربہ کارگر نہ ہوتا تھا۔ بہت کچھ جدوجہد کرنے پر بھی ناکامی رہی۔

آخر دن چھپنے کے بعد مسلمان واپس لوٹے۔ آج بھی بہت سے مسلمان مجروح ہو گئے تھے۔ لہٰذا واپسی پر اُن کے زخم دہو کر مرہم لگائی اور پٹیاں کس دی گئیں۔ تیسرے روز پھر مسلمان مسلح ہوئے۔

آج حضرت عثمان کو اسلامی عَلَم دیا گیا اور وہ نہایت جوش وخروش سے چلے بڑی جانبازی سے بڑھے اور عصر سے ذرا پہلے ہی فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ انہوں نے اور اُن کے ہمراہیوں نے بھی فصیل توڑنے کی کوشش کی۔ مگر باوجود سعی تبلیغ کے نیز کافی جدوجہد کے بھی فصیل کا ایک پتھر تک بھی نہ توڑ سکے۔ لہٰذا مجبور ہو کر شام کو واپس لوٹ آئے اس طرح سے یکے بعد دیگرے کئی سردار روزانہ حملہ آور ہوئے قلعہ کی فصیل تک پہنچے۔ فصیل اور دروازہ کے توڑنے کی کوشش کی۔ مگر کوئی بھی کامیاب وبامراد نہ ہو سکا۔

آخر ایک شب کو جب مسلمان واپس لشکرگاہ میں پہنچے تو آنحضور نے فرمایا۔ کل میں اس شخص کو علم دوں گا۔ جو خدا کے حکم سے خیبر کے مشہور ومعروف قلعہ قموص کو فتح کر کے خیبر شکن کا خطاب حاصل کرے گا۔

تمام مسلمان اس مژدہ فرحت بخش کو سن کر کمال مسرور محظوظ ہوئے۔ ہر شخص سوچنے لگا کہ وہ کون خوش قسمت ہستی ہے۔ جسے کل علم دیا جائے گا۔ اور جو اپنی بے نظیر شجاعت سے قلعہ فتح کر کے خیبر شکن کا قابل فخر لقب حاصل کرے گا۔

ہر شخص جانتا تھا۔ کہ جو کچھ آپ فرما دیتے ہیں۔ وہ صحیح ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرما دیا ہے کہ کل قلعہ فتح ہو گا۔ اس لیئے اُسکے فتح ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن کون فتح کرے گا

کسے علم دیا جائے گا۔ اس بات کی کُرید ہر شخص کے دل میں پیدا ہو گئی۔ تمام شب مسلمان اسی فکر و تردد میں رہے۔

صبح جب نماز سے فارغ ہوئے تو مسلح ہو ہو کر کھڑے ہو گئے۔ جب آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر اُونچا ہو گیا اور اسکی طلائی کرنیں قلعہ کی فصیل اور درختوں کی چوٹیوں پر رقص کرنے لگیں تو آنحضور صلعم اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے۔

ہر مسلمان نے اشتیاق و اُمید افزا نظروں سے آنحضور صلعم کو دیکھا۔ تمام لوگ خاموش کھڑے ہو کر گوش بر آواز ہو گئے۔

تمام مسلمانوں پر شہر خموشاں کی سی خاموشی طاری تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سب سے پہلے وہی سُنے۔

چنانچہ آنحضور صلعم آہستہ آہستہ چل کر لشکر کے سامنے پہنچے۔ اور آپ نے فرمایا مسلمانو! آج علم اس شخص کو دیا جائے گا۔ جو قلعہ فتح کرے گا۔ جس کا لقب شاہ خیبر شکن ہوگا۔ مسلمان ہمہ تن گوش بن گئے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا! علی کرم اللہ کہاں ہے؟ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ خوش قسمت ہستی جسکی قسمت میں شاہ خیبر شکن کا معزز و مفخر لقب حاصل کرنا لکھا ہے۔ حیدر کرار، شاہ نامدار امیر علیہ السلام حضرت علی المرتضےٰ ہے۔ مگر تمام مسلمانوں کو یہ بات معلوم تھی۔ کہ حضرت علی کرم اللہ کی آنکھیں آشوب کر آئی ہیں اور وہ کچھ ایسی دکھ رہی تھیں کہ نہ آنکھیں کھلتی تھیں اور نہ کوئی چیز نظر آتی تھی۔

آپ خیمہ سے باہر نہ نکلتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ حضور اکرم وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا انھیں میرے پاس لاؤ! چند مسلمان دوڑے گئے اور حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر آنحضور صلعم کے سامنے لائے آپ نے استفسار فرمایا۔ تمہارا کیا حال ہے علی کرم اللہ؟

حضرت علی کرم اللہ نے فرمایا۔ یارسول اللہ کئی روز سے آشوب چشم کے مرض میں مبتلا ہوں۔ دھوپ کی چمک سخت تکلیف دیتی ہے۔ ہر وقت آنکھیں بند کیے پڑا رہتا ہوں۔

آنحضور صلعم نے اپنا لعاب دہن حضرت علی کرم اللہ کی آنکھوں میں لگا کر ایک پٹی کس دی اور فرمایا علی کرم اللہ تمہاری آنکھیں انشاء اللہ ابھی اچھی ہوجائیں گی اور اس کے بعد پھر کبھی نہ دکھیں گی۔ خدا کے حکم سے تم کو سردی اور گرمی کبھی تکلیف نہ دے گی۔

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ کبھی کسی موسم میں حضرت علی کرم اللہ کو سردی یا گرمی نے تکلیف نہ دی اور نہ آنکھیں دکھیں

تھوڑی دیر کے بعد آنحضور صلعم نے اپنے ہاتھ سے حضرت علی کرم اللہ کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی۔ اب جو دیکھا تو آشوب چشم کا نشان بھی نہ تھا۔ آنکھیں بالکل اچھی تھیں۔

مسلمان آنحضور صلعم کے اس معجزہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ کو بڑی مسرت ہوئی۔ لہٰذا آپ نے بڑھکر آنحضور صلعم کے ہاتھ کو فرط عقیدت سے بوسہ دیا:۔

اب آنحضور صلعم نے رایت اسلام اپنے ہاتھ میں لیکر حضرت علی کرم اللہ کو دیا اور فرمایا۔ اے اسد اللہ الغالب! خدا کا نام لے کر جاؤ اور قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر پھینک دو۔

حضرت علی کرم اللہ نے پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیکر پھریرا ہوا میں اڑا دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر بڑے جوش و خروش اور شان و شکوہ سے بڑھنا شروع کیا۔

اسلامی لشکر کا ایک دستہ آپکی معیت میں بڑھا۔ جب آپ قلعہ کے قریب پہنچے تو کفار نے حسب دستور تیروں اور پتھر کے ٹکڑوں کی بارش شروع کردی۔ حضرت علی کرم اللہ نے فرمایا!''

اے شہادت کے طلبگارو! اے خدا سے ملنے کی آرزو رکھنے والو بغیر کسی جھجک اور خوف کے بڑھتے رہو۔ ہم سب شہید ہوکر جنت میں داخل ہونے کے متمنی ہیں اور جنت کا راستہ تلواروں کے سایہ میں سے ہوکر گذرتا ہے۔

اس مختصر تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش کی لہر دوڑادی وہ ڈھالوں پر تیروں اور پتھروں کے ٹکڑوں کو روکتے ہوئے نہایت بےخوفی اور جوش و غضب سے بڑھنے لگے۔

یہودیوں نے تیر اندازی اور سنگ بازی میں انتہا کردی اور اس قدر شور و غل مچایا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ لیکن مسلمانوں پر نہ اُن کے شور و غل کا اثر ہوا اور نہ تیر اندازی اور سنگ باری سے کسی قسم کی تاخیر ہونے پائی۔ وہ نہایت ضبط و ترتیب سے بڑھتے رہے۔

یہودی مجاہدین **اسلام** کی جانبازانہ پیش قدمی دیکھ کر نہایت مشوش ہوئے انہوں نے تیر اندازی اور سنگ باری میں مزید شدت سے کام لیا۔ دمامے نقارے اور دوسرے باجے بجا بجا کر قلعہ سر پر اٹھالیا!''

مسلمان سر جھکائے نظر اٹھائے بڑے استقلال اور پامردی سے بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ تیروں اور سنگ ریزوں کی بارش نے قدم قدم پر روکنا چاہا۔ مگر وہ اللہ کے بندے مجروح و گھائل ہونے پر بھی نہ رکے برابر بڑھتے رہے۔

ان کی شان رفتار کو دیکھ کر یہ معلوم ہونے کا تہیہ کرچکے ہیں۔

سب سے آگے شیر خدا حیدر کرار رضہ حضرت علی کرم اللہ ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے

ہاتھ میں ڈھال لیے بڑے شان و دبدبہ سے بڑھ رہے تھے۔ آپکے عقب میں اسلامی دستہ حرکت کر رہا تھا۔

آخر بڑھتے بڑھتے مجاہدین اسلام کا یہ دستہ قلعہ کے نیچے پہنچ گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صدر دروازہ کے سامنے جا کر رکے انہوں نے سرسری نظر ڈال کر یہ معلوم کر لیا کہ فصیل جس قدر مضبوط ہے دروازے کا آہنی پھاٹک اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ وہ چند منٹ پھاٹک کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ سوچتے رہے۔

بالآخر کافی غور و خوض کے بعد گھوڑے سے اترے اور پھاٹک کے قریب پہنچے انہوں نے مسلمانوں کو پھاٹک کے سامنے سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ مسلمان پھاٹک کے ہر دو جانب پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

اب علی المرتضےٰ نے آہن پوش پھاٹک کی موٹی موٹی سلاخیں پکڑیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کیواڑوں کو ابھارا

مسلمان تحیر و استعجاب آمیز نظروں سے ان کی اس کاروائی کو دیکھ رہے تھے سب جانتے تھے کہ پھاٹک نہایت وزنی اور مضبوط ہے۔ اس کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھی غیر ممکن ہے،،

حضرت علی المرتضےٰ شیر خدا نے در خیبر کو ابھار کر دونوں ہاتھوں سے اپنی طاقت سے جھڑجھڑایا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر پھاٹک اکھاڑا اور ساٹھ من پختہ وزن کے پھاٹک کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر چرخ دیا اور بیس فٹ کے فاصلے پر پھینک دیا۔

تمام مسلمان، سارے یہودی آپ کی یہ طاقت، یہ زور جوانی دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے۔ چونکہ حضرت علی المرتضےٰ نے زیادہ قوت سے کام لیا تھا۔ اس وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا۔

جب مسلمانوں کی حیرت دور ہوئی تو انہوں نے اللہ اکبر کا پُر زور نعرہ بلند کیا۔

اس نعرہ سے قلعہ کی تمام فصیل لرز گئی۔ میدان جنگ کانپ اٹھا اور یہودی تھرا گئے مسلمانوں نے جوش مسرت سے بے خود ہو کر نعرہ لگایا

شاہ در خیبر شکن زندہ باد۔ شیر خدا علی المرتضٰے پائندہ باد! اب در قلعہ وا ہو گیا تھا۔ یہودی جو اندر کی جانب دروازے کی حفاظت پر متعین تھے گھبرا کر پیچھے ہٹے۔

شیر خدا اُٹھ کر چلے اور مسلمانوں کا دستہ بھی اُن کے پیچھے چلا۔ یہودیوں نے شیر ان اسلام کو آتے دیکھا تو ان پر ہراس طاری ہو گیا اور جس قدر یہودی فصیل پر موجود تھے وہ جلدی جلدی نیچے اترے اور تلواریں میانوں سے کھینچ کھینچ کر آمادۂ پیکار ہو گئے۔

مسلمانوں نے بھی تلواریں علم کیں۔ بڑے جوش و خروش سے بھر کر بڑھے اور یہودیوں پر جا ٹوٹے

یہودی پہلے ہی سے تیار تھے۔ اس لئے فوراً جنگ شروع ہو گئی۔ انسان کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

ہاتھ پیر سر اور دھڑ ٹھوکریں کھانے لگے۔ خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ اگر مسلمان جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ تو یہودی بھی غیظ اور غصہ کی حالت میں تھے

دونوں فریق کمال دلیری سے مصروف جدال و قتال ہو رہے تھے۔ حضرت علے المرتضٰے کی بے پناہ تلوار یہودیوں کے ٹکڑے کر کے ڈال رہی تھی۔ جو آپ کے سامنے آجاتا تھا۔ جس پر آپ حملہ آور ہوتے تھے اُسے بغیر قتل کیئے نہ چھوڑتے تھے۔

آپ دائنے بائیں آگے پیچھے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ یہودیوں پر آپ کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ آپ کے سامنے سے کترانے لگے تھے۔

ہر مسلمان جوش و شجاعت میں ڈوبا ہوا لڑ رہا تھا۔ مسلمانوں کی خون آشام تلواریں یہودیوں کے سر و تن کے فیصلے کر رہی تھیں۔ بڑے بڑے نامور اور بہادر یہودی کام آ چکے تھے۔

کنانہ بن الربیع قلعہ قموص کا سردار تھا۔ وہ اور اسکی پری زاد بیوی صفیہ دونوں یہودی لشکر میں کھڑے ہوئے اپنے سپاہیوں کے دل بڑھا رہے تھے۔

مگر یہودیوں کے حوصلے اور ہمتیں شکست ہو چکی تھیں۔ وہ جوش و غیرت دلانے پر بھی آگے نہ بڑھتے تھے۔ مسلمانوں نے سنبھلکر ایک عام حملہ کیا۔

نہایت جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا۔ یہودیوں نے مسلمانوں کے اس حملے کو رد کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر مجاہدین اسلام رُکنے اور پیچھے ہٹنے کے لئے نہ بڑھے تھے۔

لہٰذا انہوں نے بڑھ کر اور دبایا۔ جس سے یہودیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور ہر یہودی اور ہر ... اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنے اور چھپنے لگا۔

کنانہ بھی بھاگا اور اُس کی پری زاد بیوی بھی بھاگی۔ سردار کے بھاگتے ہی یہودیوں کے بقیہ سپاہی بھی نہایت سراسیمگی سے بھاگ اُٹھے۔

مسلمان متفرق ہو کر تمام قلعہ میں پھیل گئے۔ اور جو اُن کے سامنے آیا اسی کو مار ڈالا اور جو بھی ذرا الجھا اُسے موت کی آغوش میں پہنچا دیا گیا۔

اب یہودیوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور گریہ کناں امان! امان کی التجائیں کرنے لگے۔

یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی المرتضٰی نے فوراً جنگ کر کے یہودیوں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔ لہٰذا جنگ بند کر دی گئی۔

یہودی مرد۔ عورتیں اور بچے اسیر کیئے جانے لگے۔ جبکہ گرفتاری عمل میں آرہی تھی تو بہت سے یہودی اپنے زن و فرزند کو لے کر چپکے سے قلعے سے نکل گئے۔

تقریباً دو ہی گھنٹے میں تمام یہودی گرفتار کر لیئے گئے۔ اور ان کے ساتھ ہی صفیہ بھی گرفتار کر لی گئی۔

یہودیوں کو آج معلوم ہُوا ۔ کہ ان کی تعلی فضول شیخی مسلمانوں کی عداوت اور بیجا حسد نے انہیں گرفتار بلا کرا دیا ۔

انہوں نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ۔ خود مسلمانوں سے دشمنی مول لی ۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر تیار کی ۔ اور خود ہی اسمیں دفن ہو گئے ۔

قیدی یہودی غم و حسرت میں ڈوبے ہوئے رحم و التجا بھری نظروں سے مسلمانوں کا مُنہ تک رہے تھے ۔

حضرت علی المرتضٰے نے پچاس مسلمان قلعہ کے اندر چھوڑ دیے ۔ اور بقیہ تمام مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے کر مع یہودی قیدیوں کے چلے اور لشکر اسلام میں پہنچے ۔ تمام مسلمانوں نے نہایت جوش اور بڑی مسرت سے ان کا استقبال کیا ۔ بلکہ خود آنحضور نے کئی قدم چل کر استقبال کیا ۔ اور حضرت علی المرتضٰے کو فتح پر مبارک باد دی ۔

چونکہ اب رات آگئی تھی ۔ اس لئے مسلمانوں نے آرام کیا ۔ قیدیوں کی حفاظت پر ایک دستہ متعین کر دیا گیا ۔

دوسرے روز جبکہ آفتاب طلوع ہو رہا تھا ۔ قلعہ صعب ناعم اور وطیح کے سربرآوردہ یہودی آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اور انہوں نے زراعت و باغات کی نصف پیداوار بطور خراج ادا کرنے کا اقرار کر کے مصالحت کی استدعا کی ۔

حضور اکرم نے ان کی یہ استدعا منظور کر لی ۔ اس قرار داد پر ان سے صلح ہو گئی ۔ صُلحنامہ تحریر کیا گیا اور فریقین نے اس پر دستخط کر دیئے ۔

جب صلح نامہ مکمل کر کے وہ لوگ چلے گئے ۔ تو قلعہ قموص کے قیدی اور مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے ۔

صفیہ کنانہ کی بیوی حضرت دحیہؓ کے حِصّہ میں آئی ۔ چونکہ صفیہ ایک حکمران کی بیوی اور حیی بن اخطب کی بیٹی تھی ۔ اِسلئے آنحضور نے اسے دحیہؓ سے خرید کر آزاد کر دیا ۔

اور ان سے کہدیا۔ کہ تم آزاد ہو۔ جہاں دل چاہے۔ چلی جاؤ

صفیہ پر آنحضور صلعم کی اس مہربانی کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ اور اُس نے کہا۔ یارسول اللہ میرا ارادہ مسلمان ہونے کا ہے"۔

آنحضور صلعم نے اُسے مسلمان کرلیا۔ اور اس کی خواہش پر حضور اکرمؐ نے اس سے اپنا عقد کرلیا۔

اس شب کو سلام بن مشکم یہودی حاضر خدمت ہوا اور آنحضور صلعم کی دعوت کر گیا۔ آنحضور صلعم رات کو حضرت بشر رضؓ بن البراءؓ کے ہمراہ کھانا کھانے گئے۔ یہودیوں کو آنحضور صلعم سے خدائی بیر تھا۔

وہ ذات اقدس کو نقصان پہنچانے کی تدابیر کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ حضورؐ اکرم بھی ان کے حسد وعداوت سے بخوبی واقف تھے۔ مگر آپ اس قدر بامروت تھے۔ کہ ان کی باتیں مان لیتے تھے۔

چنانچہ بڑی ہوئی مروت ہی کی وجہ سے آنحضور صلعم نے سلام کی دعوت منظور فرمائی تھی۔

دراصل حضورؐ اکرم یہ چاہتے تھے۔ کہ یہودی بغض وعناد چھوڑ کر مسلمانوں سے دوستی کا برتاؤ کرنے لگیں۔ مگر یہودی اپنی خباثت سے باز نہ آتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضور صلعم سلام کی دعوت میں شرکت کے لئے تشریف لے جانے لگے۔ تو حضرت صفیہؓ نے فرمایا یا حبیب اللہ آپ یہودیوں کے یہاں کیوں جارہے ہیں۔ وہ تو آپ کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

آنحضورؐ صلعم نے فرمایا! میں جانتا ہوں۔ لیکن صفیہ کب تک وہ دشمنی کرتے رہینگے حضرت صفیہ رضؓ نے فرمایا۔ حضورؐ! وہ آپ سے اور مسلمانوں سے اُسوقت تک دشمنی کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ وہ دنیا میں ایک یہودی بھی زندہ ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا! خدا مجھے اور مسلمانوں کو اُن کے سر سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت صفیہ نے فرمایا!

میرے سرتاج۔ مجھے سلام اور اس کی بیوی زینب کی طرف سے اندیشہ ہے آنحضور صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔

تم اندیشہ نہ کرو خداوند عالم میری حفاظت کرے گا۔

چنانچہ آنحضور صلعم حضرت بشر رضہ کے ساتھ سلام کے مکان پر پہنچے آپ کے سامنے کھانا چنا گیا۔ بکری کا گوشت اور قلیے تھے۔ آنحضور صلعم نے ایک لقمہ منہ میں رکھا۔

آپ نے فوراً تھوک دیا اور حضرت بشر سے کہا۔ بشر رضہ تھوک دو۔ مت کھاؤ کھانے میں زہر ملا ہوا ہے۔

بشر نوالہ رضہ نگل چکے تھے۔ نوالہ کا حلق سے نیچے اترنا تھا۔ کہ زہر ہلاہل نے اپنا کام شروع کر دیا۔ فوراً ہی خون کی قے آئی اور ان کا حال ابتر ہونا شروع ہو گیا زہر کچھ ایسا جان لیوا تھا۔ کہ منٹوں میں حضرت بشر رضہ شہید ہو گئے۔

آنحضور صلعم کو بڑا افسوس ہوا۔ آپ نے سلام کی طرف دیکھا سلام ڈر گیا اور اس نے دست بستہ ہو کر کہا۔ حضور اکرم میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ کس بدبخت نے یہ نازیبا حرکت کی ہے۔ میرے خیال میں یہ کاروائی زینب کی ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اپنی بیوی کو بلاؤ۔ ہم مسلمانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی کو قتل کر ڈالتا ہے۔ اُسے مقتول کے ورثا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ وہ چاہے اُسے قتل کریں چاہے۔ خونبہا لیکر چھوڑ دیں

فوراً زینب حاضر کی گئی اُس نے اقرار کیا کہ کھانے میں اُس نے زہر ملایا تھا حضور اکرم اُسے اور حضرت بشر رضہ کی لاش کو لشکر اسلام میں لائے اور زینب

کو حضرت بشر رضؓ کے ورثاء کے سپرد کردیا۔ زینب سمجھ گئی کہ وہ ضرور قتل کر ڈالی جائے گی۔ اُس نے فوراً کہا۔ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ لہٰذا مجھے مسلمان کرکے قتل کرنا چنانچہ اُسے مسلمان کرلیا گیا۔ اُسکے مسلمان ہونے پر حضرت بشر رضؓ کے ورثاء نے اس سے انتقام لینے سے انکار کردیا اور کہدیا کہ اب یہ مسلمان ہوگئی۔ ہم اس سے انتقام نہیں لے سکتے۔ زینب مسلمانوں کا یہ ایثار دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہودیوں کو بڑا تعجب ہوا کئی یہودی مسلمانوں کی اس کاروائی سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے اور دوسرے روز آنحضور صلعم نے معہ فاتح مسلمانوں کے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کردیا۔

۱۵
پندرھواں باب

"ارشاداتِ عالیہ"

مسلمانوں نے جب سے خیبر پر لشکر کشی کی تھی۔ اس وقت سے تمام عرب کی نگاہیں اس جنگ کے نتیجہ پر لگی ہوئی تھیں۔ خیبر کے یہودی نہایت مالدار اور کثیر التعداد تھے۔ ان کے قلعے مضبوط سامان حرب بافراط اور لشکر کافی تھا۔ بڑے بڑے دلاور اور جوشیلے لوگ لشکر میں موجود تھے۔

مدینہ کے منافقوں اور عرب کے مشرکوں کا یہ خیال تھا کہ خیبر کے یہودی مسلمانوں کو شکست دے کر مدینہ منورہ اور تمام ان مقامات اور قلعہ جات پر قابض ہو جائیں گے جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے اور پھر یا تو مسلمان مرتد ہو کر یہودیوں کا مذہب اختیار کر لیں گے یا بت پرست ہو جائیں گے اور یا سر زمین عرب سے نکل جائیں گے۔

جس زمانہ کا حال ہم لکھ رہے ہیں۔ اس زمانے میں پیغام رسانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ چند میلوں کے فاصلے کی خبریں بھی مدتوں کے بعد پہنچتی تھیں۔ اور دور دراز کے فاصلے کی خبریں تو مہینوں اور برسوں میں پہنچا کرتی تھیں۔ چنانچہ فتح خیبر کی خبریں بھی یہ دیر مشتہر ہو جائیں۔ لوگوں نے حیرت سے ان خبروں کو سنا۔

آنحضور ابھی خیبر سے کچھ زیادہ دور نہ پہنچے تھے۔ کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ ملاقی ہوا۔

یہ قافلہ حبش سے آیا تھا۔ قارئین کرام کو یاد ہوگا۔ کہ آنحضورؐ نے مکہ سے روانہ ہونے سے قبل عمروؓ بن اُمیہ کو حبش روانہ کیا گیا تھا۔ اور انہیں شاہ حبش کے نام ایک خط بھی لکھ کر دیا تھا۔

حضرت عمروؓ حبش سے ان مسلمانوں کو لے آئے تھے۔ جو مکہ والوں کی درازدستیوں سے تنگ آکر ہجرت کر گئے تھے۔ ان واپس آنے والوں میں حضرت جعفرؓ حضرت علی کرم اللہ کے بھائی اور انکی بیوی حضرت اسماءؓ نیز ان کے صاحبزادگان۔ عبداللہؓ۔ عونؓ۔ محمدؓ اور خالدؓ بن سعیدؓ۔ ابوموسےٰ اشعریؓ۔ طہمؓ بن قیس۔ حرثؓ بن خالد۔ محینہ بنؓ غذار۔ معمرؓ بن عبداللہ، ابوحاطبؓ بن عمروؓ اور ملکؓ بن ربیعہ وغیرہ تھے۔

حضور صلعم اور تمام مسلمان ان مسلمانوں کو دیکھکر کمال مسرور و محفوظ ہوئے۔ اور اپنے ان بچھڑے ہوئے ستم زدہ بھائیوں سے اس طرح سے بغل گیر ہو کر ملے۔ جیسے کہ وہ ان کے حقیقی بھائی ہوں۔

دراصل سلام کا یہ بنی نوع انسان پر زبردست احسان ہے کہ ان سے مسلمانوں میں اخوت و محبت کا ایسا بھیا چارہ قائم کیا ہے۔ جو مرتے دم تک باقی رہتا ہے۔ مسلمان یورپ کا باشندہ ہو۔ یا ایشیا کا۔ افریقہ کا ہو۔ یا امریکہ کا۔ جاوا کا ہو یا کینیڈا کا۔ چین کا ہو یا جاپان کا۔ روس کا ہو۔ یا فرانس کا۔ ہندوستان کا ہو یا ترکستان کا۔ غرضیکہ دنیا کے کسی گوشے کا رہنے والا ہو۔ ہر مسلمان سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔

خدا اور خدا کے رسول کا یہی حکم ہے۔ اور کوئی مسلمان اس حکم سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ان سے انحراف کرے۔ تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اسلام دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور امن امان اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب مسلمان اخوت و محبت سے رہیں۔

جو زبردست۔ طامع۔ خود غرض۔ ملوکیت کے دلدادہ۔ عزوجاہ کے خواہشمند مسلمان ہی مسلمان کو ستانے یا کسی مسلمان حکمران پر یورش کرتے ہیں۔ وہ خدا اور خدا

کے احکامات سے انحراف کر کے قہر الٰہی کے نزول کو دعوت دیتے ہیں

خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! اسلام کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑو اور متفق و متحد ہو کر رہو ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔

جو مسلمان کسی مسلمان کو ستاتا ہے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے وہ ہمارے یعنی خدا کے عذاب کا انتظار کرے اس خدائی ارشاد کے ہوتے ہوئے وہ کون بدبخت مسلمان ہے جو کسی مسلمان کو ستائے :۔

کسی مسلمان بادشاہ پر یورش کرے کسی مسلمان کو قتل کرے یا کسی مسلمان کے خلاف کوئی سازش کرے اگر کوئی ایسا ہے تو وہ شیطان کا پیرو ہے اسلام سے منحرف ہے۔

خدا کا نافرمان بندہ ہے۔ حضور اکرم کا غدار امتی ہے۔ جب مسلمان بغل گیر ہو چکے تو عمر رضؓ نے ایک نوجوان کو آنحضور صلعم کی خدمت میں پیش کیا۔ نوجوان نے نہایت ادب سے حضور اکرم کو سلام کیا اور آپؐ نے اُسے دعا دی

یہ نوجوان خوبرو تھا۔ بیش قیمت کپڑے پہنے تھا۔ اسکی ظاہری شان کہہ رہی تھی کہ وہ کوئی شہزادہ ہے۔

آنحضورؐ صلعم نے عمر رضؓ سے استفسار فرمایا۔ عمر رضؓ! یہ نوجوان کون ہے۔ عمر رضؓ نے فرمایا یہ حبش کے بادشاہ اصحمہ کا بیٹا ارہا ہے۔ حضور اکرم کے سلام کے لیے حاضر ہوا ہے۔ اس کا باپ مسلمان ہو گیا ہے۔ اور اس نے حضورؐ کے نام [illegible] بھیجا ہے۔

عمر رضؓ نے یہ خط حضور اکرم کے سامنے پیش کیا۔ حضور اکرم کو یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ عیسائی بادشاہ مسلمان ہو گیا ہے۔ آپ نے ارہا کے سر پہ ہاتھ رکھ کہا۔ نورچشمی خدا تیری ہر خواہش کو پورا کرے۔

معلوم ہوتا ہے خدا نے آنحضور صلعم کی یہ دعا قبول کر لی تھی۔ چنانچہ ارہا کی ہر خواہش

پوری ہوئی اور تمام زندگی وہ افسردہ اور غمزدہ رہا!۔

اب حضور اکرم نے حضرت صدیق اکبر کو خط دیا اور کہا صدیق اس خط کو پڑھو۔ حضرت صدیق رض اکبر نے مہر توڑی۔ خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا لکھا تھا۔

یہ عریضہ ہے نجاشی بن بحیر کی جانب سے جو حبش کا بادشاہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ کی خدمت میں،، اے خدا کے نبی آپ پر اللہ کی سلامتی۔ رحمت اور برکات نازل ہوں۔ میں قرار کرتا ہوں۔ کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور آپ خدا کے رسول ہیں! حضور کا فرمان میرے پاس پہنچا حضرت عیسیٰ کے متعلق جو آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ اس سے ذرہ برابر بھی بڑھ کر نہیں ہیں۔ عیسائی غلطی پر ہیں اور دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انہیں خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔

پہلے میرا بھی یہی عقیدہ تھا۔۔ .. .. .. کس قدر غلط عقیدہ تھا۔ میرا خدا معاف کرے!" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا نہیں ہے۔ وہ اس کے بندہ اور رسول تھے گویا خدا کے محبوب نبی!"

میں نے آپکے فرمان کے بموجب مذہب اسلام اختیار کر لیا ہے اور آپکے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رض کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے افسوس ہے کہ میں مسلمانوں کی خدمت نہیں کر سکا۔ کاش! میں پہلے ہی مسلمان ہو جاتا۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ تا زندگی حضور کا خادم بن کر رہوں گا۔ میں اظہار عقیدت اور مودت کے لیئے اپنے بیٹے ارہا کو خدمت اقدس میں روانہ کر رہا ہوں۔ اگر حضور انور کا حکم ہوگا۔ تو میں بھی حاضر دربار رسالت ہونگا

مجھے بالکل یقین و اعتماد ہے کہ حضور اکرم جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے اے خدا کے رسول آپ پر سلام! ایک بار نہیں ہزار بار سلام۔

تمام مسلمان اس خط کو سن کر کمال مسرور ہوئے۔ خصوصاً حبش کے بادشاہ کے مسلمان ہو جانے سے انھیں بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے شہزادہ ارہا کی مدارات میں انتہا کر دی :۔

شہزادہ مسلمانوں کا جوش اخوت اور شوق تواضع دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ چونکہ خیبر کی فتح کی شہرت خیبر کے قرب و جوار کے یہودیوں اور مشرکوں کو پہنچ چکی تھی۔ اس لیئے وہ مسلمانوں کی طرف سے اندیشہ ناک ہو رہے تھے۔

انہیں خوف ہو گیا تھا۔ کہ مسلمان ان کے قلعوں اور قصبوں پر قبضہ نہ کر لیں۔ اس لئے انہوں نے خود ہی مصالحت کے لئے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ خیبر کے قریب ہی فدک ایک مقام تھا۔

نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ انگور اور کھجوروں نیز دوسرے میووں کے کثرت سے باغات تھے۔ ان باغات اور سبزہ زار ہونے کی وجہ سے اس کا نام باغِ فدک مشہور ہو گیا تھا۔ اس میں یہودی آباد تھے۔ اور یہودیوں کا اس پر قبضہ تھا۔

جب اسلامی لشکر فدک کے قریب پہنچا۔ تو وہاں کے معزز یہودی آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ صرف ہماری جانوں کو امان دیجیئے۔ ہمارے اہل و عیال کو پناہ دیجیئے۔ ہم کو اپنی رعایا بنا لیجیئے۔ مال و اسباب جس قدر ہے۔ وہ سب ہم حضور کی نذر کرتے ہیں :۔

فدک کے یہودیوں نے اہل خیبر کو امداد دی تھی۔ اس لئے انہیں خوف تھا۔ کہ کہیں مسلمان ان پر یورش کر کے ان کے زن و فرزند کو تہ تیغ نہ کر ڈالیں۔

چونکہ انہیں کسی طرف سے امداد کی توقع نہ تھی۔ اور وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے

اس لئے اپنی اور اپنے زن و فرزند کی جان پر ہی مصالحت کی استدعا کی۔
مسلمان نہیں چاہتے تھے۔ کہ ان سے مصالحت کی جائے۔ مگر آنحضور صلعم نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ باشندگانِ فدک کو امان دے دی گئی۔ ان سے زرِ نقد اور سامانِ عشرت لے لیا گیا۔
چونکہ فدک[1] بغیر حملہ کرنے یا خون کا ایک قطرہ بہنے کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اسلئے خدا اور رسول کی ملکیت سمجھا گیا۔
حضرت عمر رضہ نے اپنے عہدِ خلافت میں باغ فدک کی آمدنی کو بیت المال میں داخل کرنا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ اس کی آمدنی سے آنحضور صلعم کے وصال کے بعد سے حضرت فاطمہ رضہ بنت رسول اور حضرت علی المرتضےٰ (حضرت فاطمہ رضہ) کے شوہر مستفید ہوتے چلے آ رہے تھے"!
اس مسئلہ پر اسلام کے دو زبردست فرقے اہل تسنن اور اہل تشیع آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔ بحث و مباحثے کرتے ہیں بزرگوں کی شان میں گستاخیوں پر اتر آتے ہیں۔ ایک دوسرے برا کہنے لگتے ہیں۔
افسوس انہیں سمجھتے اس بات کو کہ حضرت عمر رضہ نے باغ فدک اپنے قبضے میں کر کے اس کی آمدنی سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اسکی آمدنی بیت المال میں داخل کی۔ بیت المال تمام مسلمانوں کا خزانہ سمجھا جاتا تھا۔ سارے مسلمانوں کو اس خزانے سے تنخواہیں اور روزینے دیئے جاتے تھے۔

---

[1] چونکہ ہمارا مسلک مسلمانوں کے تمام فرقوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے۔ اس لیے ہم بحث سے گریز کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضہ کا یہ فعل کہ باغ فدک کی آمدنی بیت المال میں داخل کرنا شروع کر دیا تھا۔ یا ناجائز؟ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ حضرت عمر رضہ اور حضرت علی کرم دونوں بزرگ تھے ہم پر ان کا احترام واجب ہے۔
(صادق۔ صدیقی)

اگرچہ یہ سچ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ باغ فدک کے نکل جانے سے کچھ آزردہ خاطر ہوئے تھے۔ لیکن نہ وہ حضرت عمر رضہ سے بدظن ہوئے اور نہ انہوں نے کسی سے شکایت کی بلکہ جسطرح سے وہ پہلے اسلام کی خدمت کرتے تھے۔ اسی طرح سے اس واقعہ کے بعد بھی کرتے رہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ نے کبھی دنیا کے مال و متاع پر نظر نہیں کی۔ وہ صوفی منش اور درویش صفت تھے۔

دنیا اور دنیا کے مال و متاع کو ہیچ و ناکارہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مال غنیمت سے جو حصہ آپ کو ملتا تھا۔ وہ فقراء و مساکین اور یتامیٰ میں تقسیم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک وقت کے کھانے کے لئے بھی اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ یہ اثر تھا۔ اس تعلیم کا جو آنحضور صلعم سے حاصل کی تھی۔

انہوں نے اکثر و بیشتر دیکھا تھا۔ کہ حضرت محمدؐ کے پاس جب کبھی تحائف آتے یا مال غنیمت ملتا۔ تو آپ اُسے مساکین و فقراء معذوروں اور یتیموں میں تقسیم کر دیتے اپنے پاس ایک حبہ تک نہ رکھتے تھے۔ آج مسلمان اس لئے باہم لڑتے ہیں۔ کہ باغ فدک حضرت علی المرتضیٰ کی ملکیت تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے اُسے چھین لیا۔ حالانکہ اس واقعہ کو صدیاں گزر چکی ہیں۔ لیکن ہماری ذہنیت اس قدر خراب ہو رہی ہے۔ کہ ایک یہی واقعہ ہم میں اتفاق نہیں ہونے دیتا۔

ممکن تھا۔ کہ مسلمان اس واقعہ کو بھول جاتے۔ اور کبھی اس کا تذکرہ نہ کرتے لیکن عیسائی اس معمولی واقعہ کو بڑی آب و تاب سے نیے لب لہجہ میں لکھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے ہر دو فریق دست و گریبان ہوتے ہیں۔

زمانہ کروٹ بدل رہا ہے۔ جو قومیں اتفاق و اتحاد کے نام سے بھی واقف نہ تھیں وہ متفق و متحد ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر مسلمان جنہیں خدا نے متحد رہنے کا حکم دیا ہے نفاق کی بلا میں مبتلا ہو کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس نافرمانی

کا نتیجہ کیا ہوگا۔ دنیا میں ذلت و نکبت اور عقبیٰ میں ندامت و عقوبت ہوگی۔

کاش! خدا مسلمانوں کو عقل دے اور وہ ان تمام فروعات کو بھول کر اسلام کے اصولوں پر کاربند ہو کر دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل کریں۔ مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک۔ اور پھر آپس میں کٹ مر رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ دنیا ان کی اس مضحکہ خیزی پر ہنس رہی ہے۔ اور اسلام ان کی اس جہالت پر ماتم کر رہا ہے۔

دوسری قومیں آپس میں جھگڑے ختم کر کے متفق و متحد ہو کر ترقی کرتی چلی جا رہی ہیں دنیا میں ان کی دھاک بیٹھی جاتی ہے اور ہم ہیں کہ ابھی تک بیوقوفوں کی طرح لڑتے چلے جا رہے ہیں۔ ذلیل ہو رہے ہیں۔ مگر احساس نہیں کرتے۔

ہم ننگ اسلام بن گئے ہیں۔ اور ہم نے اپنی قومی روایات کی دھجیاں بکھیر دی ہیں

جب اسلامی لشکر فدک سے روانہ ہو کر وادی القریٰ میں پہنچا۔ اسجگہ بھی یہودی آباد تھے۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آنحضور صلعم نے مسلمانوں کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان بڑے نہایت جوش و غضب سے بھر کر بڑھے۔

یہودیوں نے تیراندازی شروع کی۔ بڑی کثرت سے تیر پھینکے۔ مگر مسلمانوں کے سیلاب عظیم کو نہ روک سکے۔ دوپہر سے پہلے ہی پہلے قلعہ فتح ہو گیا۔ شکست خوردہ یہودیوں نے نصف بٹائی کے باج پر صلح کی استدعا کی۔ اگرچہ مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے تھے۔ اب انھیں صلح کی استدعا پیش کرنے کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ مگر پھر بھی آنحضورؐ نے ان کے حسب آرزو صلح کر لی۔ اور قلعہ پر پھر انہیں قبضہ دے دیا۔ دنیائے جہاں کی کوئی فاتح قوم ایسی نظیر نہیں کر سکتی۔ کہ جس قلعہ کو بزور تلوار فتح کیا گیا ہو۔ جو قوم متعدد مرتبہ دشمنی اور عداوت کر چکی ہو۔ مفتوحہ قلعہ اس قوم کے سپرد کر دیا گیا ہو۔ اسکی استدا مسلمانوں نے ہی کی۔ وجہ یہ تھی۔ کہ آنحضور دل سے چاہتے تھے۔ کہ تمام ملک

میں امن قائم رہے۔ اور ہر قوم صلح و آشتی سے رہے۔

آنحضور صلعم وادی القرٰے سے بڑھکر مقام تیما میں پہنچے۔ یہاں بھی یہودی آباد تھے اور انہوں نے بھی انہیں شرائط پر اطاعت قبول کر لی جن شرائط پر وادی القرای والوں نے کی تھی :-

اب لشکر اسلام مقام تیما سے چل کر نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ جہاں مسلمانوں کو اس فاتح لشکر کی آمد سے خوشی ہوئی۔ وہاں منافقوں اور مشرکوں کو کمال رنج و افسوس ہوا۔

خصوصًا اس وجہ سے کہ فتح خیبر کے اموال غنیمت اور زرعی زمینوں کی وجہ سے مسلمانوں کا افلاس دور ہو گیا۔ ان کی پریشان حالی جاتی رہی تھی۔ وہ فارغ البال ہو گئے تھے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ مسلمانوں کے قبضہ میں متعدد قلعے اور سینکڑوں میل کا رقبہ آگیا تھا۔ اب ان کی مستقل حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اسلام کا سکہ ہر چہار طرف بیٹھ گیا تھا۔ اور چونکہ اسلام کا عروج کفر و شرک کے تنزل کے مترادف تھا۔ اس لئے مشرکوں کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا تھا۔

ابھی آنحضور صلعم کو مدینہ میں تشریف لائے چند ہی روز ہوئے تھے۔ کہ حارثہ معہ اپنے ساتھیوں کے مدینہ میں داخل ہوا۔ اور مسجد نبوی کے قریب فروکش ہو گیا۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق تحقیقات شروع کی۔ اُسے معلوم ہوا کہ مسلمانوں سے بہتر انسان اور اسلام سے بہتر کوئی اور مذہب نہیں ہے۔ چنانچہ وہ آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور معہ اپنی تمام جماعت کے مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہو چکے اس نے اپنا تمام واقعہ مسلمانوں کو سنایا۔

جمیلہ کا زندہ دفن کیا جانا۔ اس کا نکالنا۔ سلمٰی کا ملنا۔ اس کا سلمٰی اور جمیلہ کی پرورش کرنا۔ قبیلہ قحطان کا عورتوں کو پکڑ کرلے جانا۔ اس کا تعاقب کرنا۔ وادی الموت کے ریگستان

میں پہنچا۔

غرضیکہ جس قدر واقعات اس پر گزرے تھے۔ یکے بعد دیگرے سب سنا دیئے۔ اس کی داستان سنکر تمام مسلمانوں کو بڑا افسوس ہؤا۔ انہیں اس سے اور اس کے ہمراہیوں سے بہت زیادہ ہمدردی ہو گئی۔

ایک روز آنحضور صلعم نے تمام مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام مسلمان آ گئے۔ تو آپ مکبر پر کھڑے ہوئے۔ اور حمد باری تعالےٰ کے بعد ارشاد فرمایا:

مسلمانو! خدا کی عبادت کرو۔ نماز قلب کو تسکین دیتی ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی غمگین اور متفکر کیوں نہ ہو۔ نماز اُسے تسلی دے کر اُس کے غم و فکر کا ازالہ کر دیتی ہے۔

نماز معبود اور بندہ کے درمیان عبودیت کا رشتہ ہے۔ خدا ہر نماز پڑھنے والے بندہ پر مہربانی کرتا ہے۔ جو خدا کو یاد کرے۔ خدا اُسے یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے جو مجھے یاد کرتا ہے۔ میں اُسے یاد کرتا ہوں۔

سوچو! اس سے زیادہ کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے۔ کہ خدا بندہ کو یاد کرے۔

قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ وہ مسلمان ٹوٹے میں رہیں گے۔ جو نماز نہیں پڑھتے۔ یا تساہل سے وقت بے وقت پڑھتے ہیں۔ ایسے مسلمان دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

دوزخ بہت بُری جگہ ہے۔ جس میں آگ کے شرارے بلند ہیں۔ آگ کے سانپ آگ کے بچھو اور آگ کے دوسرے ایسے جانور ہیں۔ جن کے ڈنک کا اثر کئی برس تک انسان کی روح کو کھولاتا رہے گا۔ کون ایسا بدبخت مسلمان ہے۔ جو نماز کو چھوڑ کر دوزخ میں جانا پسند کرے گا۔

خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔ جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا جنت ایک پر فضا، سبزہ زار اور راحت افگن باغ کا نام ہے۔ جس کی ہرگز نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

اس باغ میں عجیب وغریب خوش ذائقہ میوے۔ پر تکلف مکانات میں بہترین آرائشی ساز وسامان۔ نفیس غالیچے۔ عمدہ مسہریاں۔ خالص سونے چاندی کے تخت۔ بہترین۔ خدمتگار جنہیں غلمان کہتے ہیں۔ خوبرو کنیزیں۔ جو حوریں کہلاتی ہیں۔ نیز جن کی خوب صورتی کو دنیا کی حسین سے حسین عورتیں نہیں پہنچ سکتیں۔ موجود ہیں۔

سفید اور شیریں پانی کے چشمے جاری ہیں۔ جو بہشت میں داخل ہوا۔ اس نے زندگی کے ماحصل کو پالیا۔ خدا پرستو! ہمسایوں سے نیکی کرو۔ والدین کی اطاعت کرو۔ جو والدین کو اولاد ستاتی ہے۔ یا برا کہتی ہے۔ یا جو عورت اپنے شوہر کو تکلیف دیتی ہے۔ اس کی خدمت نہیں کرتی۔ اس کا کہنا نہیں مانتی۔ یا جو شوہر اپنی بیوی کو ایذا دیتا ہے۔ اس پر اتہام لگاتا ہے۔ اُسے کھانے پہننے کی تکلیف دیتا ہے۔ یا جو باپ اپنی اولاد کی تربیت اچھی طرح سے نہیں کرتا۔

یہ سب خدا کی نافرمانی کرتے ہیں۔ لہٰذا خدا ان کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ نیز جن لڑکیوں کو زندہ دفن کیا گیا ہے۔ خدا ان کے بے رحم والدین سے دریافت کرے گا۔ کہ تم نے کیوں ان معصوم بچیوں کو زندہ دفن کیا تھا۔

وہ کچھ جواب نہ دے سکیں گے۔ ایسے انسان بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ بعض ناسمجھ عرب اپنی اولاد کو اس لئے قتل کر ڈالتے ہیں۔ کہ وہ ان کی پرورش کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ یہ بھی بُری بات ہے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا
بہ شیئا وبالوالدین احسانا ج ولا تقتلوا اولاد
کم من املاق ط نحن نرزقکم وایاھم۔

ترجمہ:۔ آے پیارے نبی، کہو۔ آؤ میں پڑھوں۔ جو کچھ خدا نے تم پر حرام کیا ہے۔ سنو! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کیسا تھ احسان کرو۔ اور

اولاد کو افلاس کے خوف سے نہ مار ڈالو۔ہم انہیں اور تم کو روزی دیتے ہیں۔

مُسلمانو! ہمیشہ متفق و متحد ہو کر رہنا۔ نفاق اور بربادی کی جڑ ہے۔ تم سب آپس میں بھائی ہو۔بھائیوں کی لڑائی۔خاندان کو تباہ کر دیتی ہے۔ خدا تم سے خوش رہے گا۔جب تک اتفاق سے رہو گے۔ زناہ۔جُوا۔شراب خوری۔غیبت، چغلخوری چھُپ کر کسی کی باتیں سُننا نہایت مذموم باتیں ہیں۔ ان سے خدا ناخوش ہوتا ہے۔

ان میں سے کوئی بات بھی تم نہ کرنا۔ پرہیزگاری بڑی اچھی چیز ہے۔تم نمونہ بنو نیکی کا۔ تقوٰے اور خدا پرستی کا اسراف سے خدا ناخوش ہوتا ہے۔ ہر بات میں اعتدال رکھو۔بیمار کی تیمارداری کا بڑا ثواب ہے۔ اگر دو مسلمانوں میں کسی بات پر رنجش ہو جائے۔ تو جو اس رنجش کو مٹانے کی کوشش کرے گا۔خدا اُسے دُگنا ثواب دے گا۔مگر جو مسلمان کسی مسلمان سے تین روز سے زیادہ ناخوش رہیگا۔اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور خدا اس سے بیزار ہو جائے گا۔

مُسلمانو! تم مجسم اخلاق! نیکی کے نمونے اور پرہیزگاری کے پیکر بنجاؤ۔کبھی حصولِ دنیا کی کوشش نہ کرو۔جو دنیا میں پھنسا۔خدا سے روگرداں ہُوا۔عشرت خدا کی یاد کو بھُلا دیتی ہے۔اور جو انسان خدا کو بھول جاتا ہے۔خدا اُسے بھول جاتا ہے۔جسے خدا بھول جائے۔ اسکی ذلت و فلاکت میں کیا شبہ رہجاتا ہے۔

مسلمان وہ ہے۔جو ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ کرے۔ روزے رکھے۔ زکوٰۃ دے۔حج کرے اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ نیکی کرتا رہے۔ ہمسائیوں کو تکلیف نہ دے کسی کو بُری نظر سے نہ دیکھے۔زناہ نہ کرے۔شراب نہ پیئے۔جُوا نہ کھیلے۔ اور کوئی بُرا کام نہ کرے۔ والدین کی اطاعت کرتا رہے۔بچوں کو محبت سے پالے تعلیم دلائے تربیت کرے۔ادب سکھائے۔ وعدہ وفا کرے۔میری دعا ہے۔کہ خدا مسلمانوں کو

بُری باتوں سے بچائے۔ اور نیک کام کرنے کی توفیق دے:۔

آپ یہ تقریر فرما کر منبرؐ سے نیچے آئے۔ مسلمانوں پر آپ کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا تمام مسلمانوں نے عہد کرلیا کہ وہ خدا اور رسُولؐ کے تمام احکام کی تعمیل کریں گے۔ چند روز کے بعد آنحضورؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ چل کر حج کرنے کی تیاریاں کریں۔

حدیبیہ میں جو صلحنامہ کفار مکہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اسمیں پہلی شرط یہی تھی کہ اس سال مسلمان حج نہ کریں۔ آئندہ سال آکر حج کریں۔ اب سال ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس سال حج کرنے کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی تیاریاں شروع کیں۔ نہایت شوق اور بڑے جوش سے تیاریاں کیجانے لگیں۔ ہر مسلمان تیاریوں میں معروف نظر آنے لگا۔

سولہواں باب (۱۶)

"آفتاب عالم مکہ میں"

حارثہ اور اُس کے ہمراہی مسلمان ہوگئے تھے۔ بنی قحطان کے وہ قیدی بھی مسلمان ہوگئے تھے۔ جو کہ حارثہ کی حراست میں تھے۔ انکے مسلمان ہوتے ہی وہ آزاد ہوگئے اور ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوگئے۔ جو مسلمانوں حاصل تھے۔

حارثہ نے بھی حج کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ سلمےٰ اور جمیلہ کو بھی یاد وطن نے بے قرار کردیا تھا۔ اور وہ بھی مکہ جانے کے لئے آمادہ ہوگئیں

جمیلہ اب جوان ہوگئی تھی۔ نسائیت کی تمام خوبیاں حسن کی تمام شادابیاں نزاکت کی تمام دلفریبیاں اس میں موجود تھیں۔ وہ پیکر حسن و جمال ہوگئی تھی۔ گلاب کے پھولوں میں وہ دل کشی۔ وہ شادابی وہ رنگینی نہ تھی۔ جو اُس کے عارض تاباں میں تھی۔ اس کا چہرہ ماہ چہاردہ سے زیادہ روشن زیادہ دلکش اور زیادہ ملیح تھا۔ اس کی حسین و مست آنکھیں دیدہ زیب روشنی سے منور تھیں

جو اس کو دیکھتا تھا۔ اس کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔ اور جسے وہ دیکھ لیتی تھی۔ وہ مسحور ہوکر اُسے دیکھتا رہ جاتا تھا۔ رقیہ عدی کی بیٹی بھی شباب کی شادابیوں میں غرق اور حسن کی رنگینیوں میں مستغرق تھی۔

ان دونوں کی شادی کے پیغام آرہے تھے۔ لیکن ابھی تک حارثہ نے کسی کو زبان نہ دی تھی۔ وجہ یہ تھی۔ کہ وہ سلمٰی کی منشاء کے خلاف کوئی کام نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور سلمٰی کی ابھی ان دونوں کی شادی کرنے کی منشا نہ تھی۔

اسی دوران میں آنحضرت صلعم نے حج کے لئے تیاری کا حکم دے دیا

اور مسلمانوں کے ساتھ

ساتھ انہوں نے حج کی تیاریاں شروع کردیں۔

ذلیقعد ۷ھ کے پہلے عشرہ میں آنحضور صلعم مکہ روانہ ہونیکے ارادہ سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آنحضور صلعم کے ہمراہ دو ہزار مسلمان تھے۔ بہت سی عورتیں اور بچے بھی شامل ہو گئے سلمٰی۔ جمیلا اور رقیہ بھی ہمراہ ہو گئیں۔

آنحضور صلعم نے اس مرتبہ حضرت ابو ذر غفاری کو مدینہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا مسلمان بڑے شوق اور نہایت شان کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قربانی کے اونٹوں کی قطار قافلہ سے آگے دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس راستہ سے زائرین کا یہ قافلہ گذرا مشرکین پر رعب و داب کا سکہ بٹھاتا چلا گیا۔ چونکہ خیبر کی فتح کی خبریں اب تمام عرب میں مشتہر ہو گئی تھیں اس لئے مسلمان اب فاتح قوم شمار ہونے لگی تھی۔

اب مشرک مسلمانوں سے خائف ہو گئے کہ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ فاتح قوم کی مدارات ہر قوم باعث سمجھتی ہے ایسے ہی مشرکین عرب ہر منزل پہ مسلمانوں کی مدارات کرنے لگے جب یہ شاندار قافلہ مکہ کے قریب پہنچا۔ تو اہل مکہ انھیں دیکھنے کے لئے اُمڈ آئے وہ مسلمانوں کی وافر جمعیت اور شاندار ساز و سامان دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مسلمان مفلس قوم تھی یا اسلام مفلسوں سے شروع ہوا تھا۔ مگر خیبر کی فتح نے مسلمانوں کو غنی کر دیا تھا۔ اور وہ اس وقت پوری شان سے حج کرنے آئے تھے تمام مسلمان آلات حرب سے آراستہ تھے۔

کفار کا لشکر۔ اُحد اور مدینہ میں جس شان بساز و سامان سے جا چکا تھا مسلمانوں نے اس قافلے کی شان اس سے دوبالا تھی۔ کفار مکہ مسلمانوں کی یہ شان دیکھ کر مرعوب و خائف ہو گئے۔

چونکہ مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں کفار قریش بدعہدی کر کے اس مرتبہ بھی انھیں عمرہ سے نہ روکیں اس لیئے وہ جملہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے تھے۔

کفار مکہ سے کچھ بعید نہ تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کو اس مرتبہ بھی انھیں عمرہ سے نہ روکیں اس لیئے وہ جملہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے تھے۔

کفار مکہ سے کچھ بعید نہ تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کو اس مرتبہ بھی حج کرنے سے روک دیتے۔ لیکن مسلمانوں کی کثیر جمعیت اور سامان حرب کی فراوانی کو دیکھ کر انھیں جرأت نہ ہو سکی۔

جب زائرین کا یہ قافلہ مرالظہران میں پہنچ کر فروکش ہوا تو کفار مکہ کی جانب سے مکرز بن حفص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے نہایت ادب کے ساتھ آنحضور صلعم سے عرض کیا۔ یا محمدؐ۔ جب آپ حج کرنے کے ارادے سے آئے ہیں تو یہ اسلحہ بندی کیوں ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ اس لیئے کہ کفار بدعہدی نہ کریں

مکرز نے عرض کی آپ یقین ہے۔ بدعہدی نہ کریں گے

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ تو اطمینان رکھو یہ اسلحہ بندی ہم کو نقصان نہیں پہنچائے گی میں خون ریزی کو پسند نہیں کرتا۔ مگر جب واقعات مجبور کر دیتے ہیں۔ تو حفاظت خود اختیاری کے لیئے لڑنا پڑتا ہے۔ کفار مکہ سے کہہ دو کہ وہ خوف نہ کریں۔ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کبھی نقض عہد نہیں کر سکتا:۔

مکرز واپس چلا گیا۔ دوسرے روز آنحضور صلعم نے وہاں سے کوچ کیا۔ احرام باندھے

اور قافلے کو اس شان سے روانہ کیا کہ میلوں لمبا ہو گیا دُور تک اونٹوں اور گھوڑوں کی قطار پھیل گئی۔

چونکہ حج کا زمانہ تھا۔ مشرکین عرب بھی حج کیا کرتے تھے۔ اس لیئے اطراف و جوانب سے ہزاروں اعرابی آئے تھے۔ مسلمانوں کو دیکھنے کے لیئے مکہ کے راستوں پر دو رویہ کھڑے ہو گئے۔ عورتیں اور بچے مکانوں اور دکانوں کی چھتوں پر جا چڑھے۔ آخر مسلمان نہایت شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کی طرف بڑھنے لگے۔ انہوں نے مکہ میں داخل ہوتے ہی۔ اللہ اکبر کا پُر زور نعرہ لگایا۔ اس ہیبت ناک نعرہ کی آواز سن کر تمام کفار سراسیمہ اور پریشان ہو گئے۔

وہ گھبرائی اور سہمی ہوئی نظروں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ مگر مسلمان نہایت بے خوفی سے سر جھکائے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ قربانی کے اونٹ آگے تھے۔ ان کے پیچھے تمام مسلمان چار چار کی قطار میں احرام باندھے ہوئے سپاہیانہ انداز سے فوجیوں کی شان سے پیدل چل رہے تھے۔

ان کا تانتا دُور تک لگا ہوا تھا۔ اُنکے پیچھے انکی سواریوں اور باربرداریوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آج تک کوئی قافلہ اس شان و شکوہ سے حج کرنے کے ارادے سے مکہ میں داخل نہیں ہوا تھا۔ جس شان سے مسلمان داخل ہوئے۔

آنحضور صلعم مسلمانوں کے درمیان میں تھے۔ آپکے گرد آپؐ کے جانباز اور جاں نثار تھے۔ خدا کی شان ہے کہ وہی مسلمان جن پر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی تھی۔ کفار قریش نے بیہمانہ اور سنگ دلانہ مظالم کیئے تھے۔

جنکو تین سال تک بے آب و دانہ شعیب ابی طالب میں محبوس رکھا گیا تھا جو ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ جن کے مکانات مشرکین مکہ نے ضبط کر کے اپنے

قبضے میں کر لیئے تھے۔ نیز جن کا دشمن مکہ کا بچہ تھا۔

آج وہی مسلمان نہایت کروفر اور بڑی شان سے مکہ کی گلیوں اور راستوں کو طے کر رہے تھے۔ اور سارا عرب حیرت انگیز نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو فناہ کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی۔

مگر باوجود تمام کوششوں کے اسلام پھیل رہا تھا۔ اور مسلمان بڑھ رہے تھے چنانچہ آج انکی اس قدر طاقت بڑھ گئی تھی کہ کفار مکہ کو انھیں حج سے روکنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

مسلمان بڑھ کر بیت اللہ کے سامنے پہنچے یہاں پہنچکر آنحضور صلعم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کندھوں کو برہنہ کر لو اور احرام کا کپڑا بغل کے نیچے سے نکال کر گردن کے گرد لپیٹ لو اور نہایت مستعدی و سرگرمی سے دوڑ کر طواف کرو۔ مسلمانوں نے فوراً ان احکام کی تعمیل کی۔ وہ تیزی سے دوڑ دوڑ کر طواف کرنے لگے۔ مشرکین عرب مسلمانوں کی جفاکشی۔ مستعدی اور شوکت وقت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضور اکرم اور تمام مسلمان مراسم حج سے فارغ ہو کر بیت اللہ کے سامنے والے میدان میں فروکش ہو گئے اور وہیں قربانیاں کیں۔

حج سے اگلے دن بنی خزاعہ کے لوگ حاضر ہوئے اور مصالحت کی درخواست کی۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ حضور ہمیں بنو بکر کی طرف سے اندیشہ ہے۔ چونکہ آپ سے ہم نے مصالحت کر لی ہے۔ اس لئے خوف ہے۔ کہ کہیں وہ ہم کو برباد نہ کر دیں۔

آنحضور صلعم نے فرمایا! مجھے معلوم ہے کہ بنو بکر اہل قریش کا حلیف ہے۔ قریش نے ہم سے دس سال کے لئے مصالحت کی ہوئی ہے۔ عہد نامہ کی شرط ایک یہ بھی ہے۔ کہ جو قبیلہ جس فریق سے چاہے۔ مصالحت کرے کوئی روک ٹوک نہ ہو گی۔ اور یہ حلیف قبائل بھی دس سال تک ہم عہد رہیں گے۔ اس لئے بنو بکر سے اندیشہ نہ کرو۔

اور اگر انہوں نے نقض عہد کیا۔ اور قریش نے انہیں سزا نہ دی۔ تو عہد نامہ ختم ہو جائے گا۔ اور پھر ہم بد عہدی کرنے والوں کی گوشمالی کریں گے۔ بنی خزاعہ بھی چاہتے تھے۔ دراصل وہ بنو بکر سے خائف تھے۔ حضورؐ کے اس ارشاد سے انہیں تسلی ہو گئی۔ اور وہ چلے گئے۔

اسی روز مغرب کے وقت آنحضور صلعم حرم شریف میں پہنچے۔ آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا۔ کہ منارہ پر چڑھکر اذان دے۔ حضرت بلالؓ نے حکم کی تعمیل کی! جب وہ اذان دے رہے ہیں۔ تو مشرکین عرب نہایت غیظ و غضب سے بھر کر حرم کی طرف چلے۔ وہ کسی طرح سے گوارا نہ کر سکتے تھے۔ کہ بیت الحرام میں بتوں کی موجودگی میں خدا کا نام پکارا جائے۔ لیکن جب وہ حرم میں پہنچے اور انہوں نے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ جمع دیکھا۔ تو کچھ کہنے کی جرات نہوئی اور خاموش کھڑے رہے۔

اذان کے بعد جماعت کھڑی آنحضور صلعم نے نماز پڑھانی شروع کی۔ نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنے لگے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص دونوں ابتک بحالت کفر تھے۔ دونوں آذان کی آواز سن کر مسلمانوں کو سرزنش کرنے کے لیئے آئے تھے۔ بڑے بہادر اور بڑے جاں باز۔ بڑے نڈر تھے۔ لیکن جب وہ حرم میں داخل ہوئے۔ تو اذان ختم ہو کر نماز شروع ہو گئی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑے ہو کر مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ اور قرآن مجید سننے لگے۔ حضورؐ کلام مجید کی یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے۔ کل من علیھا فان ہ و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال و الاکرام فبای الآءِ ربکما تکذبٰن ہ یسئلہ من فی السمٰوٰت والارض ط۔ کل یوم ھو فی شان ہ فبای آلآ ربکما تکذبٰن۔

ترجمہ: یعنے سب کچھ فناہ ہونے والا ہے۔ صرف تیرا پروردگار بڑے مرتبے والا اور بڑی مہربانی والا باقی رہے گا۔ پس اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو۔ اہل زمین اور اہل آسمان روزانہ اسی سے مانگتے ہیں۔ جو کچھ انکی خواہشیں ہوتی ہیں۔ پس! اپنے پروردگار کی کونسی نعمت کو جھٹلاتے ہو؟!

خالد نے کہا۔ عمرو! کیسا شیریں کلام ہے۔ ہبل کی قسم میں نے ایسا شیریں کلام پہلے کبھی نہیں سُنا یہ کلام انسان کا کلام نہیں ہوسکتا:۔

عمرو کلام پاک سننے میں محو ہو رہے۔ انہوں نے چونک کر کہا۔ واقعی نہایت شیریں نہایت فصیح اور نہایت پُراثر کلام ہے۔ محمد صلعم تو بالکل ان پڑھ ہے۔ وہ ایسا کلام نہیں کہہ سکتا۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہ کلام خدا کا کلام ہے۔

خالد نے کہا۔ آؤ لوٹ چلیں کہیں اس کلام کے سُننے ہی سے ہم مسلمان نہ ہوجائیں۔ عمرو نے کہا۔ ہاں چلو اگر تھوڑی دیر ہی اور رکے تو یقیناً مسلمان ہوجائیں گے ۔۔۔۔۔۔ اُف کیسا شیریں کلام ہے کیسا رس ٹپکتا ہے۔ کیسا دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ۔۔۔۔۔۔ خالد! کیا بتوں کے علاوہ واقعی کوئی رب ہے؟

خالد نے کہا! میں نہیں جانتا۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو کلام اسوقت پڑھا جارہا ہے۔ وہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

دونوں جلدی سے لوٹے اور لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے چلے گئے۔ حضور نماز ختم کرکے اپنی جائے قیام پر آگئے۔ تین روز تک اسی میدان میں فروکش رہے چوتھے روز سہیل اور حویطب مشرکین مکہ آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ آج آپ کو تین دن ہوچکے ہیں۔ اب عہدنامے کے بموجب آپ کو واپس چلے جانا چاہیئے

آنحضور صلعم نے فرمایا! تمہاری یاد دہانی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ میں خود ہی آج چلے جانے کی تیاریاں کر رہا ہوں چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور تمام مسلمان تیار ہو گئے

سب جس شان سے آئے تھے اسی شان سے چلے۔ جب آپ مکہ سے باہر نکلے تو ایک خوبرو لڑکی دوڑتے ہوئے آئی اور آنحضور صلعم کے پاس آکر بولی! چچا جان! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو"!۔

یہ پیکر معصومیت یہ چھوٹی لڑکی حضرت امیر حمزہؓ سید الشہدا کی صاحبزادی تھی آنحضورؐ نے اُسے گود میں اُٹھا کر سینے سے لگایا۔ بھینچا اور پیار کیا۔ اتنے میں حضرت علے المرتضےٰ تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ! یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔ اس یتیم بچی کو میں پرورش کروں گا:۔

حضرت زیدؓ بن حارث نے کہا۔ نہیں! نہیں امیرؓ حمزہ میرے دینی بھائی تھے اس لڑکی پر میرا حق ہے۔ اور یہ مجھے عطا فرمائی جاوے۔ حضرت جعفرؓ بن ابو طالب بھی کہیں سے آ گئے۔ انہوں نے فرمایا۔ حضور اکرم! یہ لڑکی میری چچازاد بہن ہے میری بیوی اسکی خالہ ہے۔ لہذا میرا حق سب سے فایق ہے"!

آنحضور صلعم نے سب کے دعاوی سُنکر فرمایا بے شک جعفرؓ تمہارا حق سب سے زیادہ ہے۔ ایک تو وہ تمہارے چچا کی لڑکی ہے۔ دوسرے اس کی خالہ تمہاری بیوی ہے۔ خالہ بجائے ماں کے ہوتی ہے۔ اور ماں ہی طرح اپنی ہمشیرہ کی اولاد کی پرورش کرتی ہے۔ اس لئے تم اس لڑکی کو لو اور اس کی پرورش کرو۔ لیکن سُنو کبھی اس کا دل میلا نہ ہونے دینا۔ اگر اس معصوم بچی کو ذرا بھی تکلیف ہو گی تو اس کے باپ حمزہؓ کی روح بہشت میں بیقرار ہو جائے گی۔ اس بات کا خیال رکھنا ہو گا۔ حضرت جعفرؓ نے لڑکی کو گود

میں لے لیا۔ اور اپنے ہمراہ ہودج میں بٹھا لیا۔ اب یہ شان دار قافلہ منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا مدینہ کیطرف روانہ ہوا"!۔

سترہواں باب (۱۷)

"معاہدہ شکنی"

جب مسلمان حسب وعدہ حج کر کے چلے گئے تو مشرکین مکہ کو اطمینان ہُوا اور وہ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ لیکن خالد بن الولید اور عمرو بن العاص کا دل کسی کام میں نہ لگتا تھا۔ یہ دونوں امرائے قریش سے تھے۔ دونوں دُنیا نہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دونوں کو شکار کا شوق تھا۔ آئے دن شکار میں مشغول رہتے تھے۔ مگر جب سے انہوں نے قرآن شریف کی چند آیات سُنی تھیں۔ اس وقت سے ان بھول اسلام کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اسلام کی عالمگیر جاذبیت اور قرآن مجید کی شیرینی نیز مسلمانوں کی باہمی اخوت نے انھیں اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ ایک روز دونوں حرم شریف میں اکٹھے ہوئے۔ تو خالد نے کہا۔ عمرو! میرے دل کو کوئی طاقت اسلام کی طرف کھینچ رہی ہے۔ تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔ کہ میرا باپ زندگی بھر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتا رہا۔ میں بھی ان کا دشمن رہا۔ اُحد کے مقام پر میں نے پہاڑی گھاٹی سے نکل کر ان پر حملہ کیا۔ اور اُنہیں فنا کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ لیکن اب! ... ...
اب اسلام اور مسلمانوں سے محبت ہو گئی ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ انقلاب میری طبیعت میں کیوں پیدا ہو گیا ہے!۔

عمرو نے کہا۔ خالد! میری بھی بالکل ایسی ہی کیفیت ہے۔ جیسی تم

نے بیان کی ہے۔ میرے باپ عاص اور میری اسلام دشمنی مشہور ہے۔ مجھے مسلمانوں اور ان کے نبیؐ سے خدائی بیر تھا۔ مگر اب .. .. اب دشمنی خواب وخیال ہوگئی ہے۔ دشمنی کی جگہ ہمدردی نے لے لی ہے۔ اگر مجھے یہ شرم دامنگیر نہ ہوتی۔ کہ میرا باپ اور میں ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ تو شاید میں اب تک مسلمان ہوگیا ہوتا!۔

خالد نے کہا۔ میں سوچتا ہوں۔ کہ یہ بُت جو صدیوں سے اس حرم میں رکھے ہوئے پوجے جاتے رہے ہیں۔ معبود نہیں ہیں۔ پتھروں کے مجسمے دھاتوں کے پتلے خدا نہیں ہو سکتے۔ یہ بُت نہ سُنتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں۔ نہ حرکت کرتے ہیں۔ یہ ہماری حاجت براری کیا کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ ہمارے بزرگوں نے یکسوئی سے عبادت کرنے کے لیئے بُت بنا لیئے تھے۔ اس دنیا کا نام جس میں ہم تم رہتے ہیں بستے ہیں۔ ان بتوں کے علاوہ کوئی اور ہی خالق ہے۔ وہی زندگی اور موت پر قادر ہے:۔

عمرو نے کہا۔ تم نے ٹھیک سمجھا خالد۔ میں بہت کچھ غور و خوض کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ خدا وہی ہے۔ کہ جس کی پرستش کی محمدؐ تلقین کرتا ہے۔ دیکھو محمدؐ امی ہے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ مگر جو کلام وہ پڑھتا ہے وہ کیسا شیریں ہوتا ہے۔ پھر وہ برائیوں سے روکتا ہے۔ اور نیک کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ میں بُت پرستی سے اکتا گیا ہوں .. ..

خالد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اور میں بھی اکتا گیا ہوں! عمر چلو مدینہ چلو اور وہاں چل کر مسلمان ہو جاؤ۔ جس خدا سے ہم آج تک سرکشی کرتے رہے جس خدا کو ہم بُرا کہتے رہے۔ اسی خدا کے سامنے اپنا سر جھکا دیں:۔

عمرو نے کہا۔ بیتو تم نے میرے دل کی بات کہی .. ..

ایک آواز آئی! یہ چپکے چپکے کیا مشورہ کر رہے ہو تم! خالد اور عمرو نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ تو سامنے سے عثمان بن طلحہ مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔ یہ بھی مکہ کا رئیس تھا۔ خالد اور عمرو کا دوست تھا۔ وہ بھی آ کر ان دونوں کے پاس بیٹھ گیا۔ خالد نے کہا۔ عثمان! ہم سوچ رہے ہیں کہ جس مذہب پر ہم قائم ہیں۔ کیا وہ مذہب حق ہے کیا بت ہی دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں؟

عثمان نے کہا! میرے دماغ میں بھی یہی خیال موجزن ہے۔ بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بت خدا نہیں ہیں خدا کوئی اور ہی ہستی ہے۔

عمرو نے جلدی سے دریافت کیا کیا تم بھی اسی خدا کے قائل ہو۔ جس کو مسلمان مانتے ہیں اور کیا مسلمانوں کا مذہب سچا ہے۔

عثمان نے کہا۔ میرا ایسا ہی خیال ہے۔ سوچو! ہمارے مذہب میں شراب حلال ہے۔ حالانکہ شراب پینے والا اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتا۔ گندی نالیوں میں لوٹنے لگتا ہے۔

ماں بہن اور بیوی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جوا ہمارے یہاں جائز ہے۔ ایک قمار باز شخص ادل درجے کا بے حیا اور اوباش بن جاتا ہے۔ جب جوا کھیلنے والا ہارنے لگتا ہے۔ تو بیوی بچوں تک کے داؤ لگا دیتا ہے اور پھر چوری اور ڈکیتی پر اتر آتا ہے۔ کسی کو قتل کر ڈالنا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ کس قدر برا کام ہے۔ یہ زنا کو ہم برا نہیں سمجھتے غرض دنیا بھر کی برائیاں ہم میں موجود ہیں۔ یہ سب مذہب کی پستی کی وجہ سے ہے

اسلام ان تمام باتوں سے روکتا ہے۔ پرہیز گاری کی تلقین کرتا ہے۔ میرے خیال میں اسلام سچا مذہب ہے۔

خالد نے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو کیوں نہ ہم تینوں چل کر مسلمان ہو جائیں۔

عثمان نے کہا۔ نہایت نیک صلاح ہے یہ!

تینوں اس بات پر متفق ہو گئے۔ چونکہ انہیں اندیشہ تھا۔ کہ اگر انکے مدینہ جانے اسلام پر مائل ہونے کا راز فاش ہو گیا تو قریش ان کے روکنے کے لیئے ہر ممکن کوشش کرینگے اس لیئے انہوں نے خفیہ خفیہ تیاریاں شروع کیں اور پندرہ بیس روز کے بعد ایک دن صبح صادق سے قبل تینوں دوست گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں نہایت خاموشی سے مکہ سے نکلے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو لوگوں کو انکی روانگی کا حال معلوم ہوا۔

مگر قریش یہ خوب جانتے تھے کہ وہ تینوں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ حد درجہ عداوت رکھتے ہیں۔ اس لیئے انہیں یہ خیال ہی نہ ہوا۔ کہ وہ مدینہ میں دربار رسالت میں حاضر ہونے کے لیئے چلے گئے ہیں۔ بلکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ تینوں شکار کے شوقین ہیں۔ شکار کھیلنے کے لیئے گئے ہیں۔ کفار مکہ نے بھی خیال کر لیا۔ کہ وہ دو چار دن میں شکار کھیل کر واپس آجائیں گے۔ مگر جب ہفتے گذر جانے پر بھی وہ واپس نہ آئے تو انکو بڑا فکر ہوا۔ اور وہ انکی تلاش و تجسس میں مصروف ہوئے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے بنو بکر نے کفار مکہ سے مصالحت کر لی تھی۔ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے۔ قبیلہ خزاعہ کمزور تھا۔ اور قبیلہ بنو بکر بڑا طاقتور تھا۔ اس لیئے بنو بکر والے اہل خزاعہ کو پیس ڈالنے کی فکر میں رہتے تھے۔ مگر یہ دونوں قبیلے بردو فریق کے ہم عہد ہو گئے تھے۔ اس لیئے انہیں دس سال تک صلح و آشتی سے رہنا چاہیئے تھا۔ مگر اکثر کوتاہ اندیش انسان طاقت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

اہل بنو بکر یہ سمجھ کر کہ مسلمان مدینہ میں سینکڑوں کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ بنی خزاعہ کی امداد کے لیئے کیا آئیں گے۔ اہل خزاعہ پر چیرہ دستیاں کرنے لگے۔ ہر چند بنو خزاعہ

نے انھیں سمجھایا۔ عہد نامہ کی طرف توجہ دلائی۔ مسلمانوں کی عظمت اور قوت سے ڈرایا مگر وہ باز نہ آئے اور علانیہ اُنکو ستانے لگے۔

ایک روز محلہ دتیرہ میں جہاں بنو خزاعہ رہتے تھے۔ بنو بکر کے چند اوباش پہنچے اور عورتوں کو چھیڑنے لگے۔ بنو خزاعہ نے اب بھی صبر کیا اور طرح دے کر وقت کو گذارنا چاہا۔ لیکن بنو بکر گویا لڑنے کے لیئے آمادہ تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا تم مسلمانوں کے بھروسہ پر پھولے ہوئے ہو کان کھول کر سُن لو مسلمان ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔ محمدؐ ایک مجنوں ہے۔ (نعوذ باللہ) ہم اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو دم بھر میں پیس ڈالیں گے۔ بنو خزاعہ کے ایک شخص نے کہا۔ اس قدر یادہ گوئی نہ کرو۔ تمام عرب نے آج حضرت محمدؐ کو دنیا کا بزرگ ترین شخص مان لیا ہے مسلمانوں کی حکومت مدینہ میں قائم ہو گئی ہے۔ سینکڑوں میل کے علاقہ انکی سلطنت پھیل گئی ہے۔ کسی کو بُرا کہنا انسانیت نہیں ہے۔

بنو بکر لڑنے کا بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ انہوں نے فوراً تلواریں علم کیں اور بغیر کچھ کہے سُنے۔ بنو خزاعہ کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا! بنو خزاعہ کمزور تھے۔ بھاگ نکلے دتیرہ کا بازار بند ہو گیا۔ لوگ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ سنگدل اور اوباش بنو بکر نے بیس آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ شام کے وقت وہ واپس لوٹے اور محلہ میں امن و امان ہوا آفتاب غروب ہونے سے قبل بنو خزاعہ کے سر برآوردہ لوگ جمع ہوئے اور دن کے واقعہ پر اظہار تاسف کر کے اس بات پر متفق ہو گئے۔ کہ نوفل سے چل کر شکایت کریں۔

نوفل بنو بکر کا سردار تھا۔ نہایت چالاک اور بے رحم شخص تھا۔ بنو خزاعہ اُس کے مکان پر پہنچے اور اس سے شکایت کی کہ اُس کے قبیلہ والوں نے بلا وجہ ان کے بیس آدمی مار ڈالے۔ نوفل نے تمام واقعہ سُنکر کہا۔

بہت ہی اچھا ہوا تم مسلمانوں سے معاہدہ کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ اب مسلمانوں کو

اپنی امداد کے لیئے بلاؤ ۔ بنو خزاعہ کے سردار نے کہا ۔ لیکن آپ اہل قریش کے حلیف ہیں اور اُن کا مسلمانوں سے معاہدہ ہے آپ بدعہدی کر کے آتش جنگ مشتعل نہ کریں ۔ نوفل نے ہنس کر کہا ۔ بے وقوفو! اس سے آتش جنگ مشتعل نہیں ہو سکتی ۔ ہم نے عہد کیا ہوا ہے ۔ کہ جو لوگ مسلمانوں سے مصالحت کرینگے ۔ ان سب کو قتل کر ڈالیں گے ۔ کمینو! تم نے قریش کو چھوڑ کر مسلمانوں سے مصالحت کیوں کی ؟

اب اس کا مزہ چکھو ایک شخص بھی تمہارے قبیلہ کا زندہ نہ رہنے پائے گا ۔

بنو خزاعہ مایوس ہو کر واپس لوٹے ۔ جب وہ چلے گئے ۔ تو نوفل نے صفوان بن امیہ عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ کو بلا کر تمام واقعہ سُنایا اور کہا یہ موقع ہے کہ ہم آج رات کو بنو خزاعہ کو پیس ڈالیں ۔ اس سے ان لوگوں پر جو مسلمانوں سے معاہدہ کر چکے ہیں اثر پڑے گا ۔ اور وہ ہماری طرف جھکیں گے اور پھر ہماری قوت بہت کچھ بڑھ جائے گی ۔ صفوان نے کہا ۔ بہت اچھی تدبیر ہے ۔ تم نے پہلے ہی یہ بات کیوں نہ سوچی ۔ انوفل نے کہا ۔ ہر کام کا وقت مقرر ہوتا ہے ۔ اس کا وقت ابھی آیا ہے ۔ تم اپنے لشکر کو بلا لو ۔ اور رات کو بنو خزاعہ پر جا چڑھا ۔

تمام لوگوں نے اپنے اپنے غلام بھیج کر لشکر بلا لیئے ۔ نوفل نے بھی اپنا لشکر بلا لیا تھا ۔ یہ سب سرکش ۔ بدعہد اور مکار لوگ رات کی تاریکی میں اپنی ظالمانہ حرکات سے عہدنامے کی دھجیاں اڑانیکے کے لیئے روانہ ہوئے ۔ آدھی رات کے قریب محلہ دیترہ میں پہنچے ۔

اندھیری رات تھی ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی ۔ ستارے آسمان پر بکھرے ہوئے چمک رہے تھے ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ خاموش تھا ۔

بنو خزاعہ بےفکری سے گھروں میں گھسے آرام کی نیند سو رہے تھے ۔ کہ دفعتاً دنیا ئے سکون ملتہ ہو گئی ۔ مختلف آوازوں سے محلہ گونج اُٹھا ۔ بنو بکر اور اہل قریش کی بے پناہ

تلواریں مظلوم بنو خزاعہ کو قتل کرنے لگیں۔ مردوں عورتوں اور بچوں کی تخصیص نہ رہی جو سامنے آگیا بے دریغ قتل کر دیا گیا۔ بنو خزاعہ اس اچانک افتاد سے سراسیمہ ہوگئے۔ وہ گھبرا کر دوڑے اور حرم شریف میں جا چھپے۔ عربوں کا یہ پہلا قانون تھا کہ جو شخص حرم میں پناہ لے لیتا تھا۔ اُسے نہ قتل کیا جاتا تھا۔ خیال کرتے تھے کہ وہ بتوں کی پناہ میں آگیا ہے۔ مگر بنو خزاعہ کو وہاں بھی پناہ نہ ملی وہ حرم میں بھی قتل کیئے گئے کفار مکہ کو اس بات پر غصہ تھا۔ کہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے کیوں مصالحت کی۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان سینکڑوں میل کے فاصلہ سے اُنکی امداد نہ آئیں گے۔ اس لیئے اُن پر انتہائی سنگدلانہ اور بے رحمانہ ستم کر رہے تھے۔

بدیل بن ورقہ قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار تھا۔ جب کفار مکہ اُسکے گھر میں گھس کر اُس کا سامان لوٹنے لگے تو اُس نے بلند آواز سے کہا اے شہ مدینہ لے خاتم النبیین ہماری فریاد سنیئے ہم پر اس لیئے ظلم کیا جا رہا ہے۔ کہ ہم نے آپ سے مصالحت کیوں کی! آیئے اور ہم کو ان بھیڑوں سے بچایئے۔ اسی وقت ایک بار عب آواز آئی۔ لبیک لبیک لے بنو خزاعہ!

سب اس آواز کو سن کر حیران ہوئے۔ کفار مکہ پر بھی رعب سا چھا گیا۔ انہوں نے قتل اور غارتگری بند کر دی اور اپنے آدمیوں کو لیکر واپس لوٹ گئے۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب تباہ شدہ اور تاراج محلہ دیترہ پر طلوع ہوا تو ہر گھر سے نالہ و شیون کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ مرد عورتیں اور بچے اپنے مقتول عزیزوں کو یاد کر کرکے رو رہے تھے۔ چونکہ بیچارے کمزور تھے۔ دشمنوں سے انتقام نہ لے سکتے تھے۔ اس لیئے آنسو بہا بہا کر جوش انتقام کی آگ کو سرد کر رہے تھے۔ بدیل بن ورقہ نے عمرو بن سالم کو بلا کر کہا عمرو!

تباؤ ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ ظالموں نے ہم کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ عمرو نے کہا

سوائے اس کے کہ ہم شاہ مدینہ کے حضور میں فریادی جائیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ بدیل نے کہا یہی میرا ارادہ ہے۔ آؤ میں اور تم دونوں چلیں عمرو نے کہا۔ چلیے اُس کے دربار میں چلیے جو بڑا خلیق بڑا رحمدل اور بنی نوع انسان کا ہمدرد ہے دونوں نے جلد جلد تیاری کی اور دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں محمد صلعم کو اپنا حال زار سنانے کے لیے روانہ ہو گئے۔

اٹھارہواں باب (۱۸)

مجاہدین اسلام کا کوچ

آنحضور صلعم اور تمام مسلمان حج سے فارغ ہو کر بخیریت تمام مدینہ میں پہنچ گئے تھے چونکہ مسلمانوں کے بدترین دشمن کفار مکہ اور یہودی تھے۔ یہودی تو مطیع ہو چکے تھے۔ اور کفار مکہ سے مصالحت ہو گئی تھی۔ اس لیئے اب کسی دشمن کا خدشہ باقی نہ رہا تھا۔

مسلمانوں کو خیال ہونے لگا تھا۔ کہ اب وہ امن و چین سے رہ سکیں گے۔ مکہ کی معاہدت کے چند ہی روز بعد خالد۔ عمرو بن العاص اور عثمان مدینہ میں پہنچے یہ تینوں جلیل القدر سردار تھے۔ اس لیئے مسلمانوں نے انکی آمد کو حیرت سے دیکھا۔ یہ تینوں سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے حسب عادت خندہ پیشانی سے انکا استقبال کیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو آنحضورؐ نے دریافت کیا اے مکہ کے رئیسو تم کس لیئے آئے ہو؟،

خالد نے کہا مسلمان ہونے کیلئے! یہ سنکر حضورؐ کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ اور آنکھوں سے مسرت کی چمک نکلنے لگی۔ آپ نے فرمایا۔ مرحبا اے رئیسان مکہ مرحبا لیکن خالد! تم تینوں امیر ہو۔ رئیس ہو۔ اپنے قبیلہ کے سردار ہو تم میں امارت کی بو ہے خاندانی شرافت کا غرہ ہے اور اسلام امارت اور نفسی فخر کو مٹانے آیا ہے۔ کیا تم

اس بات کو گوارا کرلوگے کہ نصیبی فخر کو بھول جاؤ۔ ادنےٰ مسلمان کو اپنا بھائی سمجھو۔ فخرو غرور کو دل و دماغ سے نکال دو۔ خالد سے کہا۔ نصیب پر فخر اور امارت پر غرہ جاہلوں کا کام ہے۔ ہم جہالت کی تاریکی کو چھوڑ کر اسلام کے زیر سایہ پناہ لینے آئے ہیں۔

حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ جب تو تم لائق صد ہزار تحسین ہو! اسکے بعد آنحضورؐ نے ان تینوں کو مسلمان کرلیا۔ ان کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں میں بڑی مسرت ہوئی مدینہ میں گھر گھر انکے آنے اور مسلمان ہونے کی خبر پہنچ گئی۔ ہر وہ مسلمان جو مکہ کا رہنے والا تھا۔ ان تینوں سے مصافحہ کرنیکے لئے دوڑ پڑا۔ انکے بعد مدینہ والوں نے مصافحے کئے۔ خالد، عمرؓ اور عثمان مسلمانوں کا جوش اخوت دیکھ کر کمال محظوظ ہوئے۔ تمام مسلمانوں نے انکی دعوتیں شروع کیں۔ عرصہ تک وہ مسلمانوں کے مہمان رہے۔

ایک شب کو حضورؐ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے کمرہ میں بیٹھے ہوئے تہجد کی نماز پڑھنے کیواسطے وضو کر رہے تھے۔ کہ آپ نے بنو خزاعہ کی آواز سنی۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا لبیک لبیک! یا بنو خزاعہ! حضرت میمونہؓ نے فریاد کی آواز نہ سنی تھی۔ لہذا انھیں تعجب ہوا کہ حضورؐ نے لبیک لبیک! یا بنو خزاعہ کیوں فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے یہ لبیک کس کی صدا پر کی آنحضورؐ کا چہرہ اس وقت کچھ متغیر تھا۔ جلال کے آثار ظاہر تھے۔ آپ کسی قدر ترشروئی سے فرمایا میمونہ اہل قریش نے بدعہدی کی۔ آج انہوں نے بنو خزاعہ پر دست تظلم دراز کرکے انھیں تباہ و برباد کردیا۔ مظلوم بنی خزاعہ نے مجھ سے فریاد کی ہے۔ اور میں نے انکی فریاد پر لبیک کہا ہے۔ حضرت میمونہ نے دریافت کیا کیا حضورؐ قریش پر لشکر کشی کریں گے۔

آنحضور نے فرمایا! ہاں میں عہد نامہ کی دھجیاں خون کی دھجیاں اڑادونگا۔ یہ کافر خود بھی آرام سے نہیں رہتے اور ہمیں نیز ہمارے حلیفوں کو بھی آرام نہیں لینے دیتے۔

اس کے بعد حضورؐ نماز پڑھنے لگے۔ جب صبح ہوگئی تو حضورؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ

سے کہا۔ افسوس رات بنو بکر اور قریش نے مل کر بنو خزاعہ کو قتل کیا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا حضورؐ کا گمان ہے کہ قریش بدعہدی کریں گے؟ حضورؐ نے کسی قدر جوش بھرے لہجہ میں کہا۔ ہاں انہوں نے بدعہدی کی اور کمزور قبیلہ بنو خزاعہ کو کچل ڈالا۔

یہ بات تمام مدینہ میں عام ہو گئی۔ مسلمانوں کو خیال ہو گیا کہ اب مکہ پر لشکر کشی کی جائے گی۔ چند روز کے بعد بدیل بن ورقہ اور عمرو بن سالم پہنچے نہایت پریشان حال اور غمگین تھے۔ جس وقت یہ دونوں مسجد نبوی میں پہنچے تو اسوقت مسلمان عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں حضورؐ کے قریب گئے۔ سلام کیا اور پاس بیٹھ کر کہا! حضورؐ ہم کو قریش نے پامال کر دیا۔ ہم آپکے پاس فریادی آئے ہیں

حضورؐ نے فرمایا! مجھے خدا تعالےٰ نے پہلے ہی اطلاع دیدی ہے۔ کیا تم نے فریاد کے بعد میری آواز مکہ میں نہ سُنی تھی؟ بدیل نے کہا۔ حضورؐ سُنی تھی۔ بدبخت قریش اور مغرور بنو بکر نے ہم کو کچل ڈالا کہ ہم نے آپ سے کیوں مصالحت کی! عمرو بن سالم نے کہا اے فریادرس۔ اے شہ مدینہ ہماری فریاد سنیئے۔ آہ ہم برباد کر دیئے گئے۔

ان قریش احلقوک الموعدا ولقضوا میثاقک الموکدا

قریش نے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی کی اور انہوں نے اس مضبوط معاہدہ کو جو آپ سے کیا تھا توڑ ڈالا

وجعلوا لی فی کدا عراصدا وزعموا ان لست ادعوا احدا

اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کیلئے کوئی نہ آئیگا

وھم اذل واقل عددا ھم بیتونا بالوتیر ھجدا

اور وہ ذلیل ہیں قلیل تعداد میں ہیں اور انہوں نے ہمارے محلہ وتیرہ میں ہم پر سوتے میں حملہ کیا

ان اشعار کو سن کر تمام مسلمانوں پر رنج و افسوس کا گہرا اثر پڑا۔ حضورؐ بہت زیادہ متاثر ہوئے آپ نے فرمایا اے مظلوم بنو خزاعہ اطمینان رکھو۔ تمہارا انتقام لیا جائے گا۔ ابو

سفیان تجدید عہد کیلئے مکہ سے روانہ ہوچکا ہے۔ مگر وہ ناکام واپس جائیگا۔ اسلام امن وصلح کا پیغام لیکر آیا ہے۔ مسلمان بیکسوں اور مظلوموں کے حامی ہیں۔ دنیا سے ظلم وستم کی لعنت دور کیجائیگی۔ ظالموں اور سرکشوں کو تلوار کے زور سے سیدھا کیا جائیگا۔ تم ٹھہرو اور اس وقت کا انتظار کرو۔ جبکہ خدا کا حکم نازل ہو اور لشکر اسلام فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ ہو۔"

بدیل اور عمرو دونوں اس تسلی آمیز گفتگو کو سن کر مسرور مطمئن ہوگئے۔ دن گذرتے رہے اور بنو خزاعہ کے یہ دونوں اسردار مسلمانوں کے مہمان رہ کر انکی معاشرت اور انکے تمدن کا بنظر غور مطالعہ کرتے رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں سادگی ہے۔ انتہائی سادگی اگرچہ وہ مالدار ہیں۔ دولت انکے قدموں پر پڑی ہوئی ہے۔ انکے بچے روپے اور اشرفیوں سے کھیلتے ہیں۔ مگر ان میں تمول کی بے جا نمائش نام کو بھی نہیں۔

نہایت سادہ کپڑے پہنتے تھے۔ نہایت سادہ کھانا کھاتے تھے۔ اور نہایت سادہ طریقے پر رہتے تھے۔ ہر مسلمان کمال ہمدرد اور کمال راستباز ہے آپسمیں اس قدر محبت واخوت ہے۔ کہ اگر ایک مسلمان کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو سارے مسلمان بیقرار ہو جاتے ہیں۔ اسکی تیمار داری کرنے لگتے ہیں۔ اور ہر شخص بیمار کا کام بڑے فخر اور بڑی دلچسپی سے کرتا ہے۔

کوئی غلام ہو یا آزاد۔ رئیس ہو یا غریب سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ گویا ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ سب خوش ہیں اور ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ہی شخص کی اولاد ہوں۔ پھر بھائی بھائی بھی کسی بات پر آپسمیں تیز ہو جاتے ہیں۔ لڑ جھگڑ پڑتے ہیں

مگر مسلمان ایسے بھائی ہیں۔ جو کبھی کسی سے تیز ہو کر بھی نہ بولتے تھے۔ نہایت نرمی اور ملائمت سے باتیں کرتے تھے۔ انکے بچے آپس میں بڑے پیار اور محبت

سے رہتے تھے۔ مستورات کا اس قدر میل جول تھا۔ کہ گویا سگی بہنیں معلوم ہوتی تھیں کوئی مسلمان متفکر یا مغموم نظر نہ آتا تھا۔ سب خوش تھے۔ ایسے خوش جیسے وہ دنیاوی تفکرات سے بے نیاز ہو گئے ہوں۔ دراصل جس قدر انسان دنیوی بکھیڑوں میں پھنسا رہتا ہے۔ جس قدر دنیا اور دنیا کی دولت و عشرت کا حریص ہوتا جاتا ہے۔ اور ضروریات زندگی کو بڑھا لیتا ہے۔ اسی قدر پریشان اور متفکر رہنے لگتا ہے۔ مسلمانوں کی ضروریات محدود تھیں۔ وہ عیش و عشرت سے کوسوں دور تھے۔ یا دور رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھیں کوئی پریشانی یا فکر نہ تھا۔ مسلمان ایک دوسرے سے محبت تو کرتے ہی تھے۔ مگر احترام بھی زیادہ کرتے تھے۔ ہر چھوٹی عمر کا اپنے سے بڑی عمر والے کا کمال ادب و لحاظ کرتا تھا۔ جو بات کوئی بزرگ کہہ دیتا تھا۔ خورد اسے فوراً مان لیتے تھے۔ آنحضورؐ کا تمام مسلمان اس قدر قدر کرتے تھے۔ کہ کوئی قوم کسی بادشاہ کا نہ کرتی ہوگی۔ جب آنحضورؐ اپنے مکان سے نکلتے تو مشتاقان دید پروانوں کی طرح گرد ہو جاتے۔ حضورؐ کی زیارت کے لیے ہجوم اس قدر ہو جاتا کہ راستے لبریز ہو جاتے۔ کشادہ گلیاں تنگ ہو جاتیں۔ انسانوں کا سمندر لہریں لینے لگتا۔ سب نہایت خاموش اور ادب سے حضورؐ کے پیچھے آہستہ آہستہ چلتے تھے۔ کبھی کوئی مسلمان حضورؐ کے آگے یا برابر چلنے کی بھی جرأت نہ کرتا تھا۔

چونکہ اب مدینہ میں مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ اس لیے کئی مسجدیں بڑے بڑے محلوں میں تعمیر کر لی گئی تھیں۔ البتہ نماز جمعہ مسجد نبوی ہی میں ہوئی تھی۔ تمام مسلمان اذان کی آواز سنتے ہی مسجدوں میں پہنچ جاتے تھے۔ کسی کو خواہ کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو اذان سنتے ہی تمام کام چھوڑ دیا جاتا کہ دوکاندار اگر کسی کو سودا تول کر دے رہا ہوتا تو تولنا بند کر کے مسجد کی طرف چل دیتا۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل کوئی مسلمان کوئی کام نہ کرتا۔ بازار بند اور سارے کاروبار معطل رہتے صبح ہی سے مسلمان کپڑے

بدلنے اور نہانے کی ایسی تیاریاں شروع کر دیتے جیسے اس زمانہ کے مسلمان عید کی تیاریاں کیا کرتے ہیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا تھا۔ کہ جمعہ مومنوں کی عید ہے مسلمان عید سے زیادہ اس دن کا احترام اور نماز کے لئے بڑے شوق و شغف سے تیاریاں کیا کرتے تھے۔

بدیل اور عمرو کو مسلمانوں کی ہر بات نرالی اور مذہبیت لئے ہوئے معلوم ہوتی تھی۔ کوئی مسلمان احکام شرع سے ایک انچہ ادہر اُدھر نہ ہوتا تھا۔ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ ابو سفیان آیا ہے اور معاہدہ کی تجدید کرنا چاہتا ہے۔

چونکہ تمام مسلمانوں کو معلوم تھا۔ کہ قریش نے عہد نامہ توڑ ڈالا ہے۔ اور مظلوم قبیلہ بنو خزاعہ کو نشانہ ستم بنایا ہے۔ اس لئے سارے مسلمان تمام قریش سے سخت بیزار اور ناخوش تھے۔

ابو سفیان حضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا اور نہایت عاجزی کے لہجہ میں بولا حضورؐ حضورؐ قریش کے چند ناعاقبت نوجوانوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ تمام اہل مکہ کو ان کی اس نازیبا حرکت کا افسوس ہے کہ مجھے میری تمام قوم نے اپنا سفیر بنا کر تجدید عہد کیلئے خدمت اقدس میں التماس ہے۔ میں میثاق بین الاقوام کی معیاد دس سال سے زیادہ بڑھانا چاہتا ہوں

آنحضورؐ نے اسکی بات کا کوئی جواب دیا۔ بلکہ خاموش رہے ابو سفیان نے پھر کہا شاید حضورؐ یہ کیا خیال کرتے ہیں کہ معاہدہ شکنی صرف قریش نے ہی کی ہے۔ یہ بات نہیں ہے جھگڑے کی ابتدا بنو خزاعہ کی طرف سے ہوئی مگر ہم پھر بھی اپنی طرف سے تجدید عہد کرنے پر تیار ہیں۔ اور اگر یہ منظور نہ ہو تو اُس کے یہ معنی ہونگے۔ کہ عرب کا امن و امان ختم ہو جائے اور آتش جنگ پھر روشن ہو کر انسانوں کو جلا ڈالے۔

اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی ہے۔ مگر اتنی نہیں بڑھی ہے کہ

وہ اہل مکہ کا مقابلہ کر سکیں ۔میرے خیال میں تو یہ بہتر ہے کہ مکرر پھر صلحنامہ مرتب کر لیا جائے۔
آنحضورؐ نے فرمایا۔ ابوسفیان تم نے تمہاری قوم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور اب تم درپردہ جنگ کی دھمکی دینے اور اپنا رعب ڈال کر صلح کرنے کی لئے آئے ہو۔ یہ تمہارا خیال خام ہے۔ تم نے بنو خزاعہ کو اس لئے میل ڈالا۔ کہ وہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ یہ خیال کر لیا کہ مسلمان انکی امداد نہ کرینگے۔ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم بنو خزاعہ کی امداد کر کے تم سے تمہاری وحشیانہ اور بربرانہ سنگدلی کا انتقام لیں۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تم پر لشکر کشی نہ کریں تو تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم بنو خزاعہ کو راضی کر لو! ....
ابوسفیان نے قطع کلام کر کے کہا۔ بنو خزاعہ کو راضی کر لیں؟ گویا ان کی خوشامد کریں۔ یہ غیر ممکن ہے۔

آنحضورؐ نے کہا۔ بس تو تجدید معاہدہ بھی غیر ممکن ہے

ابوسفیان یہ سنکر کچھ مغموم سا ہو گیا۔ وہ اٹھکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پہنچا۔ اور ان سے کہا۔ اے ابوبکرؓ تم رحمدل اور نیک طینت انسان ہو۔ مکہ تمہارا وطن ہے۔ اور اہل مکہ تمہارے ہموطن ہیں کیا تم یہ گوارا کر لو گے۔ کہ تمہارا وطن تاراج ہو جائے اور اہل وطن قتل و غارت ہو جائیں۔

صدیق اکبرؓ نے کہا۔ مجھے وطن اور اہل وطن سے محبت ہے۔ اگرچہ میرے وطن والوں نے مجھے نکال دیا تھا۔ اور وہ مجھے بھول گئے، مگر میں انہیں نہیں بھولا۔ لیکن تم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ عہدنامہ کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ بنو خزاعہ کو بلا قصور کچل ڈالا ہے۔ آنحضورؐ تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اب یہ کسی کی جرأت نہیں ہے کہ حضورؐ سے تمہاری سفارش کر سکے۔

ابوسفیان نے کہا۔ شاید تم یہ سمجھتے ہو گے۔ کہ تمہاری قوت اسقدر بڑھ گئی ہے۔ کہ تم مکہ پر لشکر کشی کر سکتے ہو۔ لیکن ابوبکرؓ تمہارے تمام قبائل متحد ہو کر

تمہارا مقابلہ کرینگے - اور تم آسانی سے کبھی مکہ میں داخل نہ ہو سکو گے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا - اُسے خدا ہی جانتا ہے۔ کوئی مسلمان آئندہ کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ابوسفیان مایوس ہو کر اٹھا - اور حضرت عمرؓ کے حضورؐ میں پہنچا۔ حضرت عمرؓ اُسے دیکھتے ہی کبیدہ خاطر ہو گئے - ابوسفیان اگرچہ سمجھ گیا کہ وہ ناراض ہیں - تاہم اُس نے کہا - عمرؓ تم قریش کے قریبی ہو اہل مکہ کے ہمیشہ مددگار رہے ہو - مکہ تمہارا وطن ہے - سنتا ہوں کہ حضرت محمدؐ تمہاری بات مانتے ہیں کیا تم ہم پر اس قدر احسان کر سکتے ہو - کہ حضورؐ سے تجدید عہدنامہ اور توسیع کی سفارش کر دو۔

حضرت عمرؓ نے قدرے درشت لہجہ میں کہا ابوسفیان تم نے اور تمہاری قوم نے اپنی قوت و طاقت کے زعم پر ایک مظلوم قبیلہ کو پیس ڈالا تم نے ہمیں اور ہمارے حلیفوں کو ناچیز سمجھا - بے رحم انسان جب تمہارے اوباش اور سنگدل لوگ عہدنامے کے پرزے کر کر کے فضا میں بکھیر رہے تھے - اور بے رحمی سے ایک بیکس قبیلہ کو کچل رہے تھے - اس وقت انجام کار پر کیوں نظر نہ کر لی تھی - نہ سمجھ لیا تھا - کہ مسلمان تمہاری سرکوبی کیلئے تمہارے ناغی توازن کی اصلاح کرنیکے لیئے تمہارے سروں پر پہنچیں گے - اب آئے ہو عاجزی کر کے عہدنامے کی تجدید کرنے۔

بدبخت عہدنامہ تمہارے لیئے ایک نعمت تھی - تم نے خود اس نعمت کی قدر نہ کی اور اُسے اپنے سے دور کر کے لعنت مول لے لی - اب تمہارے ساتھ عہدنامہ نہیں کیا جا سکتا - کسی شخص میں یہ طاقت یہ جرأت یہ ہمت نہیں ہے - کہ حضورؐ سے تمہاری سفارش کر سکے جاؤ اور انتظار کرو - کہ کب اسلامی لشکر تمہارے غرور و تکبر کا خاتمہ کرنیکے لیئے مکہ کے سامنے پہنچتا ہے:-

ابوسفیان نے کہا عمرؓ تم میں بڑا جوش ہے - بڑا غصہ ہے - مگر جانتے ہو اس

ابوسفیان نے کہا عمرؓ تم میں بڑا جوش ہے۔ بڑا غصہ ہے۔ مگر جانتے ہو۔ اس جوش اور غصہ کا نتیجہ کیا ہوگا۔

حضرت عمر رضؓ نے غضبناک ہو کر ابوسفیان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔ جانتا ہوں میری تلوار ہوگی اور تم جیسے خود سروں کے سر ہونگے۔ خدا کی قسم اگر ہمارے مہمان نہ ہوتے تو تلوار تمہارے سر و تن کا فیصلہ کر چکی ہوتی۔

ابوسفیان جانتا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ تیز مزاج اور بہادر ہیں اُسے اور کچھ کہنے سُننے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ اٹھ کر حضرت علی المرتضےٰؓ کی خدمت میں پہنچا وہاں اور عاجزی کے لہجہ میں بولا! علیؓ تم میری مدد کرو اور حضورؐ سے سفارش کر دو۔ جن شرائط پر وہ صلح پسند فرمادیں۔ کرلیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کسی شخص میں بھی یہ طاقت نہیں کہ حضورؐ اکرم سے تمہاری سفارش کر سکے۔ ابوسفیان نے دریافت کیا۔ پھر میں کیا کروں۔ حضرت علی کرم اللہ نے مسکرا کر کہا۔ تم مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان کر دو۔ کہ میں قریش کا سفیر ہوں تجدید عہد کیلئے آیا تھا۔ مسلمان صلح نہیں کرتے مگر میں اپنی طرف سے صلح کئے جاتا ہوں

اگرچہ حضرت علی کرمؓ نے یہ بات مذاقاً کہی تھی۔ مگر ابوسفیان نہ سمجھا اور اُس نے مسجد نبوی میں پہنچکر حسب ہدایت اعلان کر دیا۔ اور اسی روز وہاں سے مکہ کی جانب روانہ ہوگیا:۔

آنحضورؐ کو قریش کی بدعہدی کا ملال تھا۔ آپ خاموش تھے۔ آپکی خاموشی سے مسلمانوں کو الجھن سی ہو رہی تھی۔ مگر کسی کو کچھ کہنے اور دریافت کرنیکی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر ایک روز صبح جبکہ مسلمان نماز فجر سے فارغ ہوئے تو حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ مسلمان جنگ کیلئے تیاریاں شروع کر دیں۔ مسلمانوں نے فوراً تیاریاں شروع کر دیں۔ اگرچہ مسلمان تیاریاں کر رہے تھے۔ مگر کسی کو معلوم نہ تھا۔ کہ کس طرف لشکر کیجائیگی۔ بیت الحرام کو اصنام پرستی کی لعنت سے پاک کرنے کا وقت آگیا ہے۔ بدعہد اور بے رحم قریش کو انکی سفاکی کی

کی سزا دینا لازمی ہے ۔ مسلمان اس اعلان سے نہایت مسرور ہوئے اگرچہ جانتے تھے کہ قریش اور اُن کے حلیف قبائل کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ وہ مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے ۔ مگر ان کی چیرہ دستی اور سفاکی نے اُنکی سرکوبی پر انہیں اکسادیا تھا ۔ اور اس لئے وہ خوش تھے ۔ اور انہوں نے تیاریاں شروع کردیں ۔ ہر مسلمان معروف نظر آنے لگا ۔ مدینہ منورہ میں چہل پہل شروع ہوگئی ۔ جو لوگ نواح مدینہ میں آباد ہوگئے تھے ۔ وہ بھی طلب کر لئے گئے ۔ اُن کے آنیکی وجہ سے مدینہ کی رونق بہت کچھ بڑھ گئی تھی ۔

ایک روز آنحضورؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے ۔ حضرت عمرؓ ۔ حضرت صدیقؓ حضرت عثمانؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت زبیرؓ اور دیگر اصحاب حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے ۔ حضورؐ کچھ خاموش تھے ۔ سر جھکائے بیٹھے تھے ۔ صحابہؓ بھی چپ تھے دفعتاً آپ نےؐ سر اٹھایا اور حضرت علی کرم اللہ اور زبیرؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا ۔

مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ اس وقت ایک عورت مکہ جانیکے لئے قبا کی طرف جارہی ہے ۔ اُس کے پاس قریش کے نام ایک خط ہے ۔ اسکو گرفتار کر لاؤ ۔

فوراً حضرت علی کرم اللہ اور حضرت زبیرؓ اُٹھے ۔ مسجد سے نکلے اور گھوڑوں پر سوار ہوکر قبا کی طرف دوڑے ۔ تھوڑی ہی دور چل کر انہوں نے ایک عورت کو اونٹ پر سوار جاتے دیکھا وہ قبا میں داخل ہونا چاہتی تھی ۔ کہ یہ دونوں بزرگ اُسکے قریب پہنچے اور حضرت علی کرم اللہ نے ڈپٹ کر کہا ۔ ٹھہر جا ! او خدارہ ۔

عورت نے اونٹ روک لیا ۔ اُس نے ان دونوں کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ زرد ہوگیا ۔ آنکھیں خوف سے اندر دھنس گئیں ۔ چہرہ عرق آلود ہوگیا ۔ حضرت علی کرم نے قریب پہنچکر کہا ۔ مکارہ ! وہ خط ہمارے حوالے کردو ۔ جو تم لے جارہی ہو ؟

عورت یا تو کانپ رہی تھی ۔ یا سنبھلی اور اُس نے کہا خط ؟ ۔۔ ۔۔ ۔۔

۔۔ ۔۔ ۔۔ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے !"

حضرت علی کرم نے غصہ سے بھر کر کہا۔ جھوٹ بکتی ہے۔ خیریت اسی میں ہے۔ کہ خط ہم کو دیدے! عورت نے کہا۔ آپ میری تلاشی لے لیجئے میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ یہ کہتے ہی اُس نے اونٹ بٹھایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گھوڑا بڑھایا اور اُس کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے تلاشی لینا شروع کی۔ ہر چیز دیکھ ڈالی مگر خط نہ ملا۔

عورت نہایت اطمینان سے بیٹھی تھی۔ حضرت علی کرم کو حیرانی ہو رہی تھی۔ عورت نے مسکرا کر کہا۔ تم نے تلاشی لے لی مگر ۔ ۔ ۔ آنحضور کبھی غلط اطلاع نہیں دے سکتے۔ اچھا تم ہمارے ساتھ چلو۔ وہ خود تلاشی لے لیں گے۔ مگر یہ سوچ لو کہ اگر انکی تلاشی لینے کے وقت خط تمہارے پاس سے نکلا۔ تو فوراً تمہارا سر اُڑا دیا جائے گا۔

عورت یہ سن کر ڈر گئی۔ وہ کچھ سوچنے لگی اور چند لمحہ کے بعد بولی۔ اگر میں خط تمہارے حوالے کر دوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا تو تمہاری سلامتی کا وعدہ کیا جا سکتا ہے! عورت نے اپنے جوڑے میں سے خط نکال کر حضرت علی کرم اللہ کو دیتے ہوئے کہا۔ خط لیجئے میں جان گئی ہوں کہ حضورؐ نے میری روانگی کی خبر اپنے رسولؐ کو دیدی ہے۔ وہ خط چھپانے کی جگہ بھی بتا دے گا۔ اور پھر زندگی ختم کر دی جائیگی۔ لیکن اب آپ نے ۔ ۔ ۔ میری حفاظت کا وعدہ کر لیا ہے۔

حضرت علی کرم نے فرمایا۔ ہاں اور وہ پورا کیا جائے گا۔ آؤ تم ہمارے ساتھ واپس چلو۔ عورت نے اونٹ کو اشارہ کیا۔ وہ کھڑا ہوا اور یہ تینوں مدینہ کی طرف واپس لوٹے تیزی سے چل کر مسجد کے سامنے پہنچے اپنے اپنے مرکبوں سے اترے اور مسجد میں داخل ہو کر آنحضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے حضرت صدیق رضی کو دے کر کہا اسے کھولو اور پڑھو۔ حضرت صدیق نے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

یہ خط ہے حاطب بن ابی حلقہ کی طرف سے اہل مکہ کے نام۔
اے بد عہد مکہ والو تمہاری بربادی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لشکر اسلام تمہاری سرکوبی کے لیے آنے والا ہے۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اپنی حفاظت کر لو"۔

تمام مسلمان۔ خود آنحضورؐ اس خط کو سن کر بڑے ملول ہوئے۔ ملال کی وجہ یہ تھی کہ حاطبؓ مسلمان تھے۔ ایک مسلمان سے یہ غداری کی تھی کہ دشمنوں کو قبل از وقت اسلامی لشکر کشی کی اطلاع کرنے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ آپؐ اس مہم کو صیغہ راز میں رکھنا چاہتے تھے۔!"

چنانچہ حاطب فوراً طلب کیئے گئے۔ وہ اپنی اس حرکت پر نادم اور متاسف معلوم ہوتے تھے۔ حضورؐ نے استفسار فرمایا کیا۔ یہ خط تم نے لکھا تھا۔

مسلمان جھوٹ نہ بولتے تھے۔ حاطبؓ نے کہا۔ حضورؐ میں نے غلطی کی ہے مجھ سے ہی یہ قصور سرزد ہوا ہے! حضورؐ نے پھر دریافت کیا کیوں۔

حاطبؓ نے کہا۔ اس لیئے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ مجھے خوف ہوا۔ کہ کہیں بے رحم و سفاک اہل مکہ ان کا خاتمہ نہ کر دیں۔ اس لیئے میں نے سوچا کہ اگر میں اسلامی لشکر کی انھیں اطلاع کر دوں گا۔ تو وہ میرے مرہون احسان ہو کر میرے اہل و عیال پر دست درازی نہ کریں گے۔

حضرت عمرؓ نے بڑھ کر کہا کہ حضور مجرم نے جرم کا اقبال کر لیا ہے۔ جرم کی وجہ محض لجر اور لوچ ہے۔ یہ غدار ہے منافق ہے اسکی گردن زدنی کا حکم دیجئے۔

یہ کہتے ہی حضرت عمرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور حضورؐ کی طرف دیکھنے لگے

آنحضورؐ نے فرمایا۔ نرمی کرو۔ عمرؓ حاطب اہل بدر میں سے منافق اور غدار نہیں ہے اہل و عیال کی محبت نے اس سے یہ غلطی سرزد کرائی جو قابل عفو ہے۔

حاطبؓ تمہارا قصور معاف کیا جاتا ہے۔ مگر اقرار کرو کہ آئندہ کبھی ایسا فعل نہ کرو گے

حضرت حاطب رضؓ کو عفو تقصیر کی امید نہ تھی۔ وہ زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ مگر جب آنحضورؐ نے معاف کر دیا تو انھیں بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا۔

اے پیکر رحم و کرم اب تازندگی مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوگی اور میں اپنی اس غلطی پر بھی مدتوں تک ندامت کے آنسو بہاتا رہوں گا۔ ... ...

... ... ۔ بھائی عمر رضؓ تم بھی مجھے معاف کر دو۔

یہ کہتے ہی وہ حضرت عمر رضؓ کی طرف بڑھے۔ حضرت عمر رضؓ نے جلدی سے تلوار نیام میں ڈالی اور بڑھ کر حاطب رضؓ سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولے۔ حاطب رضؓ تم کو رسولِ خداؐ نے معاف کر دیا ہے۔ اب میری کیا مجال ہے کہ میں تم سے ناراض رہ سکوں

اللہ اکبر کیا زمانہ تھا۔ کیسے صاف دل لوگ تھے۔ اللہ ہی کے لیئے غصہ کرتے تھے۔ اور اللہ ہی کے لیئے مل جاتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ کو اس لیئے حصہ آیا تھا۔ کہ حاطب رضؓ نے مسلمانوں سے غداری کی تھی۔ مگر جب آنحضورؐ نے معاف کر دیا تو ان کا دل بھی فوراً صاف ہوگیا۔ اور بھائی کی طرح ان سے بغل گیر ہو گئے

مسلمان سوچیں کہ وہ کہاں تک اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ کہاں تک اسوۂ حسنہ ان میں موجود ہے۔ وہ مسلمان کہلانے کے مستحق ہی نہیں۔ جو اپنے بھائی مسلمان سے بغض و کینہ یا حسد رکھیں

اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ متفق ہو کر رہو اول تو کسی مسلمان سے لڑو جھگڑو ہی نہیں اور اگر بشریت کی بنا پر ایسا ہو بھی جائے تو تین روز سے زیادہ رنجش نہ رکھو۔ جو شخص مصالحت کی ابتدا کرے گا۔ اُسے دوگنا ثواب ملے گا۔

آنحضورؐ نے عورت کا قصور بھی معاف کر دیا۔ یہ واقعہ یکم رمضان ۸ھ کا ہے حضورؐ نے اسی مجمع میں اعلان کر دیا کہ لشکر اسلام ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو روانہ ہو گا۔ جو لوگ اپنی تیاری مکمل نہیں کر سکے وہ اب کرلیں۔

مسلمانوں نے بڑے زور و شور سے تیاریاں کر دیں ۔ ۱۰ تاریخ تک سب مستعد ہو گئے اور رمضان المبارک کو لشکر اسلام مدینہ سے نکلا ۔ نہایت شان اور بڑے دبدبے سے نکلا کثیر التعداد لشکر تھا ۔ میلوں تک پھیلا ہوا تھا ۔ دس ہزار کا لشکر جرار تھا ۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس قدر کثیر التعداد مجاہدین رایت اسلام کے سایہ میں کسی مہم پر روانہ ہوئے تھے ۔

منافقین اور مشرکین مکہ نے اس شاندار لشکر کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ قریش اور اہل مکہ کی خیریت نہیں ہے ۔ اس مرتبہ مسلمان ضرور مکہ فتح کر لیں گے ۔

اگرچہ صبح کی نماز پڑھ کر لشکر روانہ ہونے لگا تھا ۔ مگر ظہر کے بعد تک روانہ ہوتا رہا ۔ جب آخری سپاہی مدینہ سے نکلا ۔ تو عصر کا وقت ہو گیا تھا ۔ مسلمان عورتیں اور بچے مکانوں کی چھتوں پر چڑھے ہوئے اور مشرکین و منافقین راستوں کے سروں پر کھڑے ہوئے تمام دن لشکر کی روانگی کا نظارہ کرتے رہے ۔

جب لشکر دور نکل گیا ۔ اور گرد و غبار بھی ٹمٹماتا سا نظر آنے لگا ۔ تو اہل مدینہ واپس لوٹ گئے ۔ مسلمانوں نے عصر کی نماز پڑھی اور خلوص دل اور رجوع قلب سے مسلمانوں کی کامرانی کے لیے دعا مانگی ۔

انیسواں باب (۱۹)

فتح مکہ

قبیلہ بنو بکر اور سرداران قریش نے اپنی وحشیانہ قوت و طاقت کے گھمنڈ پر مظلوم وبیکس بنو خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کر کے بڑی بے رحمی سے انہیں کچل ڈالا تھا وہ سمجھتے تھے۔ کہ مسلمان سینکڑوں میل کے فاصلہ پر ہیں۔ ایک کمزور حلیف قبیلہ کی امداد کیلئے اتنے دور دراز کے فاصلے پر کیا آویں گے۔ لیکن کسی غیبی طاقت نے ان کے دلوں میں یہ خوف پیدا کر دیا کہ مسلمان ضرور کمزور اور بیکس بنو خزاعہ کا انتقام لینے کیلئے مکہ پر یورش کرینگے چنانچہ انہوں نے تجدید عہد کیلئے ابو سفیان کو مدینہ میں شاہ مدینہ حضرت محمدؐ کی خدمت میں بھیجا! اہل مکہ کو اطمینان تھا کہ مسلمان ابو سفیان کے جاتے ہی صلحنامہ کی تجدید کر لیں گے اور آنیوالا خطرہ مٹ جائیگا۔ لیکن جب ابو سفیان ناکام آیا تو قریش اور بنو بکر کو بڑا فکر لاحق ہوا۔ انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اب قریش کے زوال کا وقت قریب آگیا۔ فوراً انہوں نے نقیب وسفیر اطراف ملک میں دوڑا دیئے۔

ہر خاندان اور قبیلے سے امداد و استعانت کی التجا کی گئی۔ چند ہی روز میں بادیہ نشین عرب دشمنوں کے دستے آنے شروع ہو گئے۔ امرائے قریش اور سرداران مکہ نے بڑی گرم جوشی سے مدافعت کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اگرچہ ابھی مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع نہ آئی تھی۔ مگر اہل مکہ پر اس قدر خوف غالب آگیا تھا۔ کہ وہ رات کو خواب میں ڈر ڈر کر اٹھ بیٹھتے تھے۔ ایک وقت تھا۔ جب کہ کفار مسلمانوں کو ڈرایا کرتے تھے۔ آج وہ وقت آگیا تھا۔ کہ وہ ڈر رہے تھے۔

اکثر و بیشتر سرداران قریش مکہ سے نکل کر دور تک دیکھ آتے تھے۔ کہ اسلامی لشکر کی آمد کا کوئی نشان نظر تو نہیں آتا۔ اگرچہ انہوں نے اپنے جاسوس بھی مسلمانوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کیلئے مقرر کر رکھے تھے۔ اور وہ لوگ مکہ سے دور پہنچے ہوئے تھے۔ مگر مکہ والوں کو انکے اوپر اطمینان نہیں تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں وہ بھی مسلمانوں سے ساز باز نہ کرلیں

اس لیئے خود بھی خیال رکھتے تھے۔ ایک روز جب دن چھپ گیا۔ تو ابوسفیان اور حکیم بن حزام گھوڑوں پر سوار ہو کر مکہ کی گلیوں کو طے کرنے لگے۔ جب وہ بیت الحرام کے قریب پہنچے تو انہوں نے لوگوں کو کھڑے ہوئے کچھ سرگوشی کے لہجہ میں باتیں کرتے دیکھا یہ دونوں ان کے قریب پہنچے۔ ابوسفیان نے دریافت کیا۔ تم آہستہ آہستہ کیا باتیں کر رہے ہو۔

ایک اعرابی نے کہا یا سیدی میں ابھی مرالظہران سے آرہا ہوں۔ وہاں ایک لشکر اترا ہوا ہے۔ بڑا عظیم الشان لشکر ہے۔ شاید بنو خزاعہ اپنے حلیف قبائل کو جمع کرکے چڑھا لائے ہیں۔ میں ان سے لشکر کا تذکرہ کر رہا تھا۔

ابوسفیان نے کہا۔ بنو خزاعہ عظیم الشان لشکر نہیں لاسکتے۔ کہیں مسلمان تو نہیں چڑھ آئے۔

اعرابی نے کہا۔ ممکن ہے میں اطلاع کرنے دوڑا چلا آیا۔ اگر مجھے خیال ہوتا تو تحقیق کرکے آتا۔

ابوسفیان نے کہا۔ اچھا تم عکرمہ بن ابوجہل۔ صفوان بن اُمیہ اور سہیل بن عمرو

اس کی اطلاع کر دو! میں اور حکیم خبر لینے جاتے ہیں۔

اعرابی آگے بڑھ گیا۔ ابوسفیان اور حکیم وہاں سے چلے اور مکہ سے باہر نکل کر مرا النظہران کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ ریگ زار پر چاندنی کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے خوش گوار جھونکے چل رہے تھے۔

نہایت کیف انگیں سماں تھا۔ دونوں نہایت تیزی سے گھوڑے دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ مرالنظہران مکہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ دونوں تقریباً ایک گھنٹہ میں اس مقام کے قریب پہنچ گئے۔

انہوں نے دور سے سینکڑوں جگہ آگ روشن دیکھی۔ آگ کی روشنی میں خیمے چھولداریاں اور آدمی نظر آئے۔ انھیں دور سے حد نگاہ تک آگ روشن نظر آئی۔

ابوسفیان نے حکیم سے کہا۔ حکیم واقعی عظیم الشان لشکر ہے۔ ایسا عظیم الشان کہ اس کا ایک کنارہ جو ہماری طرف ہے۔ نظر آ رہا ہے۔ مگر دوسرا کنارہ نظر نہیں آتا۔ دیکھئے تو کتنی دور تک آگ روشن ہو رہی ہے۔

حکیم نے کہا۔ دیکھو تو افق میں ڈوبی ہوئی آگ نظر آ رہی ہے۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ یہ لشکر مسلمانوں کا ہے۔ بنو خزاعہ اتنا بڑا لشکر نہیں لا سکتے تھے۔ آؤ جلدی واپس چلو اور مدافعت کی تیاریاں شروع کر دو۔

ابوسفیان نے کہا۔ ٹھہرو! پہلے تحقیق کر لو کہ لشکر کس کا ہے۔ کس قدر ہے۔ ہمارے جاسوس کم بخت نہ معلوم کہاں مر گئے۔

حکیم نے کہا۔ شاید وہ مسلمانوں سے مل گئے۔ ابوسفیان اس قدر لشکر دیکھ کر مجبہ پر ہول سا طاری ہو گیا ہے۔ یہ لشکر مسلمانوں کا ہو یا بنو خزاعہ کا مکہ والوں کو کچل کر ڈال دے گا۔

ابوسفیان نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے اب مکہ کی تاراجی اور قریش کے زوال میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ اگر یہ لشکر مسلمانوں کا ہے۔ تو وہ تمام عرب کو فتح کرنے کے لئے کافی ہے۔۔ ۔ ۔ آہ کیوں ہم نے بنو خزاعہ پر شبخون مارا یہ ہماری اپنی غلطی کا خمیازہ ہے۔

حکیم کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کہ آواز آئی۔ ابوسفیان ! ۔ ۔ ۔

ابوسفیان اور حکیم دونوں چونک اٹھے دونوں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ انھیں داہنے ہاتھ والے ریت کے ٹیلہ سے ایک خچر سوار نکلکر ان کی طرف بڑھتا نظر آیا

دونوں حیرت وخوف بھری نظروں سے اُسے دیکھنے لگے۔ جب سوار قریب آگیا تو دونوں نے پہچانا۔ وہ عباس تھے۔ ابوسفیان نے خوش ہو کر کہا ! عباس رضؓ! تم کہاں؟ تم مدینہ روانہ ہوگئے تھے۔

حضرت عباس رضؓ ان دونوں کے قریب آکھڑے ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔ ہاں! میں چلا گیا تھا۔ مگر راستہ ہی سے واپس آنا پڑا۔ ابوسفیان میں آج تم کو تلاش کرنے کے لئے نکلا تھا۔ سُنو خطرہ قریب آگیا ہے۔ اور مفر کی کوئی صورت نہیں دو ہی باتیں ہیں یا تو تم مسلمان ہو جاؤ اور عزت کی زندگی بسر کرو۔ کافر رہو اور غلام بن کر جیو۔

ابوسفیان نے کہا۔ عباس رضؓ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ لشکر کس کا ہے؟

حضرت عباس رضؓ نے فرمایا۔ مسلمانوں کا۔ دین و دنیا کے بادشاہ حضرت محمد مصطفےٰ

لہ حضرت عباس معہ اپنے اہل وعیال کے مکہ سے مدینہ کیطرف روانہ ہوئے تھے۔ تمام مکہ والوں کو اس کا علم تھا۔ جس وقت حضرت عباس مقام جحفہ میں پہنچے تو آنحضرت معہ لشکر اسلام کیلئے اُن کے اہل وعیال کو تو مدینہ روانہ کر دیا اور انھیں اپنے ہمراہ لے لیا۔ (صادق۔ صدیقی)

اس لشکر کے سردار ہیں۔

ابوسفیان اور حکیم دونوں کے چہرے یہ بات سن کر زرد اور بھیانک پڑ گئے دونوں کے بدن کانپنے لگے ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مسلمان ایسا عظیم الشان لشکر لے کر اتنے دور دراز فاصلے پر چڑھ آویں گے۔

حضرت عباس نے پھر کہا۔ ابوسفیان وقت کم ہے میں چھپکر تم کو اطلاع کرنے آیا ہوں۔ اب مسلمان ہونے ہی میں عافیت ہے"! ابوسفیان نے کہا۔ میں تیار ہوں۔ مگر کیا رسولؐ خدا میرا قصور معاف کر دیں گے۔

حضرت عباسؓ۔ وہ ایسے کریم الاخلاق اور پیکر رحم وکرم ہیں کہ دشمن سے دشمن کا بھی قصور معاف کر دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تمہارا قصور بھی معاف کر دیں گے۔

ابوسفیان۔ کیا تم مجھے اپنی حفاظت میں لینے کے لئے تیار ہوں۔

عباس۔ ہاں! میں تم کو اپنی حفاظت میں لینے کے لئے تیار ہوں

ابوسفیان۔ تمہاری اس بے پایاں عنایت کا شکریہ۔ ۔ ۔ حکیم! تم مکہ واپس جاؤ اور اس شاندار لشکر کی آمد کی سرداران قریش کو اطلاع کر دو اور کہدو کہ عافیت اسی میں ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ حکیم واپس چلا گیا۔ ابوسفیان حضرت عباسؓ کے ہمراہ لشکر کی طرف بڑھے۔ یہ لشکر واقعی مسلمانوں کا تھا۔ دور تک خیمہ زن تھا آنحضورؐ کے حکم سے تمام لشکر میں آگ روشن کیجا رہی تھی۔ مسلمان نہایت اطمینان سے آگ کے سامنے بیٹھے کھانا تیار کر رہے تھے۔

لشکر اسلام میں یہ قاعدہ مقرر ہو گیا تھا۔ آنحضور صلعم نے یہ جنگی قانون وضع کر دیا تھا۔ رات کو لشکر کی حفاظت کے لئے ایک دستہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ دستہ رات بھر لشکر کے گرد گشت لگاتا رہتا تھا۔ یہ طلایہ گرد دستہ کہلاتا ہے۔

آج حضرت عمرؓ فاروق کی قیادت میں طلایہ گرد دستہ گشت لگا رہا تھا۔

جب ابوسفیان اور حضرت عباسؓ لشکر کے قریب پہنچے تو اتفاق سے طلایہ گرد دستہ اس طرف سے گذر رہا تھا۔ اس دستہ کو دیکھ کر یہ دونوں ٹھٹھک گئے جب دستہ آگے نکل گیا تو دونوں بڑھے ابھی وہ لشکر میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک رعب دار آواز آئی! کون! ابوسفیان۔ خدا اور خدا کے رسول کا دشمن! دونوں نے گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ اس طرف سے حضرت عمرؓ لمبے لمبے قدم بھرتے انکی طرف آرہے تھے جب وہ قریب آئے تو حضرت عباسؓ نے فرمایا! یا عمرؓ اس وقت ابوسفیان میری حفاظت میں ہے۔ حضرت عمرؓ کے کڑے تیور دیکھ کر حضرت عباسؓ کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ کہ کہیں وہ آتے ہی ابوسفیان کا خاتمہ ہی نہ کر دیں۔

حضرت عمرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی تھی۔ اگر حضرت عباسؓ یہ نہ کہیں کہ وہ انکی حفاظت میں ہے تو اب تک ابوسفیان کا سر تن سے جدا ہو گیا ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مگر تم نے اس دشمن اسلام کو اپنی حفاظت میں لیا ہی کیوں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا یہ بات میں رسول خدا سے عرض کر دوں گا۔

ابوسفیان خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا۔ اپنی موت اسے سر پر کھڑی نظر آرہی تھی۔ وہ حضرت عمرؓ سے اچھی طرح واقف تھا۔ ان کی تند مزاجی اور غصہ سے ڈرتا تھا۔ ہر لمحہ اسے اپنی موت کا یقین ہوتا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنا سر جھکا لیا وہ کچھ سوچنے لگے۔ اس عرصہ میں ابوسفیان موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ دفعتاً حضرت عمرؓ نے سر اٹھایا اور کہا اچھا رسول خدا کے حضور میں لے چلو! یہ سن کر ابوسفیان کی جان میں جان آئی۔ حضرت عباسؓ چلے اور ان کے ساتھ ساتھ ابوسفیان بھی چلا۔ حضرت عمرؓ بھی پیدل ہی پیچھے چلے لشکر میں داخل ہو کر جب ابوسفیان نے چاروں طرف نظر کی تو اسے مسلمانوں کا ٹڈی دل لشکر نظر آیا۔ ہر مسلمان بڑی بے فکری سے آگ کے سامنے بیٹھا ہوا خود کھانا

پکا رہا تھا۔ جو کھانا نہ پکا رہے تھے۔ وہ ہتھیار صیقل کر رہے تھے۔ کچھ لوگ جگہ جگہ کمبلوں کے فرش پر بیٹھے قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔

غرضیکہ ہر مسلمان کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا تھا نہ کوئی بیکار بیٹھا تھا اور نہ کوئی فضولیات میں مشغول تھا۔ ابوسفیان پر مسلمانوں کی سادہ معاشرت اور بے خوفی کا بڑا اثر ہوا۔ وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ آنحضور کے خیمہ پر پہنچا۔ حضورؐ کا خیمہ لشکر کے وسط میں تھا۔ آپکے خیمہ پر اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ اور آپ شاہانہ وقار کے ساتھ کمبل کے فرش پر بیٹھے تھے۔ آپکے گرد آپکے جان نثار اصحابہ اکرام کا ٹھٹ تھا۔ حضرت عباسؓ اور ابوسفیان مرکبوں سے اُترے اور آنحضورؐ کے سامنے پہنچے۔

ابوسفیان نے نہایت ادب سے جھک کر حضورؐ کو سلام کیا آج پہلا موقعہ تھا کہ کفر اسلام کے آگے جھکا ایک ایسا کافر جو اسلام اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا۔ خدا اور خدا کے رسولؐ کا نام سُننا بھی گوارا نہ کرتا تھا حضورؐ کے سلام کے لیئے جُھک گیا۔ آپ نے مسکرا کر دریافت کیا۔ ابوسفیان کس لیئے آئے ہو۔

ابوسفیان نے ندامت سے نظریں جھکا کر کہا مسلمان ہونے کے لیئے۔

حضور نے فرمایا! کیا موت سے ڈر کر؟ ابوسفیان نے کہا نہیں اپنی خوشی سے

اسی عرصہ میں حضرت عمرؓ بھی آگئے آپ نے آتے ہی فرمایا۔ یا رسول اللہ یہ کافر بلاشرط آج قابو میں آگیا ہے۔ حکم دیجئے! بس اسکے وجود سے دنیا کو پاک کر دوں!

حضورؐ نے فرمایا! یہ مسلمان ہونا چاہتا ہے!

حضرت عمرؓ نے آہستہ سے کہا۔ جب تو مجبوری ہے! اب حضرت عباسؓ اور ابوسفیان دونوں بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ طلایہ گردی کیلئے چلے۔ حضورؐ نے ابوسفیان سے کہا ابوسفیان میرے دل سے یہ بات نہیں نکلتی کہ تم موت سے ڈر کر مسلمان نہیں ہوتے

میرا خیال ہے کہ تم مسلمانوں کا لشکر جرار دیکھ کر ڈر گئے ہو اور ڈر کر مسلمان بنتے ہو۔ سُنو! ہم کسی کو ڈرا کر یا لالچ دے کر مسلمان نہیں کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔

ترجمہ (یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے۔ روشنی تاریکی سے علیحدہ ہو گئی ہے)

اب اُس پر افسوس ہے جو روشنی کے ہوتے ہوئے اندھیرے کو پسند کرے اگر تم مسلمان ہونے کیلئے میرے پاس آئے ہو۔ مگر میں تم کو ایک شب کی مہلت دیتا ہوں۔ تم اطمینان سے عباس رضؓ کے پاس رہو اگر تم مسلمان نہ ہو گے۔ تب بھی تم کو قتل نہ کیا جائیگا۔ بلکہ آزاد کر دیا جائیگا۔ جہاں جی چاہے چلے جانا اور اگر مسلمان ہونا چاہو گے تو صبح کو مسلمان کر لیا جائیگا۔ اور پھر تم تمام مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ گے۔

ابوسفیان نے کہا۔ جیسے حضورؐ کی مرضی۔

آنحضورؐ نے حضرت عباس رضؓ سے کہا! یا عم! تم ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ یہ اپنی قوم کا سردار ہے اُسکے شایان شان اسکی مدارات کرو! صبح اس سے دریافت کرنا کہ یہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ یا نہیں اگر یہ مسلمان ہونا نہ چاہئے تو اُسے لشکر سے باہر نکال کر چھوڑ دو۔ اور اگر مسلمان ہونا چاہے تو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت عباس رضؓ نے سر اطاعت خم کیا۔ اور ابوسفیان کو ساتھ لیکر چلے اور اپنے خیمہ پر پہنچکر اُس کے لئے بستر بچھا دیا۔ وہ پڑ گیا اور رات بھر سوچتا رہا کہ کیا آبائی مذہب چھوڑ دوں۔ کیا ان دیکھے خدا کا پرستار بن جاؤ۔ اُس نے سوچا کہ اسلام اگر اچھا مذہب نہ ہوتا تو وہ عرب جو بتوں کی بڑے شد و مد سے عبادت کرتے تھے۔ بتوں کی توہین برداشت نہ کر سکتے تھے۔ کیوں مسلمان ہو جاتے۔ کیوں اب بتوں کی مذمت کرتے

تمام بڑے بڑے لوگ مکہ اور مدینہ کے مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ چھوٹے لوگوں نے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام کیا ہے؟ صرف ایک خدا کی پرستش

کرنا۔ کسی کو اسکی خدائی میں شریک نہ کرنا۔ تمام برے کاموں کو چھوڑ دینا۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ در اصل آجتک میری آنکھوں پر کفر و ضلالت پر پردہ پڑا رہا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برابر کوشش کرتا رہا۔ یہ کس قدر میرا احمقانہ فعل تھا۔ بس تو مجھے مسلمان ہی ہونا چاہیے۔ ابوسفیان نے یہ بات دل میں طے کر کے آرام کیا۔ صبح جب وہ بیدار ہوا۔ تو اذان ہو رہی تھی۔ حضرت بلال رض نہایت بلند آواز سے اذان دے رہے تھے۔ وہ خوش آواز تھے تمام لشکر گاہ انکی خوش الحانی سے بھر گیا۔

ابوسفیان اٹھا۔ خیمہ سے باہر آیا۔ صبح کا سہانا سماں تھا۔ شرقی جانب سے روشنی بتدریج بڑھتی چلی آرہی تھی۔ اجالا ہوتا جاتا تھا۔ ستارے پھیکے پڑتے پڑتے بالکل بے نور پڑ گئے تھے۔ آسمان پر سفید چادر تننے لگی تھی۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے ریگ زار کا ذرہ ذرہ وجد کی حالت میں تھا۔ کھجوروں کے درخت فخر و غرور سے تنے کھڑے تھے۔ انکی لمبی لمبی شاخیں اٹھکیلیاں کر رہی تھیں اور طیور چہچہا رہے تھے۔ مسلمان ضروریات سے فراغت کر کے وضو کر رہے تھے۔ اور لشکر گاہ سے باہر کھلے ہوئے میدان میں جمع ہوتے جاتے تھے۔

تھوڑی دیر میں آنحضور ص اس میدان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے مسلمانوں کی صفیں مرتب کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان جلدی جلدی صف بہ صف کھڑے ہو گئے دور تک صفیں بچھ گئیں اور آنحضور ص نے نماز پڑھانا شروع کی۔

ابوسفیان انہیں دیکھتا رہا۔ حیرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس نے آجتک اتنے مسلمانوں کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا دل خدا پرستی کے جذبہ سے لبریز ہو گیا جب نماز ختم ہوئی تو وہ بڑھ کر حضرت عباس رض کے پاس پہنچا اور بولا۔ عباس رض مجھے آنحضور ص کے پاس لے چلو۔ حضرت عباس رض اسے اپنے ہمراہ لے کر آنحضور ص کی خدمت میں پہنچے قبل اسکے کہ آنحضور ص کچھ دریافت کریں ابوسفیان نے کہا۔ اے شہنشاہ عرب و عجم مجھے مسلمان کر لیجئے۔

حضورؐ نے استفسار فرمایا۔ ابوسفیان کیا تم خوشی سے مسلمان ہوتے ہو؟ ابوسفیان نے عرض کیا۔ ہاں حضورؐ خوشی سے مجھے افسوس ہے کہ میں نے کیوں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی اور کیوں اب تک مسلمان نہ ہوگیا۔

حضورؐ نے اُسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اُسکے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں کو حضرت عباسؓ کو۔ خود رسُولِ خدا کو بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اِس نعرہ سے تمام میدان گونج اُٹھا اور خوشی کی بات بھی تھی۔ ابوسفیان امیر الامراء تھے۔ قریش کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ تمام عربستان میں انکی شہرت تھی۔ اہل مکہ ان کا کہنا مانتے تھے۔ جنگ بدر۔ جنگ اُحد اور مدینہ میں انہوں نے سعی تبلیغ کی تھی ایسے شخص کا مسلمان ہونا بڑی تقویت کی بات تھی۔ حضرت عباسؓ نے آنحضورؐ سے کہا یا رسُول اللہ! ابوسفیان ایک ذی جاہ شخص ہے لہٰذا حضور بھی اُسے کوئی خاص عزت عطا فرمادیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ میں بھی سوچ رہا ہوں۔ اچھا تم لشکر اسلام میں اعلان کر دو کہ میں داخلہ کے وقت جو شخص کفار میں سے خانہ کعبہ میں پناہ لے گا۔ اُسے امان دی جائیگی اور جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا۔ اُسے امان دیجائیگی۔ اور جو شخص اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھا رہے گا۔ اسکو پناہ دیجائیگی اور جو شخص بغیر ہتھیار لگائے۔ راستہ میں ملیگا اُسے بھی پناہ دیجائیگی۔ ابوسفیان اپنی اس عزت افزائی سے کمال مسرور ہوا۔ انہوں نے آنحضورؐ صلعم کا شکریہ ادا کیا۔ اب آنحضورؐ نے حکم دیا کہ تمام لشکر مسلح ہو کر مکہ پر یورش کرے۔ مسلمان اُٹھے اور لشکر گاہ میں پہنچکر مسلح ہوگئے خیمے چھولداریاں اور رسد کا سامان اونٹوں پر بار کر دیا گیا۔

چونکہ ابوسفیان مکہ میں جاکر یہ منادی کرنا چاہتے تھے کہ جو شخص انکے گھر میں پناہ لیگا اسے امان دی جائیگی۔ اس لیے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور چل دیئے۔

ابھی وہ وادی کے سرے ہی پہنچے تھے۔ کہ لشکر اسلام کا سیلاب مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر لشکر اسلام کے کوچ کا نظارہ دیکھنے لگے۔ مجاہدین اسلام نہایت شان کے ساتھ بڑی بے فکری کے ساتھ آہستہ آہستہ مکہ کی طرف کوچ کرتے رہے راستہ جس پر لشکر رواں تھا۔ وسیع تھا۔

آٹھ آٹھ آدمیوں کی قطاریں مجاہدین کوچ کر رہے تھے۔ سب سے آگے حضرت خالدؓ بن الولید اسلامی علم ہاتھ میں لیے بڑے فخر کے ساتھ پانچسو آدمیوں کے دستہ کے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کے پیچھے حضرت عمرؓ علم لیے پانچسو مجاہدین کے ساتھ کوچ کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے حضرت علی کرم اور ان کے بعد سعد بن معاذ ان کے بعد حضرت عباسؓ پانچسو آدمیوں کے دستوں کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔

ہر سردار کے پاس علم تھا۔ دور تک فضا میں علم لہراتے بڑی شان سے چلے جا رہے تھے۔ درمیان میں آنحضورؐ تھے۔ آپکے برابر میں حضرت بلالؓ حبشی غلام جو مسلمان ہو کر آزاد ہو گئے تھے۔ ایک بڑا علم ہاتھ میں لیئے گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے حضورؐ کے پیچھے حضرت زیدؓ بن حارثؓ۔ ابو جندلؓ۔ ابو عبیدہ بن الجراح اور دوسرے مہاجرین والنصار کی سپہ سالاری میں لشکر کوچ کر رہا تھا۔

ہر سردار کے ہاتھ میں علم تھا۔ کھلے ہوئے میدان میں دور تک علموں کے پھریرے ہوا میں لہراتے نظر آ رہے تھے۔ لشکر اسلام بجنسہ پانی کے سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا۔ اور راستہ ناہموار اور اونچا نیچا ہونیکی وجہ سے موجیں لیتا معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ لشکر دس ہزار تھا۔ اس لیئے اتنا لمبا ہو گیا تھا۔ کہ اسکے دونوں سرے افق میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔

ابوسفیانؓ اسلامی لشکر کے کوچ کا یہ شاندار منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے بجز بڑے بڑے کے شاندار لشکر دیکھے تھے۔ انہوں نے پر جوش عساکر کا ملاحظہ کیا تھا

وہ خود سپہ سالار تھے۔ اپنے لشکر کو کوچ کرتے دیکھا تھا۔ مگر جس شان جس متانت جس ضبط و اہتمام سے یہ اسلامی لشکر چل رہا تھا۔ اس سے پہلے ایک لشکر کو بھی اس طرح سے کوچ کرتے نہ دیکھا تھا۔

انہوں نے آہستہ سے کہا۔ خدا کی قسم میں نے ایسا شاندار لشکر اس شان و دبدبہ کے ساتھ کوچ کرتے کوئی نہیں دیکھا۔ بے شک یہ لشکر مکہ کو فتح کرے گا۔ تمام عرب ستان پر قابض ہو جائے گا۔ اور آنحضورؐ کی یہ پیشین گوئی کہ فارس اور ملک شام و یمن کی کنجیاں حضورؐ اکرم کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں ملک مسخر ہو کر اسلامی قلمرو میں داخل ہو جائیں گے۔ پوری ہو کر رہے گی۔

ابوسفیانؓ ٹیلہ سے نیچے اترے اور ایک نزدیکی پگڈنڈی پر تیزی سے چل پڑے یہ راستہ قریب کا تھا۔ وہ بہت جلد مکہ میں داخل ہو گئے۔ مکہ والے مشوش و متفکر تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا۔ وہ دوڑ کر ان کے پاس آئے پوچھا کیا واقعی مسلمان چڑھ آئے حکیم کہتا ہے کہ بے شمار لشکر لائے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا سچ ہے مسلمان ایسا عظیم داستان اور شاندار لشکر لائے ہیں نیز اس لشکر میں ایسے ایسے بہادر ہیں کہ وہ ایک ہی حملہ میں مکہ کو فتح کر لیں گے۔ اور لڑنے والوں کو کھیرے ککھڑی کی طرح کاٹ کاٹ کر ڈال دیں گے میرے خیال میں لڑنا فضول ہے مسلمانوں کی اطاعت کرنے میں ہی فلاح ہے۔ لوگوں نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔ واہیات کیا تم مسلمانوں سے مل گئے ہو کیا تم کو انہوں نے رشوت دی ہے۔ اور اس لئے تم مسلمانوں کی ہیبت ہم پر بٹھانا چاہتے ہو۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ زندگی کے آخری سانس تک لڑیں گے۔ ہمارے جیتے جی مسلمان مکہ میں داخل نہ ہو سکیں گے

ابوسفیانؓ نے جلدی سے کہا۔ بس تو تمہاری زندگیوں کا خاتمہ قریب ہے کوئی شبہ نہیں کہ تم۔ تمہاری اولاد۔ تمہاری بیویاں سب قتل کر ڈالے جائیں گے۔ اسلامی لشکر کے سیلاب

کو روکنا۔ مکہ والوں کی طاقت سے باہر ہے۔

ایک شخص نے کہا۔ مگر ہم قسمت آزمائی کے لیئے تیار ہو گئے ہیں۔ دیکھو ہمارا شاندار لشکر مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لیئے عکرمہ۔ صفوان اور سہیل وغیرہ کی قیادت میں جارہا ہے:

ابوسفیان رضؓ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اُسے لشکر کفار کوچ کرتا ہوا نظر آیا۔ اس نے کہا یہ غلطی ہے۔ بڑی زبردست غلطی اس سے قوم تباہ ہو جائے گی۔ خاندان مٹ جائینگے اور قریش تباہ ہو جائیں گے۔

ایک اعرابی نے کہا۔ تم فکر نہ کرو۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ مسلمانوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا۔ اچھا تم نہیں مانتے تو سنو مسلمانوں کے سالار اعظم شہنشاہ عرب حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا یہ فرمان ہے۔ کہ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے گا۔ جو شخص میرے مکان میں جا چھپے گا۔ جو شخص اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھا رہے گا۔ جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راستہ میں ملیگا۔ اُسے امن دیا جائیگا۔

چند لوگوں نے ہنس کر کہا۔ اطمینان رکھو ہمیں امان مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ اُسکے باوجود ابوسفیان رضؓ نے تمام مکہ میں منادی کرادی۔

کفار کا لشکر مکہ کے راستے طے کر کے باہر نکل رہا تھا۔ عکرمہ۔ صفوان اور سہیل اس لشکر کے سردار تھے۔ مکہ سے نکل کر یہ لشکر موضع حجدیہ میں پہنچا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے صف بستہ ہو گیا۔

سامنے سے لشکر اسلام آتا ہوا نظر آیا۔ سب سے آگے حضرت خالد رضؓ ہاتھ میں علم لیے جوش شجاعت سے جھومتے ہوئے بڑھے چلے آرہے تھے۔

حضرت خالدؓ بڑے بہادر تھے۔ آج تک بیسیوں لڑائیاں کفار کی جانب سے شریک ہو کر لڑ چکے تھے۔ وہ کفار کا لشکر سرراہ دیکھتے ہی رُکے اور اپنے دستہ کو

صف بستہ کرنے لگے۔

انہوں نے بہت جلد صفوں کو ترتیب دے کر تین مرتبہ اللّٰہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ساتھ ہی نہایت دلیری اور بڑے جوش و خروش سے حملہ کر دیا! ان کا دستہ شیروں کی طرح کفار پر ٹوٹ پڑا۔

کفار پہلے ہی سے اس بات کے خواہش مند تھے لہٰذا انہوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں اور بڑے جوش و غضب سے لڑنے لگے۔ جنگ شروع ہو گئی تلواریں اٹھ اٹھ کر آفتاب کی شعاعوں میں چمکنے اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے لگیں۔ ہر دو لشکروں کا تصادم ہوتے ہی خاموش فضا میں شور و غل سے ایک تلاطم سا برپا ہونے لگا۔ قومی نعروں کی آواز اور جانبازوں کی للکار و پکار سے تمام میدان گونج اٹھا۔

کفار نہایت جوش و خروش اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ عکرمہ صفوان اور سہیل انہیں جوش دلا رہے تھے۔ ان کے حملہ کے آثار و اطوار کہہ رہے تھے۔ کہ وہ تمام لشکر اسلام کو شکست دینے کا عزم کر چکے ہیں۔ مگر مسلمان کچھ اس بے باکی سے مصروف پیکار و جدل ہو رہے تھے۔ کہ کفار کا جوش ان کے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتا تھا۔

مسلمان سر جھکائے، ڈاڑھی دانتوں میں دبائے بڑی بے جگری اور پوری قوت سے لڑ رہا تھا۔ ہر مجاہد کی تلوار خونخوار بنی ہوئی تھی جس کافر کے سر پر پڑتی تھی۔ اس کے سر کے دو ٹکڑے کر کے حلق تک اتر جاتی۔ اور پھر یا تو ایک خوفناک چیخ کی آواز سنائی دیتی۔ یا خرخراہٹ کی ہولناک آواز بلند ہوتی۔

میدان جنگ نہایت ہولناک ہو گیا تھا۔ دور تک صفیں پھیل گئی تھیں۔ اور چونکہ جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی تھی۔ مسلمان کفار میں اور کفار مسلمانوں میں گھس گئے تھے۔ اس لئے کوئی نظام کوئی ضابطہ وغیرہ قائم نہ رہ سکا تھا۔

گویا ہر شخص اپنے مقابل سے الجھا ہوا تھا۔ جنگ بڑے زور شور سے ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر کی روانگی میں رکاوٹ ہوگئی تھی - اور راستہ بند ہو گیا تھا۔ اگرچہ تمام مجاہدین اسلام لڑنے کے لئے بے قرار ہو رہے تھے - اور نہایت اضطراب سے حملے کا حکم ملنے کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن نہ اسقدر میدان تھا جس میں تمام لشکر صف بستہ ہو سکتا۔ نہ اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ کفار کا لشکر زیادہ سے زیادہ ۶ ہزار تھا۔ اور اتنے لشکر کے لئے سارے اسلامی لشکر کا جنگ میں نبرد آزما ہونا عبث تھا۔

اس وجہ سے حضرت خالدؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علی المرتضیٰ پانچ پانچ سو دستوں کے ساتھ مصروف پیکار تھے۔ گویا چھ ہزار کفار کے مقابلہ میں صرف ڈیڑھ ہزار مسلمان مناسب سمجھے گئے۔ اور وہی جنگ کر رہے تھے۔

دونوں فریق بڑی بہادری اور بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ ہر مسلم سردار علم ہاتھ میں لیے بڑی جرات و دلیری سے لڑ رہا تھا۔ حضرت خالدؓ اس بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ کہ ان کو اپنے تن بدن کا ہوش تک نہ تھا۔ گویا جو ان کے سامنے آجاتا اس کے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔

جن پر وہ جھپٹ کر حملہ کرتے اسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتے۔ ان کی خون آشام تلوار کفار کے پرخچے اڑا رہی تھی۔ وہ اپنے مرکب تازی کے مہمیز لگا کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

وہ جس صف پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اسے درہم برہم کیے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ کفار ان کا جوش - ان کی دلیری اور اسلوب جنگ دیکھ دیکھ کر ان سے خوفزدہ اور متوحش ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی کمال جانبازی اور شدید ترین شجاعت سے سر فروشانہ حملے کر رہے تھے الغرض جنگ نہایت زور و شور سے رواں تھی۔ کفار مسلمانوں کو منہزم و پسپا کرنے کی فکر میں

تھے۔ اور مسلمان کفار کو شکست دینے کے خیال میں سر جھکائے مصروف جنگ ہو رہے تھے

حضرت عمر رضہ جس طرف نکل جاتے تھے۔ جس پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اور جس گروہ پر تلوارے کر ٹوٹتے تھے۔ کشتوں کے پشتے لگاتے چلے جاتے تھے۔

وہ قتل کرنے میں ایسے حریص ہو گئے تھے۔ کہ سارے لشکر کفار کو خود ہی قتل کرنا چاہتے تھے۔ جس مسلمان کو آپ نرغے میں دیکھتے دور ہی سے ڈپٹ کر جا پہنچے۔ کفار کو قتل کرتے اور مسلمان کو نرغہ اعداء سے بچا لیتے:۔

کفار پران کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ وہ حضرت عمر رضہ سے ایسے ڈرنے لگے تھے کہ پہلو تہی کرنے لگ گئے تھے۔ بزا انھیں شمشیر بکف دیکھ کر ان کے سامنے سے کترا جاتے تھے۔ لیکن وہ ایک ایک کافر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر واصل جہنم کر رہے تھے۔ انھیں اپنے سر دپا تک کا ہوش نہ تھا۔ بائیں ہاتھ میں علم لئے اور داہنے ہاتھ کسے قتل کرتے پھر رہے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ بھی اس شان سے مصروف جدال و قتال تھے۔ کہ کفار گویا سب سے زیادہ آپ ہی سے ڈر رہے تھے۔ آپکی شمشیر خارا شگاف جس شخص کے سر پر پڑتی تھی۔ سینہ تک اترتی چلی جاتی تھی۔ اور جس کے شانہ پر پڑتی سر کو گھگھڑی کی طرح سے کاٹ کر دوسری طرف نکل جاتی۔

آپ گھوڑے کو کودا کر جس گروہ پر ٹوٹتے تھے۔ آپ بھی کشتوں کے انبار لگا دیئے تھے۔ بڑے بڑے سرکش اور مدمغ و بہادر کافروں کو قتل کر کے موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔

آپ عکرمہ یا صفوان میں سے ایک کو یا اگر موقعہ ملے تو دونوں کو قتل کرنے کی فکر میں تھے۔ اس لئے بڑے جوش اور بڑی قوت سے حملے کر رہے تھے۔ کفار کو مارتے کاٹتے ان دونوں سرداروں کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔

اس لشکر کے ساتھ کچھ ایسے لڑکے بھی آئے تھے۔ جنکی عمریں سولہ سولہ سترہ سترہ

سال کی تھیں ۔ جوشِ شجاعت اور شوقِ شہادت انھیں ان کے گھروں سے نکال لایا تھا

انہوں نے آنحضور صلعم سے جنگ کی اجازت لی۔ آپ نے جنگ کی اجازت دی وہ گھوڑے دوڑاتے آئے ۔ اور کفار پر اس طرح سے ٹوٹ پڑے ۔ جس طرح سے بھیڑوں کے گلے پر بھیڑیے ٹوٹ پڑتے ہیں ۔

انہوں نے کفار کے میسرہ پر حملہ کر دیا ۔ اس بے جگری اور ایسے جوش سے حملہ کیا کہ باوجود کفار کی مدافعت اور مزاحمت کے مشرکین کو قتل کر کے انھیں پیچھے دھکیلتے چلے گئے ۔

ان لڑکوں نے اپنے کئی دستے بنا لیئے اور ہر دستہ کمال دلیری اور بڑی بہادری سے لڑنے لگا ۔ وہ بے دھڑک کفار کی صفوں میں گھس گئے ۔ اور اپنی چھوٹی چھوٹی خون آشام تلواروں سے بڑے بڑے بہادر کافروں کو قتل کر کر کے فرشِ زمین پر گراتے چلے گئے ۔

ان ہونہار مگر کم عمر والے بچوں کی جنگ نے کفار کو کمال متحیر کر دیا ۔ ان کے فہم و ادراک میں نہ آیا ۔ کہ کس چیز نے انھیں اس قدر جوشیلا کر دیا ہے اور کیوں وہ اس قدر بے باکانہ انداز سے مصروف پیکار ہیں ۔

جب کفار کی حیرت دور ہوئی تو انھوں نے طیش میں آ کر لڑکوں پر بڑے جوش سے یورش کر دی اور ان کو اپنے نرغہ میں لے کر ان پر تلواروں کا مینہ برسا دیا ۔

لڑکوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور نہایت جوش و خروش سے چاروں طرف حملے شروع کر دیئے ۔ بڑی بے خوفی اور بڑی بے جگری سے لڑنے لگے ۔ ان کے معصوم چہروں سے جوش و غضب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے ۔ وہ کمال دلیری سے لڑ رہے تھے ۔ انہوں نے بہت جلد حملہ آوروں کو یا تو مار مار کر بچھا دیا یا انھیں بھاگنے پر مجبور کیا ۔

جب کہ لڑکوں نے اپنے گرد سے مشرکین کو ہٹا دیا اور انہوں نے مل کر ایک پُرجوش

حملہ کیا۔ اس وقت انہوں نے لشکر کفار میں ایک شورِ عظیم سُنا۔ یہ شور قلب لشکر میں ہوا تھا۔

وہ حیرت سے اس طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ قلب لشکر پر حضرت خالد رضؓ نے حملہ کیا تھا۔ کفار ان کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ میمنہ میں حضرت علی کرم اور حضرت عمر رضؓ تھے۔

ان دونوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا۔ کفار گویا ان کے حملے کا انتظام ہی کر رہے تھے۔ اور حملہ ہوتے ہی فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب میسرہ رہ گیا۔ لڑکوں نے میسرہ پر پرجوش حملہ کر دیا۔

چونکہ مشرکین کا قلب اور میمنہ شکست کھاکر بھاگ گئے تھے۔ اب میسرہ فرار ہو گیا۔ مسلمانوں نے کچھ دُور تک ان کا تعاقب کیا۔ جب وہ دور نکل گئے۔ تو مسلمان واپس لوٹے اور اپنی ترتیب قائم کر کے مکہ کی طرف بڑھے۔

کفار کا ہزیمت خوردہ لشکر کچھ مسلمانوں کے خوف اور کچھ شکست کی ندامت کی وجہ سے مکہ نہ گیا۔ بلکہ جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ نکلا۔

لشکر اسلام نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ روانہ ہو کر مکہ کے سامنے پہنچا اور رُک گیا۔ آنحضور صلعم نے حضرت خالد رضؓ سے کہلا دیا کہ تاوقتیکہ اشد ضرورت لاحق نہ ہو۔ مکہ کے اندر خون ریزی نہ کی جائے۔

بات یہ تھی کہ مکہ میں بیت الحرام تھا۔ بیت الحرام میں جنگ کرنا مناسب نہ تھی۔ آنحضورؐ کی یہ دلی خواہش تھی۔ کہ خانہ کعبہ میں جو خدا کا گھر کہلاتا ہے۔ خون نہ بہایا جائے۔ اس لیے حضورِ اکرمؐ نے حضرت خالد رضؓ اور تمام مسلمانوں کو بغیر اشد ضرورت کے لڑائی سے منع کر دیا۔

مسلمانوں کا خیال تھا۔ کہ مشرکینِ مکہ۔ مکہ کے سامنے ضرور لڑیں گے۔ اس لیے لشکر

اسلام مکہ کے سامنے آکر رُک گیا تھا۔ لیکن دیر تک انتظار کرنے پر بھی جب مقابلہ کیلئے نہ آیا۔ تو حضرت خالد نے اپنے دستہ کو بڑھایا:۔

آپ نے حکم دیا۔ کہ تمام لشکر برہنہ شمشیریں ہاتھ میں لیکر مکہ میں داخل ہو۔ تاکہ کفار پر مسلمانوں کا رُعب بیٹھ جائے:۔

چنانچہ حضرت خالدؓ کے حسب ہدایات ان کے دستہ نے تلواریں علم کیں اور مکہ میں داخل ہوئے:۔

مکہ میں داخل ہونے پر انہوں نے دیکھا۔ کہ تمام راستے اور گلیاں سنسان پڑی ہیں۔ انسان تو انسان چڑیا تک کا بھی پتہ نہ تھا۔ وہ شان دار طریقہ پر فاتحانہ انداز سے بڑھے۔ اور بیت الحرام کے سامنے جاکر رُکے اور ایک طرف صف بستہ ہو گئے:۔

اب اسلامی لشکر کا ہر دستہ آآکر بیت اللہ شریف کے سامنے والے وسیع میدان میں صفیں باندھ باندھ کر کھڑا ہوتا چلا گیا"!۔

آنحضور صلعم کی سواری شاہانہ عظمت وجلال کے ساتھ تمام راستوں اور گلیوں سے گذر کر خانہ کعبہ کے سامنے پہنچی۔ اس وقت آنحضرت صلعم کا چہرہ انور جوش مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔

ایک دن وہ تھا جب کہ کفار مکہ نے آپ کو اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کو اس قدر تنگ کیا تھا کہ سب کو ہجرت کرنا پڑی تھی۔ آج وہ دن آیا تھا کہ حضورؐ معہ صحابہ کرام کے شاہانہ عظمت وشوکت کے ساتھ ایک بے نظیر فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔

یہ بات کچھ کم حیرت انگیز اور باعث مسرت نہ تھی۔ آنحضور صلعم نے سواری پر چڑھے ہی چڑھے سات بار خانہ کعبہ کا طواف کیا۔

چونکہ بیت الحرام میں تالا لگا ہوا تھا۔ اس لیئے آنحضور صلعم نے کنجی بردار طلب کیا۔

اور شہر میں منادی کرادی کہ تمام اہل مکہ کو امن دیا گیا۔ کسی سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔

لوگ اس منادی کی آواز کو سن سنکر گھروں سے نکلے اور لشکر اسلام کے پاس آآکر ندامت و شرم سے سر جھکا جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

عثمان بن طلحہ کلید بردار تھا۔ اُس نے آتے ہی آنحضورؐ صلعم کو سلام کیا اور کنجی حضور صلعم کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

یا رسول اللہؐ! اے شاہ عرب اور اے فاتح مکہ۔ مکہ کی فتح مبارک ہو یہ بیت الحرام کنجی حاضر ہے۔ صدیوں سے ہمارا خاندان کنجی برداری کے معزز عہدہ پر ممتاز رہا ہے۔ یقین ہے کہ حضور اکرم بھی مجھے اس مرتبہ پر بدستور قائم رکھ کر میری عزت افزائی فرمائیں گے۔

آنحضورؐ صلعم نے فرمایا۔ بیت الحرام خدا کا گھر ہے۔ خدا کے گھر میں تالے اور کنجی کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ ایام جاہلیت کی ایک بے ہودہ رسم ہے میں اس رسم کو توڑتا ہوں۔ خانہ کعبہ ہر شخص کے لیئے ہر وقت کھلا رہے گا۔

آپ نے کنجی لے کر تالا کھولا اور خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ صرف چند صحابہ آپکے ساتھ گئے اور باقی تمام لشکر باہر کھڑا رہا۔

آپ نے اندر پہنچتے ہی خود بتوں کو گرانا اور توڑنا شروع کر دیا۔ آنحضور صلعم کو اس کام میں مصروف دیکھ کر تمام صحابہ بھی بت شکنی کرنے لگے۔ سارے بت ایک ایک کرکے توڑ ڈالے گئے۔ اور یہ ٹوٹے ہوئے بت باہر پھینک دیئے گئے۔

بت پرست اپنے خداؤں کی ان خداؤں کی جنکی وہ خود اور اُن کے باپ دادا پرستش کرتے چلے آئے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر کمال ملول و غمگین ہوئے ان کا خیال تھا کہ بت ناخوش ہو کر بت شکنوں کو فنا کر دینگے۔ اور کوئی کڑک دار آواز ان

سب کو مار ڈالے گی۔ لیکن جب دیکھا کہ کسی بت شکن کا کان تک بھی گرم نہ ہوا۔ تو وہ کچھ شرمسار ہو گئے۔

جب تمام بت توڑ توڑ کر باہر پھینک دیئے گئے اور خانہ کعبہ بتوں کے وجود سے پاک و صاف ہو گیا تو آنحضورؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور نماز سے فارغ ہو کر آپ باہر آئے۔

اس وقت ہزاروں قریش اور دوسرے قبائل کے مشرکین لشکر اسلام کے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ آپ نے باہر آتے ہی یہ فصیح تقریر فرمائی۔

آنحضورؐ صلعم نے فرمایا! یا معاشر القریش! میں نے تم سے کہا تھا۔ کہ خدا ایک ہے۔ بت خدا نہیں ہیں۔ دختر کشی برا فعل ہے۔ زناہ۔ جوآ۔ شراب خوری اور اور دوسری مذموم رسمیں چھوڑ دو۔ لیکن تم نے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ لیکن ہاں! تم نے مجھے اذیت دی۔

میرے صحابہ کرام کو اس قدر تکلیف دی۔ اذیت پہنچائی اور ان میں سے اکثر و بیشتر جام شہادت نوش کر گئے اور باقی ماندہ ہجرت کر گئے۔ تم سمجھتے تھے کہ خدا کوئی نہیں ہے۔ اور نہ خدا میری استعانت فرمائے گا۔

دیکھو! خداوند کریم نے میری امداد کی اور اس نے اپنا اقرار صحیح ثابت کر دیا آج سارے گروہ اور تمام قبائل شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ سنو! اور گوش ہوش سے سنو۔

آج مکہ مکرمہ سے کفر زائل ہو گیا۔ کفار ذلیل و خوار ہو گئے۔ صدیوں کے بعد خانہ کعبہ بتوں کے وجود سے پاک ہو گیا۔ اور اب کسی قوم کو یہ جائز نہیں ہے کہ خانہ کعبہ میں خون ریزی کرے۔

یہ بیت الحرام ہے اور اس جگہ کا احترام واجب و لازم ہے۔ اور اس جگہ کا اس قدر

احترام کرنا چاہئیے کہ یہاں کا کوئی سبز درخت تک بھی نہ کاٹا جائے۔ یااہل مکہ! آج خدائے وحدہ لاشریک نے مسلمانوں کے ذریعہ سے جاہلیت کی تمام رسوم کو پامال کردیا ہے:۔

صرف کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کو آب زمزم کا پلانا باقی رکھا گیا ہے۔ یہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اے گروہ قریش! آج ایام جاہلیت کا تجرا اور نفسی فخر بھی مٹ گئے ہیں۔

خاندانی شرافت یا قومی نجابت کوئی چیز نہیں رہی۔ بلکہ اب شریف اور نجیف وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ پرہیز گار اور خدا کا عبادت گذار ہو!

یاد رکھو! تمام آدمی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ لہذا مٹی کے پتلے کو فخر و غرور زیبا نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید و فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔

ترجمہ: اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور ہم نے کنبے اور قبیلے کیے۔ تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو! اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور خبردار ہے۔"!

آنحضور صلعم نے یہ تقریر فرما کر اہل قریش سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اے گروہ قریش! تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔

یہ سنتے ہی تمام اہل قریش کے چہروں سے وحشت کے آثار ظاہر ہوگئے اور خوف و ہراس بھری نگاہوں سے آنحضور صلعم کے روئے مبارک کی طرف دیکھنے لگے۔

چند معزز لوگوں نے کہا!"

حضورﷺ اکرم! ہم آپ سے خیر و برکت کے امید دار ہیں۔ کیونکہ آپ ستودہ خصائل رکھتے ہیں۔ آپ قریش کے سب سے بڑے بزرگ قبیلہ بنو ہاشم سے ہیں اور اس قبیلہ کے سب سے بزرگ و معزز انسان ہیں۔

آنحضور صلعم نے مسکرا کر فرمایا۔

سنو! آج میں تم سے وہی کرتا ہوں۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ لہٰذا تم سب کے سب لوگ آزاد ہو۔

اہل قریش یہ سنکر کمال مسرور ہوئے۔ ان میں سے چند لوگوں نے کہا۔ یا محمدﷺ تم بے شک خدا کے سچے رسول ہو! یہ حلیمی یہ کریمی یہ مہربانیاں پیغمبروں ہی کی شایان شان ہیں۔

یہ امر واقع ہے کہ ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی ایسی ایذائیں دیں۔ جو آج تک کسی نے کسی کو بھی نہ دی ہوں گی۔ ہم کو خوف تھا۔ کہ آنحضورﷺ صلعم ہم سے انتقام لیں گے۔ لیکن - - - - - - - حضور اکرمﷺ نے ہماری توقعات کیخلاف ہم کو معاف کر دیا۔ جس کے لیئے ہم آپکے مشکور و ممنون ہیں۔

حضورﷺ اکرم نے تبسم و تمکنت کے لہجہ میں فرمایا! جاؤ اور بے فکری سے اپنے اپنے کاروبار کرو۔ چنانچہ اہل قریش بصد تشکر و امتنان وہاں سے رخصت ہو گئے اور حضورﷺ نے لشکر اسلام کو بھی آرام کرنے کا حکم دیا۔

لشکر اسی جگہ مقیم ہو گیا۔ جن مسلمانوں کے مکہ معظمہ میں مکانات تھے۔ اور ان مکانات پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے اپنے مکانوں میں جا کر آرام کرنے لگے۔ مگر سرور کائنات فخر

موجودات احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ اخیمہ ہی میں آرام فرمارہے ہے۔ چند روز گذرنے کے بعد حارث نے سلمہ جمیلہ۔ رقیہ اور دوسرے اپنے ہمراہیوں کو بھی مکہ میں بُلالیا:۔

جب وہ تمام مکہ میں آگئے تو سلمیٰ اپنے مکان پر گئی اپنے مکان پر جانے سے اُسے معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ایک مدت گذر چکی ہے۔ جب کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔

اگرچہ اُسے اپنے شوہر سے کچھ بھی محبت و پیار باقی نہ رہا تھا۔ تاہم اسکی موت کی خبر سن کر اُسے افسوس ہوا۔

کچھ عرصہ کے بعد جمیلا اور رقیہ کی شادیاں معزز مسلمانوں کے ساتھ کردی گئیں اور وہ سب خوش و خرم رہکر زندگی کے باقی ماندہ دن آرام و آسائش سے بسر کرنے لگے"!

اس طرح سے ایک تنہا ہستی نے عرب میں وہ انقلاب پیدا کردیا۔ جو چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

صدہا سالہ بت پرستی کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر خدا پرستی کا سکہ جمادیا۔ جو آج تک بھی عرب کے گوشہ گوشہ میں رائج ہے۔ چندہی روز میں تمام عرب اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے اور مکہ میں ایک بھی کافر نہ رہا۔ جس قدر بت خانے تھے۔ منہدم کردیئے گئے۔ اور جس قدر بت تھے توڑ کر مکہ سے باہر پھینک دیئے گئے۔ صدہا سالہ بت پرستی کے بعد مکہ معظمہ میں خدا پرستی کا دور دورہ شروع ہوا اور ایام جاہلیت کی تمام بیہودہ رسوم کا خاتمہ کردیا گیا۔

گویا نیر اسلام نے فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو کر اپنی ضیاء بار کرنوں سے کفر و گمراہی کی تاریکی کو دور کردیا تھا۔ اب مکہ کے در و دیوار اس روشنی سے جگمگا اٹھے تھے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو تاریخوں میں مرقوم و محفوظ ہیں۔ ان واقعات کو پڑھکر بھی کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اگر اب بھی کوئی شخص یہی کہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو اُس کے فاتر العقل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

جدید باتصویر جامع لغات

(عربی اردو ڈکشنری)

المنجد

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

یہ گویا عربی زبان کی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں اختصار کے ساتھ عربی زبان کے تمام الفاظ لیے گئے ہیں۔ اس لغت کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان بھر میں مطبوعہ لغات میں سب سے بڑی ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار سے زیادہ عربی الفاظ کے معانی و تشریح، ضرب الامثال و عربی محاورات کے اردو معانی، اہم اشیاء کی تصاویر اور ان کے عربی نام موجود ہیں

ناشر

انجم بکڈپو، ۴۲۰۸ جامع مسجد، دہلی ۶